

خزینہ معارف



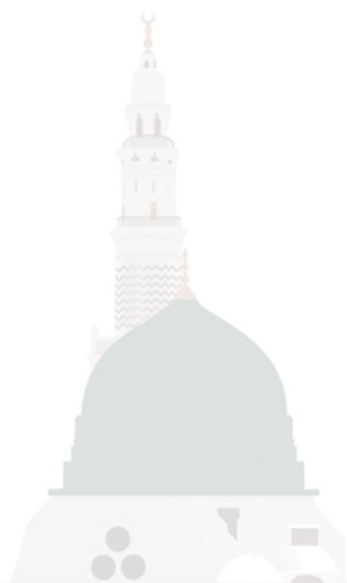
از

ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب

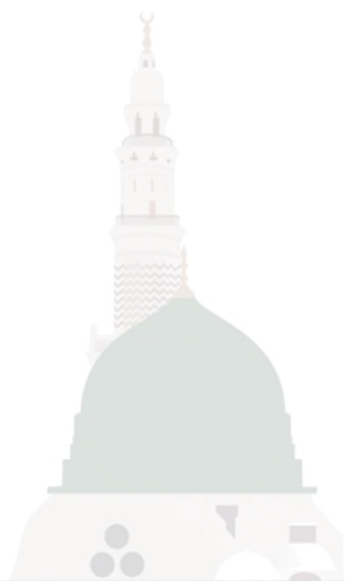
اُردو ترجمہ: ابریز



www.maktabah.org



www.maktabah.org



www.maktabah.org





معرفت اور علم لدنی کی لاجواب کتاب

خزینہ معارف

اردو ترجمہ

ابریر

معہ حواشی و پیش لفظ از مترجم

جس میں حضرت علامہ احمد بن مبارک سلجھاسی رحمۃ اللہ علیہ نے غوثِ زماں
حضرت سید عبدالعزیز دباغ مغربی کے مختصر حالات زندگی متعدد آیات قرآنی،
احادیث نبوی کی بینظیر تشریحات اور علم و عرفان کی نادر باتیں جمع کی ہیں

مترجم

ڈاکٹر پیر محمد حسن ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی، راولپنڈی

احمد بک کارپوریشن

عالم بزنس سینٹر اقبال روڈ، راولپنڈی فون: 051-5558320

www.maktaba.org

کتاب: خزینہ معارف
تالیف: ڈاکٹر پیر محمد حسن
مطبع: اکرم پریس، بلال گنج لاہور
ناشر: ہاشمی پبلی کیشنز، راولپنڈی



فہرست مضامین

حصہ اول

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۹	اخفا رمال کی ایک اور شہادت	۶۱	خطبہ
"	کشف کی ایک اور مثال	"	نسب نامہ حضرت عبدالعزیز دبارغ
۷۰	قیام بلیں میں فشتالی کی حالت	۶۲	جبریل کا آنحضرت سے حقیقتِ ایمان کے متعلق سول کرنا
"	کشف کی مثال	"	جامع کتاب کی حضرت دبارغ سے پہلی ملاقات
"	آداب شرع کا پاس	۶۳	ابتداء تا بیعت کتاب
"	فشتالی کا صبر و تحمل	"	العربی الفشتالی کا مبارک بن علی کی بیعت کرنا
"	ہمسایوں سے بڑاؤ	۶۵	عبدالعزیز دبارغ کا فارحہ سے نکاح
۷۱	کشف و کرامت کی ایک اور مثال	"	العربی الفشتالی کے کشف کی ایک مثال
"	ایک واقعہ	۶۶	العربی کی مسعود دبارغ سے محبت
"	کشف کی مثال	"	عبدالعزیز دبارغ کی ولایت کی پیشگوئی
"	فشتالی کا شاہد عادل ہونا	"	العربی کی وفات
۷۲	فصل ثانی	۶۷	عبدالعزیز کی ولادت
"	عبدالعزیز دبارغ کی خضر سے ملاقات	"	الفشتالی کا رتبہ
۷۳	عمر بن محمد ہواری کی وفات	"	الفشتالی کے کشف کی ایک اور مثال
۷۴	حضرت عبدالعزیز دبارغ کا شرح صدر	۷۸	کشف کی تیسری مثال
۷۵	عبداللہ بن آدمی سے ملاقات	"	فشتالی کا اپنے احوال کو چھپانا
۷۶	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت	"	عمر بن الفارض کے ایک شعر کا الفشتالی پر اثر

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۲	تفسیری کرامت	۷۶	عبد اللہ بن ہادی کا دیباغ کے سامنے عورت کی صورت میں آنا۔
۹۳	چوتھی		عبد اللہ بن ہادی کی وفات
"	پانچویں	۷۷	صالحین خواہ ایک دوسرے سے کتنا دور ہی کیوں نہ رہتے ہوں ان کے درمیان بُعد نہیں ہوتا۔
"	چھٹی	"	دیباغ نے ہنادی سے اسرار ورثے میں ایسے
۹۴	ساتویں	"	قطب زمان منصور بن احمد سے ملاقات
"	آٹھویں	۷۸	منصور بن احمد کی وفات
۹۵	نویں	"	سید عبد اللہ بن ہادی منصور بن احمد سے بڑے تھے
۹۸	دسویں	"	محمد لواج سے ملاقات
۹۹	اللہ کی معرفت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ضروری ہے۔	۷۹	کتمان ستر کی تاکید
"	وہ کرامات دکھن جو محمد بن احمد زبیری سے پیش آئیں۔	۸۰	کتمان ستر کے بارے میں پہلی حکایت
"	حضرت کا ایک کشف	۸۱	دوسری حکایت
۱۰۰	دوسرا کشف	"	تفسیری
"	تفسیر	۸۲	چوتھی
۱۰۱	چوتھا	۸۳	پانچویں
"	پانچواں	۸۴	تفسیری فصل
۱۰۲	چھٹا	"	شیخ کی بعض کرامات کا بیان
"	ساتواں	"	کرامت اول سلامت عقیدہ
"	آٹھواں	۸۵	احادیث صفات کے متعلق سوال
۱۰۳	نواں	۸۸	جنت کی نعمتوں کی حقیقت دنیا والے معلوم نہیں کر سکتے۔
"	کرامت	"	احادیث صفات کے متعلق مولف کی تشریح
"	دسواں کشف	"	دوسری کرامت
۱۰۴	کرامت اور گیارھواں کشف	۹۱	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۱۵	ساتویں کرامت	۱۰۵	بارہواں کشف
"	آٹھویں	"	تیرہواں کشف
"	نویں	"	گواہت
۱۱۶	الارضیٰ سید العربی الزیادی کی تحریر کردہ کرامات	"	چودھواں کشف
"	پہلی کرامت	۱۰۶	پندرہواں کشف
"	دوسری	"	ایک اور کرامت
۱۱۷	قمیری	۱۰۷	فقہ علی بن عبداللہ القباغی کی بیان کردہ کرامات
۱۱۸	چوتھی	"	پہلی کرامت
۱۱۹	پانچویں	"	دوسری
"	چھٹی	۱۰۸	قمیری
"	ساتویں	۱۰۹	چوتھی
"	آٹھویں	۱۱۰	پانچویں
"	نویں	۱۱۱	چھٹی
۱۲۰	دسویں	۱۱۲	ساتواں کشف
"	گیارہویں	"	آٹھواں کشف و کرامت
۱۲۱	بارہویں	"	نواں کشف
۱۲۲	تیرہویں	۱۱۳	حضرت ان کرامات کا ذکر جو الفقیہ عبداللہ بن علی
"	چودھویں	"	سامی نے بیان کیں
۱۲۳	پندرہویں	"	پہلی کرامت
"	سولہویں	۱۱۴	دوسری
۱۲۵	سترہویں	"	قمیری
"	اٹھارہویں	۱۱۵	چوتھی
۱۲۶	انیسویں	"	پانچویں
"	بیسویں	"	چھٹی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۲۶	پہلی پہچان: ملائکہ بشری سے خارج ہونا	۱۲۶	احادیث کے متعلق
۱۲۷	دوسری پہچان: اس میں دُکدبہ پایا جاتا ہے	"	اکیسویں اور سب سے بڑی کرامت
"	تیسری پہچان	۱۲۸	اُمِرْتُ بِالْاِحْکَمِ بِالْاَنْطَوَاهِرِ
۱۲۸	چوتھی پہچان	"	كُنْتُ كُنُوزًا لَا اَعْرَفُ
	پہلا باب	"	اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ الْعَقْلَ
۱۲۹	وہ احادیث جن کا مطلب ہم نے شیخ سے دریافت کیا	۱۲۹	اَتَّخِذُوا عِنْدَ الْفَقْرِ سَبِيلاً
"	پہلی حدیث	"	اُحِبُّ الْعَرَبَ لِسَلَالَتِ
"	اس حدیث پر اعتراض اور اس کا جواب	"	عُلَمَاءُ مَتْنِي كَاثِبِيَّاهُ مَتْنِي اِسْرَائِيلَ
۱۳۰	دوسری حدیث: اِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْزَابٍ	۱۳۰	اَنَا اَنْصَحُو مَنْ تَقَلُّوْ بِالْصَّادِ
"	سات حروف کیا ہیں ؟	"	کلام نبی چھپا نہیں رہتا
۱۳۱	۱- حرفِ بَوت	"	اولیاء کلام نبی کو کیسے پہچانتے ہیں
"	۲- حرفِ رسالت	"	دوسری پہچان
۱۳۲	۳- حرفِ آدمیت	۱۳۱	اولیاء خواہ اُمی ہی کیوں نہ ہوں قرآن اور حدیث میں امتیاز کر سکتے ہیں۔
"	۴- حرفِ روح	"	قرآن اور حدیث قدسی میں فرق
"	۵- حرفِ علم	۱۳۲	حدیث قدسی کی قسمیں
۱۳۳	۶- حرفِ قبض	"	حدیث قدسی کلام خداوندی نہیں بلکہ کلام نبیؐ ہے
"	۷- حرفِ بسط	۱۳۳	نور نبیؐ کی تشریح
"	شیخ کی تقریر پر اعتراض	"	دوسری تشریح
"	شیخ کی طرف سے اعتراض کا جواب	۱۳۴	نور نبیؐ کی تین حالتیں
۱۳۴	حروف کی مزید تشریح	"	تیسری تشریح
"	اجزاء آدمیت اور اس کا پہلا جزو	۱۳۵	کلام پاک کی ہدیت اور دُکدبہ شاہی فساد
"	دوسرا جزو	"	کلام ہے۔
"		"	کلام اللہ کی پہچان

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۵۶	ذات نبی اور غیر نبی کے قبض میں فرق	۱۵۱	تیسرا جزو
"	شہیدین کا قبض	"	چوتھا جزو - حسن باطنی کا کمال
"	عامۃ المؤمنین کا قبض	"	پانچواں جزو - نہ ہونا
۱۵۷	۴- نبوت	"	چھٹا جزو - انسانی جسم سے شیطانی حصہ نکال دینا
"	۱- حق گوئی	"	ساتواں جزو کمال عقل
"	حکایت	"	۲- قبض
۱۵۸	دوسری حکایت	"	۱- حالت
"	۲- صبر	۱۵۲	۲- انصاف
۱۵۹	۳- رحمت	"	۳- ضد سے نفرت
۱۶۰	۴- معرفت الہی	"	۴- حق بات کہنے سے نہ شرمانا
"	۵- خوفِ تام	"	۵- تعمیل احکام
۱۶۱	۶- بغضِ باطل	"	۶- میل الی الجنس
"	۷- عفو	۱۵۳	۷- کمال گرفت
۱۶۲	۵- رُوح	"	۳- بسط
"	۱- ذوقِ اللہ	"	۱- فرجِ کامل
"	ذوقِ روح اور ذوقِ جسم میں فرق	"	۲- سکونِ خیر فی الذات
۱۶۳	روحِ محمدی اور دیگر ارواح میں فرق	۱۵۴	۳- فتحِ حواسِ ظاہر
"	۲- طہارت	"	فتحِ حواسِ ظاہرہ اور کمالِ حواسِ ظاہرہ میں فرق
۱۶۵	آنحضرت کی روح سب سے بڑی روح ہے	"	۴- فتحِ حواسِ باطنہ
"	خون کی صفائی چار باتوں سے حاصل ہوتی ہے	"	۵- مقامِ رفعت
۱۶۶	۳- تمیز	"	۶- حسنِ تبادر
"	روحِ محمدی سے کوئی چیز محبوب نہیں	۱۵۵	۷- نرم خوئی و تواضع
"	علمِ ازل الہی اور علمِ نبوی میں کیا فرق ہے	"	ادیت، قبض اور بسط کے اجزاء، انبیاء و غیر انبیاء میں
۱۶۸	۴- بصیرت	"	میں پاسے جاتے ہیں، لیکن انبیاء میں بدرجہ اعلیٰ ہوتے ہیں

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۸۲	۴۔ زندگی میں موت	۱۶۹	۵۔ عدم غفلت
۱۹۱	۵۔ جنتیوں کی سی زندگی بسر کرنا	۱۷۰	اِنَّ لَا اَلٰهَ اِلَّا اَللّٰهُ وَكَوَلِّتِ النَّفْسَ لَاسِقٍ
۱۹۱	قرآن مجید میں کُن کے بارے میں ابو بکر باطلانی کی رائے۔	۱۷۱	۶۔ قوتِ سر بیان
۱۹۹	نزدلی و حسی کے بعد آنحضرتؐ معجزہ کے طور پر کھٹنا اور پڑھنا جانتے تھے۔	۱۷۱	بیچنی علیہ السلام کا قصہ
۱۹۹	قرآن کا رسم الخط توقیفی ہے	۱۷۱	اولیاء اللہ میں بھی یہ قوت پائی جاتی ہے۔
۲۰۰	اِنَّ فِي الْقُرْآنِ لَحُكْمًا وَرَحْمَةً	۱۷۱	واقعہ معراج
۲۰۰	حرکاتِ ثلثہ اور جزم کے انوار	۱۷۱	۷۔ مولیاتِ اجرام کا عدم احساس
۲۰۵	رفع کی سات قسمیں ہیں	۱۷۱	۸۔ علم
۲۰۵	جزم کے اقسام	۱۷۱	۱۔ معلومات کا بار اٹھانا
۲۰۵	زبر کے اقسام	۱۷۱	۲۔ ضائع نہ کرنا
۲۰۵	زیر کے اقسام	۱۷۱	۳۔ زبانوں، حیوانوں اور جمادات کی آوازوں کی معرفت
۲۱۵	سورۃ فاتحہ کی مختلف قراتوں کے معانی	۱۷۱	۴۔ انجام سے واقفیت
۲۱۸	حضرت علیؑ کی قرات مَلَاکِ یَوْمَ الدِّینِ	۱۷۱	۵۔ ان علوم کی معرفت جن کا تعلق انسانوں اور جنوں سے ہے۔
۲۱۹	الروحیۃ کی قرات مَا اِثَّ یَوْمَ الدِّینِ	۱۷۱	۶۔ ان علوم کی معرفت جن کا تعلق کونین کے احوال کے ساتھ ہے۔
۲۲۰	عمر بن عبدالعزیز کی قرات مَلَاکِ یَوْمَ الدِّینِ	۱۷۱	۷۔ جہالت کا ایک جہت میں محصور ہونا
۲۲۱	مذکورہ بالا قراتوں کے علاوہ اور قراتیں	۱۷۱	۸۔ رسالت
۲۲۱	اِیَّاكَ کی مختلف قراتیں	۱۷۱	۱۔ روح کا جسم میں برضا و رغبت قیام
۲۲۲	اسواری کی قرات اِیَّاكَ	۱۷۱	۲۔ علم کامل
۲۲۲	بعض اہل مکہ کی قرات نَعْبُدُ	۱۷۱	۳۔ صدق
۲۲۲	اِیَّاكَ نَعْبُدُ	۱۷۱	۴۔ سکینہ و وقار
۲۲۲	قرات نَعْبُدُ	۱۷۱	۵۔ مشاہدہ کاملہ
۲۲۲	بیچنی بن قناب کی قرات نَسْتَعِیْزُ	۱۷۱	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۵۱	دوسرے اعتراض کا جواب	۲۲۵	حضرت عمر کی قرأت غَیْبِ الْمَغْضُوبِ
"	ابن حجر کے بیان پر اعتراض	۲۲۶	ابو الیث بن عقیان کی قرأت وَلَا الصَّالِحِينَ
۲۵۲	ابو جعفر طبری کا بیان	"	مقام نبوی
"	ابن بغال کا بیان	۲۲۷	شرح حال روح
۲۵۳	ایک اور بیان	"	معارف اولیاء کی شرح
"	امام ابو محمد ابن ابی حجر کا بیان	۲۲۸	شرح حدیث: اُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ
۲۵۴	رحمانی و شیطانی خوابیں	"	اَحْرَبَ
۲۵۵	سچی اور جھوٹی خوابیں	۲۲۹	اَئِتْمَہ قُرَاءِہ اور حضرت کے بیان میں فرق
۲۵۶	ضرر رسال اور غیر ضرر رسال خوابیں	۲۳۰	کس کوئی یہ خیال نہ کر بیٹھے کہ قرآن کی تفسیر انہی
۲۵۷	جب خواب نقصان دہ نہیں تو پھر نعوذ کا کیوں	"	سات باطنی حروف سے ہو سکتی ہے اور بس
۲۵۸	حکم دیا گیا	"	حروف ملفوظہ کے اسرار کا علم سوائے اصحاب کشف
"	بائیں طرف تھوکنے کا کیوں حکم دیا گیا	"	کے کسی کو نہیں ہو سکتا
"	دائیں جانب سے کیا مراد ہے	۲۳۱	قرآن مجید کا رسم الخط قطعی ہے اصطلاحی نہیں
۲۵۹	تین باتھنکارنے میں حکمت	۲۳۲	دو اعتراض اور ان کا جواب
"	پریشان خواب دیکھنے کے بعد نماز پڑھنے کا حکم	۲۳۳	کلام شیخ اور احادیث میں تطبیق
۲۶۰	آنحضرت کی موجودگی میں ابو بکرؓ کی دی ہوئی تعبیر کے	۲۳۴	اختلاف قرأت سات قسم کا ہے
"	متعلق سوال	۲۳۵	تفسیری حدیث اَلْمُرُوءِیَا الصَّالِحَةِ الْوُ
۲۶۱	حدیث کے الفاظ کی روایت میں اختلاف	۲۳۶	اس حدیث کے وہ شرح جو امام غزالی نے کی ہے
۲۶۲	ابو بکرؓ کی غلطی کے بارے میں علماء کا اختلاف	۲۳۷	مازہ کی تشنوع
"	قامنی عیاض کی رائے	"	ابوسعید سفاقی کی تشریح
۲۶۳	تقیہ بن سعید وغیرہ کی رائے اور اس کا جواب	"	اس پر اعتراض
"	امام طحاوی وغیرہ کی رائے	۲۳۸	تیسرے اعتراض کا جواب
۲۶۴	ایک اور قول	"	جواب الجواب
"	"	"	چوتھے اعتراض کا جواب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۸۴	اٹھواں درجہ	۲۸۸	ابن عربیؒ کی رائے
۲۸۵	نواں	"	حضرت سید عبدالعزیزؒ دہلیؒ کی بیان کردہ تشریح
"	دسواں	۲۹۱	امراء ثلاثہ سے کون مراد ہیں ؟
۲۸۸	درجات طہارت	۲۹۵	خواب کیا ہے اور کیسے نظر آتی ہے ؟
۲۸۹	طہارت کا پہلا درجہ	۲۹۵	مازہبی کی رائے
"	دوسرا درجہ	"	فلاسفہ کی رائے
"	تیسرا	"	معتزلی کی رائے
۲۹۰	چوتھا	"	ابن عربیؒ کی رائے
"	پانچواں	۲۹۶	صالح معتزلی کی رائے
"	چھٹا	"	خواب کے متعلق اہل سنت کی رائے
"	ساتواں	"	ایک اور رائے
۲۹۱	اٹھواں	"	ایک اور قول
"	نواں	۲۹۷	اس حدیث کے متعلق دہبی کی رائے
"	دسواں	۲۹۸	ایک اور رائے
"	سوال	۲۹۸	خواب کی دو قسمیں ہیں، خواطر اور ادراکات
۲۹۰	جواب - انبیاء کی خوابیں دو قسم کی ہیں - معاینہ	۲۹۹	پہلی قسم - ادراکات
"	اور دہی	۳۰۰	غلام - نفلت کے دس درجے ہیں
۲۹۱	معراج دومرتبہ ہوئی ایک مرتبہ روحانی اور دوسری	۳۰۱	پہلا درجہ
"	مرتبہ جسمانی	۳۰۱	دوسرا
"	خواب دہی	۳۰۱	تیسرا
۲۹۲	سوال	"	چوتھا
"	جواب	۳۰۲	پانچواں
۲۹۳	جناب سید ابوالجود علیہ السلام کو خواب میں دیکھنا	۳۰۳	چھٹا
۲۹۶	خواب کی دوسری قسم	۳۰۴	ساتواں

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۱۸	آنحضرتؐ کا اُسے نہ پہچانا حدیث مَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَتَدَّ اَعْطَى مَا جَدَّهٖ اَمِنْ عَلَيْهِ الْبَشَرُ	۲۹۶	تعبیرِ باریک و باری علم ہے جو کسب سے حاصل نہیں ہو سکتا
۲۲۰	مشاہدہ نبی کریمؐ	۲۹۸	حدیث الْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ الْوَ
۲۲۲	حدیث الْاَشْعَرِیَّتِیْنِ	"	تشریح
۲۲۵	تابیر نخل کا تنہ	۲۹۹	سوال و جواب
۲۲۸	حدیث اِذَا اِذِنَ بِالصَّلٰوةِ اَوْ نَزَلَ الشَّيْطَانُ وَلَهُ صَرَاطٌ	۳۰۰	قرآن کی آیت کو بھلا دینے کی حدیث کے متعلق سوال
"	حدیث اَبِیْتُ عَنَدَ رَبِّیْ یَطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِیْ	جواب	جنت اور دوزخ کی بحث والی حدیث کے
۲۲۹	ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	۳۰۱	متعلق سوال
۲۳۱	ولادت نبویؐ کس ماہ میں ہوئی	۳۰۲	جبریلؑ کا کچھ مدت تک وحی دے کر آنے والی حدیث
"	آنحضرتؐ کا یوم ولادت	۳۰۳	کے متعلق سوال
"	آنحضرتؐ کا سال ولادت	۳۰۴	محشر میں اللہ کا مومنین کے سامنے آنا
"	آنحضرتؐ کی مدینہ محل	۳۰۵	حدیث اِنَّ قَلْبَ الْعَبْدِ بَيْنَ الْاَلَمِیْنِ کے
۳۰۲	آنحضرتؐ کے بغل کے بال	متعلق سوال	جواب
"	کیا آنحضرتؐ کے ابروٹے ہوتے تھے؟	۳۰۶	حدیث جبرائیلؑ میں اللہ کا وایاں ہاتھ ہے
"	آنحضرتؐ کی چال	کے متعلق سوال	یُؤْتِیْ بِالْمَوْتِ فِیْ صُوْرَةٍ کَبِیْشٍ الْوَ
۳۰۳	آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی	۳۰۷	کے متعلق سوال
"	آنحضرتؐ کے بال سفید بال، خضاب اور چوڑا	۳۰۸	کلمہ لیں کی تسبیح وغیرہ کے متعلق بیان
"	کا استعمال	۳۰۹	حضرت داؤد اور ینڈک کا قصہ
"	شق صدر	۳۱۰	موسیٰ علیہ السلام کا اللہ سے کلام والی حدیث کے
۳۰۵	کیا آنحضرتؐ کی انگشت شہادت درمیان انگشت سے بڑی تھی؟	۳۱۱	متعلق سوال
"	جبرائیلؑ کا آنحضرتؐ کو تین بار بھینچنا	۳۱۲	جبرائیلؑ کا ایک سال کی صورت میں آنا اور

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۵۸	سربانی زبان تمام زبانوں میں ساری ہے	۲۲۶	حدیث اَرَايْتُمْ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ ؟
۲۶۰	حضرت آدم کی زبان سربانی تھی۔	۲۲۹	دوسرا باب
۲۶۱	اہل دیوان کی زبان سربانی ہے۔	"	قرآنی آیات
۲۶۲	کیا سوال قرآنی میں ہو گا یا کسی اور زبان میں ؟	"	۱۔ نَلَمَّا اَتَاهُمَا صَالِحًا ۝
"	سوال و جواب کے الفاظ	۲۳۰	۲۔ اَتَجْعَلُ فِيهَا
۲۶۳	صَرَازھو	۲۳۱	۳۔ اَسْبِعُوا اَحْسَنَ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ
۲۶۵	مراد ادرہو	۲۳۵	قرآن مجید کی متعدد آیات میں سَمِعَ کو بَصَرِ
"	کلمات قرآن کے متعلق سوال	"	مقدم کیوں لایا گیا ہے ؟
"	اَسْقَارًا	"	وَالَّذِينَ اِذَا فَعَلُوا نَاجِسَةً ۝
۲۶۶	الزَّبَانِيُونَ	۲۳۶	وَالزَّمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ ۝
۲۶۷	هَيَّتْ لَكَ	"	وَاِنَّ اَهْلَكَ عَادٍ ۝
۲۶۸	شہر	۲۳۸	حضرت تبارغ غوث وقت تھے
۲۶۹	عَدَن	۲۴۱	وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ ۝ اِذْ يَخْلُمَانِ فِي الْخُورِ ۝
۲۷۰	رَهْوًا	۲۴۳	حکایت
۲۷۱	کیا قرآن مجید لوح محفوظ میں عربی میں لکھا	"	يَوْمَ لَيْسَتْ عَنْ سَائِ
"	ہوا ہے ؟	"	مَشِيًا يَمْشِيًا
۲۷۰	کفیعص	"	انجیل کے معنی
۲۷۱	الْح	۲۴۵	توراة کے معنی
۲۷۲	مَ	۲۴۶	مشفق
"	کفیعص	"	الْمُنْحَمَّنَا
۲۷۵	لَ	"	ایک اور فقہ اور اَحْمٰی حَمِيْدًا وَاَطْمٰی طَبِيْنًا
۲۷۵	ھ	"	کی تشریح
۲۷۵	ی	۲۴۷	سربانی ارواح کی زبان ہے
۲۷۷	ایک واقعہ	۲۴۸	سربانی کے ساتھ تمام زبانوں میں اللہ پایا جاتا ہے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۸	۱۹۔ رَبِّ اَدْرِى اَنْظُرَ اِلَيْكَ الْاٰیةِ	۴۶۶	ایک اعتراض
۴۹	۲۰۔ يَمْحُوْهُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَرَشِيْثٌ -	۴۶۸	جواب
۴۱۰	۲۱۔ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰۤاٰدَمُ اسْكُ -	۴۶۹	سوال
۴۱۳	اہل فوج کو کن باتوں کا مشاہدہ ہوتا ہے	"	جواب
۴۱۴	دوسرے مقام کے مشاہدات	۴۸۱	دوسرا سوال
۴۱۶	۲۲۔ وَاِذْ اَلُوْا اِلٰہَ رَبِّكَ مُعٰضِیًا الْاٰیةِ	"	جواب
۴۱۸	۲۳۔ وَاَلُوْا اِلٰہَ رَبِّكَ	۴۸۳	سربانی زبان میں حروف تہجی کے معانی
۴۱۹	۲۴۔ وَفَرَّغَتْ عَنْ ذِکْرِیْ	۴۸۹	۱۳۔ اٰیۃٌ وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
۴۲۱	۲۵۔ وَهَدٰیہَا لَوْلَا اَنْ رَّا بُرْہَانَ رَبِّہِ	۴۹۰	۱۵۔ مسئلہ غرائق
۴۲۲	۲۶۔ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَنْکِیْمًا الْاٰیةِ	۴۹۱	ابن حجر کا بیان
۴۲۳	۲۷۔ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ	۴۹۲	حضرت ربیع کا جواب
"	۲۸۔ فِی الْغَمْرِ السَّارِسَةِ زُکُوۃٌ	۴۹۳	وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ الْاٰیةِ
۴۲۶	۲۹۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْہِ اَیْلٌ	۴۹۵	پہلی تفسیر
"	۳۰۔ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَّسُوْلَہٗ بِالْحَمْدِ	"	دوسری
۴۲۹	۳۱۔ وَفَضَّلَہُمْ مِنْ عٰہِدَہِ اللّٰہِ الْاٰیةِ	۴۹۶	تیسری
۴۳۱	۳۲۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ الْاٰیةِ	۴۹۷	۱۶۔ قَعۃٌ مَّارُوۡتٍ وَمَارُوۡتٍ
۴۳۳	کیا انبیاء نبوت سے پہلے بھی معصوم ہوتے ہیں	"	۱۷۔ وَیَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ مِیَۡٔ اِنۡجَالٍ مِّنۡ
۴۳۵	۳۳۔ وَتَحٰثُّۙ اِلَآسَ وَاللّٰہُ اَحَقُّ الْاٰیةِ	"	بَرَدٍ
۴۳۶	۳۴۔ عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ	۴۹۸	سوال
۴۳۸	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا علم تھا	"	جواب
۴۴۰	۳۵۔ وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیۡنَ حَتّٰی نَبْعَثَ الْاٰیةِ	۴۹۷	زلزلہ اور اس کا سبب
۴۴۲	"	۴۹۳	خسف کا سبب
۴۴۳	۳۷۔ وَمَا یَبۡکُوۡنُ لَنَا اَنْ نَّعُوۡذَ بِہِمَا اِلَّا اَنَّ	۴۹۵	۱۸۔ یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شَوَاطِیۡٓ مِنْ نَّارِ الْاٰیةِ
۴۴۴	۳۸۔ وَالتَّجۡمِیۡدِ اِذَا هَوٰی	۴۹۶	"

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۵۰	۴۰۔ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى الآیۃ	۴۴۵	الصَّحَدُ
۴۴۶	اور اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَكَ عَلِيمٌ السَّاعَةِ الْآیۃ	۴۴۶	اٰیۃ
			۴۴۷۔ اِنَّا نَحْنُ اللَّحَقُّ

حصہ دوم

۴۹۰	۴۹۵	تیسرا باب
۴۹۳	۴۹۶	فاسق کون ہے؟
۴۹۵	۴۹۷	مُحْرَمِین
۴۹۶	۴۹۸	اپنے اعمال پر غرہ نہیں ہونا چاہیے
۴۹۶	۴۹۹	حکایت
۴۹۶	۵۰۰	لوگ جنت میں اللہ کی رحمت سے جا میں گئے نہ کہ
۴۹۸	۵۰۱	اعمال کی وجہ سے۔
۴۹۹	۵۰۲	کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے درود پڑھنے
۵۰۰	۵۰۳	سے فائدہ پہنچتا ہے۔
۵۰۱	۵۰۴	لوگ بزرگوں کی قسمیں یا بزرگوں کا نام لیکر کیوں
۵۰۲	۵۰۵	فریاد کرتے ہیں۔ اللہ کا نام کیوں نہیں لیتے۔
۵۰۳	۵۰۶	اللہ سے منقطع کر نیوالے اسباب مصائب میں کیا حصال
۵۰۴	۵۰۷	پائی جاتی تھیں؟
۵۰۵	۵۰۸	کمن امور سے ایمان بڑھتا ہے
۵۰۶	۵۰۹	اعلام کیوں حرام ہے؟
۵۰۷	۵۱۰	زنا کیوں حرام ہے؟
۵۰۸	۵۱۱	قیامت کے دن سب سے سخت عذاب کسے ہو گا
۵۰۹	۵۱۲	رسولوں کے بھیجنے کا مقصد

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۲۶	حضرت نذیرؓ اور حضرت عائشہؓ میں کون افضل ہے۔	۵۱۶	پننا یا خوراک کھانا وغیرہ بُری بات ہے
۵۲۷	حضرت عائشہؓ کی انصافیت	۵۰۸	طولِ عمر میں حکمت
۵۲۸	بیلہ اقدار کی اصل	۵۰۹	حکایت
۵۲۹	ساعتِ جمعہ کی قبولیت دعا کا سبب	۵۱۲	ایک عابد کا واقعہ جس نے اپنے اعمال پر اکتفا دیکھا
۵۲۹	مشرق و مغرب کے اعتبار سے اس ساعت کو کس طرح پایا جائے۔	۵۱۲	اہل دیوان مرنے کے بعد اپنے آپ کو خود غسل دیتے ہیں۔
۵۳۰	ساعتِ جمعہ اور شہدِ قدر کے منتقل ہونے کا سبب	۵۱۳	ایک واقعہ
۵۳۱	احادیث سے حضرت کے بیان کی تائید	۵۱۹	چوتھا باب
۵۳۲	اہل دیوان میں سے ہر کوئی کورج محفوظ کو نہیں دیکھ سکتا۔	۵۲۱	دیوانِ صالحین
۵۳۳	دیوان میں سے غوث کی غیر حاضری	۵۲۱	گزشتہ گان میں سے بعض کاملین بھی دیوان میں حاضر ہوتے ہیں۔
۵۳۴	غوث کی موجودگی میں کسی کو مخالفت کی جرأت نہیں ہو سکتی۔	۵۲۲	امواتِ اولیاء سے زندوں کے امور کے بارے میں مشورہ نہیں کیا جاتا
۵۳۵	ایک واقعہ	۵۲۲	مردوں کے لیے دعا و مغفرت کرتے وقت فوت شدہ اولیاء میں سے کسی کا وسیلہ لانا بہتر ہے۔
۵۳۶	مجازیب کا دیوان میں کوئی دخل نہیں، اُن کا دخل تنہا ہی کی علامت ہے۔	۵۲۲	دیوان میں جن دلائل کے حاضر ہونے کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی دیوان میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔
۵۳۷	خروج و جال کے وقت تعریفِ مجددوں کے ہاتھ میں ہوگا۔	۵۲۳	دیوان کا وقت
۵۳۸	سالک اور مجدد میں فرق	۵۲۳	ساعتِ قبولیت پانے کا طریقہ
۵۳۹	ایک عارف اور ان کے بیٹے کا قصہ	۵۲۴	امتِ محمدیہ سے پہلے اصحابِ دیوان ملائے گئے تھے
۵۴۰	سالک چند باتوں میں مجدد سے پرہیز کرتا ہے۔	۵۲۴	ہر شہر میں اولیاء کی مدد کے لیے فرشتوں کی ایک جماعت ہوتی ہے۔
۵۴۱	ہے۔	۵۲۵	کیا نبیائے عظیم السلام بھی دیوان میں شرکت فرماتے ہیں

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	یہ معلوم کر کے کہ آیا وہ مرید بننے کے قابل ہے یا نہیں؟	۵۴۱	ادیار لاندہ کے لیے اشیار کا سفر ہونا اور ان کا حیرت انگیز امور کا کرنا
۵۴۳	ایک عورت کا واقعہ	۵۴۲	اُمتِ محمدیہ کے ادیار کی فضیلت
۵۴۲	ایک متکم کا واقعہ	۵۴۳	اہل تعارف کا ذکر کہ کیوں نہیں کر دیتے
۵۴۵	چھٹا سوال: اہلس اورسل تہذیب کا مباحثہ		ایک واقعہ
۵۴۸	ساتواں سوال:-	۵۴۴	کافروں سے جنگ کرنے میں اہل تعارف باطن کو استعمال نہیں کر سکتے۔
۵۴۹	آٹھواں سوال: مجھے ہرجیز میں خدا نظر آتا ہے:-	۵۴۵	ایک عیسائی بچی کا واقعہ
۵۵۰	نواں سوال: استحضار صورتِ آنحضرتؐ	۵۴۶	اگر ولی اپنے جسم کے سوا کسی اور جسم میں قتل ہو تو تکلیف کے مجبور
۵۴۲	ایک عیسائی کی محبت کا واقعہ	۵۴۷	صاحب تعارف ولی جس کسی کی جیب میں سے چاہے بدن اس کے کو اسے پیپلے یا تختہ ڈال کر پیسے نکال سکتا ہے۔
۵۴۳	جب ملک مرید کو شیخ سے محبت نہ ہو محض شیخ کی محبت سے مرید کو فائدہ نہیں ہوتا	۵۴۸	دل لینے میں دل اور چہرہ میں فرق
۵۴۴	شیخ کی ولایت اور سر کی خاطر محبت کیوں فائدہ مند نہیں ہوتی؟	۵۴۹	پانچواں باب
۵۴۵	محبت شریک نہیں چاہتی	۵۵۰	پیر کا پرنے اور مرید بننے کے بارے میں
۵۴۶	کیا محبت کی کوئی علامت ہو سکتی ہے؟	۵۵۱	پہلا سوال: کیا تربیت منقطع ہو گئی ہے۔
۵۴۷	شیخ سے سچی محبت کی علامات	۵۵۲	خیر القرون میں پیری مرید کی کیوں نہ تھی
۵۴۸	حضرت محمد بن عبد الکریم کا پانی پر چلنا	۵۵۳	دوسرا سوال: بیداری میں دیدارِ آنحضورؐ
۵۴۹	شیخ عبدالعلی کا واقعہ	۵۵۴	تیسرا سوال: پیر کی موجودگی اور عدم موجودگی کی وجہ سے مرید کی تربیت میں کمی و زیادتی کیوں ہوتی ہے؟
۵۵۰	ایک مرید کا امتحان	۵۵۵	چوتھا سوال: کیا طریق شکر افضل ہے۔ یا طریق مجاہدہ؟
۵۵۱	ایک اور سچے مرید کا واقعہ	۵۵۶	پانچواں سوال:- انسان کے لیے کیا یہ ممکن ہے کہ وہ
۵۵۲	ایک مجذوب کا واقعہ	۵۵۷	
۵۵۸	ادیار اللہ کے سوانح نگاروں نے بہت نقصان پہنچایا ہے۔	۵۵۸	
۵۵۹	ولی معصوم نہیں ہوتا۔	۵۵۹	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۱۲	انسان حق سبحانہ کی معرفت کی طاقت نہیں رکھتا	۵۹۷	مؤلف کتاب کا ایک فقہ کے ساتھ مناظرہ
۶۱۳	ذکر عبادت سے زیادہ بھاری ہے	۵۹۵	ماہی فتح ولی حق بات کو جانتا ہے اور وہ مذاہب
"	قَرِيبُ		اربعہ سے کسی کا مقید نہیں ہوتا
"	الْمُتَعَالِی	۶۰۳	ولی سے ظاہر کی مخالفت کے اسباب
۶۱۴	اسما حسنہ کے ورد کے لیے کسی عارف سے یقین لینا	"	تا بتیر غفل کا واقعہ
	ضروری ہے	۶۱۱	ولی سے بیعت کا مقصد
۶۱۵	اَلَا یُعَلِّمُکُمْ مِّنْ خَلْقِ وَهَوِ اللَّیْلِ الْفَیْرِ	۶۱۳	چھٹا باب
"	کا ورد فقر اور مصیبت کے لیے مفید ہے	"	شیخ تربیت کابین - قصہ رائیہ
۶۱۶	حضرت کب سے شروع ہوا	۶۱۲	شیخ کاتبوں پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے
۶۱۷	ساتواں باب	۶۱۸	ایک اور مرید کا واقعہ
"	اولیاء اللہ کے شکل کلام کی تشریح	۶۲۱	حضرت ثابت کا واقعہ
"	(۱) اَللّٰهُ صَلَّی عَلٰی مَنْ مِنْهُ الشَّقَاتِ	۶۲۰	ابوالحسن ہندی کی حالت
"	الْأَمْوَارِ	۶۵۱	ناظم قصیدہ کے حالات
۶۱۷	دوسری تشریح	۶۵۲	حضرت عبدالعزیز دہانہ کے مشائخ
"	تیسری تشریح	۶۵۴	مصور بن احمد
۶۱۸	نور محمدی کی تفریش	"	محمد سراج
۶۱۹	کیلئے القدر کی اصل	"	احمد بن عبداللہ مصری
۶۲۰	وَفِیْہِ ارْتَقَتْ الْمُحَقَّاتِ	"	علی بن عیسیٰ مغربی
۶۲۱	وَنَزَلَتْ عَلَیْہِ اَدَمُ	۶۵۵	محمد بن علی محمد مغربی عبداللہ جراز
۶۲۲	عالم ملکوت و جبروت	۶۵۸	اسم اعظم
"	عالم ملک کی ایک اور تعریف	"	اسما حسنہ
۶۲۳	اَللّٰهُمَّ اَلْحَقِّیْ بِنَسِیْمِیْ وَحَقِّقِیْ بِحَسَبِیْ	۶۵۹	ایک اقراض اور اس کا جواب
۶۲۴	لَیْسَ مِنَ الْکَرَمِ اَنْ لَا تَحْسَنَ اِلَّا لِمَنْ اَحْسَنَ اِلَیْکَ	۶۶۳	روح کا احاطہ نہیں ہو سکتا
		"	روح کا سمجھنا مشکل امر ہے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۱۹	امحوال باب	۷۸۳	ابن فارض کے شعر کی تشریح
"	حضرت آدم کی پیدائش	۷۹۱	امام غزالی کے ایک قول پر بحث
۷۲۵	اَكْرُمُوا عَمَلَكُمْ الْخَلَّةُ حدیث نہیں ہے	"	جبرائیل آنحضرت سے زیادہ عالم نہ تھے
۷۲۵	ذاتِ آدم ذاتِ ملائکہ سے افضل ہے	۷۹۷	تکمیلاتِ عیدین
۷۲۹	نواں باب	۷۹۵	خُطْبَتَا بُجُورٍ اَوْ قَعْنَتِ الْاَنْبِيَاءِ لَيْسَ وَاِجْلِيهَا
"	فتح ظلمانی اور فتح زورانی - فتح زورانی کی قسمیں	۷۹۶	لَيْسَ فِي الْاِمْكَانِ اَيْدَاعٌ مِمَّا كَانَ
"	حکمار و متبعین کو یہ علم کہاں سے حاصل ہوا	۸۰۱	فصل
۷۳۳	ابراہیم خواص اور سیودی کا تقہ	۸۰۳	پہلا کردہ - مستر ضہین
۷۳۴	فلسفہ اور نجوم کی اصل	۸۰۵	دوسرا کردہ
۷۳۵	ولی آئندہ آنے والے واقعات کے متعلق بہت کم بات کرتے ہیں۔	"	شعرانی کا بیان
۷۳۸	حوادث دنیا کیوں باطل ہیں۔	۸۰۸	امام ابوالبقار کا جواب
۷۳۹	فتح اول میں اہل حق اور اہل باطل میں فرق	۸۰۹	زرکشی کا جواب
"	بعض اوقات چھوٹے ولی کو بڑے ولی سے زیادہ مکاشفہ ہوتا ہے۔	۸۱۰	احمد زروق کا جواب
۸۴۰	خضر نبی زتھے	۸۱۱	برہان الدین کا جواب
۸۴۲	مشاہدہ نبوی کی علامت	۸۱۷	ابوالمواسب تونسلی کا جواب
۸۴۴	مشاہدہ الہی حاصل ہونے کی علامت	"	شیخ الاسلام زکریا کا جواب
۸۴۵	کیا ولی کے لیے ترک نماز ممکن ہے؟	۸۱۸	سیوطی کا جواب
۸۴۸	محبوب صاحب تعریف نہیں ہوتا	۸۱۹	شرف الدین بن تلمسانی کا بیان
۸۵۲	ولی کے وارث کا کسی کو علم نہیں ہوتا	"	ابن ہمام کا بیان
۸۵۹	صلوۃ العارفين	۸۱۵	سید سمودی کا جواب
۸۶۳	وسوال باب	"	تیسرا کردہ
"		"	پہلی عبارت
"		"	دوسری
"		۸۱۶	تیسری

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۸۷	توبہ کے دروازے کے بند ہونے سے کیسے مُراد ہے ؟	۷۹۳	برزخ اور اس میں روحوں کے اترنے کی کیفیت - بیتِ معمور
۷۸۸	درویشِ شریف کے پڑھنے سے جنت میں وسعت پیدا ہوتی ہے -	۷۹۶	اصحابِ فتحِ کبیر کو قیامت کا علم ہوتا ہے
۷۸۹	کیا ہر درود پڑھنے والے کا درود مقبول ہوتا ہے	۷۹۷	گیارہواں باب
۷۹۳	اہلِ جنت کا لباس	۷۹۸	جنت، اس کی ترتیب اور تعداد
۷۹۷	بارہواں باب	۷۹۹	جنتِ عالیہ
۸۰۰	جہنم کا بیان	۸۰۳	جنتوں کی تعداد
۸۰۲	حکایت	۸۰۴	جہنم کی ترتیب
	حکایت	۸۰۶	جہنم کی کیفیت و وضع
			توبہ کا دروازہ



پیش لفظ

مجھ سے پہلے ابریز کا ترجمہ مولوی عاشق الہی صاحب میرٹھی کر چکے ہیں اور درحقیقت انہوں نے بہت اچھا ترجمہ کیا ہے۔ عیوب سے پاک ذات باری تعالیٰ ہے، اس لیے مجھے کسی کے عیوب کا تذکرہ کرنا منظور نہیں ہے۔ میں نے مولوی عاشق الہی صاحب کے ترجمہ سے بہت مدد لی ہے۔ اس لیے میرے ترجمہ کی اگر تعریف ہوگی تو اسے انہی کی تعریف سمجھا جانا چاہیے۔ پھر الْفَضْلُ لِلْمُسْتَقْدِمِ کے اعتبار سے بھی وہ مجھ پر فوقیت رکھتے ہیں۔

میں نے اس ترجمہ میں تقلید نہیں کی بلکہ مستقل طور پر ترجمہ کیا ہے اور چھوٹے چھوٹے عنوانات قائم کر دیے ہیں پھر الگ الگ پیرے بنا کر قارئین کی سہولت کے لیے کتاب کو جدید طرز میں پیش کیا ہے جن علماء، صحابہ اور دیگر بزرگوں کا کتاب میں ذکر آیا ہے ان کے متعلق مختصر حواشی دے دیئے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کو ان کے متعلق کسی قدر معلومات حاصل ہو جائیں۔

مولوی عاشق الہی صاحب نے حضرت عبدالعزیز دہلوی کے بیان سے دو جگہ اختلاف کیا ہے، مگر میرے خیال میں حق حضرت دہلوی کے ساتھ ہے۔ مولوی صاحب اپنے عقیدہ کے مطابق بات کر رہے ہیں اور حضرت دہلوی اپنے عقیدہ اور مرتبہ کے مطابق۔ نیز انہوں نے چند مقامات کا ترجمہ نہیں کیا مگر میں نے تمام کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔

آخر میں یہ سراسر انصافی ہوگی اگر میں اپنے محترم دوست مسیح عبدالعزیز صاحب اے۔ ایم سی۔ او۔ سی ہیلتھ سینٹر راولپنڈی کا شکریہ ادا کروں۔ انہوں نے اپنے قیمتی کتب خانہ سے مجھے فتح الباری، تذکرہ الحفاظ، صابہ، اخبار الاخیار، لسان المیزان، کشف الظنون، کتاب الانساب اور فہرست ابن الندیم وغیرہ عاریتہ دیں جن کی مدد سے میں حواشی لکھنے کے قابل بنا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کی مدد کے بغیر میں اپنے کام کو کامیابی سے کر سکتا تھا۔

محمد حسن

عرض حال

اذناشر

اللہ کے دیوں نے طریقی حق کے متلاشیوں کی رہنمائی کے لیے متعدد کتابیں لکھی ہیں جن سے اب تک خلق خدا روحانی فیوض و برکات حاصل کرتی رہی ہے۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو اجریز کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب میں حضرت علامہ احمد بن مبارکؒ سلمیٰ (شہر ناس، الجزائر، افریقہ) نے اپنے مرشد کمال غوث زماں حضرت سید عبدالعزیز دباغ مغربیؒ جو اُمتی محض تھے، کے مختصر حالات زندگی اور کرامات لکھنے کے بعد آپ کی بیان کردہ بعض احادیث نبوی اور آیات قرآنی (جن کو وہ خود تبحر عالم دین ہونے کے باوجود سمجھنے سے قاصر رہے تھے) کی تشریحات اور باطنی علوم اور احوال سے متعلق بے شمار استفسارات کے عمدہ اور صحیح جوابات درج کئے ہیں۔ اس میں چونکہ نادر و نایاب مسائل کا ایک گراں قدر مجموعہ موجود ہے، جو طالبانِ حق کے لیے روحانی تسکین کا موجب ہے۔ اس لیے اس کتاب کا درجہ بہت ہی بلند ہے۔ بعض امور ایسے بھی بیان کئے گئے ہیں جو مرید کے استفسار پر براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر کے بتائے گئے۔

بیس تیس سال پہلے اس کتاب کا اردو ترجمہ تبویز کے نام سے مولینا عاشق الہی میرٹھیؒ نے دہلی سے شائع کروا دیا تھا جس کے کچھ نسخے شکر اگر اپنے دوستوں کو دیئے تھے۔ کتاب چونکہ نایاب ہو گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے احقر کو توفیق بخشی کہ باوجود مالی بے بضاعتی کے اسے دوبارہ طبع کرانے کا عزم کر لیا۔ مولینا عاشق الہی صاحب مرحوم کا ترجمہ بہت عمدہ ہے مگر زبان ذرا پرانی ہے۔ اس میں عبارت مسلسل چلی جاتی ہے، کہیں کوئی سُرخ نہیں آتی اور بعض جگہ پسندِ طابع اسے پسند نہیں کرتیں۔ نیز ایک باب بھی چھڑ دیا گیا ہے اس لیے مجھے اس کتاب کا دوبارہ ترجمہ کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جناب ڈاکٹر عبداللہ چغتائی صاحب سے ایک دفعہ اتفاقاً تذکرہ ہو گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک صاحب سے ملاقات کروادوں گا۔ اگر وہ مان گئے تو تمہارا کام بن جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے چند روز بعد جناب ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب ایم۔ اے۔ پی ایچ، ڈی، پرنسپل گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول راولپنڈی سے تعارف کرایا، میں نے کتاب کا اُن سے تذکرہ کیا اور ساتھ ہی یہ گزارش بھی کی کہ ترجمہ کا کام معاوضہ کے تصور سے بے نیاز ہو کر کیا جائے چنانچہ انہوں نے بڑے شوق اور محنت سے اس کام کو اتمام تک

پہنچایا۔ ایک بڑا کارنامہ جو سہرا انجام دیا ہے وہ یہ ہے کہ کتاب کے شروع میں اپنی طرف سے ایک مبسوط دیباچہ لکھا ہے جس میں بزرگان سلف کی کتابوں سے اقتباسات درج کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ موفیاتے کوام کا مسلک کتاب و سنت کے عین مطابق رہا ہے۔ نیز جن لوگوں نے ان مقدس ہستیوں پر الزامات عائد کئے ہیں انہوں نے جلد بازی سے کام لیا ہے اور اصل معاملہ کی تہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی وغیرہ وغیرہ۔ نیز تمام کتاب میں عنوانات قائم کر دیئے ہیں اور مختلف بزرگوں کا جہاں کہیں ذکر آگیا ہے، حواشی میں ان کا مختصر تعارف کرا دیا ہے۔ اس کا رنجیر میں ان کے ذاتی دوست میجر عبدالعزیز صاحب (راولپنڈی) کا بھی حصہ ہے جنہوں نے اپنی گراں بہا لاتبریزی میں سے وہ تمام کتابیں انہیں مہیا فرمائیں جن کی انہیں ضرورت پڑتی رہی۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کو جزائے خیر دے۔ آمین :

احقر العباد
سردار محمد



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

دیس

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَى الْآيَةِ . وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَى اَنْبِيَآئِهِ لَا سِيَّمَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَآلِهِ وَاتَّبَاعِهِ وَالرَّحْمَةُ وَالْمَغْفِرَةُ عَلَى اَوْلِيَآئِهِ .

دنیا میں حق و باطل، ظلمت و نور، سچ اور جھوٹ میں قدیم سے جنگ چلی آتی ہے۔ باطل کی ہمیشہ سی کوشش رہی کہ حق یا تو بالکل ہی مٹ جائے یا کم از کم چھپا رہے واللہ مُتِمُّ ذُرِّيَّةٍ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ یہی حال اللہ والوں کا رہا کہ باطل پرست ہر زمانہ میں اُن کے مخالف رہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو اِنَّہٗ كَبِّرْتُمْ كُھُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ کما گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ، شاعر، کاہن اور مجنون تک کما گیا۔

قِيلَ اِنَّ الْاِلٰهَ ذُوْ ذَلٰلٍدِ قِيلَ اِنَّ الْبَرُّسُوْلَ قَدْ كُھُنَا

(کما گیا کہ اللہ کی اولاد ہے اور رسول اللہ کاہن ہیں) مگر اللہ والے ان باتوں سے متاثر ہو کر اپنا اصلی مقصد ترک نہیں کر دیتے۔ ان کا مقصد لوگوں کو راہ حق دکھانا ہوتا ہے اور اس فرض کی ادائیگی میں وہ کسی قسم کی ملامت یا طعن و تشنیع کی پروا نہیں کرتے۔ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی اتباع میں اولیاء کرام بھی اسی راہ پر گامزن رہے۔ لوگوں نے ان پر طرح طرح کی الزام تراشیاں کیں، مگر آواز سرگاہ کی پرواز کرتے ہوئے قافلہ بدستور چلتا رہا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جو لوگ ان بزرگوں پر زبان طعن دراز کرتے ہیں اور انہیں ہفت سہام ملام بناتے ہیں وہ یہ کام "اصلاح" کی اڑیے کر کرتے ہیں۔

وَ اِذْ اَقْبَلْنَا لَهْمًا لَا تَفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ؕ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَا يَشْعُرُوْنَ ؕ

جب انہیں کہا جاتا ہے کہ دنیا میں فساد پامانت کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں یاد رکھو! ایسی لوگ مفسدہ پرواز ہیں، لیکن نہیں سمجھتے) لوگ اولیاء اللہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے اور اولیاء اللہ خندہ پیشانی

سے اسے برداشت کرتے ہیں اور حکم اللہ ھٰدِ تَوْحِیْدٍ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (خدا یا! میری قوم کو ہدایت کرنا کیونکہ انہیں معلوم نہیں کہ میں کون ہوں) یہ ان کے لیے دعا بخیر ہی کرتے ہیں۔

سب سے زیادہ اور سخت جرح محی الدین ابن العربی معروف بہ شیخ اکبر پر ہوئی۔ انہیں مشرک تک قرار دیا گیا اور بار لوگ توحید کے پرچار کی آڑ لیتے لیتے اپنا ایمان بھی کھو بیٹھے۔ ابن عربی پر رد و تہجد کی سب سے بڑی وجہ ان کی عبارتوں کا نہ سمجھنا ہے اور ان لوگوں نے اپنی کج فہمی کو دنیا و قرار دیتے ہوئے ایک عمارت کھڑی کر ڈالی اور ابن العربی کو اس کج فہمی کی بنا پر کافر اور کیا کچھ کہہ ڈالا۔

خشتِ اول چوں نمد بہمار کج تاثر نیامی رود دیوار کج

حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے بزرگوں نے کتابیں لکھیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام قاضی القضاۃ مجد الدین محمد بن یعقوب متوفی ۸۱۷ھ۔ ۸۱۴ھ مصنف تاملوس اور حافظ ابن حجر کے استاد جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ۔ ۱۵۰۵ھ اور امام عبد الوہاب شمرانی متوفی ۹۷۲ھ۔ ۱۵۶۵ھ نے اس سلسلہ میں تصانیف کیں، موجودہ دور میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ۔ ۱۹۴۲ھ نے بھی ابن عربی کی بریت میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ جعلی اور بنادنی صوفی حقیقی ادب اور اللہ اور صوفیاء کے بھیس میں لوگوں کے سامنے آکر ان کی جیبوں پر ڈاک ڈالتے اور طرح طرح کی چالوں سے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں جس سے حقیقی صوفی اور اہل طریقت بدنام ہو جاتے ہیں اور لوگ ان سے بھی بدظن ہو جاتے ہیں۔ انہی صوفی نمالوگوں کے متعلق مولانا رومؒ فرماتے ہیں:-

حرف درویشاں بد زدیہ بے تاگماں آید کہ ہست او خود کسے
خرہ گیر در سخن بر بایزید ننگ دار داز درون او نرید
ہر کہ داند مرا چوں بایزید ردیہ محشر گرد بایزید

(یہ صوفی نمالوگ صوفیوں کے الفاظ یاد کر لیتے ہیں تاکہ لوگوں کو ان کے متعلق بھی صوفی ہونے کا گمان ہو یا یہ لوگ اپنی تقریروں میں حضرت بایزید بسطامیؒ پر بھی نکتہ چینی کر جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کا باطن اس قدر سیاہ ہوتا ہے کہ اسے دیکھ کر بیزید کو بھی شرم آجائے۔ لہذا جو شخص ایسے آدمی کو بایزید بسطامیؒ رحۃ اللہ علیہ سمجھے گا اس کا حشر بیزید کے ساتھ ہوگا)

نیز فرماتے ہیں:-

اے بسا ابلیس آدم روی ہست پس ہر دستے نباید داد دست

لے شتوی معنوی دنز اول صفحہ ۴۹۔

بہت سے شیطان انسانی شکل میں پھر رہے ہیں لہذا تمہیں ہر کسی کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دینا چاہیے۔
درحقیقت اس قسم کے لوگوں نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا ہے اور انہی غلط کار اور صوفی نما لوگوں
کو دیکھ کر بعض لوگوں نے تمام صوفیاء پر بلا امتیاز بدعتی اور مشرک ہونے کا فتویٰ لگا کر شروع کر دیا ہے۔
قرنِ اولیٰ سے لیکر آج تک جتنے بھی تحقیقی صوفی اور اولیاء اللہ گزرے ہیں سب کے سب خالص حید
اور اتباعِ سنت پر کاربند رہے ہیں اور انہوں نے سرِ مؤسس سے انحراف نہیں کیا اور انہوں نے اسی کی تلقین
میں عمریں گزار دیں۔ اگر ان تمام اقوال کو جمع کیا جائے جن میں ان بزرگوں نے توحید اور اتباعِ سنت پر زور دیا
ہے تو ایک مستقل کتاب ہو جائے۔ میں یہاں چیدہ چیدہ بزرگوں کے چند اقوال پیش کرتا ہوں تاکہ قارئین کرام
کو معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ کس حد تک توحید پر قائم اور سنت نبوی کے متبع رہے ہیں۔ ان سے یہ بھی معلوم ہو
جائے گا کہ ظالموں نے ان بزرگوں پر کتنے غلط اور بے جا الزامات لگا رکھے ہیں۔

۱۔ ابوسلیمان دارانی کا قول

ابوسلیمان عبدالرحمن بن احمد بن علیہ الغنی متوفی ۲۱۵ھ احمد بن ابی
الحواری کے استناد تھے۔ احمد بن ابی الحواری کا تمام خاندان زاہدوں
کا نشان تھا اور ان کی وفات ۲۳۵ھ میں ہوئی۔ ابوسلیمان فرماتے ہیں: رُبَّمَا يَقَعُ فِي قَلْبِي التَّكْتَةُ
مِنْ نَكْتِ الْقَوْمِ أَيَّامًا فَلَا أَتَبَلُّ مِنْهُ إِلَّا بِشَاهِدِينَ عَادِ كَيْفَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ
رہا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میرے دل پر صوفیاء کے نکاتِ معرفت وارد ہوتے ہیں اور کئی دنوں تک رہتے
ہیں مگر جب تک کتاب و سنت کے دو گواہ اس کی تائید نہیں کرتے میں انہیں قبول نہیں کرتا۔
صوفیاء پر اعتراض کر نیوالے انصاف سے کام لیتے ہوئے ذرا غور کریں اور بتائیں کہ کوئی متبعِ سنت اس
سے بڑھ کر اتباعِ سنت کا دعویٰ کر سکتا ہے؟

۲۔ الحامی کا قول

ابو عبداللہ الحارث بن اسد الحامی علومِ ظاہر اور باطن دونوں کے حامل تھے، اور
انہوں نے بہت سی تصانیف بھی کی ہیں۔ ان کی وفات امام احمد بن حنبل کی وفات
کے دو سال بعد ۲۳۵ھ میں بغداد میں ہوئی فرماتے ہیں: مَنْ صَحَّحَ بَاطِنَهُ بِالْمُرَاقَبَةِ وَالْإِخْلَاصِ
رَبَّنَا اللَّهُ ظَاهِرُهُ بِالْجَاهِدِ وَرِثَاةِ السُّنَّةِ
جس نے مراقبہ اور اخلاص کے ذریعہ سے اپنا باطن درست کر لیا۔ اللہ اس کے ظاہر کو مجاہدہ اور اتباعِ سنت
سے مزین کر دیتا ہے۔

رسالہ تشریح: ۱۶ اور نعمات الانس: ۴۱۔ نعمات الانس میں یہ قول یوں دیا ہے رَبَّنَا يَنْتَكِ الْحَقِيقَةُ قَلْبِي أَرْبَعِينَ
يَوْمًا فَلَا أَذِنَ لَهَا أَنْ تَدْخُلَ قَلْبِي إِلَّا بِشَاهِدِينَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ سے لواتے الحارث: ۶۶: ۱

۳۔ سہل تستری کا قول

ابو محمد سہل بن عبد اللہ تستری اتر صوفیاء میں سے ہوئے ہیں۔ پرمیزگاری میں

یکتاے روزگار اور صاحب کرامات تھے شیطان سے اُن کا مناظرہ مشہور ہے۔ ذوالنون مصریٰ سے اُن کی ملاقات مکہ میں ہوئی۔ جب کو یہ وہاں حج کے لیے آئے ہوئے تھے انہوں نے ۲۸۳ھ میں وفات پائی فرماتے ہیں،

أَصُولُنَا سَبْعَةٌ أَشْيَاءٌ: ۱. التَّوَكُّلُ ۲. يَكَايُ ۳. اللَّهُ ۴. الْإِقْتِدَاءُ ۵. لِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ ۶. الْحَلَالُ ۷. وَكَفَّ الْأَذَى ۸. وَاجْتِنَابُ الْمَعَاصِي ۹. وَالْوَرَعُ ۱۰. فَادَّاءُ الْحَقِّ لَهُ

۱۔ ہمارے سات اصول ہیں: قرآن پر پابند رہنا سنت نبوی کی اقتداء، اکل حلال، کسی کو دکھ نہ دینا، گناہوں سے پرمیز، توبہ اور ادائے حق۔

۴۔ جنید بغدادی کا قول

سید الطائفہ حضرت ابوالقاسم جنید بن محمد بغدادی متوفی ۲۹۷ھ

مشہور و معروف اولیاء کبار میں سے ہوئے ہیں شیخ شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ پر ۳۲۴ھ نے انہی سے تربیت حاصل کی، فرماتے ہیں:۔

(الف) أَلَمْ يَخْلُقْ خَلْقًا مَسْدُودًا عَلَى الْخَلْقِ إِلَّا مِنْ أَثَرِ الرُّسُولِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ۝ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے والوں کے سوا تمام لوگوں کے لیے قرب الہی کے راستے بند ہیں۔)

(ب) مَنْ لَمْ يَحْفَظِ الْقُرْآنَ وَلَمْ يَكْتُبِ الْحَدِيثَ لَا يُقْتَدَى بِهِ فِي هَذَا الْأَمْرِ لَا نَعْلَمْنَا هَذَا مُقَيَّدًا بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ۔

(جس شخص نے نہ قرآن مجید یا روایات نبوی لکھی ہو۔ طریقت میں اُس شخص کی پیروی نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے کہ ہمارے اس علم طریقت میں کتاب و سنت کی قید پائی جاتی ہے۔)

(ج) عَلِمْنَا هَذَا مُقَيَّدًا بِحَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ ۝

(ہمارا علم طریقت حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مضبوط ہوتا ہے۔)

(د) مَذْهَبُنَا هَذَا مُقَيَّدٌ بِأَصُولِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ۔

(ہمارا مذہب اصول کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے متقید ہے۔)

۵۔ ابو حمزہ بغدادی کا قول

ابو حمزہ محمد ابراہیم بغدادی عیسیٰ بن ابان کی اولاد میں سے تھے قرآن مجید کی قرار توں اور فقہ کے عالم تھے۔ ابو بکر کثانی متوفی ۳۲۲ھ اور خیر نساج متوفی ۳۲۲ھ وغیرہ نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن سے امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسائل حل کرانے کے لیے آیا کرتے تھے۔ ان کی وفات ۳۶۹ھ میں ہوئی۔ ان کی وفات کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ جمعہ کے دن اپنی مجلس میں تقریر فرما رہے تھے کہ یکایک ان کی حالت بدل گئی اور وہی منبر پر گر پڑے۔ آئندہ جمعہ تک یہی حالت رہی اور انتقال کر گئے۔ فرماتے ہیں:-

مَنْ عَلِمَهُ طَرِيقَ الْحَقِّ سَهَّلَ عَلَيْهِ سُلُوكُهُ وَلَا دَلِيلَ عَلَى الطَّرِيقِ إِلَيَّ اللَّهُ إِلَّا مَتَابَعَةُ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِي أَحْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ وَأَقْوَالِهِ

(جس نے حق تعالیٰ کا راستہ معلوم کر لیا اس کے لیے اس پر چلنا بھی آسان ہو جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال، افعال اور اقوال میں تابعداری کتنے بغیر اس راہ کی طرف کوئی رہنمائی بھی نہیں ہو سکتی۔)

۶۔ ابن عطار آدمی کا قول

ابو العباس احمد بن محمد بن سهل بن عطار الادومی صوفیہ کے کبار مشائخ میں سے تھے۔ انہوں نے تصوف کے رنگ میں قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی ہے جب القابریہ کے وزیر نے منصور علاج کو قتل کیا تو ان سے پوچھا کہ تم منصور علاج کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب بدل کر دیا کہ خود تمہارے پاس لوگوں کا مال پڑا ہے اسے واپس کیوں نہیں کرتے؟ وزیر نے کہا: کہ تم بات مال رہے ہو اور حکم دیا کہ ایک ایک کر کے ان کے تمام دولت نکال دیے جائیں اور ان کے سر میں گاڑ دیئے جائیں۔ اسی سے ان کی وفات ہوئی۔ یہ واقعہ ذوالقعدہ ۳۳۵ھ کا ہے، فرماتے ہیں:-

فَنَالُوهُمُ نَفْسَهُ أَذَابَ الشَّرَّ يُعْقِلُوهُ لَوْ أَنَّ اللَّهَ تَلْبَسَهُ يَنْبُذُ الْمَعْرِفَةَ وَلَا مَقَامَ أَشْرَفٍ مِنْ مَقَامِ مُتَابَعَةِ النَّجِيبِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِي أَوَامِرِهِ وَأَفْعَالِهِ وَأَخْلَاقِهِ ط

(جس نے اپنے نفس پر آداب شریعت کا لحاظ رکھنا لازم قرار دیا اللہ اس کے دل کو نور معرفت سے منور فرمائے گے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر، افعال اور اخلاق کی تابعداری سے جڑھ کر کوئی مقام نہیں ہو سکتا۔)

۷۔ عبد اللہ بن منازل کا قول

ابو محمد عبد اللہ بن منازل یکے دن روزگار ملا متیبہ کے شیخ اور عالم تھے انہوں نے کثرت سے احادیث لکھیں۔ ان کی وفات ۳۶۹ھ یا ۳۷۰ھ میں نیشاپور میں ہوئی، فرماتے ہیں:-

لَقَدْ نَفَحَاتِ الْأَنْفُ ۱۴۱-۱۴۲ نَفَحَاتٍ مِنْ الْقَابِرِ بَاشِدَ كَامٍ دِيَابِهَا حَالُكَ تَابِرَ بَاشِدَ كَامٍ عَدْلَانَتْ ۳۲۰ھ تا ۳۲۲ھ ہے اور ابن عطار کا نقل تاجر کے باپ المقدّر باشد کے عہد میں ہوا ہے مقدّر کا عدل خلافت ۳۲۵ھ تا ۳۲۸ھ ہے۔ یہ رسالہ تشریح ۲۵۰

(بیتہ حاشیہ اچھے صوفیہ)

لَمْ يُضَيِّعْ أَحَدٌ فَرِيضَةً مِنَ الْفَرَاغِ إِلَّا ابْتَلَاهُ اللَّهُ تَعَالَى بِتَضْيِيعِ السَّنَنِ
وَلَمْ يُبَلِّ أَحَدٌ بِتَضْيِيعِ السَّنَنِ إِلَّا أَدْشَمَكَ أَنْ يَنْبَغِيَ بِالْبَدْعِ لَهُ
(جس کسی نے ایک فرض بھی ترک کیا وہ سنتوں کے ترک کرنے میں مبتلا ہو گا اور جو سنتوں کے ترک کرنے میں مبتلا
ہو وہ عنقریب بدعتوں کے ارتکاب میں مبتلا ہو گا۔)

۸۔ ابو بکر طمستانی کا قول

ابو بکر طمستانی کو صوفیاء کے پانچویں طبقہ میں شمار کیا جاتا ہے علم و مال کے اعتبار
سے یگانہ روزگار تھے، شیخ شبل متونی ۳۳۷ھ اور ابراہیم دہانگ کے شاگرد
تھے۔ ان کی وفات ۳۷۷ھ کے بعد ہوئی فرماتے ہیں:

(الف) مَنْ اشْبَعَ الْكِتَابَ وَالسَّنَةَ وَهَاجَرَ إِلَى اللَّهِ بِقَلْبِهِ وَاتَّبَعَ أَثَارَ الْقَضَائَةِ لَمْ
تَسْبِقْهُ الْقَضَائَةُ إِلَّا بِكَوْنِهِمْ رَأَوْا: رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ ۝
(جس نے کتاب و سنت کی پیروی کی دل سے اللہ کی طرف ہجرت کی اور صحابہ کے نقش قدم پر چلا تو صحابہ
اس سے صرف اس لیے افضل ہوں گے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔)

(ب) أَنْطَرْتُ وَأَضَحْتُ وَالْكِتَابَ وَالسَّنَةَ قَائِمًا بَيْنَ أَظْهُرِنَا وَفَضَلَ الْقَضَائَةَ مَعْلُومًا
بِسَبْقِهِ إِلَى الْهِجْرَةِ وَبِصُحْبَتِهِمْ فَمَنْ صَحِبَ مِنَّا الْكِتَابَ وَالسَّنَةَ وَلَغَرَبَ عَنْ
نَفْسِهِ وَأَخْلَقَ وَهَاجَرَ بِقَلْبِهِ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمُصِيبُ ۝

(ہمارا طریقہ واضح ہے اور کتاب و سنت ہمارے درمیان قائم ہے اور ہجرت اور صحبت نبوی کی وجہ سے
صحابہ کا افضل ہونا بھی معلوم ہے لہذا ہم میں سے جو شخص کتاب و سنت کا ساتھ دے اور اپنے نفس اور مخلوق
سے دور ہو جائے اور دل سے اللہ کی طرف ہجرت کرے تو وہ سچا ہے اور صحیح راہ پر ہے۔)

۹۔ ابو القاسم قشیری کا قول

ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری۔ رسالہ تفسیریہ اور تفسیر
لطائف الاشارات کے مصنف ہیں انہوں نے ان دو کتابوں کے علاوہ
اور بھی بہت سی تصانیف کی ہیں یہ ابوبعلی وثائی متونی ۳۷۷ھ کے مرید اور ابوبعلی فارمدی کے استاد تھے سید
علی بن عثمان بن ابوبعلی الجلابی الغزنوی متونی ۳۷۵ھ۔ ۳۸۲ھ سید علی جویری اور داتا گنج بخش کے نام سے
مشہور ہیں ان کے تہمصر تھے، ہندوستان آنے سے پہلے داتا صاحب کی ان سے اکثر ملاقات رہتی تھی۔ داتا صاحب
(تیسرا ماشیہ صفحہ سابقہ) ۳۷۵ھ میں صوفیاء کا ایک فرقہ ہے جو اخلاق کا مجسمہ ہوتے ہیں اور ان لوگوں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ
ان کے نیک اعمال لوگوں پر ظاہر ہوں اور وہ اپنی برائیوں کو نہیں چھپاتے (عوارف المعارف ج ۱ ص ۳۵۹)

فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ طریقہ مذکور میں آپ کی ابتدا کس طرح ہوئی جواب دیا کہ مجھے ایک بار گھر کی کھڑکی کے لیے پتھر دوکار تھا جس پتھر کو اٹھا تاگوہرین جاتا۔ لہذا میں اسے پھینک دیتا۔ سید علی جوہری فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے نزدیک گوہر اور پتھر برابر تھے، بلکہ ان کے نزدیک گوہر پتھر سے کم تھا اس لیے کہ انہیں پتھر کی ضرورت تھی گوہر کی ضرورت نہ تھی، قشیری کی وفات ۶۵۰ھ میں ہوئی، فرماتے ہیں:-

اعْلَمُوا اَاجْمَعُكُمْ اللهُ اَنَّ شَيْوَحَ هَذِهِ الطَّائِفَةِ بَنُوا اَوْ اَعْدَا اَوْ مَرَّحَهُ عَلَى اَصُولٍ مَّحِيحَةٍ فِي التَّوْحِيدِ صَالُوْبًا عَقَائِدَهُمْ عَنِ الْبِدْعِ وَ دَالُوْا بِمَا وَجَدُوا عَلَيْهِ السَّلَفَ دَاخِلِ السَّنَةِ مِنْ تَوْحِيدٍ لَيْسَ فِيْهِ تَمَثُّلٌ وَلَا تَعْطِيلٌ وَ عَرَفُوا مَا هُوَ حَقُّ الْقَدَامِ ۝

یاد رکھو! خدا تم پر رحم کرے کہ اس جماعت کے جن قدر شیوخ گذرے ہیں انہوں نے تصوف کی بنیاد توحید کے صحیح اصولوں پر رکھی ہے اور انہوں نے اپنے عقائد کو بدعتوں سے بچاتے رکھا ہے اور انہی امور کی پیروی کی ہے جن پر انہوں نے سلف صالحین اور اہل سنت کو پایا ہے۔ یعنی ایسی توحید جس میں نہ (فرقہ نشینی) کی تمثیل اور نہ (فرقہ مضللہ) کی تعطیل پائی جاتی ہے اور انہوں نے خدائی لم یزل ولا یزال کے حق کو سہا نا ہے۔ پھر کیا صوفیاء کے حالات کچھ بچنے کے بعد امام قشیری فرماتے ہیں:-

هَذَا هُوَ ذِكْرُ جَمَاعَةٍ مِنْ شَيْوَحِ هَذِهِ الطَّائِفَةِ كَانَ الْغَرَضُ مِنْ ذِكْرِهِمْ فِي هَذَا الْمَوْضِعِ التَّنْبِيْهُ عَلَى اَنَّهُمْ مُجْمِعُونَ عَلَى تَعْظِيْمِ الشَّرِيعَةِ مُتَصِفُونَ بِسُلُوْكِ طَرِيقِ الرِّيَاضَةِ مُقِيْمُونَ عَلَى مُتَابَعَةِ السَّنَةِ ۝

اصوفیاء کے شیوخ کی ایک جماعت کا ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ ان کا ذکر کرنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے کہ تمام صوفیاء اس بات پر متفق ہیں کہ شریعت کی تعظیم کی جائے۔ یہ لوگ طرح طرح کی ریافتیں کرتے ہیں اور اتباع سنت پر کار بند رہتے ہیں۔

۱۰۔ شیخ بقارب بن بطو کا قول | شیخ بقارب بن بطو متوفی ۵۵۲ھ شیخ عبدالقادر جیلانی متوفی ۵۶۱ھ کے ہم عصر اور صاحب کرامات تھے۔ ان کے متعلق شیخ عبدالقادر جیلانی

فرمایا کرتے تھے:-

"اکثر مشایخ کو اللہ تعالیٰ نے ناپ تول کو معرفت عفا کی ہے مگر انہیں بغیر اندازے کے ہی عطا کر دی گئی"

۱۔ نفحات الانس: ۲۸۸ ۲۔ رسالہ قشیریہ: ۳ ۳۔ رسالہ قشیریہ: ۳۳

انہوں نے سید عبدالقادر جیلانیؒ کے طریقہ کے متعلق یوں رائے ظاہر کی ہے۔

كَانَ طَرِيقُ الشَّيْخِ عَبْدِ الْقَادِرِ جِيلَانِي..... وَمُوافَقَةُ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ فِي كُلِّ نَفْسٍ وَخُطْبَةٍ ۝

(شیخ عبدالقادر جیلانی کا طریقہ ہر دم اور ہر لمحہ کتاب و سنت کی موافقت کرنا تھا۔)

۱۱۔ ابن حجر کی رائے

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری سے کسی نے سوال کیا کہ یہ سماع جسے بعض فقہاء نے دُفُون و اَلَات کے ساتھ اختیار کر رکھا ہے کیا شیخ عبدالقادرؒ بھی اس سماع میں حاضر ہوا کرتے تھے یا کسی کو حاضر ہونے کا حکم دیتے تھے یا اس کے جواز یا حرمت کا حکم دیتے تھے یا نہیں؟

جواب :- علامہ ابن حجرؒ نے جواب دیا، شیخ عبدالقادرؒ کے متعلق جو صحیح اطلاع ہمیں ملی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک فقیر، زاہد اور عابد تھے وعظ فرماتے تو زہد اور توبہ کی ترغیب دیتے اور گناہ پر مہر لگانے کا خوف دلاتے۔ چنانچہ لاتعداد مخلوق نے ان کے ہاتھوں پر توبہ کی۔ جتنی کرامات ان کی مشہور ہیں اتنی نہ ان کے زمانہ اور نہ ان کے بعد ہم نے کسی سے ظاہر ہوتی ہوئی نہیں سنی۔

۱۲۔ امام نوویؒ کی رائے

شیخ الاسلام محی الدین نووی شارح صحیح مسلم اپنی کتاب بُسْتَانُ الْعَارِفِینِ میں لکھتے ہیں، "معتبر روایات سے جس قدر کرامات ہم تک شیخ عبدالقادرؒ کے متعلق پہنچی ہیں اس قدر کسی اور کے متعلق نہیں پہنچیں۔ یہ بغداد میں اپنے زمانہ کے شافعیہ اور حنبلیہ کے رہتے تھے اور علم کے اعتبار سے بھی انہیں رئیس مانا جاتا تھا۔ متعدد اکابر نے ان کی صحبت سے فیضان حاصل کیا اور عراق کے بڑے بڑے شیوخ کو اس سے نسبت ہے۔ ان کے لاتعداد مرید تھے اور تمام مشائخ اور علماء کا ان کی تعلیم و تکریم کرنے پر اتفاق ہے، ہر صحبت اور ہر ملک سے لوگ ان کی زیارت کے لیے اور مرادیں لے کر آتے۔ ہر طرف سے اہل سلوک کچھ چلے آتے تھے۔ یہ اچھی صفات، خریف اخلاق، کامل ادب اور مردت والے تھے، نہایت تواضع خندہ پیشانی، وافر علم اور عقل کے مالک تھے۔ کلام شرع اور احکام شرع کی شدت سے پیروی کرتے۔ اہل علم کی تعلیم کرتے۔ ویدار اور متبع سنت کی قدر کرتے۔ اہل بدعت اور اہل ہوا کو بُرا جانتے۔ مختصر یہ کہ ان کے زمانہ میں ان جیسا کوئی شخص نہ تھا۔"

۱۲۹۔ تلامذہ الجواہر: ۱۰۵، لوائح الانوار: ۱۰، ۱۱۰ شیخ بقا بن بلوک کے مزید حالات کے لیے ملاحظہ ہوں، لوائح الانوار: ۱۱۲

نفحات الانس: ۱۲۹۹، اور تلامذہ الجواہر: ۱۰۵، تلامذہ الجواہر: ۱۳۵

۱۳۔ سید عبدالقادر اور شیطان | سید عبدالقادر کے بیٹے سید موسیٰ (۵۳۹ھ تا ۶۱۸ھ) بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہ میں ایک مرتبہ جنگل میں نکل

گیا اور کئی دنوں تک مجھے پانی نہ ملا اور مجھے سخت پیاس لگی۔ اس پر بادل آئے اُن سے کچھ نمی ہوئی اور مجھے قدرے تسکین ہو گئی اس کے بعد میں نے ایک نور دیکھا جس سے تمام افق روشن ہو گیا اور اس میں سے ایک صورت نمودار ہوئی جس نے مجھے پکار کر کہا: اے عبدالقادر میں تمہارا رب ہوں، میں نے تمہارے لیے تمام محرمات جائز کر دیتے ہیں میں نے نوراً اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھا اور کہا: اے ملعون دور ہو جا بس پھر کیا تھا تمام نور ظلمت میں بدل گیا اور وہ صورت دھواں بن گئی۔ اس نے پھر مجھے مخاطب کر کے کہا: اے عبدالقادر اپنے علم اور منزلت کی وجہ سے مجھ سے بچ گئے۔ میں نے اس طرح ستر مونیہ کو گراہ کیا ہے۔ میں نے جواب میں کہا: یہ اللہ کا فضل اور احسان ہے! اس کے بعد کسی نے حضرت سے دریافت کیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ شیطان ہے، تو آپ نے فرمایا، اس کا یہ کہنا کہ میں نے تمام محرمات تمہارے لیے حلال کر دیے ہیں، میرے لیے اُس کے شیطان ہونے کا کافی ثبوت تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ تو بری باتوں کا حکم نہیں کرتے یہ

۱۴۔ سروردی کا قول | شیخ شہاب الدین ابو حفص عسمر بن محمد بن عبداللہ السہروردی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ اسی لیے انہیں ابکری کہا جاتا ہے انہوں نے

راہ طریقت اپنے چچا شیخ ضیاء الدین ابو الجیب عبدالقادر سروردی متوفی ۵۶۳ھ سے حاصل کی اور سید عبدالقادر جیلانی اور دیگر مشائخ کی صحبت پائی۔ اُن کی متعدد تصانیف ہیں جن میں سے عوارف المعارف، رشفۃ الصالح، اعلام الہدیٰ اور عقیدۃ ارباب التقی زیادہ مشہور ہیں، ایک مرتبہ ایک شخص نے انہیں لکھا کہ اگر میں عمل کرنا چھوڑ دیتا ہوں تو باطل کی طرف لگ جاتا ہوں اور اگر عمل کرتا ہوں تو مجھ میں غرور پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ نے جواب میں لکھا عمل کئے جاؤ اور غرور سے اللہ سے معافی مانگو۔

شیخ سعد الدین حموی متوفی ۶۵۷ھ سے کسی نے پوچھا کہ محی الدین ابن عربیؒ کو آپ نے کیسا پایا؟ جواب دیا: وہ ایک ایسا موزن سمندر ہے جس کی کوئی انتہا نہ ہو۔ پھر پوچھا شیخ شہاب الدین سروردی کو کیسا پایا تو جواب دیا:-

نُورٌ مُّنَانِعَةٌ لِّلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم فِي حَبِيبِ السُّهُرِ وَدُرِّي شَيْءٍ اٰخَرٍ۔

(سروردی کی پیشانی میں . اطاعت الرسل کا نور کچھ اور ہی دکھائی دیتا ہے۔)

سروردی کی ولادت ۵۳۹ھ میں اور وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی۔

۱۔ تلامذہ الجاہل ۲۰۰: ۶۱۲ سے نفحات الانس: ۲۷۰ سے عوارف المعارف

سہروردی عوارف المعارف کے خطبہ میں فرماتے ہیں :-

ثُمَّ إِنَّ إِيَّارِي لَيَقْدِرُ هَوْلًا لِقَوْمٍ وَتَحْبَتِي لَهُمْ عَلَمًا بِشَرِّ حَالِهِمْ وَصَحَّتْ
طَرِيقَتُهُمُ الْمَيْمَنَةُ عَلَى الْكَلْبِ وَالشَّيْئَةُ الْمُخَفِّقُ بِهِمَا مِنَ اللَّهِ الْكَرِيمِ الْفَضْلُ وَالْمِنَّةُ مَدَانِي
أَنْ أَدْبُجَ عَنْ هَذِهِ الْعِصَابَةِ بِهَذِهِ الصَّبَابَةِ وَأَذْلِفَ الْبَوَابَ فِي الْحَقَائِقِ وَالْأَدَابِ مُعَرَّبَةً
عَنْ وَجْهِ الصَّوَابِ فِيمَا اعْتَمَدَ دَوَاهُ مُشْعِرَةً بِشَهَادَةِ صَرِيحِ الْعِلْمِ لَهُمْ فِيمَا
اعْتَقَدُوا حَيْثُ كَثُرَ الْمُتَشَبِّهُونَ وَاخْتَلَفَتْ أَحْوَالُهُمْ وَلِتَقَرَّبَ بِهِمْ
الْمُسْتَبْرَدُونَ وَقَسَدَتْ أَعْمَالُهُمْ وَسَبَقَتْ إِلَى قَلْبٍ مَنْ لَا يَعْرِفُ أُمُورَ سَلَفِهِمْ
مُسَوِّمَ خَلْقٍ وَكَادَ لَا يَسْلَمُ مِنْ وَقِيعَةٍ فِيهِمْ وَطَعْنٍ ظَنَامَتُهُ أَنَّ حَاصِلَهُمْ رَاجِعٌ
إِلَى مَجْمُودِ رَسْمٍ وَتَخْصُصُهُ عَائِدَةٌ إِلَى مَطْلَبٍ إِنَّمَا -

پھر چونکہ مجھے اُن کے حال کی نیرنگی کا علم تھا اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ ان کا طریقہ صحیح ہے اور اُس کی
بنیاد کتاب و سنت پر ہے اور انہیں دو کی بدولت اللہ کی طرف سے فضل اور احسان ہوتا ہے اس لیے میں ان کے
طریقہ کو اپناتا اور ان سے محبت کرتا تھا اور اسی بات نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس مختصر سی کتاب کے ذریعہ سے
ان لوگوں کی گامیت کروں اور حقائق و آداب کے متعلق چند البواب تالیف کروں تاکہ جن امور میں لوگوں نے بے
اعتدال کی ہے ان میں انہیں صحیح راہ کا پتہ چل جائے اور انہیں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ان کے جو عقائد ہیں
اُن کے متعلق اُن کے پاس مرتج علم کی شہادت موجود ہے۔ اس لیے کہ کثرت سے ایسے لوگ پائے جاتے ہیں
جنہوں نے صوفیاء کا سارا طریقہ اختیار کر رکھا ہے مگر درحقیقت اُن کے حالات صوفیاء سے مختلف ہیں اور
کچھ لوگ صوفیاء کے لباس میں لوگوں کے سامنے آ رہے ہیں، حالانکہ یہ لوگ بد اعمال ہیں جس کی وجہ سے ان لوگوں کے
دلوں میں جو صوفیاء کے اسلاف کے اصولوں سے ناواقف ہیں، بدگمانی پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ
صوفیاء کو برا کہنے لگ جاتے ہیں اور وہ یہ گمان کو بیٹھتے ہیں کہ تعزوف محض ایک رسم ہے اور صوفی محض نام
جس کی کوئی حقیقت نہیں ۱۰

۱۵۔ ابن العربیؒ مئی الدین محمد بن علی ابن انحرثیؒ مرسیہ (اندلس) میں ۱۷۔ رمضان ۵۶۰ھ - جولائی ۱۱۶۵ھ
میں پیدا ہوئے۔ ۵۶۹ھ - ۱۱۷۳ھ سے بیکر ۵۹۹ھ - ۱۲۰۴ھ تک اشبیلیہ

میں رہے اور پھر مشرق کی طرف سیاحت کے لیے نکل گئے۔ یہ مصر سے ہوتے ہوئے حجاز پہنچے اور وہاں ایک مدت
تک قیام پذیر رہنے کے بعد بغداد، موصل اور ایشیائے کوچک کا سفر کیا اور بالآخر دمشق پہنچ کر سکونت اختیار
لے۔ اصل کتاب میں اُذْبُک کی بجائے "اذہب" چھپا ہے جو غلط ہے میں نے اس کی تصحیح کر دی ہے۔

کر لی اور وہیں ۳۳۵ھ میں وفات پائی۔ اُن کی پانچ صد سے زائد تصانیف ہیں، انہوں نے اپنے ایک مرید کی درخواست پر خود ایک رسالہ لکھا ہے، جس میں انہوں نے اپنی دوسو پچاس سے زائد تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ اُن کی بیشتر تصانیف تصوف میں ہیں، اسی رسالہ کے خلیفہ میں فرماتے ہیں کہ دیگر اشخاص کی طرح ان تصانیف سے میرا مقصد محض موتِ فنا نہیں، بلکہ بعض تصانیف کا سبب تو یہ ہوا کہ حق سبحانہ کی طرف سے مجھے پر معافی کا درود ہوتا تھا اور اگر ان کا اظہار نہ کرتا تو مجھے جل جانے کا اندیشہ تھا اور بعض تصانیف کے متعلق مجھے خواب یا مکاشفہ میں حکم دیا گیا ہے۔

ابن العربیؒ کے متعلق امام عقیف الدین عبداللہ بن اسعد یافعی متوفی بعد از ۵۸۵ھ مرآۃ الجنان و عبقرۃ الیقظان فی معرفۃ حوادث الزمان میں تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین سروردیؒ سے ابن العربیؒ کی ملاقات ہوئی۔ دونوں کچھ دیر تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور پھر کسی قسم کی گفتگو کئے بغیر ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ اس کے بعد کسی نے ابن عربیؒ سے شہاب الدین سروردیؒ کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا:

فَصَلِّ مَمْلُوءًا مِنْ فَرْقِهِ إِلَى قَدَامِهِ مِنَ السَّنَةِ
یَرِیْخُ سَرَّسَ پاؤں تک سنت سے لبریز ہے

اور جب سروردیؒ سے ابن العربیؒ کے متعلق دریافت کیا گیا تو کہا کہ ہُوَ کَبُجْرٌ مُحَقِّقٌ یَرِیْخُ حَقَائِقَ کَاسْمَدِ رہے ابن العربیؒ کی تصانیف میں سے زیادہ تر لے دے ان کی دو تصانیف پر ہوئی۔ ایک فصوص الحکم پر اور دوسرے فتوحات مکیہ پر۔ فتوحات مکیہ بڑی ضخیم کتاب ہے جو پانچ سو ساٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کے مقابل میں فصوص الحکم ایک مختصر سی کتاب ہے جو ستائیس ابواب پر مشتمل ہے۔

مولانا جامی کی رائے مولانا عبدالرحمن جامیؒ متوفی ۸۹۶ھ ۸۹۲ھ ابن العربیؒ پر طعن کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"وَأَعْظَمُ سَبَابٍ لِّطَعْنِ طَاعِثَانَ دَرَوَسَ کِتَابَ فُصُوصِ الْحُکْمِ اسْتَدَّ وَهَانَا کَاسْمَدِ مُنْشَرَّطِ طَاعِثَانَ یَا تَقْلِیدَ وَتَعْبُدُ اسْتَدَّ مَدَمُ الْمَلَا حَاسْمَدِ طَاعِثَانَ دَرَوَسَ یَا غَمُوزِ مَعَانِی وَحَقَائِقِ کَوْرِ مَصْنَعَاتِ خُودِ دَرَجِ کَرْدِ اسْتَدَّ وَآلِ تَدَّ حَقَائِقِ وَمَعَارِفِ کَوْرِ مَصْنَعَاتِ دَرَوَسَ تَخْصِیصِ دَرِ فُصُوصِ وَفَتْحَاتِ اَنْدَرَا حَ یَا فِتْنَةَ اسْتَدَّ دَرِ صِیْحِ کِتَابِ یَا فِتْنَةُ اسْتَدَّ وَآلِ سِیْحِ کَسْ اَزِیْنَ طَاعِثَانَ طَاعِثَانَ شَدَّ اسْتَدَّ وَاِیْنَ فِیْقِرَا زَنْدَمِتِ خَوَاجِرِ بَرِ بَانِ الدِّیْنِ الْبَوْنَصَرِ یَا رَسَاؤُکَسْ سَرَّوْ چُنِیْنَ اسْتَدَّ وَآرِ دَرِ کُمِیْ کَفْتِ کَوْرِ الْوَالِدِ مَامِیْ نَزْمُودِ فُصُوصِ جَانِ اسْتَدَّ وَفَتْحَاتِ دِلِ یَے"

اُن پر طعن کرنیوالوں کے لیے سب سے بڑا سبب کتاب فصوص الحکم ہے جس کی وجہ یا تقلید اور تعصب ہے یا اُن کی اصطلاحات سے ناواقف یا ان معانی اور حقائق کا فہم نہ ہونا جو انہوں نے اپنی تصانیف میں درج کئے ہیں اور جس قدر حقائق و معارف انہوں نے اپنی تصانیف میں درج کئے ہیں بالخصوص فصوص اور فتوحات میں اس قدر کسی اور کتاب میں پائے نہیں جاتے اور نہ ہی اس قدر کسی اور بزرگ سے ظاہر ہوتے ہیں، میں نے خواجہ برہان الدین ابن نصر پارسا قدس سرہ سے سنا ہے کہ ان کے والد نے فرمایا کہ فصوص جان ہے اور فتوحات دل۔

امام شعرانی کی رائے | امام شعرانی اُن پر طعن کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-
وَمَا أَنْكَرَ مَنْ أَنْكَرَ عَلَيْهِ إِلَّا لِدِقَّةِ كَلَامِهِ۔

”جنہوں نے اُن کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے صرف ان کے کلام کے دقیق ہونے کی وجہ سے کیا ہے۔“

علماء و صوفیاء نے ان کے کلام کی وقت کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کی کتابوں کی شرح لکھی ہیں چنانچہ عزیز جماعہ عبدالرزاق کاشانی، جامی اور آندی بانی نے فصوص الحکم کی شرح لکھیں اور موجودہ دور میں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب مثنوی ۱۳۶۲ھ، ۱۹۴۲ء نے اردو میں فصوص الحکم کے بعض مشکل مقامات کو حل کیا ہے اور کتاب کا نام خصوص الحکم فی حلّ فصوص الحکم رکھا ہے اور جب بعض لوگوں نے اپنی کم مائیگی اور جہالت کی وجہ سے ابن عربی کے کلام کو نہ سمجھا اور ان پر کلمہ چینی شروع کر دی تو متعدد علماء نے ابن العربی کی طرف داری میں کتابیں لکھیں چنانچہ عبدالغنی بابی نے الترتیب المبین علی منتقى العبارات مبحثی الدین لکھی، علامہ جلال الدین سیوطی نے تشبیہ الغیبی فی تنزیہ ابن العربی لکھی اور عبدالوہاب شعرانی نے تشبیہ الانبیاء علی قطرة من بحر علوم الاولیاء لکھی۔ اس کے علاوہ مراجع الدین محمد دہلوی اور حافظ ابن حجر کے استاد مجد الدین فیروز آبادی مصنف قاموس نے بھی ان کی تائید میں کتابیں لکھیں، موجودہ دور میں مولانا اشرف علی تھانوی نے ابن عربی کی طرف داری میں التشبیہ القطری من تنزیہ ابن العربی لکھی ہے۔ تھانوی صاحب نے کتاب کے خاتمہ پر ابن العربی کے متعلق اپنا عقیدہ اور ان کی مشکل عبارات کے متعلق اپنا مسلک بھی بیان کر دیا ہے، نیز فرمایا ہے کہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ نے جہاں کہیں ابن العربی پر تنقید کی ہے یا نہی کا حق ہے ہمارا حق نہیں۔ اب میں یہاں ابن عربی کی فتوحات کیمہ میں سے عبارتیں پیش کرتا ہوں جن میں انہوں نے شریعت اور کتاب و سنت کی پابندی پر زور دیا ہے۔

مولانا جامی فرماتے ہیں :- وہم و دے آورده است حکایت از حال خود:-

۱۔ پہلی عبارت | وَلَقَدْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَمَا جَاءَنَاهُ مُجَلَّدًا مَفْصَلًا مِمَّا

وَمَكَرَ الْيَنَانُ مِنْ تَفْصِيلِهِ وَمَا لَمْ يَصِلْ إِلَيْنَا أَوْلَسَ يَثْبُتُ عِنْدَنَا نَفْعُهُ مُؤْمِنُونَ بِكَلِمَاتِ مَا جَاءَهُمْ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ لَهُ

ابن عربی اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور ان امور پر ایمان لاتے ہیں جو ہمارے پاس مجمل یا مفصل طور پر پہنچے خواہ ان کی تفصیل ہم تک پہنچی ہے یا نہیں پہنچی یا ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہوئی۔ ہم ان تمام امور پر ایمان لاتے ہیں جنہیں درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔

۲۔ دوسری عبارت

ابن عربی نے فتوحات مکیہ کے آخری باب (باب ۵۶) میں تقریباً دسویں صیتیں دی ہیں۔ یہ صیتیں اگرچہ تمام کی تمام نہایت قابل قدر ہیں، مگر یہاں پر صرف ایک

دی جاتی ہے: عَلَيْكَ بِالْأَقْدَامِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِي أَحْوَالِهِ وَأَنْصَوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ إِلَّا مَا نَصَّ عَلَيْهِ مِنْهُ مُحْتَسِنٌ بِهِ مِمَّا لَا يُجُودُ لَنَا أَنْ نَفْعَلَهُ لَهُ

۱۔ فتوحات الانس ۲۹۷۔ فتوحات کا جو پہلی نسخہ مجھے دستیاب ہوا ہے وہ ناقص ہے اسی لیے فتوحات کا حوالہ دیا ہے

۲۔ فتوحات مکیہ تفسیر نسخہ ۱۲۹۔ ب۔ یہ یہاں پر اس نسخہ کا تعارف کر دینا چاہتا ہوں، یہ پہلی نسخہ میرے محرم دوست

میر عمر العزیز اے۔ ایم سی کی ملکیت میں ہے۔ محترم میر صاحب پاکستان میں تعلیم القدر رہتے ہیں سے ایک ہیں جن کی

ذاتی لا بریری میں پچیس ہزار سے زائد کتابیں ہیں مجھ پر ان کی خاص عنایت ہے جنہی چاہوں مطالعہ کے لیے کتابیں لے آتا

ہوں ان میں سے ایک فتوحات مکیہ کا نایاب نسخہ ہے۔ یہ نسخہ نہایت خوشخط اور بڑی تعلیق کے عمدہ کاغذ پر لکھا ہوا ہے اس کا

حاشیہ اور ابواب کی تمام سرخیاں سنہرے حروف میں لکھی ہوئی ہیں اور یہ نسخہ ۱۸۷۹ء کا لکھا ہوا ہے، کتاب کے خاتمہ پر کاتب

نے یہ عبارت لکھی ہے جس میں اس نے اپنا نام بھی لکھ دیا ہے۔

تَرَابُ الْقَدَمِ أَكَلُ الْاِحْدَمِ يُونُسُ بْنُ اِحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَفَا اللَّهُ عَنْهُ الزُّلَّاتِ وَازَالَ عَنْهُ

حَبُّ الْغَفَلَاتِ اَللَّهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ اَنْ تَزِيحَ عَنْ شَأْنَاتِ الْقِرَاطِجِ وَتَجْتَنِبَنَا اِلَيْكَ وَتُبَدِّلَنَا

بِالسِّرِّ الْجَامِعِ الْمُنَابِعِ وَتُحَلِّنَا مَقَالًا اَلْجَمْعِيَّةِ الْحَقِيقِيَّةِ وَتُمَدِّدَنَا بِقِيُوسِ كُتُوبِكَ الْغَيْبِيَّةِ

الْحَقِيقَةِ وَاَنْ تَجْعَلَنَا مِنْ خَاصَّةِ الْاَخْيَارِ وَصَفْوَةِ الْعَبِيدِ يَا حَيُّ يَا عَلِيُّمُ يَا قَدِيرُ وَصَلَّى اللَّهُ

عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ اَافْحَامِهِ الطَّاهِرِينَ وَكَانَ ذَلِكَ الْاِنْشَاءُ فِي سَابِعِ (عشرين) نَهْائِ

تاسع ثامن تاسعة هجریة سنویة

اور حاشیہ پر اس کے دستخطوں میں لکھا ہے اغنی ۲۷ ربيع الاول ۱۲۹۹ء اس کے بعد کاتب نے فتوحات مکیہ اور

بن العربی کی تعریف میں عربی میں کچھ اشعار دیے ہیں جن سے بظاہر اہل معلوم ہوتا ہے یہ اشعار کاتب کے اپنے ہیں، مگر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال، اقوال اور افعال میں اقتدار کرنی لازم ہے۔ سوائے ان امور کے جن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح طور پر فرما دیا ہے کہ وہ آپ کی خصوصیات میں سے تھے اور جن کا ذکر کرنا ہمارے لیے جائز نہیں۔

ابن عربی باب ۱۶۴ فی مَعْرِفَةِ مَقَامِ النَّصُوفِ میں لکھتے ہیں :-

۳۔ تیسری عبارت

قَالَ أَهْلُ الْبَطْرِيقِ اللَّهُ النَّصُوفُ خُلِقَ فَمَنْ رَادَّ عَلَيْكَ فِي الْخُلُقِ رَادَّ عَلَيْكَ فِي النَّصُوفِ وَسُئِلْتُ عَالِشَةَ أُمَ الْمُؤْمِنِينَ عَنْ خُلُقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ وَإِنَّ اللَّهَ اشْتَىٰ عَلَيْهِ بِمَا عَاطَهُ مِنْ ذَلِكَ فَقَالَ "وَأَنْتَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ" وَمِنْ شَرْطِ الْمُنْعَوَاتِ بِالنَّصُوفِ أَنْ يَكُونَ حَكِيمًا ذَا حِكْمَةٍ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَلَا حَظَّ لَهُ فِي هَذَا الْقَلْبِ فَإِنَّهُ حِكْمَةٌ كُلُّهَا فَإِنَّهُ أَخْلَقَ دَعَىٰ شَمْتًا جَرَّ إِلَىٰ مَعْرِفَةِ نَامَةِ دَعْبَلٍ رَاجِحٍ وَحُضُورٍ دَتَمَكُنٍ قَوِيٍّ مِنْ نَفْسِهِ حَتَّىٰ لَا يَحْكُمَ عَلَيْهِ الْأَعْرَاضُ النَّفْسِيَّةُ وَنَجْعِلَ الْقُرْآنَ أُمَامَةً صَاحِبَ لِهَذَا الْمَقَامِ ط

اہل طریقت لکھتے ہیں کہ تصوف ہم تن خلق ہے۔ جس کے اخلاق تم سے بہتر ہوں گے وہ تم سے بہتر ہوں گے۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا: قرآن آپ کا خلق تھا۔ نیز جو اخلاق اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے ہیں ان کی تعریف یوں فرمائی ہے آپ کے اخلاق بہت بلند ہیں اور جو شخص تصوف کی صفت سے موصوف ہو اس کے لیے دانا ہونا بھی ضروری ہے اگر ایسا نہ ہو تو مرنے کا لقب اسے نہیں دیا جاسکتا۔ اس لیے کہ تصوف ہم تن حکمت ہے کیونکہ اس میں اخلاق پائے جاتے ہیں اور اخلاق کے لیے معرفت تاثر عقل راجح و حاضر اور اپنے نفس پر پورا قابو ہونا ضروری ہے تاکہ خواہشات نفسانیہ اس پر قابو نہ پالیں۔ مقام تصوف والے انسان کو چاہیے کہ وہ قرآن مجید کو اپنی نگاہ میں رکھے۔

باب ۴۱۹ - فی مَعْرِفَةِ خَالِ طَلَبٍ كَانَ مَنَزِلُهُ اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ دِلَّالَتُ سُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ اَعْلَمُوْا اَيْدِنَا اللّٰهُ وَرَبَّكَ

۴۔ چوتھی عبارت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

کائنات کی اخلاق کی وجہ سے اس میں تنگ پیدا ہو جاتا ہے انہی اس بات کا ہے کہ یہ نسخہ ناقص ہے ابتدائی حصہ کسی درک کا کھاسا ہوا ہے جس کا خلا اس قدر غراب ہے کہ اس کے پڑھنے میں سخت دقت پیش آتی ہے۔ درمیان میں کچھ اوراق خالی پڑے ہیں جن کی وجہ سے کتاب ناقص رہ گئی ہے آخری ورق پر ورق کا نمبر ۹۴ دیا ہے کتاب پر چند جگہوں پر مغلیہ سلاطین کی مہر بھی ثبت ہیں ایک مہر پر احمد شاہ بادشاہ لکھا ہے اور ۱۱۷۱ھ دیا ہے میں نے جو حوالے دیئے ہیں وہ اسی نسخہ کے ہیں۔

أَنَّهُ مَا فِي الْقُرْآنِ دَلِيلٌ أَوَّلٌ عَلَى أَنَّ الْإِنْسَانَ الْكَامِلَ مَخْلُوقٌ عَلَى الصُّورَةِ مِنْ هَذَا الدِّكْرِ
لِذَلِكَ الْإِلَهِ فِي تَوَلُّوهِ دَلِيلٌ رَفِيعٌ أَمْرُهُ تَعَالَى بِمَنْ أَيْدِيهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ بِالْإِجَابَةِ لِدَعْوَةِ
اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَلِدَعْوَةِ الرَّسُولِ فَإِنَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مَا يَدْعُونَ إِلَّا لِيُخْبِتَنَا تِلْكَ مَنَّا
الْإِجَابَةِ عَلَى كُلِّ حَالٍ إِذَا دَعَانَا فَإِنَّهُ مَا يَكُونُ فِي حَالِ الْإِمْنَةِ فَلَا بُدَّ أَنْ يُخْبِتَهُ إِذَا
دَعَانَا فَإِنَّهُ أَلَدِي يُقِيمُنَا فِي أَحْوَالِنَا وَإِنَّمَا فَضَّلَ هَهُنَا بَيْنَ دَعْوَةِ اللَّهِ وَدَعْوَةِ الرَّسُولِ
يَتَحَقَّقُ مِنْ ذَلِكَ صُورَةُ الْحَقِّ الَّتِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهَا وَهِيَ
الدَّاعِي فِي الْحَالَتَيْنِ إِيَّانَا فَإِذَا دَعَانَا بِالْقُرْآنِ كَانَ مُبْلَغًا وَتَرْجُمًا نَأْزُكَانَ الدُّعَاءُ
دُعَاءُ اللَّهِ تَلِكُنْ إِجَابَتُنَا لِلَّهِ وَالِإِسْمَاعُ لِلرَّسُولِ وَإِذَا دَعَانَا بِغَيْرِ الْقُرْآنِ كَانَ الدُّعَاءُ
الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ تَلِكُنْ إِجَابَتُنَا لِلرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ
وَلَا فَرْقَ فِي دُعَائَيْنِ فِي إِجَابَتِنَا وَإِنْ تَمَيَّزَ كُلُّ دُعَاءٍ بِتَمَيُّزِ الدَّاعِي

یاد رکھیں! خدا تمہاری بھی اور ہماری بھی مدد کرے کہ قرآن مجید میں اس آیت سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسان کامل کی صورت میں مخلوق ہوئے اس لیے کہ "الرسول" پرالف اور لام داخل
ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں۔ دعوت الہی اور دعوت
رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے اس لیے کہ خدا اور اس کا رسول ہمیں صرف انہی امور کی دعوت دیتے ہیں جو
ہمیں زندگی بخشنے میں لہذا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کسی امر کی طرف بلائیں تو ہمیں ہر حالت میں تسلیم
ختم کرنا ہوگا۔ اس لیے کہ ہر حالت میں دعوت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوگی۔ لہذا ہمیں ان کے
بولنے کا جواب دینا ضروری ہے کیونکہ وہی ہمارے حالات کی اصلاح کرنے والے ہیں۔ یہاں پر دعوت خداوندی
اور دعوت نبوی میں امتیاز اس لیے کیا ہے تاکہ وہ صحیح صورت جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لوگوں کو
معلوم ہو جائے۔ کیونکہ ہر دو صورت میں داعی تو وہی ہیں۔ لہذا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے
الفاظ میں دعوت دیں تو اس صورت میں آپ مبلغ اور ترجمان ہوں گے اور دعوت اللہ کی طرف سے ہوگی۔
لہذا ہمیں اللہ کی اطاعت کرنی چاہیئے اور رسول کی بات پر کان لگانا چاہیئے اور جب قرآن کے علاوہ کسی اور
الفاظ میں بلائیں تو یہ دعوت رسول کی طرف سے ہوگی۔ لہذا ہمیں رسول کی بات بھی ماننی چاہیئے۔
جہاں تک اجابت کا تعلق ہے ہمارے لیے دونوں دعوتوں میں کوئی فرق نہیں۔ حالانکہ داعی کے لحاظ سے
دعوتوں میں فرق ہے۔

۱۔ اصل کتاب میں اسی طرح دیا ہے میرے خیال میں یہ لفظ لَمْ يَمَنْ بہ ہے اور میں نے اسی طرح ترجمہ کیا ہے۔

اس کے بعد ابن عربی نے تجتیت حدیث اور اس کے واجب العمل ہونے پر بحث کی۔ اہل ذوق تفصیل وہاں سے ملاحظہ فرمائیں۔

باب ۶۰ کی ابتداء میں ابن العربی کہتے ہیں :-
۵۔ پانچویں عبارت اَلْبَيْلُ -
 نَهَدْنِي أَحْمَدُ عَيْنُ الْعَدِيِّ أَجْمَعَةَ وَ مِلَّةَ الْمُصْطَفَى مِنْ الزَّوَارِ

حقیق راستہ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے اور تمام ملتوں سے زیادہ روشن ملت بھی انہی کی ملت ہے۔

اسی باب میں فرماتے ہیں :-
۶۔ چھٹی عبارت
 عَلَيْكَ بِمِلَّةِ رَمَةَ مَا اقْتَرَضَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ عَلَى الرُّوحِ الَّذِي أَمَرَكَ
 أَنْ تَقُومَ فِيهِ فَإِذَا اكْمَلْتَ نَشَأَةً قَرَأَ بِصَلَاةٍ وَكَمَا لَهَا تَرَضٌ حِينَئِذٍ عَلَيْكَ (أَنْ)
 تَتَفَرَّقَ مَا بَيْنَ الْقَرَضَيْنِ لِتَوَافُلِ الْخَيْرَاتِ كَانَتْ مَا كَانَتْ لَهُ
 جو امور اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کئے ہیں۔ انہیں اسی طرح ادا کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے ادا
 کرنے کا حکم دیا ہے۔ جب تم فرائض کو پورا کر چکو تو دو فرضوں کے درمیان توافل کی طرف توجہ دو خواہ
 وہ کسی کے ہوں۔

نیز اسی باب میں فرماتے ہیں :-
۷۔ ساتویں عبارت
 وَعَلَيْكَ بِالْصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ حَيْثُ يَنَادِي بِهَا مَعَ الْجَمَاعَةِ فَإِنَّ
 الْمَسَاجِدَ مَا اخْتَدَتْ إِلَّا لِإِقَامَةِ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ فِيهَا وَمَا يَنَادِي إِلَّا إِلَى الْإِثْيَابِ
 إِلَيْهَا فَإِنَّ ذَلِكَ سُنَّةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَالْمُرَادُ بِذَلِكَ الْاجْتِمَاعُ
 عَلَى إِقَامَةِ الدَّيْنِ وَأَنْ لَا تَتَفَرَّقَ فِيهِ لِهَذَا اخْتَلَفَ النَّاسُ فِي صَلَاةِ الْفَقَاءِ الْمَكْتُوبَةِ إِذَا
 قَدَّرَ عَلَى الْجَمَاعَةِ هَلْ يُجْزِيهِ أَمْ لَا دَمِنْ تَرَكْتُ سُنَّةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ
 ضَلَّ بِلا شَكٍّ - ۷

جب اذان ہو تو فرض نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کیا کرو۔ اس لیے کہ مسجد میں فرض نمازوں کو ادا کرنے
 کے لیے ہی بنائی گئی ہیں اور اذان جو دی جاتی ہے تو صرف اس لیے کہ ہم نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے آئیں
 کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم دین کو قائم کرنے کے لیے

لے فرماتے ہیں ۹۱۳ الف ۷۶ فرماتے ہیں ۹۱۳ ف

اکٹھے ہوں تاکہ آپس میں تفرق نہ پڑے۔ اسی لیے علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص فرض نماز اکیلے ادا کرے حالانکہ وہ جماعت کے ساتھ ادا کرنے پر تادار ہے، آیا یہ نماز ہو جائے گی یا نہیں اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنت کو ترک کیا وہ یقیناً گمراہ ہوا۔

ابن ابی ربیع کی کتابوں میں سے ہم بے شمار مثالیں پیش کر سکتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کتاب و سنت کے متبع تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔ حق پسند اور منصف مزاج حضرات پر یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ ابن العربی پر کتاب و سنت کی مخالفت کا الزام بے بنیاد اور محض افتراء ہے جس نے بمقابلہ دوسرے صوفیاء کے ان کے متعلق ذرا زیادہ وضاحت سے کام لیا ہے اس لیے کہ طاعنین نے انہیں بدنام کرنے کی بہت کوشش کی ہے جن بزرگوں کو حق بات معلوم کرنے کے لیے مزید وضاحت کی ضرورت ہو وہ مولانا اشرف علی تھانوی کی التنبیہ الطربی کا مطالعہ کریں۔

۱۶۔ شیخ احمد ملتئم کا قول | شیخ ابوالعباس احمد ملتئم مصر کے جلیل القدر مشائخ میں سے ہوئے ہیں، ان کے والد ممالک مشرق میں بادشاہ تھے، مگر انہوں نے سب کچھ چھوڑ کر طریقی فقر اختیار کر لیا تھا، انہوں نے بڑی لمبی عمر پائی ہے۔ شیخ عبدالغفار قوسمی جن کی وفات تقریباً ۱۰۸۰ھ میں ہوئی، فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے ان کی عمر کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ اس وقت میری عمر تقریباً چار سو سال ہے ان کی وفات ۱۰۸۰ھ کے قریب ہوئی علماء ظاہر اکثر ان کے مخالف رہتے، لیکن ان کا اپنا قول ہے:-

لَمْ يَكُنْ الْأَقْطَابُ أَقْبَابًا وَلَا الْوَقَادُ أَوْ تَادًا وَلَا الْوَلِيَّاءُ أَوْلِيَاءَ وَلَا يُعْطِيهِمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَمَعْرِفَتِهِمْ بِهِ وَأَجْلَالُهُمْ بِشَرِيعَتِهِ وَتَيَامُهُمْ بِأَدَابِهِ

ذکر کوئی قطب قطب بن سکا ہے، نہ اوتاد و اوتاد اور نہ ولی ولی جب تک کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہیں کی اور اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل نہیں ہوئی اور جب تک اس نے آپ کی شریعت کی تعظیم نہیں کی اور اس کے آداب بجا نہیں لاتے۔

۱۷۔ شیخ عبدالغفار قوسمی اور اتباع سنت | شیخ عبدالقادر قوسمی متوفی ۱۰۸۰ھ (تقریباً) کا اتباع سنت میں یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ اپنے بیٹے کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔ کھانے میں کہ دہی تھا، فرمایا: بیٹا! نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کدو بہت پسند تھا بیٹے کی زبان سے نکل گیا کہ یہ تو ایک گندی چیز ہے، ان سے یہ الفاظ برداشت نہ ہو سکے اس لیے کہ ان میں شان نبوی

کے بارے میں تحریر پائی جاتی تھی اور اسی وقت تلوار سے اپنے بیٹے کی گردن اڑادی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پسند کو اپنے بیٹے کی جان سے بھی عزیز جانا یہ

۱۸۔ ابراہیم و سوتی سید ابراہیم بن ابی المجد قرشی و سوتی جلیل القدر صوفی اور صاحب کرامات بزرگ گزرے ہیں۔ انہیں فارسی، عربی، سریانی، زنگی اور تمام پرندوں اور وحشی

بانوروں کی بولیاں آتی تھیں۔ ان کی وفات تینتالیس سال کی عمر میں ۳۷۷ھ میں ہوئی، فرماتے ہیں: الشَّرِيعَةُ أَصْلُ وَالْحَقِيقَةُ فَرْعٌ وَالشَّرِيعَةُ جَامِعَةٌ بِكُلِّ مَشْرُوعٍ وَالْحَقِيقَةُ جَامِعَةٌ بِكُلِّ عِلْمٍ حَقِيقَةٍ

شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فرع۔ شریعت میں تمام مشروع باتیں آ جاتی ہیں اور حقیقت میں تمام مخفی علوم۔

حضرت و سوتی جب کسی مرید سے عہد لیتے تو ان الفاظ میں لیتے۔

يَا نَلَانُ أَسَلْتُ طَيْرِي النَّسِكَ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ وَأَنَامِ الصَّلَاةِ وَإِتْيَاءِ الزَّكَاةِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَاجْتِهَادِي إِلَى بَيْتِ الْحُكْمِ وَإِتْيَاعِ جَمِيعِ الْأَوَامِرِ الْمَشْرُوعَةِ وَالْأَخْبَارِ الْمُرْصِيَةِ وَالْإِسْتِغَاثِ بِطَاعَةِ اللَّهِ قَوْلًا وَفِعْلًا وَاعْتِقَادًا وَلَا تَنْتَظِرْ يَا وَلَدِي إِلَى ذَخَارِفِ الدُّنْيَا وَمَطَايَاهَا وَمَلَابِسِهَا وَقَبَائِسِهَا وَرِيَاسَتِهَا وَخَطُوطِهَا وَاتَّبِعْ نَبِيَّكَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمْ فِي أَخْلَاقِهِ فَإِنَّ لَكَ تَسْتَطِيعَ فَاتَّبِعْ خُلُقَ شَيْخِكَ فَإِنَّ نَزَلَتْ عَنْ ذَاكَ هَلَكْتَ يَا وَلَدِي

اے نلانی! عبادت کے طریقہ میں کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت پر چلتا، نماز پڑھتے رہنا، زکوٰۃ ادا کرنا روزے رکھنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور تمام شرعی اوامر اور احادیث مرضیہ کی تابعداری کرنا، قولاً، فعلاً اور اعتقاداً ہر طرح سے اللہ کی اطاعت میں لگے رہنا! دنیا دہانیاں و سواریں، لباس، زیب و زینت اور حظوظ کی طرف دھیان نہ کرنا۔ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کی پیروی کرنا اگر اتنا نہ کر سکو تو کم از کم اپنے پیر کے اخلاق کی ہی پیروی کر لینا اور اگر کہیں اس سے بھی نیچے گئے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔

ذرا غور فرمائیں کس قدر واضح الفاظ میں کتاب و سنت کی پیروی کرنے کا عہد لیا جا رہا ہے ان امور کی پابندی کے باوجود اگر کسی سے بظاہر کوئی خلاف شریعت امر دکھائی دے تو اس کے متعلق فرماتے ہیں:۔

لَ لَوَاتِحِ الْأَوَارِ ۱: ۲۹ لَ لَوَاتِحِ الْأَوَارِ ۲: ۴۴ لَ لَوَاتِحِ الْأَوَارِ ۱: ۱۵۱

یہ اس لیے فرمایا کہ پیر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلتا ہے۔

وَلَا يُقَدَّرُ فِي صَاحِبِ الْحِزْقَةِ إِلَّا أَنْ خَالَفَ صَرِيحَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ اخْتِياراً له
صاحب خزقہ پر صرف اُس وقت عیب جوئی کی جاسکتی ہے جب وہ کتاب و سنت کے صریح احکام کی
خلاف درزی کرے۔

۱۹۔ شیخ ابوالحسن شاذلی کا بیان

شیخ ابوالحسن علی بن عبداللہ بن عبد الجبار شاذلیؒ افریقہ میں
شاذلہ کے رہنے والے اور حسینی سادات میں سے تھے، یہ نابینا
تھے۔ انہی نے سلسلہ شاذلیہ کی بنیاد ڈالی ہے۔ کبار اویار کی کثیر تعداد ان سے فیضیاب ہوئی، جب یہ حج کے لیے
کہہ کر جا رہے تھے تو راستہ میں ایک صحرائی میں ۶۵۰ھ میں وفات پائی۔ تقی الدین ابن دینق العید فرماتے ہیں کہ میں
نے ابوالحسن شاذلیؒ سے بڑھ کر کسی کو عارف باللہ نہیں دیکھا۔ حزب البحر انہی کی طرف منسوب ہے، حضرت
شاذلی اکثر فرمایا کرتے تھے۔

إِذَا عَاذَ مَنْ كَشَفَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَتَمَسَّكَ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَدَعَا الْكُشْفَ ۚ
جب تمہارا کشف کتاب و سنت کے خلاف ہو تو کتاب و سنت پر پابند رہو اور کشف کو چھوڑ دو۔
پھر فرماتے ہیں :-

مَا شَعَرَ كَوَامَةً أَظْهَرَ مِنْ كَوَامَةِ الْإِيمَانِ وَمَتَابَعَةِ السُّنَّةِ فَمَنْ أَعْيَلَهَا وَجَعَلَ
لِشَتَاتٍ إِلَى غَيْرِهَا مَا هُوَ مُفْتَرٍ كَذَّابٌ أَوْ دُوْخَطَارِي الْعِلْمِ بِالصَّوَابِ كَمَنْ أَكْرَمَ بِشَهَادَةِ
الْمَلِكِ فَاسْتَقَاتَ إِلَى سَيِّئَاتِهِ ۚ

ایمان اور اتباع سنت سے بڑھ کر کوئی کرامت نہیں ہے دونوں باتیں حاصل ہو جائیں اور پھر وہ کسی اور چیز
کا مشتاق ہو تو وہ شخص مفتری اور کذاب ہے یا اسے اپنے علم میں صحیح بات معلوم کرنے میں غلطی لگی ہے۔ اس کی
مثال ایسا ہے۔ جیسے ایک شخص کو بادشاہ کے دربار میں حضوری کا شرف حاصل ہو مگر وہ جانوروں کا داروغہ
بننا چاہے۔

۲۰۔ علی بن شہاب کا قول

شیخ علی بن شہابؒ امام عبدالوہابؒ شرعی کے دادا تھے، نہایت متقی اور
پرہیزگار۔ تھے ۱۰۰ انہوں نے ستاسی سال کی عمر میں ۱۹۰ھ میں وفات
پائی۔ ایک مرتبہ شیخ عبدالرحمن بن شیخ دہیب سلجوقی جو اس وقت کے احمدیہ فرقہ کے رئیس تھے ان کے شہر میں آئے
تھے تو علی بن شہابؒ نے انہیں کلام بھیجا۔

۱۔ راجع الانوار : ۱ : ۶۵۰ ۲۔ جامی رحمۃ اللہ نے نسائی الاثر میں ان کی تاریخ وفات ۶۵۲ھ دی ہے

۳۔ راجع الانوار : ۲ : ۴۴ ۴۔ راجع الانوار : ۲ : ۴۵

يَا شَيْخُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ إِنَّ كُنْتَ تَطْلَعُ بَلَدَنَا نَا تَطْلَعُهَا بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْإِ
كُنْتَ مَجْبُورًا ۝

اے شیخ عبدالرحمن اگر تو ہمارے شہر میں آنا چاہتا ہے تو کتاب و سنت کے ساتھ آنا ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان جدائی ہوگی۔

۲۱۔ محمد عنان کا فرمان | شیخ محمد عنان اپنے زمانے کے بہت بڑے عابد اور زاہد تھے ان کی کرامات مشہور ہیں انہوں نے ایک سو اسی برس کی عمر میں ۹۲۲ھ میں وفات پائی، ان کے پاس اگر کوئی راہ طریقت کی تلاش میں آتا تو فرماتے:

”یہ لوگ راہ حق سے مذاق کرتے ہیں“

اور کسی کو ذکر کی تلقین نہ کرتے۔ شیخ احمد بن حارثی قرآن مجید کے کراں کے پاس آئے اور کہا تمہیں اس خدا کی قسم جس کا یہ سلام ہے کہ مجھے ضرور ذکر کی تلقین کریں۔ شیخ محمد عنان نے جب اللہ کی قسم کا لفظ سنا تو بیہوش ہو کر گر پڑے پھر اٹھ کر فرمایا:

يَا لَيْدِي لَطَرِيْنِ مَا هِيَ بِهَذَا ۝ اِنَّمَا هِيَ بِإِتِّبَاعِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ ۝

بیٹا! راہ طریقت یہ نہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری ہی کا نام طریقت ہے۔

۲۲۔ ابو بکر حدیدؓ کی اور اتباع سنت | شیخ ابو بکر حدیدؓ کبار صوفیہ میں سے تھے اور امام عبداللہ شہرائی کے پیر تھے انہوں نے مدینہ میں ۹۲۵ھ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئے، ایک مرتبہ انہوں نے شیخ محمد العدلؒ کو دیکھا کہ وہ کسی بیمار عورت کا پیٹ ٹوٹ رہا ہے اس پر انہوں نے بلند آواز سے کہا:

اے محمد! ہاتے دین۔ اے عدل خدای بزرگ تمہارے اوپر ہے۔

محمد عدل نے جواب دیا: میں نے کوئی بڑی نیت سے تو نہیں ٹوٹا۔

فرمایا: کیا تو مصروع ہے؟ ہم تو سنت کے ظاہری حکم کو جانتے ہیں یہ

۲۳۔ ابن داؤد و منزل لاوی | امام شہرائی ابن داؤد کے متعلق لکھتے ہیں:-

كَانَ سَيِّدِي مُحَمَّدُ بْنُ دَاوُدَ يُضْرَبُ بِهِ السَّلُّ فِي إِتِّبَاعِ
الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَكَذَلِكَ الشَّيْخُ شَهَابُ الدِّينِ كَانَ يُضْرَبُ
اور اتباع سنت

۱۔ لوائح الانوار ۲: ۱۰۳ ۲۔ لوائح الانوار ۲: ۱۰۹ ۳۔ لوائح الانوار ۲: ۱۱۹

بِهِ اِتِّبَاعُ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَمَا دَلَّتْ فِي عُمْرِي هَذَا اَصْبَطَ مِنْهُ لِلْسُّنَّةِ - ۱۵
 سیدی محمد بن داؤد اتباع کتاب و سنت میں ضرب المثل ہے۔۔۔۔۔ اسی طرح ان کے بیٹے شیخ شہاب
 الدین بھی کتاب و سنت کی اتباع میں ضرب المثل تھے میں نے اپنے زمانہ میں ان سے بڑھ کر کسی کو سنت پر
 کار بند نہیں دیکھا۔

پھر آگے چل کر شہاب الدین کے متعلق لکھتے ہیں :-
 كَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مُلَاذِمًا لِّلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ مَا رَأَيْتُ عَيْنِي بَعْدَ الشَّيْخِ مُحَمَّدِ بْنِ
 عَمَانٍ اَصْبَطَ لِلْسُّنَّةِ مِنْهُ ۛ
 یہ ہمیشہ کتاب و سنت پر کار بند رہتے۔ میں نے شیخ محمد بن عمنانؒ کے بعد ان سے زیادہ محافظ سنت
 نہیں دیکھا۔

اس کے بعد شعرائیؒ لکھتے ہیں کہ چالیس سال تک میں ان کی صحبت میں رہا مگر میں نے انہیں کبھی بھی مسنون
 طریقہ سے منحرف ہوتا نہیں پایا۔ خود منز لاوی فرماتے ہیں :-
 مَنْ اَادَحَفَظَ السُّنَّةَ فَلْيَحْصِلْ بِهَا فَاِنَّهَا تَقْفِيْدُ عُنْدَهُ وَلَا يَنْسَاهَا -
 جو شخص سنت کی محافظت کرنا چاہے وہ اس پر عمل کرے کیونکہ اس طرح سنت محفوظ ہو جاتی
 ہے اور بھولتی نہیں۔

۲۲۔ امام شعرائیؒ کا قول | امام عبدالوہاب بن احمد بن علی شعرائیؒ متوفی ۹۶۳ھ ۱۵۶۵ء بہت بڑے
 عالم اور صوفی ہوئے ہیں ان کی متعدد تصانیف ہیں فرماتے ہیں :-
 (النَّاسُ) وَاعْلَمُوا أَنَّ طَرِيقَ الْقَوْمِ عَلَى وَفَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ فَمَنْ خَالَفَهَا خَرَجَ عَنِ الصِّرَاطِ
 الْمُسْتَقِيمِ ۛ

یاد رکھو کہ صوفیاء کا طریقہ کتاب و سنت کے عین مطابق ہے جس نے کتاب و سنت کے خلاف کیلوا
 راہ مستقیم سے بھٹک گیا۔

(ب) كَرِهَ اللَّهُ امْرَأَةً رَأَتْ مِنْهَا شَيْئًا يَخَالِفُ ظَاهِرَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَأَمْلَحَهُ وَكَانَ
 يَشْرُطُ أَنْ يَكُونَ عَلَى يَقِينٍ أَوْ مَعْرِفَةٍ لَيْسَ فِيهِ شَكٌّ ۛ

خدا اس شخص پر رحم کرے جس نے اس کتاب میں کتاب و سنت کے خلاف کوئی بات پائی اور اس نے اس کی

۱۔ تاریخ الخلفاء : ۲ : ۱۱۳ ۛ تاریخ الخلفاء : ۲ : ۱۶۹ ۛ تاریخ الخلفاء : ۱۱ : ۲۱

۲۔ تاریخ الخلفاء : ۱ : ۶۱

اصلاح کردی بشرطیکہ اسے اس قدر یقین اور معرفت حاصل ہو کہ اسے کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو کہ یہ امر کتاب و سنت کے خلاف ہے۔

(ج) قَيْسُ بْنُ طَرِيقٍ الْعَدَنِيُّ أَنَّ يَتُوبَ مِنْ تَرْكِ السُّنَّةِ كَمَا يَتُوبُ مِنْ تَرْكِ الْوَاجِبِ لَمْ

عارفین کے طریقہ پر چلنے والے کے لیے ضروری ہے کہ جس طرح وہ ترک واجب سے توبہ کرتا ہے اسی طرح سنت کے ترک کرنے سے بھی توبہ کرے۔

(د) وَلَا عَلُوًّا يَتَرَبَّعُ فِي الْمَوَازِي لَا نَعَابَهُ إِلَّا أَنْ امْتَثَلَ أَمْرًا لِلَّهِ تَعَالَى وَاجْتَنَبَ فَمَقِيهِ فِي الْمَحْرَمَاتِ الْبُورَادِيُّ فِي السُّنَّةِ مَطْلَبًا كُلَّ الْخَلْقِ الْمُكَلِّفِينَ لَا يَخْرُجُ عَنْ ذَلِكَ أَحَدٌ مِنْهُمْ وَمَنْ ادَّعَى أَنَّ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى حَالَةً اسْقَطَتْ عَنْهُ التَّكْلِيفَ الشَّرْعِيَّةَ مِنْ غَيْرِ ظُهُورِ مَا ذَكَرَ تَصَدَّقَ عَلَيْهِ عَلَى دَعْوَاهُ نَهْدُ كَاذِبٌ هـ

ورنہ اگر ہم صوفی کو ہوا پر چڑھائی لگائے بیٹھے ہوئے بھی کیوں نہ دیکھ لیں تب بھی اس کا کچھ اعتبار نہ کریں گے البتہ اگر وہ قرأت کے ترک کرنے کا حکم کرتا ہو اور سنت نبوی میں جن محرمات سے منع کیا گیا ہے ان سے پرہیز کرتا ہو اور تمام مخلوق خدا کو محرمات کے ترک کرنے کا حکم کرتا ہو تب مان جائیں گے۔ اس لیے کہ کوئی شخص بھی احکام سے مستثنیٰ نہیں ہے اور اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اللہ اور اس کے درمیان ایک حالت ہے جس کی وجہ سے تمام احکام شرعیہ اس سے ساقط ہو چکے ہیں اور اس کے پاس اس دعویٰ کی تصدیق میں کوئی ظاہری علامت بھی مانی جاتی ہو تو وہ شخص کاذب ہے۔

(هـ) وَظَهَرُوا لِكِرَامَةِ لُبْسَتِ بِشْرٍ لِمَا بَيَّنَّ - إِنَّمَا يُشْرَطُ امْتِثَالُ أَوْامِرِ اللَّهِ وَاجْتِنَابُ نَوَاهِيهِ فَيَكُونُ أَمْرُهُ مَصْبُوحًا عَلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ لَنْ كَانَ كَذَلِكَ تَالْقُرْآنُ شَاهِدًا بِلَوْلَا بَيْنَهُ -

ہاں کے لیے کرامت کا ظاہر ہونا شرط نہیں۔ اگر شرط ہے تو یہ کہ وہ احکام خداوندی کی تابعداری کرے اور نواہی سے پرہیز کرے تاکہ اس کی حالت کتاب و سنت سے مطابقت کی وجہ سے بخیر ہو لہذا جس شخص کا یہ حال ہو کہ تو اس کی ولایت پر قرآن گواہ ہے۔

مذکورہ بالا اقوال پر بے ثمر اور اقوال کا اضافہ کیا جاسکتا ہے مگر میں نے اتنے پر اکتفا کیا ہے ان سے

تاریخ نبوی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ لوگ کس طرح خود بھی کتاب و سنت پر کاربند رہے اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کرتے رہے ان پر کتاب و سنت کی مخالفت کا الزام محض افتراء ہے جس سے ان کا دامن کلیۃً پاک ہے مگر اس کے باوجود بعض اہل ظاہر نے ان پر زبان طعن و راز کی اور ان پر ناروا الزامات لگائے جیسا نچوڑا توں مصری (۲۴۵ھ) بنید بغدادی (۲۶۹ھ) سهل تستری (۲۸۳ھ) ابوالحسن شاذلی (۳۵۶ھ) ابن العربی (۳۲۸ھ) اور سید احمد بن ابی الحسن الرافعی (۳۴۰ھ) یہ قسم قسم کے الزامات تراش کر انہیں بدنام کرنے کی کوشش کی گئی۔ بعض طاعنین نے کتاب و سنت کی آڑے کر انہیں قتل تک کرانے کی کوشش کی یہ وہ لگ تھے جن کا تعلق محض علم ظاہر سے تھا اور علم باطن سے سراسر کرے تھے ان کا علم بھی اسی قسم کا تھا۔ جس کے تعلق مولانا دم فرماتے ہیں۔

علم را بر گل زنی مارے بود !	علم را بر دل زنی یارے بود
عاریه است دمانشتہ کان ماست	علم تقلیدی و بال جان ماست
دست در دیوانگی باید زدَن	زین خرد جاہل ہی باید شدن
چون بیاید شتری خوش بر فروخت	علم تقلیدی بود بہر فروخت
دامنا بازار او بار و نوق است	مشتري علم تحقیقی حق است

ہم خدا کے پاس ایسے علم سے پناہ دیتے ہیں جو بجائے فائدہ پہنچانے کے مار کا کام کرے۔ آمین :
اکابر علماء کا صوفیاء اور اکابر علماء کی تعظیم کرنا
یہ ان کے باطن نور سے معمور ہیں اس لیے وہ ان کی تعظیم کرتے اور ان کے ذکر کو باعثِ رحمت سمجھتے ہم ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش ہیں:-

۱۔ عبد اللہ بن مبارک کا قول
ہوئی فرماتے ہیں:-

إِنَّ الرَّحْمَةَ تَنْزِلُ عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِينَ

جب صالحین کا ذکر کیا جائے تو رحمتِ خداوندی کا نزول ہوتا ہے۔

۲۔ ابوالہاشم اور سفیان ثوری
ابوالہاشم شام کے مشہور شیخ تھے، یہ دراصل کوذ کے رہنے والے اور حضرت سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ کے ہم عصر تھے ان کی صحیح تاریخ

لہ تاریخ الآثار : ۱ : ۵۱

وفات معلوم نہیں۔ مجلس نے لکھا ہے کہ ان کی وفات ۸۳۰ھ سے پہلے ہوئی۔ اگرچہ ابو ہاشم سے پہلے بھی بہت سے بزرگ گزر چکے تھے جو اپنے زہد و ورع حسن معاملات، طریق توکل اور طریق محبت کے اعتبار سے مشہور تھے، مگر سب سے پہلے بزرگ جنہیں صوفی کا لقب دیا گیا وہ ابو ہاشم تھے۔ انہی نے صوفیاء کے لیے سب سے پہلی خانقاہ بنوائی۔ اس کے بنانے کا سبب یہ ہوا کہ ایک عیسائی رئیس شکار کے لیے نکلا ہوا تھا، راستہ میں اس نے دو شخصوں کو نہایت محبت سے آپس میں ملنے اور ہم آغوش ہوتے دیکھا۔ اس کے بعد انہوں نے باہم ملکر کھانا کھایا۔ عیسائی رئیس کو ان کا طرز معاشرت بہت پسند آیا۔ اس نے ان میں سے ایک کو بلا کر پوچھا کہ یہ دوسرا شخص کون ہے اس نے جواب دیا کہ میں نہ اسے جانتا ہوں اور نہ میرا کوئی اس سے تعلق ہے اور نہ ہی مجھے معلوم ہے کہ یہ کہاں کا رہنے والا ہے۔ اس پر عیسائی رئیس نے دریافت کیا کہ پھر یہ آپس میں محبت کیسی ہے درویش نے جواب دیا کہ یہ تو ہمارا طریقہ ہے۔ پھر رئیس نے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی جگہ ہے جہاں تم مل کر بیٹھ سکو۔ جواب دیا نہیں۔ اس پر رئیس نے رملہ (فلسطین) میں پہلی خانقاہ بنوا دی۔

حضرت سفیان ثوریؒ، جو مشہور محدث اور عالم ہوئے ہیں انہی ابو ہاشم کے متعلق فرماتے ہیں :

الف۔ لَوْلَا الْبُؤْهَانُ شَيْخُ الصُّوفِيِّ مَا عَرَفْتُ دَوَائِقَ الْإِسْلَامِ

اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو میں ریا کی باریکیاں نہ جان سکتا۔

ب۔ جب تک میں نے ابو ہاشم کو نہ دیکھا تھا مجھے معلوم نہ تھا کہ صوفی کسے کہتے ہیں۔

۳۔ امام احمد بن حنبلؒ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اتبارع سنت اور اجتناب بدعت میں ضرب المثل تھے انہوں نے ستر برس کی عمر میں ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔ علم حدیث اور دیگر علوم میں ان کا مرتبہ کسی پر مخفی نہیں۔ انہیں جب کسی مسئلہ میں دقت

پیش آتی تو ابو حمزہ بغدادیؒ متوفی ۲۱۹ھ سے دریافت کیا کرتے اور جب ان کی مجلس میں صوفیاء کے اقوال کا ذکر

ہوتا تب بھی انہی کے رائے دریافت کیا کرتے تھے۔

شیخ قطب الدینؒ بن امین بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے بیٹے کو صوفیاء کی مجلس میں جانے کی ترغیب دیا کرتے اور فرمایا کرتے کہ لوگ اخلاق میں اس درجہ تک پہنچے ہوتے ہیں کہ ہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔

۴۔ امام احمد اور شعبان راعیؒ ایک مرتبہ امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ کے پاس بیٹھے تھے کہ شعبان راعیؒ ادھر آئے۔ امام احمد نے امام شافعیؒ سے کہا اے ابو عبد اللہ میں

۱۔ لے لڑبری ہسٹری آف دی عربز ۲۲۹ ۲۔ نعمات الانس ۳۱ اور اے لڑبری ہسٹری آف دی عربز ۲۶۹

۳۔ نعمات الانس ۲۲۰ ۴۔ ایضاً ۳۱ ۵۔ تراجم الانوار ۱: ۴۰ ۶۔ رسالہ تفسیر ۲۰۰ ۷۔ تراجم الانوار ۱: ۴۰

اسے اس کی جہالت پر متنبہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ یہ کچھ علم سیکھنے کی طرف توجہ دے، امام شافعی نے انہیں اس سے روکا مگر یہ باز نہ آئے اور شیبیانؒ سے کہا:

ایک شخص رات اور دن میں ایک نماز پڑھنی بھول گیا ہے اور اسے یہ بھی یاد نہیں کہ اُس نے کون سی نماز نہیں پڑھی اب اسے کیا کرنا چاہیئے؟

یہ سن کر حضرت شیبیانؒ پر خاص کیفیت طاری ہو گئی اور فرمایا: اے احمد! آپ ایسے شخص کا ذکر کر رہے ہیں جس کا دل اللہ سے غافل ہو چکا ہے لہذا اسے سزا دینی چاہیئے تاکہ آئندہ اللہ سے غافل نہ ہو۔ یہ جواب سن کر احمد بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو امام شافعیؒ نے فرمایا: کیا میں نے تجھے اسے پھیلنے سے منع نہ کیا تھا؟

اس واقعہ کے کھٹے کے بعد امام قشیریؒ فرماتے ہیں: یہ شیبیان راعیؒ کا حال ہے جو اُمّی محض تھے جب اُمّی صوفیوں کا یہ حال ہو تو پھر ان کے آئندہ کیا حال ہو گا۔

۵۔ ابوالعباس بن سُرَیجؒ ابوالعباس بن سُرَیج متوفی ۳۷۲ھ ۹۹۸ء امام شافعی رحمۃ اللہ کے شاگردوں میں سے تھے انہیں امام شافعیؒ کے تمام شاگردوں میں تک کہ مُزانیؒ سے بھی افضل سمجھا جاتا ہے۔ جب یہ حضرت جنید بغدادیؒ متوفی

اور جنید بغدادی

۲۹۷ھ ۹۰۹ء کے پاس آئے اور ان کا کلام سنا تو کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ کا اس کلام کے متعلق کیا خیال ہے تو فرمایا:

لَا أَدْرِي مَا يَقُولُ وَكَذَلِكَ أَدْرِي لِهَذَا الْكَلَامِ صَوْلَةٌ لَيْسَتْ بِصَوْلَةٍ مُبْطِلَةٍ
جو کچھ یہ فرما رہے ہیں میں اسے نہیں جانتا مگر اس کلام میں اس قدر دبدبہ پایا جاتا ہے کہ ایک باطل شخص کے کلام میں نہیں ہو سکتا۔

۶۔ عبد اللہ بن سعید اور جنیدؒ عبد اللہ بن سعید بن کلاب مشہور شخص کی باتوں پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے ایک مرتبہ لوگوں نے انہیں کہا کہ آپ ہر کسی کی بات پر اعتراض کرتے ہیں

میں جنید نامی ایک شخص ہے۔ ذرا اس کی باتیں بھی سنیں۔ پھر دیکھیں کیا آپ ان پر اعتراض کر سکتے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ عبد اللہ جنید کے حلقہ میں آئے اور ان سے توحید کے بارے میں سوال کیا۔ حضرت جنید نے ایسا جواب دیا کہ عبد اللہ حیران رہ گئے اور کلام کو دوبارہ دہرانے کی درخواست کی۔ حضرت جنیدؒ نے بالکل مختلف الفاظ میں وہی بات دہرا دی۔ عبد اللہؒ نے کہا یہ تو کچھ اور ہی بات ہے جسے میں یاد نہیں رکھ سکتا

اور ایک بار پھر دہرانے کی درخواست کی۔ انہوں نے پھر ایک نئے طرز میں وہی بات دہرا دی۔ عبداللہ نے کہا: اس طرح تو یہ کلام مجھے یاد نہیں رہ سکتا۔ آپ مجھے یہ لکھا دیں اور حضرت بنید کی فضیلت اور علم مرتبہ کا معترف ہو گیا۔

۷۔ ابو عمران اور شیخ شبلؒ | ابو عمران ایک فقہ تھے۔ جامع منصور میں ان کا حلقہ درس اور شیخ ابوبکر ولف بن حمد شبلؒ جنہوں نے ستائیس سال کی عمر میں ۳۳۷ھ - ۹۴۵ھ

میں وفات پائی، کا حلقہ درس ساتھ ساتھ تھا۔ ابو عمران درس دے رہے ہوتے اور جب شبلؒ کلام شروع کرتے تو ان کا حلقہ دسم برہم ہو جاتا اور لوگ اٹھ کر شبلؒ کے پاس چلے جاتے۔ یہ دیکھ کر ابو عمران سخت بے فروختہ ہوتے۔ ایک دن انہوں نے چاہا کہ شبلؒ کے مبلغ علم کا راز فاش کریں اور ان کے ایک شاگرد سے شبلؒ سے مسئلہ حیف کے متعلق سوال کیا۔ شبلؒ نے تقریر کی جس میں انہوں نے علماء کے اقوال اور اختلافات کا ذکر کیا۔ ابو عمران تقریر سن کر ششدر سے رہ گئے اور اٹھ کر شبلؒ کے سر پر بوسہ دیا اور کہا اسے شبلؒ اس مسئلہ میں مجھے آپ سے دس ایسے اقوال معلوم ہوئے ہیں جن کا مجھے پہلے علم نہ تھا اور جتنے اقوال آپ نے بیان فرماتے ہیں ان میں سے مجھے صرف تین اقوال آتے تھے۔ ۲۔

اسی باطنی اور حقیقی علم کی وجہ سے شیخ شبلؒ فرمایا کرتے تھے۔

مَا ظَنَنْتُ بِعِلْمِهِ عِلْمُ الْعُلَمَاءِ فِيهِ تَهَمَّةٌ ۳

ایسے علم کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جس کے مقابلہ میں علماء کا علم نعمت کے برابر ہو۔

مولانا جلال الدین رومیؒ متوفی ۷۶۲ھ علمِ باہر اور علمِ باطن کا مقابلہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

عِلْمُ هَاتِي دَلِّ خَالِشَا عِلْمُ هَاتِي اَهْلُ تَنْ اَحْمَالِ شَا

اہل دل کو اپنا علم اٹھانے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ان کا علم انہیں اٹھاتے ہوتا ہے برخلاف

اس کے اہل تن کا علم ان کے لیے بار ہوتا ہے۔

علم چوں بر دل زند یاری شود علم چوں بر تن زند یاری شود

علم اگر دل پر اثر کرے تو وہ مددگار ہوتا ہے اور اگر تن پر اثر کرے تو بار ہو جاتا ہے۔

گفت ایزد یَحْمِلُ اسْفَادَا بار باشد علم کاں نبود زہو!

جو علم اللہ کی طرف سے نہ ہو وہ بار ہوتا ہے اور اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یَحْمِلُ اسْفَادَا کے

الفاظ استعمال کئے ہیں۔

علم کاں بود نہ ہو بے واسطہ آن نپاید، چو رنگ ماشطہ جو علم بلا واسطہ اللہ سے حاصل کیا ہوا وہ ماشطہ کے ظاہری بناء سنگھار کی طرح پائیدار نہیں ہوتا۔

ایک چوں ایں بار رانیکو کشی بار برگیند و بخشندت خوشی لیکن اگر تو اس علم کو اچھی طرح سے اٹھائے تو تجھے اس بار کے عوض خوشی عطا کی جائے گی۔

ہیں بکش بہر ہوا آن بار علم تا شوی راکب تو بہر ہوا علم خبر دار اپنی خواہشات کی خاطر علم حاصل نہ کرنا تاکہ تو علم کے گھوڑے پر سوار ہو سکے۔

ہیں بکش بہر خدا ایں بار علم تا بینی در ذروں انبار علم اللہ کی خاطر علم حاصل کرو تاکہ تمہارے اندر علم کے انبار دکھائی دیں۔

تا کہ بر نہوار علم آئی سوار آنگہان افتد ترا از دوش بار جب تو علم کے گھوڑے پر سوار ہو گیا تب تیرے کندھوں سے بوجھ بھی اتر جائے گا۔

از ہوا ہائے رہی بے جام ہو اسے زبوت فایع شدہ بانام ہوئے اسے اللہ کو چھوڑ کر محض اسم اللہ پر تعلق رکھنے والے اللہ کی معرفت کا پیالہ پیئے بغیر تو اپنی خواہشات

سے رہائی نہیں پاسکتا۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

علم ہائے اہل حس شد پوز بند تا نگیرد شیرازاں علم بند

جب تک اہل حس علم بند باطن سے خوراک حاصل کرتے ان کا علم منہ تک محدود رہتا ہے (دل میں نہیں اترتا)

قطرۂ دل رایکے گوہر فتاد کاں بگرد و نہاد و دریا ہاندا

علم کا جو گوہر دل میں آپڑتا ہے وہ سمندر دل کو حاصل ہوتا ہے نہ آسمانوں کو۔

چند صورت آخر اے صورت پرست جان بے معنیست از صورت پرست

اے صورت پرست تو کب تک صورت کے پیچھے لگا رہے گا جو صورت سے آزاد نہیں ہوتا اس کی جان بے روح ہوتی ہے۔

گر لے صورت آدمی انسان بدے احمد و ابو جہل خود یکساں بدے

اگر محض صورت سے آدمی انسان کہلاتا تو پھر احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو جہل یکساں ہوتے۔

احمد ابوہل در بہت خانہ رفت زیں شدن تان شدن قریب نمت
احمد ابوہل دونوں بت خانہ میں جاتے ہیں (مگر غور کرو) اُن کے وہاں جانے اور ابوہل کے جانے
میں کس قدر فرق ہے۔

ایں در آید سر نہند آن را بتان وال در آید سر نہند چوں آفتان
احمد تشریف لاتے ہیں تو بت سرنگوں ہو جاتے ہیں لیکن ابوہل اگر امتیاز کی طرح ان کے سامنے
سر جھکا تا ہے۔

نقش بر دیوار مثل آدم است بنگر از صورت چہ چیز اور کم است
دیوار پر جو تصویر کھچی ہوئی ہے وہ ہو ہو آدمی کی طرح ہوتی ہے۔ ذرا غور کرو کہ اس میں کس چیز
کی کمی ہے؟

جان کم است آن صورت بتیاب را روجو آن گوہر کم یاب را !
اس بے رونق صورت میں جان کی کمی ہے، لہذا تو اسی کیاب گوہر کی تلاش کرو۔

۸۔ امام نوویؒ اور پیر مرکشیؒ | امام محی الدین محیی بن شرف نوویؒ متوفی ۷۳۱ھ ۷۳۲ھ اپنے
عصر کے بہت بڑے محدث اور امام تھے ان کے شیخ پیر مرکشیؒ
دشمنی کے بیرونیہات میں رہتے تھے، امام نوویؒ کو جب کبھی کسی ایسے مسئلہ میں وقت پیش آتی ہے
وہ اپنی تصنیف میں درج کرنا چاہتے تو پیر مرکشیؒ کی طرف رجوع کرتے اور ان سے تحقیق کر لینے کے
بعد درج کرتے۔ ۷

۹۔ عز بن عبد السلام اور صوفیاء | عز الدین عبدالعزیز بن عبد السلامؒ الشافعی بہت
بڑے عالم اور صاحب تصانیف گزرے ہیں یہاں ہم
کو انہیں سلطان العلماء کا خطاب دیا گیا۔ یہ پہلے صوفیاء کے مخالف تھے مگر بعد میں جب انہوں نے
ابراہیم شاذلیؒ کی بیعت کر لی تو ان کی فضیلت اور کمال کے معترف ہو گئے تھے۔ خود بھی صاحب
کرامات تھے ان کی وفات ۶۶۶ھ میں ہوئی۔ فرماتے ہیں:

مَّا يَدُلُّكَ عَلَى صِحَّةِ مَذْهَبِ الْفُقَرَاءِ كَثْرَةُ كَرَامَاتِهِمْ وَمَا
رَأَيْتُ أَحَدًا مِنَ الْفُقَهَاءِ دَخَلَ عَلَى يَدَيْهِ كَرَامَةً إِلَّا أَنْ سَلَكَ مِنْهَا جَهَنَّمَ
وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ يَكْرَامَاتِهِمْ حَرَّمَ بَرَكَتُهُمْ۔ وَتَدْنَاهُمْ نَاكِلٌ مَنْ أَنْكَرَ

۷۔ ثنوی معنی و تراول: ۶۳۷ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰ ۱۰۰۱ ۱۰۰۲ ۱۰۰۳ ۱۰۰۴ ۱۰۰۵ ۱۰۰۶ ۱۰۰۷ ۱۰۰۸ ۱۰۰۹ ۱۰۱۰ ۱۰۱۱ ۱۰۱۲ ۱۰۱۳ ۱۰۱۴ ۱۰۱۵ ۱۰۱۶ ۱۰۱۷ ۱۰۱۸ ۱۰۱۹ ۱۰۲۰ ۱۰۲۱ ۱۰۲۲ ۱۰۲۳ ۱۰۲۴ ۱۰۲۵ ۱۰۲۶ ۱۰۲۷ ۱۰۲۸ ۱۰۲۹ ۱۰۳۰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱ ۱۰۴۲ ۱۰۴۳ ۱۰۴۴ ۱۰۴۵ ۱۰۴۶ ۱۰۴۷ ۱۰۴۸ ۱۰۴۹ ۱۰۵۰ ۱۰۵۱ ۱۰۵۲ ۱۰۵۳ ۱۰۵۴ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ ۱۰۵۷ ۱۰۵۸ ۱۰۵۹ ۱۰۶۰ ۱۰۶۱ ۱۰۶۲ ۱۰۶۳ ۱۰۶۴ ۱۰۶۵ ۱۰۶۶ ۱۰۶۷ ۱۰۶۸ ۱۰۶۹ ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ۱۰۷۲ ۱۰۷۳ ۱۰۷۴ ۱۰۷۵ ۱۰۷۶ ۱۰۷۷ ۱۰۷۸ ۱۰۷۹ ۱۰۸۰ ۱۰۸۱ ۱۰۸۲ ۱۰۸۳ ۱۰۸۴ ۱۰۸۵ ۱۰۸۶ ۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲ ۱۰۹۳ ۱۰۹۴ ۱۰۹۵ ۱۰۹۶ ۱۰۹۷ ۱۰۹۸ ۱۰۹۹ ۱۱۰۰ ۱۱۰۱ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ ۱۱۰۴ ۱۱۰۵ ۱۱۰۶ ۱۱۰۷ ۱۱۰۸ ۱۱۰۹ ۱۱۱۰ ۱۱۱۱ ۱۱۱۲ ۱۱۱۳ ۱۱۱۴ ۱۱۱۵ ۱۱۱۶ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹ ۱۱۲۰ ۱۱۲۱ ۱۱۲۲ ۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷ ۱۱۲۸ ۱۱۲۹ ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ ۱۱۳۳ ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ ۱۱۳۶ ۱۱۳۷ ۱۱۳۸ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۱۵۳ ۱۱۵۴ ۱۱۵۵ ۱۱۵۶ ۱۱۵۷ ۱۱۵۸ ۱۱۵۹ ۱۱۶۰ ۱۱۶۱ ۱۱۶۲ ۱۱۶۳ ۱۱۶۴ ۱۱۶۵ ۱۱۶۶ ۱۱۶۷ ۱۱۶۸ ۱۱۶۹ ۱۱۷۰ ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ ۱۱۷۵ ۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰ ۱۱۸۱ ۱۱۸۲ ۱۱۸۳ ۱۱۸۴ ۱۱۸۵ ۱۱۸۶ ۱۱۸۷ ۱۱۸۸ ۱۱۸۹ ۱۱۹۰ ۱۱۹۱ ۱۱۹۲ ۱۱۹۳ ۱۱۹۴ ۱۱۹۵ ۱۱۹۶ ۱۱۹۷ ۱۱۹۸ ۱۱۹۹ ۱۲۰۰ ۱۲۰۱ ۱۲۰۲ ۱۲۰۳ ۱۲۰۴ ۱۲۰۵ ۱۲۰۶ ۱۲۰۷ ۱۲۰۸ ۱۲۰۹ ۱۲۱۰ ۱۲۱۱ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳ ۱۲۱۴ ۱۲۱۵ ۱۲۱۶ ۱۲۱۷ ۱۲۱۸ ۱۲۱۹ ۱۲۲۰ ۱۲۲۱ ۱۲۲۲ ۱۲۲۳ ۱۲۲۴ ۱۲۲۵ ۱۲۲۶ ۱۲۲۷ ۱۲۲۸ ۱۲۲۹ ۱۲۳۰ ۱۲۳۱ ۱۲۳۲ ۱۲۳۳ ۱۲۳۴ ۱۲۳۵ ۱۲۳۶ ۱۲۳۷ ۱۲۳۸ ۱۲۳۹ ۱۲۴۰ ۱۲۴۱ ۱۲۴۲ ۱۲۴۳ ۱۲۴۴ ۱۲۴۵ ۱۲۴۶ ۱۲۴۷ ۱۲۴۸ ۱۲۴۹ ۱۲۵۰ ۱۲۵۱ ۱۲۵۲ ۱۲۵۳ ۱۲۵۴ ۱۲۵۵ ۱۲۵۶ ۱۲۵۷ ۱۲۵۸ ۱۲۵۹ ۱۲۶۰ ۱۲۶۱ ۱۲۶۲ ۱۲۶۳ ۱۲۶۴ ۱۲۶۵ ۱۲۶۶ ۱۲۶۷ ۱۲۶۸ ۱۲۶۹ ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ ۱۲۷۲ ۱۲۷۳ ۱۲۷۴ ۱۲۷۵ ۱۲۷۶ ۱۲۷۷ ۱۲۷۸ ۱۲۷۹ ۱۲۸۰ ۱۲۸۱ ۱۲۸۲ ۱۲۸۳ ۱۲۸۴ ۱۲۸۵ ۱۲۸۶ ۱۲۸۷ ۱۲۸۸ ۱۲۸۹ ۱۲۹۰ ۱۲۹۱ ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ ۱۲۹۴ ۱۲۹۵ ۱۲۹۶ ۱۲۹۷ ۱۲۹۸ ۱۲۹۹ ۱۳۰۰ ۱۳۰۱ ۱۳۰۲ ۱۳۰۳ ۱۳۰۴ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ ۱۳۱۰ ۱۳۱۱ ۱۳۱۲ ۱۳۱۳ ۱۳۱۴ ۱۳۱۵ ۱۳۱۶ ۱۳۱۷ ۱۳۱۸ ۱۳۱۹ ۱۳۲۰ ۱۳۲۱ ۱۳۲۲ ۱۳۲۳ ۱۳۲۴ ۱۳۲۵ ۱۳۲۶ ۱۳۲۷ ۱۳۲۸ ۱۳۲۹ ۱۳۳۰ ۱۳۳۱ ۱۳۳۲ ۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ۱۳۳۵ ۱۳۳۶ ۱۳۳۷ ۱۳۳۸ ۱۳۳۹ ۱۳۴۰ ۱۳۴۱ ۱۳۴۲ ۱۳۴۳ ۱۳۴۴ ۱۳۴۵ ۱۳۴۶ ۱۳۴۷ ۱۳۴۸ ۱۳۴۹ ۱۳۵۰ ۱۳۵۱ ۱۳۵۲ ۱۳۵۳ ۱۳۵۴ ۱۳۵۵ ۱۳۵۶ ۱۳۵۷ ۱۳۵۸ ۱۳۵۹ ۱۳۶۰ ۱۳۶۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ ۱۳۶۴ ۱۳۶۵ ۱۳۶۶ ۱۳۶۷ ۱۳۶۸ ۱۳۶۹ ۱۳۷۰ ۱۳۷۱ ۱۳۷۲ ۱۳۷۳ ۱۳۷۴ ۱۳۷۵ ۱۳۷۶ ۱۳۷۷ ۱۳۷۸ ۱۳۷۹ ۱۳۸۰ ۱۳۸۱ ۱۳۸۲ ۱۳۸۳ ۱۳۸۴ ۱۳۸۵ ۱۳۸۶ ۱۳۸۷ ۱۳۸۸ ۱۳۸۹ ۱۳۹۰ ۱۳۹۱ ۱۳۹۲ ۱۳۹۳ ۱۳۹۴ ۱۳۹۵ ۱۳۹۶ ۱۳۹۷ ۱۳۹۸ ۱۳۹۹ ۱۴۰۰ ۱۴۰۱ ۱۴۰۲ ۱۴۰۳ ۱۴۰۴ ۱۴۰۵ ۱۴۰۶ ۱۴۰۷ ۱۴۰۸ ۱۴۰۹ ۱۴۱۰ ۱۴۱۱ ۱۴۱۲ ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ ۱۴۱۵ ۱۴۱۶ ۱۴۱۷ ۱۴۱۸ ۱۴۱۹ ۱۴۲۰ ۱۴۲۱ ۱۴۲۲ ۱۴۲۳ ۱۴۲۴ ۱۴۲۵ ۱۴۲۶ ۱۴۲۷ ۱۴۲۸ ۱۴۲۹ ۱۴۳۰ ۱۴۳۱ ۱۴۳۲ ۱۴۳۳ ۱۴۳۴ ۱۴۳۵ ۱۴۳۶ ۱۴۳۷ ۱۴۳۸ ۱۴۳۹ ۱۴۴۰ ۱۴۴۱ ۱۴۴۲ ۱۴۴۳ ۱۴۴۴ ۱۴۴۵ ۱۴۴۶ ۱۴۴۷ ۱۴۴۸ ۱۴۴۹ ۱۴۵۰ ۱۴۵۱ ۱۴۵۲ ۱۴۵۳ ۱۴۵۴ ۱۴۵۵ ۱۴۵۶ ۱۴۵۷ ۱۴۵۸ ۱۴۵۹ ۱۴۶۰ ۱۴۶۱ ۱۴۶۲ ۱۴۶۳ ۱۴۶۴ ۱۴۶۵ ۱۴۶۶ ۱۴۶۷ ۱۴۶۸ ۱۴۶۹ ۱۴۷۰ ۱۴۷۱ ۱۴۷۲ ۱۴۷۳ ۱۴۷۴ ۱۴۷۵ ۱۴۷۶ ۱۴۷۷ ۱۴۷۸ ۱۴۷۹ ۱۴۸۰ ۱۴۸۱ ۱۴۸۲ ۱۴۸۳ ۱۴۸۴ ۱۴۸۵ ۱۴۸۶ ۱۴۸۷ ۱۴۸۸ ۱۴۸۹ ۱۴۹۰ ۱۴۹۱ ۱۴۹۲ ۱۴۹۳ ۱۴۹۴ ۱۴۹۵ ۱۴۹۶ ۱۴۹۷ ۱۴۹۸ ۱۴۹۹ ۱۵۰۰ ۱۵۰۱ ۱۵۰۲ ۱۵۰۳ ۱۵۰۴ ۱۵۰۵ ۱۵۰۶ ۱۵۰۷ ۱۵۰۸ ۱۵۰۹ ۱۵۱۰ ۱۵۱۱ ۱۵۱۲ ۱۵۱۳ ۱۵۱۴ ۱۵۱۵ ۱۵۱۶ ۱۵۱۷ ۱۵۱۸ ۱۵۱۹ ۱۵۲۰ ۱۵۲۱ ۱۵۲۲ ۱۵۲۳ ۱۵۲۴ ۱۵۲۵ ۱۵۲۶ ۱۵۲۷ ۱۵۲۸ ۱۵۲۹ ۱۵۳۰ ۱۵۳۱ ۱۵۳۲ ۱۵۳۳ ۱۵۳۴ ۱۵۳۵ ۱۵۳۶ ۱۵۳۷ ۱۵۳۸ ۱۵۳۹ ۱۵۴۰ ۱۵۴۱ ۱۵۴۲ ۱۵۴۳ ۱۵۴۴ ۱۵۴۵ ۱۵۴۶ ۱۵۴۷ ۱۵۴۸ ۱۵۴۹ ۱۵۵۰ ۱۵۵۱ ۱۵۵۲ ۱۵۵۳ ۱۵۵۴ ۱۵۵۵ ۱۵۵۶ ۱۵۵۷ ۱۵۵۸ ۱۵۵۹ ۱۵۶۰ ۱۵۶۱ ۱۵۶۲ ۱۵۶۳ ۱۵۶۴ ۱۵۶۵ ۱۵۶۶ ۱۵۶۷ ۱۵۶۸ ۱۵۶۹ ۱۵۷۰ ۱۵۷۱ ۱۵۷۲ ۱۵۷۳ ۱۵۷۴ ۱۵۷۵ ۱۵۷۶ ۱۵۷۷ ۱۵۷۸ ۱۵۷۹ ۱۵۸۰ ۱۵۸۱ ۱۵۸۲ ۱۵۸۳ ۱۵۸۴ ۱۵۸۵ ۱۵۸۶ ۱۵۸۷ ۱۵۸۸ ۱۵۸۹ ۱۵۹۰ ۱۵۹۱ ۱۵۹۲ ۱۵۹۳ ۱۵۹۴ ۱۵۹۵ ۱۵۹۶ ۱۵۹۷ ۱۵۹۸ ۱۵۹۹ ۱۶۰۰ ۱۶۰۱ ۱۶۰۲ ۱۶۰۳ ۱۶۰۴ ۱۶۰۵ ۱۶۰۶ ۱۶۰۷ ۱۶۰۸ ۱۶۰۹ ۱۶۱۰ ۱۶۱۱ ۱۶۱۲ ۱۶۱۳ ۱۶۱۴ ۱۶۱۵ ۱۶۱۶ ۱۶۱۷ ۱۶۱۸ ۱۶۱۹ ۱۶۲۰ ۱۶۲۱ ۱۶۲۲ ۱۶۲۳ ۱۶۲۴ ۱۶۲۵ ۱۶۲۶ ۱۶۲۷ ۱۶۲۸ ۱۶۲۹ ۱۶۳۰ ۱۶۳۱ ۱۶۳۲ ۱۶۳۳ ۱۶۳۴ ۱۶۳۵ ۱۶۳۶ ۱۶۳۷ ۱۶۳۸ ۱۶۳۹ ۱۶۴۰ ۱۶۴۱ ۱۶۴۲ ۱۶۴۳ ۱۶۴۴ ۱۶۴۵ ۱۶۴۶ ۱۶۴۷ ۱۶۴۸ ۱۶۴۹ ۱۶۵۰ ۱۶۵۱ ۱۶۵۲ ۱۶۵۳ ۱۶۵۴ ۱۶۵۵ ۱۶۵۶ ۱۶۵۷ ۱۶۵۸ ۱۶۵۹ ۱۶۶۰ ۱۶۶۱ ۱۶۶۲ ۱۶۶۳ ۱۶۶۴ ۱۶۶۵ ۱۶۶۶ ۱۶۶۷ ۱۶۶۸ ۱۶۶۹ ۱۶۷۰ ۱۶۷۱ ۱۶۷۲ ۱۶۷۳ ۱۶۷۴ ۱۶۷۵ ۱۶۷۶ ۱۶۷۷ ۱۶۷۸ ۱۶۷۹ ۱۶۸۰ ۱۶۸۱ ۱۶۸۲ ۱۶۸۳ ۱۶۸۴ ۱۶۸۵ ۱۶۸۶ ۱۶۸۷ ۱۶۸۸ ۱۶۸۹ ۱۶۹۰ ۱۶۹۱ ۱۶۹۲ ۱۶۹۳ ۱۶۹۴ ۱۶۹۵ ۱۶۹۶ ۱۶۹۷ ۱۶۹۸ ۱۶۹۹ ۱۷۰۰ ۱۷۰۱ ۱۷۰۲ ۱۷۰۳ ۱۷۰۴ ۱۷۰۵ ۱۷۰۶ ۱۷۰۷ ۱۷۰۸ ۱۷۰۹ ۱۷۱۰ ۱۷۱۱ ۱۷۱۲ ۱۷۱۳ ۱۷۱۴ ۱۷۱۵ ۱۷۱۶ ۱۷۱۷ ۱۷۱۸ ۱۷۱۹ ۱۷۲۰ ۱۷۲۱ ۱۷۲۲ ۱۷۲۳ ۱۷۲۴ ۱۷۲۵ ۱۷۲۶ ۱۷۲۷ ۱۷۲۸ ۱۷۲۹ ۱۷۳۰ ۱۷۳۱ ۱۷۳۲ ۱۷۳۳ ۱۷۳۴ ۱۷۳۵ ۱۷۳۶ ۱۷۳۷ ۱۷۳۸ ۱۷۳۹ ۱۷۴۰ ۱۷۴۱ ۱۷۴۲ ۱۷۴۳ ۱۷۴۴ ۱۷۴۵ ۱۷۴۶ ۱۷۴۷ ۱۷۴۸ ۱۷۴۹ ۱۷۵۰ ۱۷۵۱ ۱۷۵۲ ۱۷۵۳ ۱۷۵۴ ۱۷۵۵ ۱۷۵۶ ۱۷۵۷ ۱۷۵۸ ۱۷۵۹ ۱۷۶۰ ۱۷۶۱ ۱۷۶۲ ۱۷۶۳ ۱۷۶۴ ۱۷۶۵ ۱۷۶۶ ۱۷۶۷ ۱۷۶۸ ۱۷۶۹ ۱۷۷۰ ۱۷۷۱ ۱۷۷۲ ۱۷۷۳ ۱۷۷۴ ۱۷۷۵ ۱۷۷۶ ۱۷۷۷ ۱۷۷۸ ۱۷۷۹ ۱۷۸۰ ۱۷۸۱ ۱۷۸۲ ۱۷۸۳ ۱۷۸۴ ۱۷۸۵ ۱۷۸۶ ۱۷۸۷ ۱۷۸۸ ۱۷۸۹ ۱۷۹۰ ۱۷۹۱ ۱۷۹۲ ۱۷۹۳ ۱۷۹۴ ۱۷۹۵ ۱۷۹۶ ۱۷۹۷ ۱۷۹۸ ۱۷۹۹ ۱۸۰۰ ۱۸۰۱ ۱۸۰۲ ۱۸۰۳ ۱۸۰۴ ۱۸۰۵ ۱۸۰۶ ۱۸۰۷ ۱۸۰۸ ۱۸۰۹ ۱۸۱۰ ۱۸۱۱ ۱۸۱۲ ۱۸۱۳ ۱۸۱۴ ۱۸۱۵ ۱۸۱۶ ۱۸۱۷ ۱۸۱۸ ۱۸۱۹ ۱۸۲۰ ۱۸۲۱ ۱۸۲۲ ۱۸۲۳ ۱۸۲۴ ۱۸۲۵ ۱۸۲۶ ۱۸۲۷ ۱۸۲۸ ۱۸۲۹ ۱۸۳۰ ۱۸۳۱ ۱۸۳۲ ۱۸۳۳ ۱۸۳۴ ۱۸۳۵ ۱۸۳۶ ۱۸۳۷ ۱۸۳۸ ۱۸۳۹ ۱۸۴۰ ۱۸۴۱ ۱۸۴۲ ۱۸۴۳ ۱۸۴۴ ۱۸۴۵ ۱۸۴۶ ۱۸۴۷ ۱۸۴۸ ۱۸۴۹ ۱۸۵۰ ۱۸۵۱ ۱۸۵۲ ۱۸۵۳ ۱۸۵۴ ۱۸۵۵ ۱۸۵۶ ۱۸۵۷ ۱۸۵۸ ۱۸۵۹ ۱۸۶۰ ۱۸۶۱ ۱۸۶۲ ۱۸۶۳ ۱۸۶۴ ۱۸۶۵ ۱۸۶۶ ۱۸۶۷ ۱۸۶۸ ۱۸۶۹ ۱۸۷۰ ۱۸۷۱ ۱۸۷۲ ۱۸۷۳ ۱۸۷۴ ۱۸۷۵ ۱۸۷۶ ۱۸۷۷ ۱۸۷۸ ۱۸۷۹ ۱۸۸۰ ۱۸۸۱ ۱۸۸۲ ۱۸۸۳ ۱۸۸۴ ۱۸۸۵ ۱۸۸۶ ۱۸۸۷ ۱۸۸۸ ۱۸۸۹ ۱۸۹۰ ۱۸۹۱ ۱۸۹۲ ۱۸۹۳ ۱۸۹۴ ۱۸۹۵ ۱۸۹۶ ۱۸۹۷ ۱۸۹۸ ۱۸۹۹ ۱۹۰۰ ۱۹۰۱ ۱۹۰۲ ۱۹۰۳ ۱۹۰۴ ۱۹۰۵ ۱۹۰۶ ۱۹۰۷ ۱۹۰۸ ۱۹۰۹ ۱۹۱۰ ۱۹۱۱ ۱۹۱۲ ۱۹۱۳ ۱۹۱۴ ۱۹۱۵ ۱۹۱۶ ۱۹۱۷ ۱۹۱۸ ۱۹۱۹ ۱۹۲۰ ۱۹۲۱ ۱۹۲۲ ۱۹۲۳ ۱۹۲۴ ۱۹۲۵ ۱۹۲۶ ۱۹۲۷ ۱۹۲۸ ۱۹۲۹ ۱۹۳۰ ۱۹۳۱ ۱۹۳۲ ۱۹۳۳ ۱۹۳۴ ۱۹۳۵ ۱۹۳۶ ۱۹۳۷ ۱۹۳۸ ۱۹۳۹ ۱۹۴۰ ۱۹۴۱ ۱۹۴۲ ۱۹۴۳ ۱۹۴۴ ۱۹۴۵ ۱۹۴۶ ۱۹۴۷ ۱۹۴۸ ۱۹۴۹ ۱۹۵۰ ۱۹۵۱ ۱۹۵۲ ۱۹۵۳ ۱۹۵۴ ۱۹۵۵ ۱۹۵۶ ۱۹۵۷ ۱۹۵۸ ۱۹۵۹ ۱۹۶۰ ۱۹۶۱ ۱۹۶۲ ۱۹۶۳ ۱۹۶۴ ۱۹۶۵ ۱۹۶۶ ۱۹۶۷ ۱۹۶۸ ۱۹۶۹ ۱۹۷۰ ۱۹۷۱ ۱۹۷۲ ۱۹۷۳ ۱۹۷۴ ۱۹۷۵ ۱۹۷۶ ۱۹۷۷ ۱۹۷۸ ۱۹۷۹ ۱۹۸۰ ۱۹۸۱ ۱۹۸۲ ۱۹۸۳ ۱۹۸۴ ۱۹۸۵ ۱۹۸۶ ۱۹۸۷ ۱۹۸۸ ۱۹۸۹ ۱۹۹۰ ۱۹۹۱ ۱۹۹۲ ۱۹۹۳ ۱۹۹۴ ۱۹۹۵ ۱۹۹۶ ۱۹۹۷ ۱۹۹۸ ۱۹۹۹ ۲۰۰۰ ۲۰۰۱ ۲۰۰۲ ۲۰۰۳ ۲۰۰۴ ۲۰۰۵ ۲۰۰۶ ۲۰۰۷ ۲۰۰۸ ۲۰۰۹ ۲۰۱۰ ۲۰۱۱ ۲۰۱۲ ۲۰۱۳ ۲۰۱۴ ۲۰۱۵ ۲۰۱۶ ۲۰۱۷ ۲۰۱۸ ۲۰۱۹ ۲۰۲۰ ۲۰۲۱ ۲۰۲۲ ۲۰۲۳ ۲۰۲۴ ۲۰۲۵ ۲۰۲۶ ۲۰۲۷ ۲۰۲۸ ۲۰۲۹ ۲۰۳۰ ۲۰۳۱ ۲۰۳۲ ۲۰۳۳ ۲۰۳۴ ۲۰۳۵ ۲۰۳۶ ۲۰۳۷ ۲۰۳۸ ۲۰۳۹ ۲۰۴۰ ۲۰۴۱ ۲۰۴۲ ۲۰۴۳ ۲۰۴۴ ۲۰۴۵ ۲۰۴۶ ۲۰۴۷ ۲۰۴۸ ۲۰۴۹ ۲۰۵۰ ۲۰۵۱ ۲۰

عَلَى الْفَقَرَاءِ مِنْ غَيْرِ دُخُولٍ فِي طَرِيقِهِمْ بِصِيرُ عَلَى وَجْهِهِ كَالْبَهَّةِ وَ
عَلَامَةً عَلَى الظُّرُودِ الْمَقْتِ لَا تَخْفَى عَلَى ذِي بَصِيرَةٍ وَلَا يَنْفَعُ اللَّهَ
بِعِلْمِهِ أَحَدًا إِلَّا خَلَابِ أَهْلِ الْإِعْتِقَادِ بَيْنَهُمْ ۝

فقراء کے طریقہ کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ان سے کثرت سے کرامات کا ظہور ہوا ہے بر خلاف
اس کے ہم نے کسی فقیر سے کوئی کرامت ظاہر ہوتی نہیں کیجی۔ البتہ اگر وہ بھی فقراء کے طریقہ پر چلے تو
ظاہر ہو سکتی ہے جو لوگ فقراء کی کرامت کے منکر ہیں وہ ان کی برکت سے بھی محروم رہتے ہیں، ہم نے ان
لوگوں کو دیکھا ہے جو ان کے طریقہ کو جانے بغیر ان پر اعتراض کرتے رہتے ہیں کہ ان کے چہرے بے رونق
ہوتے ہیں اور ان پر غصہ خداوندی اور راندہ ہونے کی علامت پائی جاتی ہے جو اہل بصیرت سے
پوشیدہ نہیں ہوتی اور ایسے لوگوں کے علم سے کسی کو نفع بھی نہیں پہنچتا۔ بر خلاف ان لوگوں کے جو فقراء کے
معتقد ہوتے ہیں (کہ ان کے علم سے عوام کو فائدہ پہنچتا ہے)

۱۰۔ ابن حجر اور محمد بن فرغلؒ | شیخ الاسلام قاضی القضاۃ حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن
علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۳ھ، ۸۴۹ھ اپنے زہد و تقویٰ اور

علمی تبحر کی وجہ سے مشہور تھے محمد بن احمد فرغلؒ متوفی ۸۵۰ھ (تقریباً) بھی اسی زمانہ میں ایک
صاحب کرامات ولی مگر احمی تھے۔ محمد بن احمد فرغلؒ عسکر کی اولاد کی سفارش کے لیے مصر گئے تو علماء
ابن حجر کا ان پر گزر ہوا۔ ابن حجر نے انہیں دیکھ کر اپنے دل میں کہا: اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو اپنا ولی نہیں
بناتے اور اگر بنائیں تو اسے علم بھی عطا کر دیتے ہیں۔ یہ خیال کر کے ابن حجر نے دل ہی دل میں ان
کی ولایت کا انکار کیا اس پر ابن فرغلؒ نے کہا: "اے قاضی ذرا ٹھہر جاؤ" پھر کچھ دیر انہیں دھپڑ مارتے
گئے اور کہتے گئے:

بَلَّيْتُ أَخَذَنِي وَعَلَّمَنِي ۝

بلکہ مجھے اللہ نے اپنا ولی بنایا ہے اور علم بھی دیا ہے۔ ابن حجر نے یہ سب کچھ خاموشی سے برداشت
کیا اور ایک کلمہ بھی منہ سے نہ نکالا۔

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ اہل طریقت کا علم کس قدر واضح اور صحیح ہوتا ہے۔
اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ لوگ براہ راست سرچشمہ حقیقی سے علم حاصل کرتے ہیں اور درمیان میں کوئی
واسطہ نہیں ہوتا کہ غلطی کا احتمال پیدا ہو۔ ان پر نکتہ چینی کا حق صرف انہی بزرگوں کو حاصل ہے جو بحرِ عرفان

کے شنوار ہوں۔ گندی نالیوں میں غوطہ کھانے والوں کو کیسے حق حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ ان پر حرف گیری کریں۔ چنانچہ جب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے علاج کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا: یہ ایک بازو تھا جس نے لمبا دعویٰ کیا لہذا اس پر شریعت کی قینچی چلائی گئی، پھر ایک اور مرتبہ علاج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: حسین علاج پھسل گیا۔ اس کے عہد میں کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہ تھا، اگر میں اس زمانہ میں ہوتا تو اس کا ہاتھ پکڑ لیتا۔

علی الخواص اور علم لدنی عبدالوہاب شعرائیؒ کے پیر علی الخواصؒ برسی اُمی تھے نہ کھنا جانتے تھے نہ گفتگو کرتے تو بڑے بڑے علماء بھی انکشت بدندان رہ جاتے۔ عبدالوہاب شعرائیؒ نے انکے اقوال کو اپنی کتاب الجواہر الدرد میں جمع کر دیا ہے۔ علی فرماتے ہیں:

لَا يَسْمَعِي عِنْدَنَا عَالِمًا إِلَّا مَنْ كَانَ عِلْمُهُ غَيْرُ مُسْتَفَادٍ مِنْ نَقْلِ أَذْ
صَدِيدٍ بَانَ يَكُونُ خَضِرِي الْمَقَامِ وَأَمَّا غَيْرُكَ فَأَنْتَ مَا هُوَ خَالِكٌ بِعِلْمِ
غَيْرِهِ فَلَهُ أَجْرٌ مَنْ حَمَلَ الْعِلْمَ حَتَّى أَذْمَهُ لَا أَجْرًا لِعَالِمٍ وَاللَّهُ لَا يُفِيْعُ
أَجْرًا الْمُحْسِنِينَ ۝

ہمارے نزدیک وہی شخص عالم کہلا سکتا ہے جس نے علم نہ کسی نقل اور نہ صدر سے حاصل کیا ہو۔ یعنی یہ کہ وہ خضریٰ مرتبہ رکھتا ہو۔ دوسرے لوگ تو ادروں کے علم کی صرف حکایت کرنے والے ہوتے ہیں لہذا انہیں عالم کا اجر نہ ملے گا بلکہ اس شخص کا اجر ملے گا جس نے علم اٹھایا اور دوسروں تک پہنچا دیا، اور اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

یہاں سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ علماء کو حاملین علم کا اجر تو ملے گا مگر ان کا علم نہ حقیقی کہلا سکتا ہے اور نہ یہ اس قدر یقینی ہوتا ہے جس قدر کہ اہل باطن کا علم۔ علم ظاہر میں ذہول و سہیاں واقع ہو سکتا ہے مگر علم باطن میں اس قسم کے حوادث طاری نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ علم باطن میں عمل علم کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کے برعکس علم ظاہر میں ضروری نہیں کہ علم و عمل میں مطابقت پائی جائے۔ چنانچہ ہم بالعموم دیکھتے ہیں کہ علماء ظاہر کے علم و عمل میں سخت تفاوت پایا جاتا ہے، لیکن اگر علم باطن میں عمل علم کے مطابق نہ ہو تو علم کے سلب ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے انہی حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے علی خواص فرماتے ہیں۔

لَا يَكْمُلُ الْفَقِيرُ فِي بَابِ الْإِتِّبَاعِ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتَلْحَ
 حَتَّى يَصِيرَ مَشْهُودًا لَهُ فِي كُلِّ عَمَلٍ مَشْرُوعٍ وَبَيِّنَاتٍ فِي جَمِيعِ
 أُمُورِهِ مِنْ حُلِّ دَلْبَسٍ وَجَمَاعٍ وَدُخُولٍ وَخُرُوجٍ فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ
 شَاذَكَ الصَّحَابَةُ فِي مَعْنَى الصَّحَابَةِ لَهُ

کوئی فقیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب
 تک ہر مشروع عمل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نگاہ میں نہ ہوں اور اپنے تمام امور میں مثلاً
 کھانا، لباس، جماع اور دخول و خروج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اذن حاصل نہ کرے۔ پس
 جس نے ایسا کر لیا وہ صحبتِ نبوی میں صحابہ کا شریک ہو گیا۔

جس صوفی کا یہ حال ہو کہ وہ بھی صحابی کی طرح آسمانِ شریعت کا ستارہ بن چکا ہو جس کی اقتدار
 عین ہدایت اور عین نجات ہو اس لیے کہ جب ہر فعل میں خواہ ادنیٰ ہو خواہ اعلیٰ اس کی نظر
 سنتِ نبوی پر ٹھہری اور وہاں سے اجازت حاصل کرنے کے بعد عمل کیا گیا تو وہاں غلطی کا احتمال
 کہاں رہا۔ لہذا ان بزرگوں کے ظاہری اقوال والفاظ کو لیکر ان پر فتویٰ لگانا کہاں تک مناسب
 و روا ہے۔ انہوں نے ان بزرگوں پر آتا ہے جو علم بیان میں حقیقت و مجاز کی بحث کرتے ہوئے یہ تسلیم
 کر لیتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان یہ کہے کہ فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ہوتی تو یہ مجاز ہو گا حقیقت
 نہ ہو گی اس لیے کہ کہنے والا مسلمان ہے مگر اگر کوئی عارف باشد کوئی بات کہہ دے حالانکہ جیسا کہ ہم
 دیکھ چکے ہیں ان کے طریقہ کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے تو یہی لوگ بغیر سوچے اور بغیر اس کے کہ ان کے
 معانی کو سمجھیں ان پر فتویٰ لگانے پر اتر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر اسی کتاب کے اندر اولیاء اللہ
 کے بعض اقوال پر بحث کی گئی ہے جن میں سے ایک قول یہ ہے :-

نَحْنُ بِمُحَوَّرٍ وَقَفْتِ الْأَنْبِيَاءُ عَلَى سَوَاحِلِهَا

اگر ہم اس قول کے ظاہری الفاظ کو لیں تو معنی جو در حقیقت غلط معنی ہیں یوں ہوں گے۔

ہم ایسے سمندر میں گھسے کہ انبیاء ان کے سوا اعلیٰ پر ہی کھڑے رہے۔

ان ظاہری معانی میں کفر پایا جاتا ہے اس لیے کہ ان معانی کے مطابق یہ لوگ رنعدو باشند انبیاء
 سے بھی افضل ٹھہرتے ہیں حالانکہ بڑے سے بڑا ولی بھی انبیاء تو کجا کس ادنیٰ ترین صحابی کے درجہ تک نہیں
 پہنچ سکتا لہذا ہمیں اس قول کے معانی میں غور کرنا پڑے گا اور ایسے معانی نکالنے پڑیں گے کہ یہ قول

شریعت کے منافی نہ ہو حضرت عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ کی تشریح تو آپ اس کتاب میں دیکھ لیں گے
یہں یہاں دو اور بزرگوں کی تشریحیں پیش کرتا ہوں۔

شاذلی کی تشریح پہلی تشریح ابوالحسن شاذلیؒ کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس قول میں بایزید بسطامیؒ

(دم ۲۶۱ھ) اس بات کی شکایت کر رہے ہیں کہ وہ انبیاء کے درجہ تک

پہنچنے سے قاصر ہیں اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام تو وحید کے سمندر میں گھس کر پار نکل گئے اور دوسری

جانب جا کر کھڑے ہو گئے اور پھر وہاں کھڑے ہو کر مخلوق کو تو وحید کے سمندر میں داخل ہونے کی دعوت

دے رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر میں بھی کابل ہوتا تو وہاں کھڑا ہوتا جہاں انبیاء کھڑے ہیں۔ ابن عطاء

کہتے ہیں کہ اس قول کی جو تشریح شیخ شاذلیؒ نے کی ہے وہی ابویزید بسطامیؒ کے مقام و مرتبہ کے مناسب

ہے اس لیے کہ بایزیدؒ خود فرماتے ہیں کہ انبیاء کے مرتبہ کے مقابلہ میں ادیباء اللہ نے جو کچھ حاصل کیا ہے

اس کی مثال ایسی ہے کہ شند سے بھرا ہوا ایک مشکیزہ ہو جس کے تھوڑے سے چھینٹے ادھر ادھر پڑ

جائیں اب جو کچھ مشکیزہ کے اندر ہے وہ تو انبیاء کے علم اور مرتبہ کی مثال ہے اور چھینٹے مثال ہیں۔

ادیباء اللہ کے علم اور مرتبہ کی مزید برآں ابویزیدؒ سے انبیاء کی تعظیم اور ان کا کمال ادب ہی منقول ہے لے

دوسری تشریح علی دلدہ (۴۶۱ھ - ۵۵۹ھ - ۶۳۸ھ) دوسری

علی دلدہ کی تشریح کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ

والسلام بحر تکلیف کو عبور کر چکے ہیں اور اب سلامتی کے ساحل پر کھڑے ان لوگوں کو اپنے سایہ عاطفت

میں لے رہے ہیں جو سلامتی سے وہاں پہنچ جائیں۔ انہیں یہی حکم ملا ہے اور اسی کے لیے انہیں بھیجا

گیا ہے۔ کیونکہ کشتی تو اسی دن ٹوٹ گئی تھی جس دن حضرت آدم علیہ السلام نے درخت کا

پھل کھایا تھا۔

ادیباء اللہ کے اقوال میں جہاں کہیں کوئی بات ہمیں ظاہر شریعت کے منافی نظر آئے اُس کی اسی

طرح تاویل کر کے اسے شریعت کے مطابق سمجھنا اور بنانا چاہیے اور ان کا انکار کرنے اور نفی کر دینے میں

جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے ہمارا یہ رویہ ہر اس دلی کے قول سے ہونا چاہیے جو پختہ کار اور

کامل ہو البتہ خام کار اور غیر کاملین کے اقوال میں اگر کوئی غیر مشرّع بات نظر آئے تو اسی قول کو ترک

کر دینا چاہیے لیکن نہ انہیں برا کہنا چاہیے اور نہ نفی کرنا چاہیے۔

رائع انوار: ۱۲، ۱۳ (۲) نواح انوار: ۳۶۱ اس تشریح کے مطابق مطلب یہ نکالیں کہ اسی سند میں گستاخوں خدا کو

کسیاں سے پار نکل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ جاتوں۔

محل فتویٰ باز ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ افتار کا باب کھولنے میں نہایت عجالت اور بے احتیاجی سے کام لیتے ہیں اور ان میں سے بعض کے فتوے تو نہایت بیہودہ ہوتے ہیں۔

چنانچہ عبدالوہاب شرعانیؒ لکھتے ہیں کہ میری موجودگی میں ایک شخص نے ایک عالم سے پوچھا کہ جو لوگ رات بھر بلند آواز سے قرآن مجید پڑھتے رہتے ہیں ان کے متعلق کیا حکم ہے۔ اُس عالم نے بغیر سوچے سمجھے فوراً کہہ دیا کہ یہ حرام ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو آرام و راحت کا سبب بنایا ہے (جَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا) اور یہ لوگ اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں لہذا رات کے وقت بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنا حرام ہے۔

اسی طرح ایک اور شخص نے اُن لوگوں کے متعلق دریافت کیا جو جمعہ کی رات ذکر الہی کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ورد دیکھنے میں گزار دیتے ہیں۔ اُس کے جواب میں فقیہ صاحب نے فرمایا کہ یہ بیہودہ لوگوں کا کام ہے اور بدعت ہے۔

آج کل صوفیاء پر اعتراض کرنے والوں کا بالعموم یہی حال ہے کہ بلا امتیاز اور بغیر سوچے سمجھے بدعت اور کفر کے فتوے لگاتے جاتے ہیں۔ اللہ انہیں ہدایت کرے۔

اَللّٰهُمَّ اِرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَاَرِزْنَا اِتِّبَاعَهُ وَاَبَا يِلَّ بِاِطْلَاقٍ وَاَرِزْنَا اِجْتِسَابَهُ۔

لَا مَشَاقَّةَ فِي الْاِصْطِلَاحِ کا مقولہ عام مشہور ہے لہذا ہر شخص کو اپنی اصطلاح قائم کرنے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ صوفیاء نے بھی اصطلاحات قائم کیں اور مخالفین نے ان بزرگوں کی اصطلاحات سے ناواقف ہوتے ہوئے ان کے الفاظ میں اپنے معانی گھسیڑ دیے اور ان بزرگوں پر الزام تراشی شروع کر دی۔ اسی لیے تو شیخ محمد الدین ابن العربی فرماتے ہیں کہ جو لوگ ہمارے مقام اور اصطلاح کو نہیں سمجھتے اُن پر ہماری کتابوں کا مطالعہ کرنا حرام ہے۔

مولانا عبدالرحمن جامی متوفی ۸۹۷ھ = ۱۴۹۳ھ نفحات الانس میں شیخ سعد الدین حموی متوفی ۷۵۰ھ کے متعلق لکھتے ہیں:

"در مصنفات دے سخنان مر موز کلمات مشکل و آقام و اشکال و دوائر کو نظر عقل و فکر از کشف و دل آن عاجز است بسیار است و ہمانا کو تا ویدہ بصیرت بنور کشف منتفع نشود و ادراک آن متعذر است"۔

ان کی تصانیف میں بہت سے رموز، اشکال کلمات، ارقام، اشکال و دوائر آتے ہیں جنہیں عقل و فکر حل کرنے سے عاجز ہے اور جب تک دیدہ بصیرت نور کشف کے ساتھ روشن نہ ہو، ہر ان رموز کا سمجھنا مشکل ہے۔

امام الحرمین کا قول قزوینی نے سراج العقول میں نقل کیا ہے کہ کسی نے امام الحرمین ابو المعالی جوینیؒ (م ۳۹۹ھ - ۴۵۰ھ) سے عالی صوفیاء کے کلام کے متعلق جن میں بظاہر کفریہ کلمات پائے جاتے ہیں دریافت کیا تو فرمایا:

ان کا کلام سخت مشکل ہے جس کا سمجھنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ یہ لوگ تو توحید کے سمندر سے گھونٹ بھرتے ہیں۔

تقی الدین سبکی کا قول علامہ تقی الدین سبکیؒ نے کسی نے عالی مہندہ پر حکم کفر لگانے کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا: جس شخص کے دل میں اللہ کا خوف ہو گا وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والوں کو کافر کہنے سے ڈرے گا اس لیے کہ مومن کو کافر کہنا بہت خطرناک چیز ہے۔

شیخ عبدالحق کا قول شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

لَا تُكْفِرُوا أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ - اہل قبلہ را یعنی آئنا کر نماز بجانب قبلہ مسلماناں کنند وہ کتاب و سنت تمک نمایند و تلفظ بشا دتین کنند کافر بناید گفت اگر از بعضی کلمات ایشان کفر لازم آید و لیکن ما دام کہ التزام آن نکنند یا لزوم در غایت درجہ تمہور بنود کفر بناید کرد تا ممکن است توجیہ و اصلاح حال مسلمانان باید کرد و میادرت بہ تکفیر و تغلیظ بناید کرد و در حدیث آمدہ است کہ ہر کہ دیکرے را کافر گوید اگر دے و در نفس الامر کافر بنود قائل بالفعل کافر گردد حکم بمعین آمدہ است اگر آنکس مستحق لعنت بنود لعن او بقائل عاید گردد پس احتیاط در ترک بمعین و تکفیر باشد و اللہ اعلم۔

ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر قرار نہیں دیتے۔ یعنی وہ لوگ جو مسلمانوں کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور وہ کتاب و سنت پر کار بند ہیں اور کلمہ شہادت پڑھتے ہیں، اگر ان کے کسی کلمہ سے کفر لازم آئے تو انہیں کافر نہیں کہنا چاہیے اور جب تک وہ ان کفریہ کلمات پر مصر نہ رہیں یا جب تک ان کا کلام پر ڈٹے رہنا بالکل ہی واضح نہ ہو انہیں کافر نہ کہنا چاہیے بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکے اس کی

کوئی نہ کوئی وجہ نکالنی چاہیے اور مسلمانوں کے حال کی اصلاح کرنی چاہیے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص دوزخ میں نہ جائے گا اور وہ درحقیقت کافر نہ ہو تو کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ کسی پر لعنت کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر وہ شخص لعنت کا مستحق نہ ہو گا تو لعنت لعنت کنندہ پر لوٹ آئے گی لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ نہ کسی کو لعنت کی جائے اور نہ کافر کہا جائے۔ واللہ اعلم۔ لہذا جو لوگ ان بزرگوں پر انتہام لگاتے اور ان کو بدعتی یا مشرک قرار دیتے ہیں انہیں چاہیے کہ ان پر فتویٰ لگانے سے پہلے ان کے کلمات کے معانی کی وضاحت کریں۔ اگر وہ کلمات کسی خام بزرگ کے ہیں تو انہیں یکے تلک ترک کر دیں اور تاویل کی زحمت نہ اٹھائیں مگر اگر کسی پختہ کار کے کلمات ہوں تو تاویل کی ضرورت پڑے گی۔ مگر پھر بھی یاد رہے کہ شریعت کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے لہذا اگر کسی کو ان کے بعض کلمات سمجھ میں نہ آتے ہوں تو ستر بھی ہے کہ وہ اس بارے میں خاموشی اختیار کرے۔

آخر میں ہم یہ بھی بیان کر دیں کہ جہاں ایک طرف اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی تعلیم و تکریم کرنا ضروری ہے وہاں یہ بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہم ان کی تعلیم میں حد سے تجاوز نہ کر جائیں۔

ع گزشتہ مراتب نہ کتنی زندیقی

ادیوار اللہ کی کرامات حق ہیں۔ چنانچہ لوگ عبد بصریؒ سے لے کر آج تک اولیاء اللہ کی کرامات دیکھتے چلے آئے ہیں مگر ہمیں ان کی کرامات کی طرف توجہ دینے سے زیادہ ان کے اعمال اور ان کی زندگی کی طرف توجہ دینی چاہیے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسی لیے حضرت عبدالعزیز دہلویؒ نے خود اسی کتاب میں فرمادیا ہے:

"اولیاء اللہ کے سوانح نگاروں نے بہت نقصان پہنچایا ہے۔"

اس لیے کہ انہوں نے زیادہ تر ان کی کرامات کا ذکر کرنے پر زور دیا ہے اور ان کے اقوال و اعمال کا کم ذکر کیا ہے۔

ولی معصوم نہیں ہوتا | مزید برآں ایک ولی کے متعلق ہمیں یہ بھی عقیدہ رکھنا چاہیے کہ وہ ایک انسان ہے کوئی فوق البشر شخصیت نہیں اور یہ کہ

ضروری نہیں کہ وہ ایک نبی کی طرح معصوم و مگر ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے گناہ سے بچائے رکھے اور اگر اس سے کوئی لغزش وغیرہ بھی نہ جائے تو وہ فوراً سنبل جائے۔ چنانچہ حضرت بنیہ سے کسی نے پوچھا: کیا عارف گناہ کا مرتب ہو سکتا ہے، تو صرف اسی قدر فرمایا:

وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ تَبَرُّاً مَقْدُوراً
اللہ کا حکم مقدر ہو چکا ہے۔

اب میں اس بحث کو بخاری کی ایک حدیث پر ختم کرتا ہوں جس میں حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں
حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَعَاثِيَيْنِ، فَأَمَّا أَحَدُهُمَا
فَنَبِيُّكُمْ وَأَمَّا الْآخَرُ فَوُطِعَ هَذَا الْبُلْعُومُ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو قسم کے علموں کے خزانے حاصل کئے ان میں سے ایک کو تو میں نے تم میں ظاہر کر دیا۔ دوسرے کو ظاہر کروں تو گلا کٹتا ہے۔

وَإِخْرُؤُوا أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



کتابیات

میں نے اس کتاب کے حواشی اور دیباچہ لکھنے میں مندرجہ ذیل

کتابوں سے مدد لی ہے

- ۱- فتوحات مکیہ: تعلیمی نسخہ مملوکہ میجر عبدالعزیز صاحب میں نے اس کا دیباچہ میں ذکر بیان کر دیا ہے اس نسخہ پر متعدد بادشاہوں کی مہر ہیں اور بڑا نایاب نسخہ ہے۔
- ۲- تکمیل الایمان (فارسی) از شیخ عبدالحق محدث دہلوی مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۲۰ھ
- ۳- تلایۃ الجواہر فی مناقب عبدالغفار: از علامہ محمد بن یحییٰ التاذنی الجلی مشرقی ۹۶۳ھ طبع مصر۔
- ۴- لوائح الانوار فی طبقات الاخیار جو بالعموم طبقات کبریٰ کے نام سے مشہور ہے: از امام عبدالوہاب شعرائی: مطبوعہ مصر۔
- ۵- الانوار القدسیہ فی بیان آداب العبودیہ از شعرائی: برعاشیہ لوائح الانوار
- ۶- رسالہ تفسیریہ: از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن۔ طبع مصر ۱۹۴۲ھ
- ۷- التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن العربی: از مولانا اشرف علی تھانوی: مطبع اشرف المطابع تنھانہ بھون۔
- ۸- نفحات الانس: از مولانا عبدالرحمن جانی مطبع نول کشور۔
- ۹- ۱۹۵۳ء - ALITERARY HISTORY OF THE ARABS BY NICH-OLSON
- ۱۰- عوارف المعارف: از شہاب الدین سہروردی برعاشیہ اجیاء العلوم طبع مصر مطبع مصطفیٰ بانی ۱۳۳۹ھ
- ۱۱- مشنوی معنوی: از مولانا روم۔ طبع تہران از سال ۱۳۱۵ھ تا ۱۳۱۹ھ
- ۱۲- معالم التنزیل: از ابو محمد الحسین الفراء البغوی متون ۵۱۶ھ

- ۱۳- فتح الباری : از علامہ ابن حجر العسقلانی - طبع مصر -
- ۱۴- الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ : از قاضی عیاض متوفی ۵۲۴ھ
- ۱۵- نسیم الریاض شرح الشفا : از شہاب الدین خفاجی
- ۱۶- استیعاب : از ابن عبد البر
- ۱۷- الکصابہ : از ابن حجر
- ۱۸- دنیات الایمان : از ابن عسکان
- ۱۹- کشف الظنون : از حاجی خلیفہ
- ۲۰- تہذیب التہذیب : از ابن حجر
- ۲۱- در فہرست : از محمد علاء الدین الحنفی
- ۲۲- مشکوٰۃ المصابیح : طبع نجفیاتی
- ۲۳- موطا امام مالک : طبع مصر
- ۲۴- تنویر الحواکک شرح موطا امام مالک : از جلال الدین سیوطی
- ۲۵- شرح الصدور : از جلال الدین سیوطی
- ۲۶- تذکرۃ الحفاظ : ذہبی



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

خطبہ شکوہ ہے اُس خدا کا جس نے اپنے ادیبار کے لیے وسائل کے طریقے کھول دیے اور اُن کے کریم ہاتھوں پر قسم قسم کے فضاں جاری کئے، لہذا جس کسی نے اُن کی اقتدا کی وہ غالب آیا اور اس نے راہِ راست پائی اور جو اُن کے راستہ سے منحرف ہوا وہ سرنگوں اور ہلاک ہوا جس نے اُن کا دامن پکڑا وہ کامیاب ہوا اور نجات پا گیا جس نے اُن پر نکتہ چینی کی وہ منقطع اور ہلاک ہوا۔

میں خدا کی حمد اس شخص کی طرح بیان کرتا ہوں جسے یقین ہے کہ خدا کے پاس جانے کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں اور اس شخص کی طرح خدا کا شکریہ ادا کرتا ہوں جسے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی خدا ہی کے پاس ہے اور میں خدا سے اس طرح مدد چاہتا ہوں جس طرح کہ وہ شخص مدد چاہتا ہے جو اپنے معاملات میں سوائے اس کے کسی پر اعتماد نہیں کرتا اور میں سیدنا محمد اور آپ کی آل پر اس قدر درود و سلام بھیجتا ہوں جس قدر کہ اللہ کریم کی مخلوقات اور انعامات میں۔

اَمَّا بَعْدُ جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ احسان کیا، جس کے لیے میں اُس کی تعریف کرتا ہوں اور شکریہ ادا کرتا ہوں کہ میں نے ولی کامل، غوثِ حاضر، مولیِٰ باہر اور عرفان کے درخشندہ ستارے، صاحبِ اشاراتِ عالیہ اور صاحبِ عباداتِ سنیہ، صاحبِ حقائقِ قدسیہ والوارِ محمدیہ اور صاحبِ اسرارِ ربانیہ و ہم عمرِ عرشہ، موجدِ عالمِ طریقت بعد ازاں کہ اس کے آثار پوشیدہ ہو چکے تھے اور علوم و حقائق کے پیدا کرنے والے کو بعد ازاں کہ اُس کے آثار پوشیدہ ہو چکے تھے اور علوم و حقائق کے پیدا کرنے والے کو بعد ازاں کہ اس کے اوزارِ منجھ چکے تھے پہچان لیا۔ یعنی شریف، وجہ، حسب و نسب والا جو جسمانی لہر روحانی دونوں طرح کی پاکیزہ نسبتوں کا مالک ہے وَالْوَلَايَتَيْنِ الْكَرِيمَتَيْنِ الْمَلِكِيَّةِ وَالْمُلْكُوتِيَّةِ الْمُحَمَّدِيَّ الْعُلُوِيَّ الْحُسْنَى قُطْبِ السَّالِكِينَ وَحَاجِلُ بُلُوَاءِ الْعَارِفِينَ ۛ

نسب نامہ حضرت شینا و سیدنا مولانا عبدالعزیز بن مسعود بن احمد بن محمد بن محمد بن احمد بن عبدالرحمن بن قاسم بن محمد بن احمد بن قاسم بن محمد بن ابراہیم بن عسکری بن عبدالرحیم بن عبدالعزیز بن ہرون بن قنون بن علوش بن منیل بن علی بن عبدالرحمن بن عیسیٰ بن احمد بن محمد بن

جبریل کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے حقیقت ایمان کے متعلق سوال کرنا

ہم دیکھتے ہیں کہ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا
مولانا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حقیقت ایمان کے متعلق
سوال کیا تو آنحضرت نے فرمایا: حقیقت ایمان یہ ہے کہ

اللہ اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے پیغمبروں، روزِ قیامت اور تقدیر پر ایمان کرنا یا نبی
سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو ان امور میں سب سے زیادہ واقف ہوگا، وہی ان
سب سے بہتر ایمان والا اور زیادہ کامل عرفان والا ہوگا۔ لہذا خدا تجھے توفیق دے، یہی روشن راہ ہے۔

جامع کتاب کی حضرت دباغ

سے پہلی ملاقات

میری اور اُن کی ملاقات رجب ۱۲۵۸ھ میں ہوئی۔ اس کے
بعد آپ کی صحبت میں اور آپ کی محبت کے جھنڈے تلے
رہا۔ ان سے بیشتر معارف سنتا، لیکن میں نے کسی بات کو

علم نہ کیا، لیکن سب کچھ سنتا اور سمجھتا تھا اور میں اپنے دوستوں اور خاص ساتھیوں سے اس کا ذکر
کرتا جو کوئی سنتا، تعجب کرتا اور کہتا کہ ایسے بے مثل حقائق و معارف ہمارے کانوں میں کبھی نہیں پڑے۔

زیادہ تعجب کی بات یہ تھی کہ حضرت ممدوح اُمّی محض تھے، کبھی ظاہری علم سے لگاؤ نہ ہوا تھا اور وہ ان
لوگوں میں سے تھے جنہوں نے بظاہر علم سے انتہا درجہ کا اعراض کیا ہوا اور جو کوئی کچھ باتیں سن پاتا
وہ اُن کی لذت ایک یا دو دن تک محسوس کرتا اور بعض ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک محسوس کرتے

رہتے۔ جب میں اُن سے ملتا تو وہ مجھے ملنے آتے تو وہ مجھ سے دریافت کرتے کہ کیا تم نے ان معارف میں

سے کچھ سنا ہے؟ جس قدر ہر سکتا میں انہیں بیان کرتا اور ان کا تعجب اور محنت اور بڑھ جاتی، انجوف طوائف

میں ان حضرات کے نام نہیں گزرتا جو مجھ سے اُن کا کلام سنتے اور غفلت ہوتے کیونکہ جو شخص ان لوگوں کے ناموں

سے واقف ہوگا وہ ہمارے شیخ کی قدر و منزلت کو سمجھ جائے گا اس لیے کہ یہ لوگ عوام میں اپنی ولایت کی وجہ

سے مشہور ہیں اور لوگ اُن کی انتہا درجہ کی تخطیم کرتے ہیں اور وہ اکثر صالحین اور اولیاء کی صحبت میں رہنے

والے لوگ ہیں اور اُن کے فیضان سے بہرہ ور ہو چکے ہیں۔ چنانچہ انہیں امرار ولایت اور عارفوں کی

علامات اور صافین کے اوصاف کا علم ہے اور وہ ہادی اور متمدی کے حالات سے واقف ہیں۔ ان کے

علاوہ وہ اکابر علماء و فقہاء میں سے ہیں۔ جب وہ مجھ سے ہمارے شیخ (عبدالحزیز دباغ) کی باتیں سنتے

تو مجھے کہتے کہ دیکھنا کہیں اس شخص کی محبت کا دامن نہ چھوڑنا یہ تو واللہ دلی کامل اور عارف و اعلیٰ ہے

مختصر یہ کہ جو کوئی بھی ان کا کلام سنتا وہ اُن کو فوراً قبول کر لیتا جیسا کہ تمہیں کتاب سے معلوم ہو جائیگا

عہد مشکوٰۃ کتاب ایمان ملا، جو فی اس سے استدلال کرتے ہیں کہ جبریل میان پر بطور استناد آتے آتے تھے تاکہ وہاں شادی کی جاتی۔

انشاء اللہ تعالیٰ برکتہ و کرم

ابتداء تالیف کتاب
در ۱۱۶۹ھ

جب رجب ۱۱۶۹ھ ہوا تو اللہ نے میرے دل میں خیال ڈالا کہ ان کے بعض فوائد کو قلمبند کروں تاکہ ان کا فائدہ عام لوگوں کو ہو۔ چنانچہ میں نے رجب شعبان، رمضان، شوال اور ذی قعدہ میں جو کچھ سنا تھا جمع کیا اور یہ ۱۵ جُز کے قریب بن گئے۔ خیال ہوا کہ اگر میں اُن باتوں کو بھی قلمبند کرتا جو میں نے گذشتہ چار سالوں میں سنی تھیں تو یہ دس سو جُز سے بھی زیادہ ہو جاتا۔ علم کی آفت اس کے قلمبند نہ کرنے سے ہوتی ہے۔ یاد رکھیں میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ آپ کے بحرِ ذخار میں سے محض چند قطرے ہیں، لیکن جو معلوم شیخ رضی اللہ عنہ کے سینے میں تھے انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ اس مبارک مجموعہ سے مقصود صرف ان بعض باتوں کا جمع کرنا ہے جو ہم نے اُن سے سنیں۔ اس بے ضروری ہے کہ پہلے ہم ایک مقدمہ میں اس شیخِ کریم کے شائق کا ذکر کریں اور بتائیں کہ ان کی ابتدا کیسے ہوئی۔ ان کے لیے نفع بابِ علم کیسے ہوا؟ کس نے انہیں ذکر کی تلقین کی؟ وہ ظاہری اور باطنی فیوض میں سے کن کن سے ملے وغیرہ۔ ان تمام باتوں کا ذکر تین فصولوں میں کیا جائے گا۔

فصل اول

ولادت سے پہلے کے حالات

العربی افشتالی کا مبارک بن
علیؑ کی بیعت کرنا

میں نے انہیں یہ کہتے سنا کہ میرے آقا العربی افشتالیؑ اولیاء اللہ میں سے تھے پہلے علم باطن محمد بن ناصر وادزرعہ والے سے حاصل کیا۔ پھر مبارک بن علیؑ سے۔ مبارک بن علیؑ تصابوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔ واقعہ یوں ہوا کہ عربی افشتالیؑ نے حضرت مبارک بن علیؑ کو ناس میں فردین کی جامع مسجد میں دیکھا اور اپنی فراست سے ان میں خیر و صلاح کے آثار دیکھے تو کہا: اے میرے آقا مجھے بتائیں کہ اربابِ سیر کو سیر کیسے حاصل ہوتا ہے؟ اس پر شیخ مبارک نے فرمایا: "اچھا چھینکو" افشتالیؑ نے کہا: چھینک تو اس وقت مجھے نہیں آتی۔ فرمایا اسی طرح مجھے بھی خیال نہیں آیا کہ تمہیں بتا دوں کہ اربابِ سیر کو سیر کیسے حاصل ہوتا ہے؟ (یعنی یہ میرے اختیار کی بات نہیں ہے)

عبدالعزیز دباغ کے والد المسعود دباغ کا
العربی افشتالی کی بھانجی فارحہ کیساتھ نکاح

عبدالعزیز دباغ کہتے ہیں کہ العربی افشتالی کی ایک بہن تھی جس کی ایک بیٹی تھی۔ ان کے بہنوئی کا نام علال القماش تھا جو بڑا مالدار آدمی تھا۔ علال القماش مرگیا اور ان کی بہن سے علال کے بعد کنسا ستہ ازیتون کے ایک شخص نے شادی کر لی، لیکن بچی العربی کے پاس ہی رہی۔ انہوں نے اس کی تربیت کی اور بڑی محبت سے پالا اور اس پر خوب روپیہ خرچ کیا اور العربی دلی ہونے کے علاوہ فقیہ اور قاری بھی تھے، چنانچہ وہ علم کا درس دیتے۔ طالب علم اپنی تختیاں ان سے درست کرواتے اور ان سے علم تجوید سیکھتے۔ میرا باپ مسعود بھی ان کے شاگردوں میں سے تھا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ مجلس علم ختم ہونے پر العربی نے میرے والد کو بلا کر کہا کہ میں اپنی بھانجی کی شادی تم سے کرنا چاہتا ہوں۔ ان کی بہن کا نام راضیہ اور بھانجی کا نام فارحہ تھا۔ میرے والد نے جواب دیا اگر آپ دیتے ہیں تو مجھے قبول ہے۔ العربی نے کہا میں نے اپنی بھانجی کو تمہیں دے دیا۔ میرے باپ مسعود نے کہا میں نے قبول کیا۔ اس کے بعد العربی نے کہا کہ مہر اور جہیز سب میرے ذمہ ہے تم کو کسی قسم کا فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس پر میرے باپ کو انتہائی خوشی ہوئی۔ اس سے پہلے بھی العربی ان سے بہت محبت کرتے تھے اور جب کبھی ان سے ملنے جو کچھ حاضر ہوتا دیتے۔ جب عقد نکاح ہو چکا تو العربی نے اپنی بھانجی کو تیار کر کے میرے والد کے ہاں بھیج دیا۔ اس کے بعد والد صاحب سے ملے اور کہنا میری دکان بند آیا کرو۔ ان کی دوکان محلہ ساط عدول میں تھی۔ میرے والد ہر روز عصر کے بعد ان کے پاس آتے اور العربی انہیں ہر روز دو موزونہ دیا کرتے۔

میں نے اپنے آقا محمد بن عبدالرحمن سے سنا کہ میں اپنی ننھی دکھارہا ہوتا کہ تمہارے (عبدالعزیز دباغ کے) والد المسعود دباغ آتے اور العربی افشتالی جو کچھ بھی دکان سے حاصل کیا ہوتا۔ انہیں دے دیتے زوائد میں ان کی بھانجی کی بہت سی زرعی زمین تھی جو اُسے اپنے والد علال القماش سے وراثت میں ملی تھی۔ ایک دن العربی نے میرے والد مسعود سے کہا تمہاری بیوی بڑی نیک ہے وہ تمہیں ان تمام اراضی کے بیع کرنے کے لیے اپنا وکیل بناتی ہے جو زوائد میں ہیں۔ جاؤ اور سب کو بیچ ڈالو میرے والد

اے اوج بھی کہتے ہیں۔ یہ چاندی کا ایک سکہ ہے جو راکش میں اٹھارویں اور بیسویں صدی عیسوی میں شریفوں نے رائج کیا۔ یہ سب سے چھوٹا چاندی کا سکہ تھا جو ۶۶ کلوس کے برابر تھا۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام۔

میری والدہ کے پاس گئے۔ والدہ نے انہیں وکیل بنا دیا۔ میری والدہ کی ایک علاقائی بہن تھی۔ ان کے پاس میرے والد کے تھما کر وہ بھی انہیں ساری زمین کے فروخت کرنے پر وکیل بنا دے، لیکن میری خالہ نے انکار کر دیا۔ میرے والد نے میری والدہ کا حصہ فروخت کر دیا اور میری خالہ اپنے حصہ کے محاصل تقریباً ۳۰ سال تک وصول کرتیں رہیں۔ اس کے بعد خالہ و دینی فرقہ آیا۔ انہوں نے زوالہ کی تمام اراضی غصب کر لیں جن میں میری خالہ کی زمین بھی تھی۔ اس دن سے انہیں وہاں سے ایک جہر بھی وصول نہ ہوا۔ اس سے لوگوں کو علم ہوا کہ یہ العربی کا کشف تھا۔

العربی کی مسعودی باغ سے محبت | العربی میرے والد سے الفت سے پیش آتے رہے اور عجیب و غریب کھانے لاتے، یہاں تک کہ میں

نے والدہ سے سنا فرماتی تھیں ماموں صاحب کی وفات کے بعد ہم نے طنجیہ ہی نہیں کھایا اور ایک قسم کا طوطہ ہے، ماموں صاحب روزانہ اس کو ہمارے لیے تیار کر داتے، اپنی مسجد میں عشاء کی جماعت کو رانچنے کے بعد آتے اور دستک دیتے۔ ہم کھتے طنجیہ دیتے۔ مرتے دم تک ان کا یہی معمول رہا۔

عبدالعزیز دباغ کی ولایت کی پیشین گوئی | ماموں صاحب فرمایا کرتے: تمہارے ایک لڑکا ہوگا جس کا نام عبدالعزیز ہوگا۔ ولایت میں بڑی شان والا ہوگا دباغ کہتے ہیں کہ میں نے والدہ کو کہتے سنا کہ ان کے ماموں العربی

الفشتالی نے انہیں بتایا کہ انہوں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ مجھ سے فرما رہے ہیں۔ تمہاری بھانجی کے ہاں ایک ولی کبیر پیدا ہوگا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کا باپ کون ہوگا؟ تو حضور نے فرمایا: مسعود دباغ۔ یہی وجہ تھی کہ عربی فشتالی نے میرے والد مسعود کا رشتہ کے لیے انتخاب کیا۔

العربی کی وفات ۱۹۰۹ء | العربی کی تمنا تھی کہ عبدالعزیز کی ولادت ان کی زندگی میں ہو۔ لیکن ۱۹۰۹ء میں وہاں آئی، اس میں وہ انتقال کر گئے۔ جب

وفات کا وقت قریب آیا تو میرے والد مسعود کو بلا بھیجا۔ پوچھا، تمہاری بیوی کہاں ہے؟ اسے بھی بلا بھیجو۔ جب دونوں آئے تو العربی نے کہا، یہ اللہ کی امانت تمہیں دیتا ہوں جب عبدالعزیز پیدا ہو تو یہ امانت اسے دیدینا، امانت میں ٹھل کا ایک ٹکڑا اور سیاہ رنگ کا بچوں کا جوتا تھا۔

لے سوتیلی بہن

عبدالعزیز کی ولادت

اس زمانے میں یہی کچھ پہنا جاتا تھا۔ چنانچہ میری والدہ نے امانت لے لی اور اسے بڑی حفاظت سے رکھا، لیکن اس حمل سے ایک بیٹی پیدا ہوئی، پھر کچھ عرصہ بعد دوسرے حمل سے یہی پیدا ہوا۔ جب میں بڑا ہوا اور رمضان کے روزے رکھے تو والدہ کو اللہ تعالیٰ نے امانت یاد دلادی۔ وہ امانت لے آئیں اور فرمایا: بیٹا العربی الفتالی نے یہ امانت تمہیں دینے کی وصیت کی تھی، عبدالعزیز کہتے ہیں کہ میں نے امانت لے لی۔ شامیہ سر پر رکھ لی، جو تپاؤں میں پسایا اس سے مجھے بہت سخت گرمی محسوس ہوئی یہاں تک کہ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے، جو کچھ العربی نے میرے متعلق کہا تھا میں نے سمجھ لیا اور ان کا اشارہ معلوم کر لیا۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ یہ سلسلہ کی بات ہے۔

الفتالی کا مرتبہ

احمد بن مبارک کہتا ہے کہ میں نے عبدالعزیز کی زبانی العربی الفتالی کے متعلق سنا تھا میں نے ان کا زمانہ نہیں پایا کیونکہ میں تو اس وقت ابھی تقریباً چھ ماہ کا بچہ تھا، لیکن میں نے لوگوں سے اُن کی تعریف ہی سنی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ صاحبِ وسع صاحبِ زہد اور قائمِ اُیال تھے۔ میں نے ثقہ لوگوں سے سنا کہ احمد بن عبداللہ جو ایک ولی کبیر اور مشہور مارت ہوئے ہیں اور التَّخْفِیَّة کے مصنف ہیں، وہ فتالی کی بہت تعریف کیا کرتے کہ وہ اکابرِ اولیاء میں سے تھے۔ مجھے خود احمد بن عبداللہ کی ایمانداری کا علم ہے لوگوں کا ان کی ولایت، کشف اور نورِ بصیرت پر اتفاق ہے۔

میں نے عبدالقادر اجماعوش سے سنا اور وہ شہرِ صفر کے رہنے والے تھے اور احمد بن عبداللہ کے مریدوں میں سے تھے کہ العربی الفتالی اکابرِ اولیاء میں سے تھے اور اگر ان کی وفات نہ ہو چکی ہوتی تو میں ان کے حالات قطعاً تمہیں بتانا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں العربی کے شاگردوں میں سے تھا۔ مجھے خود احمد بن عبداللہ کی ایمانداری کا علم ہے لوگوں کا ان کی ولایت، کشف اور نورِ بصیرت پر اتفاق ہے۔

فتالی کے کشف کی ایک اور مثال

احمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں ساہس میں تھا کہ العربی نے مجھے کہا، ایک بڑا حادثہ پیش آ گیا ہے میں نے عرض کیا: وہ کیا ہے، فرمایا: محمد بن ناصر رحمۃ اللہ ابھی فوت ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کیا: آپ کو کیسے معلوم ہوا، فرمایا: اس کی وفات میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ مجھے تعجب ہوا، پھر فرمایا: یہ شخص جو سامنے سے آ رہا ہے اسے دیکھو۔ وہ محمد بن ناصر کی وفات کی خبر لا رہا ہے اور وہ شخص بہت

دور و حسد لا سا خیال دکھائی دے رہا تھا۔ پھر ہم اُس شخص کی طرف چلتے گئے یہاں تک کہ ہم اسے
اسے ہم نے پوچھا کیا خبر ہے؟ اس نے کہا محمد بن ناصر فوت ہو گئے ہیں۔

کشف کی تیسری مثال

احمد بن عبداللہؒ فرماتے ہیں ایک دن میں قزوین میں تھا کہ العربیؒ
سے ملاقات ہوئی۔ میرا شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ مجھے دیکھ کر

فرمایا: "وہ عورت بڑی مبارک ہے! میں نے عرض کیا کہ کنسی عورت؟ فرمایا: جس سے تمہاری شادی ہوگی۔
میں نے عرض کیا "میرا تو ارادہ نہیں ہے۔" فرمایا "تیری اس سے شادی ہوگی" ابھی ایک ہفتہ ہی گزرنا تھا کہ
میرے دل میں شادی کی خواہش پیدا ہوئی، چنانچہ میں نے شادی کر لی۔

(احمد بن المبارک راوی کتاب کتبا ہے) اسی قسم کی ایک حکایت میں نے احمد بن عبداللہؒ
سے سنی، لیکن اس میں انہوں نے خبر دہندہ (یعنی فشتالیؒ) کا نام نہیں دیا۔

احمد بن عبداللہؒ کہتے ہیں العربیؒ الفشتالیؒ کے ساتھ اولیاء کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی، میں نے
کئی ایک کا ذکر کیا۔ فرمایا، میں تم سے اکابر کے متعلق بات کر رہا ہوں، میں تو یہاں سے باز غمک (جو ناس
سے ایک مرحلہ پر واقع ہے) کے تقریباً ۱۰۰ چھوٹے اولیاء کو جانتا ہوں۔

فشتالیؒ کا اپنے احوال کو چھپانا | احمد بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ الفشتالیؒ اپنے حالات کو چھپا
کر رکھتے تھے۔ ایک روز اپنے چند شاگردوں سے کہنے لگے

کیا تم سمجھتے ہو کہ کشف بھی کوئی چیز ہے، یہ تو محض چالاکی اور سرعتِ فہم ہے اگر نہیں شک ہو تو میری
طرف دیکھو۔ تم مجھے اور میرے تمام حالات جانتے ہو تمہیں معلوم ہے کہ میں تو کوئی ولی نہیں ہوں۔ سب
نے کہا جی ہاں، ہمیں خوب معلوم ہے کہ آپ ولی نہیں ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ایک طالب علم کی طرف توجہ فرمائی
اور کہا "کیا فلاں وقت تمہارا فلاں کام کرنے کا ارادہ نہیں ہے؟ طالب علم نے عرض کیا ہاں۔ فشتالیؒ نے
فرمایا: یہی تو ہے جو میں نے بتایا کہ کشف محض چالاکی ہے سب کو یقین آگیا کہ ہاں ٹھیک ہے اور پھر
فشتالیؒ ان سے غافل ہو گئے۔

عمر بن الفارضؒ کے ایک

احمد بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ ایک دن قزوین کی مسجد میں گیا، وہاں
العربیؒ الفشتالیؒ بھی تھے۔ ان کا رنگ بدلا ہوا اور زرد ہو رہا تھا
کہنا اس وقت میں تم سے یا کسی اور سے کوئی بات نہیں کر سکتا۔ میں نے

شعر کا الفشتالیؒ پر اثر

عرض کیا آخر کیا سبب ہے؟ فرمایا: میں نے عمر بن الفارضؒ کے "تائیدہ" قصیدہ کا شعر پڑھا ہے۔

عمر بن الفارض: البرقص عمر بن علی المعروف بابن الفارض۔ تاہرہ میں ۴۵۵ھ بمطابق ۱۰۶۴ء میں ان کی پیدائش ہوئی۔

(بقیہ ماضیہ علیہ منور)

فَلَوْ خَطَرْتُ لِي سِوَاكَ إِدَادَةً عَلَى خَاطِرِي سَهَوْتُ أَتَّصِيتُ بِرَدِّي
ترجمہ: (اے خدا) اگر تیرے سوا کسی اور کا خیال بھول کر بھی میرے دل پر گزرے تو
میں اُنہی مُرتد ہونے کا حکم لگا دوں۔

دیکھا تو میرے دل میں کسی اور کا خیال آیا ہوا تھا، لہذا میں نے اپنے آپ کو مُرتد سمجھ لیا۔ اب میں
کیا گندہ ہو گیا۔ یہ کہتے ہی ان کا رنگ اڑ گیا۔ میں نے کہا یہ تو غلبہ حال تھا جو ابن نارض پر طاری ہوا اور
پھر مٹا رہا۔ پس اتنا کہنا تھا کہ فشتالی کو کون ہو گیا اور فرمایا: اللہ تمہیں جزائے خیر دے تمہارے
ان نقطوں سے میرا غم دور ہو گیا۔

انخفاہ حال کی ایک اور شہادت

مولانا العربی القادری صوفیاء کے طریقہ پر چلتے تھے اور اولیاء اللہ کے کچھ انوار ان پر ظاہر بھی ہوتے تھے۔ جب العربی
ان کی القادری سے جان پہچان تھی۔ وہ انہیں ولی نہ سمجھتے بلکہ صرف عالم سمجھتے تھے۔ جب العربی
افشتالیؒ کی قادری سے ملاقات ہوتی تو بہت خوش ہوتے اور ان کی بڑی آؤ بھگت کرتے۔ ایک
دن فشتالی احمد بن عبد اللہؒ کے پاس بیٹھے علوم عالیہ اور معرفت کی باتیں کر رہے تھے کہ القادری
آگئے۔ محمد درّیج انطاویؒ کو کہنے لگے کیا فشتالیؒ احمد بن عبد اللہؒ سے اس سے پہلے بھی اس طرح
کی معرفت کی باتیں کیا کرتے ہیں یا صرف آج ہی ایسی باتیں کر رہے ہیں؟ محمد درّیج نے جواب دیا:
وہ تو ہمیشہ ایسی باتیں کرتے ہیں۔ سید عبد القادر مشد کہتے ہیں اس دن القادریؒ کو الفشتالیؒ کی
ولایت کا علم ہوا۔ جب فشتالیؒ کو علم ہوا کہ القادریؒ کو اس کا پتہ چل گیا ہے تو اس دن سے جب انہیں
دیکھتے، چھپ جاتے اور پہلی سی خوشی اور آؤ بھگت کرنا سب چھوڑ دیا، کیونکہ وہ تو اپنے آپ کو
چھپانا چاہتے تھے۔

کشف کی ایک اور مثال

احمد بن عبد اللہؒ کہتے ہیں کہ جب زیدان نے فاس کا محاصرہ کیا
تو میں وہیں تھا۔ محاصرہ نے طول پکڑا اور فاس والوں کو بہت
تکلیف کا سامنا ہوا۔ احمد بن عبد اللہؒ کہتے ہیں کہ فشتالیؒ یہی کہتے رہے اویہ جو یاسویر سلطان اسماعیل
کے بغیر چارہ نہیں۔ باغیوں کو اس کا پتہ چلا تو کہنے لگے کہ فشتالیؒ اپنے آپ کو اسماعیل سمجھتا ہے ابھی
چند دن ہی گزرے تھے کہ العربیؒ کی سچائی ظاہر ہو گئی۔ باغیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور امان کی
(بقیہ مضمون سابقہ) نقد، منت اور ادب میں صارت حاصل کی۔ پھر یقین کا راہ پر چلے اور مقامات مقدسہ کی زیارت کی

۱۳۳۵ھ میں وفات پائی۔ یہ عربی زبان کے واحد مونی شاعر ہیں۔

درخواست کی اور صلح ہو گئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

قیام اللیل میں فشتالی کی حالت

میں تو ان کی قرارت کی آواز سنائی دیتی، لیکن جب ان پر حالت اور واردات الہیہ کا نزول ہوتا تو سواۓ حرکت، اضطراب اور زمین پر ریگنے کے کچھ سنائی نہ دیتا۔

کشف کی مثال

احمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں فشتالی کے ساتھ سُوقِ النخیس میں تھا اور یہ سلطان رشید کے عہد کی بات ہے۔ سلطان رشید کے عروج کا زمانہ تھا، بڑے آرام کی زندگی گزرتی، انہیں لذت تھا اور نہ فساد۔ فشتالی کے ساتھ سُوقِ النخیس میں جا رہا تھا کہ یکایک کہنے لگے ”مجھے ترشید کے ماتم کی آواز آرہی ہے، حالانکہ رشید کی موت مراکش میں واقع ہوئی تھی میں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے، لیکن ابھی یہ بات گھر ہی رہے تھے کہ رشید کی وفات کی خبر پہنچی۔

آداب شرع کا پاس

احمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ فشتالی ظاہر شریعت کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ ایک دن اُن کے ساتھ قزوین کی مسجد میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ متون نے اذان دی۔ العربی مسجد سے نکل کر تھوڑی دیر غائب رہے اور پھر واپس آگئے، میں نے کہا کیا بات تھی؟ تو آپ کسی کام کے لیے گئے کہ کہہ سکیں کام تھا اور نہ ہی جماعت کا وقت ہے لہذا آپ کیوں باہر تشریف لے گئے تھے، لیکن آپ خاموش رہے میں نے اصرار کیا۔ کہنے لگے تو بہت کُرید کرید کر باتیں پوچھتا ہے۔ میں اس بے نکلا تھا تا کہ خدائے خدا کی طرف میرا چلنا نماز کے لیے ہو جائے۔ کیونکہ پہلے میں نے جو قدم اٹھائے تھے وہ تمہارے پاس بیٹھنے کے لیے اٹھائے تھے۔

فشتالی کا صبر و تحمل

احمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ فشتالی بڑے اچھے اخلاق والے اور صبر و تحمل والے تھے اور عُدوئل لوگوں میں سے تھے۔ ایک دن انہوں نے ایک شخص کے خلاف سچی گواہی دی تھی۔ اس شخص نے ناراض ہو کر فشتالی کو بہت سی گالیاں دیں جب وہ گالیاں دے چکا تو صرف اتنا کہا: میری شہادت کی شرعی وجوہیں ہیں۔ گالی دینے والا اُن کے حسن خلق کو دیکھ کر بہت نادم ہوا اور توبہ کی۔

ہمسایوں سے برتاؤ | مدوح کے پڑوسیوں کا بیان ہے کہ حضرت فشتالی جب اپنے گھر کے لیے گوشت خریدا کرتے تو ہمسایوں کے لیے بھی ضرور خریدتے فرماتے یہ کیسے

ہو سکتا ہے کہ میں تو گوشت کھاؤں اور میرے پر دسی بغیر گوشت کے رہیں۔

کشف و کرامت کی ایک اور مثال

بہت سے ثقہ لوگوں کا بیان ہے کہ مسجد کا بڑا دروازہ کھلنے سے پہلے فشتالی الخفیہ کے زاویہ (خانقاہ) میں آئے تو جہاں اب مسجد کا بڑا دروازہ ہے، اس کی طرف نکلتا تھا کہ فرمانے لگے: یہاں سے ایک دروازہ کھلے گا جس سے لوگ مسجد میں جایا کریں گے۔ یہ الفاظ بہت سے لوگوں نے سنے جن میں الممدی الفاسی، شارح دلائل الخیرات بھی تھے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اسی جگہ پر دروازہ کھولا گیا یہیں سے لوگ وضو کے محل کو جاتے ہیں۔

ایک واقعہ

محمد بن سودہ کہتے ہیں کہ ایک شخص فشتالی کے گھر گیا۔ وہ اس وقت اپنے آپ کو نکمھا کر رہے تھے اور بے کی باتیں کر رہے تھے۔ پوچھا کیا بات ہے، فرمایا

فَصَلَّ اللَّهُ يُؤْتِيهِ هُنَّ إِنِّئَاءُ الرَّئِدِ دِينَ هُ، جسے چاہے دے،

کشف کی مثال

شامی کا بیان ہے کہ وہ فشتالی سے باتیں کر رہے تھے اور گدشتہ حکام مثلاً ابن صالح وغیرہ کی مذمت کرتے اور موجودہ حاکموں کی تعریف کر رہے تھے۔ اس پر فشتالی نے آئندہ آنے والے حاکموں کے احوال بیان کرنے شروع کر دیے۔

فشتالی کا شاہد عادل ہونا

متعدد لوگوں کا بیان ہے کہ فشتالی شاہد عادل تھے لیکن شہادت دینے سے اکثر پرہیز کرتے۔ صرف انہیں

اُمور میں شہادت دیتے جو روز روشن کی طرح ہوں، کوئی زیادہ اجرت دیتا تو رد کر دیتے۔ ایک شخص سے گواہی کا وعدہ کر لیتے تو دوسرے کو انکار کر دیتے۔

الفرض یہ کہ محمد جی کے کشف و کرامات بہت زیادہ ہیں اور لوگوں میں مشہور ہیں، آپ کی جلالت شان اور فخر و مہابات کے لیے تو صرف یہی رابطہ کافی ہے جو آپ کے اور غوث الزمان حضرت عبدالعزیز قدس سرہ کے درمیان قائم ہوا۔

فصل ثانی

حضرت عبدالعزیز دہلی کا مدارج سلوک طے کرنا یہاں تک کہ آپ پر اسرار کا انکشاف ہو گیا اور ان عارفین کا بیان جن سے آپ کو ظاہری اور باطنی وراثت ملی۔

عبدالعزیز دہلی کی حضرت دہلی فرماتے تھے، جب سے میں نے عربی انشتالی کی امانت کو پنا اور جو کچھ اس میں مجھے کیا گیا تھا میں سمجھ گیا تو اللہ نے میرے دل میں خالص عبودیت کا شوق ڈال دیا۔ لہذا میں لوگوں سے اس کے متعلق دریافت کرتا رہتا۔ جس بزرگ کا ذکر سنا اس کے پاس جا کر اسے اپنا پیر بنا لیتا۔ ان کے فرمانے کے مطابق اور اوپر دھنا، لیکن کچھ مدت گزرنے کے بعد جب ان کے پاس مزید ترقی نہ پاتا تو انہیں چھوڑ کر کسی اور کے پاس چلا جاتا۔ اسی طرح جب اس کے پاس بھی مزید معرفت نہ پاتا تو اسے بھی چھوڑ دیتا۔ اسی طرح میں ۱۱۲۱ھ سے لیکر ۱۱۲۲ھ تک حیران و پریشان پھرتا رہا۔ ہر جمعہ کی رات علی بن حرز ہم کے مزار پر لوگوں کے ساتھ مل کر قصیدہ بردہ ختم کیا کرتا۔ ایک جمعہ کی رات حسب دستور بردہ ختم کر کے روضہ سے باہر نکل ہی رہا تھا کہ ایک شخص کو اُس پیری کے درخت کے نیچے جو روضہ کے دروازے کے پاس تھی، بیٹھا ہوا دیکھا۔ اُس نے مجھ سے میرے ہی دل کی بتائی شروع کر دیں جس سے میں سمجھ گیا کہ یہ شخص اولیاء عارفین میں سے ہے۔ میں نے عرض کیا مجھے کوئی ورد عطا کریں اور ذکر کی تلقین کریں۔ اس نے بات ٹالنی چاہی اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔ میں اصرار کرتا جاتا اور آپ ٹالتے جاتے ان کا مقصد میرے صیغ عزم کو مسلم کرنا تھا تاکہ میں ان سے جو بات سنوں اُسے پھر ترک نہ کر دوں۔ میں اسی طرح چمٹا رہا، یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور خانقاہ میں گھر دسی دکھائی دی تو کھنکھایا جب تک تو اللہ کا عہد نہیں دے گا کہ وہ روضہ چھوڑے گا اور میرا خیال تھا کہ وہ مجھے ان بزرگوں کی طرح کا کوئی ورد بتائیں گے جن کی پہلے بیعت کر چکا ہوں، لیکن انہوں نے

لے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں علامہ بوہیری نے عربی میں ایک قصیدہ کہا ہے جسے قصیدہ بردہ کہا جاتا ہے۔ صوفیاء کے ہاں خاص طریقہ پر اس کا ورد کیا جاتا ہے اور اس کے ورد کرنے میں بہت سے فوائد منفرد ہیں ناظم قصیدہ علامہ بوہیری کو اس قصیدہ کی بدولت فالج سے شفائی تھی، علامہ بوہیری ۱۱۲۹ھ ۱۱۳۰ھ میں مصر میں پیدا ہوئے اور ۱۱۶۶ھ ۱۱۶۷ھ میں وفات پائی۔

حضرت عبدالعزیز دباغ کا شرح صدر

جمعات ۸ رجب ۱۱۲۵ھ

حضرت نے فرمایا کہ سید عمر کی وفات کے تین دن بعد مجھے شرح صدر ہوا اور ہم نے حقیقت نفس سے اللہ کو پہچانا۔ نکلے اللہ الحمد للہ

الشیکرُ بروز پنج شنبہ ۸ رجب ۱۱۲۵ھ کا واقعہ ہے کہ میں گھر سے نکلا تو حق تعالیٰ نے ایک صاحب خیر کے ہاتھ سے مجھے چار ٹونوں کے دلائے۔ چنانچہ میں نے پھیل غریبی اور اس کو لے کر گھر آیا۔ میری بیوی نے کہا۔ علی بن حزم ہم کے پاس جاؤ اور پھیل تنے کے لیے تیل لے آؤ۔ چنانچہ میں گیا اور ابھی باب الفتح تک ہی پہنچا تھا کہ بدن میں رعشہ سا پیدا ہوا۔ پھر زور کی کپکپی طاری ہوئی۔ اس کے بعد گوشت میں بکثرت چیونٹیاں سی پلتی ہوئی محسوس ہوئیں، مگر میں چلتا گیا، مگر حالت اور خواب ہوئی کئی حتیٰ کہ سید یحییٰ بن علاء کے مزار تک پہنچا اور یہ علی بن حزم ہم کے راستہ ہی میں آتا ہے۔ حالت نے اور شدت پکڑی اور میرا سینہ سخت مضطرب ہونے لگا یہاں تک کہ واپسی چنبر گردن سے ٹکراتی تھی، میں نے سبھی کو یقیناً موت کا وقت آگیا ہے پھر میرے جسم سے دھوئیں کی طرح کی ایک چیز نکلی۔ پھر میرا جسم ہوتا ہوتا بہت ہی لمبا ہو گیا اور دنیا کی چیزیں منکشف ہو کر میری نظروں کے سامنے آنے لگیں۔ تمام شہر اقصیٰ اور دیات جو کچھ بھی زمین پر ہے۔ میں نے سب کو دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ عیسائیت اپنے بچے کو گود میں لیے دودھ پلا رہی ہے۔ میں نے تمام سمندر دیکھے جو کچھ بھی سات زمینوں میں جانور اور مخلوقات ہے سب دیکھی۔ میں نے دیکھا کہ گویا آسمان کے اوپر بیٹھا ہوں اور اس کے اندر کی تمام اشیاء کو دیکھ رہا ہوں۔ اچانک ہر طرف سے کوندنے والی بجلی کی طرح نورِ عظیم آتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ نور میرے اوپر سے بھی، نیچے سے بھی، دائیں سے بھی، بائیں جانب سے بھی اور آگے بھی، پیچھے سے بھی، سب طرف سے آیا اور اُس سے مجھے سخت سردی لگی، یہاں تک کہ میں نے سبھا کہ مرنے لگا ہوں۔ میں جلدی سے منہ کے بل لیٹ گیا تاکہ اُس نور کو نہ دیکھ سکوں، لیکن پھر بھی یوں معلوم ہوا یا تھا کہ میرا تمام وجود آنکھیں بن گیا ہے۔ آنکھ کھلتی ہے، سرد دیکھ رہا ہے، پاؤں دیکھ رہے ہیں اور تمام اعضاء دیکھ رہے ہیں، میں نے اپنے سینے سے ہوسے پڑوں پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہ اس نظر کو نہیں روک سکتے جو میری ذات میں سرایت کر چکی ہے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اوندھا لیٹنا اور کھڑا رہنا دونوں برابر ہیں۔ کچھ دیر تک یہی حالت رہی مگر پھر جاتی رہی اور میں اپنی پہلی حالت پر آگیا۔ اُس وقت میں گھر واپس آیا اور علی بن حزم ہم کے پاس نہ پہنچ سکا۔ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہوا اور میں رونے لگا۔ اس کے بعد تھوڑی دیر کے لیے پھر وہی حالت طاری ہوئی اور پھر جاتی رہی۔

لے نعرانیت کے بعد کی طرف اشارہ ہے۔

رہی۔ اسی طرح کبھی یہ حالت ہو جاتی اور کبھی مہٹ جاتی۔ اس کے بعد دائمی ہو گئی۔ اللہ نے مجھ پر رحم فرمایا کہ اپنے ادیبار میں سے ایک عارف سے مجھے ملا دیا جس کی صورت یوں ہوئی کہ فتح کے اگلے روز میں مولائی ادریسؒ کی زیارت کے لیے چلا۔ ابھی سہ ماہی عدول کے محلہ تک پہنچا تھا کہ فقیہ الحاج احمد جندیؒ سے ملاقات ہوئی۔ احمد جندیؒ مولائی ادریسؒ کے امام تھے۔ میں نے جو کچھ دیکھا تھا اُس کا اُن سے ذکر کیا۔ فرمایا۔ میرے ساتھ میرے گھر چلو۔ میں اُن کے ساتھ اُن کے گھر گیا جو اس سقاہیہ کے قریب تھا جو اُن غنائین کے پاس ہے جو صغاریں میں رہتے ہیں، میں اُن کے ساتھ مکان میں داخل ہوا اور وہ اندر ایک چوترے پر بیٹھ گئے اور میں بھی اُن کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پھر فرمانے لگے جو کچھ تم نے دیکھا ہے پھر سے بیان کر دو۔ میں نے سارا واقعہ دہرایا، مگر ان پر جو میری نظر پڑی تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں واقعہ سن کر فرمایا لا الہ الا اللہ چار سو سال گذر چکے ہیں کہ ایسا واقعہ بیان کرنے والا ہم نے کوئی نہیں سنا۔ اس کے بعد مجھے بیت سارو پیہ دیا ایک بار فرمایا کہ مجھے پانچ مشقال دیے اور کہا کہ ان کو اپنی ضروریات میں خرچ کر دو اور جب ختم ہو جائیں تو کسی اور کے پاس نہ جانا۔ میرے ہی پاس آنا کہ جو ضرورت ہوگی میں تم کو دوں گا اور میں سید عبداللہ تادویؒ کے پاس جانے کی تاکید کرتا ہوں۔ انشاء اللہ خیر نصیب ہوگی۔ غرض میں اُن سے رخصت ہوا اور اس دن کے بعد پھر مجھے سید احمد جاندیؒ کی ملاقات نصیب نہ ہوئی کیونکہ اُن کو دفعۃً مرض الموت لاحق ہوا اور وہ انتقال کر گئے۔

عبداللہ تادویؒ سے ملاقات مگر میں نے اُن کی وصیت پر عمل کیا اور سید عبداللہ تادویؒ کی جانب چل پڑا۔ جب باب الجیسہ پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دروازے سے باہر ایک سیاہ نام شخص اس بیٹے پتھر کے پاس کھڑا ہے جس کے قریب مبدیؒ بیٹھا کرتے تھے۔ اُس نے مجھے نور سے دیکھنا شروع کیا۔ میں نے دل میں کہا آخر اس کا کیا ارادہ ہے؟ جب قریب پہنچا تو میرا منہ کھل گیا اور سلام کیا۔ جس کا میں نے جواب دیا۔ پھر کہنے لگے میں جانتا ہوں کہ جامع مسجد تک میرے ساتھ چلو، وہاں بیٹھ کر کچھ دیر باتیں کریں۔ میں نے کہا بڑی خوشی سے چنانچہ ہم مسجد میں پہنچ کر بیٹھ گئے۔ مجھ سے فرمانے لگے مجھے فلاں فلاں مرض ہے اور میں نے ایسا ایسا واقعہ دیکھا ہے اور مجھے یہ پیش آیا ہے۔ الغرض تمام باتیں جو مجھے پیش آتی تھیں از خود ذکر کر دیں۔

۱۔ حوض ۲۔ غسل دینے والوں ۳۔ محلہ کا نام

۴۔ آج کل کے حساب سے ایک مشقال تقریباً ۱۶ مائٹر کا ہوتا ہے پانچ مشقال تقریباً توڑے یعنی اس قدر سونا دیا۔

ان کی اس گفتگو سے میرا بوجھ اتر گیا اور میں سمجھ گیا کہ یہ شخص اولیاءِ عارفین میں سے ہے خود ہی بتایا کہ میرا نام عبداللہ برنادی اور میں برنو کا باشندہ ہوں اور یہاں شہر ناس میں صرف تمہارے لیے آیا ہوں۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی اور اس وقت میں نے سید احمد جرنڈی کے کلام کی برکت کو سمجھا کہ مرحوم اہل خیر و صلاح میں سے تھے۔ غرض سید عبداللہ برنادی میرے ساتھ رہے، میری رہبری فرماتے، مجھے کبھی ویدراہی سے بچاتے۔ قلب کو قوت پہنچاتے اور میرے دل سے وہ خوف مٹاتے رہتے تھے جو فقیرِ جیب اور تمام شعبان و رمضان و شوال و ذی قعدہ اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ تک مجھے پیش آتے رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت جب عید الانبی کا تیسرا دن ہوا تو مجھے سید الوجود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔

اُس وقت عبداللہ برنادی نے فرمایا: اسے عبدالعزیز اب تک تو مجھے تمہارے متعلق اندیشہ تھا مگر آج چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی رحمت کاملہ یعنی سید الوجود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا دیا ہے، اس لیے میرا دل مطمئن ہو گیا ہے اب میں تمہیں اللہ کے جالے کر کے جاتا ہوں۔ چنانچہ مجھے چھوڑ کر وہ اپنے وطن چلے گئے۔ دراصل اُن کا میرے ساتھ رہنے سے یہ مقصد تھا کہ جو مشاہدات مجھے پیش آرہے تھے، اُن میں غلطی کا دخل ہونے سے مجھے بچاتے رکھیں، حتیٰ کہ مشاہدہ محمدیہ نصیب ہو جائے، کیونکہ صاحبِ نفع پر اس کے بعد کوئی اندیشہ نہیں رہتا جو کچھ اندیشہ و خطرات ہوتے ہیں وہ اُس مشاہدے سے پہلے ہی ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ برنادی کے ساتھ مجھے بہت قے پیش آئے۔ جن میں عجیب ترین یہ ہے کہ ایک دن انہوں نے عورت کی صورت میں آکر مجھے بہت کچھ پچھلایا اور اصرار سے اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔

عبداللہ برنادی کا دباغ کے سامنے عورت کی صورت میں آنا واقعہ یوں ہوا کہ میں جزائرِ ابنِ عامر میں تھا کہ ایک عورت چادر اڑھنے سے پر نقاب ڈالے خوشبو میں ملبی ہوئی صاف ستھری نہایت خوبصورت میرے پاس آئی اور

کہنے لگی: میں تنہائی میں آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ میں پورے زور سے اس سے بھاگا حتیٰ کہ میں نے کہا کہ اب تو میں اس سے بھاگ کر لوگوں میں آگیا ہوں، مگر جب رصیف میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے پاس کھڑی ہے اور مجھے پچھلا رہی ہے میں پھر بھاگا اور شرطین پہنچ کر

دم لیا اور سمجھا کہ اب اس کی امید منقطع ہو چکی ہے۔ پھر میری چال بھاری ہو گئی اور دیکھا کہ وہ پھر میرے پاس کھڑی ہے اور پھسلا رہی ہے۔ میں پھر بھاگا اور ایک بار پھر شامین پہنچا مگر دیکھتا کیا ہوں کہ میرے پاس کھڑی ہے۔ میں پھر بھاگا اور مسجد قروین کی شرقی جانب پہنچا اور مسجد میں داخل ہو گیا اور سمجھا کہ بس اب نجات مل گئی، مگر دیکھا کہ وہ میرے پاس کھڑی ہے۔ میں پھر بھاگا حتیٰ کہ صفائیں تک پہنچا اور سمجھا کہ بس اب بچ گیا، مگر دیکھتا ہوں کہ وہ پاس کھڑی ہے۔ میں پھر بھاگا اور دوبارہ شامین تک پہنچا اور سمجھا کہ اب چھٹکارا مل گیا مگر دیکھتا ہوں کہ وہ پاس کھڑی ہے۔ میں پھر بھاگا کہ مسجد قروین میں جا گھسا اور سمجھا کہ اب نجات مل گئی، لیکن جب بڑے شمع دان تک پہنچا تو دیکھا کہ وہ میرے پاس کھڑی ہے۔ اس وقت مجھ پر حال کا غلبہ ہوا اور ابھی چلانے کو ہی تھا تاکہ لوگ جمع ہو جائیں کہ دفعۃً وہ عورت عبداللہ البرنادی بن گئی اور فرمایا یہ کارنامہ تو میرا تھا اور تم کو آزمانے کے لیے کیا تھا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ سادات کا میلان طبع عورتوں کی طرف زیادہ ہے۔ سرالحدیث تم کو ایسا ہی پایا جیسا میں پاتا تھا اور بہت خوش ہوتے۔

عبداللہ برنادیؒ کی وفات ۱۱۲۷ھ میں آئیں گے۔ دباغ کہتے ہیں کہ ان کی وفات ۱۱۲۶ھ

میں ہوئی۔

صالحین خواہ اکیہ دوسرے سے دُور رہتے ہوں
لیکن اُن کے درمیان بُد نہیں ہوتا

انہوں نے مجھ سے یہ فرمایا اور میں نے یوں کہا اور ہم نے یہ کام کیا، حالانکہ اس زمانہ میں میں ہر وقت اُن کے ساتھ آتا جاتا۔ چنانچہ ہم شاید ہی کبھی جدا ہوتے۔ جب اُن سے ایسی بات سننا تو عرض کرتا کیا عبداللہ اپنے وطن کو نہیں چلے گئے۔ فرمایا صالحین کے وطن خواہ کتنے دور ہی کیوں نہ ہوں ان کے درمیان بُد نہیں ہوتا۔ چنانچہ مغرب کا اشد کا بندہ سوڈان یا بصرہ وغیرہ کے دوسرے اشد کے بندے سے باتیں کر سکتا ہے بعینہ اس طرح جس طرح کو پاس کے آدمی سے باتیں کی جاتی ہیں اور جب کوئی قیصر اشد والا اُن سے باتیں کرنا چاہتا ہے تو وہ بھی کر لیتا ہے اور اسی طرح چوتھا۔ حتیٰ کہ صالحین کی ایک جماعت جو مختلف علاقوں میں بکھرے ہوتے ہیں وہ اس طرح آپس میں باتیں کر لیتے ہیں جیسے کہ ایک جگہ پر جمع ہو جانے والے لوگ کرتے ہیں۔

دباغ نے برناوی سے اسرار ورثہ میں لیے | فرمایا سیدہ عبداللہ برنادی کی وفات
والحمد للہ۔

قطب زمان منصور | نیز فرمایا منجملہ ان بزرگوں کے جن کی مجھے ملاقات نصیب ہوئی۔
حضرت منصور احمد ہیں جو قطب وقت تھے اور میرا ان سے ملنا
سورج گرہن سے ایک ماہ قبل ہوا۔

ملنے کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت منصور ایک جولاہے کے پاس سوت بٹنے کا کام کرتے تھے میں
اپنے بھائی عمال کو لے کر اس غرض سے گیا کہ کوئی اسے بٹنے کا کام سکھا دے۔ چنانچہ میں ایک طراز نے
رکشیدہ کاری کا رخا نام میں مشہر کیا۔ خادموں کو آلات کے ساتھ کام کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔ ایک
شخص کو دیکھا جس سے میری بات ٹھہر گئی۔ جب فارغ ہوا اور باہر آنے لگا تو ایک ناواقف شخص
نے مجھے آواز دی اور کہا کہ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس کے پاس آیا تو اس نے پوچھا:
آپ کون ہیں؟ میں نے کہا: سید ہوں۔ کہا ماشاء اللہ! اچھے پاک اور نیک لوگوں کی اولاد ہو۔ پھر نام
پوچھا: میں نے عبدالعزیز بتایا۔ کہا کس قدر پیارا اور بزرگ نام ہے۔ پھر پوچھا کیا آپ کے ماں باپ
حیات ہیں؟ میں نے کہا نہیں دونوں کا انتقال ہو چکا ہے۔ کہنے لگے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ
آپ کے بیوی بچے ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ کہنے لگے کچھ روپیہ پیسہ بھی پاس ہے؟ میں نے کہا
نہیں، کہنے لگے یہ موزوں نہ لے لو۔ دیکھا تو تیس موزوں نے تھے۔ اُن سے جان پہچان اس طرح
ہوئی۔ پھر اُن کے ساتھ مجھے عجیب و غریب واقعات پیش آتے جن میں چند کا تذکرہ اس کتاب
میں انشاء اللہ آئے گا۔

منصور بن احمد کی وفات ۱۱۲۹ھ | غرض اللہ در سول کی محبت میں میرا ان کا ساتھ رہا۔
حشی کہ ۱۱۲۹ھ میں ان کی وفات ہو گئی ملا احمد بن
مبارک کہتے ہیں کہ سورج گرہن ۱۱۱۸ھ کی ابتدا میں ۲۹ محرم کو ہوا۔ لہذا تقریباً بارہ سال ان کی
صعبت رہی۔

کپڑے کے اوپر متیش یا کشیدہ کاری کرنے کو طراز کہتے ہیں اور بنانے والے کو طراز۔ اس زمانے میں الجوارہ مصر وغیرہ میں
طراز کے کارخانے پائے جاتے تھے۔ طراز کے معنی طراز کے کارخانہ کے بھی ہیں چنانچہ یہاں بھی مراد ہیں۔ ۱۲

سید عبداللہ برنادی منصور
بن احمد سے بڑے تھے

میں نے حضرت ممدوح سے پوچھا کہ دونوں میں بڑا کون تھا،
عبداللہ برنادی یا منصور بن احمد؟ فرمایا حضرت عبداللہ برنادی
بڑے تھے اگرچہ یہ دونوں قطب تھے نیز فرمایا کہ جب حضرت

منصور کا انتقال ہوا تو ان کے امراء کا بھی میں ہی وارث ہوا۔ والحمد للہ۔

محمد لہواج سے ملاقات

حضرت ممدوح نے فرمایا کہ منجمد ان مشائخ کے جن کی ملاقات و
صحبت مجھے نصیب ہوئی۔ حضرت محمد لہواج ہیں جن کا وطن

تطاوان کے قریب تھا جیسا کہ جبل حصیب میں شرفخص حضرت منصور کا وطن تھا۔

ان سے ملنے کی صورت یہ ہوئی کہ جب میرے والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا تو میرے چچا مجھے اور میرے

بھائی العربی کو لے کر ایک طراز خانہ میں گئے جہاں ملل پر کام کیا جاتا تھا۔ کارخانے کا ایک کاریگر حضرت

محمد لہواج کا رشتہ دار تھا اور حضرت ممدوح جب بھی اس رشتہ دار کو ملنے آتے تو میرے پاس بھی

آکر بیٹھ جایا کرتے اور باتیں کرتے رہتے، یہاں تک میرے اور ان کے درمیان مکمل جان پہچان ہو گئی اور

میرے اور ان کے درمیان عجیب و غریب حکایات و کرامات پیش آئیں جن میں سے بعض کا ذکر

اشارہ کتاب میں آئے گا۔

میری ان سے ملاقات حضرت منصور سے پہلے ہوئی تھی کیونکہ ان سے میری ملاقات ۱۱۱۱ھ میں

ہوئی، یہیں ان کی وفات حضرت منصور کی وفات کے چند دن بعد ہوئی، ان کی وفات پر ان کے

امراء کا وارث بھی میں ہی بنا والحمد للہ۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کی صحبت مجھے حاصل ہوئی :-

۱۔ شیخ الشیوخ سیدنا خضر علیہ السلام۔

۲۔ عمر بن محمد ہوازی نادم و دوطہ علی بن حرزیم، بر وصیت خضر علیہ السلام۔

۳۔ عبداللہ برنادی۔ ان سے میری ملاقات تخرج صدر بافتح سے دوسرے دن ہوئی۔

۴۔ منصور بن احمد۔

۵۔ محمد لہواج۔ رحمہ اللہ علیم اجمعین

مؤلف کتاب احمد بن المبارک کہتا ہے لیکن حضرت و باغ کو دیگر ادیب

کامین کی بھی ملاقات و صحبت نصیب ہوئی اور حضرت ممدوح ان کے

امراء بالینہ کے وارث ہوئے ان بزرگوں کا ذکر اثنائے کتاب میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ منجمد ان کے

غوث وقت حضرت احمد بن عبد اللہ مصریٰ ہیں، چنانچہ میں نے حضرت ممدوح کو یہ فرماتے سنا کہ جس روز میں دیوان رمیس (قطاب و اغواث) میں داخل ہوا ہوں اس دن مجھ سے احمد بن عبد اللہ اور اسی طرح دیگر اہل دیوان نے بجز اس کے کوئی بات ہی نہیں کی کہ مجھے کتمان میر کی تاکید کرتے رہے۔ حتیٰ کہ احمد بن عبد اللہ نے تمامی اہل دیوان کو حکم فرمایا کہ اس بارے میں ایک ایک واقعہ مجھے سنائیں۔ چنانچہ ان حضرات نے تقریباً ۲۰۰ (دوسو) واقعات مجھے سنائے، ان میں آٹھ واقعات میں نے حضرت ممدوح سے سنے تھے لیکن یہاں صرف پانچ درج کئے جاتے ہیں۔

کتمانِ سر کے بارے میں پہلی حکایت

پہلی حکایت احمد بن عبد اللہ غوث کی ہے۔ فرمایا۔ میرا ایک مرید تھا اور اس کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ ایک دن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان اس کو سنانے لگا کہ بیٹا اگر سیدنا محمد صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کا نور نہ ہوتا تو زمین کے اسرار میں سے ایک پتر بھی ظاہر نہ ہوتا۔ وہ نورِ معظم نہ ہوتا تو نہ کوئی چشمہ اُبھرتا نہ کوئی دریا بہتا۔ بیٹا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک مارچ کے مہینے (شروع موسم بہار) میں تین مرتبہ تمام بیجوں پر مکتا ہے جس کی برکت سے اُن میں پھل آتا ہے۔ اگر نورِ محمدی نہ ہوتا تو کوئی تخم بھی پھل نہ لاتا۔ بیٹا! سب سے کم درجہ کا ایمان اس شخص کا ایمان ہے جو اپنے ایمان کو ہاٹ بلکہ ہاٹ سے بھی بڑا سمجھے اور وہ اپنے آپ کو اوروں سے زیادہ حق دار سمجھے، لیکن ذاتِ انسانی بسا اوقات ایمان کے بوجھ کو اٹھانے سے عاجز آکر اُسے پھینک دینے کا ارادہ کرتی ہے کہ دفعتاً نورِ محمدی مکتا ہے اور بارِ ایمان کے اٹھانے میں مددگار نہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے مومن کو ایمان شیریں اور پاکیزہ معلوم ہونے لگتا ہے اور وہ تباہ ہونے سے بچ جاتا ہے۔

جب میں اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کا ذکر کر رہا تھا اور اُن برکات کا ذکر کر رہا تھا جو آپ سے حاصل ہوئیں، یہاں تک کہ میں ذاتِ محمدی میں محو ہو گیا۔ مرید نے جب میری یہ حالت دیکھی تو کہا: اے میرے آقا! اسی نبی محترم کی جاہ کا واسطہ مجھے ستر عطا فرما دیجئے۔ میں نے باز رہنا چاہا مگر جب بڑی ذات کے جاہ کا واسطہ نظر کے سامنے آیا تو میں نے اس کی بات مان لی اور اسے راز دیدیا۔ مگر چند ہی دن گزرے تھے کہ لوگوں نے اس پر کفر کی گواہیاں دیں اور اسے قتل کر دیا گیا یہ شخص نوزِ عربوں میں سے تھا اور مصر کے ایک شہر میں محلہ کے ایک گوشہ میں رہتا تھا۔ مجھ سے ستر الہی کے کر دین چلا گیا، لوگ اس کے پاس آتے اور یہ ان کو اسرارِ الہیہ سناتے لگا جو ان کی عقلوں سے بالا تھے اس پر انہوں نے اس کے خلاف اُن باتوں کی شہادتیں دیکر جو اُس سے سُنی تھیں اسے قتل کر دیا۔

دوسری حکایت

ایک نے فرمایا میرا ایک مرید تھا جس نے ۱۲ سال میری خدمت کی اور مجھے اس سے بہت محبت تھی، حتیٰ کہ میرا ارادہ تھا کہ اپنی لڑکی کی شادی اس سے کر دوں۔ میں ہر جہتے میں تین دن کے لیے بستی چھوڑ کر ساحل سمندر پر جا بیٹھتا، ایسا اتفاق ہوا کہ ان غائب رہنے کے دنوں کے اندر عید آگئی۔ میرے چھ لڑکے اور تین لڑکیاں اور ایک خادم تھا جب میں گھر آیا تو دیکھا کہ اس نے سب کے لیے کپڑے سلوائے اور جس جس چیز کی ضرورت تھی وہ بھی خرید دی۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ جب وہ میرے سامنے آیا تو محبت و عقیدت سے ملا اور درخواست کی کہ اسے ستر الہی عطا کر دوں اور اس پر بڑا اصرار کیا۔ چنانچہ میں نے اسے بدلہ درخواست ستر الہی دیدیا۔ ابھی چالیس دن ہی گزرے تھے کہ لوگوں نے اُس سے ایسی راز کی باتیں سنیں جنہیں عوام کی عقلیں باور نہیں کر سکتی تھیں، ان کی شہادتیں بھم پہنچائیں اور اسے پھانسی دیا گیا۔

تیسری حکایت

ایک۔ اس کی خدمت اور حسن معاشرت کی وجہ سے مجھے اُس سے بہت محبت تھی۔ وہ میرا ہم محلہ اور ہمسایہ بھی تھا۔ میری بیوی اکثر بیمار رہا کرتی، وہ اپنی خوبصورت بیوی کو میرے گھر لے آیا کرتا تھا۔ جو کام میری بیوی نہ کر سکتی اس کو وہ انجام دیا کرتی۔ غرض دونوں میاں بھائی ہماری خدمت میں لگے رہتے۔ اسی وجہ سے مجھے اس سے بڑی محبت تھی۔ ایک دن میں ایک جگہ کھڑا تھا کہ وہ اپنی چھوٹی سی بچی کو لیکر آیا جس کے ہاتھ میں قرآن مجید تھا۔ مجھے پتہ بھی نہ چلا کہ کیا کیا دیکھتا ہوں کہ بچی میرے پاؤں پر ٹپکی ہے اور قرآن مجید اس کے ہاتھ میں ہے۔ میں نے پیچھے ہٹ کر کہا: اے شخص! آخر تو کیا چاہتا ہے؟ تو بہت بڑا واسطہ لایا ہے۔ بولا "مجھے آپ ستر الہی عطا فرمادیں" میں نے کہا "اے بچہ میں اس کی برداشت کی طاقت نہیں۔ ستر الہی تو ایک بڑی چیز ہے۔ صرف وہی اس کے اٹھانے کی طاقت رکھ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ قوت دے اور اس کے ساحل کو دو تہائی آدمی واہ واہ کہتے ہیں اور اسی میں اس کی ہلاکت و موت ہوتی ہے۔ اُس نے کہا آپ عطا فرمادیں میں ضرور برداشت کر لوں گا۔ غرض اس کی بیوی کی خدمتوں پر اور اُن تعلقات و حقوق پر جو اس کے میرے ساتھ قائم تھے۔ نیز معصوم بچی اور کلام اللہ کا واسطہ لانے پر نظر کرتے ہوئے میں نے ہاں کر لی اور اسے ستر الہی دے دیا (شیخ فرماتے ہیں) اُس نے ستر الہی بغیر ذات کے لیا تھا اور جس کو بھی ستر الہی بغیر ذات کے ملا کرتا ہے وہ اس کو تباہ کر دیتا ہے۔ میں نے عرض کیا ذات سے کیا مراد ہے؟ فرمایا کہ پیر کی ذات اور اس کے اسرار اور یہ پیر کی وفات کے بعد بھی مرید کی طرف منتقل

ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ولی ستر تو دے سکتا ہے، لیکن ذات نہیں دے سکتا۔ ذات صرف خدا ہی دے سکتا ہے۔ الحاصل اس نے ستر لیا اور چلا گیا اور تین دن تک اپنے پیر سے غائب رہا ابھی تین دن گزرے تھے کہ اپنے پیر کی شان میں کہو اس کرنے لگا۔ کسی نے اگر پیر کو اطلاع دے دی کہ آپ کا فلاں مرید آپ کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ پیر نے تغافل برتا، لیکن اس پر آزمائش کا وقت آتا رہا۔ چنانچہ اسی گمراہی اور تاریکی میں اُس نے کچھ عرصہ گزارا کہ ایک قافلہ آیا اور یہ اُس کے ساتھ بحرِ سفر میں چلا گیا۔ وہاں جا کر قید ہو گیا، پھر عیسائی ہو گیا (خدا بچاتے) یہ بد بختی اُسے اس لیے حاصل ہوئی کہ اس نے ستر کو قبل از وقت لینا چاہا جس کے عتاب میں وہ اسلام سے بھی محروم ہو گیا۔ ہم اللہ سے سلامتی چاہتے ہیں۔

چوتھی حکایت

ایک صاحب نے فرمایا: میں اور ایک اور آدمی دینی بھائی تھے، ایک مرتبہ ہم نے یہ طے کیا کہ سفر کو نکلیں اور کسی اللہ کے ولی کی تلاش کریں جو ہمارا ہاتھ پکڑے اور ہمیں اللہ سبحانہ کے راستہ پر چلائے۔ چنانچہ ہم سیاحت کرتے رہے تا آنکہ اللہ نے ہماری ملاقات اپنے ایک ولی سے کرادی۔ یہ بزرگ شریف (ایک قسم کا کھانا) کی دکان کرتے تھے چنانچہ ہم میں سے ایک آگ بجلیا کرتا اور دوسرا شریف تول کو گاہکوں کو دیا کرتا اور شیخ شریف کا یا کرتے، ہم مدت تک یہی کرتے رہے۔ پھر شیخ کی موت کا وقت قریب آگیا اور ایک بار تو اُن کے حواس بھی جاتے رہے دینی بھائی نے اگر شیخ سے درخواست کی کہ مجھے ستر عطا فرمائیں۔ شیخ نے فرمایا تو ابھی اس کی طاقت نہیں رکھتا، پھر کہا آپ کو ضرور دینا ہو گا۔ شیخ نے میری طرف دیکھا اور کہا کیا تو راضی ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت اگر آپ کی مرضی ہے تو میں بھی راضی ہوں۔ فرمایا تو راضی ہو جا، خدا تجھے اس کا بدلہ اپنے پاس سے دیگا۔ چنانچہ میں راضی ہو گیا اور اس نے ستر لے لیا۔ دو دن کے بعد شیخ کی وفات ہو گئی اور میرا دینی بھائی اپنے وطن چلا گیا اور میں شیخ کی دکان پر خدمت کرتا رہا جو کچھ کانا اُسے شیخ کے گھر والوں پر صرف کرتا، اُن کی ایک بیوی۔ تین روکیاں اور ایک روکا تھا۔ میں دکان پر بارہ سال کام کرتا رہا اور مجھ میں اب بھی شیخ کی پہلی کی سسی محبت تھی۔ اس میں ذرا بھر بھی کمی واقع نہ ہوئی تھی، جب بارہ برس گزر گئے تو شیخ کی بیٹیوں کی شادیاں ہو گئیں اور وہ اپنے اپنے گھر چلی گئیں۔ شیخ کا بیٹا مغرب کو چلا گیا اور شیخ کے بھائی نے اُن کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ جن سے تعلق تھا کوئی بھی نہ رہا، میں کچھ تنگ دل سا ہوا اور اپنے وطن واپس آنے کا ارادہ کیا جو کچھ میرے پاس تھا میں نے بیچ ڈالا اور سامان

لے مقصد یہ تھا کہ اصل مقدار ادا ہو تو رہے لیکن تیرا سہہ نہیں اس لیے اگر تو راضی ہو تو اُسے دیا جائے۔

سفر تیار کر لیا۔ اب صرف شیخ کی قبر کی زیارت کو رہ گئی تھی جب میں شیخ کی قبر کی زیارت کیلئے گیا اور یہ آبادی سے دُور ایک وحشت ناک جگہ پر تھی۔ زیارت کرنے کے بعد واپس آنے لگا تو میرے دل نے کہا: افسوس کیا تو ہمیشہ کے لیے اپنے شیخ کی قبر کو چھوڑ کر جا رہا ہے؟ میرے دل میں شیخ کے لیے دُلوں پیدا ہوا۔ چنانچہ میں واپس آگیا اور کچھ دیر اور وہاں رہا۔ پھر واپس آنے لگا تو دوبارہ مجھ پر دہشت غاری ہوئی پھر واپس آیا اور زوال تک وہاں رہا۔ پھر لوٹنے کا ارادہ کیا تو وہی پہلی کیسی حالت ہوئی۔ اس پر میں رات ہونے تک وہاں رہا، میں شیخ کی محبت کی وجہ سے رو رہا تھا۔ پھر میں نے قبر پر ہی رات گزاری اور میری بے چینی اور شیخ کی محبت بڑھتی گئی، یہاں تک کہ فجر ہو گئی اُس وقت حضرت خضر تشریف لائے اور مجھے ذکر تلقین فرمایا اور اللہ نے فتح (شرح صدر) نصیب کی اور میں اپنے وطن کو روانہ ہوا۔ راستہ میں اپنے دینی بھائی کے وطن سے گذر ہوا۔ جب میں اس شہر میں پہنچا تو دیکھا کہ لوگ ایک شخص کو جلانے کے لیے ایندھن جمع کر رہے ہیں۔ میں اُس شخص کو دیکھنے کے لیے گیا، دیکھا تو وہی میرا دینی بھائی تھا۔ میں نے ایندھن جمع کرنے والوں سے پوچھا کہ اس نے کیا قصور کیا ہے؟ کہنے لگے یہ ایسا، ایسا کہتا ہے، یعنی اسرار الہیہ میں سے ایک راز کا اس نے افشاء کیا ہے جس کی عقولِ عامہ متحمل نہ ہو سکیں۔ انہوں نے علماء سے استفتا کر لیا اور علماء نے اس کے جلانے کا فتویٰ دیا۔ میں اپنے بھائی کی طرف آگے بڑھا۔ میں نے تو اُسے پہچان لیا تھا، لیکن وہ اپنی مصیبت کی وجہ سے مجھے نہ پہچان سکا۔ میں نے اُس سے پوچھا، تجھے کس لیے جلا رہے ہیں؟ کہا انہوں نے مجھے ایسا کہتے سنا ہے اور میں نے تو سچی بات کہی ہے۔ میں نے کہا کیا تو نے اس کے علاوہ بھی کچھ کہا ہے؟ کہنے لگا نہیں اور کچھ بھی نہیں کہا۔ اب میں نے مجمع کی طرف منہ کر کے کہا: جب تک میں سلطان کے پاس سے واپس نہ آ جاؤں اس وقت تک تم ہاتھ روکے رکھنا۔ میں سلطان کے پاس اس کے متعلق بات کرنے جا رہا ہوں۔ میں سلطان سے عرض کروں گا کہ اس شخص پر قتل کا حکم صحیح نہیں۔ لہذا تم میرے آنے تک صبر کرو اور اگر کسی نے کوئی کارروائی کی تو اس کی اپنی جان کی خیر نہیں کہو نہ کہ مجھے امید ہے کہ جب میں سلطان سے بات کروں گا تو وہ ضرور اپنا حکم واپس لے لیں گے۔ سب نے کہا بہتر۔ جب تک آپ واپس نہ آئیں گے ہم کچھ نہ کریں گے۔ چنانچہ میں سلطان کے پاس پہنچا، دیکھا کہ علماء اس کے پاس ہیں اور اسی شخص کا تذکرہ ہو رہا ہے اور اس کو اس کے قتل پر ابھار رہے ہیں۔ میں نے عرض کی: والا جاہ! خدا آپ کا ناصر و مددگار ہو اور ہر معاملے میں آپ کو اپنے محبوب و پسندیدہ راستہ پر چلاتا رہے دیکھے ہر انسان پر تین سو چھیاسٹھ فرشتے تعینات ہیں جو شخص کسی ایک ذات کو بھی ناحق قتل کر لیا

تو مقتول کی ذات کے فرشتوں کی اتنی کثیر تعداد کا اس کے سوا کوئی مشغلہ نہیں ہوتا کہ قاتل پر لعنت کرتے رہیں کہ اس نے ذات کو قتل کر کے اُن کو بلاوجہ باہر نکالا ہے اور ظاہر ہے کہ فرشتوں کی دُعا مقبول و مستجاب ہے لہذا والا جاہ کو اس بددعا سے بچنا چاہیے۔ مزید برآں ہر ذات پر سات بزرگ فرشتے بغرضِ محافظت و کتابتِ اعمال تعینات ہیں۔ پس جب کوئی ذات بلاوجہ قتل کی جائے تو ان فرشتوں کا اب صرف یہی کام ہوتا ہے کہ مقتول کے اعمال نامے سے اس کی خطاؤں کو منتقل کر کے قاتل کے اعمال نامے میں لکھ دیں اور قاتل نے جو بھی عمل نیک کیا جو وہ اس کے اعمال نامے سے منتقل کر کے مقتول کے اعمال نامے میں درج کریں۔ قاتل کے مرتے دم تک اُن کا یہی شغل رہتا ہے پھر اُس کے مرنے کے بعد اس کی بدیوں کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور فرشتوں کا ذکر بارش کا حکم رکھتا ہے۔ ہر ذکر کے ساتھ خیر نازل ہوتی ہے، لیکن اگر کسی کا بدی سے نام لیں تو اس پر بُرائی نازل ہوتی ہے لہذا مقتول کا تذکرہ بھلائی کے ساتھ کرتے ہیں اور اس پر خیر و برکت کا نزول ہوتا رہتا ہے اور قاتل کا تذکرہ بُرائی کے ساتھ کرتے رہتے ہیں اور اس پر آفات برستی رہتی ہیں۔ اسے بادشاہ کیا آپ اس سے نہیں ڈرتے، بادشاہ نے جواب دیا کہ ان علماء نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ انہوں نے قتل کا فتویٰ دینے میں جلدی کی ہے۔ انہیں چاہیے تھا کہ اس کے لفظ اور نیت دونوں پر غور کر لیتے۔ اگر الفاظ اس کے قتل کا تقاضا کرتے ہوں تو اس کی نیت و مراد معلوم کی جاتی ہے۔ اگر اس کی نیت صحیح ہوئی تو اس پر قتل کا حکم نہیں لگ سکتا ہے لہذا کسی کو بھیج کر اُس شخص کو بلوایا جائے اور اس کی نیت معلوم کر لی جائے علماء نے کہا ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ اور ہمیں اس پر ضرور عمل کرنا چاہیے۔ چنانچہ اُسے بلایا گیا اور اس سے پوچھا گیا کہ تمہاری اس سے کیا مراد تھی؟ دیکھا تو اس کی مراد درست تھی جس سے اس پر قتل کا حکم نہ دیا جاسکتا تھا لہذا اسے رہا کر دیا گیا۔

میں نے حضرت و تباغ سے دریافت کیا کہ رہا ہونے کے بعد کیا ہوا؟ فرمایا جس بھائی نے اسے رہا کر لیا تھا اسی نے اس کا ترس لب کر دیا اور اسے منہجہ عوام کے بنا دیا اور تمام وہ میر جو شیخ نے اسے عطا کیا تھا، اُس سے لے لیا۔

میں نے عرض کیا کہ پہلے اور دوسرے قسے والوں کا قتل ہونے کے بعد کیا انجام ہوا؟ فرمایا: اُن کی موت ولایت پر ہوئی مگر تیسری حکایت والا کفر پر مرا۔

پانچویں حکایت | ایک نے کہا میرا ایک مُرید تھا جو بارہ برس سے میری خدمت کر رہا تھا

مرید سخی اور صاحب کرم بھی تھا اس نے مجھ پر اور اپنے غریب برادران طریقت پر ایک بھاری رقم خرچ کر دی تھی۔ میرا ایک بھائی شاہی ملازم تھا۔ ایک مرتبہ سلطان اس پر ناراض ہو گیا اور اسے اس قدر بھاری جرمانہ کر دیا جس کے ادا کرنے کی اس میں طاقت نہ تھی۔ چونکہ عام لوگ میری تعظیم و تکریم کرتے تھے اس لیے حکومت مجھے کوئی نقصان نہ پہنچا سکی۔ مرید نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر کہا کہ حضرت یا تو مجھے ستر عطا کر دیجئے یا جو رقم کثیر میں نے آپ پر اور آپ کے ساتھی فقیروں پر خرچ کی ہے وہ سب ادا کیجئے ورنہ تمہیں حکومت میں بلا لیں گے ان تینوں میں سے جو بات پسند ہو اختیار کریں، میں نے کہا: ارے اللہ سے ڈر۔ اللہ تعالیٰ تجھے غریب ستر عطا کر دے گا، جیسا کہ تو چاہتا ہے بلکہ تیری توقع سے بھی زیادہ۔ اگر تجھے میرے کلام میں شک ہو تو میں اللہ کا عہد و میثاق دیتا ہوں مگر میری ایذا رسانی پر برا لگے گی اور بھی زیادہ ہو گئی اور کہنے لگا: خدا کی قسم جب تک تمام وہ رقم جو میں نے تم پر خرچ کی ہے نہ دوں گے، نہیں چھوڑوں گا ورنہ تمہیں حکومت میں بلا لوں گا اور اگر حکومت کو پتہ چل جاتا تو مجھ نہ چھوڑتے۔ اس نے بطریق سابق مجھ سے کلام کیا اور وہی الفاظ دہرائے، پھر میں نے سر بسجود ہو کر اس کے لیے ستر کی دعا کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے ستر عطا فرمادیا، ابھی تھوڑے دن ہی گزرے تھے کہ اسے ایک چیز دکھائی دی جس کو اللہ نے تمام بندوں کی عقلوں سے مخفی رکھا تھا۔ کیونکہ وہ اسے برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔ یہ شخص راز کی باتیں لوگوں سے بیان کرنے لگا لوگوں نے اس سے یہ باتیں سنکر اس کے خلاف شہادتیں دیں اور اسی وقت اسے قتل کر دیا اور اگر وہ صبر کرتا یا ہاں تک کہ اسے ستر ذات حاصل ہوتا جس سے ستر ولایت ہمیشہ ساتھ رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے توفیق بخشا اور اسرار ولایت کا کبھی تذکرہ نہ کرتا لیکن جب اس نے عجلت کی تو اللہ نے اسے سزا دی اس پر میں نے حضرت شیخ سے پوچھا یہ شخص کس حال پر مرا، فرمایا۔ ولایت ہی پر مرا اس پر میں نے اللہ کا شکریہ ادا کیا۔ جو اسرار ان لوگوں کی موت کا سبب بنے ہیں نے اپنے شیخ سے سب سے تھے مگر ان کو اس لیے تحریر نہیں کیا کہ یہ وہ اسرار الہیہ ہیں جو قابل بیان نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں کے کرنے کی توفیق دے جنہیں وہ پسند کرتا ہے ہمارے شیخ کی برکت سے اور اس کی پاک نسب کی برکت سے۔ آمین
ہم اتنی ہی حکایات پر اکتفا کرتے ہیں تاکہ لوگ اگلا نہ جائیں۔ خدا توفیق دینے والا ہے۔

اصل کتاب میں مخزن کا نقل ہے جو راکشی زبان میں حکومت (Goverment) کے معنوں میں مستعمل ہے۔

(انسائیکلو پیڈیا آف اسلام۔ مقالہ مخزن)

تیسری فصل

شیخ کی بعض کرامات کا بیان

یاد رکھیں کہ ہمارے شیخ عجیب و غریب ہستی تھے اور ایسے انسان کو کرامت کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ آپ تو مجسم کرامت تھے کیونکہ بوجہ اُچی محض ہونے کے کہ قرآن تک بھی حفظ نہ تھا چہ جائیکہ کوئی علم پڑھا ہو اور باوجودیکہ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کسی مجلس درس میں آپ کو دیکھا نہ گیا تھا پھر بھی ایسے علوم پر بحث کرتے تھے جن پر بحث کرنے سے بڑے بڑے فاضل بھی قاصر ہوں اور جو کچھ بھی فرماتے مقبول و منقول کے مطابق ہوتا۔

کرامتِ اول سلامتِ عقیدہ

سب سے پہلے ہم اس کرامت کا ذکر کرتے ہیں جس سے بڑھ کر کوئی کرامت نہیں اور وہ صحیح العقیدہ ہونا ہے۔ جب مجھے آپ کی صحبت نصیب ہوئی تو میں نے آپ سے توحید کے متعلق آپ کا عقیدہ دریافت کیا۔ آپ نے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بیان فرمایا اور اس میں سے ایک بات بھی نہ چھوڑی۔ ایک بار فرمایا کسی بندہ کو فتح (کشفِ صدر) نصیب ہی تب ہوتی ہے کہ وہ اہل سنت والجماعت کے عقیدے پر ہو اور اللہ کا کوئی ولی بھی کسی دوسرے عقیدے کا نہیں ہوا۔ اور اگر فتح سے پہلے کسی دوسرے عقیدے پر تھا بھی تو فتح کے بعد اس کے لیے اس عقیدے سے توبہ کرنا اور اہل سنت کے عقیدے پر آنا ضروری ہے۔ میں (احمد بن المبارک) کہتا ہوں کہ بدر الدین زکریا نے تاج الدین السبکی کی کتاب مجمع الجوامع کی شرح میں ایسا ہی ذکر کیا ہے۔

میں نے حضرت ممدوح کو ہمیشہ اہل سنت کی تعریف کرتے ہوئے سنا۔ فرماتے تھے کہ مجھے اہل سنت نے بدر الدین زکریا، بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزکریا، شافعی بزرگ ہیں ان کی وفات ۷۴۹ھ ۷۵۰ھ میں ہوئی انہوں نے تاج الدین سبکی کی کتاب مجمع الجوامع کی شرح لکھی ہے جس کا نام تشییف المسامع رکھا (کشف الظنون ۳۶۱)۔
مے ابو نصر عبد الوہاب بن علی تاج الدین سبکی ۷۴۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۴۸ھ ۷۴۹ھ میں وفات پائی، یہ شافعی بزرگ تھے اور انہوں نے بہت سی تصانیف کیں۔ ان کی مجمع الجوامع اصول فقہ کی کتاب ہے۔

سے بہت زیادہ محبت ہے اور اللہ سے دعا مانگا کرتا ہوں کہ ان ہی کے عقیدے پر وفات ہو۔
 پھر یہاں سے دیگر مذہب والوں کے شبہات پیش کرتا۔ آپ ان شبہوں کو بڑی اچھی طرح
 سے سمجھ لیتے اور پھر اس طرح ان کا جواب دیتے گویا کہ کوئی اپنی آنکھوں سے تمام امور کو دیکھ رہا ہو
 چنانچہ ہم نے امر بلبیت اور برتر الوہیت کی وہ باتیں ان سے سنیں جو نہ کبھی آنکھوں نے دیکھیں
 نہ کانوں نے سنیں اور نہ کبھی ہماری عقلوں پر ان کا گزند ہوا۔ حالانکہ معقول و منقول کے حاصل
 کرنے میں اس قدر زور لگایا تھا، یہاں تک کہ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ توفیق بخشنا اور وہ ان باتوں کا
 آپ سے مذاکرہ کرتا اور اہل ہوا فرقوں کے شبہوں کے جواب مستطوات سے توجہ ایمان حاصل ہو جاتی اور وہ
 اس قابل ہو جاتا کہ بہتر فرقوں کے شبہات کو منکر کر سکتا۔

ایک مرتبہ کشف و عیان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ہم تو انہی باتوں پر ایمان لاتے ہیں
 جنہیں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ کیا بے دیکھی چیز پر بھی کوئی ایمان لا سکتا ہے؟ اس لیے
 کہ دوسرا تو بغیر دیکھے دور نہیں ہو سکتے۔

پھر میں نے آپ سے احادیث صفات کے متعلق دریافت کیا کہ سلف
 کے طریقے کے مطابق ان میں "تقلوین" واجب ہے یا "تاویل" جیسا کہ
 متعلق سوال

خداوندی اس قدر عظیم ہے کہ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے اور نہ ہی اس کی کسی ایک بات کی حقیقت
 لے۔ احادیث الصفات وہ احادیث ہیں جن میں اللہ کے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، انگلی وغیرہ کا ذکر آیا ہے مسلمانوں
 کے عقیدے کے مطابق خدا کا کوئی جسم نہیں کہ اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ ہوں، لیکن اس کے باوجود خود قرآن مجید
 میں بھی اور احادیث میں بھی اللہ کی طرف ہاتھ پاؤں وغیرہ منسوب کئے گئے ہیں۔ اس بارے میں محدثین کے دو
 گروہ ہو گئے۔ ایک متقدمین کا اور دوسرا متاخرین کا۔ متقدمین نے معاملہ خدا اور رسول پر چھڑا اور
 کہہ دیا کہ ہم علم نہیں۔ ہم تو اسی طرح مانتے ہیں جیسا کہ ان احادیث میں آیا ہے۔ ان کی حقیقی کیفیت
 کا علم خدا کو ہی ہے۔ اسے "تقلوین" کہتے ہیں یعنی "معادہ کو خدا کے سپرد کر دینا"۔ متاخرین ان احادیث کی تاویل
 کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہاتھ سے مراد قوت ہے۔ سنتے سے مراد علم ہے وغیرہ اور یہ دونوں طریقے اہلسنت
 کے ہیں۔ حضرت سے بھی پوچھا گیا تھا کہ ان میں سے ستر کون سا طریقہ ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ سوال کون شخص کر رہا
 ہے۔ سوال کرنے والا ایک عالم ہے اور پھر ہے بھی اہل باطن میں سے، جواب دینے والا غوث زمان ہے لہذا ان کا جواب
 اہل دل کے لیے زیادہ ضروری ہے اب رہے عوام اور اہل ظاہر تو ان کے لیے "تاویل" کا طریقہ زیادہ مناسب ہے۔

تک پہنچ سکتے ہیں۔

احادیث صفات کے متعلق مؤلف کی تشریح

میں کہتا ہوں کہ تفویض ہی مذہب ہے، امام مالکؒ، سفیان عینیؒ، سفیان ثوریؒ، حماد بن زیدؒ، حماد بن سلمہؒ، شعبہؒ، شریکؒ، ابو عوانہؒ، ربیعہؒ،

(۱) امام مالکؒ: اہل سنت کے دوسرے امام: مالک بن مالک بن انس۔ امام مالکؒ مدینہ میں ۱۵۰ھ

سلسلہ میں پیدا ہوئے۔ تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ وہ حدیث کے امام ہیں۔ انہوں نے مدینہ ہی میں قیام کیا اور وہاں سے کسی دوسرے شہر میں نہیں گئے۔ ان کی وفات ۱۷۹ھ ۲۵۰ھ میں ہوئی۔

(۲) سفیان عینیؒ: ابو محمد سفیان بن عیینہ کوفہ میں ۱۷۰ھ ۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے انہوں نے چار برس کی عمر میں قرآن حفظ کیا اور سات برس کی عمر میں حدیث لکھی۔ ان کا شمار کبار محدثین میں ہوتا ہے ۱۹۸ھ ۲۱۳ھ میں اکانوے برس کی عمر میں مکہ میں وفات پائی۔

(۳) سفیان ثوریؒ: سفیان بن سعید ثوری۔ انہیں حدیث کا امیر المومنین کہا جاتا ہے ۹۴ھ ۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۵۵ھ ۲۵۰ھ میں کوفہ سے بصرہ چلے گئے اور وہیں ۱۶۱ھ ۲۵۰ھ میں وفات پائی نہایت ہمایاں و زاہد تھے۔

(۴) حماد بن زیدؒ: مشہور ثقہ راوی اور عالم تھے انہوں نے نہایت بانی وغیرہ سے روایت حدیث کی اور ان سے عبداللہ بن مبارکؒ اور دیگر محدثین نے۔ یہ نابینا تھے۔ ۱۹۹ھ ۲۱۳ھ میں وفات پائی۔

(۵) حماد بن سلمہؒ: حماد بن سلمہ بن دینار۔ مشہور بصرہ کے عالم عبداللہ بن علیؒ کے بھانجے تھے انہوں نے کثرت روایت حدیث کی۔ ان کی وفات ۱۶۴ھ ۲۵۰ھ میں ہوئی۔

(۶) شعبہؒ: شعبہ بن جراح انہیں امیر المومنین فی الحدیث والروایۃ کہا جاتا تھا۔ نہایت عابد و زاہد تھے۔ ان کے اقوال مشہور ہیں ۱۷۰ھ ۲۵۰ھ میں ستانوے برس کی عمر میں وفات پائی۔

(۷) شریکؒ: شریک بن شہاب۔ ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے مگر یہ نیکو مشہور نہیں ہیں۔ ۱۸۰ھ ۲۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۸) ابو عوانہؒ: ابو عوانہ و صاح بن خالد الزائر حافظ حدیث اور ثقہ تھے۔ انہوں نے حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ سے ملاقات کی، امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں ان کی کھٹی ہوئی حدیثیں صحیح ہیں مگر جب حافظ سے حدیث بیان کرتے ہیں تو انہیں وہم پیدا ہو جاتا ہے ۱۷۰ھ ۲۵۰ھ میں بصرہ میں ان کی وفات ہوئی۔ محدثین میں ایک اور

حافظ حدیث ابو عوانہؒ ہیں جن کا نام یعقوب بن اسحاق اسفرائینیؒ ہے انہوں نے ایک صحیح احادیث کی سند سلم (بقیہ حاشیہ کے منظر میں)

الا ذراعی، ابو حنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل، ولید بن مسلم، بخاری، ترمذی، ابن المبارک، ابن ابی حاتم، اور یونس بن عبد الاعلیٰ کا۔

(بقیہ ماضیہ صفحہ سابقہ)

صبح کے طرز پر لکھی ہے۔ ان کی وفات ۳۱۵ھ و ۳۲۸ھ میں ہوئی۔

(۹) ربیعہ: ربیع بن ابی عبدالرحمن مدینہ کے نقباء میں سے تھے۔ ان سے امام مالک نے روایت کی ہے ۱۲۶ھ بطلان ۲۵۰ھ میں وفات پائی۔

(سوائی صفحہ ہذا)

(۱) الا ذراعی: عبدالرحمن بن عمرو الا ذراعی ۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۸ھ میں وفات پائی۔ ان کی وفات اس طرح ہوئی کہ یہ بیروت میں حمام میں گئے اور حمام والا دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ واپس آیا تو یہ مرے پڑے تھے۔ خلفاء ان کی بہت تعظیم کرتے تھے۔

(۲) ابو حنیفہ: ابو حنیفہ نعمان بن ثابت: ان کی پیدائش ۲۴۰ھ میں ہوئی اور ۲۴۵ھ میں وفات پائی۔ اہل سنت کے چلے امام ہیں اور ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے زہد و تقویٰ میں بے نظیر تھے

(۳) شافعی: محمد بن ادیس شافعی: اہل سنت کے تیسرے امام ہیں ۲۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۳۴ھ میں وفات پائی۔ آثار حدیث پر سختی سے کاربند تھے۔ ان کے مناقب بے شمار ہیں۔

(۴) احمد بن حنبل: ابو عبداللہ احمد بن حنبل: اہل سنت کے چوتھے امام ہیں۔ امام شافعی کے شاگرد تھے علم و تقویٰ میں اپنے زمانے میں نظیر نہ رکھتے تھے ۲۴۱ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے اور ۳۴۱ھ میں وفات پائی۔

(۵) ولید بن مسلم: امام اور حافظ حدیث تھے۔ ان کی پیدائش ۲۱۹ھ میں ہوئی امام احمد بن حنبل سماع و غیرہ ان سے روایت کی۔ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں فرماتے ہیں کہ ان کے علم اور حافظہ میں کوئی کلام نہیں مگر یہ تمکین کرتے ہیں۔ اسی لیے جب تک صراحتہ سماع کا ذکر نہ کریں ان کی حدیث کو دلیل نہ سمجھنا چاہیے۔ ۲۵۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

(۶) بخاری: ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری ۲۴۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۶ھ میں وفات پائی۔ ان کی کتاب صبح بخاری کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔ بڑے سخی اور زاہد عالم تھے۔

(۷) ترمذی: محمد بن عیسیٰ ترمذی ۲۴۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۰ھ میں وفات پائی۔ ترمذی کے علم و تقویٰ میں بے نظیر تھے۔ ان کی کتاب جامع ترمذی صحاح ستہ میں شمار کی جاتی ہے۔ (بقیہ ماضیہ صفحہ ہذا)

اور سی قرون خلافت کے لوگوں کا قول ہے جو بہترین و افضل لوگ ہیں۔ یہاں تک کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ فرماتے ہیں مشرق سے لیکر مغرب تک تمام فقہاء کا رب کی صفات کے بارے میں قرآنی آیات پر نیز ان احادیث پر جنہیں ثبوت لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے بلا تشبیہ و تفسیر ایمان ہے۔

امام الحرمین رسالہ نظامیہ میں کہتے ہیں۔ ان ظواہر کے متعلق علماء کے مسلک مختلف ہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اسی تفسیر کی جائے اور انہوں نے قرآن کی آیات اور صحیح حدیثوں میں اسی کا التزام کیا ہے لیکن آئمہ سلف کی یہ رائے ہے کہ ان کی تاویل سے باز رہیں اور ان کے معانی اللہ کے سپرد کریں۔ ہمارے نزدیک پسندیدہ رائے اور جو کچھ بھی اللہ کے متعلق ہمارا عقیدہ ہے وہ یہی ہے کہ آئمہ سلف کی تابعداری کی جائے کیونکہ اجماع امت کا حجت ہونا قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے اور اگر ان ظواہر کی تاویل کرنا ضروری ہوتا (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

(۸) ابن المبارک: عبد اللہ بن المبارک، علمدربائتین میں سے تھے۔ ان کی پیدائش ۱۱۵ھ ۲۲۳ھ میں ہوئی اور وفات ۱۸۱ھ ۲۹۹ھ میں۔

(۹) ابن ابی حاتم: ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم، علوم اور معرفت رجال میں انہیں سمندر سمجھا جاتا تھا۔ زائد تھے اور ان کا شمار ابدال میں ہوتا ہے۔ ان کی وفات ۲۲۴ھ ۲۹۳ھ میں ہوئی۔

(۱۰) یونس بن عبد اللہ الاطالی: عالم معروف تھے۔ ۲۸۵ھ ۳۹۳ھ میں ان کی پیدائش ہوئی۔ انہوں نے ورش و غیرہ سے قرآن پڑھا اور صفیان بن عیینہؒ، ادیب بن مسلمؒ وغیرہ سے حدیث سنی ان کی وفات ۳۶۳ھ ۴۷۱ھ میں ہوئی۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

(۱) محمد بن حسن شیبانی: واسطی ۳۲۰ھ ۴۲۸ھ میں پیدا ہوئے اور کوثر میں نشو و نما پائی، امام ابوحنیفہؒ کے مشور شاگرد ہیں۔ انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں ۱۸۹ھ ۲۸۳ھ میں مقام ربیعہ میں وفات پائی۔

(۲) امام الحرمین: ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ الجونی المعروف بہام الحرمین۔ اپنے والد سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور فقہ اصول اور کلام میں نیشاپور کے مشرقی کے امام ہو گئے، کم میں پانچ سال تک مہارت کی اور وہی سے امام الحرمین کا لقب حاصل کیا ان کی تصنیفات میں فقہ کی ایک کتاب نمایاں ہے۔ ان کی وفات ۳۹۴ھ ۴۷۱ھ میں ہوئی۔

عہ بلا تشبیہ و تفسیر سے مراد یہ ہے کہ وہ خدا کی ان صفات کی انسان یا غیر کے اعلا سے تشبیہ نہیں دیتے اور نہ ہی دینی چاہتے کیونکہ اللہ انسان کی طرح تو نہیں ہے اور نہ ہی اس کی تشریح کرتے ہیں۔

تو یقیناً ان کو ان لوہار کا فردِ شریعت سے زیادہ اہتمام ہوتا۔ لہذا جب صحابہؓ اور تابعینؓ کا زمانہ اسی بات پر گذرا کہ وہ قادیل کرنے سے گریز کریں تو ہمارے لیے بھی یہی قابلِ اتباع طریقہ ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ قرونِ ثلاثہ کے لوگوں کا قول نقل ہو چکا اور وہ مثلاً یہ لوگ : الشوریؓ، الاوزاعیؓ، مالکؓ، لیثؓ اور ان کے ہم عصر لوگ اور ان کے شاگردوں کا بھی یہی مسلک ہے۔ لہذا جس بات پر قرونِ ثلاثہ کے لوگ متفق ہوں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق تمام قرون سے بہتر و افضل ہیں تو اس پر اعتماد کیسے نہ کیا جاتے، لہذا ہمارے شیخ کا عقیدہ وہی قرونِ ثلاثہ کے لوگوں کا عقیدہ ہے اور یہی سب سے بڑی کرامت ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام الدین ابن المنیرؒ کا قول ہے : صحیح عقیدہ پر استقامت ہی حتمی طور پر کرامت ہوتی ہے، برعکاس دیگر خوارق کے کیونکہ وہ کبھی رجعت ہوتے ہیں اور کبھی نشت۔

ان باتوں کے سننے کے بعد یاد رکھو کہ جس قدر کہ ہم نے حضرت شیخ کی کرامات اور کشف دیکھے ہیں وہ اساطیر سے باہر ہیں لہذا ہم یہاں کچھ تھوڑے سے ذکر کرتے ہیں۔

دوسری کرامت | شیخ سے ابھی میری ابتدا معرفت ہی تھی کہ میرا ایک بیٹا مر گیا اس کی والدہ کو اس کا بہت غم ہوا۔ اس سے پہلے ایک اور بیٹا مر چکا تھا، میں نے اسے تسلی دینی شروع کی اور کہیں میں نے خالقِ منفیہ کے بزرگ احمد بن عبد اللہ کو کہتے ہوئے سنا کہ جب میں بچوں کو لے ابن حجرؒ، ابن حجر عسقلانیؒ، صحیح بخاریؒ کے مشہر شارح ہیں۔ شرح کا نام فتح الباری ہے جس کا ذکر کئی بار اس کتاب میں آیا ہے انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے ایک اصحابی تیز الصغارؒ ہے۔ ۱۴۹۹ء میں وفات پائی۔

۴ قرونِ ثلاثہ سے مراد صحابہؓ و تابعینؓ اور تبع تابعین کا زمانہ ہے۔

۵ لیثؒ : لیث بن سعد الواحاشیؒ۔ یہ اہل مصر کے نقیب تھے۔ ۳۹۹ھ : ۴۱۱ھ میں مصر میں پیدا ہوئے۔ بہت سی مخلوق نے ان سے روایت حدیث کی۔ بہت بڑے مالدار تھے مگر کبھی زکوٰۃ فرض نہیں ہونے دی یعنی سب کچھ صدقہ و خیرات میں دے دیتے۔ ۴۱۵ھ : ۴۲۶ھ میں وفات پائی۔

۶ امام تاج الدین علی بن محمد بن المیزان سکندرانیؒ انہوں نے دس ضخیم جلدوں میں بخاری کی شرح لکھی ہے اور اسے بحال کی شرح پر حواشی لکھے ہیں ان کی ایک اور کتاب انتصاف ہے۔

۷ ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں ایمان اور اتباع سنت سے بڑھ کر کوئی کرامت نہیں ہو سکتی جیسے یہ حاصل ہو جائے اور بعد وہ کسی اور چیز کے نیچے پھرنے لگے تو وہ مغتری اور کذاب ہے رلواح الاولیاء فی طبقات الاولیاء (۶: ۲۵۰)

دیکھتا ہوں اور ان پر آئندہ اُترتے والی مصیبتوں کو دیکھتا ہوں تو ان پر مجھے رحم آتا ہے، لیکن جو بچے مر جاتے ہیں وہ ان نصاب سے بیخ جاتے ہیں اور تمہارا بچہ بھی مر گیا ہے (لہذا وہ آئندہ کی مصیبتوں سے بچ گیا) یا اسی طرح کی اور باتیں کہیں جن سے اسے تسلی ہو جاتے اور اسے صبر آ جاتے، دوسرے دن صبح کے وقت میں حضرت کی خدمت میں گیا۔ فرمایا:

تم نے کل رات اپنی بیوی سے ایسی ایسی بات کہی اور جو قول میں نے احمد بن عبد اللہ کا نقل کیا تھا وہی دہرایا، میں سمجھ گیا کہ جوابات گھر کے اندر مجھ سے واقع ہوئی اسے انہوں نے کشف سے معلوم کر لیا ہے۔

تفسیری کرامت

حضرت ممدوح سینے کی کسی تکلیف کے سبب لونگ کھایا کرتے تھے، لہذا ان سے لونگ کی خوشبو آیا کرتی تھی جب میں ان کے پاس ۱۰ کے وقت ہوتا تو اسے اکثر سونگھا کرتا جب آپ سانس لیتے تو لونگ کی خوشبو سانس کے ساتھ بھی آیا کرتی، پھر جب میں رات کو اپنے گھر میں ہوتا تو یہی خوشبو مجھے رات کو بھی آتی رہتی حالانکہ دروازے بند ہوتے اور حضرت محمد روح راس الجنان کے محلہ میں ہوتے اور میرا مکان بکرنفر کے محلہ میں تھا اور یہ خوشبو کسی بار نہیں آتی۔ میں نے اس پر غور کیا اور اپنی بیوی سے اس کا ذکر کیا۔ اسے بھی حضرت سے بڑی محبت تھی اور اسی طرح حضرت کو بھی اس سے بڑی محبت تھی۔ ایک مدت دراز تک یہ خوشبو آتی رہی۔ ایک دن میں نے حضرت سے ذکر کیا کہ آپ کی خوشبورات کے وقت نہیں آتی ہے اور ہم اکثر اسے سونگھتے رہتے ہیں۔ کیا آپ ہمارے پاس ہوتے ہیں؟ فرمایا "ہاں" میں نے ہنسی کے طور پر کہا کہ میں خوشبو کو پکڑنے کے بہانے آپ کو پکڑ لیا کروں گا۔ انہوں نے بھی ہنسی میں جواب دیا میں گھر کے کسی اور گوشہ میں ہوں گا۔ ایک بار پھر میں نے خوشبو کا ذکر کیا؟ تو فرمایا یہ تو سونگھنا ہوا، شوق کہاں ہے۔

ایک مرتبہ مجھے فرمایا۔ میں نہ دن کو نہ رات کو تم سے جدا ہوتا ہوں۔ ایک اور بار فرمایا: اگر ایک گھنٹے میں پانچ سو مرتبہ تمہارا خیال نہ کرتا ہوں تو تم مجھے خدا کے ہاں پکڑ لینا۔

ایک بار میں نے عرض کیا اے میرے آقا میں نے خواب میں اپنے آپ کو اور آپ کو ایک ہی کپڑے میں دیکھا ہے۔ فرمایا یہ تو سچا خواب ہے۔ آپ کا اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ وہ کبھی بھی نہ دن میں نہ رات مجھ سے جدا نہیں ہوتے۔

ایک بار فرمایا: آج رات تمہارے پاس آؤں گا، ذرا دھیان رکھنا۔ جب رات کا اعتبار ہوا

اور میں کچھ سو رہا تھا، کچھ جاگ رہا تھا، تو آپ آگئے جب آپ قریب آئے تو میں نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور بوسہ دینے کا ارادہ کیا۔ جب میں نے آپ کے ہاتھ اور سر کو بوسہ دیا تو آپ غائب ہو گئے۔

پونجی کرامت

ایک بار سلطان نے فرمان جاری کیا اور دو قاصد بھی ساتھ ہی بھیجے تاکہ میں مکان سے جا کر الریاض کی جامع مسجد میں امامت کروں۔ اس سے مجھے اس قدر پریشانی ہوئی جس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ حضرت کو اس کا علم ہوا تو فرمایا: درویش، جب تم مکان سے جاؤ گے تو میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا، لیکن ڈرنے کی کوئی بات نہیں، وجوہات سلطان چاہتا ہے وہ نہ ہوگی میں ان دونوں قاصدوں کے ساتھ مکان سے گیا۔ اللہ کی مرضی سے معاملہ خیر سے گذر گیا اور اسی طرح ہوا جس طرح کہ شیخ نے فرمایا تھا، میں فاس (فیض) میں اپنے گھر واپس آ گیا۔ جب میرے خسر نفیع محمد بن عمر نے میری آمد کا سنا تو مجھے لکھا: تم مکان سے گئے اور سلطان سے نہ ملے اور نہ باقاعدہ استعفا دیا، معلوم نہیں تم پر کیا عتاب نازل ہو۔ مناسب ہے کہ فوراً مکان سے واپس جاؤ اور سلطان سے منو۔ اور مسجد مذکور کی امامت پر رضامندی کا اظہار کرو۔ اس کے سوا کسی اور راستے پر عمل نہ کرنا۔ میں خط لے کر شیخ کے پاس آیا۔ فرمایا: اپنے گھر بیٹھے رہو۔ کسی قسم کا خطرہ نہیں اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ شیخ نے فرمایا تھا۔

یہ ایک عجیب و غریب کرامت ہے۔ اگر میں حکایت کو کھول کر بیان کر دوں تو اس کا انوکھا پن ظاہر ہو جائے۔ بیان تک کہ میں نے ایک قریبی دوست کو کہتے سنا کہ ہم نے اس سے عجیب قربات نہیں دیکھی۔ سلطان نے ہمیں بلا بھیجا اور تاکید بھی کی اور اپنے دو قاصد بھی بھیجے جو ہمیں لے کر آئے۔ پھر تم نے اُس سے ملاقات بھی نہیں کی اور سلطان کی پروا کئے بغیر فاس واپس چلے گئے۔ یہ عجیب بات ہے اور یہ سب حضرت کی برکت تھی۔

پانچویں کرامت

میری بیوی حاملہ تھی۔ حضرت نے فرمایا: لڑکا ہوگا۔ جب نواں مہینہ ہوا اور اس کی عادت نویں مہینہ کی ابتدا میں بچہ جنم لینے لگی تھی۔ اسے درد اٹھا، ہم نے سمجھا کہ درد زہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ درد تو کسی اور مرض کا در ہے۔ ولادت تو بھی دور ہے۔ چنانچہ بیسا حضرت نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔

چھٹی کرامت

ایک دفعہ ڈالا محمد میارہ سے میری ملاقات ہوئی اور انہوں نے حضرت شیخ کے لیے چار موزوں دیے۔ اس کے بعد مجھے حضرت نے فرمایا محمد میارہ بڑی چیز ہیں جیب میں ہاتھ ڈالا تو برسے موزوں نکلے لہذا ان کو لٹا کر دوبارہ اچھے موزوں نکالے اور ہمیں دیے۔

میں مولانا محمد مینارہ سے ملا تو حضرت کا فرمان بیان کیا۔ کہا بالکل ٹھیک ہے پہلے کھوٹے موز دنے نکلے تھے میں نے ان کو لوٹا دیا اور پھر کھوٹے نکال کر پیش کئے۔

فقیہ مذکور سے ایک روز باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک شخص کا ذکر ہوا جس کے بارے میں فقیہ مذکور اچھی رائے رکھتے تھے۔ ان کے متعلق جو میں جانتا تھا وہ میں نے ذکر کر دیا۔ شیخ نے فرمایا جب تو نے اس شخص کے متعلق باتیں بیان کیں تو فقیہ مذکور کی انتڑیاں بھی پیٹ میں نیک نیتی کی وجہ سے لرزنے لگ گئی تھیں۔ جب میری ملاقات فقیہ مذکور سے ہوئی تو حضرت کا قول نقل کیا۔ کہا آپ نے سچ فرمایا ہے ایسا ہی ہوا تھا۔

ساتویں کرامت حضرت کا صاحبزادہ ادریسؑ سخت بیمار پڑ گیا، جس سے ان کی والدہ سخت غمزدہ ہوئیں۔ ایک دن میں مغرب کے بعد گیا تو دیکھا کہ مرض کی شدت کی وجہ سے وہ کلام بھی نہ کر سکتا تھا۔ مجھے بھی فکر دامن گیر ہوئی۔ جب نکلا تو حضرت نے فرمایا کہ یہ اس مرض سے نہیں مرے گا اور یہ عنقریب صحت یاب ہوگا۔ جیسا حضرت نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔

اسی طرح کا واقعہ ان کی بیٹی فاطمہ سے پیش آیا وہ بیمار پڑ گئی اور بیماری نے طول پکڑا حضرت نے مجھ سے فرمایا یہ مرے گی نہیں، عنقریب صحت یاب ہوگی اور ایسا ہی ہوا۔ اسی طرح میں حضرت کے ساتھ محمد مینارہ کے بیٹے کی عیادت کے لیے گیا اور وہ سخت بیمار تھا حضرت نے فرمایا وہ اس مرض سے نہیں مرے گا اور ایسا ہی ہوا۔

اسی طرح حاجی محمد بن علی بن عبدالعزیز بن علی المرابطی السجلماسی کا بیٹا بیمار پڑ گیا اور باپ بیٹے کی حیات سے یابوس ہو گیا۔ میں نے اس کا ذکر حضرت سے کیا جب کہ ہم جامع اندس میں سے جمعہ کی نماز پڑھ کر نکل رہے تھے اور باب الفتوح کی طرف جا رہے تھے۔ حضرت نے فرمایا: کوئی بات نہیں۔ اسس کی والدہ تو نہیں چاہتی کہ اس کا بیٹا مرے، اگر مر گیا تو ماں پر ہار ٹوٹ پڑے گا۔ لہذا یہ نہیں مرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہ سب لوگ آج تک زندہ ہیں اور آج ۲۲ ربیع الاول ۱۳۸۵ء ہے۔

آٹھویں کرامت ایک مرتبہ ہم قطیف زماں عبدالسلام بن مشیشؒ کی زیارت کے لیے گئے ہم حضرت کے پاس ظہر کی نماز کے وقت پہنچے۔ ہمارا خیال تھا کہ آپ ہمیں اپنے پاس ٹھہرائیں گے، لیکن آپ نے فرمایا: سواریوں سے نہ اترنا۔ ہم شیخ کی زیارت کر کے ابھی واپس آتے ہیں۔ میں لے عبدالسلام بن مشیشؒ: ابوالحسن شاذلیؒ کے پیر تھے۔ ابوالطواجن نے بلاد مغرب میں انہیں نقل کر دیا تھا۔

آپ کے ساتھ سپاہ پر چڑھ کر شیخ عبدالسلام کے مزار کی زیارت کے لیے گیا۔ کہنے لگے کیسی زیارت رہی اور کیا دعا مانگی۔ میں نے عرض کیا کہ اس بد تو میں عرض آپ کے لیے دعا مانگتا رہا۔ جب سے زیارت کیلئے بیٹھا ہوں میں آپ ہی کے لیے دعا خیر کر رہا ہوں اور میں نے کہا اوروں کا تو ذکر ہی کیا، اپنے لیے بھی دعا نہیں مانگی، حضرت نے فرمایا اسی طرح میں نے صرف تمہارے لیے دعا کی ہے کسی اور کے لیے نہیں کی۔ مجھے اس سے انتہائی خوشی ہوئی۔ وَبِذَلِكَ خُتِمَ۔

پھر ہم پہاڑ سے اترے تو ہمیں شہر تظاون جانے کا حکم فرمایا۔ میں نے عرض کیا شہر دور ہے ہم وہاں تک نہ پہنچ سکیں گے، لیکن جو آپ فرمائیں وہی کیا جائے گا۔ آپ نے اصرار کیا کہ تو ہم سمجھ گئے کہ آپ صبح بات ہی فرماتے ہیں۔ ہم سواریوں پر سوار ہوئے اور صبح طلوع ہونے تک چلتے رہے اور شہر تظاون میں داخل ہوئے۔ بس شہر میں گھسنا تھا کہ آسمان نے یکساں کھول دیں اور اس قدر زور کی بارش ہوئی کہ الٹی پناہ دو دن تک بارش جاری رہی۔ حضرت مجھے لے کر اس گھر کی چھت پر گئے جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے۔ ابھی بارش ہو رہی تھی، فرمانے لگے کیا دیکھ رہے ہو، کس قدر زور کی بارش ہو رہی ہے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا اسی لیے تو میں نے تمہیں رات بھر چلایا تھا کیونکہ جب میں عبدالسلام کے مزار پر پہنچا تھا تو میں نے اُسے دیکھ دیا تھا اگر ان میٹر میں یہ بارش آکر ہمیں گھیر لیتی تو ہمارا کیا حشر ہوتا۔ نہ ہمارے کھانے کے لیے کچھ ہمارے پاس تھا نہ جانوروں کے کھانے کے لیے اور یہ بارش متواتر رہتی۔ میں نے عرض کیا پھر تو اگر موت سے بچ جاتے تو ہر طرح کی مشقت اٹھانی پڑتی۔ اس کے بعد میں نے آپ کا ہاتھ جو ماہ اور عرض کیا اللہ آپ کو جزاء خیر دے جب دو دن کے بعد ہم تظاون سے نکلے تو ابھی بارش انتہائی زور کی ہو رہی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ ہم بارش سے ہی بھاگے تھے اور پھر اسی کی طرف لوٹ رہے ہیں لیکن آپ خاموش رہے پھر ہم نکلے اور جانوروں کے لیے جو خریدنے کا ارادہ کیا حضرت نے منع فرمادیا۔ آخر اسی زور کی بارش میں ہم نکل پڑے۔ ابھی ایک دو میل ہی چلے ہوں گے کہ بادل چھٹ گئے، ہوا ٹھہر گئی اور سورج نکل آیا اور موسم اچھا ہو گیا۔ ہمیں اس پر بڑا تعجب ہوا۔ پھر جب عصر کا آدھا وقت گزر گیا تو ہم نے عرض کیا کہ حضرت سواریوں کا چارہ کہاں ہے؟ آپ نے زعفران سے پوچھا کہ آبادی کتنی دور ہے؟ معلوم ہوا کہ اس قدر دور ہے کہ آدھی رات سے پہلے وہاں نہیں پہنچ سکتے لیکن آپ خاموش رہے اور ہم بھی ہر بات پر آپ کو لبیک کہتے تھے جب مغرب ہوئی تو فرمایا واپس طرف مڑ چلو۔ چنانچہ ہم راستہ چھوڑ کر واپس طرف کو ہو گئے۔ ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ غلہ کے

کھلیان نظر آئے جنہیں ابھی روزانہ گیا تھا اور پاس ہی ایک پانی کا چشمہ بھی تھا۔ فرمایا یہاں اتر جاؤ۔ خدا نے جانوروں کو چارہ بھیج دیا ہے۔ ہم نے ضرورت کے مطابق کھلیان میں سے لے لیا اور بڑے آرام سے رات گزاری۔ جب عشا کا وقت قریب آیا تو کھلیان کا مالک آیا اور ہمیں دیکھ کر نہایت خوش ہوا۔ شیخ نے جس قدر کہ جانوروں نے کھایا تھا اس سے زیادہ قیمت ادا کر دی۔ اس پر کھلیان کا مالک بہت ہی زیادہ مسرور ہوا اور رات بھر ہمارے پاس رہا اور ہمارے ساتھ ہی کھانا کھایا اور ایسا بن گیا گویا ہمارا ساتھی ہے۔

اسی طرح کا واقعہ ایک بار اور پیش آیا۔ ہم شیخ عبدالسلام ندکور کی قبر کی زیارت کے لیے جا رہے تھے اور ابھی وہاں پہنچے تھے جب بنی زکار کی گھاٹی کو عبور کر لیا تو عصر کا وقت نکل چکا تھا۔ جو لوگ ہم سے پہلے اس گھاٹی کو عبور کر چکے تھے وہ پڑاؤ ڈال چکے تھے۔ ہم نے عرض کیا کہ حضرت جو لوگ ہم سے پہلے آئے تھے وہ تو پڑاؤ ڈال چکے ہیں۔ فرمایا پلٹے جاؤ۔ ہم نے پھر عرض کیا حضرت ہمیں کیسے؟ نہ ہمیں راستہ معلوم، نہ کوئی راستہ بتانے والا ہمارے ساتھ، فرمایا پھر بھی پہلے چلو۔ چنانچہ ہم چلتے گئے اور ان لوگوں کو جو پڑاؤ ڈال چکے تھے، وہیں چھوڑ بغیر کسی راہنما کے چل پڑے، ہم پلٹے رہے اور اللہ تعالیٰ ہمارے دل میں ڈال دینا کہ اس راستہ پر چلو، یہاں تک کہ پانی کے ایک چشمے پر پہنچے جس کے پاس ہی غلے کے کھلیان تھے۔ ہم کھلیانوں کے مالک سے ملے اس نے ہمیں وہاں ٹھہرنے کے لیے کہا اور ہم نے بڑے آرام سے رات گزاری، ہمارے جانور رات بھر خوب کھاتے رہے اور جو قافلہ ہم سے پہلے گھاٹی پر اترتا تھا ان کے جانوروں کو رات بھر بھوسہ نہ ملا۔

اس سفر میں حضرت کزبان مبارک سے بڑے بڑے دقائق و حقائق سننے میں آئے، ان میں سے اکثر کا ذکر ہم نے اس کتاب میں کر دیا ہے۔ حضرت ممدوح جب شہروں کا ذکر فرماتے تو ناواقف آدمی یوں سمجھتا کہ حضرت نے ان مقامات کا ضرور سفر کیا ہے حالانکہ وہ محض کشف ہوتا۔ اکثر آپ دُور دُور کے مقامات کا سفر بغیر رہبر کے کرتے اور ایسے چھوٹے راستوں پر پلٹے جن کا اکثر لوگوں کو علم نہیں۔

ایک دن فقیہ علی بن عبداللہ الصباغی رحمۃ اللہ سے جن کا گھر شہر ناس سے چار منزل پر موضع صباغات میں تھا، فرمایا کہ ایک بار میں گھوڑ سواروں کی جماعت کے ساتھ آنکلا اور نلاں نلاں موضع پر پہنچے۔ حضرت نے اس جگہ کا نام بھی بتایا اور اس کی صورت و کیفیت بھی بتائی اور میں ہمارے مرشد کے پاس بھی گیا۔ پھر ان کا حلیہ اور ان کے گھر کی ایسی کیفیت بیان کی جیسے کہ وہ ان کی

نظروں کے سامنے ہے اور گھوڑوں پر سوار ہونے کا ذکر محض کشف کو چھپانے کے لیے کیا تھا۔ شیخ علی فرماتے ہیں کہ حضرت نے بغیر کم و کاست اس طرح بیان کیا گویا یہ اُن کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ پھر فرمایا: جہاں تم گھوڑے باندھتے ہو، وہاں ایک دلی کبیر کی قبر ہے، وہاں گھوڑے مَرت باندھا کرو۔ اس کے بعد انھوں نے تحقیق کی تو اسے سچ پایا اور اس جگہ مزار بنا دیا گیا۔

میں نے حضرت کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا کہ وہ دلی ہمارے آباؤ میں سے ہیں یعنی غوث گئے اور یہ بات واضح طور پر فرمائی۔

ایک روز میں آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص زاسے آیا جو ایک مشہور بستی ہے آپ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ جواب دیا کہ زاسے۔ حضرت اس بستی کا حلیہ اور اس کے مقامات و علامات بیان فرمانے لگے اور وہ شخص آپ کی تصدیق کرتا اور بوسمبھندارہا کہ حضرت وہاں جا چکے ہیں۔ جب وہ شخص اٹھ گیا تو میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ لوگ کشف کو پسند کرتے ہیں حالانکہ اس میں خود دلی کے لیے اور طالب کشف کے لیے بھی بڑی مصیقت ہے۔ دلی کے لیے ضرر تو اس لیے ہے کہ اس میں دلی مشاہدہ حق کو چھوڑ کر مشاہدہ خلق کی طرف آتا ہے اور یہ چوٹی سے نیچے اُترنے کی مثال ہے کشف چاہنے والے کے لیے اس لیے کہ کشف و کرامت کا طالب وہی ہوتا ہے جس کی محبت مرئی ہوتی ہے اور جب دلی نے اس کا ساتھ دیا تو گویا اُسے اسی اندھے پن پر رہنے دیا۔ ان دونوں باتوں کی تشریح انشاء اللہ آئندہ کتاب میں آئے گی۔

نویں کرامت | سادات میں سے ایک شخص مجھ سے علوم و دقیقہ میں سے کوئی علم پڑھا کرتا تھا اور میں اپنی بساط کے مطابق اس کی تشریح کر دیا کرتا اور اسے بہت پسند آتی اور کتنا کہ کوئی تفسیر آپ جیسی تشریح نہیں کر سکتا۔ ایک بار میں اس کتاب کی تشریح کر رہا تھا کہ ایسا مسئلہ آگیا جس میں مصنف نے اسرار الہیہ میں سے کسی ایک ستر کی بحث کی تھی اس مسئلہ نے مجھ سے اس کا مطلب پوچھا۔ میں نے لاعلمی ظاہر کی کیونکہ انشاء اللہ سے ڈر لگتا تھا، لیکن اس کا شوق بڑھتا رہا اور میں نے کہا: اللہ کی قسم جب تک تو یہ وعدہ نہ کرے کہ جو کچھ تو مجھ سے سنے گا، اس کا کہیں بھی ذکر نہ کرے گا نہ اپنے سے نہ بیگانے سے، تب تک تشریح نہ کروں گا۔ اس نے وعدہ کیا اور میں نے مطلب بیان کر دیا اور تمام اعتراضات جو پیدا ہوتے تھے اُن کا بھی جواب دے دیا۔ یہاں تک کہ مسئلہ آفتاب کی طرح واضح ہو گیا۔ اس پر وہ بہت خوش ہوا۔ میں نے اُسے کہا دیکھو اگر ہمارے حضرت سے ملنے کا اتفاق ہو اور پھر اس مسئلہ کا ذکر چھڑجاتے اور وہ تشریح فرمانے لگیں

تو تم لا علمی ظاہر کرنا اور ایسا بھولا بننا کہ گویا تم نے یہ مسئلہ کبھی سنا ہی نہیں، اُس نے یہ بھی وعدہ کر لیا پھر اتفاق سے اسی دن حضرت سے ملاقات ہو گئی تو سب سے پہلی بات آپ نے یہی کی کہ فلاں سید سے تم نے یہ گفتگو کی اور وہ مسئلہ بھی ذکر فرما دیا میں نے عرض کیا ہاں، لیکن میری نیت نیک ہی تھی اس کے بعد میں حضرت کے خاطر مبارک کو ٹھوٹا رہا کہ کہیں ناراض تو نہیں ہیں مگر الحمد للہ آپ کے خاطر مبارک کو دودھ کی طرح صاف پایا۔

حضرت کے کشف لاتعداد ہیں۔ ان کی کرامات کا ذکر کرنے کو تو ایک مستقل تالیف کی ضرورت ہے اور حق بات یہ ہے کہ جو کچھ اس کتاب میں ہے وہ انہی کی کرامات ہیں۔

یہ بھی آپ کی کرامت تھی کہ آپ کے کلام کا لوگوں کے دلوں پر اثر ہوتا تھا۔

دسویں کرامت ایک دن ایک فقیہ آپ کے پاس آیا اور آپ سے درخواست کی کہ حضور دُعا فرمائیں کہ میرے دل میں دوسو سہ آئے کرے۔ فرمایا دسواں تو اُسی وقت ہوتا ہے جب راستہ سے بے خبری ہو۔ اگر کوئی شخص کسی شہر کا راستہ نہ جانتا ہو اور اس شہر کا سفر اختیار کرے تو دسوسے تو ضرور آئیں گے۔ کبھی خیال آئے گا کہ راستہ اُدھر کو ہے اور وہ ادھر چل پڑے گا، پھر خیال آئے گا کہ نہیں راستہ اُدھر کو ہے اور وہ حیران و پریشان رہ جائے گا کہ کدھر کو جاؤں اور جو شخص راستہ کو جانتا ہو وہ راستہ پر بغیر تردد کے چلا جائے گا۔ پس دنیا و آخرت کا راستہ چونکہ ذاتِ حق ہے اس لیے جس نے اس راستہ کو معلوم کر لیا، اس نے دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل کر لی، خدا اسے عمدہ زندگی عطا کرے گا اور جو اس سے ناواقف ہو گا وہ اس کے برعکس ہو گا آپ سے یہ الفاظ سن کر میری یہ کیفیت ہو گئی کہ جب طبیعت کسی ضرورت کے پورا کرنے میں غیر اللہ کی طرف جاتی تو ایک اندرونی کشش اُسے پھیر کر اللہ کی طرف لے آتی۔ اللہ سے دعا ہے کہ معرفت کو اتمام تک پہنچائے۔

آپ نے ایک مرتبہ فرمایا ”مومن جب سوتا ہے تو اللہ ہی کے دھیان میں سوتا ہے اور جب جاگتا ہے تو اللہ ہی کے دھیان میں جاگتا ہے۔ یہ بات سنکر اُس کا مفہوم میرے قلب میں اُتر گیا اور الحمد للہ کہ سوتے وقت بھی اللہ میرے دل میں ہوتا ہے۔“

ایک مرتبہ فرمایا کہ بندہ کا خیال جب غیر اللہ کی طرف جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ جلالہ سے بے تعلقی بن جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ ایک دن میں اللہ کی طرف لوٹ آتے ہیں کوئی دوسرا دن اور کوئی اس سے بھی کم وقت میں اور کوئی اس سے زیادہ وقت میں۔ لہذا بندے کو دیکھنا چاہیے کہ اُس کے دل کا تعلق اللہ کے ساتھ کیسا ہے۔“

آپ کے ان الفاظ نے میرے دل کے لیے رگام کا کام کیا۔ جب کبھی میرا دل غفلت کے سمندر میں اُڑا دیتا ہے چاہتا تو یہ کلام اُسے کچنچ لیتا۔

اللہ کی معرفت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ضروری ہے

ایک بار آپ نے فرمایا کہ جب تک سید الوجود صلعم کی معرفت حاصل نہ ہو اُس وقت تک اللہ کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی اور شیخ کی معرفت کے بغیر سید الوجود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت حاصل نہیں ہوتی اور شیخ کی معرفت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک تمام مخلوقات مرید کی نگاہ میں فنا نہ ہو جاوے۔ نہ کسی پر نظر جاتے نہ خیال۔ لہذا سب کو مردہ سمجھ اور سب کی طرف سے تمام توقعات کو منقطع کرے۔

آپ کے اس کلام سے اللہ نے مجھ پر بڑا کرم کیا۔ ہر قسم کی خیر و خوبی نصیب ہونے کا یہی وسیلہ بنا۔

اس کلام کی تشریح بڑی لمبی ہے اگر اس کے پیچھے پڑیں تو بڑی دوزخ کا تیس۔ اس لیے جتنا ذکر کر دیا اتنا ہی کافی ہے۔

میں نے اپنے برادرانِ طریقت سے درخواست کی تھی کہ حضرت ممدوحؒ کی کچھ کرامات جو انہوں نے دیکھی ہوں مجھے لکھ بھیجیں۔ چنانچہ ان تحریروں میں ایک تحریر محمد بن احمد بن حنین الزیراری کی بھی تھی انہیں میں نے حضرت کو پیش کیا۔ آپ نے اُن کی تصدیق فرمائی۔

وہ کرامات و کشف جو محمد بن زیراری سے پیش آئیں

اللہ کے احسانات میں سے ایک نفل یہ ہے کہ جب میری ملاقات غوثِ زمان عبد العزیز بن مسعود سے ہوئی۔ اس وقت میرا دل تجارت، زراعت وغیرہ دنیوی امور میں لگا ہوا تھا۔ چنانچہ اس کے لیے مجھے بہت رباؤں کوئی پڑی۔ دھیان دُنیا کی طرف لگا رہتا اور آخرت کا خیال محض ایک خواب تھا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے کچھ علم بھی عطا کیا تھا میں نے ارادہ کر لیا کہ محکمہ شہادت کی انفری اختیار کروں یا قاضی کا عہدہ حاصل کرنے کی کوشش کروں۔ والیعاذ باللہ، لیکن خدا نے مجھ پر رحم کیا اور اُن سے ملاقات کرادی اور اللہ نے میرا دل پاک کر دیا۔ یہ آپ ہی کی برکت اور حنین سیاست کی وجہ سے تھا کیونکہ جب اُن سے ملا ہوں اور اُن سے بیعت ہوا اور جو مرضِ مملک مجھے لگا ہوا تھا اُسے آپ نے دریافت کر لیا تو مجھے حکم ہوا کہ کھیتی باڑی کے تمام میل بیج ڈالوں اور اُس سے فلاں فلاں

کام کر دل اور انہوں نے وہ کام کرنے کو کہا جو دنیوی اسباب کے مٹانے نہ تھا اور درحقیقت انکا مقصد اسباب دنیا کو میرے دل سے مٹانا تھا، اس امام کے حسن سیاست کے قربان جاییں کہ جس حالتِ جیشہ سے مجھے نکالنا چاہتے تھے تو ایسے نکالتے کہ مجھے خبر بھی نہ ہوتی اور میں اپنے آپ کو پہلی حالت سے زیادہ عمدہ اور احسن حالت میں پاتا اور پہلی حالت کا خبیث اثر تاریکی نمایاں طور پر ظاہر ہو جاتی۔ اس امام عظیم کا میرے ساتھ اور دیگر برادرانِ طریقت کے ساتھ یہی دستور ہے۔ چنانچہ اگر کوئی قبیح بات آپ میں دیکھیں گے تو صراحتاً یہ نہ فرمائیں گے کہ اسے چھوڑ دو۔ یا یہ کہ اس پر تجھے برا بھلا کہیں یا یہ کہ اگر تو اس کام کو نہ چھوڑے تو تجھ سے بیزار رہی ظاہر کریں کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کا نفس ان باتوں سے ابا کرتا ہے اور پھر یہ مخالفت کا سبب بن جاتا ہے، بلکہ تجھ سے عربانی سے پیش آتیں گے اور تیرے کام کی کسی حد تک تعریف بھی کر دیں گے، پھر آہستہ آہستہ تجھے اپنے ساتھ چلاتے یہاں تک کہ تو اپنے نفس کو ایسی حالت میں پاتا جس پر تو پہلے نہ تھا اور پہلی حالت کو قبیح سمجھتا اور اس کے ساتھ تیرا سینہ کھل جاتا اور تجھے خوشی محسوس ہوتی۔ بیوں کو نیچے ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ کھیتی کی محبت میرے دل سے نکل گئی بلکہ میں اُسے برا سمجھنے لگ گیا، پھر آپ نے تمام کتابوں کو بیچ دینے کا حکم دیا اور کہا کہ انہیں بیچ کر ایسا کام کر دوں جسے میرا دل چاہتا ہے اور جسے مجھے خوشی ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد لوگوں سے مال کی طبع اور حرص نے میرا دامن پکڑا کہ اب ثروت کی طرف نظر جانا اور ان کے مال و دولت کو لاپٹ بھری نگاہوں سے دیکھنا، لیکن حضرت مجھے اس سے اور اُدھالے گئے یہاں تک کہ طبع کا تو ذکر ہی کیا مجھے نہ لوگوں سے کچھ نفع نظر آتا نہ نقصان۔

حضرت کا ایک کشف | ابھی اتنا ملاقات ہی تھی کہ ایک دن مجھ سے پوچھا کیا تمہارے پاس کچھ گھمی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں بہت ہے، فرمایا تھوڑا سا لے آنا میں نے عرض کیا اچھا۔ میرے ایک پیر بھائی نے کہا: شاید کہ باقی ماندہ گھی ارزانی کے موسم تک ذیل سکے، میں نے کہا، ہاں صحیح ہے۔ حضرت نے فرمایا کیا باقی ماندہ گھی فلاں وقت تک پل جائے گا؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا جتنا اس سے ماند ہو، وہ لے آنا۔ چنانچہ میں نے آج دو وقت آیا تو ایک شخص جس کا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا مجھے بوجہ اند گھی دے گیا اور یہ گھی مجھے ارزانی کے موسم تک کافی ہو گیا۔

دوسرا کشف | میں اپنی تلے کی فصل کو فروخت میں آپ سے شورہ کر لیا کرتا تھا تو ایک بار

فرمایا فلاں مہینہ کی پانچ تاریخ کو جو کچھ پہننا ہے۔ بیچ دینا۔ جب وہ مہینہ آیا تو اس ماہ کی پانچویں اور چھٹی تاریخ کو غلے کی خوب فروخت ہوئی، لیکن جب ساتویں تاریخ ہوئی تو خوب بارش ہوئی جس سے غلہ سستا ہو گیا۔ والحمد للہ۔

تیسرا کشف

ایک مرتبہ میری ایک بیوی حاملہ تھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور حمل کا ذکر کیا، فرمایا لڑکا ہو گا جس کا نام احمد ہو گا۔ میں نے اگر بیوی سے ذکر کیا اور

ایسا ہی ہوا۔

پھر میری دوسری بیوی کو غیرت آئی کہ سوکن نے لڑکا بنا ہے اور ابھی اس کی گود میں ایک شیرخوار لڑکی تھی۔ جسے اس نے قبل از وقت دو دھ چھڑا دیا۔ اس امید پر کہ شاید حمل ہو جائے میں نے اس پر اسے ملامت بھی کی۔ کہنے لگی میں حاملہ ہوں اور مجھے بچی کا خطرہ تھا اور اس نے اس بات پر قسم بھی کھائی۔ جب حضرت کی خدمت میں پہنچا تو یہ قصہ بیان کیا۔ فرمایا جھوٹ کہتی ہے، حمل تو کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے واپس آکر کرید کی تو ایسا ہی پایا جیسا کہ حضرت نے فرمایا تھا تین ماہ گزر جانے کے بعد پھر حاضر ہوا تو فرمایا کہ بیوی کو حمل ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت مجھے تو علم نہیں ہے۔ فرمایا پندرہ دن سے حمل قرار پا چکا ہے اور انشاء اللہ لڑکا ہو گا، اس کا نام میرے نام پر عبدالعزیز رکھنا اور اس کی شکل بھی انشاء اللہ میری جیسی ہو گی۔ میں نے واپس آکر بیوی کو خبر دی۔ وہ خوش ہوئی۔ چنانچہ لڑکا پیدا ہوا اور اس کا چہرہ حضرت سے مشابہ تھا۔

چوتھا کشف

میری پہلی بیوی کو پھر حمل ہوا۔ میں نے حضرت سے حمل کی نسبت سوال کیا۔ فرمایا بیٹی ہو گی اس کا نام میری والدہ کے نام پر (فارحہ) رکھنا اور ایسا ہی ہوا، ہمارے ہاں ایک اور لڑکی آگئی اور اس کا نام حضرت کی والدہ کے نام پر فارحہ رکھا۔

پانچواں کشف

ایک روز میں آپ کے پاس بیٹھا تھا اور مجھ سے خوش طبعی کر رہے تھے فرمایا کیا تم نے فلاں کام کیا اور وہ ایک مصیبت کا کام تھا میں نے عرض کیا کہ میں نے نہیں کیا۔ دوسری بار کہا، پھر تیسری بار کہا، لیکن جب چوتھی بار کہنے لگا اور سوچا تو معلوم ہوا کہ پندرہ سال گذرے ایک دور دراز کے علاقہ میں جو فاس سے سات منزل پر ہے میں نے وہ کام کیا تھا۔ مجھے شرم آگئی اور آپ سمجھ گئے۔ فرمایا اب بھی قسم کھا کر کہو گے؟ میں نے عرض کیا نہیں اور آپ کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور عرض کی حضرت آپ کو کیسے اس کا علم ہو گیا؟ فرمایا کیا کوئی چیز اللہ سے مخفی ہو سکتی ہے اور یہی سال ان لوگوں کا ہے جنہیں اللہ اپنے اسرار پر مطلع کر دے۔ پھر آپ نے چند

ایسی باتیں بتلائیں جو اس کام سے پہلے اور بعد کی تھیں۔ اس پر میں نے آپ کے ہاتھ پر نیک نیتی سے توبہ کی۔ والحمد للہ۔

چٹھا کشف ایک روز آپ کے سامنے کے رُخ پر بیٹھا تھا اور آپ اپنے داہنے ہاتھ پر ٹیک لگائے خواب و بیداری کے درمیان لیٹے ہوئے تھے کہ میرے دل میں ایک بُرا خیال آیا۔ والعیاذ باللہ۔ فوراً آپ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا کیا کہا؟ میں نے عرض کیا حضرت میں نے تو کچھ نہیں کہا۔ فرمایا اپنے دل میں تم نے کیا کہا؟ مجھے بڑی شرم آئی اور میں نے توبہ کی۔

ساتواں کشف ایک رات غفلت میں اپنی بیوی کے ساتھ محبت کر رہا تھا اور وہ چپٹ لیٹی ہوئی تھی کہ اس کی شرمگاہ پر میں نے قصدِ نظر ڈالی، جب اُن کی زیارت کے لیے آیا اور حالانکہ میرے اور ان کے درمیان دو منزل کا فاصلہ تھا، مزاج کے طور پر فرمانے لگے: اے علمائے دین عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھنا کیسا ہے؟ میں نے علماء کا قول نقل کر دیا کہ مکروہ ہے (فرمایا کیا تم ایسا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا نہیں، اس لیے کہ میں اپنا واقعہ بھول گیا تھا۔ فرمایا حتیٰ کہ غلاں رات بھی نہیں کیا، مجھے اپنا فعل یاد آگیا اور مجھے شرم آگئی۔ فرمایا پھر ایسا نہ کرنا۔ اپنی نظر کعبہ کی طرف لگاتے رکھو۔ انشاء اللہ

اٹھواں کشف ایک مرتبہ کسی عذر کی بنا پر دونوں بیویاں اپنے اپنے گھر میں نہ سو سکیں اور انیس میں نے ایک ہی گھر میں ایک رات جمع کیا، دونوں الگ الگ بستر پر سو گئیں اور میں الگ بستر پر سو گیا۔ اور ایک چوتھا بستر خالی رہا جس پر کوئی نہ سویا۔ رات کو جماع کی خواہش ہوئی اور یہ خیال کر کے کہ دوسری سو رہی ہے، ایک سے جماع کیا پھر جب آپ کی زیارت کیلئے آیا اور باوجود بعدِ مسافت کے میں اکثر آپ کے پاس آیا کرتا تھا۔ آپ نے مجھ سے مزاجاً فرمایا کہ لوگوں کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہے کہ ایک شخص دو بیویوں کو ایک ہی مکان میں جمع کر کے ایک سے جماع کرے، میں سمجھ گیا کہ آپ کا اشارہ میرے فعل کی طرف ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو اس کا کیسے علم ہوا فرمایا اور چوتھے بستر پر کون سو رہا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے سمجھا کہ وہ سو رہی ہے۔ فرمایا نہ پہلی سوئی ہوئی تھی نہ دوسری۔ اس کے علاوہ خواہ وہ سو بھی رہی ہو۔ تب بھی مناسب نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ علماء کا یہی فتویٰ ہے اور میں ان سے توبہ کرتا ہوں۔

لے چونکہ شیعہ لاکھام مریدوں کی اصلاح کرنا اور اُن کو ہر مکروہ بات سے طریقِ ہدایت کی طرف مائل و متصف و ہوتا ہے اس لیے ان باتوں کا ذکر کیا کہ اگرچہ امور کبار میں سے نہ تھے لیکن پھر بھی اس منع کو دیا (بقیہ حاشیہ ص ۱۰۳)

نواں کشف

ایک مرتبہ برادرانِ طریقت کے ساتھ آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور حضرت کی زوجہ محترمہ گھر میں نہ تھیں۔ ہم میں سے ایک کو رنج حاجت کی ضرورت ہوئی۔ بیتِ اٹھلا نیچے تھا اور اس کا دروازہ گھر کے دروازہ کے عین بالمقابل تھا اور گھر میں داخل ہونے والے کی نظر بیتِ اٹھلا میں بیٹھے ہوئے شخص پر پڑ سکتی تھی، بیکام آپ اٹھے اور بڑی نیزی سے اوپر گئے اور گھر کا دروازہ بند کر دیا اور پھر جلدی سے اُتر آئے۔ ہم نہ سمجھ سکے کہ آپ نے یہ کیوں کیا اور ہم حیران تھے کہ اچانک ان کی زوجہ محترمہ تشریف لے آئیں ہم سمجھ گئے کہ آپ نے دروازہ انہی کے لیے بند کیا تھا۔

کرامت

ایک بار آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ آپ میرے ساتھ گھر کے ایک کمرے میں بیٹھے تھے یہاں تک کہ سونے وقت آگیا۔ آپ نے فرمایا سوجاؤ اور خود اُتر گئے۔ میں کپڑے اتار کر لیٹ گیا دیکھنا کیا ہوں کہ ایک ہاتھ مجھے گدگدی کر رہا ہے میں مجبور ہو کر منس پڑا اور آپ بھی منس پڑے حالانکہ آپ گھر کے پچھلے حصہ میں اپنی خوابگاہ میں تھے۔ میں جان گیا کہ آپ نے گدگدی کی تھی۔

دسواں کشف

ایک مرتبہ برادرانِ طریقت کی ایک جماعت کے ساتھ آپ کی زیارت کے لیے گیا۔ جب آپ کے پاس سے واپس لوٹے اور ہمارے پاس نہ کوئی ہتھیار تھا نہ کوئی اور ایسی چیز تھی جس سے چوروں کا دفعیہ کر سکیں، ہم آبادی کا راستہ بھول گئے اور ایک پٹیل اور خطرے کی جگہ پر جہاں چوروں کا گھر تھا، رات گزارنی پڑی، ہمارے ساتھی سو گئے اور میں اور ایک اور ساتھی رہ گیا دیکھا تو قریب ہی شیر کھڑا ہے۔ میں نے ساتھی سے کہا باقی ساتھیوں کو جگانا نہیں تاکہ کہیں وہ اچانک شیر کو دیکھ کر گھبرا نہ جائیں اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے جنہیں معاملات کا تجربہ نہ تھا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی اسے ہم سے دور کر دے جب صبح قریب ہوئی اور ہم اپنے گئے تو پاس ہی ایک خرگوش دیکھا، یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابھی مرا ہے۔

پھر جب دوبارہ برادرانِ طریقت کے ساتھ آپ کی زیارت کے لیے آیا تو میں نہ سویا اور جانوروں پر پھرہ دیتا رہا، جب آپ کے پاس آئے تو عرض کیا حضرت میں سونا چاہتا ہوں کیونکہ میں

(بقیہ ماضیہ صفحہ سابقہ) تاکہ اصلاحِ نفس ہو۔ مرید نے ان کُرہ چیزوں کا ذکر کر دیا ہے۔ حالانکہ وہ خود ان کا ترکب ہوا تھا، لیکن چونکہ مسئلہ آخر مسئلہ ہی ہے اس لیے آوروں کی ہدایت کے لیے سرتلف کتاب نے یہاں یہ بات ذکر کر دی ہے۔

کل رات نہیں سویا۔ پوچھا کیوں؟ میں نے عرض کیا کہ میں جانوروں کی پاسبانی کرتا رہا۔ فرمایا تمہاری پاسبانی سے کیا ہوتا ہے اور رات کے وقت کوئی دزدہ آجائے تو، اور آپ نے شیر والی رات کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے عرض کیا حضرت وہ کیسے؟ فرمایا جب فلاں وادی میں پہنچے تھے کیا تمہارے پاس تین آدمی نہیں آئے تھے؟ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا: جب وہ پہاڑ پر پہنچے تو وہاں انہیں چار اور آدمی ملے جو قافلوں کے منتظر تھے تاکہ اُن پر ڈاکہ ڈالیں۔ جب ان کے پاس پہنچے تو انہیں تمہاری خبر دی اور ساتوں مل کر تمہارے پیچھے پیچھے ہولتے تاکہ دیکھیں کہ تم کہاں رات گزارتے ہو، جب تم رات گزارنے کے لیے ٹھہرے تو وہ تمہارے سوجھنے کا انتظار کرتے رہے جب انہوں نے خیال کر لیا کہ اب سو گئے ہوں گے۔ تم پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے آئے لیکن تمہارے قریب ایک شیر کو پایا۔ وہ آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کیا کریں۔ اگر شیر سے لڑتے ہیں تو لوگ بیدار ہو جاتے ہیں اور اگر ان کی طرف جاتے ہیں تو شیر بھی روکتا ہے لہذا وہ تمہیں چھوڑ کر دوسرے قافلے کی طرف چلے گئے، لیکن جب وہاں بھی کچھ نہ ملا تو دوسری طرف سے تمہاری طرف آئے وہاں بھی شیر نے راستہ روکا اور اُسے ایک دوسرا شیر خیال کیا، اُن میں ایک کہنے لگا کیا بات ہے کہ فلاں جہت سے آئے ہیں تب بھی شیر نے اُن کی حفاظت کی ہے، پھر دوسری جہت سے آئے ہیں تب بھی شیر نے اُن کی حفاظت کی ہے، انہوں نے اس معاملہ کو سمجھنا چاہا، لیکن اللہ نے اُنکے دلوں پر مہر لگا دی۔ پھر میں نے خرگوش کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا شیریں انسانوں کی طرح سخت ہوتی ہے۔ جیسے کہ انسان کے چہرہ پر کبھی بیٹھتی ہے تو وہ اُسے اڑا دیتا ہے۔ یہی حال شیر کا ہے جب وہ بیٹھا ہوا تھا تو کیا دیکھتا ہے کہ اُس کے پاس ہی ایک خرگوش ہے اور خرگوش شش نے شیر کو نہ دیکھا تھا لہذا شیر نے اُسے مار ڈالا۔

گیارہواں کشف

میں نے زہری عورت سے شادی کرنا چاہی۔ مجھے اس کی صفات معلوم نہ تھیں۔ آپ نے اس کی صفات بیان کیں جنہیں نکاح کے بعد میں نے ویسا ہی پایا اور اس کے بارے میں کچھ ایسے امور کا بھی ذکر کیا جن کا اللہ کے سوا کسی اور کو علم نہ تھا۔ پھر جب شب زفاف آئی، فرمایا آج رات میں تمہارے پاس ہوں گا میں نے عرض کیا مجھے اس کا کیسے علم ہوگا فرمایا میں کوئی ایسا فعل کروں گا جس میں اس کی علامت پائی جائے۔ پھر جب میں بیوی کے پاس گیا اور ابھی کچھ باتیں کی تھیں کہ کیا دیکھتا ہوں کہ اس کی ناک میں سے خون بہہ رہا ہے میں نے سبب دریافت کیا کہنے لگی کہ آپ نے ہی تو ناک پر مارا ہے

اس پر میں چُپ رہا اور سمجھ گیا کہ یہ حضرت کا کام ہے۔ پھر جب میں آپ کی زیارت کے لیے گیا۔ اور ان سے قصہ بیان کیا فرمایا: ہاں اگر یہ خون اس کی ناک سے نہ اُترتا تو وہ بیمار پڑ جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دُور سے آئی تھی اور دن ٹھنڈا تھا جس سے ناک میں خون جم گیا تھا۔

بارہواں کشف ایک مرتبہ میں آپ کے ساتھ آپ کے گھر میں تھا آپ نیچے کچھ کام کر رہے تھے اور میں اوپر اپنے سامنے کے مکان کی چھت کی طرف دیکھ رہا تھا کہ ایک عورت اُوپر چڑھی، میں نے اس کے چہرے میں سرخی دیکھی، میں نے غور سے دیکھا کہ یہ سرخی خون کی ہے یا رنگ کی۔ ابھی دیکھا ہی تھا کہ نیچے سے میری طرف نظر کر کے کہنے لگے: اللہ سے ڈرو یہ بد نظر اور میرے سامنے؟ اور ہنسنے لگے۔

تیرہواں کشف ایک بار آپ کی زیارت کے لیے خچر پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ جب ایک دشوار گزار مقام پر پہنچا تو میں خچر پر سے اُتر گیا اور وہ خود چلتی رہی۔ جب وہ مقام گزر گیا اور میں نے پھر خچر پر سوار ہونا چاہا تو وہ خچر بھاگ گئی۔ میں نے زور زور سے پکارنا شروع کر دیا یا سیدی مولائی عبدالعزیز۔ اللہ نے کچھ لوگ پیدا کر دیئے جنہوں نے خچر کو پکڑ لیا۔ جب آپ کے پاس پہنچا تو مسکرانے لگے اور فرمایا عبدالعزیز کیا کر سکتا ہے؟ تو فلاں جگہ پر تھا اور میں اس جگہ پر۔ ہاں اگر تمہارے پاس ہوتا تو ضرور تمہاری مدد کرتا۔ میں نے عرض کیا حضرت آپ کے لیے ایک ہی بات ہے۔ خواہ آپ دُور ہوں، خواہ نزدیک۔

کرامت ایک دن عبدالقادر فاضلؒ کی خانقاہ میں قبلہ کی دیوار سے تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا تھا اور میرے سامنے سنتوں تھا جس کے ساتھ کوئی شخص نہ بیٹھا تھا اور نہ ہی میرے اور سنتوں کے درمیان کوئی اور شخص تھا اور میں ذکر الہی میں مشغول تھا کچھ دیر کے بعد میں حضرت کے گھر کی طرف آنے کے لیے اُٹھا۔ ابھی تھوڑے قدم ہی چلا ہوں گا کہ مجھے یاد آ گیا کہ میں کوئی چیز معمول آیا ہوں پھر واپس آیا تو دیکھا کہ حضرت سنتوں کے ساتھ کھڑے ہیں۔ حالانکہ مجھے یقین ہے کہ وہاں کوئی نہ تھا۔ میں نے عرض کیا حضور آپ کب سے یہاں ہیں؟ اور کب یہاں تشریف لاتے ہیں؟ فرمایا جب سے تو فلاں ذکر کر رہا تھا۔ حالانکہ میں یہ ذکر دل بیکر رہا تھا اور میرے ساتھ والا آدمی بھی اُسے سن نہ سکتا تھا میں سمجھ گیا کہ وہ ایسی حالت میں تھے جس میں وہ آنکھوں سے ادھمل تھے۔

چودھواں کشف ایک بار ایک اجنبی عورت سے میں نے ایسی بات کی جسے شریعت پسند نہیں کرتی لیکن وہ معمول سی بات تھی ایک روز آپ کے پاس بیٹھا تھا

اور عورتوں کا ذکر ہو رہا تھا اور اُس عورت کا بھی ذکر آگیا۔ مجھے معلوم نہیں اس کا ذکر کیسے چھڑ گیا آپ نے فوراً فرمایا: میں تمہارے اور اس عورت کے درمیان نیلا دھاگہ دیکھتا ہوں اور یہ کیوں ہے مجھے وہ واقعہ یاد آگیا اور میں شرمایا اور اس واقعہ کو پانچ سال گزر چکے تھے۔

پندرہواں کشف ایک مرتبہ آپ سے خود دونوں کا غلہ وغیرہ خریدنے میں مشورہ یا فرمایا جتنا تمہارے پاس ہے کافی ہے البتہ گھی خرید لو کیونکہ تمہارے پاس اتنا نہیں کہ موسم تک چل سکے۔ میں نے عرض کیا: ہاں مگر میرے پاس فلاں عورت کا گھی امانت کے طور پر رکھا ہے۔ ایک دن اس عورت کی موجودگی میں میں نے گھی کی کمی کا ذکر کیا۔ کہنے لگی گھی تو میرے پاس بہت ہے جتنا ضرورت ہو لے لینا۔ میں نہ سمجھ سکا کہ آیا وہ بوجہ اللہ مجھے عطیہ کے طور پر دے رہی یا ادھار دے رہی ہے اور میں سمجھ رہا تھا کہ وہ سچ کہتی ہے۔ حضرت نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر فرمایا گھی خرید لو اور اُسے دوسری اور تیسری مرتبہ دہرایا، میں سمجھ گیا کہ جو کچھ عورت نے زبانی کہا ہے وہ اُسے پورا نہ کرے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جب فروخت کا وقت آیا وہ آئی اور میرے گھرمیں بیٹھ کر گھی فروخت کر دیا۔ حالانکہ اُسے میری حالت معلوم تھی کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شیخ کی برکت سے مجھے توقع سے زیادہ فراخی عطا فرمائی۔

ایک اور کرامت ایک مرتبہ ایک شخص نے کچھ رقم مجھے قرض دی اور بقیہ میرے پاس امانت رکھ لیا، کچھ عرصہ بعد اپنی امانت اور قرض دونوں وصول کرنے کے لیے آیا مگر میرے پاس اُس وقت کچھ نہ تھا کہ دیدوں، نہ کوئی ایسی چیز تھی کہ بیع کر قرض ادا کر دوں۔ میرا خیال تھا کہ کہیں دیر کے بعد اُسے ضرورت پڑے گی۔ میں نے اس کی امانت تو اسے نکال کر دیدی اور دل میں حضرت شیخ کو یاد کرنے لگا کہ یہ قرض کا مطالبہ نہ کرے وہ خاموش رہا۔ اور اب تک بھی کچھ مہینے گزر چکے ہیں اُس نے قرض کا مطالبہ نہیں کیا حالانکہ وہ آیا ہی اسی نیت سے تھا کہ دونوں رقمیں لے کر جاسے۔ **لَقَدْ اَحْمَدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ**۔

یہاں پر محمد بن احمد بن حنین کی بیان کردہ کرامات و کشف ختم ہوتے ہیں۔

فقیہ علی بن عبد اللہ الصباغیؒ کی بیان کردہ کرامات

فقیہ علی بن عبد اللہ الصباغیؒ نے بھی جو کرامات دیکھیں وہ مجھے کچھ بھی ہیں، میں نے انہیں ایک ایک دھاگہ لکھتے اور معینیت کی علامت ہے۔

حرف کر کے شیخ کو پیش کیا۔ آپ نے اقرار فرمایا اور تصدیق کی کیونکہ میرا ارادہ اس مجموعہ میں صرف ان کرامات کے ذکر کرنے کا ہے جو میں نے خود دیکھی ہوں یا میں نے حضرت سے خود سنی ہوں۔

فقیر علی بن عبداللہ کی عبارت یوں ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدًا کَیہ تحریر ان کرامات کے متعلق ہے جو میں نے اپنے شیخ الامام الاستاد الاکبر الغوث الاشہر سیدی و مولای عبدالعزیز ابن مولای مسعود جو فاس کے سادات میں سے ہیں اور جن کا نسب دباغ کے نام سے مشہور ہے سے سنی

علی بن عبداللہ کی بیان کردہ پہلی کرامت

جب پہلی بار آپ کی زیارت ہوئی اور آپ کی صحبت میں بیٹھا اور بیعت کی تو گھر آنے کے دس دن بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ کسی ایک رشتہ دار کے ہاں ایک سخت معاملہ پیش آیا۔ کچھ لوگوں کو اس کا علم ہو گیا اور کچھ لوگ اس واقعہ پر موجود تھے جن کی تعداد چھوٹے بچے اور مرد و عورت ملا کر تقریباً بیس ہوئی اور یہ ایک ایسا معاملہ تھا کہ اگر حکومت کو اس کا علم ہو جاتا تو تمام قبیلہ تباہ ہو جاتا۔ میں نے کھلے میدان میں جا کر بلند آواز سے تین مرتبہ پکارا حضرت اس قبیلہ کی پردہ پوشی کریں اور اس معاملہ کی آگ سے بچائیں۔ اور ایسا ہوا جیسا کہ اس معاملہ پر ہمارے گریا ہے یا اسے سمندر میں پھینک دیا گیا ہے اور تمام وہ لوگ جنہیں اس بات کا علم تھا خاموش ہو گئے اور ایسے خاموش ہو گئے جیسے انہیں اس کا علم ہی نہیں ہے اور اگر کوئی پوشیدہ طور پر اس کا ذکر بھی کر بیٹھتا تو لوگ اس کو جھوٹا قرار دیتے اور اللہ نے قبیلہ کو اور اس نسل کے کرنے والوں کو شیخ کی برکت سے بچا لیا۔

دوسری کرامت جب دوسری بار آپ کی خدمت میں آیا اور میں نے آپ کے مکاشفات دیکھے اور مشورہ کرنے والوں کو اچھی طرح جواب دیتے ہوئے سنا تو عرض کیا جو لوگ

آپ کے قریب ہیں وہ کامیاب اور سعادت مند ہیں۔ کیونکہ جب کوئی معاملہ پیش آیا، آپ ان کے پاس موجود ہیں۔ لہذا وہ آپ سے مشورہ کر لیتے ہیں میں آپ سے چار دن کی مسافت پر ہوں، میں کیا کروں؟ اور کس سے مشورہ کروں؟ حضرت نے فرمایا جب کوئی معاملہ درپیش ہو اور تمہیں سمجھ نہ آئے تو تم کیا کرو۔ تو جنگل میں چلے جاؤ اور وہاں دو رکعت نماز ادا کرو، ہر رکعت میں گیارہ مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھو اور سلام پھیرنے کے بعد تین بار مجھے پکارو اور یہ اعتقاد رکھو کہ میں تمہارے پاس ہوں اور مجھ سے اس معاملہ میں مشورہ کرو۔ تمہیں جواب مل جائے گا۔

اس کے بعد ایک مہم پیش آگئی اور مجھے اس کی سخت فکر ہوئی۔ چنانچہ میں نے جنگل میں جا کر

اسی طرح کیا جس طرح حضرت نے فرمایا تھا۔ تو آپ کی برکت سے معاملہ حل ہو گیا، اس وقت بردار ان طریقہ شیخ کے پاس تھے اور میں آپ سے چار دن کی مسافت پر تھا اس کے بعد جب میں ان بردار ان طریقہ سے ملا تو انہوں نے کہا فلاں فلاں دن تم نے ایسا کیا، میں نے کہا ہاں کہنے لگے ہم شیخ کے پاس تھے کہ آپ پہنچے اور فرمایا مسکین علی بن عبداللہ کی یہ نیت ہے اور جنگل میں مجھے پکارا رہا ہے اور میں کہاں اور وہ کہاں؟ جب آپ سے ملاقات ہوئی تو فرمایا آئندہ کبھی بھی کسی بات کا غم نہ کرو خواہ ضرورت کسی قدر بھی سخت کیوں نہ ہو، اُن کے ان کلمات سے میرا تمام غمسم جاتا رہا، چنانچہ جب کبھی کسی معاملہ میں مجھے لاحق ہونے لگتا تو غم سے پہلے ہی خدا اُسے آپ کی برکت سے آسان کر دیتا۔

میں نے عرض کیا دو رکعتوں کا مسئلہ خاص میرے لیے ہے یا ہر کسی کے لیے۔ فرمایا جو کوئی بھی ایسا کرنا چاہے، اسے اجازت ہے اس پر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

جب پہلی بار آیا اور آپ سے رخصت ہونے لگا اور اُس وقت رمضان کا آخر تھا فرمایا بقرعید کے لیے ہمارے واسطے ایک مینڈھالا لانا۔ میں نے عرض کیا اچھا جب عید قرب آئی تو میں نے دو مینڈھے خریدے۔ اس وقت آپ کے پاس میرا ایک پیر بھائی موجود تھا اور میرے اور اس بھائی کے درمیان دو دن کی مسافت تھی، یعنی شیخ کی مسافت سے نصف۔ حضرت نے اسے کہا کہ فلاں شخص دو مینڈھے لے کر تمہارے پاس آئے گا۔ ایک کو تم قربانی کے لیے رکھ لینا اور دوسرا میرے پاس لے آنا۔ جب میں اُس کے پاس آیا تو شیخ کا فرمان مجھے دیا۔ مجھے اس میں شک بھی نہ گذرا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ حضرت اس کی بڑی قدر کرتے تھے میں نے اُسے کہا ان میں سے جو چاہیں آپ لے لیں۔ کہا ہم ادنیٰ الیں گے اور عمدہ کو شیخ کی خدمت میں لے جائیگے ہم نے ادنیٰ کو وہیں چھوڑا اور جو بڑا ہر عمدہ تھا اُسے لے کر حضرت کے پاس آئے۔ جب حضرت نے مینڈھے کا سنا، فرمایا فلاں نے تم سے دھوکا کیا اس نے عمدہ تو لے لیا اور تو ادنیٰ کو میرے لیے لایا ہے۔ میں نے عرض کیا ہیں تو یہی عمدہ اور موٹا دکھائی دیا تھا۔ ارشاد فرمایا اس کی تو صرف ادب میں چربی ہے، حالانکہ آپ نے مینڈھے کو ابھی دیکھا بھی نہ تھا۔ عید میں قربانی ہونے پر دونوں مینڈھے ایسے ہی نکلے جیسے حضرت نے فرمایا تھا۔

اور جب ہم ایک مینڈھے کو چھوڑ کر دوسرے کو لے کر روانہ ہونے لگے تو فکر ہوئی کہ دوسرے کو لے کر کیسے چلیں اور یہ ہمارے ساتھ کیسے چل سکے گا، حالانکہ ہم سوار ہیں۔ اللہ نے یہ بات بھی آسان

کر دی کہ بکریوں کا ایک گنہ فاس کو جانے والا مل گیا۔ ہم میں سے صرف میرا علاقائی بھائی پیادہ
 چل رہا تھا۔ لہذا اسی کو مینڈے کیساتھ چھوڑا تاکہ گنہ کیسے مینڈے کو پکڑ آئے اور وادوں بعد پہنچا۔ شیخ نے اُسے
 دیکھ کر فرمایا لو ہمارے لیے مینڈے چالے کر آیا ہے، ہم نے تجھ کو روکا دیا۔ میں نے عرض کیا حضرت
 یہی تو اس کی خواہش تھی۔ میرے بھائی کو اولاد کی بڑی خواہش تھی۔ اس کی بیوی چھوٹی عمر کی
 تھی اور پندرہ برس شادی کو گزر چکے تھے، لیکن کوئی اولاد نہ ہوئی تھی اور وہ اولاد سے مایوس
 ہو چکی تھی اور وہ خاندان کو بانجھ ہونے کا التزام دیتی تھی۔ جب ہم مینڈے کو ایک جگہ پر باندھ دیا
 اور شیخ ہمیں لے کر گھر کی طرف روانہ ہوئے اور یہ رات کا وقت تھا۔ جب چراغ کی روشنی میں
 میرے بھائی کو دیکھا، فرمایا میرے قریب آؤ۔ وہ قریب گیا اور اس کی پیشانی کھول کر تین مرتبہ کچھ
 کلمات پڑھے اور کہا: ارے نلال یہ کوئی میچھڑا تو نہیں ہے۔ یہ الفاظ تین بار فرماتے اور پھر اُسے کہا
 روکے گا کیا نام رکھو گے، عرض کیا آپ ہی رکھ دیں۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر فرمایا اس کا نام
 رَعال رکھنا۔ یہ نام نہ ہمارے قبیلے میں تھا اور نہ ہمارے اجداد میں سے کسی کا یہ نام تھا، جو برادران
 طریقت حاضر تھے ان میں سے ایک نے عرض کیا یہ انوکھا نام آپ کو کہاں سے مل گیا؟ آپ نے مسکرا
 کر فرمایا مجھے تو یہی دکھائی دیا ہے۔ جب واپس آئے تو دیکھا کہ بھائی کی بیوی کو حمل قرار پا چکا تھا
 اور اس سے پہلے اس کا کسی کو علم نہ تھا۔ چنانچہ بچہ ہوا اور اس کا نام شیخ کے فرمانے کے مطابق رَعال
 رکھا گیا۔ لوگ اس نام سے تعجب کرتے۔ آپ نے تو اس کا نام رَعال اس بات کی طرف اشارہ کرنے کی
 غرض سے رکھا تھا کہ یہ جلدی کوچ کر جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔ کیونکہ وہ صرف تین سال زندہ رہنے
 کے بعد مر گیا۔ اس نام میں بھی آپ کی ایک اور کرامت پائی جاتی ہے۔

میں نے شیخ کو اُس شخص سے فرماتے ہوئے سنا کہ پہل بار تو ہم نے تجھے رَعال دیا تھا اور اب
 ہم تجھے ایسا روکا دیں گے جو تمہارے پاس رہے گا اور کوچ نہیں کرے گا۔

چوتھی کرامت

ایک روز ایک دوست کے ساتھ شکار کو گیا اور مجھے شکار کا بہت شوق تھا
 ہم نے اپنے گھر میں علی الصبح ناشتہ کر لیا اور کھانا ساتھ لیے بغیر نکل گئے کیونکہ
 ہمیں خیال تھا کہ دیر نہ لگے گی۔ ہمیں پہاڑ کے واس میں ہی کچھ ہڑیاں دکھائی دیتے جنہیں ہمارے
 ملک میں جلیڈ کہتے ہیں اور اس علاقے میں بہت سے ہرن تھے، لیکن شکار کرتے کرتے دیر ہو گئی
 اور شام ہوتے ہوئے ہمیں خوب بھوک لگ گئی۔ ہمیں کھانا ساتھ نہ لینے پر ندامت ہوئی اس کے
 بعد جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمایا بدھ کے روز شکار کے لیے بغیر کھانا ساتھ لے

کیوں گئے تھے؟ تمہیں ایک آدمی ملا۔ اس نے تمہیں ٹٹولا مگر تمہارے پاس کھانے کو کچھ نہ پایا۔ پھر تمہیں پہاڑ کے دامن میں ایک ہڑیاں مل گیا اور اُس تمام شکار کا حال بیان کر دیا اور پہاڑ کا حال بھی بیان کیا اور فرمایا اس پہاڑ کی چوٹی پر پیالے جتنا پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ ہے نہ تو خشک ہوتا ہے اور نہ اپنی جگہ سے باہر نکل کر بہتا ہے نہ کم ہوتا ہے اور نہ زیادہ اور مجھے اس چشمہ کا علم ہی نہ تھا اور شکاری بھی بہت کم ہی پہاڑ کی چوٹی پر جاتے ہیں۔ جب حضرت کے پاس سے واپس آیا تو اس چشمہ کے متعلق لوگوں سے دریافت کیا۔ جو لوگ اس سے واقف تھے انہوں نے ایسا ہی بیان کیا جیسا کہ حضرت نے فرمایا تھا۔

(مؤلف کتاب کہتا ہے کہ جو شخص اُسے ملا تھا اور اس نے ان کا سامان ٹٹولا تھا وہ شیخ خود تھے میں نے حضرت سے اس شخص کی نسبت سوال کیا تھا اور حضرت نے مجھے اس کی تشریح کر دی تھی۔ میں نے حضرت کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کسی باری نے اور سیدی منصور نے اس چشمہ کے پاس نماز پڑھی ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر ہے اور یہ جگہ اپنی بلندی کی وجہ سے یہیں بہت پسند تھی۔

علی کہتے ہیں ایک بار انہوں نے میرے تمام علاقہ کی اور ہمارے گھر کی ہر صوبہ صفت بیان کی اور حالانکہ آپ نے اسے کبھی دیکھا نہ تھا اور آپ چار دن کی مسافت پر تھے اور حقیقت بعینہ اسی طرح تھی جس طرح آپ نے بیان کی۔

پانچویں کرامت | ایک بار پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے ہمارے گھر کا حال بیان کرنا شروع کر دیا اور کہا تم فلاں جگہ پر گھوڑے کیوں باندھتے ہو؟ وہاں تمہارے گھوڑوں کے پاؤں کے پاس ایک دلی مدفون ہیں اور ہم نے کبھی قبر کا کوئی نشان نہ دیکھا اور وہاں سے قبرستان بھی نصف میل دور تھا۔ پھر فرمایا تمہارے جانور باندھنے کی جگہ میں سات قبریں ہیں اور وہاں جانور باندھنے سے کوئی حرج نہیں سوائے اس قبر کے جو تمہارے گھوڑوں کے پاؤں کے پاس ہے۔ لہذا تم گھوڑوں کو وہاں سے ہٹا دو اور اس قبر کی تعظیم و توقیر کرو۔ وہاں کوئی جنگ بندوق۔ جس سے گھوڑے اُسے ایذا نہ پہنچا سکیں۔ برادرانِ طریقت میں سے ایک نے سوال کیا حضرت وہ صاحبِ قبر کن میں سے ہے۔ فرمایا وَجَدَهُ اور تلمسان کے درمیان رہنے والے عربوں میں سے ہے۔ جو مصافحات میں رہا کرتا تھا اور وہ اسے ایک طالب علم سمجھتے تھے اور کسی کو ان کے دلی ہونے کی خبر نہ تھی اور جب مرا تو وہاں دفن ہو گیا پھر ہم نے وَجَدَهُ اور تلمسان کے درمیان

جو عرب تو ہیں رہتی ہیں اُن کے نام لینے شروع کئے اور آپ نہ نہ فرماتے گئے یہاں تک کہ جب آل رباح کا نام لیا تو فرمایا ہاں انہی میں سے ہے۔ حالانکہ دیکھی آپ وہاں گئے اور نہ انہیں کبھی دیکھا۔ پھر فرمایا اگر تحقیق کرنا چاہتے ہو تو کدال لے کر دیکھ لو۔ تحقیق ہو جائے گی۔ میں نے عرض کیا کہ جانوروں کے باندھنے کی جگہ میں وہ قبر کہاں پر ہے؟ فرمایا تمہارے بیٹے کے گھر کے غریب جانب اس ترخانہ کے بالمقابل جو جانوروں کی جگہ کے دروازے کی طرف سے آتا ہے۔ ہمارے وہاں تین ترخانے تھے۔ جب گھر واپس آیا تو گھر والوں سے اس بات کا ذکر کیا اور کدال لے کر اس جگہ کو کھودا جو آپ نے بتلایا تھی تو بالکل حضرت کے ارشاد کے مطابق پایا اور لوگوں کو تعجب ہوا۔

میں نے حضرت سے عرض کیا کہ باقی قبروں کو چھوڑ کر صرف اسی ولی کی قبر میں کیا خصوصیت ہے کہ اس کا تو احترام کیا جاسے اور ان کا نہ کیا جاسے۔ فرمایا کہ اس ولی کی روح آزاد ہے اور باقیوں کی روحیں برزخ میں مقید ہیں اور ان پر زمانہ بھی تقریباً تین سو سال کا گزر چکا ہے۔ میرا غصہ رفع ہو گیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

چھٹی کرامت ایک مرتبہ حضرت کی زیارت کے لیے میرا چچا زاد بھائی علال میرے ساتھ آیا جو کہ میرا نسبتی بھائی بھی ہوتا تھا۔ ہم آپ کے پاس آئے اور میرے چچا زاد بھائی کی بیوی حاملہ تھی۔ اس کی نیت یہ تھی کہ حضرت سے تنگ دستی کی شکایت کرے اور یہ اس کی پہلی ملاقات تھی۔ حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا کیا تمہاری بیوی حاملہ ہے؟ عرض کیا: جی۔ حضرت نے فرمایا کیا تم پسند کرتے ہو کہ تم کو لڑکی عطا ہو اور وہ رزق لے کر آوے۔ اس نے عرض کیا حضرت بڑی خوشی سے۔ ہم یہی تو چاہتے ہیں اور آپ نے اس میں دو باتیں جمع کر دیں۔ لڑکی کی پیدائش کی خبر اور رزق کی فراخی کی جو اس کی خواہش تھی۔ گھر پہنچے تو دیکھا کہ بیوی نے لڑکی جنمی ہے اور وضع حمل کو سات دن گزر چکے تھے اور گھر والے سوچ رہے تھے کہ اس کا کیا نام رکھیں حضرت شیخ نے اسے فرمایا تھا جب لڑکی پیدا ہوگی تو اس کا کیا نام رکھو گے؟ عرض کیا بیسے آپ کی مرضی ہو۔ حضرت نے اس کا نام خدیجہ رکھا تھا اور ہمارے ہاں اس نام کا قطعاً رواج نہ تھا۔ لوگوں کو اس نام سے تعجب ہونے لگا۔ میں نے حضرت سے سوال کیا آپ نے اس کا نام خدیجہ کیسے لکھا؟ فرمایا کہ جس خوش نصیب کو بھی حق تعالیٰ نے فتح کبیر عطا فرمائی اور اس نے نکاح کرنے کا قصد کیا تو ایسی عورت کی جستجو کی جس کا نام خدیجہ ہو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّ المؤمنین سیدہ خدیجہؓ سے بڑی راحت حاصل ہوئی اور ان ہی کے پاس ہر قسم کی دنیوی اور دینی خوبیاں آپ کو

علا ہوئیں۔ اگر میرے ہاں ایک اور لڑکی پیدا ہوتی تو میں اس کا نام خدیجہ ہی رکھوں گا
سائواں کشف ایک مرتبہ آپ نے میری بیوی کے سر سے پاؤں تک کے ایک ایک عضو
 کے خواہ ظاہری ہوں خواہ پوشیدہ بیان کر دیے اور وہ بیان بالکل درست
 تھا، یہاں تک کہ اگر میں بھی بیان کرنا چاہتا تو حضرت کی طرح بیان نہ کر سکتا اور اگر وہ خود بھی
 حضرت کے سامنے آتی تو آپ کے علم میں کوئی اضافہ نہ ہوتا۔ وہ آپ سے چار دن کی مسافت پر تھی اور
 آپ نے اسے کبھی دیکھا بھی نہ تھا۔

آٹھواں کشف و کرامت مجھے نیند بہت آیا کرتی تھی کبھی مکتوبِ فجر کے وقت آنکھ کھل
 جاتی تو اس وقت بیوی سے مجامعت کرتا اور کبھی سوتے سوتے
 ہی فجر ہو جاتی۔ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے حاضرین سے فرمایا ”فلاں شخص کے
 پاس جب بھی ہم گئے تو یا اس کو سوتا ہوا پایا یا وہ اس وقت بیوی سے مجامعت کر رہا ہوتا۔ کسی نے
 عرض کیا حضرت اس وقت میں سونا بہتر ہے یا مجامعت۔ فرمایا اُس وقت مجامعت سونے سے افضل
 ہے۔ لیکن اوقاتِ صلوٰۃ میں مجامعت سے اگر حمل قرار پا جائے تو جوادِ داد ہوگی وہ ماں باپ کی
 نافرمان ہوگی۔ میں نے اسی دن سے توبہ کی اور پھر ایسا نہیں کیا اور نہ ہی پھر اُس وقت کبھی سویا۔
 (تو لف کتاب کہتا ہے) کہ حضرت کا یہ فرمان کہ اُس وقت جو بچہ پیدا ہوگا غائب ہوگا،
 اس میں بھی حضرت کی ایک اور کرامت پائی جاتی ہے کیونکہ علی بن عبداللہ ہمیشہ اپنی اولاد کے
 نافرمان ہونے کی شرکایت کرتے رہتے تھے اور ہم نے خود دیکھا ہے کہ اُن کی اولاد ان سے بڑی
 بڑی حرکتیں کرتی رہتی۔

نواں کشف میں اپنی بیوی سے بہت چہل بازی کیا کرتا تھا اور اسے کئی طرح کرتا، میں نے
 اس کا ذکر اپنے ایک پیر بھائی سے کر دیا اور اس نے شرکایت کے طور پر اس کا
 ذکر حضرت سے کر دیا۔ آپ سنکر مسکراتے اور فرمایا اس نے تو تھوڑا سا ذکر کیا ہے وہ تو اور
 کچھ بھی کرتا ہے وہ تو ایسا ایسا بھی کرتا ہے اور جو کچھ میں کیا کرتا تھا سب ذکر کر دیا اور میں
 سن رہا تھا اور یہ ایسی باتیں تھیں جن کا ذکر کوئی شخص کسی سے نہیں کر سکتا اور ان کا علم اللہ
 کے سوا کسی کو نہ تھا۔ پھر فرمایا یہی سُنّت ہے اور ایسا کرنے والے کو نیکیاں ملیں گی۔ مجھے یہ سنکر
 خوشی ہوئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

لے نافرمان

تحریر کے وقت ہمیں اتنی ہی یاد تھیں حضرت کی کرامات تو بشمار ہیں۔ خدا ہمیں حضرت کے وجود سے نفع پہنچائے اور آپ کی محبت میں ہماری موت ہو اور انہی کی جماعت میں ہمارا حشر ہو۔
بوسیدہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(مؤلف کہتا ہے) خدا نے اُن کی دعا قبول کی کیونکہ حبیب اُن کی وفات کا وقت قریب آیا تو دل میں خیال پیدا ہوا کہ اب مرنے کا وقت قریب آیا ہے وہ بیوی سے کہہ کر کہ میں حضرت کی خدمت میں فاس جاتا ہوں تاکہ وہیں وفات پاؤں صباغات چھوڑ کر اور اہل وطن سے رخصت ہو کر آستانہ شیخ پراپرے اور بیمار پڑ گئے شیخ نے وصیت کرنے کا اور اللہ کی ملاقات کی تیاریاں کا حکم دیا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت نے اپنے گھر رکھ کر اُن کی تیمارداری کی۔ آپ کی زوجہ محترمہ اور اُن کے متعلقین مریض کی ضروریات تیار کر دیتے۔ آخر جب وقت اخیر آ گیا۔ حضرت نیچے اپنے گھر میں تشریف فرما تھے اور علی بن عبد اللہ بالاخانہ میں تھے۔ حضرت نے فرمایا ابھی علی کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکرؓ کی زیارت ہوئی ہے۔ یہ سن کر وہ لوگ بالاخانہ میں علی کے پاس آئے تاکہ یہ دریافت کریں۔ دیکھا تو اُن کی زبان بند ہو چکی تھی۔ پھر بھی لوگوں نے حضرت کا مقولہ ذکر کیا۔ وہ سمجھ گئے اور سر ہلا کر کہا کہ ہاں سچ ہے اور منہ کھولا جیسے کوئی ہنس رہا ہوتا ہے اس کے بعد متواتر مسکراتے رہے یہاں تک کہ روح پرواز ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے حضرت کو فرماتے سنا اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اس پر رحم کیا اور اگر صباغات میں نوٹے سال بھی اور زندہ رہتا تو بھی جس حال میں وہ مرا ہے حاصل نہ کر سکتا۔

حضرت کی اُن کرامات کا ذکر جو الفقیہ عبد اللہ بن علی التازی نے بیان کیں

مذہب ذلیل کرامات عبد اللہ بن علی التازی نے لکھ کر بھیجیں۔ یہ ایک صاحب کا معنی مشاہدہ تھا۔ حضرت کے سامنے ان کا ذکر کیا تو آپ نے ان کی تصدیق کی۔

عبد اللہ بن علی کی بیان کردہ پہلی کرامت
عبدالرحمن خونی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں شیخ کے ساتھ مولائی اور میں کے مزار پر گیا اور وہاں علامہ احمد بن مبارک بھی تھے۔ شیخ نے کسی کام کے لیے مجھے اپنے گھر بھیجا۔ میں بڑی تیزی سے وہاں چلا اور

شیخ کو وہیں چھوڑا۔ گھر پہنچا تو ایک آدمی دیکھا جو دھونے کی غرض سے کپڑے لینے کے لیے حضرت کی تلاش میں دروازہ پر کھڑا ہے۔ ابھی ہم مولائی ادریس کے مزار سے شیخ کی تشریف آوری کے منظر تھے کہ دیکھتے کیا ہیں کہ آپ اپنے گھر سے ہاتھ میں کپڑے لیے نکلے اور دھوبی کو دیدیتے۔ حالانکہ جب میں نے آپ کو مولائی ادریس کے مزار پر چھوڑا تھا تو آپ راستہ میں کچھڑا اور دلدل کی وجہ سے کھڑاؤں میں کرا رہے تھے۔ اگر آپ جوتا پہن کر بھی آتے ہوتے اور معمول کے طور پر چلتے تب بھی مجھ سے آگے نہیں نکل سکتے تھے کیونکہ میں تو نہایت تیز چل کر آیا تھا۔

دوسری کرامت عبدالرحمن نے یہ بھی بیان کیا۔ حضرت کی ایک عینک تھی جو کم ہو گئی میں ایک اور عینک الحاج محمد کراش کی دوکان سے لے آیا، لیکن وہ ٹھیک

نہ تھی۔ فرمایا پہلی ہی تلاش کر دو وہ صاف تھی شاید بدل جاتے۔ ہم نے جس کتاب میں وہ رکھا کرتے تھے اسے ایک ایک ورق کر کے کئی بار تلاش کیا، لیکن عینک نہ ملی۔ اس پر حضرت کا رنگ بدل گیا میں نے دریافت کیا حضرت کیا بات ہے؟ فرمایا مجھے اس عینک پر غصہ آ گیا ہے، پھر جس کتاب کا ورق ورق چھان مارا تھا اسے اٹھایا اور جو ناقص عینک انہوں نے لگا رکھی تھی، وہ ناک سے گم پڑی اور آپ نے کتاب نیچے رکھ دی۔ دیکھا تو پرانی عینک کتاب کے اوپر پڑی ہے۔ پھر اپنے بیٹے عمر سے فرمایا: جاؤ اپنی والدہ سے کہہ دو اللہ نے میری عینک مجھے واپس دے دی ہے۔

تیسری کرامت یہی عبدالرحمن فرماتے ہیں: سخت جاڑے کے موسم میں ہم شیخ کے پاس بیٹھتے تو آپ کے ماتھے سے بکثرت پسینہ ٹپکتا ہوا دیکھتے۔ مگر پھر یہ حالت نہ رہی،

ہم نے اس کا سبب دریافت کیا۔ فرمایا یہ پسینہ مجھے ابتداء میں آتا تھا۔ جب مشاہدہ سامنے آتا اور پھر غائب ہو جاتا۔ جب غائب ہو جاتا تو میں عام لوگوں کی طرح ہو جاتا، لیکن جب پھر مشاہدہ ہوتا تو مجھے انسانی حالت سے باہر نکال دیتا اور پھر غائب ہو جاتا تو میں عام انسانوں کی طرح بن جاتا۔ اس سے مجھے سخت تکلیف ہوتی جب یہ مشاہدہ دائم رہنے لگا اور کسی وقت بھی غائب نہ ہوتا اور میری ذات اس سے مانوس ہو گئی۔ اس لیے اب مجھے پراس کا اثر نہیں ہوتا۔

چوتھی کرامت ایک مرتبہ میں اور میرا بھائی عبدالرحمن مذکور مدسۃ عطارین کی چھت پر چڑھ گئے اور ہمیں گھروں کی چھینوں پر عورتیں نظر آئیں۔ کہیں اکٹھی اور کہیں

الگ الگ۔ ہم نے ان کو دیکھنا شروع کیا اور ان کا ذکر کر کے آپس میں ہنسنے۔ حتیٰ کہ ہم میں سے

ایک خوش طبعی کے زور میں ہوا میں بڑے زور سے اُچھلا بھی۔ جب ہم شیخ کے مکان پر آئے اور بالا خانہ میں بیٹھے تو آپ خوب ہنسنے اور فرمایا وہ شخص نسبت ہی اچھا ہے جسے کشف نہ ہوتا ہو۔ اس کے بعد فرمایا سچ بتاؤ، جھوٹ نہ بولن، تم دونوں کہاں گئے تھے۔ ہم نے واقعہ عرض کر دیا اس پر حضرت نے عورتوں کا قہقہہ اور جس جس چھت پر وہ تھیں اس طرح بیان کرنا شروع کر دیا گویا وہ ہمارے ساتھ تھے۔ یہاں تک کہ اُچھلنے کا واقعہ جو ہم نے اُن سے چھپایا تھا وہ بھی ذکر کر دیا آپ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ اس وقت ملنے والوں کے پاس بیٹھے تھے۔ جب آپ نے عبداللہ اور عبدالرحمن کو اچھلتے دیکھا تو آپ قہقہہ لگا کر ہنسنے پڑے۔ حاضرین نے سمجھا کہ اُن میں سے کسی پر ہنسنے ہیں۔

پانچویں کرامت ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا اور میری بیوی حاملہ تھی۔ آپ نے حمل کا تذکرہ کیا۔ حاضرین میں سے ایک نے بطریق تسخر کما لڑکی ہوگی، لیکن شیخ نے مجھے فرمایا قریب آؤ۔ جب میں قریب گیا تو کان میں فرمایا لڑکا ہوگا اور ایسا ہی ہوا۔

چھٹی کرامت عبدالرحمن کہتا ہے ایک بار پھر حاضر ہوا اور میرا لڑکا بیمار تھا، میں نے عرض کی کہ بچے کی صحت کے لیے دعا فرمادیں۔ فرمایا پھر کبھی کہنا تو دعا کروں گا میں سمجھ گیا کہ بچے کی موت کا وقت قریب ہے اور ایسا ہی ہوا۔

ساتویں کرامت ایک بار پھر حاضر ہوا اور بیوی حاملہ تھی۔ فرمایا تمہارے ہاں ایک بیٹی کا اضافہ ہوا ہے اور ایسا ہی ہوا۔

آٹھویں کرامت عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میں آپ کی زیارت کے لیے فاس روانہ ہوا اور شیخ کے لیے تیس ادقیہ ساتھ لے چلا۔ جب شہر کے قریب پہنچا تو اس میں ایک اُدقیہ نکال لیا۔ جب باقی رقم حضرت کو پیش کی تو فرمایا اپنی کارروائی تم چھوڑتے نہیں؟ جاؤ ایک موزونہ کی کھجور اور تین موزونہ کا پیئر لے کر آؤ اس اُدقیہ کے عوض جو تم نے نکال لیا ہے۔ میں نے کہا حضرت کی عقل و دانش کس قدر خالص ہے۔

نویں کرامت عبدالرحمن کہتے ہیں کہ حضرت کی زیارت کے لیے گیا۔ جب آپ کے سامنے بیٹھے گیا تو فرمایا اتوار کی رات کیا کر رہے تھے؟ میں نے عرض کیا حضور کو کسی بات فرمایا جب تو اپنی بیوی سے مجامعت کر رہا تھا اور تو نے اپنے بیٹے کو کیچے پر بٹھلایا ہوا تھا کیونکہ

لے ادقیہ۔ ایک ادنیٰ

وہ سزا نہ تھا اور لائین بھی صندوق پر پڑی تھی۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اس وقت تیرے پاس موجود تھا؟

القصد شیخ کی کرامات لاتعداد ہیں۔

مولف کتاب کہتا ہے کہ اس وقت سے اب تک بے شمار کرامات آپ سے صادر ہوئیں اور ان بزرگوں نے جو کرامات لکھ کر بھیجی تھیں وہ سنہ ۱۲۸۵ھ کے اختتام تک کی تھیں۔ انہیں میں نے عاشورہ کے دن دس محرم ۱۱۲۹ھ کو حضرت کو پیش کیا تھا۔

الارضی سیدی العربی الزیادی کی تحریر کردہ کرامات

اکثر کرامات جو انہوں نے ذکر کی ہیں میں بھی اُس وقت حاضر تھا اور میں نے خود دیکھی ہیں اور جن میں میں حاضر نہ تھا اُن کی نسبت میں نے حضرت سے دریافت کر لیا تھا اور آپ نے ان کی تصدیق کی تھی۔

پہلی کرامت میں حکومت کے ایک سیکرٹری کے لیے کتابیں خریدا کرتا تھا، میں نے بہت سی کتابیں خریدا کر اس کے پاس بھیج دیں۔ اس نے بھی کتابیں پہنچنے سے پہلے ہی

مجھے رقم ادا کر دی۔ لیکن جب کتابیں اس کے پاس پہنچیں تو اسے پسند نہ آئیں، اس لیے وہ بہت گر جا اور چپکا۔ پھر کتابیں مجھے واپس بھیج دیں اور کہا کہ انہیں مالک کو واپس کر کے قیمت داخل کر دو ورنہ جو ہم سے ہو سکے گا وہ ہم کو دیں گے۔ یہ سن کر میں گھبرایا اور منہموم و پریشان ہوا اور سیکرٹری سے ڈرا کیونکہ اس کا بڑا دبدبہ تھا۔ چنانچہ میں نے شیخ کے پاس جا کر قصہ سنایا اور عرض کیا کہ مالکوں نے کتابیں واپس لینے سے انکار کر دیا ہے اور میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ ادا کر سکوں اور سیکرٹری کا بڑا اقتدار ہے۔ اسی قسم کی اور مشکلات کا ذکر کیا۔ اس پر شیخ نے فرمایا "تیا کوئی ڈر کی بات نہیں انشاء اللہ جلدی کوئی سبیل نکل آئے گی" ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ سلطان نے اسے قتل کر دیا اور شیخ کے فرماؤ کے مطابق میری مشکل حل ہو گئی۔

دوسری کرامت ایک مرتبہ ہمارے وطن تاتسنا میں سخت فساد ہوا اور قاضی شہر میرا دینی بھائی بنا ہوا تھا۔ مجھے اُس کی نسبت ڈر ہوا کہ کہیں اس پر کوئی قاتل نہ

آئے۔ میں شیخ سے اس کے لیے دعا کرنے آیا۔ فرمایا سید طاہر کو تو خطرہ نہیں، لیکن میں میرفتی کاٹناں

نہیں ہوں۔ یہ میرنشی بھی میرا اور قاضی دونوں کا دوست تھا، لیکن میں نے اس کا ذکر نہ کیا تھا۔ یہ وہی کتا ہوں والے صاحب ہیں جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے چنانچہ بیاض شیخ نے فرمایا تھا وہی ہوا۔ قاضی صاحب تو بال بال پنج گئے اور میرنشی قتل کر دیئے گئے۔

تیسری کرامت نیز جب ہمیں میرنشی کے قتل کی خبر پہنچی اور اس کا ابھی صرف چند لوگوں کو علم تھا کہ میں نے شیخ کے گھر جا کر دستک دی۔ آپ نکلے لیکن ہم نے میرنشی کی موت کا ذکر نہ کیا۔ خود ہی فرمایا۔ میرنشی مر گیا۔ میں نے کہا۔ جی ہاں۔ فرمایا میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا پھر فرمایا اس کتا ہوں میں سے کوئی کتاب تمہارے پاس ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا اللہ انجام بخیر کرے۔ آپ کے ان الفاظ سے مجھے ڈر لگا اور گھبراتے ہوئے میں نے حضرت کے ہاتھوں کو جھک کر بوسہ دیا اور عرض کیا مجھے اس میرنشی کی طرف سے بڑا ڈر ہے۔ حاضرین نے میری مدد کی اور شیخ سے دعا خیر کی درخواست کی۔ فرمایا طلبی تو ضرور ہوگی، لیکن سلامتی سے گذر جائے گی۔ میں اس کا منتظر رہا۔ پھر ان تمام لوگوں کی طلبی و تحقیق و تفتیش ہونے لگی جن کا میرنشی سے میل جول تھا اور جو گرفتار ہوئے انہیں طرح طرح کی سزائیں دی گئیں۔ کسی کی گردن اڑادی گئی۔ کسی کا مال ضبط کر لیا گیا اور کسی کی ذلت و خواری کی گئی اور مجھے خوف پہ خوف طاری ہوا۔ میں شیخ کی خدمت میں جاتا تو فرماتے موت تو نہیں ہے البتہ تکلیف ضرور ہوگی۔ آپ یہی فرماتے رہے حتیٰ کہ مکناسہ ^{سلطنت} دارا نے جانے کے لیے میرے پاس بھی قاصد آگیا۔ میں اسے لیکر شیخ کی خدمت میں آیا۔ آپ اُسے بڑی مسرت و انبساط سے ملے۔ اُس کے لیے دعا خیر کی اور میرے متعلق بہت کچھ نصیحت کی۔ اس نے عرض کیا بسوہ چشم۔ شیخ نے مجھے فرمایا کہ تو صبح سلامت واپس آجائے گا اور اس آدمی کے ہاتھ اس حاکم کو جو میرنشی کے معاملہ کی تفتیش کر رہا تھا، سلام بھی کہلا بھیجا۔ میں مکناسہ گیا اور میرنشی کی جو کتا میں میرے پاس تھیں، دے دیں اور انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ اور میں فاس واپس چلا آیا۔

والحمد للہ

اس کے بعد چند لوگوں نے جو ظلم پسند حکام میں مقرب بننا چاہتے ہیں۔ انفسر تفتیش کو مجھے پر بھڑکایا اور افزائندہ کہ اس کو سنایا کہ فلاں شخص کے پاس ابھی بہت کچھ مال باقی ہے۔ چنانچہ مجھے گھر آئے ابھی ایک جعبہ ہی گذرا تھا کہ قاصد پھر آمو جو ہوا اور مجھ سے دوستی و محبت کا اظہار کیا اور کہا کہ جب تائمنہ کے قاضی کو معلوم ہوا کہ تمہارا معاملہ بخیر و خوبی طے پا چکا ہے تو اس نے انفسر تفتیش کو لکھا کہ سید مرزا کو ہمارے پاس بھیج دو کہ موضع سلا میں ہم سے آکر ملاقات کرے

اب آپ کی مرضی ہے خواہ چلیں یا نہ چلیں۔ میں اُسے لے کر حضرت کے پاس آیا۔ اس نے وہاں بھی اسی طرح کہا۔ شیخ خاموشی سے سن رہے تھے۔ پھر مجھے فرمایا کہ میری رائے ہے کہ اس کے ساتھ چلے جاؤ، لیکن تیس اوقیہ ساتھ ضرور لے لو تاکہ افسر تفتیش کو دے سکو۔ قاصد نے کہا حضور میری بھی یہی رائے ہے۔ میں نے عرض کیا اگر وہ مجھے قاضی السید الطاہر کی وجہ سے لے جانا چاہتا ہے تو میں اسی کے ساتھ کیوں جاؤں اور اگر جانا ہی ضروری ہے تو تیس اوقیہ لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت نے فرمایا میری بات مانو میں ہنسی نہیں کر رہا۔ مجھے اس شخص کے خبیث باطن کا علم نہ تھا اور نہ ہی یہ خبر تھی کہ وہ مجھے اور قریب دے رہا ہے اور میں اپنی نادانی پر حجاز کا اس پر شیخ نے وضاحت سے فرمادیا اور وہ شخص سن رہا تھا مگر ہنسی میں ڈال گیا۔ پھر جب ہم شیخ کے پاس سے اٹھ کر آنے لگے تو فرمایا موت کا خطرہ نہیں البتہ قید کئے جاؤ گے۔ چنانچہ میں اس شخص کے ساتھ کنا ساروانہ ہو گیا مگر تیس اوقیہ جس کا شیخ نے حکم فرمایا تھا، ساتھ نہ لئے۔ جب کنا سہ پہنچے تو افسر مذکور نے میری طرف سے منہ پھیر لیا اور اپنے گھر میں مجھے قید کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب تک میں سلطان سے تمہارے بارے میں مشورہ نہ کر اؤں تم یہاں سے نہ نکلتا۔ مجھ سے پہلے میرے شہر کے چند لوگوں کے متعلق اس نے سلطان سے مشورہ کیا تھا اور انہیں قتل کر ڈالا تھا۔ میں اس قدر ڈرا کہ اللہ ہی جانتا ہے۔ میں نے کہا اب تو قتل ہی باقی رہ گیا ہے۔ یہ افسر مشورے کے لیے روانہ ہوا۔ جب وہاں پہنچا تو اتفاق ایسا ہوا کہ اس وقت میرنشی مذکور کا ایک بھائی ابوالعباس بسنتی کا غلاف لے کر آیا تھا، سلطان نے اس غلاف لانے والے کو اور ان لوگوں کو جن کا تعلق میرنشی سے تھا، سب کو شیخ کی برکت سے معاف کر دیا، بسکٹ مجھے سنخروہ کے بارے میں گزشتہ کر لیا اور سنخروہ کی قیمت تیس اوقیہ تھی۔ اس وقت مجھے شیخ کی بات سمجھ میں آئی کہ تیس اوقیہ ساتھ لے جانا۔ میں بہت بے قرار و پریشان پھرتا رہا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے معاملہ آسان کر دیا اور مجھے رہائی نصیب ہوئی، واللہ اور یہ سب شیخ کی برکت سے ہوا۔

چوتھی کرامت | ایک مرتبہ میں مغرب کی نماز کے بعد حضرت کے گھر گیا اور دیر تک دروازے پر بیٹھا رہا، مگر دروازہ نہ کھٹکھٹایا۔ آپ بالا خانہ سے اترے اور میں نے سیڑھوں سے آپ کے اترنے کی آواز سنی۔ آپ نے میرا نام لے کر پکارا۔ میں نے عرض کیا

ہے سنخروہ کے معنی معلوم ہو سکے (مترجم)

جی حضور۔ فرمایا کیا تو ایک گھنٹہ سے دروازے پر نہیں بیٹھا رہا۔ میں نے کہا: جی ہاں۔ اور اس وقت تاریکی بھی تھی۔ میں نے دستک بھی نہ کیا تھا اور نہ ہی جب تک آپ نے مجھے پکارا تھا، کہ کسی کو بتلایا تھا کہ میں دروازے پر ہوں۔ پھر آپ نکلے اور میں نے آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔

پانچویں کرامت | ایک رات میں نے گھر سے باہر مدرسے میں گزاری اور صبح کو آپ کے پاس گیا۔ آپ نکلے اور فرمایا: کل رات کہاں گزاری اور گھر میں رات کیوں نہ گزاری۔ میں نے عرض کیا نہیں حضرت میں تو رات گھر میں ہی رہا اور اس طرح آپ کو دھوکا دینا چاہا۔ فرمایا: کیا فلاں بگہ رات نہیں گزاری؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ حضرت فرمانے لگے اگر صبح نہ کھوگے تو جو کچھ تم نے کل رات وہاں کیا ہے سب کچھ بتا دوں گا۔ میں رسوائی سے ڈرا اور آپ کے ہاتھ پر بوسہ دے کر کما حضور صبح فرماتے ہیں۔

چھٹی کرامت | ایک بار میں مدرسے میں ایک جاہل شخص سے جو حضرت کا مرتبہ نہ سمجھتا تھا جھگڑ پڑا۔ اس کے بعد جب آپ کی خدمت میں جانا ہوا تو فرمایا وہ کون شخص تھا جس سے کل رات تو جھگڑا ہوا تھا اور تو نے اسے کیا کہا اور اس نے کیا کہا، میں چپ رہا، لیکن آپ نے تمام قصہ کہہ سنایا۔

آپ کی کرامات لاتعداد ہیں۔

توفیق کتاب کہتا ہے کہ

ساتویں کرامت | ایک بار آپ سے ایک شخص کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں تو میں نے عرض کیا اُسے آپ سے بڑی محبت ہے۔ آپ نے فرمایا اُسے مجھ سے محبت نہیں ہے اگر تو اُسے آزمانا چاہے تو اسے یوں ظاہر کرنا کہ تو نے مجھ سے محبت کرنا چھوڑ دیا ہے پھر دیکھنا وہ کیا کہتا ہے۔ وہ شخص میرے پاس آیا تو میں نے کہا مجھے تو کچھ اور ہی پتہ چلا ہے اور میں نے اس طرح باتیں کیں جن سے یہ ظاہر ہو کہ میرا خیال بدل گیا ہے۔ یہ سن کر کہنے لگا میں نے تو تجھے پہلے ہی کہہ دیا تھا اور اپنا خبیث باطن ظاہر کر دیا۔ تب میں نے کہا کہ جناب والا میں تو آپ کو آزما رہا تھا سو آپ کی حقیقت کھل گئی۔ اس پر وہ بہت شرمندہ ہوا، پھر میں نے حضرت سے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا۔

اٹھویں کرامت | ایک بار بلا خانے میں آپ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور کچھ باتیں ہو رہی تھیں

کہ یکایک پیرانی صاحبہ کے رونے کی آواز آئی اور شدتِ غم کی وجہ سے گھر میں گھونسنے لگیں کیونکہ انہیں بھائی کے مرنے کی خبر ملی تھی جو پردیس میں تھا۔ حضرت نے اوپر سے جھانکا اور فرمایا اُس کا انتقال نہیں ہوا۔ اس کی موت کی خبر دینے والے نے جھوٹ کہا ہے اور اس پر قسم بھی کھائی، مگر پھر بھی وہ رونے سے باز نہ آئیں کیونکہ انہیں انتہائی غم ہوا تھا۔ اس کے بعد حضرت کے فرمان کے مطابق خبر آئی۔ پیرانی صاحبہ کا بھائی اب تک زندہ ہے۔

نویں کرامت

ایک مرتبہ آپ محلہ عرصہ کی طرف جا رہے تھے کہ آپ سے ایک شخص ملا جس کا ایک اور رشتہ دار عبدالملک بن السلطان کے ساتھ محلہ (جگہ کا نام) میں تھا۔ شیخ اُسے دیکھ چکے تھے کہ وہ ایک ایسے شخص کے پاس بیٹھا تھا جو مدعی ولایت تو تھا لیکن درحقیقت ولی نہ تھا، لیکن جب اُس کی نظر شیخ پر پڑی تو اُٹھ کر ان کے پاس آگیا اور عرض کی مجھے پردیس (یعنی محلہ میں) گئے ہوئے بھائی کے متعلق بتلائیں، کیا وہ زندہ ہے یا مر گیا۔ کیونکہ فلاں صاحب نے (اُس کی مراد مذکورہ مدعی ولایت سے تھی) مجھے بتلایا ہے کہ وہ زندہ ہے۔ شیخ نے تجاہل برتا، لیکن اُس شخص نے اصرار کیا۔ شیخ نے فرمایا اگر تم ضروری پوچھنا چاہتے ہو تو توضیح خبر یہ ہے۔ خدا غریب الوطن حاجی عبدالکریم ابسکی پر رحم کرے۔ اس کے بھائی کا یہی نام تھا۔ اُس کی خبر تمہیں وہ شخص دے گا جس نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی ہے۔ سلطان نے تو اسے قتل کر دیا ہے اس کے بعد شیخ کے فرمانے کے مطابق خبر آگئی۔

دسویں کرامت

شیخ کا ایک خادم ماہوار تنخواہ پر عرصہ میں کام کرتا تھا اور وہ حکومت کے دسویں کے درپے تھا۔ شیخ نے اسے کہا کہ اسے چھوڑ دو۔ لیکن وہ نہ مانا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ حاکم ضلع کے پاس پہنچا اور کہا کہ میرا بھائی شیخ عبدالعزیز کے پاس موجود ہے اور انہوں نے مجھے اُسے یہاں لانے نہیں دیا۔ حاکم نے ایک سپاہی بھیجا۔ جب سپاہی آیا، اس وقت میں عرصہ میں آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کہنے لگا آپ کو حاکم بلاتا ہے، حضرت نے کہا ”مجھے؟“ کہا ہاں۔ حضرت نے فرمایا بسر و چشم۔ میں تو ایک مسکین اور رعیت ہوں۔ مجھے بھی کہا اُٹھو۔ ہم دونوں حاکم کی طرف روانہ ہو گئے۔ سپاہی کو ندامت ہوتی تو کہنے لگا، حضرت ہمارا مقصد تو صرف اس شکایت کنندہ کے بھائی سے ہے۔ آپ اُسے ہمارے حوالے کر دیں اور واپس چلے جائیں۔ فرمایا کیا میں نے تمہیں اس سے روکا ہے، چنانچہ وہ اُسے لے کر روانہ ہو گئے۔ اس کے بعد اس شخص کا بھائی صرف ایک ماہ زندہ

اور وہ شخص اس عرصہ میں واپس چلا آیا اور اُسے کوئی خطرہ نہ رہا۔

گیارہویں کرامت | جب بڑتا سن کے مشہور قبیلہ نے سلطان کے خلاف بغاوت کی اور سلطان نے اُن کے کچھ لوگ گرفتار کر لیے تو تازہ کے ایک اہلکار نے

گرفتاریوں کی آگ کو اہل تازہ کی طرف منتقل کرنا چاہا۔ اُس نے اس غرض سے ایک جعلی دستاویز مرتب کی جس میں یہ ظاہر کیا کہ یہ خط انہوں نے بنی بڑتا سن کو لکھا تھا اور انہیں یقین دلایا تھا کہ وہ اُن کے ساتھ ہیں اور اس تحریر کو سلطان کے سامنے پیش کیا اور پڑھ کر سنایا، سلطان یہ سن کر آگ بکولا ہو گیا اور ارادہ کیا کہ کسی کو اُن سے بدلہ لینے کے لیے روانہ کرے، لیکن پھر خیال آیا اور اہل کار کو قید کرنے کا حکم دیا۔ اہل تازہ کو بھی اس کا پتہ چل گیا، اُن میں سے کچھ لوگ شیخ کے پاس سے گزرے اور شیخ سے مشورہ کیا کہ کیا ہم اپنا وطن چھوڑ کر بھاگ جائیں کیونکہ انہیں سلطان سے خطرہ تھا۔ شیخ نے فرمایا، اگر جیسا میں کہوں، تم کرو، تو کہوں، انہوں نے عرض کیا حضور فرمائیے ہم تو آپ کی نصیحت پر عمل کرنے کے لیے آتے ہیں۔ فرمایا، "سیدھے سلطان کا رخ کرو، لیکن پہلے وزیر کے پاس جانا" انہوں نے ایسا ہی کیا۔ وزیر انہیں لے کر سلطان کی خدمت میں آیا۔ ان کی تعریف کی اور جو ازام اُس اہلکار نے لگا یا تھا اُس سے انہیں بری قرار دیا۔ اس پر سلطان نے اسے قتل کر دیا۔ یہ اس کی بے ڈھائی کا انجام تھا۔

اسی طرح ایک اور واقعہ پیش آیا جو ناس کے اسی سرکاری عملہ میں سے تھا جن کے کچھ اوپر بیس آدمی شوال ۱۳۱۵ء میں قتل ہو چکے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جب اس شخص نے حاکم ضلع کی گرفتاری سے پہلے تفتیش کی خیر خانی تو یہ بھاگ جانے کے متعلق شیخ سے مشورہ کرنے کو آیا۔ آپ نے فرمایا، بھاگ نہیں اور خود حاکم کے پاس پہلے جاؤ اور کہو میں حاضر ہوں، آپ جو چاہیں مٹرا دیں، لیکن میں تو فرمانبردار ہوں۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ حاکم نے کہا اگر تو سچا ہے تو بیچ چلا جا اور تیرا نڈوں کے ساتھ فوجی خدمت انجام دے۔ اس نے شیخ کے پاس آکر بتایا کہ مجھے حاکم نے یکم دیا ہے۔ شیخ نے فرمایا فوراً اُدھر چلا جا۔ اس کے چند دن بعد حاکم اور اس کے ساتھی گرفتار ہو گئے اور اُن کے اتنے ہی آدمی مارے گئے جتنے عملہ والوں کے مارے گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے شیخ کی برکت سے اس شخص کو نجات دلوائی۔

اس قسم کے معاملات میں حضرت کا ایسی طریقہ تھا کہ چونکہ کسی نے آپ سے حکومت سے جاگ جانے کا شورہ کیا تو آپ نے یہی مشورہ دیا کہ سرکار کے ہاں خود پہلے جاؤ اور اس کا انجام اچھا

ہی نکلتا۔ اگر اس قسم کی حکایات ذکر کرنے لوگوں تو بے طوفانی ہو جائے۔

بارھویں کرامت

ایک حاکم کو سلطان نے محزول کر دیا۔ اس نے کسی کو شیخ کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ اُن سے دعا کرے کہ وہ دوبارہ اپنے عہدے پر مقرر ہو جائے آپ نے وعدہ فرمایا۔ چند ہی روز گزرے تھے کہ سلطان نے اُسے اپنے عہدے پر بحال کر دیا۔ حضرت نے چند حافظ قرآن لوگوں کے بارے میں سفارش کی کہ کچھ ٹیکس انہیں معاف کر دیے جائیں، لیکن اُس نے نہ مانا اور نکار کر دیا۔ اب اُس حاکم کا بھائی حضرت کی خدمت میں آیا اور حضرت نے اس سے وعدہ فرمایا کہ بھائی کو قید تھیں مل جائے گا اور ایسا ہی ہوا کیونکہ حضرت کا فرمان نہ ماننے کے چند دن ہی بعد وہ آخرت کی طرف سفر کر گیا اور اُس کا بھائی اس عہدے پر مقرر ہو گیا اور اس نے جن لوگوں کے متعلق حضرت نے سفارش کی تھی، اُن کا کام کر دیا۔

تیرھویں کرامت

ابھی میری شیخ سے جان پہچان کی ابتدا ہی تھی اور میری شادی مولانا اعظم محمد بن عمر السبکی (جو خانقاہ ادریس میں رہتے تھے اور وہاں مسجد کے امام اور خطیب بھی تھے) کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ مجھے ان کے مرتبہ کا بھی تمنا اور بڑی کے کمال عقل و حسن معاشرت اور سلیقہ شعاری کی وجہ سے مجھے اس سے سخت محبت تھی، جب شیخ کو اس کا علم ہوا کہ میرے دل میں اُس کی کتنی قدر ہے اور اُس سے کس قدر محبت ہے تو کبھی مجھ سے یوں پوچھتے کیا تجھے مجھ سے اس جتنی محبت ہے یا اُس کی محبت زیادہ ہے۔ میں سچ کہہ دیتا اور عرض کرتا کہ اُس کی محبت زیادہ ہے اور میں معذرت خواہ کیونکہ مجھے شیخ کے مرتبہ اور اُن کے امام وقت ہونے کا علم نہ تھا۔ حضرت پر اس جواب کا اثر ہوتا اور ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ جب تک مرید کے دل میں شیخ، اللہ اور رسول کے سوا کسی اور چیز کی محبت ہو تو اس کا کچھ کام نہیں بن سکتا۔ آپ اس میں میرا ساتھ دیتے اور

۱۔ شیخ کا کام مرید کو حاصل باشند بنانے کا ہوتا ہے اور جب مرید طلاق دنیاوی میں پھنسا ہوا اس وقت اس کی توجہ ذات باری کی طرف کیے ہو سکتی ہے؛ اس لیے شیخ دنیا و مافیہا سے قطع تعلق کرا کے پہلے اسے فنا فی الشیخ کے درجہ میں فانا ہے جب اس میں کمال حاصل کرتا ہے تو پھر فنا فی الرسول کی باری آتی ہے اور پھر فنا فی اللہ میں پہنچ کر کمال حاصل کرتا ہے اس طرح شیخ دائلہ لا یثمن أخذ کلمہ خشی اکون احب الیہ من والدہ وانا من اجمعین۔ شکوۃ باب الایمان ص ۱۲ اور ۱۸ تل ان کان اباؤکم و ابناءکم و ازواجکم و عشیروکم و اموالکم تترکونہا (بقیہ ص ۱۸)

مجھے اس حالت سے نکالنا چاہتے۔ لیکن جب میں نہ مانا اور اللہ کی تقدیر میں جو کچھ لکھا ہو نہ تھا کھاجا چکا تھا۔ ۲۷ رمضان ۱۲۵۵ھ کی صبح کو جب میں حاضر ہوا تو آپ نے اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ ادیار کے ساتھ میں جوں رکھنا بمنزلہ زہر کھانے کے ہے۔ ہمارے فلاں شیخ نے اپنے مرید کے لیے نہ بیوی چھوڑی نہ بچہ اور اُس کو اپنا بنالیا۔ لیکن اس اشارہ کو نہ سمجھا۔ اس کلام کے چند دن ہی بعد عورت سے جو واقعہ ہونا تھا ہوا۔ وہ بیمار ہوئی اور مر گئی۔ حضرت کو بھی اُس سے بڑی محبت تھی اس لیے آپ دلاسا دیتے رہتے اور اسے دوائیں و شربت اور حن چیزوں کی مریض کو رغبت ہوتی ہے، اس کے لیے بھیجتے اور اسے شفا کا وعدہ کرتے اور آپ کی مراد شفاء آخرت ہوتی جیسا کہ اس کا اظہار بعد میں فرمایا۔ اس کی وفات کے بعد میری گردید لگی بچہ کے ساتھ بڑھی جسے وہ نشانی چھوڑ گئی تھی کہ جب اس کو دیکھتا تو دل اُسی میں دگارتھا۔ ماں کے بعد وہ بھی چند دن ہی زندہ رہا اور چل بسا۔ اس کے بعد میں نے فقیہ مذکور کی دوسری بیٹی سے شادی کی۔ جب اُس کے پاس گیا تو اسے اپنے مکان سے کہیں زیادہ خوبصورت اور عقل و کمال والی پایا اور وہ میرے دل پر قابض ہو گئی۔ تھوڑی مدت بعد وہ بھی چل بسی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے شیخ کی محبت کا ملہ نصیب کی۔ جس سے بالاکوئی محبت نہیں۔ اس کی صورت یوں ہوئی کہ ایک مرتبہ میں آپ کے پاس گھر میں بیٹھا ہوا تھا اور آپ محبت الہی کے متعلق تقریر فرما رہے تھے کہ وہ کیسی ہوتی ہے۔ میں نے اس پر کئی ایک سوالات کئے جن کا حضرت نے جواب دیا۔ میں نے یہ جواب دے سوال لکھ دیئے ہیں جنہیں آئندہ چل کر انشاء اللہ آپ دیکھ لیں گے۔ پھر آپ منکراتے اور فرمایا ہم تمہارے ساتھ کیا تدبیر کریں۔ تم دنیا میں دو بیویوں سے محبت کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے انہیں اپنی رحمت میں لے لیا اور انہیں برزخ میں باقی تمام ارواح کے ساتھ اتارا، اس کے باوجود بھی تم اُن سے کامل محبت کرتے رہے اب بتاؤ کہ اللہ انہیں برزخ سے کہاں لے جا کر رکھے تاکہ وہ تمہارے دل سے غائب ہو جائیں۔ اللہ کی قسم شیخ کے ان الفاظ سے ان کی محبت میرے دل سے جاتی رہی اور اب ساری محبت خالص شیخ کے ساتھ ہو گئی۔ حالانکہ میں نے فقیہ مذکور کا تیسری بیٹی سے بھی شادی کر لی تھی، لیکن دل اس کے ساتھ نہ لگا۔ چنانچہ یہ محمد اللہ بنحو عافیت ہے۔

بقیہ حاشیہ منقرضہ

وَتَجَادَّةٌ تُخْشَوْنَ كُنَادَهَا أَحَبُّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ
فَتُؤْتُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ كَمَا نَهَرْتُمْ سُبْحَىٰ كَرِهْتُمْ دَارِينَ عَمَّا كَرِهْتُمْ

پہلو دھویں کرامت

ایک مرتبہ حضرت مخدومہ پیرانی صاحبہ کو محل قرار پایا۔ کہنے لگیں: اے میرے سردار عبدالعزیز! مجھے خدا نے کافی اولاد دی ہے لہذا مجھے اس محل کی ضرورت نہیں، خاص طور پر جبکہ مجھے خانگی امور میں کافی مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور نہ ہی کوئی باندی ہے جو میری مدد کر سکے۔ لہذا اگر آپ واقعی دلی ہیں جیسا کہ لوگ کہتے ہیں تو دعا کریں کہ محل گر جائے۔ شیخ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ جب سویا کر دو تو سر ڈھانپنے کے بعد چہرہ کھلا نہ چھوڑا کرو مبادا ایسی چیز نظر آجائے جس کی برداشت نہ کر سکو۔ ایک رات اتفاق سے انہوں نے چہرے سے کپڑا اٹھایا تو انہوں نے شیخ کے پاس تین مردان غیب دیکھے۔ اس سے وہ اتنی ڈریں کہ محل گر گیا۔

پندرھویں کرامت

تمام گھروالوں نے اور ان لوگوں نے جو حضرت کی زیارت کے لیے آتے ہوئے تھے اس کرامت کا مشاہدہ کیا ہے کہ کبھی آپ کو اپنے جسم سے خفیف نیبوت حاصل ہوتی تھی یہاں تک کہ جو آپ کے پاس بیٹھے ہوتے وہ یہ خیال کرتے کہ آپ کی روح جسم سے پرواز کر گئی ہے اور آپ کی ذات میں کوئی حرکت نہ ہوتی۔ نہ سانس میں نہ ہونٹوں میں نہ رگوں میں چنانچہ ایک دن ایسی حالت طاری ہوئی اور ایک آدمی آیا۔ اُس نے دیکھا کہ نور بجلی کی طرح اُپر کو چڑھ رہا ہے اور پھیل رہا ہے۔ اگرچہ یہ شریعت میں بجلی سے کم تیز ہے مگر صفائی میں اُس سے زیادہ صاف ہے۔ اُس نے باہر جا کر لوگوں کو خبر دی۔ لوگوں نے آکر یہ حالت دیکھی۔ دوسرے دن جب حضرت سے ملا اور آپ کے ساتھ عرصہ کی طرف گیا تو آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور فرمایا کل ایسی بات ظاہر ہو گئی جسے میں مخفی رکھا کرتا تھا۔ میں نے عرض کیا حضرت واقعہ تو میں سن چکا ہوں، لیکن اس میں کیا راز ہے۔ فرمایا یہ جناب محمد علیہ وسلم کا نور تھا اور پھر تمام واقعہ بیان کیا۔ خدا ہمیں حضرت کی ذات سے نفع پہنچائے۔

سولھویں کرامت

میرا ایک حافظ قرآن دوست مشہور قبیلہ جاتیہ میں سے تھا۔ جب ۱۲۷۴ھ میں اس قبیلہ پر ظلم و ستم ڈھائے گئے تو جو شخص اُن پر حاکم مقرر تھا میں نے اُس کے پاس ایک شخص کو اپنے مذکورہ بالا دوست کی سفارش کرنے کو بھیجا۔ اُس نے میرے دوست کو تمام مطالبات سے رہائی دے دی۔ پھر وہ حاکم دو سال مامور رہنے کے بعد معزول ہو گیا اور اس کی جگہ ایسا شخص حاکم مقرر ہوا جس کے بارے میں پختہ یقین تھا کہ وہ جیسا میں کہوں گا۔ ویسا ہی

لے روح کی جسم سے علیحدگی

کر لیا۔ چنانچہ میں نے اسی دوست کے بارے میں کلام بھیجا، لیکن اس نے کسی قسم کا کوئی کام نہ کیا۔ میں نے چاہا کہ حاکم اعلیٰ کو کلام بھیجوں تو شیخ نے فرمایا اگر اللہ کی مرضی اُسے آزاد کرنے کی ہوتی تو حاکم تمہاری بات مان لیتا اور کام کر دیتا، لیکن میں نے تغافل برتا اور سفارش پر سفارش بھیجتا گیا جو لوگ میرا سفارشی رقعہ لے کر جاتے انہیں دیکھ کر وہ بہت خوش ہوتا اور واضح طور پر کہتا کہ میں کام کر دوں گا، لیکن اس کے باوجود نہ کرتا۔ میں نے کئی بار کوشش کی، لیکن اس سے اللہ نے کوئی کام نہ ہونے دیا۔ مجھے شیخ کے کشف کی صداقت معلوم ہو گئی۔

سترھویں کرامت

ایک روز میں آپ کے پاس عرصہ میں تھا اور آپ کے پاس عبدالسلام بن شیش کی اولاد میں سے ایک سید بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اس سید نے عرض کیا کہ حضرت سادات نے سلطان کے پاس اس پہاڑ کے رہنے والوں میں سے جو شیخ عبدالسلام کی قبر کے پاس ہے ایک شخص کی شکایت کی ہے کہ اس نے سیدانہوں سے شادی کی ہے۔ حالانکہ وہ عوام میں سے ہے اور سلطان اس بات کو سخت برا جانتا ہے۔ جب اس نے یہ سنا تو اُسے گرفتار کر کے لایا گیا اور قتل کی دھمکی دی گئی۔ شیخ نے فرمایا: کیا یہ شخص اللہ سے نہیں ڈرتا۔ اس نے کیسے مولائی عبدالسلام کی بیٹیوں سے شادی کر لی۔ حالانکہ اس میں کئی قسم کے عیب پائے جاتے ہیں۔ اس سید نے عرض کیا حضور آپ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا حالانکہ نہ تو آپ اس شخص کو جانتے ہیں اور نہ ہی کبھی آپ نے اُسے دیکھا اور نہ کبھی پہلے اُس کے متعلق کچھ سنا اور یہ عیب جس کا ذکر آپ نے کیا ہے اس کا تو اس کے قبیلے کے چند لوگوں کو علم ہے۔ اس کو شیخ کا کشف دیکھ کر تعجب ہوا اور اس نے شیخ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

یہ کرامت میں نے آپ کے اپنے ہاتھ سے الحاج عبدالقادر انصاری کی بیاض اکٹھا روئیں کرامت میں لکھی ہوئی دیکھی ہے۔

حضرت پہلے محمد بن عمر الدلائی کے حمام میں ملازم تھے۔ وہ حج کی غرض سے چلے گئے تو آپ اسی خدمت پر الحاج عبدالقادر شہازی کے پاس ملازم ہو گئے۔ عبدالقادر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت نے کاپی لی اور اس پر کھٹا شکر ہے خدا کا جو ایک ہے! سیدی محمد بن عمر آج فوت ہو گئے اور جوار رحمت میں چلے گئے۔ یہ الفاظ ماہ ذوالقعدہ ۱۱۱۱ھ میں عبدالعزیز بن مسعود الدباغ نے کہے اور لکھے۔ خدا اس پر مہربانی کرے، آمین۔

عبدالقادر کہتے ہیں، میں نے بلند آواز سے کہا، کیا لکھ رہے ہو وہ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے بھی میں

۱۔ اصل کتاب میں تجرباتیت لکھا ہے جن کے معنی مذکور ہو سکے (مترجم)

کرامات کا مشاہدہ کر چکا تھا۔ اس پر حضرت نے قلم لے کر لکھی ہوئی عبارت کاٹ دی اور فرمایا کچھ نہیں لکھا۔ عبدالقادر کہتے ہیں کہ جب حاجی آئے تو انہوں نے محمد بن عمر مذکور کی وفات کی خبر دی کہ اسی ماہ میں انتقال ہوا جس میں شیخ نے فرمایا تھا۔

میں نے شیخ سے عرض کیا آپ نے یہ کیسے کیا حالانکہ آپ کو فتح رکشف (تقریباً ۱۱۲۵ھ) میں مال ہوئی تھی۔ فرمایا: جب سے میں نے وہ امانت پہنی تھی جس کی وصیت سیدی عربی فشتالیؒ نے کی تھی، مجھے فتح حاصل ہو چکی تھی، لیکن وہ تنگ تھی اور جب کسی چیز کی طرف توجہ دیتا تو وہ مجھ سے چھپتی نہ تھی، لیکن ساتھ ہی اس کے سوا کچھ اور نظر نہ آتا تھا۔

(مؤلف کتاب کہتا ہے) کہ حضرت نے صحیح فرمایا کیونکہ جو لوگ آپ سے دوسرے دور میں ملتے رہتے تھے وہ آپ کے کشف و کرامات کا ذکر کرتے رہتے تھے۔

انیسویں کرامت | جس زمانہ میں آپ محمد بن عمر مذکور کے پاس ملازم تھے تو ایک دن علی الصبح آپ اس دیگے کے قریب گئے جس پر وہ کام کیا کرتے تھے اس پر دیگے کے منتظر نے آپ کو ڈانسا۔ شیخ کو غصہ آگیا اور فرمایا جتنی دیر چاہو لکڑیاں جلاتے رہو۔ اللہ کی قسم یہ دیگچہ کبھی گرم نہ ہوگا۔ چنانچہ صبح سے لیکر عصر تک وہ لکڑیاں جلاتے رہے اور بہت سا ایندھن ضائع ہو گیا، لیکن پھر بھی پانی ٹھنڈا تھا۔ محمد بن عمر کہیں گئے ہوئے تھے۔ جب آئے تو انہوں نے سارا قصہ سنایا۔ کہنے لگے، سیدی عبدالعزیز کیا مجھے آپ چھوڑنا چاہتے ہیں؟ مجھے تو آپ سے محبت ہے اور آپ سے نیکی کرتا رہتا ہوں۔ جس نے آپ کو ڈانسا ہے اُسے تو کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا۔ نقصان تو میرا ہے اور میرا کوئی قصور نہیں۔ الغرض وہ شیخ سے مہربانی کی درخواست کرتے رہے اور اُن کو راضی کرنا چاہتے تھے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ مجھے شرم آگئی، کیونکہ اُن کا مجھ پر بڑا احسان تھا کیونکہ خواہ میں کام کرتا یا نہ کرتا وہ مجھے اجرت دے دیا کرتے اور کہتے کہ میں نے تو آپ کو برکت کے لیے رکھا ہوا ہے، نہ کام کے لیے، شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے ایندھن لے کر دیگچے کے نیچے ڈالا اور کہا تمہیں تو آگ جلانا نہیں آتا۔ یہ لود دیگچہ گرم ہونے لگا۔ انہوں نے پانی کو چھوڑا تو اسے گرم پایا۔ اس سے سب متعجب ہوئے۔

اس حکایت اور کرامت کو میں نے کئی ایک شخصوں سے سنا ہے اور خود شیخ سے بھی سنا ہے۔

بیسویں کرامت | آپ کی ایک کرامت یہ بھی ہے کہ جب میں آپ سے کسی مسئلہ کے متعلق علماء کے اقوال دریافت کرتا (تو باوجود اُن کی ہونے کے) آپ کو پورا علم ہوتا کہ اس

مسئلہ میں اتفاق ہے اور اس میں اختلاف ہے اور ہر مسئلہ میں علماء ظاہر اور علماء باطن کے احوال سے واقف پاتا۔ پورے چھ سال تک میں اس کا تجربہ کرتا رہا۔ آپ کو گزشتہ زمانہ کے حوادث کا بھی علم تھا۔ ایک روز میں آپ کے ساتھ سوق النخعیں میں تھا کہ آپ سے بجلی کی گرج اور برکات کا سبب دریافت کیا تو آپ نے اس کے متعلق ایسی باتیں بیان کیں جنہیں آپ جیسا شخص ہی بیان کر سکتا ہے پھر دورانِ گفتگو میں اس آگ کا ذکر ہوا جو قرطبہ میں جمادی الآخرہ ۶۵۴ھ میں ظاہر ہوئی تھی، اس کا ذکر قرطبہ نے تذکرہ میں، حافظ ابن حجر نے کتاب الفتن میں اور ابو شامہ اور نووی نے اپنی تصانیف میں بالتفصیل کیا ہے۔ میرا ارادہ ہوا کہ ان کی روایات آپ کو سناؤں، لیکن آپ نے اس کا قصہ اور اس کی کیفیت بیان کرنی شروع کر دی اور علماء رضی اللہ عنہم کے اقوال بھی نقل کر دیئے اور اپنی طرف سے اس کا سبب بھی بیان فرما دیا اور اس شخص کا نام بھی جس کو آخرت میں اس آگ کا عذاب دیا جائے گا مع دیگر اسرار کے جن کا اظہار مناسب نہیں ہے۔ اس سے مجھ کو بہت تعجب ہوا۔ یاد رکھیں کہ آپ کی کرامات لاتعداد ہیں۔ اگر حقیقی کرامات کا مجھے علم ہے اور جن کا علم دوستوں کو ہے سب کا ذکر کرنے لگوں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے، لیکن ہم اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

احادیث کے متعلق استفسار

اکیسویں اور سب سے بڑی کرامت | جس طرح میں نے ایک بڑی کرامت اسلامی عقیدہ واستقامت علی الدین اسے ابتدا کی تھی اسی طرح

۱۔ قرطبی: شمس الدین محمد بن احمد بن فرح انصاری اندلسی متوفی ۶۷۱ھ ۷۷۲ھ کتاب کا پورا نام التذکرہ باحوال الموتی و امور الآخرۃ ہے۔ اس کا اختصار امام عبد الوہاب شمرانی نے کیا اور مختصر التذکرہ نام رکھا یہ دونوں چھپ چکے ہیں۔

۲۔ البرشامہ: حافظ علامہ مجتہد ذوالفقون شہاب الدین ابو القاسم عبد الرحمن بن اسمعیل المقدسی، شافعی تھے ۵۹۹ھ ۷۰۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۶۵ھ ۷۶۹ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ کتاب الروعین فی اخبار الدولتین اور کتاب الذیل ان کی تصانیف میں سے ہیں۔

۳۔ نووی: ابو زکریا محمد بن ابی الدین بن یحییٰ بن یحییٰ بن شرف مشہور محدث اور شارح صحیح مسلم ۶۳۱ھ ۷۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۸۹ھ ۷۹۴ھ میں وفات پائی۔

ایک بڑی کرامت پر اس بحث کو ختم کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ شروع میں جب آپ سے تعارف ہوا اور میں نے آپ کے وسعت عرفان اور فیضان ایمان کو دیکھا تو میں نے آپ کو آزمانا شروع کر دیا اور آپ سے صحیح اور موضوع احادیث کے متعلق دریافت کیا اس وقت میرے پاس حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی مشہور کتاب **الدر المنثور فی الأحادیث المنثورة** تھی۔ یہ ایک عجیب تالیف ہے جس میں سیوطی نے مشہور احادیث کو حروف تہجی پر مرتب کیا ہے اور ہر حدیث کے متعلق بیان کیا ہے کہ یہ صحیح ہے یا موضوع۔ چنانچہ صحیح کے متعلق کہتے ہیں کہ صحیح ہے اور جھوٹی کو جھوٹی۔ یہ کتاب ہر طالب علم کے پاس ہونی چاہیے کیونکہ یہ ایک نفیس کتاب ہے۔

حدیث: اُمِرْتُ اَنْ اَحْكُمَ بِالْظَوَاهِرِ | چنانچہ میں نے آپ سے حدیث **اُمِرْتُ اَنْ اَحْكُمَ بِالْظَوَاهِرِ** دریافت کیا فرمایا یہ آنحضرت کا فرمودہ نہیں۔ چنانچہ حافظ سیوطی نے بھی یہی لکھا ہے۔

حدیث: كُنْتُ كُنْزًا لَا اَعْرِفُ | میں نے **كُنْتُ كُنْزًا لَا اَعْرِفُ** کے متعلق پوچھا، فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ نہیں ہے اسی طرح حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ اس کا کوئی اصل نہیں ہے۔

حدیث: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ | پھر حدیث **اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ** کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا۔ احمد بن حنبل نے بھی یہی کہا ہے۔ ابن الجوزی نے اس کا ذکر موضوعات میں کیا ہے۔ ابن تیمیہ نے تصریح کی ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔ زرکشی نے بھی کہا ہے کہ بالاتفاق یہ موضوع ہے۔ اسی طرح حافظ سیوطی نے اپنی کتاب **الآل فی المنوعة فی الأحادیث المنوعة** میں لکھا ہے اگرچہ **الدر المنثور** میں اس کی

۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی **رحمۃ اللہ علیہ** ۸۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اسی آٹھ سال کی عمر ہوئی تھی کہ قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ تاہم عرصہ تک درس دیتے رہے۔ ان کی پانچ سو کے قریب تصانیف ہیں۔ ۹۱۱ھ میں وفات پائی۔ انہیں خاتم الحفاظ بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ ابو الفرج عبد الرحمن بن الجوزی **رحمۃ اللہ علیہ** : پیدائش ۵۹۸ھ میں اور وفات ۶۹۸ھ میں ہوئی مشہور محدث اور مؤرخ گزرے ہیں۔

۳۔ ابن تیمیہ : حواریں ۶۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ دمشق میں تعلیم حاصل کی، نکاح کا مائل تھا چنانچہ کہ جاتا ہے کہ جس حدیث کو ابن تیمیہ نے ذکر کی وہ حدیث ہی نہیں ہے بلکہ بہت سی تصانیف ہیں ۷۲۸ھ میں وفات پائی۔

تائید میں ایک اور حدیث نقل کی ہے (اس سورت میں یہ روایت بالمعنی ہوگی جو محتاط محدثین کے ہاں مقبول نہیں ہے اور روایت بالمعنی میں حدیث کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ نہیں ہوتے)۔

(نوٹ: کتاب ہے) کہ یہ توبہ حدیث حسن بصری کی مرسل احادیث میں سے ہے جن کے متعلق ابن حجر نے شرح میں کہا ہے کہ حسن بصری کی مرسل احادیث قابل استدلال نہیں ہیں۔

حدیث: اَتَّخِذُوا عِنْدَ الْفُقَرَاءِ عِيْدًا
فَانْ لَكُمْ دَوْلَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
پھر میں نے حدیث اَتَّخِذُوا عِنْدَ الْفُقَرَاءِ عِيْدًا
فَانْ لَكُمْ دَوْلَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ کے متعلق پوچھا
فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا۔ مافظ سیوطی
نے اتحادی فی الفتاویٰ میں یہی کہا ہے۔

حدیث: اُحِبُّ الْعَرَبَ لِثَلَاثِ الْخَوَ
الْفُرَاتِ عَرَبِيٌّ وَحَلَامٌ اَهْلُ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ
پھر حدیث اُحِبُّ الْعَرَبَ لِثَلَاثِ الْخَوَ
الْفُرَاتِ عَرَبِيٌّ وَحَلَامٌ اَهْلُ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ کے
متعلق پوچھا۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا۔ ابن جوزی نے موضوعات میں یہی لکھا ہے حکم
نے جو اسے صحیح لکھا اس میں شک ہے۔

حدیث: عَلِمَاؤُ امْتِنِي
پھر حدیث عَلِمَاؤُ امْتِنِي کا نبیآءِ نبی اسرائیل کے متعلق دریافت کیا۔
فرمایا یہ حدیث ہی نہیں ہے۔ سیوطی نے الدرر میں یہی لکھا ہے۔

حدیث: اَكْرِمُوا عَمَّا تَكُونُ اَنْتُمْ
پھر حدیث اَكْرِمُوا عَمَّا تَكُونُ اَنْتُمْ کے متعلق پوچھا فرمایا
یہ حدیث نہیں ہے۔ ابن حجر نے شرح میں سیوطی نے اولی
المصنوعہ میں اور ابن جوزی نے موضوعات میں یہی لکھا ہے۔

۱۔ حسن بصری: مشہور صوفی اور زاہد گزرے ہیں۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو خدا کے بارے میں موتہ قائم
کہ پروا نہیں کرتے تھے۔ ۷۸۰ھ میں وفات پائی۔

۲۔ حاکم: ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المعروف بالحاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ۔ ۱۱۴۱ھ میں مستدرک
تالیف کی جس میں مصححین کی شرط پر احادیث کا انراج کیا مگر اس کتاب میں بہت سی ضعیف اور موضوع احادیث
پائے جاتے ہیں۔ مضاف ابن حجر فرماتے ہیں کہ انہوں نے پہلے مستدرک لکھی پھر اس میں کانٹ پھانت کرنا پاہا مگر موت
نے ملت نہ دی اس لیے ضعیف احادیث رو گئیں۔

حدیث: اَنَا اُنْفَعُ مِنْ نَطَقٍ بِالْعَصَا | پھر حدیث اَنَا اُنْفَعُ مِنْ نَطَقٍ بِالْعَصَا کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا یہ بھی حدیث نہیں ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ

اور حافظ الجزریؒ نے الفشر اور سیوطی نے الدرر میں اسی طرح لکھا ہے۔

اسی طرح میں نے بہت سی احادیث کے متعلق دریافت کیا جو اس وقت مجھے یاد نہیں ہیں اور آپ کا جواب بالکل ملنا و محدثین کے موافق پایا۔

عجیب بات تو یہ تھی کہ جب میں آپ سے اس قسم کی گفتگو کرتا تو آپ اُس حدیث کو جسے بخاری نے بیان کیا ہے اور مسلمؒ میں نہیں ہے یا مسلمؒ نے دی ہے اور بخاری نے نہیں دی اُن میں امتیاز کر لیتے بالآخر جب ایک عرصے تک آپ کا امتحان کرتا رہا اور مجھے تحقیق ہو گئی کہ آپ حدیث اور غیر حدیث میں امتیاز کر سکتے ہیں تو میں نے دریافت کیا کہ آپ کیسے یہ معلوم کرتے ہیں؟ تو ایک بار فرمایا کہ

کلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھپا نہیں رہتا | نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام چھپا نہیں رہ سکتا، لیکن ایک بار پھر یہی سوال کیا تو فرمایا جب انسان موسم سرما میں بات کرتا ہے تو اس کے منہ سے بھاپ نکلتی ہے، لیکن یہ بھاپ موسم گرما میں نہیں نکلتی یہی حال اُس شخص کا ہے جو کلام

اولیاء اللہ کلام نبی کو | نبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتا ہے کہ اس کے کلام سے نور نکلتا ہے اور جو کسی اور کا کلام پڑھتا ہے تو کلام بغیر نور کے نکلتا ہے۔ کیسے پہچانتے ہیں۔ ہے۔

دوسری پہچان | ایک بار پھر پوچھا تو فرمایا: جب چراغ غذا حاصل کرتا ہے تو اس کا نور قوی ہو جاتا ہے، لیکن جب غذا کے بغیر چھوڑ دیا جائے تو اپنی حالت پر رہتا ہے۔

۱۔ ابن کثیرؒ: امام حافظ ابوالغدار اسماعیل بن عمر القرشی دمشقی متوفی ۷۴۳ھ ۱۳۴۲ء مشہور محدث ہیں ان کا متعدد تصانیف ہیں۔ ان میں سے ایک تفسیر قرآن بھی ہے۔

۲۔ مسلمؒ: مسلم بن حجاج القشیری ۲۶۱ھ ۸۷۵ء میں پیدا ہوئے اور ۲۶۱ھ ۸۷۵ء میں وفات پائی۔ ان کا صحیح مسلم کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔

۳۔ امام عبدالوہاب شرنافی متوفی ۴۳۴ھ نے اسی قسم کا ایک واقعہ شیخ محمد بن احمد فرغل شرنافی ۵۲۰ھ کا نقل کیا ہے۔ حضرت فرغل اسی تھے ایک روز ایک فقیر ان کے پاس آکر بیٹھ گئے اور قرآن پڑھنا شروع کیا۔ فقیر نے قرأت میں چند آیات چھوڑ دیں اور آگے پڑھنا جاری رکھا حضرت فرغل بول اُٹھے آپ نے مہارت چھوڑ دی ہے حضرت فرغل نے فرمایا: جب آپ قرآن پڑھ رہے تھے تو (بقیہ ناشیدہ اگلے صفحہ پر)

مارفین کا بھی یہی حال ہے کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنتے ہیں تو ان کے انوار قوی اور ان کے معارف میں بیشی ہو جاتی ہے لیکن جب غیر کا کلام سنتے ہیں تو اپنی حالت پر رہتے ہیں۔

اولیاء اللہ خواہ وہ اُنی ہی کیوں نہ ہوں | جب مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ آپ اس معاملہ میں راسخ ہیں اور آپ ان الفاظ کو پہچاننے میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے نکلے ہوں قرآن اور حدیث میں امتیاز کر سکتے ہیں

پہاڑ کی طرح متزلزل نہیں ہوتے، تو میں نے چاہا کہ قرآن اور حدیث میں فرق کے متعلق اچھا آزمادوں کیونکہ انہیں دوسری سورتوں کا تو ذکر ہی کیا مستحکم کا حزب بھی یاد نہ تھا۔ چنانچہ کبھی میں ایک آیت پڑھتا اور پوچھتا حضور یہ حدیث ہے یا قرآن۔ فرماتے یہ تو قرآن ہے، پھر حدیث پڑھتا اور پوچھتا کیا یہ قرآن ہے یا حدیث؟ فرماتے حدیث ہے۔ مدت تک اس کا بھی اطمینان کرتا رہا حتیٰ کہ ایک مرتبہ یوں پڑھا خَافَظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ ذَٰلِجِ صَلَوةِ الْعَصْرِ ذَٰلِجِ صَلَوةِ الْعَصْرِ قَابَسْتِیْنِ اور پوچھا آیا یہ قرآن ہے یا حدیث۔ فرمایا کچھ قرآن ہے کچھ حدیث ذَٰلِجِ صَلَوةِ الْعَصْرِ کے الفاظ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے نکلے ہیں۔ یہ قرآن کے الفاظ نہیں ہیں اور باقی قرآن کے ہیں۔ جب میں نے یہ سوال کیا تھا تو میرے ساتھ علماء کی ایک جماعت بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ سنکر واللہ سب حیران رہ گئے۔

قرآن اور حدیث قدسی میں فرق | جب مجھے علم ہو گیا کہ آپ قرآن اور حدیث میں امتیاز کر سکتے ہیں تو خیال آیا کہ قرآن اور حدیث قدسی کے فرق کے بارے میں آزمادوں۔ اس پر میں نے حدیث قدسی ذکر کرنی شروع کی اور پوچھتا گیا یہ قرآن ہے یا حدیث؟ آپ فرماتے یہ تو قرآن ہے نہ ایسی حدیث ہے جیسی تم پہلے پوچھتے رہے ہو۔ یہ تو حدیث کی ایک اور قسم ہے جسے حدیث ربانی کہا جاتا ہے۔ میں نے آپ کے دست مبارک پر بوسہ دیا اور عرض کیا کہ ہم اللہ سے پھر آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ ان تینوں میں فرق بیان کر دیں کیونکہ حدیث قدسی ایک طرف تو قرآن سے مشابہت رکھتی ہے اور دوسری طرف اس حدیث سے جو قدسی نہیں ہے قرآن سے اس کی مشابہت تو اس لیے ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے مُنْزَل ہوئی ہے اور غیر قدسی حدیث

(بقیہ ماحشیہ صفحہ سابقہ)

مجھے آسمان تک چڑھتا ہوا ایک نور دکھائی دیتا تھا کہ یکایک درمیان میں منتقل ہو گیا اور بعد کے نور سے اس کا اتصال نہ

ہوا۔ اس سے میں سمجھ گیا کہ آپ نے عبادت چھوڑ دی ہے۔ (نوائے انوار ج ۷: ۱۹۷)

سے مشابہت اس لیے ہے کہ اس کی تلاوت کا حکم نہیں دیا گیا۔

آپ نے فرمایا: یہ تینوں کلام اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک سے نکلے ہیں اور ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار پاتے جاتے ہیں، پھر بھی ان میں یہ فرق ہے کہ قرآن میں جو نور ہے وہ قدیم ہے اور ذاتِ حق سبحانہ میں سے نکلا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام بھی قدیم ہے اور حدیثِ قدسی کا نور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کا نور ہے اور نورِ قرآن کی طرح قدیم نہیں ہے اور جو نور حدیثِ غیر قدسی میں پایا جاتا ہے وہ آپ کی ذات کا نور ہے۔ روح کا نہیں لہذا تین قسم کے نور ہوئے جو اپنی نسبت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ چنانچہ نورِ قرآن ذاتِ حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ نورِ حدیثِ قدسی روحِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور غیر قدسی حدیث کا نور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے۔

نور ذاتِ نبی اور نور روح میں فرق | میں نے عرض کیا: نورِ روح اور نور ذات میں کیا فرق ہے فرمایا کہ ذات کی پیدائش تو مٹی سے ہوئی اور تمام مخلوقات بھی مٹی سے پیدا ہوئی اور روح ملا اعلیٰ سے ہے اور کلامِ اعلیٰ حق سبحانہ و تعالیٰ کی سب سے زیادہ معرفت رکھتے ہیں اور چونکہ ہر شے اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے لہذا

۱۔ مندرجہ مابہتر مترجم کتاب ہے کہ اس میں بھی حضرت دہانہ کی کرامت پائی جاتی ہے کیونکہ حضرت کا یہ عقیدہ عین اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ہے کہ کلام اللہ قدیم ہے، حادث نہیں ہے بخلاف معتزلہ کے کہ ان کے عقیدہ کے مطابق کلام اللہ قدیم نہیں بلکہ حادث ہے اور تمام محدثین و نقلا اہل سنت کا اجماع ہے کہ معتزلہ کا عقیدہ باطل ہے۔ (مترجم)

۲۔ حضرت عبدالعزیز دہانہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور حادث ہے۔ قدیم نہیں ہے ایک اہم مسئلہ حل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے آج کل مسلمان کے دو مقتدر گروہوں کے درمیان جھگڑا چل رہا ہے۔ یعنی دیوبندی اور بریلوی۔ ایک گروہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر زور دیتا ہے اور دوسرا گروہ توحید باری تعالیٰ کے پیشِ نظر اس سے انکار کرتا ہے لیکن اگر حضرت دہانہ کے بیان کو مد نظر رکھا جائے تو کوئی اشکال نہیں رہتا اور درست بھی یہی ہے کہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم حادث ہے اور نور خداوندی ازلی و قدیم۔ اور دونوں کے درمیان تین فرق ہے۔ (مترجم)

نورِ روح کو حق سبحانہ کے ساتھ تعلق ہوگا اور نورِ ذات کو مخلوق سے۔ اسی لیے احادیثِ قدسیہ کا تعلق حق سبحانہ کے ساتھ ہے یا تو ان میں حق سبحانہ کی عظمت کا اظہار ہوگا یا اظہارِ رحمت کا یا اس کی وسعت ملک اور کثرتِ عطا کا۔

چنانچہ پہلی قسم کی حدیثِ قدسی کی مثال جس میں عظمتِ خداوندی کا اظہار ہے مسلم کی یہ حدیث ہے جس کی روایت ابو ذرؓ نے کی ہے۔ **يَا عِبَادِي لَوْ اَنَّ اَدْنٰكُم وَاخِرْكُم وَاَنْتُمْ لَمَوْجِعُكُمْ الْخَالِ**

دوسری قسم کی حدیث کی مثال جس میں اظہارِ رحمت ہوتا ہے، یہ حدیث ہے **اَعْدُوْتُ** **يَعْبَادِي الصَّالِحِيْنَ**۔

تیسری قسم کی حدیث کی مثال جس میں وسعت ملک اور کثرتِ عطا کا ذکر ہے، یہ حدیث ہے **يَا اَللّٰهُ مَا لِيْ لَا تَخِيْضُهَا نَفَقَةً سَحَابٍ اَلْسِيلِ وَالْغُفَارِ الْخَالِ** اور حق سبحانہ تعالیٰ کے بارے میں یہ علومِ روح کے علوم ہیں اور جو احادیث غیرِ قدسیہ ہیں ان میں ان کا ردی سنن صرف ان امور کی جانب ہوتا ہے جن کا تعلق عباد و بلا دک اصلاح کے ساتھ ہے مثلاً یہ کہ ان میں حلال و حرام بیان ہوتا ہے یا وعدہ و وعید کا ذکر کر کے خدا کی اطاعت کی ترغیب دی جاتی ہے۔

میں نے حضرت کی تقریر سے جو کچھ سمجھا یہ اس کا خلاصہ ہے ورنہ حق بات یہ ہے کہ میں اسے پورے طور پر بیان نہیں کر سکا اور نہ ہی پورا مفہوم ادا کیا ہے۔

حدیثِ قدسی کلامِ خداوندی نہیں ہے یا نہیں۔ فرمایا یہ اللہ کا کلام نہیں ہے، یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے میں نے سوال کیا تو پھر

اسے اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں منسوب کیا جاتا ہے اور اسے حدیثِ قدسی کیوں کہا جاتا ہے اور پھر اس حدیث کے متعلق یہ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں کہ اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے روایت فرمایا ہے اور جب یہ حدیث کلامِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرار پائی تو پھر رب سے روایت کہاں ہوتی؟ مزید برآں ان احادیث میں جو ضمیر مشکلم کی آتی ہے، ان کا کیا کریں؟

۱۔ مشکوٰۃ باب الاستغفار ص ۲۳ نیز ص ۲۵ باب التوبہ

۲۔ مشکوٰۃ باب صفۃ الجنۃ واصلہا ص ۴۹

شلا اس حدیث میں یہ عبادی لُؤ اُولَکُکُھ وَاِخْرُکُھ الخ اور اس حدیث میں اَعْدَدْتُ
 یَعْبَادِی الصَّالِحِیْنَ اور اس حدیث میں اَصْبَحُ مِنْ عِبَادِی مُؤْمِنٌ فِی ذَکَابَرُ
 کیونکہ اس طرح خطاب کرنا تو اللہ ہی کو مناسب ہے۔ لہذا احادیث قدسیہ کو اللہ کا کلام
 ہونا چاہیے۔ اگرچہ ان کے الفاظ معجزہ نہیں ہیں اور نہ ہی یہیں ان کی تلاوت کا حکم دیا گیا ہے
 حضرت نے ایک بار تو اس کا یوں جواب دیا کہ حق سبحانہ کی طرف سے ذات نبی صلی اللہ علیہ
 وسلم پر انوار اس کثرت سے برستے کہ آپ کو ایک خاص قسم کا مشاہدہ حاصل ہوتا، اگرچہ عام
 مشاہدہ تو آپ کو ہر وقت حاصل ہوتا۔ چنانچہ ایسی حالت میں اگر انوار کے ساتھ حق سبحانہ و
 تعالیٰ کا کلام بھی سنائی دیتا یا کوئی فرشتہ نازل ہوتا تو یہ قرآن تھا، لیکن اگر کلام سنائی نہ دیتا
 اور نہ ہی کوئی فرشتہ اُترتا تو یہ وقت حدیث قدسی کا ہوتا۔ چنانچہ اس حالت میں جب آپ
 کلام فرماتے تو شان ربوبیت میں کلام فرماتے۔ اس کی عظمت کی وجہ سے اور اس کے حقوق کے
 ذکر کی وجہ سے۔ اب اس کلام کو رب کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلام اس مشاہدہ
 کے ساتھ ہوتا جس میں امور مُخْلَط ہو جاتے، یہاں تک کہ غیب بمنزل شہادت ہو جاتا اور
 باطن بمنزل ظاہر کے۔ اسی لیے اسے رب کی طرف منسوب کیا گیا اور کہا گیا کہ یہ حدیث ربانی
 ہے اور یہ کہ یہ وہ حدیث ہے جسے آنحضرتؐ نے اپنے رب سے روایت کیا اور ضمیر متکلم لانے
 کی وجہ یہ ہے کہ اپنے رب کی شان مشاہدہ کر کے بزبان حال (حق تعالیٰ کی طرف سے) نقل فرمایا
 اور جو حدیث قدسی نہیں ہوتی، اس کے ساتھ وہ نور نکلتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
 میں دائم رہتا ہے اور اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ
 نور نبی کی تشریح | اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات کو انوار حق سے مستفیض کیا ہے بعینہ اسی طرح
 نے جبرم آفتاب کو انوار محسوس سے نوازا ہے لہذا جس طرح سورج کے لیے نور ہونا ضروری ہے اسی
 طرح آپ کی ذات شریفہ کے لیے بھی نور کا ہونا لازم ہے۔

دوسری تشریح | دوسری مرتبہ فرمایا: ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ایک شخص کو دائمی بخار ہے اور
 ہے بھی ایک معین درجہ کا۔ اور پھر فرض کر لیں کہ بخار اُسے زیادہ زور کا

ہو گیا یہاں تک کہ اس کے حواس جاتے رہتے ہیں اور وہ ایسی باتیں کرنے لگتا ہے کہ وہ خود بھی
 لے عمار حدیث نے حدیث قدسی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کا مفہوم اللہ کی طرف
 سے ہوتا ہے مگر الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہیں۔

نہیں سمجھتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ پھر یہ فرض کر لیں کہ یہ بخار اسی قدر زور پکڑ جائے کہ وہ اپنے حواس کھوئے اور اپنی عقل پر قائم رہے اور جو کچھ بولے اُسے سمجھنا بھی ہو اور اس بخار کی تین حالتیں ہوتیں:

- ۱۔ بخار کی معلوم مقدار۔
- ۲۔ بخار کی اس قدر شدت کہ مریض حواس کھو بیٹھے۔
- ۳۔ بخار کی اس قدر شدت کہ مریض حواس نہ کھوئے۔

نور نبی کی تین حالتیں | آنحضرت کی ذات مطہرہ کے انوار کا بھی یہی حال ہے (۱) معین مقدار کے نور کے وقت جو کلام فرمائیں گے وہ حدیث غیر قدسی ہوگی (۲) اگر انوار پھیل جائیں اور ذات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشتعل کر دیں یہاں تک کہ آپ اپنی معتاد حالت سے باہر ہو جائیں تو اس وقت جو کلام ہو گا وہ کلام اللہ ہو گا۔ نزول قرآن کے وقت آپ کی یہی حالت ہوتی تھی (۳) اگر انوار پھیل جائیں لیکن آپ کو اپنی حالت سے نہ نکالیں تو اس وقت جو کلام آپ فرمائیں گے وہ حدیث قدسی کہلائے گی۔

تفسیر تشریح | ایک اور مرتبہ یوں فرمایا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرمائیں تو اگر یہ کلام آپ کے اختیار سے باہر ہو تو یہ قرآن ہے۔ اگر آپ کے اختیار میں ہے اور پھر اس میں عارضی انوار پھیل جائیں تو یہ حدیث قدسی ہے اور اگر انوار دائمی ہوں تو یہ حدیث غیر قدسی ہے اور چونکہ آپ کے کلام کے ساتھ حق سبحانہ کے انوار کا ہونا ضروری ہے اس لیے جو بات بھی آپ فرماتے ہیں وہ سب وحی الہی ہے البتہ ان میں انوار کے اختلاف کی وجہ سے تین قسمیں بن گئیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

میں نے عرض کیا یہ تو نہایت عمدہ کلام ہے، لیکن اس بات کی کیا دلیل ہے کہ حدیث قدسی اللہ کا کلام نہیں ہے۔ فرمایا بھلا اللہ کا کلام بھی چھپ سکتا ہے، میں نے عرض کیا: کیا کشف کے ذریعہ سے؟ فرمایا کشف کے ذریعہ سے بھی اور بغیر کشف کے بھی۔ جس کسی میں عقل ہو اور وہ خاموشی سے قرآن سنے، پھر خاموشی سے کسی اور کا کلام سنے تو دونوں میں بالضرور فرق پایگا۔ صحابہ کرام سے عقلمند لوگ تھے اور انہوں نے اپنے آباء کے دین کو صرف اس لیے چھوڑا کہ ان پر یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صرف امادیت قدسیہ کا

لے عام حالت

سا کلام ہوتا تو ایک شخص بھی آپ پر ایمان نہ لاتا۔ وہ چیز جس کے سامنے اُن کی گردنیں جھک گئیں وہ قرآن عزیز ہی ہے جو رب سبحانہ و تعالیٰ کا کلام ہے۔

میں نے عرض کیا کہ انہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ رب کا کلام ہے حالانکہ عرب لوگ تو بت پرست تھے اور انہیں اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی پہچان نہ تھی کہ وہ معلوم کر سکتے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ زیادہ سے زیادہ انہیں یہ سمجھ آتا تھا کہ ایسا کلام کتنا بشری طاقت سے باہر ہے۔ سو ہو سکتا ہے کہ مثال کے طور پر یہ فرشتوں کا کلام ہو۔

کلام اللہ کی ہمہ بیت اور ودیدہ
شاہی فرمان کا سا ہے

حضرت نے جواب دیا جو شخص بھی قرآن کو سنے گا اور اس کے معانی کو دل پر جاری کرے گا تو اسے لازمی طور پر یہ محسوس ہو جائے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کیونکہ جو عظمت

اس میں پائی جاتی ہے اور جو ہمہ بیت اس سے طاری ہوتی ہے وہ عظمت ربوبیت اور سلطوۃ الوہیت کے سوا کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ جب ایک عقلمند اور ذی فہم انسان کسی دنیاوی بادشاہ کا کلام سن لے، پھر اس کے بعد اس کی رعیت کا کلام سنے تو بادشاہ کے کلام میں ایک خاص بات پائے گا جس سے وہ پہچاننا جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر ہم فرض کر لیں کہ وہ شخص نابینا ہے اور ایک جگہ نیچے لوگ بیٹھے باتیں کر رہے ہوں اور بادشاہ بھی اُن میں چھپ کر بیٹھا ہو اور باری باری تقریر کریں تو یہ اندھا بادشاہ کے کلام کو دوسروں کے کلام سے پہچان لے گا اور اس میں قطعاً شک و شبہ نہ ہوگا۔ جب فانی کا فانی کے ساتھ یرنگ ہے تو کلام قدیم کا کیا رنگ ہوگا صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن ہی سے اپنے پروردگار کو پہچانا۔ اس کی صفات کو پہچانا اور جس ربوبیت کا وہ مستحق ہے اس کو پہچانا۔ قرآن کا محض سن لینا ہی ان کے لیے اللہ کا علم یقین حاصل کرنے میں معاونہ اور مشاہدہ کا قائم مقام ہو گیا۔ یہاں تک جتنی سبحانہ ان کے نزدیک ایسا بن گیا جیسا ہمنشین اور کسی سے اس کا ہمنشین چھپا نہیں ہوتا۔

کلام اللہ کی پہچان | پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی پہچان ان امور سے ہوتی ہے :-

۱۔ پہلی پہچان : طاقت بشری سے خارج ہونا : یہ کلام انسانوں بلکہ تمام مخلوقات کی قدرت سے باہر ہوتا ہے کیونکہ اللہ کا کلام اللہ کے علم محیط فیصلے اور حکم کے مطابق ہے اور فانی کا علم نہ لے اللہ کا علم ہر چیز پر محیط ہے وہ عالم انہیب ہے۔ اس کے حکم کو کوئی نہیں کر سکتا (تقریباً حاشیہ لکھنوی)

تو محیط ہوتا ہے اور نہ اس کے فیصلے ناند ہوتے ہیں۔ لہذا فانی اپنے فانی علم اور عاجز حکم کے مطابق بات کریگا۔ کیونکہ اس کے اختیار میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔

۲۔ دوسری پہچان: اس میں دبدبہ پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں وہ عظمت پائی جاتی ہے جو آدمیوں کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ کلام جس ذات سے نکلتا ہے، اسی کے احوال کے تابع ہوتا ہے۔ لہذا جب اللہ کا کلام نکلے گا تو اس کے ساتھ الوہیت کی سلطوت اور ربوبیت کی شان ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں انعام کے وعدے کے ساتھ ساتھ نراک و دھن اور اجر کی بشارت کے ساتھ ساتھ عذاب کا خوف دلایا گیا ہے۔ اگر بالفرض اللہ میں صرف اتنی عظمت ہوتی کہ وہ کلام کر رہا ہے اور سارا ملک اس کی ملکیت ہے اور تمام شہروں پر اس کی حکومت ہے اور سارے بندے اس کے غلام ہیں۔ زمین اس کی ملکیت ہے اور آسمان اس کا ہے، مخلوقات اسی کی ہے جس میں کسی اور کا دخل نہیں ہے۔ تب بھی اس کا کلام پہچاننے کے لیے یہ کافی تھا اور دوسرے کے کلام میں بالفرض خوف کی علامت پائی جائے گی کیونکہ تسلیم خواہ کتنا مقرب کیوں نہ ہو اس کے دل میں اللہ کا خوف بھرا ہوگا اور اللہ تعالیٰ تو کسی سے ڈرتا نہیں ہے کیونکہ وہ غالب ہے اور اس کا کلام بھی غالب ہے۔

۳۔ تعمیری پہچان: جب کلام قدیم سے ان فانی حروف کو علیحدہ کر دیا جائے اور خالص معانی قدیم رہ جائیں تو تو دیکھے گا کہ ان کا تسخاطب تمام مخلوقات سے یعنی ابتدائے آفرینش سے انتہائے آفرینش تک ہے اور اس کلام میں ماضی، حال اور مستقبل میں کوئی فرق نہیں ہوتا، اسکی وجہ یہ ہے کہ ماضی قدیم (بقیہ ماشیہ صفر سابقہ)

اور نہ اس کے فیصلے کی خلاف ورزی ہو سکتی ہے۔ لہذا اللہ کے کلام میں ان باتوں کے پائے جانے سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ غیر کلام نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے۔

۴۔ ماضی حال اور مستقبل نام ہے زمانہ کا، لیکن زمانہ ہی اٹھ گیا تو ماضی رہا نہ حال وغیرہ کیونکہ احکام تو مخلوقات کے لیے ہیں اور جب اس میں تخلیق عالم سے قیامت تک کی تمام مخلوقات کو مخاطب کر لیا گیا تو پھر ماضی یا حال یا مستقبل کی ضرورت ہی اٹھ جاتی ہے اور اس قسم کا تسخاطب اسی کو زیب دیتا ہے جو ازل و ابدی ہو اور وہ ذات باری ہے لہذا اس کے کلام میں بھی یہ وصف ہے۔

۵۔ اللہ کے ان زمانہ کا امتیاز نہیں۔ ماضی اس کے سامنے حال اور مستقبل اس کے سامنے لہذا یہ سب کچھ اس کے لیے حال ہے اور ترتیب انی زمانوں کے مطابق ہوتی ہے لہذا جب (بقیہ ماشیہ اگلے صفر پر)

میں نہ ترتیب ہے نہ تجزیہ۔ اللہ جس شخص کی بصیرت کی آنکھ کھول دے اور وہ معنی قدیم کو دیکھے تو اسے لا انتہا پائے گا۔ اس کے بعد جب وہ حروف پر نظر ڈالے گا کہ یہ ایک قسم کی صورت ہے جس میں معنی قدیم چھپے ہوئے ہیں۔ لہذا جب اس صورت کو الگ کر دیتا ہے تو اسے ایک غیر متناہی شے دیکھا دیتی ہے اور یہی باطن قرآن ہے اور جب صورت کو دیکھتا ہے تو اس کو دو ہیچوں میں محدود دیکھتا ہے اور یہ ظاہر قرآن ہے اور جب قرآن کو کان لگا کر سنتا ہے تو معانی قدیمہ کو الفاظ کے سایہ میں اس طرح پڑا ہوا پاتا ہے کہ وہ انہیں صاف دیکھ لیتا ہے۔ بعینہ اسی طرح جس طرح کہ وہ محسوسات کو بینائی کے ذریعہ سے دیکھ لیتا ہے۔

۴۔ چوتھی پہچان: وہ امتیاز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلام اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں قائم رکھا۔ کیونکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے کلام کے لکھنے کا حکم دیا اور اس کے علاوہ کسی اور کلام کے لکھنے سے منع فرما دیا اور حکم دیا کہ جو کچھ کلام اللہ کے علاوہ لکھا ہے اسے مٹا دیا جائے اور یہ جو کہیں ثبوت ملتا ہے کہ صحابہ نے احادیث قدسیہ کو بھی لکھ لیا تھا تو یہ منجملہ اُن تحریروں کے ہوگا جس میں انہوں نے آنحضرت کے کلام کو لکھ لیا تھا۔ نہ ان تحریروں میں جن میں کلام الہی لکھا تھا مزید برآں مذکورہ بالا تین خصلتیں احادیث قدسیہ میں نہیں پائی جاتیں یعنی طاقبت بشری سے خارج ہونا وغیرہ۔

یہ خلاصہ ہے جو ہم نے ان تینوں (عام احادیث، حدیث قدسی اور قرآن) میں فرق کے متعلق حضرت کے ارشادات سے سمجھا ہے اور آپ کا آخری جواب یعنی آپ کا یہ فرمان کہ جو شخص بھی قرآن کو غور سے سنے گا اور پھر اس کلام سے لگا تو وہ یقیناً دونوں میں فرق پائے گا الخ اس کے قریب قریب امام ابو بکرؓ باقلانیؒ نے کتاب الانتصار میں اشارہ کیا ہے اور اس پر بہت زور دیا ہے حتیٰ کہ اسی سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

زمانہ نزول کو ترتیب بھی نہ رہی۔ شیخ کے فرمان سے ایک اور اشکال بھی حل ہو گیا کہ کلام اللہ کسی خاص ترتیب سے مرتب نہیں۔ زمانہ نزول کے لحاظ سے اور نہ بیان کردہ واقعات کے لحاظ سے۔ پھر اگر مامی کو ایک لکھو کے لیے نظر انداز کر دیا جائے تو قرآن زمانہ نزول سے یکسر قیامت تک کے تمام زمانوں کے لیے ہے کیونکہ یہ آخری الہامی کتاب ہے اس لیے بھی اس میں حال مستقبل برابر ہوتے۔

۵۔ تاکہ کہیں آپ کا کلام اللہ کے کلام سے نہ مل جاتے۔

۵۔ ابو بکر باقلانی: قاضی ابو بکر محمد بن الطیب اشعری باقلانی متوفی ۳۵۵ھ

روافض کے بہترے دعوے جن میں غیر قرآن کو انہوں نے قرآن کی طرف منسوب کیا ہے۔ رد کیا ہے
 اگر طوائف کا اندیشہ نہ ہوتا تو ان کا کلام بھی یہاں نقل کر دیتا تاکہ تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔
 الحاصل جب حضرت نے جواب دینا شروع ہی کیا تھا تو میں حیران ہو گیا تھا کہ آپ نے فوراً
 وہ بات کہی جس کا ذکر امام مذکور (امام باقر علیہ السلام) نے کیا ہے۔ پھر یہ کہ آپ نے آخری جواب میں ایک
 پانچواں فرق بھی بیان فرما دیا جس کی بنیاد محض کشف پر ہے، لیکن ہم نے یہ جواب درج نہیں کیا
 کیونکہ یہ عوام کی عقلوں سے بالا ہے۔ اس مقدمہ میں ہم جو کچھ لکھنا چاہتے تھے اسے اسی پر ختم
 کرتے ہیں۔

اب ہم اصل مقصد کی طرف آتے ہیں اور وہ ان علوم کا جمع کرنا ہے جو ہم نے شیخ سے سنے
 اس کا ذکر کئی ابواب میں آئے گا۔



پہلا باب

وہ احادیث جن کا مطلب ہم نے شیخ سے دریافت کیا

پہلی حدیث | ترمذی میں عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں۔ ایک کتاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے ہے اور اس میں اہل جنت کے نام، ان کی دلالت اور قومیت درج ہے۔ ان میں کبھی بھی کوئی کمی یا بیشی نہ ہوگی، پھر باتیں ہاتھ کی کتاب کی طرف اشارہ کر کے اسی قسم کے الفاظ دوزخیوں کے متعلق فرمائے۔ اس کے بعد آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرما کر ان کو پھینک دیا اور فرمایا: پروردگار بندوں سے فارغ ہو چکا۔ ایک فریق جنت میں جائیگا اور ایک فریق دوزخ میں۔ ابی حجر کہتے ہیں کہ اس حدیث کے اسناد حسن ہیں۔ ایک شخص کو اس میں اشکال پیدا ہوا اس نے خیال کیا کہ اس حدیث میں قدرت کا تعلق ناممکن چیز سے کیا ہے کیونکہ تمام اہل جنت کے نام ایک ایسی کتاب میں جمع کر دیئے گئے ہیں جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دایاں ہاتھ اٹھا سکے اور اسی طرح اہل دوزخ کے نام ایک ایسی کتاب میں جمع کر دیئے گئے ہیں جسے آپ باتیں ہاتھ میں اٹھا سکیں۔ اس شخص نے سوال وضاحت سے کیا اور اس نے کئی ایک باتیں پوچھیں۔

اس حدیث پر اعتراض اور اس کا جواب | علماء کلام کہتے ہیں کہ قدرت الہیہ کا تعلق ممکنات سے ہوتا ہے، محال سے نہیں۔ اس کے باوجود اس

لہ عبداللہ بن عمرو بن العاص مشہور صحابی ہیں۔ یہ اپنے باپ عمرو سے پہلے ایمان لائے۔ ان کا باپ ان سے صرف تیرہ سال بڑا تھا۔ ان کی تاریخ وفات میں بہت اختلاف ہے چنانچہ یہ تاریخیں بیان کی جاتی ہیں

۳۳ھ، ۴۳ھ، ۴۴ھ، ۵۵ھ اور ۶۵ھ

۱۔ خطہ مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر ص ۲، طبع مجتبائی۔

حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت اپنے دونوں ہاتھوں میں دو کتا میں لیے باہر نکل کر آئے اور فرمایا کہ اہل جنت کے نام مع ولایت، قومیت اور قبیلے کے ایک میں، اور اہل دوزخ کے نام جمع اُن کی قوم اور قبیلے کے، دوسری کتاب میں ہیں حالانکہ دونوں کتابیں چھوٹی سی تھیں اور ناموں کا تعداد بہت زیادہ ہے اس میں صغیر شئی کو کبیر پر وارد کیا گیا ہے، بدون اس کے کہ بڑی کو چھوٹا اور چھوٹی کو بڑا کیا جائے، ورنہ کونسا دفتر ان کے ناموں کو ضبط کر سکتا ہے۔ یہ محال عقل کی بڑی مضبوط دلیل ہے کہ وسیع چیز کو تنگ چیز پر داخل کیا گیا ہے باوجود اس کے کہ چھوٹی چھوٹی رہی اور بڑی بڑی حالانکہ اس کی خبر دینے والا نبی معصوم ہے جو اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ بذریعہ وحی بولتا ہے۔

حضرت نے جواب دیا کہ جو کچھ علماء کلام نے اور اہل السنّت والجماعت نے کہا ہے عقیدہ وہی ہے، ولی کی کرامت اور نبی کے معجزات میں ایسی چیز نہیں ہو سکتی جسے عقل ناممکن قرار دے لیکن ان میں ایسی باتیں ہوتی ہیں جن کے سمجھنے سے عقل قاصر ہوتی ہے مگر جب معنی مراد کی طرف ہدایت کی جاتی ہے تو پھر عقل اس کو قبول کر لیتی ہے۔

مذکورہ کتابوں میں کتابت سے مراد کتابتِ تلم نہیں بلکہ کتابتِ نظر ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ صاحب بصیرت بالخصوص سید الاولین والاخرین سیدنا مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی چیز کو دیکھنے کا ارادہ کریں تو ان کی بصیرت اُن کے اور اُس شئی کے درمیان ہر قسم کے پردوں کو پھاڑ کر نکل جاتی ہے، حتیٰ کہ اُس کی روشنی اس چیز تک پہنچ کر اس کا احاطہ کر لیتی ہے لہذا جب اس چیز کی صورت بصیرت میں حاصل ہو جاتی ہے اور ہم نے بصیرت کا مدّ فرض کیا ہے، تو اس کا اثر بصیرت تک جا پہنچتا ہے۔ لہذا جو قدرت بصیرت کو حاصل ہوتی ہے وہی بصیرت کو حاصل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ بصر اپنے سامنے کی چیز میں اس شے کی نقوش دیکھ لیتی ہے لہذا اگر بصر کے بالمقابل دیوار ہوگی تو اس چیز کو دیوار میں دیکھے گا اگر اس کا ہاتھ ہوگا تو اسے ہاتھ میں دیکھے گا اور اگر اس کے بالمقابل کاغذ ہوگا تو اُس چیز کو کاغذ میں دیکھے گا۔ یہی مراد ہے حضور کے اس فرمان کی کہ **لَا تُجَسِّدُ وَالتَّارُ فِي عَرْضِ هَذَا النَّحْبِ يَطْرُقُ** اس دیوار کی پہنائی میں جنت و دوزخ دکھائی گئی ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بصیرت کی توجہ ان کی طرف کی، جبکہ آپ صلوٰۃ الکسوف پڑھ رہے تھے تو تمام پردوں کو پھاڑ کر آپ کی بینائی میں یہ دونوں آگئیں

لے ملاحظہ ہو مشکوٰۃ، طبع مجتبیٰ ص ۵۵۵ لے سورج گرہن

اور آپ کے سامنے دیوار کا عرض تھا۔ لہذا آپ نے ان دونوں کی صورت دیوار میں دیکھ لی۔

دو کتابوں کی حدیث سے یہی مراد ہے۔ کیونکہ آپ نے اپنی بصیرت سے جنت کی طرف توجہ کی تو اس کی صورت آپ کی بصر میں آگئی۔ اس وقت آپ کے سامنے وہ کتاب تھی جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی تو آپ جنت اور اہل جنت کی صورت اس جسم میں دیکھنے لگ گئے جو آپ کے داہنے ہاتھ میں تھا اور فرمایا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے۔ اس میں اہل جنت کے نام مع ولایت اور قومیت کے درج ہیں۔ پھر آپ نے اپنی بصیرت کو دوزخ کی طرف متوجہ کیا تو اس کی صورت آپ کی بصر میں آگئی اور آپ کے بالمقابل وہ جسم تھا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھا۔ چنانچہ آپ اس کی صورت اور اس کی تمام چیزوں کی صورت دیکھنے لگ گئے اور فرمایا: یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے اس میں دوزخیوں کے نام مع ولایت اور قومیت کے درج ہیں اگر مُثَلَّتْ بِلَى الْجَنَّةِ وَالنَّارِ والی حدیث میں کوئی اشکال ہو سکتا ہے تو اس میں بھی ہو سکتا ہے اور اگر اس میں کوئی اشکال نہیں ہے تو اس میں بھی نہیں ہے۔ اشکال اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب ہم تلم کی لکھت مراد لیں۔ اگر اس حدیث میں تلم کی لکھت مراد لی گئی ہو تو حدیث کے آخری حصے میں اور اس میں تناقض پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس حدیث کے آخر میں ہے: ”پھر آپ نے ان دونوں کتابوں کو پھینک دیا اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب کو جو رب العالمین کی طرف سے آئی ہو اور اس میں اللہ کے رسولوں، اصفیا اور برگزیدہ لوگوں کے نام ہوں، پھینک دیں حالانکہ آپ اللہ اور اس کے رسولوں اور فرشتوں کی سب سے زیادہ تعظیم کرنے والے تھے۔“ آپ نے تو اسی صورت کو جو اس جسم میں حاصل ہوئی تھی کتاب کا نام اس لیے دیا کہ وہ خارجی چیز پر دلالت کرنے میں کتابت سے مشابہ تھی۔ علاوہ برائیں جو چیز خارج میں ہو اس پر بھی کتابت کا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے کیونکہ ”کتابت“ کا لفظ جمع سے لیا گیا ہے لہذا ہر مجموعے کو مکتوب کہہ کر شکل ہونا سہ ایک دوسرے کی ضد ہونا۔

حیرت کا مقام ہے کہ حضرت سید عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ باوجود اتمی ہونے کے علوم سے کس قدر واقف تھے۔ یہاں پر آپ نے ٹھیکے لغوی بحث دی ہے جس کا علم بڑے بڑے دعیان علم کو بھی نہیں۔ چنانچہ اہل لغت کتاب کی تشریح میں یہی کہتے ہیں کہ اسے کتاب اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں حروف کو اکٹھا کیا جاتا ہے اور ایک دوسرے سے ملا جاتا ہے اور اس کا تائید میں یہ مآر و پیش کیا جاتا ہے کہ کُتِبَ حَیَاتُ النَّاسِ اِذَا جَمَعَهَا مِیرَا مُعْمَدًا لفظ پر بحث کرنا نہیں حضرت کے علم لدنی کی تائید کرنا ہے۔ (مترجم)

کہہ سکتے ہیں۔ اسی درجہ سے فوجی دستوں کو کتاب کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مجتمع ہوتے ہیں اور کتاب کا مفرد کتبۃ ہے یعنی مجموعہ اور دوسرے دستوں سے ملی ہوئی۔

کتابت کو رب العالمین کی طرف اس لیے منسوب کیا گیا کہ وہ نور جو اس صورت کے حامل ہونے کا سبب ہے جسے کتابت سے تعبیر کیا گیا ہے، وہ نہ انسانی طاقت میں ہے نہ اس کے کتاب میں وہ صرف مدور بانی ہے اور اللہ سبحانہ کا نور ہے اس سے ظاہر ہو گیا کہ کتابت سے مراد صرف وہ صورت ہے جو نظر میں حاصل ہے اور بس۔ اور نظریں اس صورت کا حاصل ہونا کوئی مشکل نہیں جس طرح تمام مرنے اشبار نظریں حاصل ہوتی ہیں کیونکہ باوجود اس کے کہ آنکھ کی تیلی چھوٹی ہے اس میں ایک بڑی صورت منقسم ہو جاتی ہے۔ مثلاً آسمان کی صورت اور آنکھ کی پتلی ایک سور کے دانے سے بھی چھوٹی ہے۔ لہذا یہ حدیث ممکنات میں سے ٹھہری۔ تمام معجزات اور خوارق کا بھی یہی حال ہے۔

دوسری حدیث میں نے کئی بار آپ سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا: اِنَّ هَذِهِ الْقُرْآنُ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْزَابٍ تَرَانِ مَاتِ حُرُوفٍ پُر اَتَا رَاگیا۔ آپ نے

اس کے کئی ایک جواب دیئے مگر پھر بھی طبیعت مطمئن نہ ہوئی اور جواب نشانی کی منتظر رہی اشکال اس طرح پیدا ہوا کہ "حرف" کا لفظ لغت کے اعتبار سے ظاہر ہے جس میں اس قسم کا کوئی اشکال نہیں جس قسم کا صورتوں کے ابتدائی حروف میں ہے اور علمائے اس کی تفسیر میں بہت اختلاف

۱۰۔ ثلثون کتاب فضائل القرآن ۱۲۰ اُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْزَابٍ حافظ حدیث امام جلال الدین سیوطی تنویر الحواکک شرح موطا مالک رج: ۱۵۹ مطبوعہ مطبعۃ ابالی شمشیر میں لکھتے ہیں کہ اس بارے میں کہ سبعہ احرف سے کیا مراد ہے۔ علماء میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے بیان تک کہ اس میں چالیس کے قریب مختلف اقوال نقل کئے گئے ہیں جن کا ذکر میں نے اپنی کتاب اوزنقان میں کر دیا ہے۔ ان میں سے میرے نزدیک سب سے بہتر قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کا فرمان مشابہات میں سے ہے جس کی تاویل کا ہمیں علم نہیں کیونکہ جب طرح قرآن مجید میں مشابہات پائے جاتے ہیں اس طرح حدیث میں بھی مشابہات ہیں۔ ۱۷۔

راقم کتبہ کو ابو عبد اللہ محمد بن احمد المعروف بابن البیان المصری متوفی ۴۹۰ھ نے اس پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام اَزَالَةُ الشُّبُهَاتِ عَنِ الْآيَاتِ وَالْأَحَادِيثِ الْمَشَابِهَاتِ رکھا ہے (کشف النقاب: ۱: ۷۰)

۱۸۔ ان سے مراد حروف مقطعات ہیں مثلاً اَلْحَمْدُ وغیرہ۔ ۱۷۔

کیا ہے جس کے مطالعہ سے پریشانی اور اشکال بڑھتا ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد تو ایک ہی ہوگی اور اخلاقی اقوال کی تعداد چالیس تک پہنچ جاتی ہے، جو اس کے مبہم اور دقیق ہونے کے موجب ہیں۔ کیونکہ کسی بات میں اقوال کی کثرت اس شے کے متعلق عدم واقفیت کی سبب بنتی ہے لیکن اس کے باوجود ممکن ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کچھ اور ہی ہو جس کا ذکر ان تمام اقوال میں سے کسی ایک میں بھی نہیں کیا گیا اور اس حدیث کی روایت متعدد صحابہؓ نے کی ہے مثلاً عمر بن الخطابؓ، حشام بن حکیمؓ، ابی بن کعبؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، عثمان بن عفانؓ، عمرؓ، ابی سلمہؓ، ابی جہیمؓ، سمرہ بن جندبؓ، عسمر بن العاصؓ، اُمّ ایوبؓ، انصارؓ اور ان کے علاوہ اور صحابہؓ نے بھی۔ رضی اللہ عنہم معین یہاں تک کہ ابو یعلیٰؓ نے اپنی مسند کبیرہ میں لکھا کہ ایک دن حضرت عثمان بن عفانؓ منبر پر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا میں تمہیں خدا کا واسطہ دیکر پوچھتا ہوں کہ تم میں سے جس جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان یہ الفاظ سنے ہیں کہ قرآن سات حرفوں پر اتارا گیا اور ہر حرف ایک شان بیان کرتا ہے، وہ کھڑا ہو جائے۔ اس پر ہر جانب سے صحابہؓ جن کی تعداد مجھے یاد نہیں، اٹھ کھڑے ہوئے ہر ایک یہی کہتا تھا کہ میں نے آنحضرت سے یہ الفاظ سنے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا میں نے بھی حضورؐ کو

۱۔ حشام بن حکیمؓ، حشام بن حکیمؓ بن حزام قرشی فتح مکہ کے دن ایمان لائے، انکا شمار صحابہؓ میں ہوتا ہے ان کے والد حکیم کی وفات ۲۰ھ میں ہوئی اور یہ اپنے والد کی حیات میں ہی وفات پا گئے تھے۔

۲۔ عبدالرحمن بن عوفؓ، مشہور صحابی کا نام، قریش میں سے تھے۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں سابقین اولین کہا جاتا ہے اور یہ عشرۃ مبشرہ سے ہیں۔ پہلے مشبک طرف ہجرت کی اور پھر مدینہ کو۔ انہوں نے تمام جنگوں میں شرکت کی، ۵۰ برس کی عمر میں ۳۶ھ میں وفات پائی۔

۳۔ عمر بن ابی سلمہؓ، ان کے باپ ابوسلمہ کا اصل نام عبداللہ ہے ان کی پرورش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی اور اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہؓ کے بیٹے تھے۔ ان کی پیدائش مبشر میں ۲۰ھ میں ہوئی۔ حضرت علیؓ نے اپنے عدولانیت میں انہیں بحرین اور فارس کا گورنر بنایا تھا۔ ان کی وفات مدینہ میں ۳۶ھ میں ہوئی۔

۴۔ عمرو بن العاصؓ، مشہور صحابی ہیں ۳۰ھ میں فتح مکہ سے چند ماہ قبل ایمان لائے۔ انہوں نے مصر میں حکومت اختیار کر لی تھی اور وہیں ۴۰ھ میں ۶۹ برس کی عمر میں ۳۰ھ میں وفات پائی۔

۵۔ اُمّ ایوب انصاریہؓ، حضرت ابویوب انصاریؓ کی بیوی تھیں۔ یہ تھیں ہی سعید خدرجی کی بیوی اور ابویوب انصاریؓ کی بیوی تھیں۔ صحابہ ہیں۔

۶۔ ابو یعلیٰ احمد بن علیؓ، مولف مسند کبیرہ حافظ حدیث اور ثقہ تھے ان کی وفات ۳۲ھ میں ۹۱۵ھ میں ہوئی۔

یہی کہتے ہوئے سنا تھا۔ اسی لیے ابو عبیدہؓ اور دیگر حفاظ حدیث نے کہا ہے کہ یہ حدیث متواتر حدیثوں میں سے ہے قدیم زمانے سے میکہ آج تک علماء نے اس پر خوب بحث کی ہے اور بعض نے تو اس پر مستقل کتابیں لکھیں مثلاً ابوشامہؒ نے اس پر بہترین بحثیں تو میں نے چار بڑے بڑے عالموں کی کچھ ہیں۔ ۱۔ اسان المتکلمین قاضی ابوبکر باقلانیؒ کی کتاب الانتصار میں۔ انہوں نے مسئلہ کو اچھی طرح سے واضح کیا ہے۔

۲۔ حافظ کبیر ابن الجوزیؒ کی التشریح میں۔ اس نے دس فصلوں میں کئی طرح سے بحث کی ہے اور ان صحابہؓ کے نام ذکر کئے ہیں جنہوں نے اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ ۳۔ حافظ امیر المؤمنین فی الحدیث امام ابن حجرؒ شرح بخاری میں فضائل قرآن کے باب میں۔ ۴۔ امام جمال الدین سیوطیؒ الاتقان فی علوم القرآن میں۔ انہوں نے چالیس مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔

باوجود اس کے کہ مجھے ان بزرگ علماء کے اقوال کا علم تھا اور ان کو خوب اچھی طرح سمجھنا تھا پھر بھی میری سمجھ میں نہ آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کیا ہے اور تعین مراد میں مجھے شک ہی رہا۔ لہذا میں نے شیخؒ سے عرض کیا کہ میں تو آپ سے صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آنحضرتؐ نے اس سے کیا مراد لی ہے۔ فرمایا انشاء اللہ کل جواب دیں گے۔ دوسرا دن ہوا تو فرمایا اور سچ فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ہے کہ اُن کی اس حدیث سے کیا مراد ہے تو آپ نے اپنی مراد کی تشریح کر دی ہے۔ میں نے اس مسئلہ میں حضرت سے تین دن بحث کی اور آپ تشریح فرماتے رہے کہ اس سے یہ معنی مراد لیے گئے ہیں جس سے مجھے معلوم ہو گیا کہ اس حدیث کی بڑی شان ہے اور اسکے متعلق میں نے وہ امر ارغئے جن کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اور نہ کسی کو سمجھنے کی طاقت ہے۔ مختصراً بات جو ہم تحریر کر سکتے ہیں وہ یہ ہے :-

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی قوت و ولایت کر رکھی ہے جس کے انوار سات قسم کے ہیں۔ ان سات نوروں کے دو دو رخ ہیں ایک حق تعالیٰ کی طرف اور دوسرا مخلوقات کی طرف۔ یہ الوار پہلے رخ میں متواتر فیضان کرتے رہتے ہیں اور کبھی نہیں ٹھکتے اور نہ ہی سست پڑتے ہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کرنا چاہتے ہیں تو جو آیت نازل

۱۔ ابو عبیدہؓ معمر بن شنتیؒ حافظ حدیث اور لغت دان تھے ان کی متعدد تصانیف ہیں ۲۱۰ھ ۲۲۵ھ میں وفات پائی۔ ۲۔ مضمون کرنا کہ امانت

ہوتی ہے اس کے ساتھ پہلے رخ کے نور میں سے تھوڑا سا نور بھی ہوتا ہے۔ سارا تو نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو خدا کی طرف توجہ ہونے کی وجہ سے نہ مہتمم ہے اور نہ سُبُست پڑتا ہے، اس لیے مخلوقات کی طرف توجہ کے وقت صرف تھوڑا سا نور ظاہر ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ دوسری آیت اُتارتا، تو اس میں دوسرے رخ کا کچھ نور ہوتا ہے۔ پھر تیسری آیت اُترتی ہے اس کی تیسرے نور میں کمی قدر نور ہوتا ہے، اسی طرح ساتویں نور تک۔

سات حروف کیا ہیں ؟

اس پر میں نے عرض کیا یہ ساتوں نور جن کی طرف سات حروف کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے، کیا چیز ہیں؟ حضرت نے فرمایا: وہ سات حروف یہ ہیں (۱) حرفِ نبوت (۲) حرفِ رسالت (۳) حرفِ آدمیت (۴) حرفِ روح

(۵) حرفِ علم (۶) حرفِ قبض (۷) حرفِ بسط۔

۱۔ حرفِ نبوت: حرفِ نبوت کی شناخت یہ ہے کہ آیت مبرک کا حکم دے رہی ہو، حق راہ بتا رہی ہو اور دنیا و شہوات دنیا سے نفرت دلوا رہی ہو کیونکہ نبوت کا طبعی خاصہ حق کی طرف جھکنا حق بات کہنا، حق راہ بتانا اور حق میں خیر خواہی کرنا ہے۔

۲۔ حرفِ رسالت: حرفِ رسالت کی یہ علامت ہے کہ آیت میں آخرت اس کے درجات مقامات اور ثواب وغیرہ کا ذکر ہو۔

۳۔ حرفِ آدمیت: حرفِ آدمیت کا ماحصل وہ نور ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں ودعت کر رکھا ہے اور انہیں اس سے انسانی کلام کرنے پر تیار کیا ہے تاکہ ان کا کلام ملائکہ جنوں اور باقی نام کلام کرنے والی مخلوقات کے کلام سے ممتاز ہو سکے اور باوجودیکہ یہ صفت ہر انسان میں پائی جاتی ہے، اسے ان ساتوں میں اس لیے شامل کیا گیا کہ یہ صفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں طہارت اور صفائی کے لحاظ سے انتہا کو پہنچ چکی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ طہارت اور صفائی میں آپ کی ذات کا کمال اس درجے تک پہنچ چکا ہے جس سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں ہو سکتا اور آنحضرت کی ذات کے سوا کسی اور کی ذات میں اس کا ہونا بھی ناممکن ہے۔ مختصر یہ کہ جب یہ نور جس سے انسان کلام کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں نورِ نبوت - نورِ رسالت - نورِ روح - نورِ علم - نورِ قبض اور نورِ بسط کے ساتھ پایا گیا تو یہ نور انتہائی کمال پر ہو گا کیونکہ آپ کی ذات، ان چھ نوروں سے مستفیس ہو رہی ہوتی ہے لہذا آپ پر آیات کا نزول ہو گا اور کوئی آیت بھی ایسی نہ ہو گی جس میں یہ نور نہ پایا جاسکے کیونکہ قرآن اسی بشری نعت میں نازل ہوا ہے۔

۴۔ حرفِ رُوح : حرفِ رُوح کی نشانی یہ ہے کہ آیت کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اس کی بلند صفات سے ہو اور اس میں مخلوق کا کوئی ذکر نہ ہو کیونکہ روح ہمیشہ حق کا مشاہدہ کر رہی ہوتی ہے لہذا جب اس صفت پر آیت اُترے گی تو اس کے ساتھ نورِ رُوح موجود ہوگا۔

۵۔ حرفِ علم : حرفِ علم کی پہچان یہ ہے کہ آیت میں گزشتہ لوگوں کے حالات بیان کئے گئے ہوں مثلاً عاد۔ ثمود۔ قوم نوح۔ قوم ہود۔ قوم صالح وغیرہ کے حالات یا اس میں کسی راستے کے مذموم ہونے کی اطلاع دی گئی ہو۔ مثلاً اللہ کا فرمان : اُولَٰئِكَ الْاَنۡبِيَاۡءُ اَشۡتَرٰهُمۡ ذَا الصَّلٰۤئَةِ بِالۡهٰدِیۡ فَمَا دُبَّحَتۡ تَحۡمِلَتۡهُمۡ وَ مَا کَالُوۡا مُهۡتَدِیۡنَ (ترجمہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خرید لی۔ نہ تو انہیں اس سودے میں فائدہ ہوا اور نہ ہی وہ سیدھی راہ پر گئے) مختصر یہ کہ قصص، مواظب اور حکم وغیرہ حرفِ علم پر نازل ہوں گی اور اس حرف کا نور جسے عطا ہو جائے اس سے جہالت کی نفی ہو جاتی ہے اور وہ عارفِ معترف بن جاتا ہے، یہاں تک کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ ایک شخص پہاڑ کی چوٹی پر پیدا ہوا اور بغیر کسی سے میل جول رکھنے کے وہیں رہا سما ہو یہاں تک کہ جوان ہو گیا ہو، پھر اسے شہر میں ایسی حالت میں لایا جائے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اس حرف کے نور سے مدد کی ہو تو اس صورت میں جس شخص نے تمام علم حاصل کرنے میں لگا دی ہو وہ اس شخص کے ساتھ کسی باب میں بھی بحث نہیں کر سکتا۔

۶۔ حرفِ قبض : حرفِ قبض کی پہچان یہ ہے کہ آیت کا ردی سخن کفار و زنا کی طرف ہو چنانچہ آپؐ دیکھیں گے کہ کبھی تو آپؐ انہیں بد عادات سے روکتے ہیں اور کبھی انہیں دھمکی دے رہے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان : فَاَنۡذَرۡتَهُمۡ مَّرۡضَۃً فَرَّادۡھُمْ اَللّٰهُ مَرۡضًا وَّلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ (ان کے دلوں میں شک و کفر کا مرض ہے خدا نے ان کی ضد کی وجہ سے) اس مرض کو اور بڑھا دیا اور ان کے جھٹلانے کی وجہ سے انہیں دردناک عذاب دیا جائے گا) اس کی وجہ یہ ہے کہ نور اور تاریکی کی فوجیں متواتر آپس میں لڑتی رہتی ہیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ تاریکی کی طرف ہوتی ہے تو آپؐ میں انقباض پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے مذکورہ قسم کی آیت آپؐ سے نکلتی ہیں۔

۱۔ سورہ بقرہ آیت ۱۶

۲۔ قسم کی جمع سے حکمت کی جمع سے تشریف کیا ہوا سورہ بقرہ آیت ۶۔ لکن

۲۔ حرف بسط: حرف بسط کی علامت یہ ہے کہ مخلوقات پر اللہ تعالیٰ نے جو انعامات کئے ہیں ان کا ذکر آیت میں کیا جائے اور مخلوقات کو یہ نعمتیں گناہی جائیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو توجہ ان نعمتوں کی طرف ہوتی جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات پر کی ہیں تو آپ کو ابسط ہوتا جس کی وجہ سے آیت بھی منقار بسط سے نکلتی۔

حضرت نے فرمایا ان ساتوں حروف میں سے ہر حرف کی تقریباً سیسی پہچان ہے جو ذکر کیا گئی ہے ورنہ ہر حرف میں ۳۶۶ (تین سو چھیاسٹھ) وجہیں ہیں۔ اگر میں ہر حرف میں ان وجوہ کی تشریح کر دوں اور ان کی تشریح ہر آیت میں ظاہر کر دوں تو لوگوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن مروج کی طرح روشن ہو جائے مگر یہ ان اسرار میں سے ہے جن کا چھپانا واجب ہے اور جن لوگوں پر اللہ کی فتح کبیر ہوتی ہے وہ اسے جانتے ہیں اور جسے فتح حاصل نہیں اسے اپنی حالت پر ہی چھوڑ دینا چاہیے۔

شیخ کی تقریر پر اعتراض | میں نے عرض کیا حضرت اس بارے میں جتنی احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں حروفِ سبعہ سے قرآنی الفاظ کے بولنے کی کیفیت مراد لی گئی ہے مثلاً حضرت عمرؓ کا فرمانا کہ میں نے ہشام بن حکیم کو ان حروف پر قرآن مجید پڑھتے ہوئے سنا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ اور حضرت ہشامؓ دونوں کے حروف کو درست قرار دیتے ہوئے فرمایا: **إِنَّ هَذَا الْقُرْآنُ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ** (ترجمہ: قرآن مجید سات حروف پر اتارا گیا ہے جسے جو حرف آسان معلوم ہوں وہی پڑھ لے) لیکن جناب کی تقریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حروف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں باطنی اوصاف اور انوارِ ربانیہ ہیں جن میں حضرت عمرؓ اور حضرت ہشامؓ کا باہمی اختلاف کرنا ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یہ جواب دیں کہ قرآن ان سات انوار پر نازل ہوا ہے۔

شیخ کی طرف سے | اعتراض کا جواب | حضرت نے فرمایا کہ تائلفظ کے اختلاف کے بارے میں جو کچھ بھی حدیثوں کے اندر مذکور ہے وہ ان انوارِ باطنیہ کے اختلاف کی فرع ہے چنانچہ حروف کا ساکن ہونا یا اُن پر پیش کا ہونا قبض سے پیدا ہوتا ہے۔ زبر و حرف

رسالت سے پیدا ہوتی ہے اور زیرِ حروفِ آدمیت سے پیدا ہوتی ہے اور ہر آیت کے لیے ایک خاص نفع اور مخصوص ذوق ہوتا ہے۔

جب میں نے حضرت سے یہ نورانی کلام سنا تو میں نے فوراً سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیتیں پڑھیں۔ چنانچہ حضرت نے جو تشریح مذکورہ بالا بیان کے مطابق کی میں اُسے شکر شکر رہ گیا۔ میں نے ان آیات کو دوبارہ پڑھا اور میں نے قرارت نافعہ، ابن کثیر، ابی عمرو بن العلاء، البصری، ابن عساکر، حاتم، حمزہ، کسایی کی ساتوں روایات پڑھیں۔ جن کی تشریح میں میں نے آپ سے حیرت انگیز باتیں سنیں اور میں نے دیکھ لیا کہ ان ساتوں قرارتوں میں باطنی انوار کے لحاظ سے اختلاف پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ الحمد للہ اس حدیث کے مفہوم میں جس چیز کو میں تیس سال سے زائد عرصہ سے تلاش کر رہا تھا وہ مجھے مل گئی، مجھ سے پہلے حافظ ابن

۱۔ نافعہ: نافع بن عبد الرحمن بن ابی نعیم المدنی، اہل مدینہ کے امام تھے اور مدینہ میں انہی کی قرارت کو پڑھا جاتا تھا۔ صحابہ کے بعد تیسرے طبقہ کے آدمیوں میں سے ہیں۔ بیعتِ سیاہ رنگ کے تھے اور انہوں نے قرارت اُم المؤمنین ام سلمہ کے آزاد کردہ غلام ابو ہریرہ سے سیکھی تھی۔ ان کی وفات ۱۶۹ھ میں ہوئی۔

۲۔ ابن کثیر: عبد اللہ بن کثیر، ابوبکر ان کی کنیت تھی، انہیں دارانی کہا جاتا ہے کیونکہ حجاز میں عطار کو دارانی کہتے ہیں ان کی وفات مکہ میں ۱۲۰ھ میں ہوئی اور وہیں دفن ہوئے۔

۳۔ ابومرو بن العلاء البصری: ان کا اصلی نام زیان بن العلاء تھا بصری خویلوں میں بیٹے ممتاز بن زوی ہوئے ہیں۔ انہوں نے قرآن کی قرارتوں میں خاص مہارت حاصل کی تھی ان کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔

۴۔ ابن عامر: عبد اللہ بن عامر، ابومرو کنیت کہا جاتا ہے کہ انہوں نے قرآن حضرت عثمانؓ سے سیکھا تھا۔ دمشق کے رہنے والے تھے اور وہیں ان کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی۔

۵۔ عاصم: ابوبکر عاصم بن ابی النجد وہداتہ الاسدی، ان کی کنیت ابوبکر بن ابی النجد ہے ان کی وفات ۱۴۵ھ میں ہوئی۔ ابن تھلکان نے ان کی تاریخ وفات ۱۶۴ھ دی ہے انہوں نے قرارت ابوعبدالرحمن سلمیٰ اور زہریٰ سے سیکھی۔

۶۔ حمزہ: حمزہ بن حبیب الزبائی۔ ان کو زیات اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ زیتون کی تجارت کرتے تھے، ان کی وفات ۱۵۶ھ میں ہوئی۔

۷۔ کسائی: علی بن حمزہ الکسائی، بکونیوں کے امام تھے کہنے بھی میں نشروندہ پائی اور میںیں مہم قرأت حمزہ الزبائی سے سیکھا لیکن بعد میں اپنی خاص قرارت کے لحاظ سے قراہے گئے اور ساتوں قراء میں شمار ہونے لگے ان کی وفات ۱۶۰ھ میں ہوئی۔ یہ سب قرآن مجید کے ساتوں قاریوں کے نام ہیں۔

مجوزی بھی تیس سال سے اوپر اسے تلاش کرتے رہے، تب جا کر انہیں اس حدیث کے معنی کی وجہ ظاہر ہوئی تھی، اس کے بعد ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ انہیں اور لوگوں کی کی ہوئی تشریحات کا بھی پتہ چلا ہے اس کا بیان مصنف نے کتاب الاختصار نے شرح و بسط سے کیا ہے لیکن وہ تشریح صرف ظاہر تلفظ اور اس کے اختلافات تک محدود ہے اور ان میں الزاہر باطن کا ذکر نہیں ہے جن کی وجہ سے یہ نقلی اختلافات پیدا ہوئے، مختصر یہ کہ یہ تشریح اور دوسری تشریحات جو اس حدیث میں کی گئیں اس میں بیان کنندگان نے صرف درخت کے سایے کو لیا ہے اور یہ تشریح جو ہمارے شیخ نے اسحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی اس میں تمام درخت کا، اس کی جڑوں کا اور اس کی شاخوں کا ذکر ہے اور تمام چیزوں کا ذکر ہے جو اس درخت سے پیدا ہوتی ہیں حضرت نے فرمایا: اگر میں اس کے متعلق سات کتابیں بھی لکھنا چاہوں تو لکھ سکتا ہوں، لیکن چونکہ راز کی باتیں ہیں اس لیے نہیں لکھتا۔

جب آپ تشریح فرما رہے تھے تو میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ آیت میں کچھ تو اجزاء نبوت کے ہوتے ہیں، کچھ اجزاء رسالت کے اور اسی طرح باقی سات حروف کے، اس لیے میں نے عرض کیا کہ حضرت ان سات حروف کے اجزاء کی تشریح فرمادیجئے، پھر یہ بھی فرمادیں کہ ان حروف کی ان پر تفریع کیجئے ہوتی ہے تاکہ ان کا نائدہ مکمل ہو جائے۔

حروف کی مزید تشریح فرمایا: ان سات حرفوں میں سے ہر ایک کے سات اجزاء ہیں چنانچہ آدمیت کے سات، نبوت کے سات، رسالت کے سات، ارجح کے سات، قبض کے سات، بسط کے سات اور علم کے سات۔ کل ۴۹ اجزاء ہوئے۔

۱۔ آدمیت

اجزاء آدمیت اور آدمیت کا پہلا جزو ظاہری صورت کا کمال حسن ہے اس طرح کہ چہرہ، ہاتھ پاؤں، انگلیاں اور باقی تمام اجزاء اور ظاہری اوصاف مثلاً حسن کی سفیدی و رونق نہایت عمدہ اور خوبصورت ہوں۔

دوسرا جزو جسم کے ظاہری منافع کا کمال مثلاً حواس خمسہ ظاہرہ کو ان کی قوت سماعت بھی پورے کمال

لے انتظار کے نام سے بہت سی کتابیں لکھی گئیں ہیں مگر یہاں ابوبکر محمد بن الطیب الاشعری ابان تان المرقیہ رحمہ اللہ کی تصنیف مراد ہے۔

۲۔ شاخ بیان

کی ہو۔ بینائی بھی کمال کی ہو۔ اسی طرح قوتِ شامہ۔ ذوقِ لیس ہو اور شلاً آواز اور ان حروف کا تلفظ بھی
جہ کمال تک پہنچا ہو کہ یہ حروف نہایت کمال اور فصاحت و بلاغت تک پہنچ چکے ہوں۔

صورتِ بالغیہ کا کمال حسن تاکہ دل بہترین شکل اور بہترین حالت کا ہو اور جگر بھی کامل
تیسرا جزو | شکل کا ہو اسی طرح دماغ، دگیں وغیرہ جتنی کہ تمام اجزاء کمال پر ہوں۔

چوتھا جزو | حسنِ باطنی کا کمال تاکہ لذت و حسن کی جو کیفیت اسے حاصل ہو وہ کمال پر ہو۔

پانچواں جزو: نر ہونا | پانچواں جزو ذکرِ ربیت (نر ہونا) ہے کیونکہ یہی آدمیت کا کمال ہے اس لیے کہ
اس میں فعل (دوسرے پر اثر کرنے کا) کاراں پایا جاتا ہے اور انوثیت (مادہ

ہونا) میں انفعالِ رائے قبول کرنے کا کاراں ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنے لیے پیدا
کیا اور باقی تمام چیزوں کو آدم کے لیے پیدا کیا اور ان میں عورتیں بھی شامل ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے
تمام اشیاء کو آدم کے لیے پیدا کیا تو اسے فعلِ کاراں بھی عطا کیا اور اسے اپنا خلیفہ بنایا اور خلافت کو قیامت
تک آپ کی نرینہ اولاد میں مقرر فرمایا۔

چھٹا جزو: انسانی جسم | چھٹا جزو جسمِ انسانی سے شیطانی سستے کا نکال لینا ہے کیونکہ اس سے آدمیت
کی تکمیل ہوتی ہے ایسی وجہ تھی کہ لاکھنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ
سے شیطانی حصہ نکال دینا
شق کیا اور اس میں سے جو نکالنا تھا نکالا اور پھر جس چیز سے دھونا
تھا دھویا اور اسے ایمان و حکمت سے بھر دیا۔

ساتواں جزو کمالِ عقل | ساتواں جزو کمالِ عقل ہے اس طرح کہ عقل انتہا درجہ کی صاف اور معرفت
میں کمال تک پہنچی ہو۔ یہ وہ سات جزو ہیں جنہیں قریب قریب آدمیت

کے اجزاء سے تعبیر کیا جاتا ہے اور آدمیت کے اجزاء اپنے انتہائی کمال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
ذات کے سوا کسی اور میں نہیں پاتے گئے۔

۲۔ قبض

پہلا جزو: حاستہ | اس کا پہلا جزو وہ حاستہ ہے جو ذاتِ انسانی میں رکھا ہوا اور اس کے تمام
بواہر میں پھیلا ہوا ہے جس کے ذریعے سے ذاتِ انسانی اپنے تمام جواہر

میں خیر سے لذت حاصل کرتی ہے بعینہ اسی طرح جس طرح انسان شہد کی مٹھاس سے لذت حاصل
لے سونگنے کی قوت سے چھڑنا سے محسوس کرنے کی قوت

کرتا ہے اور اسی کے ذریعہ سے ذاتِ انسانی کو اپنے تمام جوار میں تکلیف پہنچتی ہے، جس طرح انسان حنظلِ غیرہ کی کڑواہٹ سے تکلیف محسوس کرتا ہے۔

۲۔ انصاف

دوسرا جزو انصاف ہے اس کے بغیر قبض کی تکمیل نہیں ہوتی، کیونکہ یہاں پر قبضِ نورانی کی بحث ہو رہی ہے چنانچہ اگر اس قبض کے ساتھ انصاف نہ ہوگا تو یہ قبض ظلمانی ہوگا اور قبضِ ظلمانی والا انسان اللہ کے غضب کا مستحق ہوتا ہے۔

۳۔ ضد سے نفرت

قبضِ جزو ضد سے نفرت ہے جس طرح ہر ضد سے نفرت کرتی ہے اور اس کے ساتھ اکٹھی نہیں ہوتی جیسا کہ سفیدی اور سیاہی اکٹھی نہیں ہوتی اور قیام اور تعدو جمع نہیں ہو سکتے زاہد وقت اور ایک مقام میں ایک ہی چیز ہوگی،

۴۔ حق بات کہنے سے نہ شرمانا

چونکہ جزو حق بات کہنے سے شرم نہ کرنا ہے چنانچہ انسان خواہ حق بات کڑوی ہی کیوں نہ ہو کہہ دے اور اللہ کے بارے میں وہ کسی طعنہ اور ملامت کی پروا نہ کرے۔

۵۔ تعمیل احکام

پانچواں جزو تعمیل احکام ہے۔ کیونکہ بحثِ قبضِ نورانی کی ہو رہی ہے لہذا اگر قبض کے ساتھ شریعت کی مخالفت ہو تو یہ قبض ظلمانی ہوگی جس کی وجہ سے انسان حق تعالیٰ کی ناراضگی کا مستوجب ہوتا ہے۔

۶۔ میل الی الجہنم

چھٹا جزو مجہنس کی طرف میلِ تمام ہے یہاں تک کہ وہ اپنے اندر مجہنس سنتے کہ اللہ برحق ہے وہی ہمارا خالق اور رازق ہے اور وہ واحد ہے اس کے ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے یا اس قسم کا کوئی اور کلام سنتے تو آپ کا قلب اس کی طرف کھینچتا اور آپ اسے اس حد تک محبت کرتے کہ آپ کے اعضاء میں انشراح پیدا ہوتا حتیٰ کہ اس کلام کے راز کی کیفیت آپ پر ظاہر ہو جاتی اور آپ کی ذات اس نور کو بیان کرتی جو اس کلام کے ساتھ نکلا تھا پس جس طرح ضد سے کلی نفرت ہوتی تھی اسی طرح مجہنس کی طرف کلی میلان ہوتا تھا۔

۱۔ کھانا کھادہ ہونا۔

۲۔ محقق و دانے نے شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ لکھا ہے کسی شخص نے ایک جانور کو لامٹی ماری شیخ پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ میں اسی مقام پر جہاں جانور پر لامٹی لگی تھی شیخ کے جسم پر لامٹی کے نشان پڑ گئے یہ کمال کیفیتِ احساس کی وجہ سے تھا۔ ۱۷ ترجمہ۔

۱۔ کمال گرفت | ساتوں جزو کمال گرفت کی قوت ہے۔ چنانچہ اگر کسی چیز کو جھپٹ کر پکڑنا چاہے تو اس میں ذرہ بھر بھی ہاتھ سے نہ گرے۔ محسوسات میں اس کی مثال یہ ہے کہ جھپٹ کر دس چیزوں کو لینا چاہے تو اگر ان میں سے ایک بھی گر جائے تو اس میں قوت کا ملہ گرفت نہیں ہے اور اگر ایک بھی نہ گرے تو اس میں گرفت کی قوت کا ملہ ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی چیز کو جھپٹ کر لے کر اس پر دائم نہ رہا تو بھی اس میں گرفت کی قوت کا ملہ نہیں ہے اور اگر اس پر دائم رہے تو پھر یہ قوت اس میں پائی جائے گی۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قبض کے اجزاء میں سے ایک جزو میل الی الجنس اور جنس کی کیفیت اخذ کرنا ہے اور اس اخذ کیفیت کے ساتھ ساتھ گرفت کی قوت کا ملہ کا ہونا ضروری ہے اس طرح قبض کا ایک جزو جد سے نفرت ہے اس میں بھی گرفت کی قوت کا ملہ کا ہونا ضروری ہے تاکہ اپنی نفرت پر قائم رہے۔

۳۔ بسط

۱۔ فرجِ کامل | بسط کا پہلا جزو فرجِ کامل ہے اور یہ ایک نورِ باطن ہوتا ہے جس کے اندر بھی یہ پایا جائے تو یہ نور اس شخص کے دل سے کینہ، حسد، تکبر، بغل اور عداوت کو نکال دیتا ہے کیونکہ یہ اوصاف فرجِ کامل کے منافی ہیں۔ لہذا جب اس فرج کے ساتھ کسی ذات میں نورِ ایمان پایا جائے تو اس کا نزول اس ذات پر مجاہدیت اور موافقت کا نزول ہوگا اور یہ فرج ذات میں مناسب طور پر شکستہ ہو جائے گی اور اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کہ ایک اچھی زمین پر بارش کا نزول ہو، لہذا اس سے پاکیزہ اخلاق پیدا ہوں گے۔

۲۔ سکون خیر فی الذات | دوسرا جزو ذاتِ انسانی میں بُرائی کی بجائے نیک کا سکون ہونا ہے یہ ایک نور ہے کہ جسے حاصل ہو، بھلائی اس کی طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے اور وہ بھلائی اور بھلائی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور اس کے ذہن میں بھی وہی خیالات آتے ہیں جو بھلائی کی طرف لے جاتیں اور اگر کوئی شخص اُس سے بھلائی کرتا ہے تو وہ کبھی نہیں سمجھتا، لیکن اگر کوئی ایذا رسانی کرتا ہے تو دقت گزرنے پر وہ اسے معمول جانتا ہے اور وہ ایذا رسانی اس کے ذہن میں نہیں رہتی، حتیٰ کہ اگر اس کے بعد اسے آزماؤ تو اس کا دل اس سے خالی پائیں گے اور وہ خود مطمئن اور خوش ہوتا ہے گویا کوئی ایذا پہنچانے والی بات ہی نہیں ہوتی اور یہی بسط کا کمال ہے۔

۳۔ خوشی سے ہم جنسی سے جھک پڑنے والا

فتح حواسِ ظاہرہ

تیسرا جزو حواسِ ظاہری کی فتح ہے۔ یہ ایک لذت ہوتی ہے جو حواسِ ظاہرہ میں حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح کو یہ لذت ان رگوں کو کھول دیتی ہے جو ان

حواس میں پائی جاتی ہیں۔ پھر جو ادراک حواس کو ہوتا ہے اس کی کیفیت اُن عُرُوق میں آجاتی ہے اور اس لذت سے بسط کا کمال ہوتا ہے چنانچہ بصر میں ایک لذت ہے جس کے ذریعہ سے خوب صورت مورتوں کی طرف میلان حاصل ہوتا ہے اور اسی سے اس چیز سے جسے دیکھا گیا ہو عشق اور انقطاع باطنی پیدا ہوتا ہے اور سمع میں بھی ایک لذت ہے جس کی وجہ سے خوش آوازیوں اور نغموں کو سن کر انکساری پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات اس سے ذات میں اضطراب اور وجد پیدا ہو جاتا ہے، باقی حواس کا بھی یہی حال ہے۔ چنانچہ ہر حس میں مطلق ادراک کے علاوہ ایک زائد لذت پائی جاتی ہے۔

فتح حواسِ ظاہرہ اور کمال

حواسِ ظاہرہ میں فرق

حواسِ ظاہرہ کی فتح جو بسط کا جزو ہے اور حواسِ ظاہرہ کے کمال، جو آدمیت کا جزو ہے میں فرق یہ ہے کہ حواسِ ظاہرہ کی فتح عُرُوقِ سابقہ کو کھول کر اس کے کمال کو بڑھا دیتی ہے کہ نہ کہ رگوں

کا کھلنا اس ادراک سے زائد چیز ہے جو کمال حواس میں پایا جاتا ہے۔ عُرُوق کی اسی فتح اور کیفیت جاذبہ کی وجہ سے گردیدگی پیدا ہوتی ہے برخلاف مطلق ادراک کے کیونکہ اس کے ہوتے ہوئے گردیدگی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ بہت سے لوگ حسین امور دیکھنے کے باوجود اُن سے متاثر نہیں ہوتے اور کئی دوسرے حضرات میں کو خوش آوازیں سنتے ہیں، لیکن ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اسی فتح اور کیفیت سے کمالِ بسط حاصل ہوتا ہے۔

فتح حواسِ باطنیہ

چوتھا جزو فتح حواسِ باطنیہ فتح عُرُوق اور ان کا مددک بالحواس سے اثر پذیر ہونا اور اس کے ساتھ انسان کا مددک کا گردیدہ ہو جانا جس کا

ذکر ہم فتح حواسِ ظاہرہ میں کر چکے ہیں، وہی سب امور یہاں بھی جاری ہوں گے اور مذکورہ بالا فرق یہاں بھی فتح حواسِ باطنیہ اور کمال حواسِ باطنیہ میں اسی طرح پایا جائے گا۔

۵۔ مقامِ رفعت

پانچواں جزو مقامِ رفعت ہے، کیونکہ جب انسان اجزاء آدمیت سے آراستہ ہو جاتا ہے، اس کے بعد اجزاء قبض اور پھر مذکورہ چار اجزاء بسط سے آراستہ

ہوتا ہے تو اسے اس چیز کی قدر معلوم ہو جاتی ہے جو اسے عطا کی گئی اور اسے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ قدر

کتنی کشش رکھتا ہے رگوں، نسون کے معلوم کرنا، سمجھنے کی قوت سے کیفیت پر ہونا، خوشی منانا جن کا ادراک حواس کے ذریعے ہوتا ہے بندی

کسی بڑی ہستی کو ہی عطا ہوتے ہیں تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ وہ اپنے رب کے نزدیک بلند قدر والا اور بڑے درجے والا ہے اور بڑا شخص وہی ہوتا ہے جو بلند مرتبہ کام کرے اور اس میں مکارم اخلاق پائے جائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (ہم نے بنی آدم کو عزت دی) اور فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (ہم نے انسان کو عمدہ صورت عطا کی) چنانچہ جب اُسے علم ہو گا کہ وہ کبیر القدر اور رفیع الدرجہ ہے تو اس کا بسط بھی کامل ہو گا۔ اسی وجہ سے مقام رفعت اجزاء بسط میں سے ہے۔

۶۔ حسن تجاوز

چھٹا جزو حسن تجاوز ہے جس کی وجہ سے یہ اس شخص کو معاف کر دیکر جس نے اس پر ظلم کیا ہے اور جس نے اس سے بُرا بڑا تو کیا ہے اسے درگزر کر دے گا۔ حسن تجاوز اجزاء بسط میں سے اس لیے ہے کہ ہماری بحث بسط نورانی سے ہے ذکر بسط ظلمانی سے اور ہم پہلے اجزاء بسط میں مقام رفعت کا ذکر کر چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ مقام رفعت سے مراد رفعت قدر اور شان کی بزرگی ہے اور اگر اس رفعت کے ساتھ حسن تجاوز بھی ہو گا تو یہ بسط نورانی ہو گا لیکن اگر اس رفعت کے ساتھ بُرا بڑا تو اور ظلم ہو گا تو یہ مقام رفعت ظلمانی ہو گا جس کی وجہ سے انسان غضب الہی کا مستوجب ہے ہو گا، یہاں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بسط نورانی کی حقیقت اور اس کے اجزاء کے لیے حسن تجاوز کا ہونا ضروری ہے۔

۷۔ بزم خونی و تواضع

ساتواں جزو نرم خونی و تواضع ہے بسط کے اجزاء میں اس کے داخل ہونے کی وجہ سے جو ہم حسن تجاوز میں ذکر کر چکے ہیں۔ کیونکہ بسط والے کا مرتبہ بلند ہوتا ہے۔ لہذا اپنے ہم جنسوں کے ساتھ جو اس کے رفیق ہیں تواضع اور نرمی کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر وہ اپنے آپ کو ان سے بلند ظاہر کرے گا تو اس بسط میں کبر داخل ہو جائے گا جس کی وجہ سے غضب خداوندی کا مستحق ہو گا۔

آدمیت، قبض اور بسط کے اجزاء انبیاء و غیر انبیاء دونوں میں پائے جاتے ہیں، لیکن انبیاء میں بدرجہ اتم اکل ہوتے ہیں

یاد رہے کہ آدمیت اور اس کے اجزاء اسی طرح قبض اور بسط اور ان کے اجزاء جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں پائے جاتے ہیں اسی طرح ارووں میں بھی پائے جاتے ہیں خواہ وہ شخص کافر ہی کیوں نہ ہو، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ مخصوص آدمیت پائی جاتی ہے جس سے بڑھ کر حاج میں

۱۔ سورۃ تین (پارہ ۳۰) آیت ۴ جس پر واجب ہو۔

کوئی آدمیت نہیں پائی جاسکتی اور یہ جو آدمیت کے اجزاء میں نزع حظ الشیطان (شیطان حقیقی کا ناکام) کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے شق صدر النبی ہی مراد ہے، یہ اوصاف اور انسانوں میں کمال کے درجات میں سے صرف ایک حد تک پائے جاتے ہیں اعلیٰ درجات نہیں پاتے جاتے اور وہاں نزع حظ الشیطان سے مراد ذات سے قباحیت اور بے حیائی کا ناکام ہو گا تاکہ وہ شخص نہ شریر ہو نہ بدخلق، ان لوگوں سے نزع حظ الشیطان سے مراد اس گوشت کے قطرے کا ناکام نہیں جس کا ذکر شق صدر النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا گیا، کیونکہ یہ بات تو درجہ نبوت کے ساتھ مخصوص ہے۔

ذاتِ نبی اور غیر نبی
اب رہا قبض تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ صرف وہی قبض نورانی مختص ہے جو بلند ترین درجے کا ہو۔ رہے دوسرے لوگ سوا اگر وہ آپ کے طریقے کے متبع اور آپ کی سیرت پر چل رہے ہیں تو ان کا

قبض اسی قدر نورانی ہو گا جس قدر کہ وہ آپ کی تابعداری کرتے ہیں، لیکن پھر بھی وہ قبض نورانی انتہائی کمال کا نہ ہو گا بلکہ مراتب کمال میں سے ایک مرتبہ پر ہو گا اس لیے کہ انتہائی کمال خصائص نبوت میں سے ہے۔

شیاطین کا قبض
اور اگر وہ آپ کی شریعت کا مخالف ہو گا تو یہ قبض ظلمانی ہو گا اور قبض کے جزو اول میں حواس کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے یہاں اس کے برعکس

ہو گی، جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ شخص شر سے لذت حاصل کرے گا اور خیر سے تکلیف پائے گا اور قبض کا جزو ثانی یعنی انصاف تو بالکل ہی جاتا رہے گا کیونکہ جب اُسے بدی سے مزہ آئے گا اور خیر سے تکلیف ہو گی تو اس صورت میں اس سے انصاف کا واقع ہونا محال ہے کیونکہ انصاف تو اسی شخص سے ممکن ہو گا جو خیر سے لذت پائے اور شر سے دل دُکھے اور قبض کا تیسرا جزو یعنی نفرت بھی اس میں بالکل برعکس ہو گی۔ یعنی وہ شخص خیر سے نفرت کرے گا۔ یہی حال باقی اجزاء کا ہو گا کیونکہ قبض ظلمانی میں وہ بالکل برعکس ہو جاتے ہیں اور جب تمام اجزاء قبض منعکس ہو گئے تو یہ ایسا قبض ظلمانی ہے جو سرکش شیاطین اور کفار میں پایا جاتا ہے۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس سے بچائے، یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر معجزات دیکھنے کے باوجود ان کی سرکشی اور کفر بڑھتا ہی گیا۔

عامۃ المؤمنین کا قبض
اور اگر قبض کے بعض اجزاء منعکس ہوتے اور بعض نہ ہوتے تو یہ عامۃ المؤمنین کا قبض ہے۔

بسط کا بھی یہی حال ہے کہ ذات محمدی میں بسط نورانی کا اعلیٰ ترین درجہ کمال ہے اور دوسروں میں وہی تفصیل جاری ہوگی جو قبض میں بیان ہوئی۔ ہاں بسط نورانی حسن تجاوز اور تواضع ہوگی کہ دونوں اس کے جزو ہیں اور بسط ظلمانی میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں گی۔ واللہ اعلم۔

۴۔ نبوت

۱۔ حق گوئی نبوت کا پہلا جزو حق گوئی ہے اور یہ صفت اس ذاتِ نور سے پیدا ہوتی ہے جو حق گوئی پر مجبور کرتا ہے اور یہ اس کی طبیعت اور خصلت بن جاتی ہے اور وہ شخص حق گوئی سے باز نہیں آتا خواہ دوست و احباب اس کے مخالف ہی کیوں نہ ہو جائیں اور اسے وطن ہی کیوں نہ چھوڑنا پڑے۔ بلکہ خواہ اس میں اس کی گردن ہی کیوں نہ کٹ جائے، چنانچہ مشرکین مکہ نے کتنا ہی چاہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق گوئی چھوڑ دیں اور ہر ممکن طریقے سے آپ کو پھسلانا چاہا مگر آپ نے انکار کر دیا اور آپ نہ مانے۔ اس پر وہ آپ کے مخالف ہو گئے اور سب نے متحد ہو کر آپ سے جنگ کی اس کے باوجود آپ کی ثابت قدمی بڑھتی گئی اس لیے کہ آپ کی ذات مقدس کی ہر شے میں حق گوئی ہے اور اس کے خلاف تصور میں ہی نہیں آ سکتا۔ اس کے بعد آپ نے دو حکایتیں بیان کیں

حکایت ۱۔ عجم کے کسی شہر میں سدھاتے ہوئے پرندے دو دانے پر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی چور گھر میں گھس آئے تو پرندے شور مچانے لگ جاتے ہیں چور اگے اور یہ پرندے ان الفاظ کو دہرانے سے باز نہیں آتے خواہ انہیں کتنا ہی دھمکایا جائے اور ڈرایا جائے اسی طرح اگر ان کو کھانے کو بھی کوئی چیز دی جائے تب بھی یہ باز نہیں آتے۔ مختصر یہ کہ یہ پرندے خواہ انہیں قتل بھی کر دیا جائے تب بھی باز نہیں آتے۔ اس حکایت کے بیان کرنے سے آپ کا مقصد حق گوئی کی

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو ہر بات میں صادق و امین تھے، لیکن یہاں قولِ حق سے مراد اعلانِ نبوت اور شرک کی مذمت ہے۔ اسی واسطے جب غزوہ حنین میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور آپ کے ساتھ صرف چند صحابی رہ گئے اور دوسری طرف کفار تیروں کی بارش برسا رہے تھے تو پھر بھی اس موقع پر آپ نے یہی اعلان کیا۔

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمَطْلَبِ

میں نبی ہوں، جھوٹا نہیں ہوں کہ قولِ حق سے پھر جاؤں۔ عبد المطلب کا پوتا ہوں جس نے تم پر سارے عمر گزار دی ہے۔ ۱۲ مترجم

تشریح کرنا تھا اور یہ بھی سمجھانا مقصود تھا کہ تعلیم سے بھلائی حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ پرندے نے باوجود
دوری کے یہ بات سیکھ لی میان ملک کر یہ اس کی طبیعت بن گئی تو انسان کا کیا حال ہوگا اور مومن کا تو
کیا ہی کہنا۔

حکایت ۲۰ ایک مرید نے اپنے پیر سے کہا مجھے کوئی ایسی بات بتائی جس سے مجھے اللہ کے ہاں
راحت ہو، شیخ نے کہا اگر تمہارا ارادہ یہی ہے تو اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں سے

کسی ایک کی مشابہت اختیار کر لو۔ کیوں کہ اگر تو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی موصوف ہو جاوے گا
تو اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن اپنے ادبیار کے ساتھ رہنے کو جگہ دے گا اور تجھے جہنم میں اپنے دشمنوں کے
ساتھ نہیں رکھے گا۔ مرید نے عرض کیا یہ کیسے ہو سکتا ہے، اللہ کے اوصاف تو شمار ہیں، فرمایا کسی ایک میں ان
شبیر بن جاوے۔ مرید نے عرض کیا وہ کونسا وصف ہے، فرمایا: ان لوگوں میں سے ہو جاوے جو حق بات کہتے
ہیں کیونکہ حق کوئی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اگر تو حق گو بن گیا تو اللہ تجھے پر رحم فرمائے گا، اُس نے
سچ بولنے کا وعدہ کیا اور چلا گیا۔ مرید کے پڑوس میں ایک روکی رہتی تھی، وہ شیطان کے نرغے میں آ گیا
اور اُس نے اس سے بدکاری کر کے اس کی بکارت کو زائل کر دیا، روکی سے ذرا گیا حالانکہ اُس نے ابتدا
کی تھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ بات چھپنے والی نہیں اور اس نے اپنے باپ کو کہہ دیا اور اس نے عدالت
میں دعویٰ دائر کیا۔ حاکم نے مرید سے کہا کہ سنتے ہو یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟ اُس نے کہا ہاں یہ سچ کہہ رہا ہے
مجھ سے یہ فعل سرزد ہوا ہے اور اسے اپنے پیر کا عہد یاد تھا۔ اس لیے وہ انکار نہ کر سکا، حاکم نے یہ سنکر
کہا: یہ شخص دیوانہ ہے اسے پاگل خانہ لے جاوے کیونکہ کوئی عقلمند انسان ایسی بات کا اقرار نہیں کرتا جس
سے اُسے دکھ پہنچے۔ چنانچہ اسے پاگل خانہ میں بھیج دیا گیا۔ کچھ دنوں بعد کسی نے اس کی سفارش کی اور
حاکم نے اسے چھوڑ دیا۔

اس قصہ سے حضرت کا یہ بیان مقصود تھا کہ حق کوئی کا انجام ہمیشہ اچھا ہی ہوتا ہے واللہ اعلم۔

وہ ایک نور ہے جو جسم کو ان مصائب و آلام کا احساس نہیں ہونے دیتا جو اسے اللہ کی

۲۔ صبر

خاطر پہنچیں۔ یہی حقیقی صبر ہوتا ہے جو بغیر تکلیف کے ہوتا ہے اس لیے کہ اپنے فکر کی وسعت
کی وجہ سے صابر کی عقل بھی وسیع ہوتی ہے کیونکہ جسم کو اس کا راز کھل چکا ہوتا ہے تو اس کی عقل اللہ تعالیٰ
کے لاتعداد کمالات کی سیر کرتی رہتی ہے۔ لہذا جب جسم کو کوئی تکلیف ہونے لگتی ہے تو جسم اس تکلیف

نے اور یہی معنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے تخلّقوا یا تخلّق اللہ لیکن سب اوصاف میں تو

مشابہت ہو نہیں سکتی اس لیے کسی ایک کی مشابہت کا حکم دیا۔

کا خیال چھڑ کر ان امور میں مشغول ہو جاتا ہے جن میں بکھر مشغول ہوتا ہے اور یہی مشغولیت اسے تکلیف کا احساس نہیں ہونے دیتی، چنانچہ ایسا واقعہ ایک ولی سے پیش آیا جو اپنے زمانے کا فوٹ تھا کہ پار آدمی اسے قتل کرنے کو آئے۔ اس ولی کے کئی ایک بچے بھی تھے۔ یہ آدمی اُسے اس کے گھر اور بیوی بچوں کے درمیان سے گھسیٹ کر لے گئے اور اس کی اولاد و چچ بچا کر کئی رو گئی اور انہوں نے اسے ذبح کر دیا اس واقعہ کے دوران اس ولی کی نگرانی وہیں میں لگی ہوئی تھی اور اس نے قطعاً اس بات کی طرف توجہ ہی نہیں کی کہ اس کے ساتھ کیا واقعہ گذر رہا ہے اور نہ ہی اپنی اولاد اور عورتوں کے چلانے کی طرف توجہ دی، یہ عجیب و غریب صبر ہے جو سننے میں آیا۔ جب او ایہ اُمت کی یہ شان ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر کا کیا حال ہو گا۔ لیکن اگر ذاتِ جب میں ہو تو عقل کا نور ذات میں جمع ہو جائے گا اور اسی میں بند ہو کر رہ جائے گا، چنانچہ جب جسم پر کوئی تکلیف وہ چیز نازل ہوتی ہے تو جسم بہت زیادہ تکلیف کا احساس کرتا ہے اور اگر تو ایک سلاح سے اسے داغ دے گا تو اسے اس قدر تکلیف ہو گی جس قدر کہ سوسلاخوں سے داغنے سے ہوتی ہے، لیکن اگر تو اسی سلاح سے صاحبِ فتح (ولی) کو داغ دے تو یا تو وہ بالکل ہی محسوس نہ کرے گا جیسا کہ ولی مذکور سے ہوا یا اگر محسوس کرے گا بھی تو تھوڑا۔

۳۔ رحمت

تیسرا جزو رحمت ہے اور یہ ذات کے اندر ایک نور ہے جس کا تقاضا ہے کہ تمام مخلوقات پر رحم کھایا جائے اور یہ نور اس رحمت سے پیدا ہوتا ہے جو اللہ کی طرف سے بندے کو پہنچتی ہے اور جس قدر کہ اللہ کی رحمت بندے پر ہوتی ہے اسی قدر اس بندے کی رحمت تمام لوگوں کیلئے ہوتی ہے اور اس بات میں شک نہیں ہو سکتا کہ تمام مخلوقات میں کوئی شخص ایسا نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی اس قدر رحمت ہوتی ہو جس قدر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ عاتقہ العلقا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے برابر کسی اور کی رحمت نہیں ہے اور آپ کی رحمتِ عظیم اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ آپ کی رحمت عالمِ مفلح ہے، عالمِ علوی ہے اور اہل دنیا اور

نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی صبر کی مثالوں سے بڑھ کر ہے جب آپ طائف تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے اور کفار نے پتھر برسائے، کتے پیچھے چھوڑے، خون آپ کے سر سے پاؤں تک بہ رہا تھا، لیکن زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

اللَّهُمَّ إِنَّكَ لَيَكُنْ أَبَىٰ غَضَبٍ مِنِّي لَا أَبَالِي (ترجمہ: خدایا! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے ان تکالیف کی پروا نہیں ایں وہ جتنی کہ اس کے بعد فرمایا: اللَّهُمَّ أَهْلِي قَوْلِي يَا مُهْمٌ لَا يَعْلَمُونَ (خدایا میری قوم کو راہِ راست پر لائے کیونکہ وہ نہیں جانتے) ۱۱

کے بچے کا سہ اوپر کا

۱۔ آخرت سب پر عام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بِالْمُؤْمِنِينَ رَدْفٌ رَحِيمٌ کی آیت میں پیار باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

۲۔ یہ وہ نور ہے جس سے اس تمام مخلوق کو سیراب کیا جاتا ہے جنہیں خوشنودی حق کا پروانہ حاصل ہو چکا ہے (یعنی مؤمنین)۔

۳۔ اس نور کو خدا کا قُرب حاصل ہے اور قُرب سے مراد قُرب مرتبہ ہے نہ قُرب مکانی۔

۴۔ یہ نور جسے اللہ کا قُرب حاصل ہے، تمام کا تمام ذاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا ہے،

۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کو اس کے نور کے برداشت کرنے کی طاقت ہے چنانچہ اس کے اٹھانے میں آپ کو کسی قسم کی کلفت و مشقت نہیں ہوتی اور یہی وہ کمال ہے جس کی وجہ سے آپ کو تمام مخلوقات پر فوقیت حاصل ہوئی ہے۔

اس آیت شریفہ میں ان چار باتوں کی طرف اشارہ کرنے کا جو حقیقی سبب ہے وہ ان اسرار میں

سے جن کا چھپنا ضروری ہے اس آیت میں اور اشارات بھی ہیں، واللہ اعلم

۶۔ معرفتِ الہی | چوتھا جزو معرفتِ الہی ہے ایسی کو جیسی ہونی چاہیے۔

۷۔ خوفِ تام | پانچواں جزو کا خوفِ خدا ہے۔ کامل خوفِ خدا سے ہماری مراد یہ ہے کہ باطنی خوف

جو اصلی خوف ہے اور تمام اجسام میں پایا جاتا ہے، اس کے ساتھ ظاہری خوف

بھی لا ہوا ہو جس کا سبب عقلِ سلیم اور اللہ تعالیٰ کی ظاہری معرفت ہے۔ باطنی خوف تو تمام جسم میں پایا

جاتا ہے اور جسم کے ایک ایک عضو پر حاوی ہوتا ہے کیونکہ ہر جوہر کا خالق خدا ہے اور مخلوق اپنے رب

سے ڈرتی ہے جس طرح حادثِ قدیم سے ڈرتا ہے اور یہ خوف بر مخلوق میں خواہ وہ جاندار ہو یا غیر جاندار

موجود ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تَشْهَدُ اسْتَوٰی اِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا

وَالْاَرْضِ اِنتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَائِعَتِیْنَ (سورۃ حم سجدہ آیت ۱۱) ترجمہ: پھر اللہ

تعالیٰ نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور یہ ابھی دھوئیں کی شکل میں تھا اور اس سے اور زمین سے فرمایا

کہ دونوں حاضر ہو جاؤ خواہ بخوشی یا بجز۔ دونوں نے کہا ہم بخوشی حاضر ہیں، ان کی زبان سے ان الفاظ

کے نکلنے کا سبب وہی اصلی اور باطنی خوف ہے اور اسی خوف کی وجہ سے وہ تسبیحِ ظہور پذیر ہوتی ہے جو

آیت وَابْنُ مَرْثَدَہِ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہِ ہر چیز خدا کی تسبیح بیان کرتی ہے اس میں مذکور

۸۔ بندہ عاجز و مترجم کتاب ہے کہ میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتِ اکملہ یعنی کارِ ازل کھل جاتا ہے۔ ۱۲۔

۹۔ پر اسے وہ چیز جو نئی پیدا ہوتی ہو۔

ہے۔ اس خوف کا حکم دوام واستقرار ہے تاکہ ایک لمحہ کے لیے بھی جدا نہ ہو، لیکن ظاہری خوف کا سبب اللہ کی طرف توجہ ہے جب تک یہ توجہ رہے گی خوف رہے گا، لیکن اگر خیالات کسی اور طرف مشغول ہو جائیں تو یہ توجہ اور خوف دونوں زائل ہو جائیں گے، مگر جس پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے تو وہ اس حجاب کو جو خوف ظاہری اور خوف باطنی حقیقی اصلی دائمی کے درمیان عامل ہوتا ہے زائل کر دیتا اس کیلئے یہ خوف بھی ظاہر، دائمی اور صفائی بن جاتا ہے جو تارکی سے پاک ہوتا ہے، پھر اس کے خوف کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ یہ اپنے رب کی معرفت سے مدد حاصل کرتا ہے اسی واسطے اس کے خوف کی کوئی انتہا نہیں کیونکہ معرفت الہی کی کوئی انتہا نہیں لہذا جس خوف کو اس معرفت سے مدد حاصل ہو وہ بھی لا انتہا ہوگا۔ مختصر یہ کہ ظاہر باطن سے صفاء اور دوام حاصل کرتا ہے اور باطن ظاہر سے زیادتی اور فیضان حاصل کرتا ہے اسی کا نام خوف تام ہے۔ باطن ظاہر سے زیادتی اس لیے حاصل کرتا ہے کہ باطنی خوف کی تمام اجسام کے ساتھ برابر کی نسبت ہے۔ صرف خوف ظاہری میں اجرام کی نسبت مختلف ہوتی ہے کیونکہ خوف ظاہری کا سبب معرفت الہیہ ہے اور معرفت الہیہ میں اجرام کے درجہ مختلف ہیں۔ واللہ اعلم۔

۴۔ بغض باطل

چھٹا جزو بغض باطل ہے اور یہ اس نور سے پیدا ہوتا ہے جو ذات کے اندر ہر وقت موجود ہوتا ہے جس کا کام یہ ہے کہ وہ تارکی کی طرف متوجہ ہوتے اور ان کو اس طرح حاضر کرے گویا وہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہیں اور پھر اس کو دُوح کرنے کے لیے اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے بطریقہ ایک مدد دہری ضد کے اقبال آجاتا ہے اور ضد کا استحضار اس جزو کے کل نور بغض رکھنے میں ہوتا ہے لہذا جب کا استحضار دائمی ہوگا تو اس چیز سے بغض بھی دائمی ہوگا اور باطل سے ہمیشہ اور ہر لحظہ بغض رکھنا اجزا و ثبوت کا ایک جزو ہے واللہ اعلم۔

۵۔ عفو

ساتواں جزو عفو ہے۔ یہ اس نور سے پیدا ہوتا ہے جو ذات کے اندر ہمیشہ موجود ہوتا ہے اس نور کی طبیعت ہے کہ جو اسے نقصان پہنچاتے یا اسے نفع پہنچاتا ہے اور جو اس سے تعلقات منقطع کرے یا اس سے تعلقات جوڑتا ہے جو اس پر ظلم کرے یا اس سے درگزر کرتا ہے جو اس سے برائی کرے یا اس سے نیکی کرتا ہے اور جو عفو اس قسم کا ہو وہ ثبوت کا ایک جزو ہے اور اس کا دائمی ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کا سبب نور سابق (بغض باطل) ہوتا ہے اور وہ (بغض باطل) ذات کے اندر ہمیشہ موجود ہوتا ہے۔ لہذا حالت عفو بھی دائمی ہوگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

بیشک سے جسم تہ یا رکھنا۔ حاضری چاہنا اے معانی

یہی کیفیت تھی۔

یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور نے خصال نبوت کو اس اکمل طریقہ پر حاصل نہیں کیا جس سے اوپر کوئی کمال نہیں ہو سکتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ آدمیت، قبض اور بسط کی خصلتیں کسی ذات میں اس کمال تک نہیں پہنچیں جس حد تک آپ کی ذات میں پہنچی تھیں۔ لہذا جب یہ خصلتیں آپ کی ظاہری ذات میں اعلیٰ درجے کی تھیں اور پھر ان پر نبوت کی خصلتوں کا اضافہ ہوا تو اس کے انوار بڑھ گئے اور اس کے اسرار پھیل گئے۔ لہذا خصال نبوت کی پہلی خصلت آدمیت، قبض اور بسط کی خصلتوں پر اترتی ہے یہاں تک کہ یہ خصلت اس طرح ہو جاتی ہے گویا مذکورہ بالا خصلتوں کے نور اس میں گھل مل گئے ہیں اور نبوت کی دوسری خصلت میں بائیس خصلتیں اترتی ہیں اور ان خصلتوں کے تمام اس میں جمع ہو جاتے ہیں۔ تیسری خصلت تین خصلتوں پر اترتی ہے اور ان کے انوار اس میں جمع ہو جاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ نور حق ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ یہ بائیس نوروں سے مرکب ہو اس کے اپنے نور سے اور ماقبل کے انوار سے اور نور مبعثت سے نوروں سے مرکب ہے، اپنے نور اور ماقبل کے انوار سے۔ نور رحمت جو میں نوروں سے مرکب ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت مذکورہ بالا صفت سے موصوف ہوئی۔ یہاں تک کہ تمام مخلوقات پر عام ہوئی، آپ کی معرفت الہیہ کی شرح بیان نہیں ہو سکتی، مختصر یہ کہ جب تو نبوت کے جلال کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے گا پھر جو کچھ اس کی شرح میں کہا گیا اس پر غور کرے گا اور اس کی حقیقت تک پہنچے گا، پھر اس کے انوار کو ماقبل کے انوار پر اتارے گا اور ماقبل کے انوار کو اس میں شامل کرے گا تو تجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی عظمت کا پتہ چل جائے گا جیسا کہ علامہ ابو میری نے کہا ہے:

مَنْزِلَةُ عَنْ شَرِيحَةِ فِي مَحَاسِنِهِ فَيَجُوهُوا الْحُسْنَ فِيهِ عَيْرُ مَنْقَسِبِهِ

(ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن میں آپ کا کوئی شریک نہیں (یعنی آپ جیسے محاسن کسی اور میں نہیں پائے جاتے) لہذا آپ کا جو ہر حسن غیر منقسم ہے) صلی اللہ علیہ وسلم علی آلہ و صحبہ اجمعین۔

۱۔ یہ شعر علامہ ابو میری کے تشہید و بردہ میں سے ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

۵۔ رُوح

پہلا جزو: ذوقُ الانوار

روح کا پہلا جزو ذوقُ الانوار ہے اور یہ نورِ رُوح کے اندر جاری و ساری ہوتا ہے جس کی وجہ سے رُوح اللہ تعالیٰ کے افعال کے نور کو کائنات میں اور ان انوار میں پکھتی ہے جو عالمِ علوی میں موجود ہوتے ہیں۔ اس انداز سے جو تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور اس کے حصے میں آچکا ہے۔ یہ ذوقِ رُوح ذوقِ ذات سے کئی لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔

ذوقِ رُوح اور ذوقِ جسم میں فرق

(۱) ذوقِ رُوح نورانی ہوتا ہے اس لیے اس کا تعلق بھی نور ہی سے ہوتا ہے بر خلاف جسمانی ذوق کے کہ اس کا تعلق اجسام سے ہوتا ہے، لہذا جب شہد کا جسم ہماری زبان سے لگتا ہے تو جسم شہد کی مٹھاس کا ذوق محسوس کرتا ہے لیکن رُوح شہد کی مٹھاس کو شہد کے جسم سے محسوس نہیں کرتی بلکہ اُس نورِ عقل سے محسوس کرتی ہے جس کی وجہ سے اس مٹھاس کی حقیقت قائم ہے یہی حال دوسری ذائقہ دار اشیاء کے ذوق کا ہے (۲) ذوقِ رُوح میں اتصال ضروری ہے جیسے کہ لوگوں میں عام عادت ہے اور رُوح کی عام عادت یہ ہے کہ اس کے ذوق میں اتصال شرط نہیں۔ (۳) روح میں یہ فرق کسی خاص حصہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ ذوق تمام ظاہری اور باطنی جواہر میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ بر خلاف جسم کے ذوق کے کیونکہ وہ عادتاً صرف زبان کے ساتھ مخصوص ہے (۴) ذوقِ رُوح تمام حواس میں پایا جاتا ہے اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ یہ ذوق تمام حواس سے پیدا ہوتا ہے لہذا جب رُوح کوئی پکھنے کی چیز دیکھے گا مثلاً شہد تو رُوح کو اس نورِ عقل سے جو مٹھاس میں پایا جاتا ہے مٹھاس کا ذائقہ حاصل ہو جائے گا۔ یہی حال ہر ذائقہ دار چیز اور تمام انوارِ علویہ کے دیکھنے سے ہوگا۔ اسی طرح الفاظ کے سننے سے بھی اسے ذوق حاصل ہوگا۔ چنانچہ جب رُوح شہد کا لفظ سنے گی تو اس نور کا ذوق حاصل کرنے لگی جو شہد میں ہے اور اسے مٹھاس کا ذائقہ حاصل ہو جائے گا اسی طرح جب یہ جنت یا رضوان یا رحمت کا لفظ سنے گی تو یہ ذوق اسے حاصل ہوگا، لیکن جب

۱۔ انوارِ کامرہ پکھنا ہے

۲۔ شہد کا ذائقہ جسم کو صرف اُسی صورت میں حاصل ہوگا جب شہد زبان کے ساتھ لگے گا لیکن روح کے لیے

یہ ضروری نہیں۔ ۱۱۔

روح قرآن مجید کو سننے کی توجہ سے پہلے اسے کلام الہی کے نور کا ذوق حاصل ہوگا پھر اس کے بعد اسے اور مزے آئیں گے جن کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی۔

الغرض روح اپنے تمام جسم اور خواہش سے مزہ لیتی ہے جو اسے تمام خواہش کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
 ارواح اگرچہ مذکور بالا طریقہ پر ذوق میں مساوی ہیں لیکن وہ قوت اور ضعف کے اعتبار سے متفاوت ہیں سب سے قوی وہ روح ہے جس کا ذوق عرش، فرش اور دیگر عوالم

دو دیگر ارواح میں فرق

کو چیر کر نکل جاتے اور یہ طاقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو ہی ہے کیونکہ آپ کی روح سلطان الارواح ہے اور یہ روح آپ کے جسم مبارک میں رضا، محبت اور قبول کی طرح ساکن ہو چکی ہے اور دونوں کے درمیان سے جب بھی اٹھ چکا ہے، چنانچہ آپ کی روح مقدس کا ذوق آپ کے کمال کے مطابق ہے اور آپ کے ظاہر و باطن جسم کا عوالم کو چیر کر نکل جانا ثابت ہے اور یہی وہ کمال ہے جس سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں ہو سکتا۔

روح کا دوسرا جزو طہارت ہے طہارت سے مراد روح کی وہ صفائی ہے جس پر یہ پیدا کی گئی ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ جستی اور معنوی۔ جستی طہارت تو اس لیے ہے

۲۔ طہارت

کہ روح ایک نور ہے اور نور انتہائی درجے کا صاف اور پاک ہوتا ہے اب یہی معنوی تو اس سے مراد معرفت باطنی اور معرفت ظاہری کا امتزاج ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ تمام مخلوقات خواہ وہ زبان دار ہو یا بی زبان، ذمی حیات ہو یا جامد، اپنے خالق کو پہچانتی ہے اور کوئی ایسی مخلوق نہیں جس کے تمامی جواہر میں یہ معرفت باطنی نہ پائی جاتی ہو۔ جیسے خوف تمام کے تحت ذکر کیا۔ باچکا ہے پھر جس پر اللہ کی عنایت ہو جاتے تو اس کے لیے باطن بھی ظاہر کی طرح ہو جاتا ہے چنانچہ وہ تمام جواہر کی معرفت الہیہ کو محسوس کرنے لگ جاتا ہے اور باطن کی طرح ظاہر کے تمام اجزا عارف بن جاتے ہیں اور یہی معرفت کا اعلیٰ درجہ ہے جو حق تعالیٰ نے تمام ارواح کو بخشا ہے اور وہ اپنی ذات کے ساتھ اپنے ظاہر میں اپنے رب کو جانتی نہیں، لیکن باوجود اس کے کہ یہ صفائی میں برابر ہوتی ہیں اپنی بڑائی اور چھٹائی کے تفاوت کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں، کیونکہ بعض ارواح کا حجم چھوٹا ہوتا ہے بعض کا بڑا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جس کا حجم بڑا ہوگا اس کے جواہر بھی زیادہ ہوں گے اسی وجہ سے اسے معرفت الہی بھی

لے آپس میں مل جاتا

زیادہ ہوگی۔

آنحضرت کی روح سب سے بڑی روح ہے | تمام ارواح سے بڑی قدر والی اور حجم کے لحاظ سے عظیم ترین روح آنحضرت علیہ السلام کی روح

ہے کیونکہ وہ تمام زمینوں اور آسمانوں کو پرکھتے ہوئے ہے، مگر بایں وسعت آپ کی ذات مقدس نے اُسے اپنے اندر لے لیا ہے اور وہ اس کے تمام اسرار پر حاوی ہے۔ پاک ہے وہ خدا جس نے آپ کی ذات کو یہ قدرت عطا کی۔

مزید براں جب روح ذات میں برضا و محبت قیام پذیر ہوا اور دونوں کے درمیان حجاب زائل ہو چکا ہو تو یہ روح اپنی حسی اور معنوی صفائی سے فیض پہنچاتے گی اور ذات میں حسی صفائی حاصل ہوگی جس کی وجہ سے جسم کے خون کی صفائی پیدا ہوگی اور یہ صفائی چار باتوں سے ہوگی۔

۱۔ خون کو ہلکا کرنے اور اس کے ثقل کو زائل کرنے سے کیونکہ جس قدر خون بھاری ہوگا

اسی قدر اُس میں نجاست ہوگی اور نجاست کے ہوتے ہوئے شہوات کی کثرت ہوگی۔
۲۔ بوک صفائی۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ اس کی بوگندہ سے ہوتے آئے کی سی بواہر اگر خونِ نجیث ہوگا تو اس کی بو سڑی ہوئی کیچڑ کی سی ہوگی۔

۳۔ رنگ کی صفائی۔ اس کی علامت یہ ہے کہ خون زردی مائل ہو کیونکہ خونِ فاسد کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے اور جتنا زیادہ سیاہی مائل ہوگا اسی قدر فسادِ خون بھی زیادہ ہوگا۔

۴۔ مزہ کی صفائی۔ اس کی شناخت یہ ہے کہ خون میٹھا ہو۔ کیونکہ خونِ فاسد کا مزہ مٹی ہوئی چیز کا سا ہوتا ہے۔

لہذا جب جو ہر خونِ صاف ہوگا تو اُس سے تمام شیطان جسے نکل جائیں گے اور شہوات اور معصیت کی تاریکیاں منقطع ہو جائیں گی۔ اس کے بعد جسم کی رگیں اس صاف خون سے غذا حاصل کریں گی اور وہ بھی خون کی صفائی کے باعث صاف ہو جائیں گی اور ان سے بھی شہوات اور شیطان علاقائی منقطع ہو جائیں گے۔ جب جسم کے اندر یہ حسی صفائی حاصل ہوگئی تو پھر روح معنوی صفائی سے اس کی مدد کرے گی اور اسے تمام خواہر کے ساتھ معرفتِ الہی حاصل ہو جائے گی اور چونکہ ذاتِ محمدی درجِ شریف پر محیط اور اس کے تمام اسرار کو حاصل کر چکی ہے اس لیے اسے حسی اور معنوی دونوں قسم کی صفائی حاصل

لے بھاری ہیں

ہو چکی ہے۔

۳۔ تمیز

تمیز جزو تمیز ہے اور یہ رُوح میں ایک قسم کا نور ہوتا ہے جس کی مدد سے رُوح اشیا کی حقیقت کو کامل طور پر پہچان لیتی ہے، لیکن اس پہچان کے لیے رُوح کو تعلیم کی قیاس نہیں ہوتی بلکہ محض دیکھ کر یا سن کر ہی پہچان لیتی ہے کہ یہ کیا ہے۔ اس کے حالات کیا ہیں، اس کا مبداء اور منتہی کیا ہے۔ اس کا انجام کیا ہوگا اور اسے کیوں پیدا کیا گیا ہے۔

پھر اپنی اطلاع کے مطابق رُوحیں اس پر کھنے میں مختلف ہوتی ہیں۔ چنانچہ بعض ارواح کی اطلاع قوی ہوتی ہے اور بعض کی ضعیف۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح کی اطلاع قوی ترین ہے، رُوح محمدی سے کوئی چیز محبوب نہیں کیونکہ دنیا کی کوئی شے اس سے محبوب نہیں ہے۔ اسی لیے آپ کو عرش و فرشتے مخلوق و سفلی، دنیا و آخرت اور دوزخ و جنت سب کی خبر ہے۔ اس لیے کہ یہ سب کچھ تو آپ ہی کی بدولت پیدا ہوا ہے۔ لہذا آپ کی تمیز ان تمام

جہانوں کو چیر کر مکمل جاننے والی ہے۔ چنانچہ آپ کو اجرام سماویہ میں سے ہر جرم کا علم ہے کہ یہ کہاں سے پیدا کیا گیا ہے، کب اور کیوں پیدا کیا گیا اور اس کا منتہی کیا ہوگا۔ آپ کو ہر آسمان کے فرشتوں کا پتہ ہے کہ کون فرشتہ کس فلک پر پیدا کیا گیا۔ کب پیدا کیا گیا۔ کیوں پیدا کیا گیا اور ان کا انجام کیا ہوگا اور آپ کو ان کے اختلاف مراتب اور منتہی درجات کا بھی علم ہے اور اسی طرح آپ کو ستر جہانوں اور ہر حجاب کے فرشتوں کا بھی علم ہے اسی طرح آپ کو عالم علوی کے اجرام نیزہ کا بھی علم ہے مثلاً ستارے، سورج، چاند، لوح، قلم، برزخ اور وہ رُوحیں جو برزخ میں ہیں، اسی طرح آپ کو مسمونوں، ہر زمین کی مخلوقات اور ہر بحر کی تمام اشیا کا علم ہے، اسی طرح آپ کو جنت، اس کے درجات، اس کے رہنے والوں کی تعداد اور ان کے مقامات کی پوری واقفیت ہے۔ علیٰ ہذا التیاس دیگر عالم کے متعلق بھی آپ کے علم کا یہی حال ہے۔

علم ازل الہی اور علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اللہ تعالیٰ کے قدیم ازل علم سے مزاج نہیں ہوتا، کیونکہ علم خداوندی کی معلومات لانا تھا ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اس عالم میں نہیں سما سکتا، جس کی وجہ یہ ہے کہ اسرار ربوبیت اور اوصاف الوہیت جن کی کوئی انتہا نہیں ہے ان سے اس عالم کو کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔

پھر جب رُوح کو ذات سے محبت ہوتی ہے تو وہ ذات کی اس تمیز کے ساتھ مدد کرتی ہے، اسی

اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ اور تمام عوالم کو جانتی تھی جن کا ذکر ہو چکا۔ پاک ہے وہ خدا جس نے آپ کی ذات کو شرف، بخشا، عزت بخشی اور اس تمیز پر قدرت دی۔

اس مسئلہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کس قدر تھا، مسلمانوں میں عجیب صبر و اختیار کر رکھی ہے ایک فرقہ نے اس سے قطعاً انکار کر دیا کہ آنحضرت کو قطعاً علم مغیبات نہ تھا۔ ان بزرگوں نے ان مغیبات کی طرف قطعاً توجہ نہیں کی جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے، پھر احادیث صحیحہ میں بے شمار واقعات پاتے جاتے ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی شہادت ملتا ہے۔ مثلاً غزوہ بدر کے خاتمہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کا یہ کہنا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے جس سے فدیہ ادا کر سکوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے مال کا پتہ بتانا۔ پھر فتح مکہ کے موقع پر اس شخص کا پتہ بتانا جو کفار مکہ کو مسلمان فوج کی آمد کی خبر دینے جا رہا تھا۔ یہ حال ان دوستوں نے نہ اپنے سے انصاف کیا اور نہ آنحضرت کی ذات مقدسہ کے ساتھ، کیونکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے کو بہت ہی گھٹا دیا۔ ان بزرگوں کی خدمت میں مودبانہ گزارش ہے کہ کسی خاص شخصیت یا خاص فرقے کی عداوت کو ذہن سے خارج کر کے ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی تعلیم کے مستحق ہیں جس کا اظہار انہوں نے کیا ہے، باقی الحروف ان سے صرف درخواست کرتا ہے کہ بے اعتدالی سے کام نہ لیں۔

مکن ہے کہ یہ حضرات وہ واقعات پیش کریں جن میں آنحضرت کو اس واقعہ کی خبر نہ ہو سکی مثلاً رعل اور ڈاکوؤں کا واقعہ، غزوہ تبوک کو روانگی وغیرہ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ذات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فیض باری سے یہ علم تو حاصل تھا، لیکن یہ اسی وقت حاضر ہوتا جس وقت آپ کو مشغولیت بحق سبھا نہ ہوتی، کیونکہ جس وقت آپ مشاہدہ حق سبھا میں مشغول ہوتے اس وقت آپ کو کسی اور چیز کی خبر نہ ہوتی تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا **لَا يَسْعَى نَبِيٌّ قُلُوسًا وَلَا مَلَأَتْ مَقْرَبٌ** (جب مجھے مشاہدہ حق حاصل ہوتا ہے، اس مشاہدہ کو نہ کوئی نبی رسل اور نہ مقرب فرشتہ برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہے) اور یہ حالت آپ کی بیشتر اوقات رہتی تھی، پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی مصلحت کی بنا پر درمیان سے جواب کو زائل نہ کرتا جس کی وجہ سے اس امر کا ظنا رہتا۔ یہاں پر بحث کرنا مقصد نہیں ہے، محض اشارہ کرنا ہی مقصود ہے۔

ایک دوسرا گروہ ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے بارے میں اس قدر غلو کیا کہ آپ کو ہر ذرہ ہر حالت اور ہر جزئی کا عالم بتایا نہ صرف یہ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر بھی جانا، ان بزرگوں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۴۔ بصیرت

چوتھا جزو بصیرت ہے۔ اس سے مراد تمام اجزاء روح میں فہم کا اسی طرح سرایت کرنا ہے جس طرح تمام حواس یعنی بصر اور سماعت و قوت شامہ و ذوق اور لمس اجزاء روح میں سرایت کئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ علم تمام اجزاء میں قائم ہے اور بصیر بھی تمام اجزاء میں موجود ہے یہی حال شمع، ذوق اور لمس کا ہے یہاں تک کہ روح کا کوئی ایسا جزو نہیں جس میں علم و سمع و بصر و شمع و ذوق و لمس موجود نہ ہوں۔ چنانچہ روح ہر جہت سے دیکھتی ہے اور یہی حال باقی حواس کا ہے، لہذا جب روح ذات سے محبت رکھتی ہے اور ان دونوں کے درمیان سے حجاب اٹھ جاتے تو وہ اسے اس بصیرت سے مدد دیتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذات کے سامنے اور پیچھے داییں اور بائیں اپنے تمام اجزاء کے ذریعہ سے دیکھتی ہے اور اسی طرح سنتی ہے اور سونگھتی ہے وغیرہ الغرض جوشان روح کی ہوتی ہے وہی جسم کی ہوجاتی ہے چنانچہ جب بچپن میں ملائکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک چاک کیا تو اُس وقت سے آپ کی ذات ظاہر اور روح شریف کے درمیان حجاب اٹھ گیا تھا اور اُسی وقت سے آپ کی روح اور ذات کے درمیان اتنا دور نہ ملا ہو گیا تھا اور آپ کی ذات ان امور پر مطلع ہو گئی تھی جن پر آپ کی روح مطلع تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیچھے سے اسی طرح دیکھ سکتے تھے جس طرح سامنے سے۔ چنانچہ آپ نے صحابہ سے فرمایا: اَقْبِمُوا رُكُوعَكُمْ وَتَسْجُدُكُمْ فَإِنِّي آدَاكُمْ مِنْ خَلْفِي كَمَا آدَاكُمْ عَنْ أَمَامِي۔ (اپنے رکوع اور سجدہ کو ٹھیک ادا کیا کرو کیونکہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

نے بھی زیادتی کی۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان لَا تَنْظُرُوا مِنِّي كَمَا أَنْظَرْتُ الْمَشَاقِقَ عَيْنِي اَيْنَ مَوَدِّعَةٍ كَوَجَّهْتُ دِيَارِي۔ ان احباب کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ یہ بھی اعتدال پسندی کو چھوڑیں کسی کی مخالفت کی بنا پر حتی بات سے گریز نہیں کرنا چاہیئے۔

آخر میں ایک ضروری بات عرض کر دوں کہ جو کچھ حضرت عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، یہ ایک صاحب کشف اور قطب عالم اور غوثِ زمان کا ذاتی مشاہدہ ہے جو بیان کیا گیا۔ اہل باطن اور اولیاء اللہ کو ہی حقیقتِ محمدیہ کا علم ہے، دوسرے لوگ اس حقیقت کو دریافت نہیں کر سکتے، اس لیے اہل ظاہر اور عوام کے لیے صرف یہ عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جتنا چاہا علم دیا ہے نہ اس کا علم ہے نہ اس کا اندازہ کر سکتے ہیں اسی واسطے شیخ سعدی نے فرمایا ہے: ع تو در علمش چه دانی باش تا فردا علم گردد

حاشیہ صفحہ ۱۶۷۔ لے سو گھنٹہ ۱۷ بجے مشکوٰۃ باب الکرداء صفحہ ۸۲

میں تم کو اپنے پیچھے سے ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسا سامنے سے (والہ تعالیٰ اعلم)۔

۵۔ عدم غفلت

پانچواں جزو عدم غفلت ہے یعنی جس قدر کہ روح کا مبلغ علم ہے اور جہاں تک روح کی نظر پہنچتی ہے اس سے علم کی غذا اور حمل کی تمام کیفیات ایسی منتقلی ہوتی ہیں کہ اس معلوم مقدار میں نہ سہو پیش آئے نہ غفلت نہ نسیان۔ اور روح کے لیے حصول معلومات تدریجی سے نہیں ہے بلکہ یہ اسے ایک ہی نظر میں حاصل ہو جاتا ہے اور نہ اس کا علم ایسا ہوتا ہے کہ اگر ایک چیز کی طرف متوجہ ہو تو دوسرے سے غافل ہو جائے بلکہ یوں ہوتا ہے کہ جب ایک چیز کی طرف متوجہ ہو تو دوسری چیز بھی اس کے ساتھ حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ روح علوم فطری ہوتے ہیں اور اس کی ابتدا فطرت میں ہی وقعت سے علوم حاصل ہو چکے ہوتے ہیں۔ پھر یہ علوم اس کے لیے قائم رہتے ہیں جیسے اس کی ذات قائم ہے عدم غفلت سے یہی مراد ہے اور یہ وصف ہر روح میں موجود ہوتا ہے۔ صرف مقدار علم میں فرق ہوتا ہے۔ بعض کے علوم تلیل ہوتے ہیں بعض کے کثیر اور سب سے زیادہ علم والی اور سب سے قوی نظر والی روح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہے کیونکہ یہ سلطان الارواح ہے اور جیسے کہ ذکر ہو چکا ہے، یہ ایک ہی دفعہ بغیر ترتیب اور بغیر تدریج کے تمامی حوالہ کی موجودات پر مطلع ہے پھر جب آپ کی ذات تشریف بر روح میں غلاط پیدا ہوگی تو روح نے عدم غفلت کے ساتھ ذات کی مدد کی، یہاں تک کہ ذات بھی عالم کی تمام اشیاء پر مطلع ہو گئی اور اسے اس علم میں غفلت لاحق نہ ہوگی، لیکن ذات کا علم روح کا سامنے ہوتا کیونکہ روح کی اطلاع بغیر ترتیب کے وقعت ہوتی ہے اور ذات کی اطلاع بتدریج و ترتیب ہوتی ہے اس طرح کہ جس چیز کی طرف متوجہ ہوگی اسے معلوم کرے گی مگر توجہ کے بغیر یہ علم حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے بعد جب ذات کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہوگی تو اسے بھی معلوم کرے گی۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اور چیزوں کی طرف توجہ دے گی یہاں تک کہ تمام اشیاء عالم کا علم حاصل کرے گی اور اسے موجودات عالم پر تسلط ہو جائے گا مگر یہ توجہ کا محتاج ہوگا، لیکن وقعت حصول کی جولاقت روح میں پائی جاتی ہے وہ ذات میں نہیں۔ عدم غفلت کے لحاظ سے بھی دونوں میں یہی فرق ہے کہ توجہ کے وقت ذات میں بھول چوک نہ ہوگی نہ یہ کہ توجہ ہٹ جانے پر بھی سہو نہ نسیان لاحق نہ ہو، اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے: **إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أُنْسِي كَمَا تَنْسَوْنَ** **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ كَذَبُوا** (مشکوٰۃ طبع مصبائی دہلی ص ۲۷ باب السوء) میں ایک انسان ہوں۔ تمہاری طرح میں بھی بھول جاتا ہوں۔ لہذا جب بھول جاؤں تو یاد دلا دیا کرو! آپ نے یہ الفاظ اس وقت فرمائے

کہ مابعد ہونے والی صفات بھولنے سے واقف رہتے

جب آپ سے سو ہوا اور صحابہ نے آپ کو آگاہ نہ کیا۔

(مؤلف کتاب کہتا ہے) خدا حضرت عبدالعزیز دہان کا بھلا کرے آپ نے طریقت اور حقیقت دونوں کا حق ادا کر دیا۔

حدیث اِنِّیْ لَا اُنْسِیْ رہی دو حدیث جس میں حضرت کا یہ ارشاد مروی ہے اِنِّیْ لَا اُنْسِیْ
وَلٰکِنِّیْ اُنْسِیْ لَا اَسْنُ (میں بھولتا نہیں ہوں بلکہ مجھ پر بھول ڈالی جاتی ہے تاکہ بھول کے لیے بھی ایک طریقہ قرار دے دیا جائے) سو حقا بلا حدیث

مثلاً امام عبدالبر نے تمہید میں حاتم ابن جرح نے فتح میں اور جلال الدین سیوطی نے مولیٰ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کی سند کسی حدیث کی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل نہیں ہے۔ ابن حجر مکی نے کو اس کے رد میں آپ کا یہی ارشاد کافی ہے اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اُنْسِیْ کَمَا تَنْسَوْنَ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف بشریت کو منسوب کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے نسیان کو صحابہ کے نسیان سے تشبیہ دی ہے۔ باقی بحث فتح الباری میں دیکھیں۔ واللہ اعلم۔

۶۔ قوتِ سر بیان چھٹا جز قوتِ سر بیان ہے اور یہ اس طرح کو حق تعالیٰ نے رُوح کو طاقت دی ہے کہ وہ اجرام کو بھاڑ کر ان میں داخل ہو جائے چنانچہ یہ پیادوں، پتھروں،

لے مولانا امام مالک (۱۷۱: ۱۷۲) مطبوعہ مصلیٰ الباہل پر یہ حدیث اس طرح دی ہے عَنْ مَالِکٍ رَأَتْهُ یَلْعَنُہُ اَنْ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمُ قَالَ اِنِّیْ لَا اُنْسِیْ اَوْ اُنْسِیْ لَا اَمْنُ اس کی شرح میں جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ ابن عبدالبر کا قول ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ حدیث اس سند کے علاوہ کسی اور سند سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سند یا متطوع طور پر بھی روایت کی گئی ہو اور یہ حدیث مولیٰ کی ان چار حدیثوں میں سے ہے جو حدیث کی دوسری کتابوں میں نہ سند اور نہ مرسل طور پر پائی جاتی ہیں مگر اصولی طور پر اس حدیث کے معنی درست ہیں، مگر سیوطی نے مولیٰ کی شرح کے مقدمہ (چوتھے فائدہ) میں یہ حدیث کی طرح لکھی ہے جس طرح کتاب میں ہے۔

۷۔ عبدالبرؒ یوسف بن عبدالبرؒ علما، اندلس کے شیخ اور اپنے زمانہ میں وہاں کے بہت بڑے محدث تھے کتاب الاستدکار بزمہ عبد الملک معارفہما تصنیفہما المولانا المعانی الآثار تصنیف کی جس میں مولیٰ کے طرز و ابواب کے موافق اہل شہنشاہی اور فقہ میں کتاب الوانی وغیرہ لکھی۔ انہوں نے سنہ ۶۹۹ھ میں وفات پائی ان کی کتاب تمہید کا جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے پورا نام تسمیہ لسانی السوطا من المعانی والا سانیہ ہے۔

۸۔ ایک چیز کا دوسری میں مل جانا

چنانوں اور دیواروں کو بھاڑ کر ان میں گھس جاتی ہے اور ان کے اندر جہاں چاہتی ہے چلتی پھرتی ہے اور رُوح کسی ذات میں سکونت پذیر ہو جاتے اور اس سے محبت کرنے لگے اور اسے اپنا ساتھی بنائے تو رُوح اس قوت سے ذات کی مدد کرتی ہے اور ذات وہی کام کرنے لگ جاتی ہے جو رُوح کرتی ہے۔

یحییٰ علیہ السلام کا قصہ | یحییٰ علیہ السلام کا قصہ بھی اسی قبیل سے ہے کہ آپ کی قوم نے آپ کو گرفتار کرنا چاہا تو آپ ان سے بھاگ کر ایک درخت کے اندر گھس گئے کیونکہ

آپ کی رُوح نے بدن کو باہمی محبت کے سبب اجرام میں سرایت کرنے کی طاقت دی تھی اسی واسطے آپ کا جسم جرم درخت کو بھاڑ کر اُس کے اندر گھس گیا۔

اولیاء اللہ میں بھی یہ | اسی قبیل سے ہیں اولیاء اللہ کے واقعات کہ وہ کسی بگم بغیر دروازہ کھولے داخل ہو گئے اور مکان کے اندر پائے گئے۔

قوت پائی جاتی ہے

اور اسی قبیل سے ہیں اولیاء اللہ کے واقعات کہ ایک قدم اٹھایا اور ایک پاؤں مشرق میں رکھا اور دوسرا مغرب میں کیونکہ جسم تو ایک نقطہ میں اس ہوا کو بھاڑ کر نکلی جانے کی طاقت نہیں رکھتا جو مشرق و مغرب کے درمیان ہے اسی لیے کہ ہوا اس کے چوڑوں کو توڑ ڈالے گی اور اس کے اعضا کو ریزہ ریزہ کر دے گی اور اس کے خون اور رطوبتوں کو خشک کر دے گی، لیکن رُوح نے قوت سرایان سے جسم کی مدد کر کے اسے اس فعل کرنے کے قابل بنا دیا۔

واقعہ معراج | معراج کا واقعہ بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی سی مدت کے اندر جہاں پہنچے، پہنچے اور پھر واپس بھی آگئے اور یہ سب کچھ رُوح کا کام تھا کہ اس نے اپنی سرایت کرنے والی قوت سے جسم کی مدد کی، واللہ اعلم۔

۷۔ موملات اجرام کا عدم احساس | ساتواں جزو اجسام کو دکھ دینے والی اشیا کا احساس نہ کرنا مثلاً بھوک، پیاس، گرمی، سردی وغیرہ کیونکہ

رُوح تو ان میں سے کسی چیز کو محسوس نہیں کرتی چنانچہ اس کے نزدیک بھوک، پیاس، گرمی، سردی کوئی چیز نہیں۔ اسی طرح جب رُوح کسی تیز چیز میں غرقہ کرتی ہے تو اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی، اسی طرح جب رُوح گندگ کی جگہ سے گزرتی ہے تو اسے کوئی تکلیف نہیں محسوس ہوتی، ہر مملات فرشتوں کے کو اس آخری امر میں یعنی تعفن سے انہیں تکلیف پہنچتی ہے کیونکہ ان کا میلان خوشبو کی طرف ہوتا ہے اور بدبو سے انہیں نفرت ہوتی ہے اگر رُوح میں عدم احساس کی قوت نہ پائی جاتی تو جس جسم میں یہ موجود ہوتی ہے اس میں ایک لمحہ بھی قرار نہ پاسکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

یہ سات انور ہیں جن کا ہونا ہر روح میں ضروری ہے اسی واسطے ہم نے کہا ہے کہ قریب قریب یہی روح کے اجزا ہیں، مابقی کی طرح ان میں رُوحوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ اعلیٰ ترین روح، رُوحِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ بھی بیان ہو چکا کہ ان اوصاف میں جو اوصاف آپ کی روح میں پائے جاتے وہی آپ کی ذات میں بھی پائے جاتے ہیں۔ پھر ان ساتوں کو اٹھائیں کیساتھ ملایا جائے گا، اٹھائیں سے مراد آدمیت، قبض، بط و اور نبوت کے اٹھائیں انوار ہیں کہ پہلا نور یعنی ذوق الانوار جو آپ کی ذات شریف میں ہے، اس میں تمام سابقہ انوار شامل ہو جائیں گے اور وہ انیس انوار کا مرکب ہوگا، پھر اسی طرح تیسرا چوتھا حتیٰ کہ ساتواں نور پینتیس انوار سے مرکب ہوگا۔

۴۔ علم

علم سے ہماری مراد علمِ کامل ہے جو پاکیزگی اور طہارت میں انتہائی درجے کو پہنچا ہو اور اس میں مندرجہ ذیل سات خصلتیں جمع ہوں۔ یاد رکھو کہ علم تو عقل ہے اور عقل نورِ روح ہے اور رُوح نورِ ذات ہے یہ مذکور ہو چکا کہ وہ ذات ظاہر جس کے اور رُوح کے درمیان سے حجاب زائل ہو چکا ہو ان تمام اوصاف سے موصوف ہوتی ہے جو نورِ عقل کے لیے ثابت ہو چکے ہوتے ہیں اور نورِ عقل علم ہی ہے لہذا رُوح ان ساتوں انوار سے متصف ہوتی ہے جو علم میں پائے جاتے ہیں۔

۱۔ معلومات کا بار اٹھانا | علم کا پہلا جزو معلومات کا بار اٹھانا ہے۔ یہ علم کے اندر ایک نور ہے جس کا مقتضی یہ ہے کہ معلومات اس درجہ حاصل کی ہوں کہ نگاہ کو اپنی دیکھی ہوئی اور کان کو اپنی سنی ہوئی، اسی طرح باقی حواس کی اور ان کی ہوتی چیزوں کا جتنا حصول ہوتا ہے ان سب پر فوقیت ملے جاتے لہذا نورِ علم میں اشیاء کا حصول بمنزلہ ذات کے ہوتا ہے اور بصیر میں اشیاء کا حصول بمنزلہ نقل اور خیال کے ہوتا ہے، بالفاظِ دیگر پہلے حصول کے مقابلے میں دوسرا حصول بمنزلہ خیال کے ہوتا چنانچہ نورِ علم میں ادراک حقیقی ہوتا ہے اور بصیر میں خیال، لیکن لوگوں میں اس کے برعکس مشہور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں نورِ علم بہت کم بلکہ محض بال برابر یا اس سے بھی کم ہوتا ہے اور جب علم ان میں کم ہو گیا تو انہوں نے حواس پر اکتفا کرنا شروع کر دیا، لیکن جسے اللہ تعالیٰ نے علمِ کامل عطا کیا ہو تو بصیر اور باقی حواس اس علم کے مقابلے میں جو اسے حاصل ہے اس کے نزدیک محض ایک خیال ہوگا پھر اس حالت کو واضح کرنے کے لیے شیخ نے ایک مثال بیان کی اور فرمایا:

اگر ہم فرض کریں کہ ایک شخص نے ایک گھر بنایا اور اس کی تعمیر میں ہر چھڑا اور بڑا کام اس نے خود اپنے ہاتھوں سے کیا کہ مٹی خود لایا اور اسے پکا کر اینٹیں بنائیں اور پتھر لایا اور انہیں پکا کر چونا بنایا۔ پھر خود ہی لکڑی لایا، خود ہی اسے چیرا عمارت تیار کر لی اور اسے چوڑے کا پستری کیا۔ ان تمام امور میں کسی نے اس کی مدد نہ کی، بلکہ اوّل سے آخر تک تمام کاموں کو اس نے خود ہی کیا ہو اور جو کچھ بھی اس نے کیا ہو، وہ ارادے، نیت اور سوچ و بچار سے کیا ہو، حتیٰ کہ ہر چیز ایسی ہو گئی ہو گویا اس کی ہستی اور فطری چیز ہے اور یہ تمام چیزیں اس کے ذہن میں موجود ہوں اور کبھی غائب نہ ہوتی ہوں، اب اگر وہ اس گھر سے کچھ مدت تک غائب رہے اور پھر واپس آئے اور اس گھر کو دیکھے اور اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی اسی گھر کو دیکھے تو ہر چند دونوں اس گھر کو دیکھنے میں تو برابر ہوں گے، لیکن بنانے والے کا دیکھنا دوسرے آدمی کے دیکھنے سے بہت بڑھا ہوا ہو گا کیونکہ اس کے تمام اجزاء اور اجزاء کے اجزاء اور کام کی تفصیل اور تفصیل کی تفصیل ایسی چیزیں ہیں جنہیں صانع نے خود اپنے ہاتھ سے کیا ہے چنانچہ وہ گھر کو ظاہر اور باطن اور بیرون اور اندرون سے اس طرح جانتا ہے جس کا دوسرے کو علم نہیں۔ یہی حال علم کامل کا ہے کہ وہ شے کے ظاہر و باطن، اجزاء اور اجزاء کے اجزاء اور تفصیل اور تفصیل کی تفصیل پر محیط ہوتا ہے اور بصیر کا تعلق محض گھر کی سطح سے ہوتا ہے، عام نہیں ہوتا چاہے جتنا کہ وہ چیر کر باطن تک پہنچ سکے یہ مثال تقریبی ہے، تحقیقی نہیں ہے کیونکہ علم کامل کا تو صرف انہی لوگوں کا علم ہوتا ہے جن پر اللہ کی عنایت ہو اور اس کی حقیقت تک پہنچنے کے لیے مثالوں سے ہی کام لیا جاتا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ علم انشاء کا کیسے ادراک کرتا ہے؟ فرمایا: اگر ہم فرض کریں کہ علم بمنزلہ ایک ادنس صاف سفید پانی کے ہے جو اپنی اصلی حالت پر قائم ہو۔ پھر ہم ایک ادنس اور پانی فرض کریں جو کہ ایک مختلف قسم کے قطرات سے مرکب ہو مثلاً ایک قطرہ نمکین ہو، ایک قطرہ میٹھا، ایک کرودا، ایک ترش، ایک ٹھنڈا، ایک گرم وغیرہ وغیرہ، پھر ہم اس ایک ادنس مرکب پانی کو مٹا دیاں میں ڈال دیں تو یہ دونوں آپس میں مخلوط ہو کر ایک ہی پانی بن جائیں گے، پھر ادنس پانی بمنزلہ علم کے ہے اور دوسرا ادنس اپنے اختلاف کی وجہ سے بمنزلہ معلومات کے ہے، میں نے عرض کیا کہ کیا یہ قطرے مل جل کر ایک ہی ہو جاتے ہیں یا ہر قطرہ علیحدہ متمیز رہتا ہے؟ فرمایا یہ مخلوط ہوتے ہیں، پھر آپ نے تھیلی بھر پانی لیا اور فرمایا یہ علم ہے پھر ایک اور قطرہ لیا اور اسی پانی میں ملا دیا اور فرمایا کیا یہ اس سے مل جل نہیں گیا؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا یہ گویا منجملہ معلومات کے ایک معلوم ہے، پھر

ایک اور قطرہ یا اور اسی پانی میں ملا دیا اور فرمایا کیا یہ بھی اس سے حل نہیں کیا ؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا یہ گویا دوسرا معلوم ہے پھر تیسرا قطرہ یا اور اس پانی میں ملا دیا اور کہا بس مسلم اور معلومات کے حاصل ہونے کی یہی کیفیت ہے۔ کیونکہ نورِ علم پہلے قطرے میں علوم سے خالی ہوتا ہے، پھر معلومات کے آنے سے تدریجاً بڑھتا ہے۔ معلومات حاصل ہوتے رہتے ہیں اور نورِ علم بڑھتا رہتا ہے اسی لیے نورِ علم کی کوئی انتہا نہیں ہے جس طرح معلومات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ علمِ معلومات کے لیے بمنزلہ غلاف کے ہے۔ اگر غلاف کے اندر تھوڑی چیز ہوگی تو غلاف کا جسم چھوٹا ہوگا، اگر کثیر ہوں گی تو غلاف بڑا ہو جائے گا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ابتدا میں یہ غلاف بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے اس قدر کہ اس میں ایک ہی معلوم سما سکتا ہے اگر اس میں ایک اور معلوم کا اضافہ ہو تو غلاف بڑا ہو جاتا ہے اور اسی طرح بڑھتے بڑھتے بے حد بڑھ جاتا ہے، واللہ اعلم

۲۔ ضائع نہ کرنا۔ دوسرا جزو۔ عدم ضائع (ضائع نہ کرنا) ہے اور وہ ایک نور ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اس کے معلومات صرف مستحق کو پہنچیں۔ لہذا اُسے نا اہل لوگوں تک پہنچنے سے محفوظ رکھتا ہے چنانچہ یہ نور براہِ راست نا اہل تک نہیں پہنچتا اور اگر بالفرض نا اہل تک یہ نور پہنچ بھی جائے تو یہ اسے واپس لے آتا ہے۔ اسے چوس لیتا ہے اور اپنی اصل تک پہنچا دیتا ہے اور نا اہل کے پاس قائم رہنے سے بچا آتا ہے۔

یہی حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کہ آپ جب کلام فرماتے تو انوارِ علوم نکلنے اور اسے نیک و بد اور مومن و منافق ہر قسم کے لوگ سنتے اور جو بد اور منافق لوگ ہوتے تو یہ نور ان کے پاس قرار نہ پاتا اور نہ اُن کے دل پر اس کا اثر ہوتا کیونکہ نور مذکور اُن انوار کو اپنی پاکیزہ اصل اور روشن محل کی طرف واپس لے آتا، یعنی ذاتِ محمدی کی طرف، لیکن جو اہلِ محبت اور اہلِ ایمان ہوتے، وہ حکمت کے اہل اور یکتا قبول کرنے کے قابل ہوتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَكَانُوا أَحَقَّ بِعَدَاةٍ اَللّٰہِ تَوَّانِ کہ طہارت کی وجہ سے انوار اُن کے پاس پہنچ کر قائم و ہم قرار رہتے۔

عرضِ علم کی دو قسمیں ہیں، پاک جس کے نور میں سفیدی ہو اور دوسرا ناپاک جس میں خِلاپین ہو۔ فرض کرو چار آدمی ہیں ایک کا علم ظاہر اور کامل ہے۔ دوسرے کا علم ظاہر اور قلیل ہے، تیسرے کا علم غیر ظاہر مگر کامل ہے اور چوتھے کا علم غیر ظاہر اور قلیل ہے پھر فرض کر لیں کہ وہ ایک جگہ اکٹھے ہو کر باتیں کرنے لگیں تو ظاہر ناقص علم والا ظاہر کامل علم والے سے استفادہ کرے گا اور تیسرے سے کچھ بھی استفادہ نہ کر سکے گا۔ اس لیے کہ وہ دونوں مجنس نہیں ہیں اور ناپاک ناقص علم والا مستفید ہوگا

نپاک کامل والے سے اور پاک علم کا کچھ اترنے لگا کیونکہ ان میں مجاہدیت نہیں ہے۔ علم مطلق کا خاتمہ عدم تفتیح ہے (ضائع نہ جانا) اس لیے طاہر غیر طاہر پر داخل نہ ہوگا اور اس کے پاس نہ ٹھہر سکے گا۔ اسی طرح غیر طاہر طاہر کے ساتھ نہیں ملے گا اور نہ اس کے پاس ٹھہر سکے گا۔ طاہر طاہر کے پاس جائے گا اور نہایت نہایت کے پاس۔

۳۔ زبانوں اور حیوانات اور تیسرا جز معرفت لغات و اصوات ہے اس کی تشریح اس طرح ہے کہ جب علم کامل میں اشیا کا حصول ہوتا ہے تو یہ علم مع ان کے حقائق، ذاتیات، لوازمات اور عوارض کے ہوتا ہے اور اصوات (آوازیں) امور عرضیہ سے پیدا ہوتی ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ معرفت کا علم تو حاصل ہو جائے اور ان اشیا کا علم نہ ہو جو ان سے پیدا ہوتی ہیں۔

پھر جن معلومات کے حقائق علم میں حاصل ہو چکے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ حیوان اور غما۔ غما کی بھی آواز ہوتی ہے۔ مثلاً پانی کی سرسراہٹ اور دروازے کی کھڑاہٹ اور ایک پتھر کی دوسرے پر گرنے کی آواز وغیرہ اور علم والا انسان آوازوں کو سن کر مطلب سمجھ جاتا ہے۔ پھر حیوان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ناطق اور غیر ناطق۔ حیوان ناطق یعنی انسان کی کوئی مذکور زبان ہوتی ہے جسے عام لوگ جانتے رہتے ہیں اور حیوان غیر ناطق جس کی قسمیں پرندے حیوانات وغیرہ ہیں اور ان تمام کی الگ الگ بولیاں مشہور ہیں اور کامل علم والا انسان ان سب کو جانتا ہوتا ہے۔ (مؤلف کتاب کہتا ہے کہ) میں نے اس کے متعلق حضرت سے بہت سی حکایتیں سنی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر دوران کتاب ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت نے فرمایا کہ صامت جس کی آواز نہیں ہوتی مثلاً دیوار، گھر، جنگل، پٹیل، میدان، پہاڑ و رخت وغیرہ ان کی آواز کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ آواز ان کے اور ان کے حقائق کے درمیان باطنی ہے مگر بعض اوقات ان کی آواز کو بھی اللہ تعالیٰ نبی کے معجزے کی صورت میں یا ولی کی کرامت کی صورت میں ظاہر کر دیتا ہے۔

۴۔ انجام سے واقفیت چوتھا جز معرفت انجام ہے ۱۰ اجزاء روح میں تمیز کی بحث میں مذکور ہو چکا ہے کہ یہ ایک نور ہے کہ جس کے ذریعہ سے اشیا کی حقیقت نفس الامری مکمل طور پر تمیز ہو جاتی ہے لہذا اس نور سے ایک دوسرے سے اشیا کا امتیاز ہوتا ہے اور یہ انہیں درجہ بدرجہ آتا ہے یہاں تک کہ یہ انجام تک پہنچ جاتی ہیں اور جب انجام

کو پہنچ گئیں تو تمیز کا کام ختم ہو گیا اور اس علم یعنی معرفت عواقب کا کام شروع ہو جاتا ہے اس طرح کہ ہر شے کا حقیقی انجام تفصیل وار نظر کے سامنے آتا ہے۔

پھر انجام کی دو قسمیں ہیں: (۱) دارالآخرت میں فنا جیسا کہ جمادات وغیرہ کا حال ہے جنہیں آخرت میں کوئی زندگی نصیب نہ ہوگی (۲) یا بقار جیسا کہ مکلفین (انسان و جنات) وغیرہ کے لیے ہے۔ جس کا انجام فنا ہو تو یہ جزو دیکھ لیتا ہے کہ اس کی فنا کب اور کس طرح ہوگی اور یہ شے کس طرح فنا تک بتدریج پہنچے گی۔ اس کے اجزاء کس طرح کم ہوتے ہوتے بالآخر معدوم ہو جائیں گے، یہاں تک کہ آخر کار یہ معدوم مضمحل بن جائیں گے۔ اس کی فنا کس جگہ ہوگی اس فنا کے اسباب و مقتضیات کیا ہوں گے، حتیٰ کہ اس کی فنا ہونا بالکل امر ظاہر اور معقول بن جائے گا کہ اس میں کوئی بعد اور نہ خرق عادت ہوگا اس کے اندر کئی ایک علم شامل ہیں۔

لیکن جس کا انجام بقا ہے تو فوراً تمیز اسے درجہ بدرجہ لے جا کر جنت یا دوزخ تک پہنچا دیتا ہے پھر یہ جزو آتا ہے اور اس کی جزاء میں غور کرتا ہے اور ہر شخص کی جزاء کے مطابق جنت میں ہے تو جنت کی اور دوزخ میں ہے تو دوزخ کی جزاء میں بالتفصیل غور کرتا ہے اس کی شرح بڑی لمبی ہے اور ممکن ہے کہ حضرت سے سنے ہوئے کچھ واقعات اثنائے کتاب میں ذکر کر دیں۔ **پنجواں جزو ان علوم کی معرفت ہے جن کا تعلق جن و انس سے ہے اور یہ بہت سے علوم ہیں۔ خاص انسانوں سے تعلق رکھنے والے علوم کی تعداد تین سو چھیاسٹھ ہے**

۵۔ ان علوم کی معرفت جن کا تعلق انسانوں اور جنوں سے ہے

اور جنوں سے تعلق علوم کی تعداد ان سے تین کم یعنی تین سو تریسٹھ ہے انہی میں وہ علوم بھی شامل ہیں جن سے ان اسباب کی معرفت حاصل کی جاتی ہے جن پر ان کی زندگی ظاہری اور باطنی کا بقا موقوف ہے ظاہری معاش وہ ہے جس پر ان کی ذات کا انحصار ہے اور جس سے ان کی زندگی قائم رہتی ہے لہذا اس میں کسب کے اسباب مثلاً کھیتی کرنا، ہل چلانا، بڑھتی کا کام وغیرہ یا دستکاری سب شامل ہیں اس لیے ان تمام کا جاننا اور ان اسباب کا جاننا ضروری ہے جس سے فائدہ ہوتا ہو یا نقصان۔ اسی میں علم ادب بھی شامل ہے جسے آج کل لوگ علم سیاست کہتے ہیں کیونکہ اسباب معاشرت کا جاننا بھی ضروری ہے اور اس میں بھی بہت سے علوم شامل ہیں۔

ابہرہ باطنی معاش تو یہ ایسی معاش ہے جو بندے کو رب سے ملا دے، انہیں ہانک کر ادھر لے

لے جن کو طاقت کے اندازے کے مطابق کام بتا دیا ہو ہے۔

آئے اور اللہ کی راہ بتائے۔ اس میں شریعتوں کا جاننا اور ان کے انوار اور ان اسرار کا جاننا شامل ہے جو اللہ تک پہنچا دیں۔ چنانچہ انسان واقعات میں اللہ کی حکمتوں کو جاننے لگتا ہے اور جانتا ہے کہ شریعت میں اس کے حکم کرنے کا کیا راز ہے اور یہ کہ دنیا اور آخرت میں بندے کو اس سے کیا نفع پہنچتا ہے۔ اگر اس بارے میں ہم تمام امور کا ذکر کر دیں جنہیں ہم نے حضرت سے سنا اور ہم جزئیات اور بڑی تفصیل کو بیان کریں جن کے متعلق ہم نے شیخ سے سوال کیا تو ہمیں بے شمار عجائب و غرائب کا ذکر کرنا پڑے گا۔ نیز اس نور والا حکم شرعی کو سنتے ہی سمجھ جائے گا کہ یہ یقیناً حق بات ہے کیونکہ میں نے حضرت سے ان اختلافات کے متعلق بحث کی جو شیوخ مذاہب میں واقع ہوئے (مثلاً چشتیہ، سہروردیہ وغیرہ) میران اختلافات میں بحث کی جو اصحاب مذاہب اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے درمیان واقع ہوئے اور پھر ان اختلافات میں جو انبیاء کی شریعت میں واقع ہوئے۔ یہ کتنو کتنی سال تک جاری رہی۔ اس عرصے میں آپ سے وہ اسرار و معارف مسنے میں آئے جن کا شمار نہیں، خدا میں اپنے فضل و کرم سے ان سے دنیا و آخرت میں نفع پہنچاتے۔

حضرت نے فرمایا کہ انہی علوم میں ان آفات کی معرفت بھی شامل ہے جو اسباب معاش ظاہری و باطنی کو لاحق ہوتی ہیں اور یہ کہ ان آفات سے بچنے کا کیا طریقہ ہے تاکہ اس علم کا جاننے والا اپنی معاش کے تمام اسباب میں صاحب بصیرت ہو جائے چنانچہ اسے یہ معلوم ہو جائے کہ دونوں جہانوں میں اسے خاص طور پر کونسی چیز نفع رساں ہے اور کونسی مضر رساں۔ اسی میں علم طب کی ایسی کامل معرفت بھی شامل ہے جو نفس الامری جو ادویہ یا تو ظاہری ہے جس کا تعلق ظاہری معاش کی بہتری کے ساتھ ہے یا باطنی جس کا تعلق معاش باطنی کے ساتھ ہے۔

۶۔ اُن علوم کی معرفت جن کا تعلق چھٹا جزو ان علوم کی معرفت ہے جن کا تعلق کونین کے احوال کے ساتھ ہے اور کونین سے مراد عالم علوی اور عالم سفلی ہے۔ اس کا بیان اس طرح ہے کہ عالم کا

انحصار سات امور پر ہے۔ عناصر اربعہ یعنی پانی، مٹی، ہوا اور آگ پر اور مرکبات ثلاثہ پر یعنی نباتات، حیوانات اور معدنیات پر۔ لہذا علم کامل میں ان اشیاء کی حقیقت کو کامل طور پر جاننا ضروری ہے نیز ان کی امتیازی خاصیتوں کا علم۔ ان میں نفع رساں اور ضرر رساں اشیاء کا علم، ان کی قوتوں کا علم اور ان قوتوں میں ان کے تمام افراد کے اختلاف کا علم بھی ہو، کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آگ کا جسم تو بہت وسیع ہوتا ہے، لیکن اس کی قوتیں کمزور ہوتی ہیں اور اس کے برعکس بھی یعنی جرم چھوٹا لیکن

حرارت قوی۔ اس کی بحث لمبی ہے واللہ اعلم

۷۔ جہات کا ایک جہت میں محصور ہو جانا
ساتواں جزو جہات کا ایک جہت میں محصور ہونا ہے
اور وہ ایک جہت سامنے کی جہت ہے اور یہ علم

کمال کے اجزاء میں سے ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ علم چونکہ ایک نور ہے جسے تمام جہات میں اشیا کا ادراک کرنا ہے، لیکن اگر کسی کو اللہ کی طرف سے زائد نور عطا ہو کہ جو کچھ وہ سامنے کی جہت کے علاوہ اور جہات میں دیکھتا ہے وہ اس کے لیے ایسے ہی ہو جائیں جس طرح کہ بدن کم و کاست کے سامنے کی اشیا کو دیکھتا ہے اور اس وقت اس کی نگاہ میں صرف ایک جہت رہ جاتی ہے اور باقی تمام جہات معدوم ہو جاتی ہیں اس لیے کہ اس کا علم کامل ہوتا ہے اور یہ کیفیت صاحب فتح (کشف) کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں ہوتی۔ یہی مفہوم ہے اس حدیث کا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اِنِّیْ لَآ ذَاکُھُ مِنْ خَلْقِیْ کَمَا اَرَاکُمْ مِنْ اَمَامِیْ (ترجمہ: میں اپنے پیچھے سے تمہیں اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح سامنے سے، لہذا باوجود اس کے کہ صحابہ آپ کے پیچھے ہوتے آپ انہیں اپنے سامنے دیکھتے بغیر اس طرح جس طرح آپ سامنے کے رخ کی چیزوں کو دیکھتے لیکن اگر صاحب علم الگ الگ جہات کو محسوس کرے تو اس کا علم کامل نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷۔ رسالت

۱۔ رُوح کا جسم میں
رسالت کا پہلا جزو رُوح کا جسم میں برضا و رغبت قیام پذیر ہونا ہے اس لیے
برضا و رغبت قیام
کو پاکیزہ اجسام کے اندر وہ نور ہوتے ہیں جو ایمان باللہ سے فیضیاب ہوتے ہیں
انہی انوار کی قلت و کثرت کے مطابق جسم میں نور کا قیام قوی ہوتا ہے یا ضعیف

کیونکہ نور بہ نسبت روح کے زیادہ مائل ہوتا ہے اور ارواح بھی نور ہی میں سے ہیں، صرف اتنا فرق ہے کہ نور ایمان کو کسی ذات میں دیکھتی ہے تو وہ اس کی طرف مائل ہوتی ہے اور اس سے لذت پاتی ہے پھر جس ذات میں نور ایمان مثلاً ایک ہاتھ برابر ہو اس میں روح کی سکونت اس قدر رضا و رغبت کی نہ ہوگی جس قدر کہ اس ذات میں ہوگی جس میں نور ایمان دو ہاتھ برابر ہے و علیٰ ہذا القیاس۔

مزید برآں نور ایمان نیک اعمال کے اجر کی زیادتی سے بڑھتا رہتا ہے اس لیے کہ اعمال کے اجر میں

۷۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ۔ بیع مبتدائی صفحہ ۹۸ اور ۱۰۱ باب ما علی العامر من المتابعة اور مثلاً

امام مالک ج ۱ صفحہ ۱۳۹-۱۴

اور ان اجور کا خاص نور ہوتا ہے جن کا عکس ذات پر پڑتا ہے اور جن کی بدولت اجسام کو دنیا میں نیک نفع حاصل ہوتا ہے اس طرح کہ ان کی وجہ سے ان کا نور ایمان بھی بڑھ جاتا ہے اور آخرت میں ظاہر نفع ہوتا ہے کہ یہی اجور جنت میں نعمتیں بن جائیں گے جن سے عمل کنندگان حلقہ حاصل کریں گے۔

حضرت نے فرمایا: اگر ہم فرض کریں کہ دو آدمی نور ایمان میں برابر ہیں اور ان میں سے ایک دن بھر نیک اعمال کرتا رہے اور دوسرا نہ کسے۔ پھر دونوں رات کو سو جائیں، تو نیک اعمال والے کا نور رات بھر روشن اور زیادہ پھیلا ہوا ہوگا برخلاف اس شخص کے نور کے جس نے کوئی نیک کام نہیں کیا۔ پھر فرمایا کہ تمام اعمال میں رسالت کے اعمال سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں ہو سکتا، اسی لیے مرسلین کے ایمان کے برابر پہنچنا ناممکن ہے، پھر خود مرسلین میں بھی ان کے متبعین کی قلت و کثرت کے اعتبار سے فرق مراتب ہے اور کوئی مرسل کثرت متبعین کے اعتبار سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہیں ہو سکتا اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اجر دیگر مرسلین کے اجر سے بڑھ کر ہوگا۔ اس لیے کہ آپ کا نور ایمان اس عظمت تک پہنچ چکا ہے کہ کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اس سے یہ لازم آیا کہ جس طرح مرسلین کی ارواح ذات میں سکونت پذیر ہیں، اس طرح دوسروں کی ارواح نہیں۔ اسی خاص رہائش کو ہم نے جزو رسالت قرار دیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہو چکا کہ ذات محمدی میں روح محمدی کی سکونت دیگر مرسلین سے بڑھ کر ہے لہذا آپ کی ذات میں یہ جزو بھی انتہائے کمال پر ہوگا۔ نیز روح کی رہائش میں اس اعتبار سے بھی فرق مراتب ہوتا ہے کہ کسی کا نور ایمان جرم روح کے مساوی ہوتا ہے اور کسی کا چھوٹا اور کسی کا بڑا۔ لہذا جس کا نور ایمان جرم روح سے بڑا ہوگا تو اس کی روح کا قیام بھی زیادہ ہوگا۔ پھر فرمایا کہ جن کی ذات میں نور ایمان قطعاً ہوتا ہی نہیں وہ کافروں کی ذات ہے ان میں روح کا قیام صرف بحکم تقدیر قہری اور جبری ہوتا ہے ورنہ حقیقت میں روح ان کی ذات کو سخت ناپسند کرتی ہے۔

۲۔ علم کمال

دوسرا جزو علم کمال ہے خواہ غیب کا ہو خواہ سامنے موجود اشیاء کا رغبیا و شہادۃ میں جگہ علم غیب سے ہماری مراد وہ علوم ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی معرفت سے ہے اور علم شہادت سے مراد وہ علوم ہیں جن کا تعلق مخلوقات سے ہے لہذا اس میں وہ علوم جن کا تعلق جن دانس کے احوال سے ہے اور وہ علوم جن کا تعلق احوال کونین سے ہے اور وہ علوم جن کا تعلق احوال عاقبت سے ہے سب شامل ہوں گے اس کے متعلق پہلے بھی کچھ اشارہ کیا جا چکا ہے لیکن یہاں بے جزو رسالت شمار کیا گیا ہے وہ ان امور کی معرفت میں کمال حاصل کرنا ہے لہذا ان امور میں کمال اور پھر کمال کا انتہائی درجہ حاصل کرنا رسالت کا ایک جزو ہے جس کا ہر رسول میں ہونا ضروری ہے اور یہ کمال

کمال ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں انتہائی غایت کو پہنچ چکا تھا واللہ اعلم

۳۔ صدق

تیسرا جزو ہر ایک کے ساتھ قول و فعل میں سچائی ہے، اسی طرح کہ افعال و اقوال اللہ کی خوشنودی اور محبت کے مطابق ہوں کیونکہ مخلوقات کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری کرنے کا حکم دیا گیا ہے لہذا رسولوں کا مذکورہ حالت پر ہونا ضروری ہے لہذا رسول حق و سچائی کے سوا کوئی بات دل سے نہیں نکالتے۔ ان کا مزاج بھی سنجیدہ ہوتا ہے لہذا جب وہ کسی بات کی خبر دے دیں تو وہ ہو کر رہے گی اور اگر کوئی بات بظاہر اس کے خلاف نظر آتی ہو تو اس کی تصحیح تاویل کی جائے گی اور انشاء اللہ ہم اس کتاب میں اس کا کچھ ذکر کریں گے۔

غرض رسولوں کے کلام اور اہل جنت کی خواہشات ایک ہی قسم کی ہیں چنانچہ جس طرح اہل جنت جب کسی چیز کی خواہش کریں گے تو یہ یقیناً پوری ہوگی۔ اسی طرح جب رسول کوئی بات کریں تو وہ پوری ہو کر رہے گی، واللہ اعلم، لہذا جو کچھ ہم قول حق وجوہ نبوت کا جزو ہے، اُس کے تحت میں پہلے کہ آئے ہیں اس کے مقابلے میں "صدق" میں صرف اسی قدر مفہوم کا اضافہ ہے کیونکہ یہاں صدق بمنزلہ اس شخص کے ہے جو ان امور کی حکایت کر رہا ہو جو تقدیر میں لکھی جا چکی ہیں، گویا کہ اس کا قائل منسوب الاعتیار ہے، برخلاف قول حق کے کیونکہ وہ اس درجے تک نہیں پہنچتا ہوتا لہذا صدق میں قول حق کے مقابلے میں زائد نور ہوتا ہے۔

۴۔ سکینہ و وقار

جزو چہارم سکینہ اور وقار ہے اور وہ دل میں ایک نور ہے جو صاحب نور کے لیے ضروری کر دیتا ہے کہ اس کا اللہ پر اطمینان اور اعتماد ہو اور یہ کہ وہ ہر قسم کی قوت اور طاقت اللہ کی طرف پھیرے اور اللہ کے سوا کسی اور کی پروا نہ کرے، یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ صاحب سکینہ اور وقار کو کسی امر کا لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیتا ہے اور تمام دنیا کے لوگ اس معاملے میں اُس کی مخالفت اور دشمنی کا ارادہ کریں تو وہ ان کی قطعاً پروا نہ کرے بلکہ اُن کو کالعدم سمجھے اور اس کے نزدیک اُن کا دوستی کرنا، محبت کرنا اور مدد کرنا سب یکساں ہو کیونکہ اُس کے نزدیک تو انہیں مخالفت یا موافقت کرنے کی طاقت ہی نہیں۔

لیکن جسے سکینہ حاصل نہ ہو تو جب اسے معلوم ہوگا کہ فلاں شخص اسے نقصان پہنچانے کا قصد کرتا ہے تو جس طرح وہ اپنے اندر قوت و طاقت محسوس کرتا ہے اسی طرح وہ دشمن میں بھی قوت و طاقت دیکھتا ہے لہذا وہ دشمن کی مدافعت کی تدبیریں سوچے گا کہ وہ کیسے بھاگ جائے اور کبھی سوچے گا کہ جب متناہد اُن پر اتوں بات کی کیا سورت ہوگی

ایسی دشمنی و بغاوت ہوتا ہے کہ دشمن سے متناہد اُن پر تہہ اس لیے وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا، یہی وجہ ہے کہ کئی کہ اجزاء رسالت میں نہ لیا گیا ہے

کیونکہ صاحب رسالت کو دنیا والوں سے عداوت کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے کفر و باطل سے باز آجائیں۔ اسی لیے اسے ان کی توجہ یا عدم توجہ ان کی محبت یا ان کی روگردانی کی پروا نہیں ہوتی چنانچہ حضرات مرسلین کی یہی حالت تھی کیونکہ دنیا والوں نے اُن سے عداوت کی اور متحد ہو کر ان سے لڑے لیکن ان کے دل پر اس کا اثر نہ ہوا پھر حضرت نے فرمایا کہ قرآن مجید کی کئی آیات میں اسی سکینہ کا ذکر ہے مثلاً
 تَحَمَّدَ اللَّهُ سَكِينَةً عَلَىٰ دُسُوسِهِمْ وَعَلَىٰ أَمْشُومِهِمْ (سورہ توبہ آیت: ۲۶) (پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنین پر سکینہ اتاری) رسول پر سکینہ اتارنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے آثار کا مشاہدہ کر دیا کہ آپ کثیر الاستعداد دشمن کے مقابلے پر بھی ڈٹے رہے اور مومنین پر انزال سکینہ سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان کے دلوں میں سکون و اطمینان پیدا کر دیا۔

پھر سلسلہ کلام میں اس سکینہ کا تذکرہ ہوا جو بنی اسرائیل کے تابوت میں تھی جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے۔ اَنۡتَ يَا بُنَيَّ كُنْ حَاضِرًا لِّذِكْرِ ذٰلِكَ لَعَلَّكَ تَتَّقِي (کہ تمہارے پاس ایک تابوت آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ ہوگی) اور پھر اس سکینہ کا ذکر ہوا جس کا ذکر انسید بن حنفیہ کی حدیث میں ہے اور اس سکینہ کا ذکر ہوا جن کا ذکر دیگر احادیث میں کیا گیا ہے جو کچھ آخر تفسیر نے ان کے بارے میں لکھا ہے مجھے اُس کا علم تھا لیکن حضرت نے ان مقامات کی اس طرح تشریح کی جس طرح کوئی معاملے کا مشاہدہ کر رہا ہو۔ حتیٰ کہ حضرت جبریل کا وحیہ کہنے کی صورت میں آنے کا ذکر ہوا، اگر یہ ڈرنے ہوتا کہ کہیں پڑھنے والے اکتانہ جائیں تو میں یہ سب کچھ لکھ دیتا واللہ اعلم

۵۔ مشاہدہ کا علم

پانچواں جزو مشاہدہ کا علم ہے اس کی تشریح نہیں کی جاسکتی کیونکہ یہ عقول کی دسترس سے باہر ہے جیسے معرفت باری تعالیٰ کی جو جزو نبوت ہے تشریح نہیں کی جاسکتی،

۱۔ قرآن مجید سورہ بقرہ (پارہ ۲) آیت ۴۸

یٰۤاَسۡمٰدُ بَنۡ حٰفِیظَؕ یٰۤاَنۡصٰرُ بَنۡ سَمِیۡۃَؕ یٰۤاَبۡرٰہِیۡمَؕ یٰۤاِسۡحٰقَؕ یٰۤاِسۡمٰعِیۡلَؕ اِنَّکُمۡ عِندَ اللّٰہِ لَمَعۡرُوۡۃٌ ۝۴۸
 اُنوں نے شرکت کی۔ ان کی وفات دین میں سلسلہ، سلسلہ میں خلافت عرس میں ہوئی۔

۲۔ وحیہ کہنے: یہ کبار صحابہ میں سے ہیں۔ اُحد اور بحد کی جنگوں میں شریک ہوئے۔ انہی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلہ، سلسلہ میں قیصر کی طرف روانہ کیا تھا اور انہی کی شکل میں جبریل آیا کرتے تھے۔

ایرصادیہ کے حیدر تک زندہ رہے۔

۶۔ زندگی میں موت

چٹا جزو زندگی ہی میں موت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے احوال کا مشاہدہ اسی طرح کریں جس طرح مرنے والی موت کے بعد کریں گے اسے جزو رسالت اس لیے شمار کیا گیا ہے کیونکہ مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کو رغبت اور خوف دلانے (ترغیب و ترہیب) کی غرض سے بھیجا گیا اور ترغیب و ترہیب وہی شخص کر سکتا ہے جو آخرت کے احوال کا مشاہدہ کر رہا ہو۔ لہذا وہ جنت کے حاصل کرنے کی ترغیب لوگوں کو دے سکے گا اور دوزخ سے بچنے کے لیے لوگوں کو ڈرا سکے گا اور تشریح کر سکے گا کہ عذاب قبر کیسے ہوگا اور برزخ میں ارواح کس طرح چڑھ جاتی ہیں اور اسی قسم کی اور باتوں کی تشریح کر سکے گا جنہیں لوگوں کی عقلیں برداشت کر سکیں۔

میں نے عرض کیا کہ انبیاء کو ان کے متعلق وحی کا آجانا کافی ہے، مشاہدے کی کیا ضرورت ہے حضرت نے فرمایا کہ وحی ایک خطاب ہے اور خطاب کلام انہی سے ہوتی ہے جو معنی کو سمجھتے ہوں۔ پس مشاہدہ پیغمبر کے لیے آخرت کے احوال کو واضح کر دیتا ہے جس سے ان سے معنی واقفیت حاصل کر لیتا ہے، لیکن وحی جو ہوتی ہے اس سے پیغمبر کو اللہ کی طرف سے اجازت حاصل ہو جاتی ہے کہ جن باتوں کا تبلیغ کرنا مقصود ہے ان کی تبلیغ کرے ایسی باتیں جن کو لوگوں کی عقول برداشت کر سکیں اور ان کی ذوات ان کے سننے کی قدرت رکھیں۔ الا جن باتوں کو عقلیں برداشت نہ کر سکتی ہوں اور ان کے سننے سے بگڑ چھٹ جاتے کا خطرہ ہو۔ پیغمبر اپنے سابق مشاہدہ پر ہی رہتا ہے، اس کے متعلق کوئی وحی نازل نہیں ہوتی اور اگر کلام کسی ایسے کے ساتھ ہو جو معانی کو نہیں سمجھتا تو اس شخص کے لیے تو سمجھنا اور سمجھانا ہی ناممکن ہے واللہ اعلم۔

۷۔ جنتیوں کی سی زندگی بسر کرنا

ساتواں جزو جنتیوں کی سی زندگی بسر کرنا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ذات رسول علیہ السلام انہی انوار سے سیراب ہو جس سے اہل جنت جنت میں داخل ہونے کے بعد سیراب ہوں گے۔ لہذا مرسلین علیہم السلام کی ذات ایسی ہی ہوتی ہے جیسے جنتی کی جنت میں اس کی شرح یہ ہے کہ عالم وہیں۔ دارِ فنا اور دارِ بقا۔ پھر ہر ایک کی دو قسمیں ہیں ظلمات اور نورانی۔ دارِ بقا کے نورانی قسم جنت اور ظلمات کو دوزخ ہے جب حجاب زائل ہو جاتا تو دارِ بقا کے ہر قسم اپنی موافق نوع کو مدد پہنچاتی ہے۔ چنانچہ نورانی نورانی کو اور ظلماتی ظلماتی کو مدد پہنچاتی ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ حجاب کے زائل ہونے کا عمل مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ مرسلین علیہم السلام میں یہ حجاب اسی دنیا میں پہلے ہی سے زائل ہو چکا ہوتا ہے جیسا کہ چھٹے جزو میں مذکور ہو چکا اور

مرسلین اسی دنیا میں ہر نورانی سے بڑھ کر نورانی ہوتے ہیں اور ان کی ذات شریف وار بقا کے نورانی حصے یعنی جنت سے مدد ملتی رہتی ہے، لیکن عاتر المخلوق کے لیے جاب صرف قیامت کے دن زائل ہوگا اور اسی دن انہیں مدد بھی حاصل ہوگی چنانچہ جو ایمان والا ہوگا وہ انوارِ جنت سے مدد حاصل کرے گا اور سرکشِ ناپہنچتم سے مدد حاصل کرے گا۔ خدا ہمیں اپنے فضل و کرم سے دوزخ سے پناہ دے۔ مختصر یہ کہ استدعا کا انحصار زوالِ جاب پر ہے اور یہ جاب مرسلین حضراتِ علیم السلام سے زائل ہو چکا ہوتا ہے اس لیے ان کی زندگی اہل جنت کی زندگی کی طرح ہوتی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ آدینیت، نقیض، بسط، نبوت، روح، عشم، رسالت کے ہر حرف کے سات اجزاء کی تشریح ہے جو بیان ہو چکی۔ (مؤلف کتاب کہتا ہے) کہ ہم انہیں دوبارہ بیان کر دیتے ہیں کیونکہ یہ اختلافات کی تفریع کے لیے جس کے متعلق سوال کیا گیا تھا، بہت مفید ہے چنانچہ یہ اس طرح ہیں:

آدمیت کے اجزاء: کمالِ حسنِ ظاہری، کمالِ حواسِ ظاہری، کمالِ حسنِ باطنی، کمالِ حواسِ باطنی، ذکرِ ربیت (یعنی نہ ہونا)، نزاعِ حق و شیطان اور کمالِ عقل۔

نقیض کے اجزاء: وہ جس میں سے خیر میں لذت ہو اور باطل سے کلفت۔ انصاف، مندے نفرت، امتثال امر، انہی کی طرف تمیلان اس طرح کہ اس کی کیفیت اختیار کرے، انقباض کی قوت کا اور حق گوئی سے غم نہ کرنا۔

بسط کے اجزاء: فریحِ کمال، ذات میں خیر کا قیام، فتحِ حواسِ ظاہری، فتحِ حواسِ باطنی، رفعتِ حسنِ تجاوز، انکساری۔

نبوت کے اجزاء: قولِ حق، صبر، رحمت، معرفتِ الہیہ، خوفِ شام، بغضِ باطل، عفو۔

روح کے اجزاء: ذوقِ انوار، طہارت، تمیز، بصیرت، عدمِ غفلت، قوتِ سرایان اور تکلیف والے اجرام سے بے حس۔

علم کے اجزاء: حملِ علوم، عدمِ امانت، معرفتِ ثنات، انجام سے واقفیت، احوالِ کرمین

چنانچہ مشکوٰۃ بابِ صلوة الکسوف میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوة کسوف پڑھی اور

نارضا ہونے پر صحابہ نے عرض کیا کہ ہم نے دیکھا کہ آپ نماز میں پڑے آگے بڑھے پھر پیچھے ہٹ گئے فرمایا میں

جنت میں تھا اور چاہا کہ انگوڑا کا ایک خوشنہار سے بے توڑوں پھر دوزخ دیکھی اور باتِ حدیث بیان کی، یہاں

سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضراتِ نبیاء کی زندگی اہل جنت کی سی ہوتی ہے۔ ۱۷۔

سے تعلق رکھنے والے علوم سے آگاہی، احوالِ ثقلین سے تعلق رکھنے والے علوم کی واقفیت اور جہاتِ کامرن سائنس کی جہت میں محصور ہو جانا۔

رسالت کے اجزاء، برضا و رغبت روح کا ذات میں قیام، علمِ کامل، ہر ایک سے سچائی، سکینہ و وقار، مشاہدہ کاملہ، موت، بحالتِ حیات، اہل جنت کی سی زندگی۔

حضرت نے فرمایا: اب رہا صحابہ و تابعین میں قرآن کے نقلی اختلافات کا سات باطنی انوار پر متفرع ہونے کی تشریح یوں ہے کہ تجھے علم ہو چکا ہے کہ باطنی حروف کے اجزاء انچاس ہیں اور تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ عربی کلام کے حروف تہجی اکتیس ہیں اور ہر حرف کے لیے مذکورہ اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔

چنانچہ ہمزہ (واو) کے لیے انتقال ہے جو قبض کا ایک جزو ہے۔ ب کے لیے سکینت ہے جو رماں کا ایک جزو ہے۔ ت کے لیے کمالِ حواسِ ظاہری ہے کہ اجزاء آدمیت میں سے ہے ت کے لیے انصاف جو قبض کا جزو ہے۔ ج کے لیے صبر ہے جو جزو نبوت ہے ت کے لیے رحمت کاملہ ہے اور یہ اجزاء نبوت میں سے ہے۔ ث کے لیے ذوقِ انوار ہے اور وہ روح کا جزو ہے ڈ کے لیے طہارت کہ اجزاء روح میں سے ہے ڈ کے لیے معرفتِ لغات کہ اجزاء علم میں سے ہے۔ س کے لیے حسنِ تمہاز جو اجزاء بطن میں سے ہے اور س کے لیے ہر شخص کے ساتھ سچائی ہے اور وہ اجزاء رسالت میں سے ہے۔ ل کے لیے انکسار ہے کہ اجزاء بطن میں سے ہے ح کے لیے حق گوئی ہے کہ اجزاء قبض میں سے ہے ق کے لیے عقلِ کامل ہے کہ اجزاء آدمیت میں سے ہے۔ ض کے لیے یقین گوئی ہے کہ اجزاء نبوت میں سے ہے ط کے لیے تمیز کہ اجزاء روح میں سے ہے۔ ظ کے لیے نزوحِ حظِ الشیطان ہے کہ اجزاء آدمیت میں سے ہے۔ ع کے لیے عفو ہے اور وہ اجزاء نبوت میں سے ہے غ کے لیے کمالِ صورتِ ظاہری ہے اور جو اجزاء آدمیت میں سے ہے۔ ف کے لیے بے محلِ علوم ہے کہ جزو علم ہے ق کے لیے بصیرت اور وہ اجزاء روح میں سے ہے ک کے لیے معرفتِ الہی ہے جو اجزاء نبوت میں سے ہے۔ ل کے لیے علمِ کامل ہے جو اجزاء بطن میں سے ہے م کے لیے ذکریت جو اجزاء آدمیت میں سے ہے ن کے لیے نزوحِ کمال کہ اجزاء بطن میں سے ہے۔ د کے لیے موت بحالتِ حیات کہ اجزاء رسالت میں سے ہے ذ کے لیے خد سے نفرت ہے کہ اجزاء قبض میں سے ہے۔ ذ کے لیے عدمِ غفلت کہ اجزاء روح میں سے ہے اور ی کے لیے خوفِ تام کہ اجزاء نبوت میں سے ہے۔

لے یہ عبارت مطبوعہ کتاب جو ہمارے پاس ہے اس میں نہ تھی، لیکن چونکہ اس کے بغیر مفہوم مکمل نہیں ہوتا اور یہ

طباعت کے غلطیوں سے تھا اس لیے میں نے اتنی عبارت کو مکمل کر دیا ہے۔ ۱۷ مترجم

یہ اُن تیس حروف ہوئے۔ ان میں سے آدمیت کے پانچ ہیں۔ ت۔ ظ۔ م۔ ص۔ غ۔ ث کے لیے کمالِ حسن ظاہری۔ ظ کے لیے نزعِ حظِ شیطان۔ م کے لیے ذکوریت۔ ص کے لیے کمالِ عقل اور ع کے لیے کمالِ صورتِ ظاہری اور آدمیت کیلئے دو جزو باقی رہ گئے۔

ان حروف میں سے قبض کے لیے چار ہیں۔ ع۔ ث۔ ش۔ مد۔ ہمزہ کے لیے امتثال۔ ث کے لیے انصاف۔ ش کے لیے قوتِ انکماش اور ہ کے لیے نفرتِ من الغد۔ قبض کے اجزاء میں سے تین باقی رہ گئے۔

بسط کے لیے تین حروف۔ ر۔ ف۔ س۔ ر کے لیے حسنِ تجاویز، ر کے لیے فرجِ کامل اور س کے خفصِ مجناح الذل (انکساری) بسط کے چار جزو باقی رہ گئے۔

نبوت کے لیے چھ حروف ہیں۔ ج۔ ح۔ ک۔ ض۔ ی۔ چ۔ چنانچہ ج کے لیے صبرِ اح کے لیے رحمتِ کاملہ، ح کے لیے معرفتِ الہی، ض کے لیے حق گوئی، ی کے لیے عفو اور ی کے لیے خوفِ خدا تاء اور نبوت کا ایک جزو باقی رہ گیا۔

روح کے پانچ حروف ہیں۔ د۔ ر۔ ط۔ ق۔ ہ۔ چنانچہ د کے لیے طہارت۔ ر کے لیے ذوقِ انوار۔ ط کے لیے تمیزِ حق کے لیے بصیرت۔ ق کے لیے عدمِ غفلت اور روح کے دو جزو باقی رہ گئے۔ علم کے دو حروف ہیں۔ ذ اور ف۔ چنانچہ ذ کے لیے معرفتِ لغات اور ف کے لیے حملِ علم۔ اور اجزاءِ علم میں سے پانچ جزو باقی رہ گئے۔

رسالت کے چار حروف ہیں۔ ب۔ ز۔ ل۔ و۔ چنانچہ ب کے لیے سکینہ۔ ز کے لیے ہر ایک سے سچائی۔ ل کے لیے علمِ کامل اور و کے لیے موت اور حیات۔ اس طرح رسالت کے تین جزو باقی رہ گئے۔

یہ اُن تیس حروف اس طرح اُن تیس اجزاء پر منقسم ہیں اور بیس جزو باقی رہ گئے۔ اب ہم ان باقی ماندہ بیس جزیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد اُن کی تقسیم کریں گے اور وہ یہ ہیں۔

کمالِ حسنِ باطنی، کمالِ خواصِ باطنی، قوتِ تساریہ، میلِ الیٰ الٰہی، عدمِ الہیاء از قولِ حق، سکونِ خیر و ذات، فتحِ خواصِ ظاہرہ، فتحِ خواصِ باطنیہ، مقامِ رفعت، بغضِ باطل، قوتِ تسریان، تکلیفِ وہابیت سے دروند نہ ہونا۔ عدمِ تعصیب، جناتِ کاسانہ کی جہت میں محصور نہ ہونا۔ انجامِ معرفت، جن دانش سے متعلق علوم کی معرفت، احوالِ کونین سے متعلق علوم کی معرفت، سکونِ روح و ذاتِ اہلِ جنت کی سعیِ زندگی بسر کرنا اور مشاہدہِ کاملہ۔

ان میں سے پہلا جزو آدمیت کا ہے اس کے بعد کے تین قبض کے اور پھر بعد کے چار لبط کے پھر ایک نبوت کا اس کے بعد کے دو روح کے اور پھر بعد کے پانچ علم کے اور آخری میں رسالت کے۔

اس کے بعد یاد رکھو کہ ان میں سے اٹھارہ حروف مدلولین پر منقسم ہوتے ہیں۔ حروف مدلولین یہ ہیں:

۱۔ و۔ ی۔ چنانچہ الف کے چھ، و کے چھ اور تی کے چھ۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے چھ حروف اس لیے ہوتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چھ مراتب تک لمبا کیا۔ چنانچہ آپ نے کبھی ایک الف کی مقدار لمبا کیا کبھی دو الف جتنا، کبھی تین الف جتنا اور کبھی چار، کبھی پانچ اور کبھی چھ الف جتنا لمبا کیا اور یہ اندازہ بھی تقریبی ہے تحقیقی نہیں ہے۔

(تو لف کتاب کہتا ہے) کہ شیخ المقرئین حافظ ابن الجوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب النشر میں اسی طرح ذکر کیا ہے کیونکہ انہوں نے مد کے مراتب پر بحث کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:

پہلا مرتبہ قصر ہے اور اس کی لمبائی کی مقدار ایک الف جتنی ہوتی ہے اور اس نے اس قرارت کو ابن کثیرؒ اور ابو جعفرؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔ دوسرا مرتبہ قصر سے ذرا بڑھ کر ہے اور اس کی مقدار دو الف جتنی ہوتی ہے اور بعض ڈیڑھ الف جتنی بتاتے ہیں اور اسے زیادتی کے بعد زیادتی یا تمکین بغیر اشباع کے یا زیادت متوسط کہتے ہیں اور بعض نے اس قرارت کو دوسری اور قالونؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔ تیسرا مرتبہ دوسرے مرتبے سے تھوڑا زیادہ ہے اور یہ متوسط لمبائی ہے اور اسے اندازاً تین الف تک کہا گیا ہے بعض ڈیڑھ الف اور بعض نے دو الف کہا ہے، جنہوں نے تیسرا درجہ دو الف بتایا ہے ان کے نزدیک دوسرا مرتبہ ڈیڑھ الف کا ہے اور اس قرارت کو الکسانیؒ کی طرف منسوب کیا ہے چونکہ مرتبہ تیسرے سے تھوڑا زیادہ ہے اور اندازاً اسے چار الف تک کہا گیا ہے بعض نے سارے تین الف بتایا ہے اور بعض نے تین الف اور اس قرارت کو عالمؒ اور ابن عامرؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔ پانچواں مرتبہ چوتھے سے تھوڑا اوپر ہے اور اس کا اندازہ

۱۔ شیخ شمس الدین ابوالخیر محمد بن محمد الجوزیؒ۔ ان کی کتاب النشر فی القراءات البعشر ہے اس کے بعد انہوں نے خود اس کا اختصار کیا اور اس کا نام "التقریب" رکھا (کشف ۲۱: ۱۲۹۱)

۲۔ دوریؒ: عباس بن محمد بن حاتم دوری مافظ حدیث تھے اور یحییٰ بن معین کے شاگرد تھے ان کی پیدائش ۱۵۸ھ میں ہوئی اور وفات ۲۱۸ھ میں ہوئی۔

۳۔ عیسیٰ بن مینا قالونؒ: انہوں نے نافع کی قرارت کی روایت کی ہے۔

پانچ الف تک کیا گیا ہے۔ بعض نے سارے چار الف تک کہا ہے اور بعض نے چار اور اس قرارت کو حمزہ اور وشرع کی طرف منسوب کیا ہے۔ چھٹا مرتبہ پانچویں سے زرا زیادہ ہے اور اسے تطبیط کہا جاتا ہے اور اندازاً اسے چھ الف تک بتایا جاتا ہے۔ ابو القاسم نے اس کا ذکر کیا ہے اور قاریوں کی ایک جماعت سے اسے روایت کیا ہے اور اس قرارت کو وشرع کی طرف منسوب کیا ہے اور پانچویں مرتبہ کو صرف حمزہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن ابن الجوزی نے اس میں سے اختلاف کیا ہے۔

اس کے بعد ابن الجوزی نے دو مرتبے بیان کئے ہیں۔ ایک قصر سے بھی پہلے کا جسے ستر کہتے ہیں اور اس سے مراد حرف مد کو حذف کر دینا اور کلام سے اسے منقطع کر دینا ہے پھر اس نے نقل کیا ہے کہ ابو عمرو الدانی نے ستر کے قائلوں کی تردید کی ہے لیکن اس کے بعد اس کی ایک عمدہ تاویل کی ہے اور یہ فیصلہ دیا ہے کہ قصر کے مرتبہ کا ہونا ضروری ہے اور حذف مد کا حذف کرنا درست نہیں اور دوسرے مرتبے کو پانچویں اور چھٹے مرتبے کے درمیان بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ زیادہ صحیح یہی ہے کہ اس مرتبے کو شمار نہ کیا جائے۔ لہذا ان کے کلام کا ماحصل بھی یہی ہوا۔ شیخ کے زمان کے مطابق ان کے نزدیک بھی مراتب چھ ہی ہیں۔ اس کے بعد ابن الجوزی نے شرح و بسط سے بیان کیا ہے کہ ان کا الفوں سے اندازہ لگانا کوئی تحقیق امر نہیں ہے۔

مؤلف کتاب کہتا ہے کہ اگر میں اس کی تفصیل اور دلیل دینے لگ جاؤں تو اصل غرض سے دور ہٹ جاؤں گا۔

اور اس مسئلہ کو کتب اصول سے مدد ملتی ہے چنانچہ ابن حاجب نے کہا ہے کہ مد وغیرہ متواتر نہیں ہے جو شخص متواتر اور اس کے شرائط کو جانتا ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ کیا یہ متواتر مراتب مد میں موجود ہے یا نہیں تو وہ اس مسئلہ کی گہرائی کو سمجھ جائے گا۔

۱۔ ابو القاسم: ابو القاسم سے یہاں مراد ابو محمد القاسم بن فیرہ الشافعی ہیں جنہوں نے قصیدہ شاعری لکھا تھا ان کا ذکر آگے آئے گا۔

۲۔ وشرع: انہوں نے نافع کی قرارت کی روایت کی ہے۔ یعنی نافع کے شاعر دتے۔

۳۔ ابن حاجب: ابو عمرو عثمان بن عمر المعروف بابن الحاجب مصر کے شہر اسنا میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عز الدین موسیٰ الصلاحی کے حاجب تھے اس لیے انہیں ابن الحاجب کہا گیا۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن سے کافیہ اور شافیہ زیادہ مشہور ہیں ۳۳۷ھ ۳۳۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

اب ہم اصل مقصد کی طرف لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو چھ جزو الف کے لیے ہیں، وہ یہ ہیں :
کمال صورت باطنی، سکون روح و ذات، سرایتِ حق و ذات، کمالِ حواس باطنہ بغضِ
باطل، سکون خیر و ذات۔

پھر الف ممدودہ کی دو قسمیں ہیں کبھی تو یہ ایک ایسے کلمہ میں ہوتی ہے جسے نفس متکلم کہتے ہیں
مثلاً اَنَا مَثَلًا کیونکہ الف ممدودہ ضمیر متکلم میں واقع ہوا ہے۔ دوسرے یہ کہ الف ممدودہ ایسے کلمہ
میں واقع ہو جس میں ضمیر متکلم نہ پائی جاتی ہو۔ مثلاً مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لٰہذا اگر یہ ضمیر متکلم میں
ہو تو پہلے مرتبہ یعنی قصر کے لیے کمالِ حسن باطنی ہوگی اور دوسرے مرتبہ کے لیے جو دو الفوں کے برابر ہے
تو کمالِ حسن باطنی کے علاوہ سکون روح بھی ہوگا اور تیسرے مرتبہ کے لیے پہلے اور دوسرے مرتبہ کے مقابلہ
میں سرایتِ حق کا اور اضافہ ہوگا اور چوتھے مرتبہ کے لیے پہلے تین مرتبوں کے اجزاء کے علاوہ کمالِ
حواس باطنی ہوگا۔ اسی طرح پانچویں مرتبہ میں بغضِ باطل کا اضافہ ہوگا اور چھٹے مرتبہ میں سکون خیر و ذات
کا اضافہ ہوگا۔ لٰہذا پہلے مرتبہ میں ایک جزو ہوگا۔ دوسرے میں دو تیسرے میں تین، چوتھے
میں چار، پانچویں میں پانچ اور چھٹے میں چھ جزو ہوں گے اور اگر الف ضمیر متکلم کے علاوہ کسی
اور حرف میں پایا جائے تو پہلے مرتبہ کے لیے کمال صورت باطنہ دوسرے کے لیے بغضِ باطل کا اضافہ ہوگا اور
علیٰ ہذا القیاس تیسرے میں سکون خیر و ذات کا، چوتھے میں توبتِ ساریہ کا، پانچویں میں کمالِ باطنی حسن
کا اور چھٹے میں سکون روح و ذات کا اضافہ ہوگا۔

پہلے مرتبہ میں کمالِ حسن باطنی اور دوسرے میں کمال صورت باطنی سے ابتدا کرنے کا راز یہ ہے کہ
جب الف ضمیر متکلم کا جزو ٹھہرا تو کمالِ حسن باطنی کی طرف اشارہ کرے گا اور آدمیت کمال کا
پھونکا ہے اور اسی پر کمال کی تربیت ہوتی ہے لٰہذا جب کلامِ نفس متکلم سے ہوگی تو اس کا پھونکا
بھی ذاتی آدمیت ہوگی اور جب کلامِ نفس متکلم کے سوا کسی اور میں ہو مثلاً سَمَاءٌ اور مَاءٌ تو
آدمیت غیر ذات متکلم ہوگی اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ صورت باطنی کے کمال کا مَرَجِع
خلقت باطنی کو خوبصورت بنانا ہے کیونکہ خلقت باطنی سے ہی خوبصورت آواز پیدا ہوتی ہے مثلاً
السَّمَاءُ اور السَّمَاءُ میں برخلاف کمالِ حسن باطنی کے کیونکہ اس کا تعلق قوائی نفس کو خوبصورت
بنانے سے ہے۔ واللہ اعلم۔

اب رہے وہ چھ مراتب جو اوکے میں تو دیے ہیں : علم شیار میل بحش، فتح حواس غلابہ
فتح حواس باطنہ، جسم کا تکلیف وہ اشیار کا احساس نہ کرنا اور توبتِ شرابیہ۔

اگر واؤ مددہ مشکلم کے سوا کہیں اور آجائے مثلاً لیسو واؤ جٹو ھکھ تو پہلے مرتبہ میں مقدار ایک واؤ تک ہوتی ہے اس کے لیے عدم حیار ہے۔ دوسرے مرتبے کے لیے جس کی مقدار دو واؤ کی ہوتی ہے، عدم حیار اور میل الی الی۔ تیسرے کے لیے عدم حیار، میل الی الی۔ چوتھے میں عدم حیار، میل الی الی۔ پنچویں مرتبے کے لیے عدم حیار، میل الی الی۔ چھٹے میں عدم حیار، میل الی الی۔ ساتویں مرتبے کے لیے عدم حیار، میل الی الی۔ اسی طرح تین واؤں میں دو واؤں شامل ہیں یہی حال الفوں اور یاؤں کا ہے۔

اور اگر واؤ ضمیر متکلم میں ہو مثلاً قَالُوا آمَنَّا تو پہلے مرتبے کے لیے فتح حواس باطنی، دوسرے کے لیے یہ اور فتح حواس ظاہری۔ تیسرے کے لیے یہ دونوں اور میل۔ چوتھے کے لیے یہ تینوں اور عدم حیار، پنچویں کے لیے یہ چاروں اور جسم کا دکھ دینے والی اشیا کا محسوس نہ کرنا اور چھٹے کے لیے یہ پنچویں اور قوتِ سرایت، چنانچہ یہاں بھی ہر مرتبے میں پہلے مرتبے پر ایک جُز کا اضافہ ہوگا اور اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ دو واؤں میں ایک واؤ شامل ہے۔ اسی طرح تین واؤں میں دو واؤں شامل ہیں یہی حال الفوں اور یاؤں کا ہے۔

آئی کے یہ چھ جُز ہیں: عدم تغییع، تمام ثجات کا سامنے کی جہت میں محصور ہونا، انجام کی معرفت انس و جن کے احوال کے متعلق علوم کی معرفت۔ احوالِ کونین کے متعلق علوم کی معرفت، اہل جنت کی سی زندگی۔

پھر اگر آئی ضمیر متکلم میں ہوگی مثلاً اِنِّیْ اُتِّیْتُ اِلَیْیَ تو پہلے مرتبے کے لیے احوالِ کونین کے متعلق امور کی معرفت۔ دوسرے کے لیے یہ اور عدم تغییع، تیسرے کے لیے یہ دونوں اور انجام کی معرفت، چوتھے کے لیے یہ تینوں اور انحصارِ جہات، پنچویں کے لیے یہ چاروں اور احوالِ ثقلین سے متعلق علوم کی معرفت اور چھٹے کے لیے یہ پنچویں کے لیے یہ اہل جنت کی سی زندگی۔

اور اگر آئی ضمیر متکلم کے سوا کہیں اور ہو مثلاً اِنِّیْ اَلْفَسِکْھ تو پہلے مرتبے کے لیے انحصارِ جہات دوسرے کے لیے یہ اور ثقلین کے متعلق علوم کی معرفت، تیسرے کے لیے یہ اور اہل جنت کی سی زندگی، چوتھے کے لیے یہ اور انجام کی معرفت، پنچویں کے لیے یہ تمام اور عدم تغییع اور چھٹے کے لیے یہ تمام اور احوالِ کونین کے متعلق علوم کی معرفت۔

یہ اٹھارہ اجزاء کی اور ان مراتب کی تشریح ہے جو ان سے مشتزع ہوتے ہیں۔

اب رہے باقی دو جزو جن سے جس مکمل ہوتے ہیں تو وہ مشاہدہ حق اور کمالِ رفعت ہیں اور ترائے
مجید کا رسم الخط انہی دونوں کے انوار اور عجیب و غریب اسرار کے مطابق آیا ہے چنانچہ وہ حروف جنہیں
لکھا تو جاتا ہے، پڑھا نہیں جاتا مثلاً - النکوة - الزکوة - التلبو - مشکوة - عیسیٰ - ملائکہ
بایسید میں یہ تمام کے تمام واؤ یا ی ان دونوں اسرار میں سے کسی نہ کسی سر کے لیے آئے ہیں لیکن
اگر کلمہ کا مدلول امر محسوس اور بظاہر دکھائی دیتا ہوگا۔ جیسے ہوسنی - عیسیٰ - ملائکہ - منوۃ -
مشکوۃ تو ان میں مشاہدہ کا راز پایا جائے گا، لیکن اگر ان کا مدلول غیر محسوس یا امر معنوی ہوگا،
مثلاً هُدًی مِّنْهُ سَادٌ نِّکْمٌ - بایسید تو ان میں مقامِ رفعت کا راز ہوگا۔

اس پر میں نے عرض کیا کہ اس طرح کا رسم الخط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے استعمال
کیا گیا یا صحابہ رضی اللہ عنہم نے خود ہی اختیار کر لیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
حکم سے ہوا تھا۔ آپ ہی نے صحابہ کو اس طرح لکھنے کا حکم دیا تھا چنانچہ جو کچھ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے سنا اس پر نہ اضافہ کیا اور نہ اس سے کم کیا۔

میں نے عرض کیا کہ علماء کی ایک جماعت نے رسم الخط کے معاملہ میں کھلی اجازت دے رکھی ہے اور
وہ کہتے ہیں کہ یہ تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی اصطلاح تھی اور اسی رسم الخط میں لکھتے رہے جس میں قریش جاہلیت
کے زمانے میں لکھتے تھے یہاں تک کہ فزار نے ربو کو واؤ سے لکھنے کے متعلق کہا ہے کہ قریش نے اسے واؤ سے
اس لیے لکھا کہ انہوں نے اہل حیرہ سے لکھنا سیکھا تھا اور اہل حیرہ ربو کو واؤ سے بولتے ہیں، لہذا انہوں نے
اسی طرح لکھ دیا جس طرح وہ اسے بولتے ہیں، لیکن قریش ربو کو الف سے بولتے ہیں لہذا ربو کو واؤ سے
لکھنا اپنی زبان کے مطابق نہ تھا بلکہ دوسروں کی بولی کے مطابق تھا اور اس میں انہی کی تقلید کی گئی تھی
یہاں تک کہ قاضی ابوبکر باقلانیؒ نے کتاب الانصاف میں کہا ہے کہ خطوط تو صرف علامات و نشانات ہیں
جو اشاروں، عقود اور رموز کے قائم مقام ہوتے ہیں، لہذا ہر نشان جو کسی کلمہ پر دلالت کرتا ہو اور اس
کی قراءت کا وجہ کے لیے مقید ہو اسے صحیح طور پر لکھنا چاہیے خواہ وہ کسی صورت میں ابوبکر باقلانیؒ

لے عقود سے یہاں مراد عقود انابل ہے عقود انابل عربوں میں حساب کا ایک طریقہ تھا جو انگلیوں اور ان کی
گروہوں کے اعتبار سے کیا جاتا جیسا کہ کسی زمانے میں ہندوستان میں بھی کیا جاتا تھا اور یو پارسی نیز زبانی بات
کئے انگلیوں کے ذریعہ سے ہی سوا کرتے تھے۔ چنانچہ تشہد میں جب شہادت کی انگلی کھڑی کی جاتی ہے تو اس کے
متعلق حدیث میں آتا ہے کہ تریپن کا عقد بنایا جائے یعنی انگلیوں کو اس طرح بند کر دیا جائے کہ عقد
انابل کے حساب سے تریپن کا عقد مراد لیا جاسکے۔ (املاظہ ہر مشکوۃ باب تشہد۔)

کا کلام اگرچہ لمبا ہے، انہی کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں:-

قرآن مجید میں لمن کے بارے میں ابوبکر با تلاقانی کی رائے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس قول پر کہ اِنَّ فِي الْمَعْصِیَةِ لَخُفَاةٌ سَتَقِیْمُهُ الْعَرَبُ بِاللِّسَانِ (قرآن میں لمن غلط اعراب پایا جاتا ہے جسے عرب لوگ اپنی زبانوں سے ٹھیک کر لیں گے) پر بحث کرتے ہوئے ابوبکر با تلاقانی کہتے ہیں۔

”کہ حضرت عثمان کے اس قول کی تائید کہ اِنَّ الْقُرْآنَ اَدٰی ذِیْهِ لَخُفَاةٌ سَتَقِیْمُهُ الْعَرَبُ بِاللِّسَانِ کی جائز تائید یہی ہو سکتی ہے کہ اس قول سے مراد وہ حذف یا اختصار یا کسی حرف کا اضافہ ہے جسے کاتب نے دوران کتابت میں کر دیا ہو اور یہ کہ اگر کاتب نے اسے خارج لفظ اور اس کی ظاہری صورت کے مطابق لکھا ہو تا تو زیادہ مناسب اور بہتر ہوتا۔ نیز ان لوگوں کے لیے جنہیں زبان سے بولنے کی عادت نہیں ان سے شبہ نہ پڑ سکتا اور سَتَقِیْمُهُ الْعَرَبُ بِاللِّسَانِ سے یہ مراد ہے کہ عرب لوگ کتابت کے ظاہری نقش کی پروا نہیں کرتے وہ تو اسے خارج لفظ اور اس کی صورت کے مطابق پڑھ جاتے ہیں چنانچہ وہ الْعَصَلُوتُ - اَلْكَوْتُ الْخَلِیْقَةُ کو واو سے کہتے ہیں حالانکہ وہ خمرج کے مطابق نہیں ہے اور اسی طرح اسْمٰعِیْل - اسْعٰق - اِبْرٰهَیْم - الرَّحْمٰن اور مَلِیْکَ اِیْہِ حَرْفِ یٰں جن میں خمرج کے خلاف الف حذف کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح قَالُوا - خَرَجُوا اور كَفَرُوا وغیرہ الفاظ میں الف زیادہ کر دیا گیا ہے حالانکہ اسے بولانہیں جاتا لہذا حضرت عثمان کی یہ رائے تھی کہ ان کلمات کو خمرج کے مطابق لکھنا بہتر اور زیادہ مناسب تھا چنانچہ اگر کوئی ان الفاظ کو کتابت کے مطابق پڑھے گا تو غلطی کرے گا مگر ساتھ ہی حضرت عثمان اور دیگر صحابہ کو معلوم تھا کہ عرب ان الفاظ کو اسی طرح نہیں پڑھتے جس طرح کہ انہیں لکھا گیا ہے اسی واسطے فسر دیا سَتَقِیْمُهُ الْعَرَبُ (عرب انہیں ٹھیک کر لیں گے) اس تائید کے درست ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جسے ابوسعیدؓ نے حجاج سے اس نے ہارون بن موسیٰؓ سے اس نے زبیر بن حریثؓ سے اس نے عکرمہؓ سے روایت کیا ہے کہ مکہ میں لکھا کہ جب قرآن مجید لکھے جا چکے اور انہیں حضرت عثمان کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے اس میں لمن (غلطی) دیکھ کر فرمایا اسے اسی طرح رہنے دے کیونکہ عرب انہیں ٹھیک کر لیں اور اگر کاتب تبیدہ ثقیف سے اور کھانے والا بنی ہذیل سے ہوتا تو یہ حروف قرآن میں نہ پاتے جاتے ان کی مراد اللہ بہتر جانتا ہے یہ صحیح ہے کہ ثقیف کے لوگ حروف تہجی کو خوب سمجھتے تھے اور الفاظ کو خارج کے مطابق کہنے پر بہت زور دیتے تھے اور انہیں دوسرے قبائل کے مقابلے میں

اس کا زیادہ علم تھا، لیکن قبیلہ ہندیل اپنے کلام میں ہمزہ کا استعمال کثرت کرتے ہیں اور ہمزہ کو واضح طور پر بولتے ہیں اور جب ہمزہ کو کھاتے والا واضح طور پر بولے گا تو کاتب بھی اُسے سنکر مخرج کے مطابق لکھ دے گا اس کے بعد قاری کو اختیار ہوگا خواہ وہ اسے لغت قریش کے مطابق تسلیم ہمزہ کر کے اسے گرا دے یا حذیل کی بول کے مطابق ہمزہ کو برقرار رکھے۔ اگر حضرت عثمانؓ کے اس قول کی یہی تاویل نہ ہوتی تو ثقیف اور ہذیل کا ذکر کرنا بے معنی ہوتا۔ لہذا ثابت ہوا کہ حضرت عثمانؓ کی لحن سے مراد یہی ہے کہ کاتب نے ظاہری الفاظ کا لحاظ نہیں رکھا۔ اب رہی یہ بات کہ آپ نے اسے نہ صرف یہ کہ خود تبدیل نہیں کیا بلکہ اوروں کو بھی تبدیل کرنے سے منع کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے دیکھا کہ یہ رسم الخط عام پھیل چکا ہے اور قرآن مجید کے نسخوں میں اس قدر کثرت سے لکھا جا چکا ہے کہ ان کا تلاش کرنا بڑا مشکل ہے۔ مزید برآں اس صورت میں انہیں ان تمام نسخوں کو باطل قرار دینا پڑتا جو آپ کو پیش کئے گئے تھے اور نئے نسخے لکھوانے پڑتے جس میں بڑی مشقت کا سامنا کرنا پڑتا اور جنہیں لکھنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا انہیں بھی مشکل پڑتی کیونکہ وہ ان الفاظ کو اسی صورت میں لکھنے کے عادی تھے یا کہ حضرت عثمانؓ اس بات سے ڈرے کہ اس طرح ان پر نکتہ چینی کرنے سے ان کے دلوں میں نفرت پیدا ہو جائے گی لہذا انہوں نے انہیں اسی طرح رہنے دیا کیونکہ انہیں علم تھا کہ عرب الفاظ کو کثرت کے مطابق کبھی نہیں بولتے۔

اگر اس جواب پر یہ اعتراض کیا جائے کہ تم نے تو یہ مان لیا ہے کہ قرآن مجید کے لکھنے میں غلط واقع ہوتی ہے اور اس میں وہ حروف داخل ہو گئے ہیں جن کا داخل ہونا صحیح نہ تھا بلکہ بہتر و اولیٰ کوئی اور تھا اور یہ بھی تم نے مان لیا ہے کہ تمام قوم نے اسے جائز قرار دیا ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ ان کا اجماع ایک غلط بات پر ہوا ہے۔

اس کے جواب میں میں یہ کہتا ہوں کہ ہمارے بیان پر آپ کا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدیہ کو قرآن اور اس کے الفاظ کی حفاظت کا حکم دیا ہے کہ وہ اس میں کسی قسم کی کمی یا بیشی نہ کریں اور نہ ہی الفاظ کو آگے پیچھے کریں اور قرآن مجید اسی طرح پڑھیں جس طرح کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر سنا یا ہے، لیکن کتابت کے متعلق اللہ کا کوئی حکم صادر نہیں ہوا کیونکہ قرآن مجید کے لکھنے والوں اور خطاط کے لیے کوئی ایک قسم کا رسم الخط مقرر نہیں کیا گیا جس سے یہ ظاہر ہو کہ اس قسم کا رسم الخط ضروری ہے اور دوسرے کا ترک واجب ہے کیونکہ اگر ایک معینی رسم الخط میں قرآن مجید کا لکھنا واجب ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور مروی ہوتا،

لیکن نہ تو نص قرآن اور نہ مفہوم قرآن میں کہیں اس کا ذکر ہے کہ قرآن مجید کو ایک مخصوص طرز میں لکھا جائے یا یہ ایک خاص حد میں لکھا جائے جس سے تجاوز کرنے کی اجازت نہ دی گئی ہو۔ نیز نص سنت میں بھی کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جس سے قرآن مجید کا ایک خاص رسم الخط میں لکھنا واجب قرار دیا جائے یا اس پر دلالت ہی کر کے اور نہ ہی اجماع میں کوئی بات پائی جاتی ہے جس سے اسے واجب قرار دے سکیں اور نہ تقیاسات شرعیہ میں اس کا کہیں پتہ چلتا ہے۔

بلکہ سنت میں تو قرآن مجید کا جس طرح بھی آسان ہو سکے، لکھنے کا پتہ چلتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے لکھنے کا حکم فرماتے ہیں، لیکن آپ نے اس کے لکھنے کا کوئی معین طریقہ بیان نہیں فرمایا اور نہ ہی کسی کو لکھنے سے منع فرمایا۔ یہی وجہ تھی کہ قرآن مجید کے رسم الخط میں اختلاف پیدا ہو گیا چنانچہ کوئی کاتب خراج لفظ کے مطابق لکھتا اور کوئی ایک حرف زائد یا کم کر دیتا، اس لیے کہ وہ جانتا تھا کہ یہ ایک اصطلاح ہے جس کا لوگوں کو علم ہے اسی وجہ سے خط کوئی اور خط اول میں قرآن مجید کا لکھنا جائز تھا اور یہ بھی جائز تھا کہ ل کو ک کی طرح اور الف کو ٹیٹھا لکھا جائے یا کسی اور طرز میں لکھا جائے اور کاتب کو اس کی بھی اجازت تھی کہ وہ قرآن مجید کو قدیم خط یا ہجاء میں لکھے یا جدید میں۔ اور ان دونوں طرزوں کے بین بین لکھنے کی بھی اجازت تھی۔ لہذا جب قرآن مجید کے خطوط اور اس کے اکثر حروف میں اختلاف ہے اور لوگوں نے ان کے لکھنے کو جائز قرار دیا ہے اور اس بات کی بھی اجازت دی ہے کہ ہر شخص اپنی عادت کے مطابق جس طرح اسے آسان یا بہتر معلوم ہو سکے، بغیر اس کے کہ کوئی اسے گناہ قرار دے یا اسے انکار کرے، تو اس سے معلوم ہو گیا کہ اس بارے میں جس طرح کہ قرآن کے پڑھنے میں حد مقرر کی گئی تھی لوگوں کے لیے کوئی مخصوص حد مقرر نہیں کی گئی تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ خطوط تو محض علامات و نقوش ہیں جو اشارات، عقود اور رموز کا کام دیتے ہیں لہذا ہر نقش جو کلمہ پر دلالت کرتا ہو اور اس طرز و قرار کے لیے مفید بھی ہو اسے درست سمجھنا چاہیے اور جس طرح بھی کاتب نے لکھا ہو اس پر صواب کرنا چاہیے۔ مختصر یہ کہ جس کا یہ دعویٰ ہو کہ ایک خاص رسم الخط میں قرآن مجید کا لکھنا واجب ہے اسے اپنے دعوے کی دلیل پیش کرنا چاہیے، مگر یہ ناممکن ہے یہ قاضی ابوبکر باقلانیؒ کے کلام کا حاصل ہے۔

حضرت شیخ عبدالعزیز دہانہ نے فرمایا کہ رسم قرآن میں صحابہ نے ایک بال بھر بھی تغیر و تبدل نہیں کیا۔ یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے توفیق تھا، آپ ہی نے انہیں ایک خاص طرز میں کہیں حروف کو زیادہ کر کے کہیں کم کر کے لکھنے کا حکم خاص اسرار کی وجہ سے دیا تھا جن تک عقل کی

رسائی نہیں ہو سکتی۔ جاہلیت میں نہ عرب اس رسم الخط کو جانتے تھے اور نہ دیگر امتیں اپنے مذاہب میں اس قسم کی بات کو جانتی تھیں اور نہ ہی ان کی عقل یہاں تک پہنچ سکتی تھی۔ یہ بھی ایک خداوندی راز ہے جو صرف قرآن مجید کے ساتھ مخصوص ہے چنانچہ یہ طرزِ کتابت نہ تورات میں پایا جاتا ہے نہ انجیل میں اور نہ کسی اور آسمانی کتاب میں جیسا کہ نظم قرآن معجزہ ہے اسی طرح رسم قرآن بھی معجزہ ہے عقل کیا جانے کہ حاشہ میں الف کیوں زائد ہے اور فثۃ میں کیوں نہیں یا یہ کہ اسے اس راز کا کیا پتہ کہ قرآن مجید کی اس آیت **الْأَشْمَاءُ بَسْمِئِهَا بِأَسْمَاءٍ** میں بآئید میں ی کیوں زائد لکھی گئی ہے یا یہ کہ **وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ** ط (ج ۲۷: ۵۱) میں سورہ حج میں **سَعَوْا** میں الف بڑھانے کا کیا راز ہے اور سب ارایت ۵ میں **وَالَّذِينَ سَعَوْا** یا **آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ** بَعْدَ **وَجَزَّ** اَلَيْهِمْ میں کیوں نہیں بڑھایا گیا۔ اسی طرح **فَعَقَرُوا النَّاقَةَ** دَعَتُوا مِّنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ میں الف بڑھانے کا کیا راز ہے اور **عَتَوْا عَتَوْا حَسْبُورًا** میں کیوں حذف کر دیا گیا اور **أَوْ يَعْفُوا** الَّذِي بَسْمِئِهَا عَقَدَهُ الْبَنَاجِہِ میں **يَعْفُوا** میں الف بڑھانے کا کیا راز ہے اور **فَأُولَٰئِكَ عَنِ اللَّهِ** عَنِ اللَّهِ اَنَّ يَعْفُو عَنْهُمْ میں حذف کرنے کا کیا اور **أَمْنُوا** - **خَفَرُوا** - **خَرَجُوا** - **بَاؤُ** - **جَاؤُ** - **تَبَوَّؤُ** میں کیوں گرا دیا گیا یا بچاری عقل کی رسائی اس راز تک کیسے ہو سکتی ہے کہ ایک جیسے کلمات میں کہیں الف حذف کر دیا گیا اور کہیں لکھا گیا ہے مثلاً سورہ یوسف اور الزخرف میں **قُرْآنًا** الف گرا کر لکھا ہے اور باقی تمام مقامات میں الف سے لکھا گیا ہے اسی طرح سورہ فصّلت میں سموات میں **وَأَوَّ** کے بعد الف لکھا گیا ہے اور باقی مقامات پر اسے حذف کر دیا گیا ہے اور لفظ ميعاد میں ہر جگہ الف قائم رکھا گیا ہے مگر سورہ انفال میں اسے حذف کیا گیا۔ سراجا میں ہر جگہ الف برقرار رکھا گیا، لیکن سورہ الفرقان میں حذف کر دیا گیا اسی طرح بعض جگہ تو لکھا گیا اور کہیں تو لکھا گیا جیسے **رَحْمَةً** - **نِعْمَةً** - **كُرَّةً** - **شَجَرَةً** کیونکہ ان میں تو کو بعض جگہ تو ت لکھا گیا اور بعض جگہ ت اسی طرح **الْحَيَاةُ** کو کہیں **تَمَوَّ** سے لکھا گیا مثلاً **اقْبِمُوا الصَّلَاةَ وَالْحَيَاةَ** الدُّنْيَا وَعَلَىٰ حَيَاتِهِ اور بعض جگہ الف سے لکھا گیا مثلاً **تَلَّا** اِنَّ صَلَاتِي وَنَسِيْلِي - **كُلُّ** تَدْعِيْمُهُ صَلَاتِهِ وَنَسِيْحُهُ وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَأَذْهَبْتُمْ طَيْبًا بِكُمْ فِي حَيَاتِكُمْ الدُّنْيَا وغیرہ اور یہ سب کسی نہ کسی خداوندی راز اور نبوی غرض کے لیے اسی طرح آتے ہیں لوگوں سے یہ راز اس لیے پوشیدہ ہیں کہ یہ تمام باطنی اسرار میں سے ہے جن کا ادراک فتح

بنی خدا کی طرف سے شرح صدر کے بغیر نہیں ہو سکتا چنانچہ ان کی حیثیت سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات کی سی ہے اور ان کے بڑے اسرار اور بہت سے معانی ہیں یہاں تک کہ جن سورتوں کی ابتدا میں یہ حروف آئے ہیں ان کے تمام معانی اور اسرار ان حروف میں پائے جاتے ہیں چنانچہ جو کچھ بھی معانی و اسرار سورہ میں ہیں وہ سب حروف میں پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح جو کچھ سورہ ق، سورہ ن، سورہ یس، سورہ طہ وغیرہ میں ہے وہ ان دوسو میں مشتمل ہے۔ اکثر لوگ ان کے اسرار کو نہیں سمجھ سکتے اور نہ ہی جن معانی کی طرف اشارہ کیا گیا انہیں دریافت کر سکتے ہیں حتیٰ کہ بعض نے خیال کر لیا کہ یہ سورتوں کے نام ہیں اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ ان کا شمار معلوم تعداد کی طرف ہے۔ ایک اور جماعت نے خیال کیا کہ یہ مکمل حروف ہیں جن کے کوئی معنی نہیں حالانکہ ان سب کو ان کے عجیب و غریب اور واضح معانی کی خبر ہی نہیں ہے یہی حال قرآن مجید کے ایک ایک حرف کی کتابت کا ہے۔

یہ کہنا کہ صحابہؓ نے اس طرز پر کہنے کی اصطلاح بنالی تھی تو اس سے کئی قبا حقیقی پیدا ہوں گی۔ اس لیے کہ قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور ان کے سامنے ایک طرز میں لکھا گیا لہذا صحابہ کا طرز تحریر یا تو وہی ہو گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بتلایا ہوا تھا یا کوئی اور تھا اگر وہی طرز تھا اسے صحابہ کی اصطلاح کہنا درست نہیں کیونکہ اصطلاح ایجاد و اختراع کی جاتی ہے اور اس کا تو قیاس ہونا اختراع کے معانی ہے اور اس کی اتباع کرنا ضروری ہے اگر اس کے باوجود بھی یہ کہا جائے کہ وہ اصطلاح کے پیچھے چلتے تھے تو اس کی مثال یہ ہو گی جیسے کوئی کسے کہ صحابہؓ نے پانچ نمازوں کی اصطلاح گھڑی ہے یا یہ کہ شلارکعات کی تعداد چار ہے اور اگر صحابہ کا طرز تحریر آنحضرت کے لکھائے ہوئے طرز سے مختلف تھا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت نے تو قرآن کو ایک طرز پر لکھوایا ہو اور صحابہ نے اس کی مخالفت کر کے کسی اور ہیئت پر لکھ لیا ہو اور یہ دو وجہ سے درست نہیں ہو سکتا اس میں صحابہ کی طرف جو اُمت کے لیے مشابہت ہیں آنحضرت کی مخالفت منسوب کی گئی ہے اور یہ ناممکن ہے۔

(۲) صحابہ وغیرہم تمام اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید میں ایک حرف کی بھی کمی یا بیشی کرنا جائز نہیں اور کتابت بھی چار وجودوں میں سے ایک وجود ہے اور ابتداء سے انتہا تک تمام کا تمام اللہ کا کلام ہے۔

لِذَا اِذْكَرْنِي صَلَّى اللّٰهُ عَلٰی وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایک ہیئت پر لکھا ہو مثلاً اَلرَّحْمٰنُ اور اَلْعَلَمِیْنَ میں الف لکھا ہو اور مائۃ، حَقْرُوداً، اَخْرَجُوْا میں الف زیادہ نہ کیا ہو اور نہ بَیْسُیْبِ اور اَنْبَیَیْنِ میں ی وغیرہ جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ نیز وہ مقامات جن میں زیادتی تو پائی جاتی ہے

لیکن ہم نے اوپر ذکر نہیں اور پھر بعد میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے برخلاف کیا ہوا اور آنحضرت کی بیست کتاب کی مخالفت کی ہو تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ صحابہ نے قرآن مجید میں کمی یا بیشی کر کے اس میں تصرف کیا ہے اور وہ ایسے فعل کے مرتکب ہوئے ہیں کہ جس کے عدم جواز پر سب کا اتفاق ہے اور تمام قرآن مجید میں اس طرح لازمی طور پر شک پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ جب ہم نے قرآن میں ان حروف کے اضافہ کی اجازت دے دی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ معلوم تھے اور نہ ہی اس قرآن میں پاتے جاتے تھے جو آپ کے پاس تھا اور وہ حروف نہ وحی میں سے تھے نہ اللہ کی طرف سے، تو اس سے تمام قرآن کے متعلق شک و شبہ پیدا ہو جاتا ہے اور اگر ہم ایک صحابی کے لیے اس بات کو جائز قرار دیتے ہیں کہ وہ قرآن مجید کی کتابت میں ایک ایسا حرف زائد کر دے جو وحی میں سے نہیں ہے تو پھر ایک دوسرے صحابی کو بھی اجازت دینی پڑے گی کیونکہ وحی میں کمی یا بیشی دونوں ایک سی باتیں ہیں (یعنی دونوں ناجائز ہیں) اور اس طرح تو اسلام کا تمام شیرازہ ہی بکھر جاتے گا، ہاں اگر صحابہ نے قرآن مجید کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لکھا ہوتا تو اسے ہم صحابہ کی اصطلاح کہہ سکتے تھے، لیکن جب حقیقت امر یہ نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ قرآن مجید کا رسم الخط توقیفی ہے اصطلاحی نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی خود قرآن مجید کو اس طرح لکھنے کا حکم دیا تھا۔

میں نے عرض کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو لکھنا نہیں جانتے تھے اور آپ کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذْ لَا تُدَارِبُ الْمُضْطَلُّونَ دسورہ عنکبوت: آیت ۴۸، اسے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نزول قرآن سے پہلے نہ تو آپ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ ہاتھ سے لکھ سکتے تھے (اگر ایسا ہوتا، تو اہل باطل کو قرآن مجید کے مُنزَلِ مِنَ اللہ ہونے پر شک ہو سکتا تھا۔

نزول وحی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصطلاحی معنوں میں معجزہ کے طور پر لکھنا پڑھنا جانتے تھے کتابت نہ جانتے تھے اور نہ ہی آپ

کچھ محدثین اس طرف گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمی ہونے کے بعد معجزہ کے طور پر لکھنا اور پڑھنا آگیا تھا چنانچہ ابوالوہاب نے اس پر ایک رسالہ لکھا ہے (خفاجی نسیم الریاض: ۱: ۱۰۱) نیز ملاحظہ فرمائیے: ۲ (۷۷۷) حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ الذہبی متوفی ۷۴۸ھ ابن سندہ کی سند سے عبد اللہ بن مسعود (رفیقہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نے لوگوں سے لکھنا یا پڑھنا سیکھا تھا لیکن فتح ربانی کے طور پر آپ لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ جانتے تھے۔ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ آپ کی اُمت کے اولیاء جنہیں اللہ تعالیٰ نے فتح (شرح صدر) عطا کی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کی تمام اُمتوں اور قوموں کے خطوط اور ان کے رسم الخط جانتے ہیں، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا علم نہ ہو۔

حضرت نے فرمایا جسے اللہ تعالیٰ نے فتح (شرح صدر) عطا فرمائی ہو اور وہ قرآن مجید کی تفسیروں کے حروف کی شکلیں دیکھے اور اس کے بعد لوح محفوظ میں لکھے ہوئے الفاظ کی شکل دیکھے تو اسے دونوں کے درمیان مشابہت دکھائی دے گی اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے گا کہ لوح محفوظ میں کُفَرُوا اَمْسُوا وغیرہ الفاظ میں جن کا ذکر ہو چکا ہے الف زائد موجود ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ان میں خاص راز پایا جاتا ہے جو لوگوں کی عقلوں سے بالا ہے۔

(مؤلف کتاب احمد بن مبارک کہتا ہے کہ) میں نے حضرت سے باوجود ان کے اُمتی ہونے کے کُفَرُوا جاثیۃ وغیرہ تمام الفاظ کے اسرار سے اور میں نے ان کا مقابلہ ان تحریروں سے کیا جو ائمہ رسم نے اپنی تصانیف میں کی ہیں تو حضرت کے فرمان کو صحیح پایا۔ شاید اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے مجھے توفیق دے کہ میں اس کے متعلق ایک مستقل کتاب تصنیف کروں تاکہ ہماری عقلیں ائمہ رسم کے اقوال پر ہی قانع نہ رہیں بلکہ ہم ائمہ رسم نے جو کچھ لکھا ہے اس میں بہت ہی تھوڑے الفاظ کی توجیہ بیان کی گئی ہے ہمیں رسم قرآن اور اسے صحابہ کی طرف منسوب کرنے میں کئی اشکال پیش آئے مگر حضرت نے تشریح کر کے ان اشکال کو دور کر دیا خدا آپ کو ہماری طرف سے بہترین جزا دے۔

اس کے باوجود کہ مجھے معلوم تھا کہ آپ جواب دینے سے قاصر نہیں ہیں اور باوجود اس کے کہ آپ کو قرآن مجید کا ایک حزب بھی یاد نہیں میں نے بطور امتحان کے آپ سے سوال کیا کہ بایں میں (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۳) اثر مل کر ہے مَا مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى تَرَاهُ وَكَتَبَ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات سے پہلے پڑھنا اور لکھنا آگیا تھا۔ پھر کہتے ہیں کہ یہ عبداللہ بن عقبہ وہی صحابی ہیں جن کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی (تذکرۃ الحفاظ: ۲: ۷۷) خفاجی کہتے ہیں کہ ابوذر، ابو الفتح نیساپوری اور ابو الولید باجی کی سہی رائے ہے چنانچہ انھوں نے اس بارے میں ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ ان سے پہلے ابن ابی شیبہ بھی یہی کہہ چکے ہیں۔ ابو محمد بن صوفی نے باجی کے رد میں کتاب لکھی ہے۔

کوئی کی زائد ہے پہلی یا دوسری۔ فرمایا دوسری۔ میں نے آپ کو شک میں ڈالا مگر آپ نے یقین سے فرمایا کہ دوسری کی زائد ہے ابو عبد اللہ الخزاز نے یہی لکھا ہے کہ بایں کی دوسری کی اسید اور الایس میں فرق کرنے کے لیے زائد لکھی گئی ہے۔

پھر میں نے ملاً شہ کے الف زائد کے متعلق سوال کیا کہ یہ کونسا ہے کیا وہ الف جو لام سے ملا ہوا ہے یا ہمزہ جو بصورتی مکتوب ہے۔ فرمایا الف زائد ہے اسی قسم کے اور سوالات میں نے کئے اور ان کے اسرار دریافت کئے۔ آپ نے صیح جواب دیے جس طرح کہ ایک ماہر مافیہ قرآن دیتا ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ یہ جواب نے فرمایا ہے کہ رسم قرآن توقیفی ہے اس پر مخالف کہہ سکتا ہے کہ مان یا کہ یہ رسم توقیفی ہے لیکن قرآن مجید کو تیسری رسم کے مطابق لکھا کیوں کرنا جائز ہوا تاکہ جہاں قیاس الف کو لکھنے کا مقتضی ہے وہاں الف لکھا جائے اور جہاں زائد کو حذف کرنا ہے وہاں انہیں حذف کیا جائے اور اس طرح کرنے میں حرج ہی کیا ہے؟

حضرت نے فرمایا اللہ کے کلام میں اسرار پائے جاتے ہیں اور ان اسرار میں کتابت کا بھی دخل ہے لہذا جو شخص مجید کو اسی توقیفی (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے) طرز پر لکھے گا وہی اسے ٹھیک صیح تمام اسرار کے ادا کرے گا مگر جو قیاسی طرز پر لکھے گا تو وہ اس کے اسرار کو کم کر دے گا اور جو کچھ دیکھتا ہے وہ خدا کے انارے ہوئے کلمات نہ ہوں گے۔ پھر آپ نے مثال دیکر سمجھایا کہ فرض کر لیا جائے کہ ایک شخص لفظ سَکَانَ کو جو انعام ناقصہ میں سے ہے الف کو اٹا کر واؤ کے ساتھ کون کی شکل میں لکھتا ہے اور اس میں اس نے کوئی راز رکھا ہو جس کی کسی کو خبر ہو اور کسی کو نہ ہو۔ اس کے بعد ایک ایسا شخص آتا ہے جسے اس راز کا علم نہیں ہے اور وہ کہتا ہے کہ کَانَ کو کَوْنَ لکھنے سے معنی کوئی فرق نہیں پڑتا اس لیے میں تو اسے الف کے ساتھ کَانَ ہی لکھوں گا کیونکہ معنی تو دونوں کے ایک ہی ہیں اور اصل کتابت بھی الف ہی کے ساتھ ہے، لیکن جو اس راز سے واقف ہو گا وہ کہے گا کہ تو نے اس کا راز ناقص کر دیا کیونکہ تو نے کوئی اور کَانَ لکھا ہے وہ کَانَ نہیں لکھا جو اصل لکھنے والے کو مقصود تھا کیونکہ اس نے تو واؤ کے ساتھ کَوْنَ کی شکل میں لکھا تھا اور واؤ کے اوپر الف لکھا تھا تاکہ یہ لفظ وجودی بجا دوںوں مفہوم ادا کرے، یوں سمجھو کہ کَوْنَ لکھنے میں اس نے کَانَ و کَوْنَ دونوں لفظ لکھ دیے ہیں جس کے معنی کَانَ زَیْدٌ و کَوْنُهُ اللہ عَزَّوَجَلَّ زَیْدٌ کا وجود تھا

ابو عبد اللہ الخزاز: ابو محمد الخزاز۔ رمی کے بڑے مشائخ میں سے تھے بڑے متقی اور پرہیزگار تھے

ان کی وفات ۳۱۵ھ سے ۳۲۵ھ سے پہلے ہوئی۔

اور یہ وجود اسے اللہ نے بخشا ہے اسی حال اس شخص کا ہے جو الصلوٰۃ، الزکوٰۃ اور الحیوۃ کو بغیر او کے الصلاۃ، الزکاۃ اور الحیوۃ کی شکل میں کہے کیونکہ اس طرح کہنے سے وہ شخص ان کے اسرار کو ناقص کر رہا ہے۔

قرآن کا رسم الخط میں نے عرض کیا کہ اگر یہ رسم الخط توقیفی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بطور وحی کے نازل ہوا ہے اور اس کی حیثیت الفاظ قرآن کی سی ہے تو پھر قرآن کی طرح اسے بھی بطریق تواتر منقول ہونا چاہیئے

توقیفی ہے

تھا تاکہ الفاظ قرآن کی طرح اس میں بھی کوئی شک و شبہ باقی نہ رہتا اور دلوں کو اطمینان ہو تاکہ یہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف بطریق تواتر منقول ہے اور اس میں کسی قسم کا اختلاف وغیرہ نہیں ہے برعکس اس کے رسم قرآن جیسا کہ اس موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں سے پتہ چلتا ہے خبر واحد کے ذریعہ سے منقول ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے نقل کرنے والوں میں کئی ایک جگہ اختلاف پیدا ہو گیا ہے ورنہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امت محمدیہ وحی الہی کا ذرا سا حصہ بھی ضائع کر دے؟

حضرت نے فرمایا کہ اُمت نے وحی کو بال برابر بھی ضائع نہیں کیا اور قرآن مجید اللہ بجاۃ الفاظ اور بجاۃ رسم الخط ہر طرح سے محفوظ ہے کیونکہ اہل عرفان نے جنہیں مشاہدہ حق حاصل ہے قرآن مجید کے الفاظ اور رسم الخط دونوں کو محفوظ رکھا اور اس میں بال برابر بھی فرق نہ آنے دیا۔ یہ بات انہیں معاینہ و مشاہدہ سے حاصل ہوئی ہے جو تواتر سے کہیں بڑھ چڑھ کر بے اور دونوں نے ان الفاظ کو محفوظ رکھا جو بطریق تواتر ان کے پاس پہنچے۔ رہا بعض الفاظ میں رسم الخط کا اختلاف تو اس سے کوئی غلطی پیدا نہیں ہوتا اور نہ اُمت کو ضائع کنندہ کہا جاسکتا ہے، بعینہ اسی طرح جس طرح عوام کی الفاظ قرآن سے جہالت اور ان کا یاد نہ ہونا وحی و قرآن کے لیے مضر نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ شیخ نے جو کچھ فرمایا ہے نہایت عمدہ اور معرفت کا کلام ہے آپ کے کلام میں سے بہت سے اسرار و انوار باقی رہ گئے ہیں جنہیں ہم نے طوالت کے خوف سے درج نہیں کیا۔

حدیث اِنَّ فِي الْقُرْآنِ لُحْنًا یہ حدیث حضرت عثمان سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا اِنَّ فِي الْقُرْآنِ لُحْنًا سَتُقِيمُهُ الْعَرَبُ بِالسُّبْتِهَا حدیث مرسل ہے اور مرسل ہونے کے علاوہ اس کے اسناد میں

اضطراب پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے بعض رجال اسناد کا پتہ نہیں چلتا اور قاضی ابوبکر باقلانی نے خود مذکورہ بالا کتاب میں اس کا رد کیا ہے اور اسی طرح اہل علم کی ایک جماعت نے بھی اس کا رد کیا

ہے ابو عمر الدانی رحمۃ اللہ نے المصنف میں جس کا موضوع قرآن مجید کا رسم الخط ہے چنانچہ وہ المصنف کے اخیر میں لکھتے ہیں اگر کوئی یہ سوال کرے کہ تمہارے پاس اس حدیث کا جواب جسے تم نے یحییٰ بن یعمر اور ابن عباس کے غلام مکرمہ کی سند سے حضرت عثمان سے روایت کیا کہ جب قرآن مجید لکھے جا چکے اور انہیں حضرت عثمان کے دربار میں پیش کیا گیا تو آپ نے ان میں غلط تحریر شدہ الفاظ پائے۔ اس پر حضرت عثمان نے فرمایا انہیں اسی طرح پہنے دو کیونکہ عرب انہیں ٹھیک کر لیں گے یا یہ فرمایا کہ عرب اپنی زبان کے ذریعے معلوم کر لیں گے۔ اس روایت کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسم خط میں غلطی رہ گئی تھی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت بھی ہمارے نزدیک قابل حجت نہیں اور اس سے استدلال کرنا بھی دو طرح سے درست نہیں ہے۔

۱۔ اس کے اسناد میں تخیط اور الفاظ میں اضطراب پائے جانے کے علاوہ یہ حدیث مُرسل ہے کیونکہ ابن یعمر اور مکرمہ دونوں نے نہ تو حضرت عثمان کو دیکھا اور نہ ان سے کوئی حدیث سنی لہذا حضرت عثمان سے روایت کیسی؟ (مزید برآں اس روایت کے الفاظ خود اس بات کی نفی کرتے ہیں کہ یہ الفاظ حضرت عثمان کی زبان سے نہیں نکلے ہوں گے کیونکہ اس میں حضرت عثمان پر لعن پایا جاتا ہے باوجود اس کے کہ ان کا دین اسلام میں بڑا مرتبہ ہے اور باوجود اس کے کہ وہ اُمت کی خیر خواہی میں سخت کوشاں رہتے اور امت کی اصلاح کے لیے بڑا اہتمام کرتے۔ لہذا یہ ناممکن ہے کہ وہ نیک اور پرہیزگار صحابہ کے

۲۔ ابو عمر الدانی: شیخ الاسلام حافظ ابو عمر عثمان بن سعید قرطبی۔ دانی کے نام سے اس لیے مشہور ہو گئے کہ انھوں نے دانیہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ۳۴۱ھ۔ ۹۸۱ھ میں پیدا ہوئے علم قرآن تفسیر وغیرہ کے اماموں میں سے تھے ان کا ایک سو بیس تصانیف میں ۳۴۴ھ۔ ۵۲۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

۳۔ یحییٰ بن یعمر: قاضی یحییٰ بن یعمر ابوسلیمان، مرو کے قاضی تھے۔ انھوں نے ابو ہریرہ ابن عباس وغیرہ سے روایت کی ہے کہا جاتا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن مجید پر نقطہ لگائے۔ عربی زبان کے فصیح و بلیغ فقہاء میں سے تھے وفات ۲۹۰ھ سے پہلے ہوئی۔

۴۔ ابن عباس: حضرت عبداللہ بن عباس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے ان کی پیدائش ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی انہیں خیرالامت کہا جاتا ہے بلا کا حافظ تھا۔ حضرت عثمان سے مشورہ دیا کرتے تھے۔ آخر عمر میں ان کی بینائی جاتی رہی تھی اکثر برس کی عمر میں ابن زبیر کے عہد میں ۳۶ھ۔ ۶۸ھ میں وفات پائی۔

۵۔ مکرمہ: یہ حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام تھے دراصل بربر میں سے تھے تابعی اور مکہ کے فقیہ تھے، اسی برس کی عمر میں ۳۱۰ھ۔ ۲۵۰ھ میں انھوں نے وفات پائی۔

ساتھ مل کر قرآن کو جمع کرنے کا کام تو اپنے ذمہ میں تاکہ اُمت میں بھی قرآن مجید کے بارے میں اختلاف نہ ہو اور پھر اس میں لمن اور اغلاط چھوڑ دیں تاکہ بعد میں آنے والے لوگ جو بلا شک و شبہ حضرت عثمان کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتے ان اغلاط کو درست کریں۔ اور یہ بات کہنا یا یہ اعتقاد رکھنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ اس کے بعد اس نے اپنی سند سے یحییٰ بن تیمر اور عکرمہ کا طریقہ نقل کیا ہے جو انہیں دیکھنا چاہیے اس کی کتاب میں دیکھ لے۔ نیز ملاحظہ ہو وہ بحث جو الانصار میں کی گئی ہے کیونکہ اس میں زیادہ بسط سے رد کیا گیا ہے۔

نیز ابوالقاسم الشاطبی نے العقیدہ میں کہا ہے:

وَمَنْ رَوَى سِتْقِيمَ الْعَرَبِ السُّنَنَ لَخْنَا بِهِ قَوْلَ عُثْمَانَ نَمَاشَهْرًا
(حضرت عثمان سے مستقیم العرب النسخہ کی روایت ایک غیر معروف روایت ہے) البحر ج ۱
نے اس شعر کی شرح میں حدیث نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ مصنف نے اس کا وہی جواب دیا ہے جو جواب القنع میں دیا گیا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اس کی شد مضطرب اور منقطع ہے میں کہتا ہوں کہ اس روایت کے تو الفاظ بھی مضطرب ہیں کیونکہ آپ کا کہنا اَحْسَنُكُمْ وَاجْمَلُكُمْ اَزَى نَبِيهِ بَشِيئًا مِنْ لَحْنِ الْوَرَقِ نے بہت اچھا کیا مجھے اس میں کچھ لمن دکھائی دیتی ہے (مدح ہے اور حضرت عثمان بے کام پر کیے ان کی تعریف کر سکتے ہیں) نیز یہ کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ صحابہ آپ کی طرف رجوع کریں اور اگر حضرت عثمان کی صحت کا دار و مدار صحابہ پر ہوتا اور ان کی صحت کا ان پر تو اس سے دور لازم آتا ہے جو محال ہے۔ نیز اگر مصنف سے مراد جنس مصنف ہے تو پھر سارا معاملہ بن بگڑ جاتا ہے

۱۔ ابوالقاسم شاطبی: صحیح نام ابو محمد قاسم بن زرقہ بن ابوالقاسم خلف بن احمد الشاطبی متوفی ۵۹۰ھ انہوں نے عمالدین کی کتاب القنع کو نظم کر دیا محتاج کا نام عقیدہ ارباب القصدانہ کی کسی المقاصد رکھا تھا پھر اس قصیدہ کی شرح جعبری نے کی۔ شاطبی نے علم قرأت میں ایک قصیدہ ایک ہزار ایک سو تتر شعروں میں لکھا تھا جس کا نام حرز الامانی و وجہ التہائی ہے۔ ابن خلکان (ج ۳: ۶۲۴) نے اس قصیدہ کی بہت تعریف کی ہے۔ شاطبی نابینا تھے۔ انہوں نے ایک اور دایہ قصیدہ لکھا جس میں ابن عبد البر کی کتاب التہذیب کو نظم کر دیا، ان کی ولادت ۵۳۵ھ میں ہوئی (مزید حالات کے لیے ملاحظہ ہو ابن خلکان ج ۳ ص ۶۲۴)

۲۔ الجعبری: بزرگ الدین ابراہیم بن عمر الجعبری متوفی ۵۳۵ھ ۱۳۲۶ھ جنہوں نے شاطبی کے عقیدہ کی شرح کی اور اس کا نام جمیلہ ارباب المواہد رکھا عقیدہ کی ایک اور شرح الوسیلہ الی کشف العقیدہ ہے جسے علم الدین علی بن محمد بن عبد الصمد السمری المتوفی ۶۳۳ھ ۱۲۳۵ھ نے لکھا۔

اور اگر مراد ایک خاص مصحف ہے تو اس میں بھی کوئی بھی لحن کا اختلاف دکھائی دیتا۔ لہذا معلوم ہو گیا کہ قرآن کے کسی ایک نسخے میں بھی کسی قسم کا لحن نہ تھا۔ کتابت اور نفاذت نے قریش میں نشوونما پائی، دیگر قبائل تو ان کی فرع شمار ہوتے ہیں۔ پس ہم فرع کو اصل کیسے قرار دے سکتے ہیں؟ لہذا دیگر قبائل کو اصل قرار دینا خلاف حقیقت ہے یہاں پر الجعفری رحمۃ اللہ کا قول ختم ہوتا ہے اور اگر یہ حدیث بھی درحقیقت مردود ہو تو پھر معاملہ آسان ہے۔

خدا ابوالحسن القاسمی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو جزائے خیر دے کیونکہ انھوں نے استاذ ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ پر اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے مشکل احادیث کا جواب دینے کا ذمہ لیا، حالانکہ یہ احادیث ہی باطل تھیں۔ قاسمی فرماتے ہیں کہ کسی حدیث کے اشکال کا جواب دینے کی ضرورت صرف اس وقت پڑتی ہے جب کہ حدیث صحیح ہو۔ باطل حدیث کے جواب میں اس کا باطل ہونا ہی کافی ہوتا ہے۔

قاسمی ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ کا یہ کہنا کہ نہ کتاب اللہ نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ اجماع نہ قیاس میں کوئی بات ایسی پائی جاتی ہے جس سے رسم قرآن کا اتباع واجب قرار دیا جاسکے تو اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔ کیونکہ انہوں نے رسم قرآن کو اصطلاح صحابہ سمجھ کر یہ بات کہی ہے لیکن ہم نے جب رسم قرآن کو توفیقی قرار دیا تو اس کا اتباع بھی واجب ہوا۔ اس کے اتباع کی قرآنی دلیل تو یہ آیت ہے وَمَا تَنصُرُوهُ فَتَنْصُرُوهُ وَتَنصُرُوهُ بِرَأْسِ قَدْرٍ (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کام کے کرنے کا حکم دیں اس پر عمل کرو۔) دیا جو کچھ بھی وہ دیں، اے لو! اور جس سے انھیں نصرت صلی اللہ علیہ وسلم روکیں، اس سے رُک جاؤ) جب کوئی دوسرا رسم الخط پورے طور پر شارع کے مفہوم کو ادا نہیں کر سکتا اس لیے ضروری ہو گیا کہ قرآن مجید کو اسی ہیئت میں لکھا جائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی اور اسی ہیئت کا اتباع واجب ہو گیا اور مذکورہ بالا آیت میں تَنْصُرُوهُ کا فعل امر اس مسئلہ میں وجوب کے لیے ہو گا کیونکہ توفیقی رسم الخط کی طرح کوئی اور رسم الخط پورے معنی ادا نہیں کرتا، سنت میں سے

ابوالحسن قاسمی: ابوالحسن علی بن محمد بن عقیق رحمۃ اللہ علیہ میں پیدا ہوئے، حدیث اور علم حدیث کے واقف و حافظ تھے، نابینا ہونے کے باوجود ان کی کتابیں نہایت صحیح ہوتی تھیں، ان کی ایک صحیح کتاب ہے، انہوں نے بہت سی تصانیف کیں مثلاً التعمید، المنقذ، المنصبہ وغیرہ، ان کی وفات سنہ ۱۲۰ھ میں ہوئی۔

استاذ ابوبکر بن فورک: امام ابوبکر محمد بن الحسن نیشاپوری شافعی متوفی سنہ ۳۲۰ھ میں ۱۰۵ھ میں تھے، انھوں نے قرآن مجید کے تفسیر حافظ سے لکھائی یہ پچھلے عرصے میں درس دیتے رہے پھر نیشاپور چلے گئے اور وہاں ایک مدرسہ قائم کیا انہیں زہر دیکر مار ڈالا گیا۔

اس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے اور آپ کا فرمان ہے جو صحابہ کے لیے امر کے معنی رکھتا ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو انہیں ایک خاص ہیئت میں کھنے کا حکم دیا تھا۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس طرز میں کھنے کا حکم نہیں دیا تو ہم کہیں گے
چلیے اگر آپ یہ نہیں مانتے کہ آنحضرت نے اس طرز میں کھنے کا حکم دیا تھا تو اس میں تو آپ کو کوئی اعتراض
نہیں ہونا چاہیے کہ آپ کے سامنے اس طرح کھایا اور آپ نے اسے برقرار رکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا کسی ایسی بات کو برقرار رکھنا جس کی جگہ کسی اور کو نہ رکھ سکیں۔ اس کے واجب ہونے کی دلیل ہے اور وہ
بات لازم ہوجاتی ہے۔ مزید برآں امام مالک اور احمد بن حنبل اور دیگر ائمہ اجتہاد کے صریح فرمان اسی بات
کی تائید کرتے ہیں کہ قرآن مجید کے رسم الخط میں تغیر جائز نہیں۔

حافظ ابو عمرو الدانی نے المتعین میں لکھا ہے حَدَّثَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ الْحُسَيْنِ
عبد العزیز بن علی حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنَا السُّدِّيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ
بن عبد الحکیم قَالَ قَالَ أَشْهَبُ سُئِلَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فَقِيلَ لَهُ أَرَأَيْتَ
مَنْ اسْتَكْتَبَ مُصْحَفًا الْيَوْمَ أَتَرَى أَنْ يَكْتُبَ عَلَى مَا أَحَدَّثَ النَّاسُ مِنَ الْهَجَاءِ
الْيَوْمَ فَقَالَ لَا أَرَى ذَلِكَ وَلَكِنْ يُكْتَبُ عَلَى الْكِتَابَةِ الْأُولَى إِمَامُ مَالِكٍ سَے پوچھا گیا کہ
قرآن مجید کی کتابت اگر جدید حروف تہجی کے مطابق کی جائے تو آپ کی رائے میں کیسا ہے فرمایا: میں اس کو جائز
نہیں سمجھتا، لیکن اسے قدیم طرز پر ہی لکھا جانا چاہیے۔ ابو عمرو فرماتے ہیں کہ علماء امت میں سے کسی کو بھی امام
مالک سے اس بارے میں اختلاف نہیں ہے۔ ابو عمرو نے ایک اور جگہ مذکورہ بالا سند سے روایت کی ہے کہ
امام مالک سے سوال کیا گیا کہ واؤ اور الف جو قرآن مجید میں لکھے ہیں زائد ہوتی ہیں، کیا ان کو تبدیل کر کے
واو یا الف کے بغیر لکھنا جائز ہے؟ فرمایا جائز نہیں ہے ابو عمرو کہتے ہیں کہ سائل سے مراد اس واؤ اور الف
زائدہ سے تھی جو کھنے میں کسی معنی کے لیے زائد لکھے جاتے ہیں مثلاً اُدْنَابُ، اُدُلُ اور اُدْنَابُ
وغیرہ میں واؤ اور لُٹُنْ نَدْعُوْا، تَلْعُوْا، دَلَا اُدْضَعُوْا، لَا اُدْبَحْنَهُ، مَائِةٌ،
مَائَتَيْنِ، لَا شَيْءٌ سُوَا، يَبْدُوْا، تَفْتَسُوْا، يَغْبَسُوْا وغیرہ میں الف اس طرح نبی المومنین
مَلَا شَيْءٌ وغیرہ میں ی۔

لے ابو عمروانی: ابو عمرو عثمان بن سعید الدانی متوفی ۲۴۳ھ انہوں نے قرآن مجید کے رسم الخط کے متعلق کتاب
لکھی جس کا نام المتعین فی رسم العصف ہے۔

الجعفری نے عقیدہ کی شرح میں لکھا ہے ابو عمرو نے امام مالک کا جو قول نقل کیا ہے وہی چاروں اماموں کا مذہب ہے۔ اس نے خصوصیت سے امام مالک کا قول اس لیے نقل کیا ہے کہ ابو عمرو خود مالکی ہے اور امام مالک اس کا امام ہے اور چاروں اماموں کی سند خلفاء اربعہ ہیں۔

یہ بحث تو بہت لمبی ہے اور اگر ہم اسے بالتفصیل بیان کرنا چاہیں تو اس کے لیے ایک یا دو جلدیں بھی کافی نہ ہوں گی اور اس تفصیل میں پڑنے سے ہم اپنی غرض اصل سے کہ حضرت کا کلام جمع کرنا ہے دُور نکل جاتیں گے۔

حرکات ثلثہ اور جزم کے انوار

حضرت نے فرمایا کہ انچاس انوار پر انتیس حروف ہمارے مقدمہ کے مراتب اور رسم الخط میں حروف زوائد کی تفریع کا بیان تو ہو چکا

اور یہ بھی بیان ہو چکا کہ ہر حرف کے لیے کون کون سے اجزاء ہیں۔ یہیں حرکات ثلثہ (زیر، زبر، پیش) اور جزم (سوان کے الگ الگ انوار ہیں) چنانچہ قبض اور جزم منہج قبض کے ہے۔ زبر منہج رسالت کے اور زیر منہج آدمیت کے۔ پس اگر کوئی حرف جو منہج قبض کے ہو، پیش یا جزم والا ہو تو اس میں قبض کے دو جزو ہوں گے اور اگر قبض کے حرف میں سے نہ ہو گا تو حرف کو تو اپنے ذریعہ کی طرف منسوب کیا جائے گا اور اس حرف کی پیش اور جزم قبض کی طرف منسوب ہوں گی۔ مثال کے طور پر ق، ش، ت، قبض کے حرف ہیں اور ان کی پیش یا جزم بھی قبض میں سے ہے اور ق، ب، ت، قبض کے حرف نہیں ہیں اور ان کی پیش اور جزم قبض میں سے ہے۔ اسی طرح اگر حرف رسالت زبر والا ہو گا

جائیں گے ایک جزو حرف کا اور ایک زیر کا۔ یہی حال حروف آدمیت کا ہے کہ اگر زیر والے ہوں گے تو ان میں آدمیت کے دو جزو پائے جائیں گے ایک جزو حرف کا اور دوسرا زیر کا، لیکن حروف نبوت، حروف نبط، حروف روح اور حروف علم کی حرکات کا ان حروف میں کوئی حصہ نہیں کیونکہ ان کی رفع (پیش) قبض کیلئے ہے نصب (زبر) رسالت کے لیے اور خفض (زیر) آدمیت کے لیے اور جزم قبض کے لیے یہاں سے

لہ بیان الدین ابراہیم بن عمر الجعفری ترجمہ ۱۳۵۵ھ انہوں نے عقیدۃ ائبراب القصائد فی انسی المقاصد کی جو ترقی مید کے رسم الخط کے متعلق ہے شرح کی عقیدہ میں ابو عمرو الدانی کی المتعین کو نمک کر دیا گیا ہے جبری کی شرح کا نام جمیلۃ ارباب العواصدا ہے ان کی تقریباً تمام تصانیف نظم میں ہیں اور وہ بھی زیادہ تر علم قرأت میں، چنانچہ ان کی ایک اور نظم فزعة الجود فی قراءة الائمة العشرة ہے (رکشت الفنون ص ۲۷۸) اور منہج الاماشۃ فی القراءات الثلاثة اس کے بعد خود ہی اس کی شرح کی اور اس کا نام خلاصۃ الابحاث فی شرح منہج القراءات الثلاثة رکھا۔

داخل ہوگی کہ قبض رسالت اور آدمیت باقی چاروں پر داخل ہوں گے۔

رفع کی سات قسمیں ہیں | رفع اپیش ہو قبض کے لیے ہے اس کی اجزا قبض کے لحاظ سے سات قسمیں ہیں۔ چنانچہ جو پیش ہڈی۔ بِلْمُتَّقِیْنَ۔

یَوْمَ مَنُّونَ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ نَعْبُدُ اور نَسْتَعِیْنُ میں ہے وہ اس جس کے لیے ہے جو خیر لذت حاصل کرتی ہے اور شر سے درموس کرتی ہے اور کَفَرُوْا، اَلْکَا فِرُوْنَ اور هُمْ اَلْکَا فِرُوْنَ اور هُمْ اَلْظَّالِمُوْنَ کی پیش نفرت از حد کے لیے ہے اَنْزَلَ وغیرہ کی رفع امتثال کے لیے اور اُوْلٰئِكَ جہاں بھی آئے اُس کی رفع میل بسوی جنس کے لیے خَوْجُوْا، اَخْرِجُوْهُ اور تَسْبِيْحُهُمْ کی پیش ت پر آتی ہے قوت انقباض کے لیے اور اَنْتَ لَعَلَّی خَلَقْتَ عَظِیْمُ اور اسی طرح کی اور حق کی باتیں جن میں کوئی نزاع نہیں ہے ان کی پیش انصاف کے لیے ہے اور تَخَالُفُ اللہ وغیرہ کی پیش حق گوئی سے شرم نہ کرنے کے لیے۔

جُزْم کے اقسام | جُزْم کی بھی سات قسمیں ہیں: اَلْحَمْدُ کا جُزْم حاسر ساریہ کے لیے ہے اَلْعَلَمِیْنُ کا جُزْم انصاف کے لیے اَلْاَرْحَمِیْنَ کا امتثال امر کے لیے، نَعْبُدُ کا انقباض کے لیے اور اِهْدِنَا کافرت از حد کے لیے اور غُفِرَ کما حق گوئی سے شرم نہ کرنے کے لیے اور رَتَبُہ وغیرہ کا جُزْم میل بسوی جنس کے لیے۔

زبر کے اقسام | زبر کی بھی اجزا رسالت کے اعتبار سے سات قسمیں ہیں چنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ میں ہمزہ کا زبر مشاہدہ کے لیے ہے اور ح کا زبر سکینت کے لیے اور اَلْعَلَمِیْنُ کے نون کا زبر حیات اہل جنت کے لیے اور مَالِکِ کَبِیْرِ الدِّیْنِ کا زبر اور یَسِیْمِ الدِّیْنِ کی ی کا زبر صدق کے لیے اَیَّالِکَ کے ل کا زبر اور ع کا زبر اور عَلَیْہِمْ کے ل کا زبر علم کامل کیلئے اور نَسْتَعِیْنُ ک ت کا الصَّوَاطِطِ کا ط کا زبر جسم میں روح کی برضا و رغبت رہائش کیلئے اور اُوْلٰئِكَ، نَعْبُدُ، مَبَادِئِکَ کے کاف کا زبر موت بمالت حیات کے لیے۔

زیر کے اقسام | زیر کی بھی آدمیت کے اجزا کے لحاظ سے سات قسمیں ہیں اللہ کی زیر اور ہر اس ل کی زیر جو پہلے یا بیچ میں آئے کمال جس باطنی کے لیے اور اللہ کی ہ کی زیر ذکریت کے لیے اور زب کی ب کی زیر عقل کامل کے لیے اور اَلْعَلَمِیْنِ کے میم کی زیر کمال حواس ظاہری کے لیے اور اَلْاَرْحَمِیْنَ کے ن کی زیر کمال صورت باطنی کے لیے فیلِک کے ک کی زیر کمال صورت ظاہری کے لیے اور اَلدِّیْنِ کے ن کی زیر مزاج حظ شیطان کے لیے۔

جب تو نے یہ سمجھ لیا اور تجھے معلوم ہو گیا کہ تمام حروف، حرکات اور مراتب مد میں سے کوئی بھی انوار سبعہ بالغینہ سے باہر نہیں ہیں تو تجھے حدیث کا مفہوم سمجھ میں آ جائے گا اور آنحضرت کے اس فرمان کے تحت اِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْوَثٍ رِیَہِ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے اے

لے چونکہ اس بحث میں قرارتوں کا ذکر ہے اس لیے یہاں قرارت کے متعلق ابن عدون کا بیان نقل کرتا ہوں:-

"قرآن اللہ کے وہ کتاب مقدس ہے جو نبی مکی اللہ علیہ وسلم پر اتاری اور اب وہ کتاب صورت میں مسلمانوں کے پاس موجود ہے۔ اس کی نقل تو اتارے ہوئے ہے مگر اس کے الفاظ کی ادائیگی اور حروف کی کیفیت کے لحاظ سے صحابہ کرام مختلف الروایت ہیں۔ روایات کے اختلاف سے مختلف قراءتیں بن گئیں۔ اب ان میں صرف سات قراءتیں بہت مشہور ہیں جن کی نقل تو اتار کی حد تک پہنچ گئی ہے اور ہر قراءت ایک خاص تاری کی طرف منسوب ہے۔ سات قراءتیں گویا قراءت کے یہ اصول مان گئی ہیں بعض نے ان پر چند اور قراءتوں کی بھی زیادتی کی ہے، لیکن اتارے قرار کے نزدیک ان کی قراءت سبع کی نقل کی طرح باوثوق نہیں۔"

"قراءتوں کے تو اتار اور عدم تو اتار میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بعض تو اتارے انکار کرتے ہیں کیونکہ قراءت کی کیفیت اداسے عبارت ہے اور وہ ناقابل ضبط ہے۔ البتہ قرآن متواتر ہے بعض تو اتار کے قائل ہیں اور کچھ کہتے ہیں کہ تو اتار بغیر اداسے ہے یعنی روایت قراءت تو ان کو تسلیم ہے لیکن ادائیگی مثلاً مد و تسیل کا تو اتار تسلیم نہیں۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ خالی منہ سے کیفیت اداسے واقفیت نہیں ہوتی، ہمارے نزدیک یہی قول صحیح ہے۔"

"جب تک علوم و فنون کتابی و تدوینی شکل میں نہیں آتے قراءت کی تعلیم بھی دیگر علوم کی طرح زبانی جاری رہی اور جب تمام علوم ضبط تحریر ہوئے تو علم قراءت کی تالیف و تصنیف بھی عمل میں آئی اور اس نے ایک مستقل فن کی شکل اختیار کر لی، پھر اس کی نقل ملک در ملک چلتی رہی۔ یہاں تک کہ مشرقی اندلس میں مجاہد مولائی عامر بن بادشاہ ہوا۔ یہ اس علم کی بہت زبردست معلومات رکھتا تھا کیونکہ اس کے آقا منصور بن ابی عامر نے بہت شوق و ذوق اور کوشش سے اس کو اس کی تعلیم دلائی تھی اور اس کے لیے جیدہ قاری جمع کر کے اس علم میں ماہر بنایا تھا۔ چنانچہ جب یہ دانیہ اور جزائر شرقیہ کا مجاہد امیر قرار پایا تھا تو اس کے اثر سے وہاں علم قراءت کا بہت فروغ ہوا۔ یوں تو مجاہد کو دیگر علوم سے بھی کافی دلچسپی تھی، لیکن علم قراءت کا توجہ خاص طور سے دلدادہ تھا۔ ابو عمرو الدانی اسی کے عہد میں قراءت کا ماہر بن کر چکا اور یکتائے روزگار ہوا اس نے اس علم میں کئی کتابیں لکھیں جو لوگوں کی مرکز توجہ بن گئیں۔ ان میں کتاب تیسرے خاص شہرت حاصل کی اور مرجع خلائق ہوئی۔ پھر اس کے چند روز بعد ابوالقاسم بن فیرہ شاملی اس میں چکا اس نے ابو عمر کی کتابوں (بقیہ صفحہ ۲۱)

معنی سمجھ میں آجاتی گے اور تجھے بدون شک و شبہ بات واضح طور پر معلوم ہو جائے گی کہ اگر قرآن کے دربار
جو نقلی اختلافات پائے جاتے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اور حدیث شریف سے جو لطیف
راز مقصود ہے، اس سے خارج نہیں ہے۔ اب ہم سورۃ فاتحہ کو لے کر اس کی تشریح کرتے ہیں تاکہ تم
خود اس کا مشاہدہ کر لو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں آدمیت کے تین جزو ہیں ایک میم میں ذکرِ ریت کے لیے ہے دوسرا کاذر کہ

(بقیہ مانشیہ سفر سابقہ)

کا غلام نظم میں کیا اور یوں کتنا چاہیے کہ سارے علم کو سمیٹ کر گویا سمندر کو زے میں بند کر دیا۔ قرآن بعد کے
نام و رب و حج و ذکر و شکل میں لکھے۔ لوگوں نے اسے بہت ہی پسند کیا اور ہر طالبِ قرارت کے ہاتھ
میں دہرے لگی، مغرب اور اندلس میں وہ داخلِ نصاب ہوئی اور لوگ اسی کو پڑھنے لگے۔

قرارت ہی کے ساتھ فنِ رسم الخط بھی شامل کر لیا گیا۔ اس میں قرآن کریم کے حروف کے رسم الخط سے بحث ہوئی
اور ان کی صحیح رسم الخط متعین کی گئی۔ چونکہ بعض حروف قرآن کے رسم الخط مروجہ رسم الخط سے بہت کچھ مختلف
پائے گئے اس لیے اس علم کی ضرورت پیش آئی مثلاً بایں میں "یا" کی زیادتی اور لا اذ بحضۃ

میں اللہ کا اضافہ اور جزا و الثلیلین میں "وا" کی کتابت کھٹکی غرض اس طرح بہت سے اختلافات
دیکھے گئے۔ لہذا رسم الخط کے اصول و قواعد ضبط ہوئے اور کتابتِ شکل میں ان کو یکساں ترتیب دیا گیا۔ لوگوں نے اس
میں بہت مسرت کی تھی کہیں اور مغرب میں ابو عمرو الدانی نے بھی اس پر قلم اٹھایا اور متفقہ ہی ایک کتاب لکھ

ڈال اور دیگر تصانیف بھی اس بارے میں اس کے قلم سے نکلیں۔ متفقہ نے بہت شہرت پلائی اور اس کی قبولیت
عام ہوئی پھر اس کتاب کے مطالعہ کو ابراہیم شامی نے ایک تصدیق کی شکل میں نظم کیا جس کو لوگوں نے بہت
ذوق و شوق سے یاد کیا۔ اس کے بعد چند دیگر کلمات و حروف کی رسم الخط میں پھر اختلاف پڑا اور ابو داؤد

سیمان بن نجاح نے اپنی کتاب میں اس کی وضاحت کی، ابو داؤد و ابی داؤد و ابی داؤد و ابی داؤد و ابی داؤد و ابی داؤد
کا شاگرد و رشید بھی تھا مشہور ہے کہ یہی صحیح معنوں میں اپنے استاد کے علوم کا حامل اور اس کی کتابوں کا باری

تھا۔ اختلاف کا دروازہ اب بھی بند ہوا اور چند اور اختلافات رونما ہوئے تو مغرب میں علماء متاخرین نے
خزانہ ایک نظم لکھی اور متفقہ کے بیان کردہ اختلافات میں چند اور اختلافات کی زیادتی کی، مغرب میں اس نظم کو
اس قدر شہرت نصیب ہوئی کہ اس کے مقابلے میں ابو داؤد و ابی عمرو اور شامی کی تصانیف کو پس پشت آئی
دیگیا اور لوگوں نے اس کو اپنے حافظہ میں بکھری۔ (اور دو ترجمہ مسند ابن عبدون از مرقا حسن خان

وہ بھی ذکریت کے لیے ہے تیسرے آل کا زیر کو کمال حسن باطنی کے لیے ہے اور اس کی ح میں نبوت کا جزو ہے کہ وہ رحمت کے لیے ہے اور ایک جزو روح کا ہے۔ د میں جو طہارت کے لیے اور اس کے حروف اور حرکات میں قبض کے پانچ جزو ہیں چنانچہ امتثال کے لیے، آل اور تم کا جزم اور د کا پیش تینوں حائزہ ساریہ کے لیے ہیں سورۃ فاتحہ میں ہر پیش حائزہ ساریہ کے لیے دہ ضد سے نفرت کے لیے۔ اس میں رسالت کے چھ جزو ہیں آل کا زیر مشاہدہ کے لیے۔ ل علم کمال کے لیے، ل کا شد اور زیر مشاہدہ کے لیے۔ سورۃ فاتحہ میں جہاں بھی شد زیر کے ساتھ آئے وہ مشاہدہ کے لیے ہے لہذا یہ واضح ہو گیا کہ اس میں آدمیت کے تین جزو ہیں ایک جزو نبوت کا ایک جزو روح کا پانچ جزو قبض کے اور چھ جزو رسالت کے ہیں۔ چنانچہ ا میں حرف کے لحاظ سے قبض ہے اور حرکت کے اعتبار سے رسالت، ل میں اس کے برعکس ہے کہ حرف کی جہت سے نور رسالت ہے اور جزم کے لحاظ سے قبض اور ح میں حرف کے اعتبار سے نبوت اور حرکت کے اعتبار سے رسالت اور م میں حرف کے لحاظ سے آدمیت اور جزم کے لحاظ سے قبض۔ د میں حرف کے اعتبار سے روح اور حرکت کے اعتبار سے قبض۔ پے لام میں بروئے حرف رسالت اور بروئے حرکت آدمیت دوسرے تشدید والے ل میں حرف اور حرکت دونوں اعتبار سے رسالت ہے اور ہ میں حرف کے اعتبار سے قبض اور حرکت کے اعتبار سے آدمیت۔

دب انعامین اس میں آدمیت کے چار اجزاء ہیں۔ ب کا زیر عقل کمال کے لیے۔ ع کے بعد کا الف کمال حسن ظاہری کے لیے۔ م ذکریت کے لیے اور اس کی زیر کمال حواس ظاہری کے لیے۔ اس میں قبض کے دو جزو ہیں۔ ہمزہ وصل امتثال کے لیے اور آل کے ل کا جزم انصاف کے لیے۔ بسط کے بھی دو جزو ہیں۔ ر حسن تبادو کے لیے اور ن فرح کمال کے لیے اور اس میں نبوت کا ایک جزو ہے کیونکہ ع عفو کے لیے ہے۔

اس میں رسالت کے آٹھ اجزاء ہیں۔ ر کا زیر سکینت کے لیے اور ب بھی سکینت کے لیے ہمزہ کا زیر مشاہدہ کے لیے۔ ل علم کمال کے لیے۔ ع کا زیر سکینت کے لیے۔ ل علم کمال کے لیے ل کا زیر مشاہدہ کے لیے اور ن کا زیر اہل جنت کی سعی زندگی کے لیے اور یہ سب اجزاء رسالت ہیں۔ اس میں علم کا ایک ہی جزو ہے اور وہ م کے بعد کا ی ہے جو جہات کو سامنے کی جہت میں محصور کرنے کے لیے ہے۔

لہذا اس میں حرف کے لحاظ سے میں بسط ہے اور حرکت کے لحاظ سے رسالت۔ ل ساکن میں حرف کے لحاظ سے رسالت اور جزم کے اعتبار سے قبض۔ ع میں حرف کی نبوت اور حرکت کی رسالت الف

میں اُومیت اور ل میں حرف اور حرکت دونوں اعتبار سے رسالت اور مسم میں بھی حرف اور حرکت دونوں لحاظ سے اُومیت ہے۔ ی میں علم۔ ن میں حرف کے لیے بسط اور حرکت کی رسالت۔

اَلْاَشْهُمِ السَّرْجِیْمِ۔ اس میں اُومیت کے پانچ جزو ہیں۔ م ذکریت کے لیے۔ ن کا زیر کمال صورتِ باطنی کے لیے۔ ح کا زیر کمال جسٹ ظاہری کے لیے۔ چکر ذکریت کے لیے اور اس کا زیر کمال عقل کے لیے۔

اس میں قبض کے بھی پانچ جزو ہیں۔ ا امتثال کے لیے۔ ل کا جزم حائرہ ساریہ کے لیے۔ ح کا جزم امتثال کے لیے اور ا بھی امتثال کے لیے اور ل کا جزم حائرہ ساریہ کے لیے۔

اس میں بسط کے تین جزو ہیں۔ ر حسن تجاویز کے لیے۔ ن فرج کمال کے لیے اور دوسرا ر بھی حسن تجاویز کے لیے۔ اس میں نبوت کے دو جزو ہیں۔ پہلا ح اور دوسرا ح دونوں رحمتِ کاملہ کے لیے۔

اس میں رسالت کے سات جزو ہیں۔ آ کا زیر مشاہدے کے لیے۔ ل علم کمال کے لیے۔ ر مشد کا زیر مشاہدے کے لیے اور م کا زیر حق گوئی کے لیے آ کا زیر مشاہدے کے لیے۔ ل علم کمال کے لیے اور ر مشد کا زیر مشاہدے کے لیے۔ اگر مابعد میں مدغم ہونے کی وجہ سے دونوں لام ساقط کر دیے جائیں تو پھر پانچ رہ جاتے ہیں اس طرح رسالت اور قبض میں سے دو جزو ساقط ہوں گے۔

اس میں علم کا ایک ہی جزو ہے اور وہ ی مدود ہے جو سنانے کی جہت میں جہات کے مصور ہونے کے لیے ہے۔ م کے بعد کال الف کمالی حواس ظاہری کے لیے ہے، اس طرح ایک جزو کا اُومیت کے اجزاء میں اضافہ ہو جاتے گا۔

مَلِیْثَ یَسُوْمِ السَّیْنِ۔ اس میں سات اُومیت کے اجزاء۔ م ذکریت کے لیے۔ ل کا زیر کمال جسٹ باطنی کے لیے ک کا زیر کمال صورتِ باطنی کے لیے۔ ن کا زیر نزعِ حظِ شیطان کے لیے۔ یہ اس صورت میں ہے جب مقصود پڑھا جائے، لیکن اگر مدود پڑھا جائے اور م کے بعد الف پڑھا یا جائے یعنی مَلِیْثَ پڑھا جائے تو اُومیت کے آٹھ اجزاء ہو جائیں گے کیونکہ الف مدودہ ہے ایک الف کے برابر لبا کیا جائے کمال حواس باطنی کے لیے ہے جب یہ ضمیر متکلم میں نہ ہو۔

اس میں قبض کا ایک جزو ہے اور وہ واڈ کا جزم ہے جو حائرہ ساریہ کے لیے ہے اور ل جو السَّیْنِ کی وال میں مدغم ہو چکا ہے اس کے جزم کا اعتبار نہ کیا جائے۔

اس میں بسط کا بھی ایک ہی جزو ہے اور وہ ن ہے جو فرج کمال کے لیے ہے۔

اس میں نبوت کے دو جزو ہیں کیونکہ معرفتِ الہی کے لیے اور ی خوفِ تام کے لیے۔

اس میں روح کا ایک جزو ہے اور وہ دہے جو طہارت کے لیے ہے۔

اس میں رسالت کے تین جزو ہیں۔ ۱۔ علم کامل کے لیے ال کا ہمزہ اور ل دونوں ساقط ہیں میم کا زیر صدق کے لیے۔ اسی طرح ی کا زیر بھی صدق کے لیے۔

اس میں علم کے دو جزو ہیں۔ ۱۔ وَاوَمُوتِ در حیات کے لیے۔ اور ی انحصار جہات در امام کے لیے اَيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اَيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ اس میں اُو مِیت کے چھ جزو ہیں۔ ہمزہ کا زیر جو کمال عقل کے لیے ہے الف ممدودہ کمال حواس ظاہرہ کے لیے اور اُو لَیْکَ کے ہمزہ کا کسرہ اور الف ممدودہ اور ت کمال حواس ظاہرہ کے لیے۔ ع کا زیر کمال حس باطنی کے لیے۔

قبض کے چھ اجزاء ہیں۔ ۱۔ ابتدائی ہمزہ امثال کے لیے۔ ع کا جزم انقباض کی قوت کا لہ کے لیے ب کا پیش مائے ساریہ کے لیے۔ اسی طرح و کا پیش مائے ساریہ کے لیے۔ س کا جزم امثال کے لیے آخری ن کا پیش مائے ساریہ کے لیے۔

اس میں بسط کے چار اجزاء ہیں۔ تینوں ن فرج کامل کے لیے۔ س انکساری کے لیے۔

اس میں نبرت کے چھ اجزاء ہیں۔ ی خوف تام کے لیے۔ ک معرفت الہی کے لیے۔ ع عفو کے لیے اسی طرح و اَيَّاكَ نَسْتَعِينُ کی ی۔ ک اور ع خوف تام، معرفت الہی اور عفو کے لیے ہیں۔

اس میں روح کا صرف ایک جزو ہے اور وہ دہے جو طہارت کے لیے ہے۔

اس میں رسالت کے دس جزو ہیں۔ ی کا زیر ہر ایک سے حق گوئی کے لیے ک کا زیر علم کامل کیلئے ن کا فتح حیات اہل جنت کے لیے۔ ی سکینت کے لیے۔ وَاوَمُوتِ در حیات کے لیے۔ وَاو کا زیر مشاہدے کے لیے۔ اسی طرح ی کا زیر حق گوئی کے لیے۔ ک کا زیر علم کامل کے لیے اور ن کا زیر درجیات اہل جنت کے لیے ی کا زیر برضا و رغبت سکون روح و ذات کے لیے۔

اس میں علم کا ایک جزو ہے اور وہ ی ممدودہ ہے اور یہاں یہ کو نین کے حالات کی معرفت کے لیے ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔ اس میں اُو مِیت کے نو اجزاء ہیں۔ ۱۔ کا زیر کمال عقل کے لیے و کا زیر کمال صورت باطنی کے لیے س کمال عقل کے لیے اور ت کا زیر کمال حس باطنی کے لیے اور الف ممدودہ بھی کمال حس باطنی کے لیے۔ م ذکر بریت کے لیے۔

اس میں قبض کے آٹھ اجزاء ہیں۔ ۱۔ امثال کے لیے۔ ہ نفرت از خدا کے لیے۔ ہ کا زیر بھی نفرت از خدا کے لیے۔ الصراط کا ہمزہ وصل امثال کے لیے۔ اسی طرح الْمُسْتَقِيمَ کا ہمزہ وصل بھی

امثال کے لیے ہے ل کا جزم حاسہ ساریہ کے لیے۔ م کا پیش بھی حاسہ ساریہ کے لیے۔ س کا جزم انصاف کے لیے۔

اس میں بسط کے تین جزو ہیں۔ ن طرح کمال کے لیے۔ ر حسن تجاوز کے لیے اور س انکساری کے لیے یہ اس صورت میں جب الصراط کو م سے پڑھا جائے لیکن اگر س سے پڑھا جائے جو قبل ہے اور اس کے موافقین کی قرارت ہے تو اس صورت میں اس میں بسط کے چار جزو ہوں گے کیونکہ الصراط کی س کے اضافے سے چار جزو بن جائیں گے۔
اس میں نبوت کا کوئی جزو نہیں ہے۔

اس میں روح کے تین جزو پائے جاتے ہیں۔ د طہارت کے لیے۔ ط تمیز کے لیے اور ک بصیرت کا کے لیے۔

اس میں رسالت کے آٹھ جزو ہیں۔ د طہارت کے لیے۔ ط تمیز کے لیے ہے۔ الصراط کے ہمزہ کا زیر مشابہ کے لیے۔ ز کا زیر سکینت کے لیے اور ط کا زیر روح کا برضا و رغبت جسم میں قیام کے لیے ہمزہ مشابہ کے لیے اور ل علم کمال کے لیے ت کا زیر سکینت کے لیے م کا زیر بھی سکینت کے لیے ہے۔

اس میں علم کا ایک ہی جزو ہے اور وہ قی ممدودہ ہے جو یہاں جہات کا سامنے کی جہت میں مصور ہونے کے لیے ہے۔

صراط الدین انعمت علیہ اس میں اوستیت کے آٹھ جزو ہیں۔ س کمال عقل کے لیے۔ س کا زیر کمال حسن باطنی کے لیے۔ الف ممدودہ کمال حسن ظاہری کے لیے۔ ذ کا زیر کمال حسن باطنی کے لیے۔ ت م ذکریت کے لیے۔ ت کمال حواس ظاہری کے لیے۔ ت کا زیر بھی کمال حواس ہرہ کے لیے ہے۔ م ذکریت کے لیے۔

اس میں قبض کے سات اجزاء ہیں۔ انعمت کا ہمزہ امثال کے لیے۔ ن کا حاسہ ساریہ کے لیے م کا جزم انصاف کے لیے۔ ی کا جزم بھی انصاف کے لیے۔ ہ نفرت از حد کے لیے۔ حمزہ اور ا کے موافقین کی قرارت کے مطابق ہ کا پیش بھی میل بجنس کے لیے۔ م کا جزم بھی میل بجنس کے لیے اسی طرح ابن کثیر اور اس کے موافقین کی قرارت کے مطابق م کا پیش بھی میل بجنس کے لیے۔

تقبل : اصل نام محمد بن عبدالرحمن بن محمد خالد بن سعید بن جرجہ اسلمی الخرمی چھانوے سال کی عمر میں ۱۸۰ھ میں وفات پائی۔ یہ ابو سعید عبداللہ بن کثیر کے راوی تھے۔

اس میں بسط کے چار اجزاء ہیں۔ قبل اور اس کے موافقین کی قرارت کے مطابق مصراط کا تس لیکن
 ص کوڑ سے اشٹام کر کے پڑھنے کی قرارت کی صورت میں حمزہ نے المصراط کے لفظ میں اسے اسی طرح
 پڑھا ہے اور خلف نے بھی مصراط۔ صراطی اور صراطیٹ میں اسی طرح ص کوڑ سے اشٹام
 کر کے پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس لفظ میں آدمیت کا جزو ہو گا کیونکہ اس میں ص کا ایک جزو
 ہے اور وہ آدمیت کے حروف میں سے ہے اور ایک جزو رسالت کا ہو گا کیونکہ اس میں رک کا ایک
 جزو ہے جو حروف رسالت میں سے ہے۔ مختصر یہ کہ اشٹام کے گئے حروف میں کچھ حصہ آدمیت کا
 ہے اور کچھ رسالت کا۔ بسط کا دوسرا جزو تر ہے۔ جو حسن تبارک کے لیے تیسرا جزو پہلان ہے اور
 چوتھا جزو ثانی جو فرج کامل کے لیے ہے۔

اس میں نبوت کے تین جزو ہیں۔ پہلے ع اور دوسری ع عفو کے لیے ہی ساکن الٹہ سے
 خوف تام کے لیے۔

اس میں رسالت کے بارہ جزو ہیں۔ رک کا زیر سکینت کے لیے۔ ط کا زیر برضا و رغبت روح
 کا جسم میں قیام کے لیے۔ ہمزہ وصل کا زیر مشاہدے کے لیے۔ ل علم کامل کے لیے۔ ل کا زیر مشاہدے کے
 لیے۔ ن کا زیر حیات اجل جنت کے لیے۔ ہمزہ کا زیر مشاہدے کے لیے۔ ع کا زیر سکینت کے لیے۔
 ت کا زیر علم کامل کے لیے اسی طرح عَلَیْہِ کے ع اور ل کا زیر نیز حرف ل سب علم کامل کے لیے ہے۔
 اس میں علم کے دو جزو ہیں۔ معرفت لغات کے لیے۔ ی مدودہ انحصار جہات در امام کے لیے۔
 اس میں روح کا ایک جزو ہے اور وہ ط ہے جو تمیز کے لیے ہے۔

غیر الْمُعْضُوب عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ۔ اس میں ع کمال صورت ظاہرہ کے لیے جو
 آدمیت کا جزو ہے اور ع کا زیر سکینت کے لیے ہے جو اجزاء رسالت میں ہے۔ ی ساکن الٹہ سے
 خوف تام کے لیے جو اجزاء نبوت میں سے ہے۔ ی کا جزم حق گوئی سے نہ شرمانے کے لیے جو قبضہ کے
 اجزاء میں سے ہے۔ ر حسن تبارک کے لیے ہے جو بسط کا جزو ہے۔ رک کا زیر کمال صورت باطن کے لیے
 جو آدمیت کا جزو ہے ہمزہ وصل امتثال کے ہے جو قبضہ کا جزو ہے۔ ہمزہ کا زیر مشاہدے کے لیے ہے
 جو رسالت کا جزو ہے۔ آل ساکن علم کامل کے لیے جو رسالت کا جزو ہے۔ ل کا جزم حاتمہ ناریہ کیلئے

لے خلف: خلف بن ہشام بن ثعلب ابیراد اصل الطح کے رہنے والے تھے مگر بغداد میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اسی لیے
 بغدادی شمار کئے گئے۔ شریک، ابوہریرہ اور حماد بن زید سے حدیث سنی اور مسلم سے قرارت لیکن حمزہ کی محبت میں بھی
 رہے مگر بہت سی قرارتوں میں حمزہ سے اختلاف کیا۔ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰ ۱۰۰۱ ۱۰۰۲ ۱۰۰۳ ۱۰۰۴ ۱۰۰۵ ۱۰۰۶ ۱۰۰۷ ۱۰۰۸ ۱۰۰۹ ۱۰۱۰ ۱۰۱۱ ۱۰۱۲ ۱۰۱۳ ۱۰۱۴ ۱۰۱۵ ۱۰۱۶ ۱۰۱۷ ۱۰۱۸ ۱۰۱۹ ۱۰۲۰ ۱۰۲۱ ۱۰۲۲ ۱۰۲۳ ۱۰۲۴ ۱۰۲۵ ۱۰۲۶ ۱۰۲۷ ۱۰۲۸ ۱۰۲۹ ۱۰۳۰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱ ۱۰۴۲ ۱۰۴۳ ۱۰۴۴ ۱۰۴۵ ۱۰۴۶ ۱۰۴۷ ۱۰۴۸ ۱۰۴۹ ۱۰۵۰ ۱۰۵۱ ۱۰۵۲ ۱۰۵۳ ۱۰۵۴ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ ۱۰۵۷ ۱۰۵۸ ۱۰۵۹ ۱۰۶۰ ۱۰۶۱ ۱۰۶۲ ۱۰۶۳ ۱۰۶۴ ۱۰۶۵ ۱۰۶۶ ۱۰۶۷ ۱۰۶۸ ۱۰۶۹ ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ۱۰۷۲ ۱۰۷۳ ۱۰۷۴ ۱۰۷۵ ۱۰۷۶ ۱۰۷۷ ۱۰۷۸ ۱۰۷۹ ۱۰۸۰ ۱۰۸۱ ۱۰۸۲ ۱۰۸۳ ۱۰۸۴ ۱۰۸۵ ۱۰۸۶ ۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲ ۱۰۹۳ ۱۰۹۴ ۱۰۹۵ ۱۰۹۶ ۱۰۹۷ ۱۰۹۸ ۱۰۹۹ ۱۱۰۰ ۱۱۰۱ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ ۱۱۰۴ ۱۱۰۵ ۱۱۰۶ ۱۱۰۷ ۱۱۰۸ ۱۱۰۹ ۱۱۱۰ ۱۱۱۱ ۱۱۱۲ ۱۱۱۳ ۱۱۱۴ ۱۱۱۵ ۱۱۱۶ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹ ۱۱۲۰ ۱۱۲۱ ۱۱۲۲ ۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷ ۱۱۲۸ ۱۱۲۹ ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ ۱۱۳۳ ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ ۱۱۳۶ ۱۱۳۷ ۱۱۳۸ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۱۵۳ ۱۱۵۴ ۱۱۵۵ ۱۱۵۶ ۱۱۵۷ ۱۱۵۸ ۱۱۵۹ ۱۱۶۰ ۱۱۶۱ ۱۱۶۲ ۱۱۶۳ ۱۱۶۴ ۱۱۶۵ ۱۱۶۶ ۱۱۶۷ ۱۱۶۸ ۱۱۶۹ ۱۱۷۰ ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ ۱۱۷۵ ۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰ ۱۱۸۱ ۱۱۸۲ ۱۱۸۳ ۱۱۸۴ ۱۱۸۵ ۱۱۸۶ ۱۱۸۷ ۱۱۸۸ ۱۱۸۹ ۱۱۹۰ ۱۱۹۱ ۱۱۹۲ ۱۱۹۳ ۱۱۹۴ ۱۱۹۵ ۱۱۹۶ ۱۱۹۷ ۱۱۹۸ ۱۱۹۹ ۱۲۰۰ ۱۲۰۱ ۱۲۰۲ ۱۲۰۳ ۱۲۰۴ ۱۲۰۵ ۱۲۰۶ ۱۲۰۷ ۱۲۰۸ ۱۲۰۹ ۱۲۱۰ ۱۲۱۱ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳ ۱۲۱۴ ۱۲۱۵ ۱۲۱۶ ۱۲۱۷ ۱۲۱۸ ۱۲۱۹ ۱۲۲۰ ۱۲۲۱ ۱۲۲۲ ۱۲۲۳ ۱۲۲۴ ۱۲۲۵ ۱۲۲۶ ۱۲۲۷ ۱۲۲۸ ۱۲۲۹ ۱۲۳۰ ۱۲۳۱ ۱۲۳۲ ۱۲۳۳ ۱۲۳۴ ۱۲۳۵ ۱۲۳۶ ۱۲۳۷ ۱۲۳۸ ۱۲۳۹ ۱۲۴۰ ۱۲۴۱ ۱۲۴۲ ۱۲۴۳ ۱۲۴۴ ۱۲۴۵ ۱۲۴۶ ۱۲۴۷ ۱۲۴۸ ۱۲۴۹ ۱۲۵۰ ۱۲۵۱ ۱۲۵۲ ۱۲۵۳ ۱۲۵۴ ۱۲۵۵ ۱۲۵۶ ۱۲۵۷ ۱۲۵۸ ۱۲۵۹ ۱۲۶۰ ۱۲۶۱ ۱۲۶۲ ۱۲۶۳ ۱۲۶۴ ۱۲۶۵ ۱۲۶۶ ۱۲۶۷ ۱۲۶۸ ۱۲۶۹ ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ ۱۲۷۲ ۱۲۷۳ ۱۲۷۴ ۱۲۷۵ ۱۲۷۶ ۱۲۷۷ ۱۲۷۸ ۱۲۷۹ ۱۲۸۰ ۱۲۸۱ ۱۲۸۲ ۱۲۸۳ ۱۲۸۴ ۱۲۸۵ ۱۲۸۶ ۱۲۸۷ ۱۲۸۸ ۱۲۸۹ ۱۲۹۰ ۱۲۹۱ ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ ۱۲۹۴ ۱۲۹۵ ۱۲۹۶ ۱۲۹۷ ۱۲۹۸ ۱۲۹۹ ۱۳۰۰ ۱۳۰۱ ۱۳۰۲ ۱۳۰۳ ۱۳۰۴ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ ۱۳۱۰ ۱۳۱۱ ۱۳۱۲ ۱۳۱۳ ۱۳۱۴ ۱۳۱۵ ۱۳۱۶ ۱۳۱۷ ۱۳۱۸ ۱۳۱۹ ۱۳۲۰ ۱۳۲۱ ۱۳۲۲ ۱۳۲۳ ۱۳۲۴ ۱۳۲۵ ۱۳۲۶ ۱۳۲۷ ۱۳۲۸ ۱۳۲۹ ۱۳۳۰ ۱۳۳۱ ۱۳۳۲ ۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ۱۳۳۵ ۱۳۳۶ ۱۳۳۷ ۱۳۳۸ ۱۳۳۹ ۱۳۴۰ ۱۳۴۱ ۱۳۴۲ ۱۳۴۳ ۱۳۴۴ ۱۳۴۵ ۱۳۴۶ ۱۳۴۷ ۱۳۴۸ ۱۳۴۹ ۱۳۵۰ ۱۳۵۱ ۱۳۵۲ ۱۳۵۳ ۱۳۵۴ ۱۳۵۵ ۱۳۵۶ ۱۳۵۷ ۱۳۵۸ ۱۳۵۹ ۱۳۶۰ ۱۳۶۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ ۱۳۶۴ ۱۳۶۵ ۱۳۶۶ ۱۳۶۷ ۱۳۶۸ ۱۳۶۹ ۱۳۷۰ ۱۳۷۱ ۱۳۷۲ ۱۳۷۳ ۱۳۷۴ ۱۳۷۵ ۱۳۷۶ ۱۳۷۷ ۱۳۷۸ ۱۳۷۹ ۱۳۸۰ ۱۳۸۱ ۱۳۸۲ ۱۳۸۳ ۱۳۸۴ ۱۳۸۵ ۱۳۸۶ ۱۳۸۷ ۱۳۸۸ ۱۳۸۹ ۱۳۹۰ ۱۳۹۱ ۱۳۹۲ ۱۳۹۳ ۱۳۹۴ ۱۳۹۵ ۱۳۹۶ ۱۳۹۷ ۱۳۹۸ ۱۳۹۹ ۱۴۰۰ ۱۴۰۱ ۱۴۰۲ ۱۴۰۳ ۱۴۰۴ ۱۴۰۵ ۱۴۰۶ ۱۴۰۷ ۱۴۰۸ ۱۴۰۹ ۱۴۱۰ ۱۴۱۱ ۱۴۱۲ ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ ۱۴۱۵ ۱۴۱۶ ۱۴۱۷ ۱۴۱۸ ۱۴۱۹ ۱۴۲۰ ۱۴۲۱ ۱۴۲۲ ۱۴۲۳ ۱۴۲۴ ۱۴۲۵ ۱۴۲۶ ۱۴۲۷ ۱۴۲۸ ۱۴۲۹ ۱۴۳۰ ۱۴۳۱ ۱۴۳۲ ۱۴۳۳ ۱۴۳۴ ۱۴۳۵ ۱۴۳۶ ۱۴۳۷ ۱۴۳۸ ۱۴۳۹ ۱۴۴۰ ۱۴۴۱ ۱۴۴۲ ۱۴۴۳ ۱۴۴۴ ۱۴۴۵ ۱۴۴۶ ۱۴۴۷ ۱۴۴۸ ۱۴۴۹ ۱۴۵۰ ۱۴۵۱ ۱۴۵۲ ۱۴۵۳ ۱۴۵۴ ۱۴۵۵ ۱۴۵۶ ۱۴۵۷ ۱۴۵۸ ۱۴۵۹ ۱۴۶۰ ۱۴۶۱ ۱۴۶۲ ۱۴۶۳ ۱۴۶۴ ۱۴۶۵ ۱۴۶۶ ۱۴۶۷ ۱۴۶۸ ۱۴۶۹ ۱۴۷۰ ۱۴۷۱ ۱۴۷۲ ۱۴۷۳ ۱۴۷۴ ۱۴۷۵ ۱۴۷۶ ۱۴۷۷ ۱۴۷۸ ۱۴۷۹ ۱۴۸۰ ۱۴۸۱ ۱۴۸۲ ۱۴۸۳ ۱۴۸۴ ۱۴۸۵ ۱۴۸۶ ۱۴۸۷ ۱۴۸۸ ۱۴۸۹ ۱۴۹۰ ۱۴۹۱ ۱۴۹۲ ۱۴۹۳ ۱۴۹۴ ۱۴۹۵ ۱۴۹۶ ۱۴۹۷ ۱۴۹۸ ۱۴۹۹ ۱۵۰۰ ۱۵۰۱ ۱۵۰۲ ۱۵۰۳ ۱۵۰۴ ۱۵۰۵ ۱۵۰۶ ۱۵۰۷ ۱۵۰۸ ۱۵۰۹ ۱۵۱۰ ۱۵۱۱ ۱۵۱۲ ۱۵۱۳ ۱۵۱۴ ۱۵۱۵ ۱۵۱۶ ۱۵۱۷ ۱۵۱۸ ۱۵۱۹ ۱۵۲۰ ۱۵۲۱ ۱۵۲۲ ۱۵۲۳ ۱۵۲۴ ۱۵۲۵ ۱۵۲۶ ۱۵۲۷ ۱۵۲۸ ۱۵۲۹ ۱۵۳۰ ۱۵۳۱ ۱۵۳۲ ۱۵۳۳ ۱۵۳۴ ۱۵۳۵ ۱۵۳۶ ۱۵۳۷ ۱۵۳۸ ۱۵۳۹ ۱۵۴۰ ۱۵۴۱ ۱۵۴۲ ۱۵۴۳ ۱۵۴۴ ۱۵۴۵ ۱۵۴۶ ۱۵۴۷ ۱۵۴۸ ۱۵۴۹ ۱۵۵۰ ۱۵۵۱ ۱۵۵۲ ۱۵۵۳ ۱۵۵۴ ۱۵۵۵ ۱۵۵۶ ۱۵۵۷ ۱۵۵۸ ۱۵۵۹ ۱۵۶۰ ۱۵۶۱ ۱۵۶۲ ۱۵۶۳ ۱۵۶۴ ۱۵۶۵ ۱۵۶۶ ۱۵۶۷ ۱۵۶۸ ۱۵۶۹ ۱۵۷۰ ۱۵۷۱ ۱۵۷۲ ۱۵۷۳ ۱۵۷۴ ۱۵۷۵ ۱۵۷۶ ۱۵۷۷ ۱۵۷۸ ۱۵۷۹ ۱۵۸۰ ۱۵۸۱ ۱۵۸۲ ۱۵۸۳ ۱۵۸۴ ۱۵۸۵ ۱۵۸۶ ۱۵۸۷ ۱۵۸۸ ۱۵۸۹ ۱۵۹۰ ۱۵۹۱ ۱۵۹۲ ۱۵۹۳ ۱۵۹۴ ۱۵۹۵ ۱۵۹۶ ۱۵۹۷ ۱۵۹۸ ۱۵۹۹ ۱۶۰۰ ۱۶۰۱ ۱۶۰۲ ۱۶۰۳ ۱۶۰۴ ۱۶۰۵ ۱۶۰۶ ۱۶۰۷ ۱۶۰۸ ۱۶۰۹ ۱۶۱۰ ۱۶۱۱ ۱۶۱۲ ۱۶۱۳ ۱۶۱۴ ۱۶۱۵ ۱۶۱۶ ۱۶۱۷ ۱۶۱۸ ۱۶۱۹ ۱۶۲۰ ۱۶۲۱ ۱۶۲۲ ۱۶۲۳ ۱۶۲۴ ۱۶۲۵ ۱۶۲۶ ۱۶۲۷ ۱۶۲۸ ۱۶۲۹ ۱۶۳۰ ۱۶۳۱ ۱۶۳۲ ۱۶۳۳ ۱۶۳۴ ۱۶۳۵ ۱۶۳۶ ۱۶۳۷ ۱۶۳۸ ۱۶۳۹ ۱۶۴۰ ۱۶۴۱ ۱۶۴۲ ۱۶۴۳ ۱۶۴۴ ۱۶۴۵ ۱۶۴۶ ۱۶۴۷ ۱۶۴۸ ۱۶۴۹ ۱۶۵۰ ۱۶۵۱ ۱۶۵۲ ۱۶۵۳ ۱۶۵۴ ۱۶۵۵ ۱۶۵۶ ۱۶۵۷ ۱۶۵۸ ۱

جو قبض کا جزو ہے۔ م ذکریت کا ہے اور یہ آدمیت کا جزو ہے۔ م کا زیر سکینت کے لیے اور یہ رسالت کا جزو ہے۔ آ کمال صورت ظاہرہ کے لیے جو آدمیت کا جزو ہے۔ ع کا جزم انقباض کی قوت کمال کے لیے جو قبض کا جزو ہے۔ قی حق گوئی کے لیے جو اجزا نفوت میں سے ہے۔ ض کا پیش مائت ساریہ کے لیے جو قبض کا جزو ہے و او مدودہ حق گوئی سے نہ شرمانے کے لیے جو قبض کا جزو ہے۔ ب سکینت کے لیے جو رسالت کا جزو ہے۔ ب کا زیر عقل کمال کے لیے جو آدمیت کا جزو ہے۔ ع عفو کے لیے جو نبوت کا جزو ہے۔ ع کا زیر علم کمال کے لیے جو رسالت کا جزو ہے۔ ل علم کمال کے لیے جو رسالت کا جزو ہے۔ ق کا زیر بھی علم کمال کے لیے ہے جو رسالت کا جزو ہے۔ عی اللہ سے خوف تام کے لیے اور وہ اجزا نبوت میں سے ہے۔ عی کا جزم انصاف کے لیے ہے جو قبض کا جزو ہے۔ ہ نفرت کے لیے جو قبض کا جزو ہے۔ ہ کا زیر کمال جس ظاہری کے لیے جو جزو آدمیت ہے، لیکن ہر پریش پر حیل تو اس قرارت کے مطابق ہ کا پیش مد سے نفرت کے لیے اُنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ عَلَیْہِمْ کے پیش کے برعکس کیونکہ وہاں یہ میل بھس کے ہے ہے۔ اس لیے کہ جن پر اللہ کا انعام ہو، ان کی طرف طبیعت کا میلان ہوتا ہے اور جن پر اللہ کا غضب ہو، ان سے نفرت ہوتی ہے۔ م ذکریت کے لیے جو جزو آدمیت ہے اور ابن کثیر اور اس کے موافقین کی قرارت کے مطابق م کا پیش مد سے نفرت کے لیے جو قبض کا جزو ہے دوسروں کی قرارت کے مطابق م کا جزم اس نفرت پر زور دینے کے لیے جس کا مفہوم ابن کثیر کی قرارت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ پیش اصل ہے جزم تو اس پر بعد میں واقع ہوتی وادھوت ورحیات کے لیے جو جزو رسالت ہے واد کا زیر مشاہدے کے لیے جو رسالت کا جزو ہے اور ہ علم کمال کے لیے جو جزو رسالت ہے لا کا زیر بھی علم کمال کے لیے جو جزو رسالت ہے۔ الف وصل امتثال کے لیے جو قبض کا جزو ہے۔ اس کا زیر مشاہدے کے لیے جو رسالت ہے۔ الف ہوائی مدودہ جو عیاں ضمیر شکم میں نہیں ہے لہذا وہ کے چھ کے چھ مراتب آئیں گے۔ اگر اسے ایک الف جتنا لمبا کریں تو یہ کمال صورت باطنی کے لیے۔ اگر دوا الف کے برابر لمبا کریں تو یہ کمال صورت باطنی اور روح کے برضا و رغبت جسم میں قیام کے لیے۔ اگر تین الف کے برابر لمبا کریں تو یہ کمال صورت باطنی سکون روح برضا و رغبت اور قوت ساریہ کے لیے ہے۔ اگر چار الف جتنا لمبا کریں تو کمال صورت باطنی سکون روح برضا و رغبت، قوت ساریہ، کمال جس باطنی کے لیے ہے۔ اگر پانچ الف جتنا لمبا کریں تو یہ کمال صورت باطنی سکون روح، قوت ساریہ، کمال جس باطنی اور نبض باطن کے لیے ہے اور اگر چھ الف جتنا لمبا کریں تو یہ کمال صورت باطنی سکون روح، قوت ساریہ کمال جس باطنی، نبض باطن اور مع سکون خیر و ذرات کے لیے ہے اور تو یہ معلوم کر چکا ہے کہ کمال

مورث باطنی جزو آدمیت ہے۔ سکون رسالت کا۔ قوت ساریہ قبض کا۔ کمال حس باطنی آدمیت کا قبض باطنی نبوت کا اور سکون خیر و ذات بسط کا جزو ہے۔ پس جب مدائف کے برابر ہو تو اس میں صرف آدمیت ہوگی۔ بقدر دوائف ہو تو آدمیت اور رسالت بقدر تین الف ہو تو آدمیت، رسالت، قبض، بقدر چار الف ہو تو آدمیت، رسالت، قبض اور آدمیت، بقدر پانچ الف ہو تو آدمیت، رسالت، قبض، آدمیت اور نبوت۔ بقدر چھ الف ہو تو آدمیت، رسالت، قبض، آدمیت، نبوت اور بسط۔ زیر والا لام۔ مشدو علم کامل کے لیے جو رسالت کا جزو ہے آل کا زیر کمال حس باطنی کے لیے جو آدمیت کا جزو ہے آئی مدد وہ اگر کن پر وقف کریں اور اسے ساکن پر طعیں تو یہاں بھی چھ مراتب ہوں گے۔ چنانچہ اگر بقدر ایک آئی کے لبا کریں تو یہ سامنے کی جہت میں جہات کے انحصار کے لیے۔ اگر دو آئی جتنا لبا کریں تو یہ انحصار جہات اور ثقلین کے متعلق علوم کی معرفت کے لیے ہے اگر بقدر تین آئی لبا کریں تو یہ انحصار جہات، ثقلین کے متعلق علوم کی معرفت اور اہل جنت کی سی زندگی کے لیے ہے۔ بقدر چار آئی لبا کریں تو انحصار جہات، ثقلین کے متعلق علوم کی معرفت اور اہل جنت کی معرفت اور انجام کی معرفت کے لیے ہے۔ بقدر چھ آئی لبا کریں تو انحصار جہات، ثقلین کے متعلق علوم کی معرفت اور عدم تفصیح کے لیے ہے۔ بقدر چھ آئی لبا کریں تو انحصار جہات، ثقلین کے متعلق علوم کی معرفت اور اہل جنت کی زندگی، انجام کی معرفت، عدم تفصیح اور احوال کونین کے متعلق علوم کی معرفت کے لیے ہے اور تو یہ معلوم کر چکا ہے کہ انحصار معرفت علوم متعلقہ باحوال ثقلین، انجام کی معرفت، معرفت علوم متعلقہ باحوال کونین اور عدم تفصیح سب اجزاء علم میں سے ہیں اور ان چھ میں سے صرف اہل جنت کی سی زندگی جزو رسالت ہے لہذا اس تد میں جو ایک آئی کے برابر ہو علم کا ایک جزو ہے بقدر دو آئی دو جزو، بقدر تین آئی میں دو جزو علم کے اور ایک جزو رسالت کا۔ بقدر چار آئی میں تین جزو علم کے اور ایک جزو رسالت کا۔ بقدر پانچ آئی میں چار جزو علم کے اور ایک جزو رسالت کا۔ بقدر چھ آئی میں پانچ جزو علم کے اور ایک جزو رسالت کا۔ ان مفتوحہ فرج کامل کے لیے جو بسط کا جزو ہے۔ ان کا زیر اہل جنت کی سی زندگی کے لیے جو رسالت کا جزو ہے۔ عام قرائت کے مطابق سورۃ فاتحہ سے جو متعلقہ باتیں تعین سب ذکر کر دی گئیں اور تو نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ سات حروف میں سے زیادہ آنے والے تین حرف ہیں۔ آدمیت، قبض اور رسالت اور یہ حرف اور حرکات سب مل آتے ہیں۔ چنانچہ ہر حرف و جزو قبض کے لیے ہے ہر جزو رسالت کے لیے۔ ہر جزو آدمیت کے لیے لہذا جس کلام میں زیر زیادہ آئے اس کی نور رسالت بھی زیادہ ہوگا اور جس میں زیر زیادہ آئے اس میں نور آدمیت زیادہ ہوگا اور جس میں ہر

زبرد والی قرارت میں نہیں پائی جاتی اور پیش والی قرارت میں موجود ہے یہی وجہ ہے کہ پیش والی قرارت بہتر و افضل ہے۔

یا قرارت شاذہ میں امام حسن بصری (رحمہ اللہ) کی قرارت ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ دَال اور لام دونوں پر زبر اس کی ظاہری توجیہ تو یہ ہے کہ لام کو دال کے زبر کی اتباع میں زبر دیا گیا ہے (نصب جوار) اور باطنی توجیہ تو یہ ہے کہ زبر تو کمال جس باطنی کے لیے تھی جس سے کمال و جہان حاصل ہوتا ہے لہذا زبر والی قرارت کا مفہوم یہ ہوگا کہ خدا کی طرف حمد کی نسبت کو جہان نے بھی محسوس کیا ہے اور اس کی کیفیت بھی حاصل کی ہے۔ برخلاف زبر والی قرارت کے کہ وہ علم کمال کے لیے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ذات کو علم کمال حاصل ہے کہ حمد خدا کے لیے ہے، لیکن تکلیف اور تاثر کا ذکر نہیں اور کسی شے کا احساس اس کے علم کے مقابل میں زیادہ قوی ہوتا ہے اسی لیے زبر والی قرارت زیادہ صحیح، زیادہ مشہور اور افضل ہے۔

یاشاؑ الکسانی سے روایت کرتے ہوئے قتیبہؒ کی قرارت اللہ جس میں ل کے اوپر الف کو می کی طرف اشارہ کر کے پڑھا گیا ہے (لثیہ) اور امال میں زبر کا جزو پایا جاتا ہے اور ہر زبر جو درمیانی لام یا ابتدائی لام کے نیچے ہو وہ کمال جس باطنی کے لیے ہوتا ہے۔ لہذا امام میں مفہوم کے احساس کا شعور پایا جاتا ہے جو تعلیم اور تبلیغ معنی کے لیے ہے۔

اسی الکسانی سے روایت کی ہوئی قتیبہؒ کی دوسری روایت ہے جس میں اَلْعَالَمِیْنِ، اَلْکَرْمٰلِیْنِ اور مَالِیْہِ الْیَدِیْنِ تین میں امال کیا گیا ہے، لیکن یہ احساس چونکہ لفظ کے مکمل ہونے اور معنی کے ظہور سے پہلے پیدا ہوتا ہے اس لیے اس احساس کا تعلق محض لفظ کے ساتھ ہوگا اسی وجہ سے امال زبر سے افضل نہیں ہے کیونکہ مال سے جو احساس نفلی حاصل ہوتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی سمجھی ہوتا یعنی صرف اس وقت ہوتا جب آپؐ کو نشاط ہوتا اور صرف اپنی ذات کے لیے قرآن مجید پڑھتے۔ لہذا آپؐ باطنی معنوں کو نکال کر اپنی قرارت میں ظاہر کرتے، لیکن جب آپؐ امت کی تبلیغ اور تعلیم کے لیے قرآن مجید پڑھتے تو اغلب حالات میں آپؐ الفاظ کو اس کیفیت میں مشغول کرنا نہیں چاہتے تھے جس میں آپؐ کا باطن مشغول ہوتا۔ اسی وجہ سے زبرد والی قرارت زیادہ مشہور اور افضل ہے کیونکہ یہ آپؐ کی عام عادت کے مطابق ہے۔

لہ قتیبہؒ: قتیبہ بن سعید محدث خراسان ۱۳۹ھ، ۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ثقہ اور عالم تھے ان کی وفات ۲۰۲ھ میں ہوئی۔

اسی طرح رَبِّ الْعَالَمِينَ، الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ کی البزید الانصاری کی پیش والی قرأت ہے انہیں زبر سے بھی پڑھا گیا ہے۔ ان قراتوں کی ظاہری توجیہ یہ ہے کہ زیر تو ان پر اللہ کا تابع ہونے کی وجہ سے آئی ہے اور پیش اور زبر اس لحاظ سے آئے ہیں کہ یہ پہلے جملہ سے منقطع ہیں اور پیش کی صورت میں مبتدا محذوف ہے اور زبر کی صورت میں فعل ناصب اور باطن کے اعتبار سے نینوں حرکات کے اسرار کے اختلاف کے مطابق توجیہ ہوگی زیر عقل کے لیے ہے جو جزو آدمیت ہے اور آدمیت ہر تہی تافع اور بابا ادب ہونا ہے لہذا ایسا عقل کامل متکلم میں اپنے رب کے لیے تواضع کا زیادہ شعور پیدا کرتی ہے تاکہ وہ یہ مشاہدہ کرے کہ وہ مفعول اور پروردہ ہے اور زیر کا ایک راز ہے۔ زبر والی قرأت کا زبر علم کامل کے لیے ہے جس سے یہ لازم آتا ہے کہ متکلم اشیاء کی حقیقت کو جان لے چنانچہ وہ رب کو رب جاننا ہے اور عالمین کو پروردہ رب۔ یہ الگ بات ہے کہ آیا اس کی ذات نے اپنے رب کے سامنے تواضع کی یا بابا ادب رہی یا وہ پیش والی قرأت میں پیش حالت ساریہ کے لیے ہے لیکن یہ مانتہ مفہوم مکمل ہونے سے پہلے ہی حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ نضاف الیہ کے ذکر سے پہلے مضاف کے معنی مکمل نہیں ہوتے۔ لہذا ایساں پر حالت نے یہ معلوم تو کر لیا کہ ذات نے لفظ رب سے تاثر حاصل کیا اور اس سے خطا اٹھایا اسی لیے زیر والی قرأت معنی کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہے۔ اسی واسطے یہ زیادہ مشہور بھی یا مثلاً هَلَالٌ یَوْمَ الدِّینِ کی قاریوں نے کئی ایک قراتیں بیان کی ہیں جمہور نے اسے مِلَالٌ بغیر الف کے پڑھا ہے۔ گستاخی، ماقسم اور ان کے موافقین نے مَلَالٌ یم کے بعد الف سے پڑھا ہے اس کی ظاہری وجہ تو یہ ہے کہ:

بغیر الف کے پڑھنے کی صورت میں صفت مشبہ ہے جیسے هَلَالٌ النَّاسِ میں اور مَلَالٌ الف کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں مَلَالٌ الْمَلٰئِکَ کی طرح اسم ناعل ہے اور باطن کے لحاظ سے اس کی بناء والی قرأت میں الف مدہ کے راز پر ہوگی جو کمالی صورت باطنی کے لیے اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ مخبر نے ایک کام کیا ہے لہذا الف کا اشارہ اس طرف ہوگا کہ اللہ تعالیٰ مَلَالٌ کی صفت سے موصوف ہے جو اس کے افعال میں سے ایک فعل ہے۔ نیز یہ قرات اس بات کی طرف اشارہ کرتی

۱۔ البزید الانصاری: البزید محمد بن اخطب بن رناہ الانصاری۔ صحابی ہیں۔ منکر لہ تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیرہ جنگوں میں شرکت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پہ ہاتھ پھیر کر دعا کی کہ خدا اسے خوبصورت بنا دے، اس کے بعد ان کا کوئی بال سفید نہیں ہوا، ابن حجر فرماتے ہیں کہ بنوئی نے البزید عمرو بن اخطب اور البزید انصاری کو الگ الگ شخص شمار کیا ہے (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱)

ہے کہ اس کلام کے سننے والے حاضرین کو اس امر عظیم سے متنبہ کر دیا جائے۔ چنانچہ الف کی آواز کمال صورتِ باطنی سے نکلی ہے اور آواز کے دو مقصد ہیں ایک مقصد تجرّز کے متعلق ہے کہ جو بات اس کی طرف منسوب کی گئی ہے وہ تجرّز کے افعال میں سے ہے اور دوسرا مقصد سامعین کے لیے ہے کہ غفلت کی میند سے بیدار ہو جائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ معنی بغیر الف والی قرأت (مِلّاث) میں نہیں پائے جاتے ہاں اس قرأت میں ایک اور راز پایا جاتا ہے وہ اصناف کا راز ہے یعنی مِلّاث کی یوم الدین کی طرف اصناف اور یہ مفہوم مِلّاث کی قرأت میں بہت کم پایا جاتا ہے۔

مولف کتاب کہتا ہے کہ یہ قواعد نحو کے عین مطابق ہے کیونکہ اسم فاعل حدوث اور تہجد کے لیے آتا ہے۔ الف سابق کا یہی راز ہے اور اس کی اصناف بریت انفصال ہے۔ حضرت کے فرمان کو یہ مفہوم پیش والی قرأت میں کمزور ہے کا یہی مطلب ہے خدا اس امام کو جزا خیر دے۔

اور ثانیاً کی قرأت مِلّاث یوم الدین ہے (باضافہ بعد لام) اور یہاں یہ ہی انجام کی معرفت کے لیے ہے کیونکہ اگر کسی نہ بھی مرتب بھی بنیاد حرف میں کوئی فرق نہیں آتا اس لیے یہ انجام کی معرفت کے لیے ہوتی۔ ورنہ یہ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق ہوگی۔ چنانچہ آئی زادہ میں نفس متکلم کی طرف اشارہ کا سر پایا جاتا ہے۔ لہذا اگر وہ انجام سے واقف ہوگا تو اپنے نفس کو متنبہ کرے گا اور یہ قرأت اس لیے ضعیف ہے کہ تنبیہ نفس میں جس پر قی دلائل کرتی ہے، یہ بات ثانی ہے کہ کلام کا مفہوم کچھ ایسا ہے جس سے کبھی غفلت بھی برقی جاسکتی ہے اور اس مقام پر اس بات کی کہیں بھی روایت نہیں ملتی کیونکہ ہر ایک اس سے خود بخود آگاہ ہو جاتا ہے اسی لیے آئی کے بغیر مِلّاث کی قرأت بہتر تھری۔

حضرت علی کی قرأت اور حضرت علی کو تم اللہ وجہ کی قرأت مِلّاث یوم الدین جس میں مِلّاث بصیغہ مبانی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس قرأت کے معنی پہلی قرأتوں کے معانی کی نسبت بہت مخصوص معنی ہو

جاتے ہیں۔ کیونکہ اس کا یہ مفہوم بن جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام مخلوقات کو چھوڑ کر خاص طور پر تکلف لوگوں کی گردنوں کا مالک ہو گا۔ اس مفہوم کی وجہ یہ ہے کہ ان کے لیے کار کمال

لے ایمان: ایمان بن معاویہ الاسود: حاملین تسمان میں ہے تے۔ ان کی بنائ جاتی رہی مگر جب قرآن مجید کو ہاتھ میں لیتے تو کھائی دیے بگ جاتا کہ ادھر قرآن مجید کو الگ کیا تو مینا پھر دیسی کی دیسی ہو گئی۔ (شعران ۵۳)

صورت ظاہری کے لیے ہے اور صورت ظاہری انسانوں کی صورت ہے جو کہ نیچے سے سر نکالے ہوئے دکھائی دیتی ہے اور الف مدہ سے جو آواز پیدا ہوتی ہے اس کی تشبیہ کر رہی ہے۔ ل کال میں ادغام اور اس کا تکرر آنا اس کی اور بھی تاکید اور تحقیق معنی کر رہا ہے اور تاکید و تحقیق دوسروں کو خارج کرنے کے متقاضی ہیں۔ برخلاف قرارت مشہورہ کے کہ اس میں تاکید و تحقیق نہیں پائی جاتی لہذا وہ غیر کے اخراج کی بھی متقاضی نہیں۔ مختصر یہ کہ ادغام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ غیر بنی آدم کے لیے دروازہ بند کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر بنی آدم اس قرارت میں داخل نہیں ہیں لہذا یہ قرارت بھی ضعیف ٹھہری۔

مؤلف کتاب کہتا ہے کہ فعال کے صیف پر مَلَک سے جو اسم مبالغہ بنتا ہے اس کا یہی تقاضا ہے کیونکہ مَلَک وہ ہے جو صاحب تصرف ہو اور عذاب و ثواب کے ساتھ تصرف بنی آدم میں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے کیونکہ مقصود بالذات تو انسان ہیں اور دوسرے مقصود بالاتباع اسی واسطے مَلَک اسی معنی کا زیادہ تر مقوم ادا کرے گا۔ لہذا قرارت متواتر زیادہ مشہور ہوئی کیونکہ اس قرارت میں بنی آدم اور ان کے علاوہ اور اشیاء بھی شامل ہو جاتی ہیں۔

الْبُحْيُوتَةُ کی قرارت مَالِکَ یَوْمَ الدِّینِ

اور الْبُحْيُوتَةُ کی قرارت مَالِکَ یَوْمَ الدِّینِ کی زبردستی اس خیال سے کہ یہ یا تو منادی مضامین ہے یا اس کا فعل ممدوف ہے باطن کے لحاظ سے کہ کا زبرد علم کامل کے لیے ہے۔ لہذا جس نے کہ

پر زبرد پڑھا اس نے نہ اپنے آپ کو خدا کی غلامی میں داخل کیا نہ اور کو۔ برخلاف اس کے جس نے کہ کے نیچے زبرد پڑھا کیونکہ زیر آدمیت کے لیے ہے اور آدمیت میں متکلم کی طرف سے ادب اور عاجزی پائی جاتی ہے۔ مزید برآں آدمیت کا ادب آدمیت کے ساتوں اجزاء سے پیدا ہوتا ہے اور یہاں آدمیت کا جزو کمالی صورت ظاہری ہے جس پر زیر ولایت کرتا ہے۔ لہذا زیر میں جو ادب پایا جاتا ہے اس کی وجہ ایک تو آدمیت پر اللہ کا احسان ہے اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی صورت اچھی طرح سے بنائی ہے اور متکلم اور غیر متکلم کا خدا کی مالکیت کا اعتراف کرنے سے یہی مراد لی جاتی ہے لیکن زبرد والی قرارت میں یہ معنی نہیں پائے جاتے۔ اسی لیے یہ قرارت مشہور نہیں ہے۔

لے الْبُحْيُوتَةُ: شرح بن یزید الْبُحْيُوتَةُ انحصاری مؤلف اور قاری تھے۔ ابن جانی نے انہیں ثناء فرمائی ہے۔

ان کی وفات ۳۱۳ھ میں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۲۱)

عمر بن عبد العزیز کی

قرارت مَلَکِ یَوْمِ الدِّینِ

یا شفا عمر بن عبد العزیز کی قرارت مَلَکِ یَوْمِ الدِّینِ جس میں ل
کو ساکن پڑھا گیا ہے اس کی ظاہری وجہ تو یہ ہے کہ ل کے زیر کو تخفیف
کی غرض سے ساکن کو دیا گیا ہے، جس طرح کُتِفَتْ کے ت کو تخفیف

کر کے کُتِفَتْ پڑھ لیتے ہیں اور اس کی باطنی توجہ یہ ہے کہ کیوں سمجھو کہ یہ الفاظ حق تعالیٰ کی زبان سے
نکلے ہیں اور مستحکم باوجود طاقت نہ رکھنے کے اللہ تعالیٰ کا نائب بن کر ان الفاظ کو لڑکھڑاتے ہوئے ادا
کرتا ہے اور اس مفہوم کو ل کا جزم ادا کرتا ہے جو قرارت کے بدلنے کا سبب ہے ان منوں پر اس کے
دلائل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حرف رسالت کو شلّال جو علم کامل کے لیے ہے جب ساکن بھی جائے تو
یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے ماقبل کی حرکت بھی علم کامل کے لیے ہے اور اگر ماقبل کی حرکت
جزم کے ساتھ نہ آئے تو علم کامل کے لیے نہیں۔ لہذا ضروری ہوا کہ جب وہ جزم کے ساتھ آئے تو
علم کامل کے لیے ہو جیسا کہ یہاں ہے کیونکہ جب لام پر حرکت تھی۔ تو م کی حرکت صدق کے لیے تھی، لیکن جزم
کے ساتھ یہ علم کامل کے لیے ہو گئی کیونکہ جزم ماقبل کی تاکید کرنے والے کی تحقیق کے لیے ہے جس کی وجہ سے
جزم ماقبل کی حرکت کو اپنے معنی سے خارج کر دیتی ہے اور حرف کو بھی اپنی حرکت سے نکال دیتی ہے کیونکہ
اگر ل پر زبر ہو تو وہ علم کامل کے لیے ہے اور اگر زیر ہو تو کمال جس باطنی کے لیے۔ لفظ میں تغیر اور اس میں
لڑوہ صرف اسی صورت میں پیدا ہوا ہے جب مستحکم کی ذات میں اضطراب اور زلزلہ پیدا ہوا، اور یہ
اضطراب اور زلزلہ اس لیے پیدا ہوا کہ اس نے وہ الفاظ بوسے میں جن کے بولنے کی اس میں طاقت نہ
تھی۔ یعنی یہ کہ اس نے مَلَکِ کی نسبت اپنی ذات سے کر دی جس کی قدرت محض ذات قدیم کو ہے۔
اس لیے مستحکم کی ذات عبودیت کی طرف ہوئی جس طرف ک کا زیر جو آدمیت کے لیے اشارہ کرتا ہے
لہذا ل کا جزم حاسہ ساریہ کے لیے ہے، لیکن جب اس سے لفظ میں اضطراب پیدا ہو گیا تو۔

اس نے یہ بھی بتا دیا کہ مستحکم کی ذات میں بھی اسی قسم کا اضطراب پیدا ہو گیا ہے اور مستحکم کی ذات
میں اضطراب اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے جب اس کی مثال ایکسچے کی ہو، جو اپنی طاقت سے بڑھ کر
اٹھائے۔ اسی واسطے جمہور کی قرارت بہتر اور زیادہ مشہور ہے کیونکہ اس قرارت کے مراد اتنی ذات مستحکم
اس درجہ تک نہیں گری کہ وہ ناقابل برداشت چیز کو اٹھائے۔ واللہ اعلم۔

عمر بن عبد العزیز خلفاء بنی امیہ میں سے ایک خلیفہ ہیں۔ انہیں عمر ثانی کہا جاتا ہے۔ نہایت متقی عابد و زاہد
تھے۔ ان کی وفات ۳۹ برس کی عمر میں ۱۰۱ھ میں زہر دینے جانے کی وجہ سے ہوئی۔ ان کی مدت

مذکورہ بالا قرار توں کے

علاوہ اور قرار تیں

کچھ اور قرار تیں رہ گئی ہیں۔ ان میں سے ایک مَلَّکَ یَسُوَعُ

السیّدین کی قرار ت ہے۔ اس طرح مَلَّکَ غُفْل ماضی ہے اور

یَوْمُ السّیّدین اس کا مفعول اور یہ ملّا بن ابی طالب کی

قرار ت ہے اور مَلَّکَ یَوْمُ السّیّدین ک پر تنوین والا پیش اور یوم پر زبر اور یہ ماضی مجہدی کی قرار ت

ہے اور مَلَّکَ یَوْمُ السّیّدین ک پیش (تنوین کے بغیر) اور یوم کچھ منیم کے نیچے اضافت کی

وجہ سے زیر ان قرار توں کے اسرار ان کے حرکات کے اسرار سے معلوم ہو سکتے ہیں اور ان غیر مشہور

قرار توں میں سے کسی ایک میں بھی وہ اسرار نہیں پائے جاتے جو دونوں متواتر قرار توں کے معانی و اسرار

کو ادا کر سکیں۔

سورۃ فاتحہ کی قرار توں کے اختلاف میں ایک اختلاف آیاتک

میں ہے۔ جمہور نے اسے ہمزہ کی زیر پڑھا ہے سفیان ثوری نے

آیاتک ہمزہ کی فتح زبر اسے پڑھا ہے۔ اس کی ظاہری وجہ تو یہ ہے کہ آیاتک اور آیاتک دونوں

میں ایکین باطنی وجہ یہ ہے کہ زیر کا راز اور ہے اور زبر کا راز اور۔ زیر میں اللہ کے سامنے ادب اور

انکساری اور اس امر مطلوب میں تواضع پائی جاتی ہے اور شتکم کی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں یہی

نسبت ہوتی ہے۔ زیر سے یہ معانی یوں مستفاد ہوتے کہ زیر عقل کامل کے لیے ہے اور کمال عقل تواضع

اور انکساری کا متقاضی ہے کیونکہ اسے علم ہوتا ہے کہ بندے کا مرتبہ کیسا ہونا چاہیے اور رب کا مرتبہ

کیسا۔ زبر کا راز مشاہدہ کا علم سے حاصل ہوتا ہے جو رسالت کا جزو ہے اور یہ مشاہدہ خدا سے دل اور

اجتماع کا احساس دلاتا ہے اور ان دونوں میں ایک قسم کا مابہر کرنا پایا جاتا ہے مگر زیر میں عاجزی

پائی جاتی ہے اور یہی بات عام مخلوقات کے لیے مناسب بھی ہے اسی وجہ سے زیر والی قرار ت زیادہ مشہور

اور افضل ہے۔

اسواری کی قرار ت آیاتک اسواری کی قرار ت آیاتک ہے جس میں ی پر تشدید نہیں پڑی

گئی بلکہ اسے مخفف کیا گیا ہے قرار ت جمہور اور اس قرار ت

میں کوئی خاص فرق نہیں ہے اگر فرق ہے تو صرف اتنا کہ جمہور کی قرار ت (آیاتک) میں اللہ سے ڈرنے

کی تاکید اور اس خوف کے اندر حق گوئی کی تاکید ہے اور یہ دونوں امور اللہ سے مضبوط تعلق اور

لے سفیان بن سعید ثوری: انیس ابی الوضیٰ فی الحدیث کہا جاتا ہے۔ نہایت ہی شوق اور مایہ وزاد تھے ان کا

پیدا تھی ۹۷ میں کو ذی ہجرت اور وفات بصرہ میں ۱۱۷ میں ہوئی۔

سخت خوف کا تقاضا کرتے ہیں اور یہ بات تخفیف والی قرارت میں نہیں پائی جاتی کیونکہ اگرچہ اس میں بھی خوف اور سچائی پائی جاتی ہے اس لیے کہ یہی خوف کے لیے ہے اور اس کا زبردستی کے لیے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ پھر بھی تشدید والی قرارت میں زیادہ تاکید پائی جاتی ہے۔

بعض اہل مکہ کی قرارت نُعْبُدُ قرارت کے اختلافات میں سے ایک قرارت اہل مکہ کی ہے کہ انھوں نے دال کو ساکن کر کے نُعْبُدُ پڑھا ہے تخفیف کی وجہ وہی ہے جو ابوعرو نے یا مُرُکُکُ کی راکو ساکن کرنے کی بیان کی ہے۔ باطن کے اعتبار سے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ پیش کار از اس مقام پر جزم کے راز کے قریب ہے کیونکہ پیش اور جزم دونوں حائر ساریہ کے لیے ہیں پھر بھی ان دونوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ اس طرح کہ جزم میں پیش کا راز شامل ہوتا ہے اور اس میں اسی قدر زیادتی بھی ہے کیونکہ پیش تو اصل ہے اور جزم اس پر عارضی طور پر واقع ہوتا ہے اور اصلی راز عارضی چیز کے پیدا ہونے سے زائل نہیں ہو سکتا اس لیے جزم میں پیش کے مقابل میں زیادہ تاکید پائی گئی، لیکن چونکہ جزم تو ایک عارضی چیز ہے کبھی آئے گی اور کبھی نہیں اسی لیے پیش زیادہ مشہور اور افضل ٹھہری، مزید برآں اصلی راز تمام مومنین کے لیے عام ہے اور عارضی راز خاص انھوں سے اس لیے پیش کی قرارت میں عوام کے لیے قبض عام ہے اور جزم کی قرارت میں خاص لوگوں کے لیے قبض خاص ہے۔

اَيَّاكَ يُعْبُدُ کی قرارت ایک اور قرارت اَيَّاكَ يُعْبُدُ کی ہے جس میں يُعْبُدُ کو مجہول پڑھا گیا ہے۔ صیغہ مخاطب سے صیغہ غائب کی طرف التفات کی وجہ سے۔ باطن کے اعتبار سے اس کی توجیہ یہ ہے کہ تمہاری پیش انقباض کے لیے ہے اور جس چیز سے انقباض پیدا ہوا ہے وہی اور ع کے معنی کی ضد ہے۔ اسی اللہ تعالیٰ سے خوف کے لیے ہے جس کی ضد عدم خوف یعنی خدا کی نافرمانی ہے۔ رع عفو کے لیے ہے جس کی ضد عزم اور بُرا بروتاؤ ہے لہذا یہ مشکلم دونوں حروف کے معنوں سے متصف ہونے کے بعد ان دونوں برے معنوں سے منقبتیں ہوا اور یہ انقباض اس قدر مضبوط ہوا کہ مشکلم کی حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ ان عارفین میں سے ہو گیا جو اہل جنت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور یہ سال اُن اہل باطن کا ہوتا ہے جو اللہ کی ہر ممنون کی عبادت اور تسبیح کا شہرہ کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اَنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِہِ ہم نے جو یہ کہا ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جاتا ہے جو اہل جنت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ اس لیے کہا ہے کہ ع کے بعد کا زبرد اہل جنت کی زندگی کے معنوں کو ادا کرتا ہے۔ لہذا یہ قرارت صرف عارف لوگ ہی ادا کر سکتے ہیں

حضرت نے فرمایا سید بن جبیر اس آیت کو اسی طرح پڑھا کرتے تھے کیونکہ وہ اکابر مازنین میں سے تھے۔
 نَفَعَنَا اللَّهُ بِهٖ آمین۔ یہی وجہ ہے کہ اس قرأت والے کو اس بات کی ضرورت نہ ہوئی کہ وہ اپنے
 آپ کو اس بات میں شامل کرے کیونکہ وہ تو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہے کہ کوئی شخص بھی اللہ کی
 عبادت سے مشغول نہیں ہو سکتا۔ برعکس قرأتِ جہور کے جو ان اور مضارع معروف سے ہے کیونکہ اس
 صورت میں مطلقہ اپنے آپ کو عبادت میں شامل کرتا ہے اور اس قرأت میں عارف وغیر عارف سب شامل
 ہو سکتے ہیں۔ اگر وہ مشاہدہ ہی کیوں نہ کرے کہ کوئی شخص اللہ کی عبادت سے باہر نہیں رہ سکتا۔ تو اس صورت
 میں اس کا اپنے آپ کو عبادت میں شامل کرنا لذت حاصل کرنے کے لیے ہو گا اور اگر وہ مشاہدہ نہ کر رہا ہو گا
 تو قاری غیر عارف ہو گا۔ اس کے باوجود جہور کی قرأت بہتر ہے کیونکہ جب قاری قرأت میں مشغول ہو
 جائے تو حروف کے معانی کے انوار چمک اٹھتے ہیں اور متکلم کی ذات کو ان انوار سے سیراب کرتے ہیں
 لہذا اگر وہ ان سے پڑھے گا تو اس نے اپنے آپ کو عبادت میں شامل کر لیا اور وہ ان کے معنی سے سیراب
 ہو گا اور اگر کسی سے پڑھے گا اور پڑھنے والا غیر عارف ہے تو وہ نور جس پر ان دلائل کو رہا ہے اس سے
 چھوٹ جائے گا حالانکہ سورۃ فاتحہ کے پڑھنے سے ہماری غرض اسے تمام انوار کے ساتھ پڑھنے سے ہے۔
 عارف سے انوار نہیں چھوٹ سکتے کیونکہ وہ خود دیکھ رہا ہوتا ہے کہ کوئی شخص بھی اللہ کی عبادت سے غافل
 نہیں ہو سکتا۔ مختصر یہ کہ ان والی قرأت تمام امت کے مناسب ہے خواہ وہ عارف ہو یا غیر عارف
 برخلاف ہی کی قرأت کے کیونکہ اسے پڑھنے والا ضروری ہے کہ عارف ہو کیونکہ اس کی قرأت میں وہ
 معانی پائے جاتے ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس نے خدا کا حق بھی ادا کیا ہے یعنی اسے خدا سے خوف تمام
 حاصل ہے اور یہ مفہوم ہی سے مستفاد ہوتا ہے اور خلق کا حق بھی ادا کیا ہے یعنی انہیں معاف کرنا
 درگزر کرنا اور ان سے برائی نہ کرنا اور یہ مفہوم حق سے حاصل ہوتا ہے پھر عارف جب ان دو بڑے
 اہم اخلاق سے مزین ہو چکا ہے تو ان کی خدمت سے متعین ہوتا ہے اور یہ مفہوم ہی کے پیش اور حق کے
 جزم سے سمجھ میں آتا ہے اور یہ کیفیت بہت اعلیٰ درجہ کی کیفیت ہے یہی وجہ ہے کہ وہ ان انوار سے
 لے

سید بن جبیر: ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ میں پیدا ہوا اور ساٹھ سال کی عمر میں ۳۳۵ میں ابن اشعث کی خلافت میں حجاز
 نے نہیں قتل کیا جب اہل کوفہ کو جلائے اور حضرت عبداللہ بن عباس سے مسئلہ پوچھتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ کیا تم میں
 سید بن جبیر نہیں؟ وہ کسی کو اپنے پاس نسبت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ قتل ہونے سے پہلے انہوں نے دعا کی
 کہ اے خدا مجھ کو میرے بعد کسی پر مسلط نہ ہونے دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حجاج ان کے پندہ دن بعد مر گیا۔
 اسی عرصہ میں حجاج کو نیند آئی تھی جب سوتا تو حضرت سید خواب میں آکر پاؤں کھینچنے اور اٹھا دیتے۔

سیراب ہوتا ہے جن سے اہل جنت سیراب ہوتے ہیں تاکہ وہ ان کی سی زندگی بسر کر سکے۔

قرارت نَعْبِدُ

اسی طرح بعض نے نَعْبِدُ ذوال کے بعد ذکی زیادتی سے پڑھا ہے۔ یہ نافع کی روایت ہے جسے اصمہانی نے درش سے روایت کیا ہے۔ اس کی ظاہری وجہ تو یہ ہے کہ ذوال کی پیش کو اشباع کر کے واؤ پڑھا گیا، لیکن باطن کے لحاظ سے اس قرارت میں جمہور کی روایت پر واؤ زیادہ کی گئی ہے اور یہاں واؤ حق گوئی سے نہ شرمانے کے لیے ہے اور عدم معیار کے معنی یہ ہیں کہ بندے نے اپنے الفاظ میں تصریح کر دی تاکہ جب وہ اللہ کے سامنے ہواس معنی کی تحقیق ہو جائے اور اس کی اس حد تک تاکید کر دی جائے کہ اس میں کوئی شبہ نہ رہے۔ یہ مفہوم اگرچہ ایک اچھا مفہوم ہے مگر اس سے بھی اچھی بات یہ ہے کہ بندہ یہ خیال کرے کہ اس نے کوئی عمل کیا ہی نہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو۔ خدا ہی اس کا اور اس کے حرکات و سکنات کا خالق ہے۔ یہی وجہ ہے جمہور کی قرارت سے واؤ گرا دی گئی ہے کیونکہ اس مقام پر حیا کرنا عدم حیا سے بہتر ہے کیونکہ اس میں اپنے عمل کو دیکھنا اور اللہ سے بے ادبی پائی جاتی ہے، حضرت نے فرمایا واؤ کی قرارت صحیح ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور جمہور کی قرارت کو ترجیح صرف اس لیے ہے کہ اس کی نسبت ہم سے ہے۔ آنحضرت کے ساتھ نہیں کیوں کہ آنحضرت کی نسبت سے جو قرارتیں آتی ہیں، ان کے پیچھے اتنے انوار آتے ہیں، جتنے اللہ چاہتا ہے۔

حضرت نے فرمایا اس قرارت میں واؤ کے بعد الف اس لیے نہیں لکھا جاتا ہے کہ واؤ تو یہاں حرف لکھ کے معنی کو ثابت کرنے کے لیے آئی ہے، اس لیے اس کے بعد الف زائد نہیں لکھا گیا۔

یحییٰ بن وثاب کی قرارت نَسْتَعِينُ

ان قراءتوں میں سے ایک قرارت یحییٰ بن وثاب کی ہے جنہوں نے نَسْتَعِينُ کے نیچے زیر سے پڑھا ہے اس کی ظاہری وجہ یہ ہے کہ یہ ایک لغت ہے۔ اگرچہ مشہور لغت نون کی زیر سے ہے۔ باطن کے اعتبار سے اس کی وجہ یہ ہے کہ زیر کا راز الگ ہے اور زیر کا الگ۔ اس لیے کہ زیر کی قرارت میں زیر ملتا

لے اصمہانیؒ: اصمہانی پانچ مشہور بزرگ ہوتے ہیں۔ غالباً یہاں مراد ابراہیم بن اورم سے ہے۔ یہ حافظ حدیث اور عالم تھے۔ معرفت اور حافظ کے اعتبار سے یہ اپنے زمانے میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ چمن برس کی عمر میں ۱۲۷ھ میں وفات پائی۔

۲۷ یحییٰ بن وثاب: اسی کوئی تھے۔ یہ مشہور تھری ہیں۔ ابن عمر اور ابن عباس وغیرہ سے روایت کہ جب مسجد میں قرآن مجید پڑھتے تو سناٹا مچا جاتا۔ ان کی وفات ۱۲۷ھ میں ہوئی۔

کو خارج کر دیا جاتا ہے اور یہ بات زیر میں نہیں پائی جاتی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ زیر جس باطنی کے لیے ہے جو آدمیت کا جزو ہے اور تو معلوم کر چکا ہے کہ آدمیت میں ادب اور انکساری پائی جاتی ہے لہذا زیر کا اشارہ خود اس متکلم کی طرف ہے جس نے عاجزی کی اور با ادب رہا اور چونکہ اس نے اشارہ اپنی طرف ہی کیا ہے اس لیے غیر کو اس سے خارج کرنا لازم محض۔ اسی وجہ سے جمہور کی قرارت بہتر ہے کیونکہ وہ زیادہ عام اور زیادہ فائدہ مند ہے۔

حضرت عمرؓ کی قرارت غَيْرُ الْمَغْضُوبِ

انہی میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قرارت غَيْرُ الْمَغْضُوبِ ہے۔ بعضوں نے غَيْرُ الْمَغْضُوبِ زیر کے ساتھ بھی پڑھا ہے اور یہ ابن کثیر کے سند سے خلیل بن احمد کی قرارت ہے۔ خلیل سے جمہور کی زیر والی قرارت بھی مروی ہے۔ نحوی اعتبار سے اس کی توجیہ ظاہر ہے اور باطن کے اعتبار سے ان کی توجیہ تینوں حرکات کے راز کے مطابق ہوگی چنانچہ زیر آدمیت کے لیے ہے جو یہاں کمال صورت باطنی کے لیے ہے اور اس میں بہت ادب پایا جاتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ زیر کی صورت میں مغضوب علیہم کی تعیین پائی جاتی ہے اور اشارہ یہ ہے کہ وہ ہماری جنس میں سے ہی نہیں بلکہ ہمارے ہی رشتہ داروں اور اصل میں عزادوں میں سے ہیں۔ یوں سمجھو کہ جس نے غَيْرُ کو زیر سے پڑھا وہ یہ کہہ رہا ہے کہ سوائے ان لوگوں کے جن پر تیرا غضب ہوا مثلاً یہودی اور وہ ہمارے آثار میں سے ہیں، لیکن اس کے باوجود خدا یا تو نے ہم کو ان پر نفیست اور ہدایت دیکر ان سے متاثر کر دیا۔ لہذا ہم تیرا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ لہذا اس میں بڑا بھاری ادب پایا جاتا ہے۔ اسی واسطے جمہور نے اسی طرح پڑھا ہے۔ پیش کی قرارت میں بھی مغضوب علیہم کی تعیین اور تخصیص ایک معین قوم سے کی گئی ہے اور ساتھ ہی ان سے نفرت، ان سے دُوری اور بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے اور یہ پیش کا راز ہے، کیونکہ ضمیر قبض، ضد سے نفرت اور بیزاری کے لیے ہے۔ لہذا اس میں وہ انکساری نہیں پائی جاتی جو زیر میں پائی جاتی ہے۔

زیر کی قرارت (غَيْرُ) میں مغضوب علیہم کی تعیین نہیں اور کلام اپنے عموم پر قائم رہتا ہے اور پہلی دو قرارتوں میں عام سے مراد وہ عام ہوگا جس سے خاص مراد لیا جاتا ہے۔

۱۔ خلیل بن احمد فرامیدی: مشہور نحوی اور لغوی گورے میں۔ ان کی کتاب امین عربی لغت کی پہلی کتاب خیال کی جاتی ہے خلیل علم عروض عرب کے بھی موجد ہیں۔ ان کی وفات ۳۴۰ھ میں ہوئی۔

الوایوب سختیانی کی قرارت وَلَا الضَّالِّینَ

ان میں ایک قرارت الیواب سختیانی کی قرارت وَلَا الضَّالِّینَ کی قرارت ہے جس میں الف کو ہمزہ ساکن میں تبدیل کر دیا گیا ہے اس کی وجہ ظاہری یہ ہے کہ یہ ایک نہایت شاذ لغت ہے۔ باطنی وجہ یہ ہے کہ ہمزہ بھی امثال کے لیے ہے اور اس کا جزم بھی امثال کے لیے ہے چنانچہ اس میں دو قبض پائے گئے۔ ایک ہمزہ کا اور وہ سراح حرکت کا اور یہ قبض امثال کا قبض ہے اور امثال سے مراد یہ ہے کہ ہم اس قول کو مان لیں کہ گمراہ لوگ ہمارے دشمن ہیں لہذا اس ہمزہ کی مثال ایسی ہوتی جیسے کہ کوئی کلمہ نہ گمراہ لوگوں کی اور وہ ہمارے دشمن ہیں۔ ہمزہ ساکن یہاں پر اس جملے کے قائم مقام ٹھہری۔ اس کے باوجود جمہور کی قرارت اس سے بہتر ہے کیونکہ الف محدودہ اور اس کے مراتب میں وہ معانی پاتے جاتے ہیں جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے جن کے ایک حصے کو بھی یہ قرارت ادا نہیں کر سکتی۔

یہ تمام اس کلام کا خلاصہ ہے جو ہم نے شیخ سے ان قرارتوں کی تفسیر اور ان کی توجیہ کے بارے میں سنا۔ ان کے علاوہ اور قرارتیں بھی ہیں جن کا ذکر آئندہ قرارتوں میں کیا ہے اور شیخ نے ان کے علاوہ اور قرارتوں کا بھی ذکر کیا تھا جن کا ذکر میں نے اس خیال سے نہیں کیا کہ کہیں لوگ آگے نہ جائیں کیونکہ اگر میں اس مسئلہ کی تفصیلات میں جاتا اور جو معلومات حضرت کے بطن میں تھیں ان تمام کو لکھنا چاہتا تو وہ کئی جلدوں میں بھی سہا نہیں سکتی تھیں۔

شیخ کے مذکورہ بالا بیان میں کئی ایک نکات پاتے جاتے ہیں جن کا ہم ذیل میں ذکر کئے دیتے ہیں:

۱۔ مقام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پہلی بات جس سے مطالعہ کنندہ کو آگاہ ہونا چاہیے وہ یہ ہے کہ حضرت کے منور کلام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن کی تشریح اور آپ کے قلب و جسم مبارک کے اسرار کے بلند مقام کے متعلق تنبیہ پال جاتی ہے اور اسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبہ و مقام کا پتہ چلتا ہے کیونکہ انہیں اس کے نور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف میں پاتے جاتے ہیں کسی اور میں نہیں پاتے جاتے۔ اس لیے آپ کی ذات میں ان کے حقائق و انوار مکمل طور پر پائے جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ ابوبکر ایوب بن ابی تمیمہ کیسان سختیانی؟ مگر کتاب میں صرف ابوالیوب آیا ہے۔ تاہم یہی ہیں۔ بہت پائے کے عالم تھے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی ملاقات ہوئی انھوں نے حدیث کی روایت حسن بصری، سعید بن جبیر وغیرہ سے کی اور ان سے شعبہ سفیان ثوری، سفیان عینی، حماد بن زید، حماد بن سلمہ وغیرہم نے روایت حدیث کی۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔

سے اُسے اور زیادہ محبت ہو جائے تو اسے چاہیے کہ ان انچاس اجزا کو ایک ایک کر کے آپ کے پہلو میں رکھے، پھر ان سب انوار کو مرکب کر کے ایک ہی نور بنادے تو اسے بہت بڑا نور دکھائی دے گا۔ جس کی نہ کیفیت بیان کی جاسکتی ہے اور نہ کوئی دوسرا شخص ان کو برداشت کرنے کی طاقت رکھ سکتا ہے۔ پھر ان انوار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن میں رکھے تو اسے بالضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت زیادہ ہو جائے گی اور اس طرح اس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری اور باطنی صورت کی تشریح بھی ہو جائے گی۔

۲۔ شرح حال روح | آپ کے بیان میں جو دوسری بات پائی جاتی ہے وہ رُوح کے حال کی تشریح اس کے خصال حمیدہ اور عجیب و غریب اوصاف کا بیان ہے۔ رُوح کے اوصاف

یہ ہیں۔ ذوق تمیز۔ بصیرت۔ عدم غفلت۔ قوت سریان اور جسم کا آزار رساں اشیاء کو محسوس کرنا لہذا جو شخص ان اوصاف کو جان لے اور ان معانی کو اچھی طرح سمجھ لے تو اسے رُوح کے متعلق مع اس کے لوازمات اور خواص کے بہت سی معلومات حاصل ہو جائیں گی۔ لوگوں میں رُوح کے متعلق سخت اختلافات پایا جاتا ہے کوئی یہ کہتا ہے کہ میں تو اس بحث میں پڑنا ہی نہیں چاہتا لہذا اس نے اس بحث کا دروازہ ہی بند کر دیا اور کچھ لوگ اس کی بحث میں پڑتے ہیں اور اس بات کے مدعی ہیں کہ رُوح کے متعلق انہیں معلومات حاصل ہیں، اس کے باوجود انہوں نے رُوح کے خواص کا ذکر نہیں کیا جس کی وجہ سے لوگوں کی عقلیں حیران رہ گئیں مگر حضرت کا کلام رُوح کے خواص اور لوازمات کو نہایت عمدہ طور پر بیان کرتا ہے لہذا جو شخص اس بحث میں پڑنا چاہے تو اسے بھی شیخ کا مسلک اختیار کرنا چاہیے۔

اب رہی یہ بات کہ رُوح کیا چیز ہے؟ اس کی ماہیت کیا ہے؟ رُوحوں کا ہم جنس یا مختلف ہونا کیسے ہوتا ہے اور اجسام میں داخل ہونے سے پہلے ارواح کی کیا کیفیت تھی؟ تو ان کے متعلق ہم نے شیخ سے نہایت عجیب و غریب باتیں سنی ہیں جن میں سے ہم بعض کا ذکر کتاب میں کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۳۔ معارف اولیا کی شرح | آپ کے کلام میں جو تیسری بات پائی جاتی ہے وہ اولیاء اللہ کے معارف کی تشریح ہے جس سے ولایت اور عرفان کا پتہ چلتا ہے

کہ یہ کیا ہیں؟ کیونکہ دل اور غیر دل میں اس وقت تک فرق معلوم نہیں ہو سکتا جب تک کہ دل کی ذات اور رُوح کا درمیانی پردہ نہ اٹھ جائے لہذا جس کی ذات پر رُوح کے اسرار کھل جائیں اور اُن کے درمیان کا پردہ زائل ہو جائے وہی دل عارف اور صاحب فہم کہلائے گا اور جس کی ذات رُوح سے حجاب میں رہے تو وہ ایک عامی شخص ہے خواہ وہ ہوا میں ہی کیوں نہ اڑ سکتا ہو یا پانی پر ہی کیوں

نہ چل سکتا ہو۔ اگر میں ان تمام باتوں کا ذکر کروں جو میں نے حضرت سے اس بارے میں سنیں تو کلام طول پکڑ جائے گا۔ شاید ہم آئندہ چل کر کچھ باتیں کتاب میں درج کریں۔ واللہ اعلم۔

۴۔ شرح حدیث اُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْوَفٍ
چوتھی بات حدیث شریف کی شرح ہے جسے حضرت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوارِ باطنی اور اسرارِ قلبی کے مطابق بیان فرمایا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی کریم اور رسولِ عظیم ہیں آپ کا

باطن بھی بہت بڑا باطن ہے اور آپ کا قلب مبارک انوار سے الامال ہے اور قرآن مجید آپ کے اس بڑی صفت والے دل پر نازل ہوا ہے چنانچہ حضرت کی بیان کردہ تفسیر ان تمام اسرار کو پورا کر رہی ہے اور ان تمام انوار پر شامل ہے۔

اب رہی حدیث کی ظاہری شرح اور اسے ظاہری عبارات اور عربی زبان کے مطابق پیش کرنا، تو یاد رکھنا چاہیے کہ اس قسم کی شرح کو مقامِ نبوت اور مقامِ رسالت کے ساتھ کوئی نسبت نہیں کیونکہ اسرارِ باطن کے اختلاف کے بغیر لفظی اختلافات صرف اس باطن میں پیدا ہوتے ہیں جو اسرار سے عاری ہو۔

اس سے بھی زیادہ عجیب تفسیر اس شخص کی تفسیر ہے جس نے سات حرفوں کی تشریح حلال، حرام وعدہ، وعید، استخبار اور ندا سے کی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ کتنا درست نہ ہوگا کہ قرآن سات حرف پر نازل ہوا، لہذا تم جتنا آسانی سے پڑھ سکو، پڑھ لو۔ اور نہ ہی صحابہ کے لیے یہ مناسب تھا کہ وہ ان معانی میں آپس میں جھگڑتے۔ اسی طرح جنہوں نے اس کی تشریح امر، نہی، وعدہ، وعید وغیرہ سے کی ہے وہ بھی درست نہیں۔ الغرض عاقل و ذکی آدمی پر حق بات مخفی نہیں رہ سکتی۔

۵۔ آئمہ قرار اور حضرت کے بیانات میں فرق
اگر آئمہ قرار کی بیان کردہ سات قراءتوں کی توجیہ اور حضرت کے بیان کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو دونوں میں نمایاں فرق ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ جو کچھ آئمہ قرار نے بیان کیا ہے اگر وہ اپنی جگہ

پر درست ہے، لیکن وہ تو ایک عام بات ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمارے نبی ہونے کی حیثیت میں کوئی خصوصیت نہیں پائی جاتی کیونکہ مَلَائِکَہُ السَّمٰوٰتِ میں لام کی جزم والی قراءت میں جو توجیہ انھوں نے بیان کی ہے کہ لام کی جزم عَصْد اور کُفَّ کی طرح تخفیف کے لیے ہے وہ تو تمام عربی کلام میں پائی جاتی ہے چنانچہ یہی بات عَصْد اور کُفَّ میں موجود ہے حالانکہ یہ دونوں لفظ قرآن مجید میں نہیں پائے جاتے۔ لہذا یہ توجیہ اور کیا حضرت کے بیان کردہ اسرار۔

اسی طرح آیاتِ یُعْبَدُ جہاں یُعْبَدُ مضارع مجہول ہے کہ جو قرآن نے توجیہ کی ہے کہ یہاں انتہا ہے۔ مخاطب سے نائب کی طرف، تو سب جانتے ہیں کہ انتہا عام عربوں کے کلام میں پایا جاتا ہے لہذا یہ توجیہ حضرت کے بیان کردہ اسرار کا کیسے مقابلہ کر سکتی ہے جہاں انھوں نے یہ امر اس کی مخصوص حرکت مع اور اس کی مخصوص جزم کا راز بیان کیا ہے اس کے بعد اب اور اس کی مخصوص زیر اور وال اور اس کی مخصوص حرکت کا راز بیان کیا ہے۔

۴۔ کہیں کوئی یہ خیال نہ کر بیٹھے کہ قرآن مجید کی کہیں نہ سمجھ لینا کہ قرآن مجید کی تفسیر انہی سات باطنی حروف سے ہو سکتی ہے اور بس کیونکہ یہ سمجھ لینا درست ہے اور بس ہو سکتی ہے اور بس

نہیں بلکہ قرآن مجید کے اور معانی بھی ہیں جن میں علومِ ادہین و آخرین مندرج ہیں اور یہ سات باطنی حروف ان معانی کے لیے بمنزلہ لباس کے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ معنی ایک ایک چیز ہے اور اس کا لباس الگ۔ سرورۃ فاتحہ کی مذکورہ بالا تشریح میں غور کرنے سے اس کا تھوڑا سا نقشہ ذہن میں آجائے گا اور قرآن مجید کی اس کے حقیقی معنوں میں تفسیر کی جائے تو قرآن مجید کے ظاہری اور باطنی دونوں معنی معلوم ہو جائیں گے اور اس کے باطن سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ جسم میں داخل ہونے سے پہلے ارجاع کی کیا کیفیت تھی اور جسم سے مفارقت کے بعد اس کی کیا کیفیت ہو جائے گی۔ نیز یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ قرآن مجید سے ان تمام علوم کا استخراج کیسے ہو سکتا ہے جن پر زمین و آسمان کے رہنے والوں کے علوم مشتمل ہیں اور اس سے شریعت محمدیہ نہیں بلکہ تمام شرائع کا استخراج کس طرح ہو سکتا ہے اور اسی طرح ان تمام معارف کا اخراج جن کی طرف ہم نے اجزاء علم میں اشارہ کیا ہے مثلاً انہام کی معرفت، علوم متعلقہ باحوال کوہن کی معرفت، علوم متعلقہ باحوال تعلیم کی معرفت اور تمام لغات کا جاننا وغیرہ وغیرہ اور یہ سب کچھ انھیں کے باطن کے سمندر کا ایک قطرہ ہے۔ اگر قرآن کریم کو اس طریقے پر سمجھا جائے، پھر اس تعبیر کو ان سات حروف کے انوار سے ملا دیا جائے اور معانی کو ان کا لباس پہنا دیا جائے تو ایسی باتیں ظاہر ہوں گی جن کے سننے سے عقلیں حیران ہو جائیں گی، تب جا کر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اگر زمینوں اور آسمانوں کے لوگ مل کر قرآن کی کسی ایک سطر بھی پیش کرنے کی کوشش کریں تو نہ کر سکیں گے لہذا پاک ہے وہ خدا جس نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اسرار کے ساتھ مخصوص کیا جن کی نہ کیفیت بیان کی جاسکتی ہے اور نہ ان کی کوئی شخص طاقت رکھ سکتا ہے۔

حروف ملفوظہ کے اسرار کا علم سوائے اصحاب قرآن کے حروف تلفظیہ کے اسرار کا علم اور ہر حرف کا ایک سر خاص سے مخصوص ہونے کی وجہ مثلاً امتثال کے لیے ہے کشف کے کسی کو نہیں ہو سکتا !

اور ب سکینت کے لیے اور ت کمال حسن ظاہری کے لیے وغیرہ وغیرہ بجز اہل فتح اور صاحب عرفان اور ارباب شہود کے کسی دوسرے کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اعرابی حرکات کا خاص خاص اسرار کے ساتھ متعین ہونا بھی بغیر فتح و عرفان کے ناممکن ہے کیونکہ اگر ان اسرار و تخفیفات کا کوئی ضابطہ ہوتا تو لوگ ان اسرار کو معلوم کر لیتے لہذا اگر کوئی ان سے واقف ہونا چاہے تو وہ ارباب شہود و عرفان سے بالمشافہ گفتگو کرے اور ان سے ہر حرف اور ہر حرکت کا راز دریافت کرے، انشاء اللہ اسے حق تک رسائی ہوگی و مَا تَوْفِیْقُیْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَیْہِ تَوَكَّلْتُ وَ اَلِیُّہٗ اُنِیْبُ۔

۸۔ قرآن مجید کا رسم الخط
توقیفی ہے اصطلاحی نہیں

اکثر لوگوں نے اسے صحابہ کی اصطلاح سمجھ لیا تو وہ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ اصطلاح درست ہے اور اس میں اسرار رکھے ہوئے ہیں جن میں بعض کو ہم سمجھتے ہیں اور بعض کو ہم نہیں سمجھتے۔ پس جن کو ہم سمجھتے ہیں وہ ان آیات و احکام کی طرح ہیں جن کے معانی سمجھ میں آسکتے ہیں اور بعض کو ہم نہیں سمجھتے۔ یہ دونوں خیال درست ہیں، لیکن ان کے ذہن سے یہ خیال نکل گیا کہ اتباع تعبیدی صرف احکام الہیہ میں ہی ہوتا ہے لوگوں کی تجویز کردہ اصطلاح میں اتباع تعبیدی نہیں ہو سکتا اور اتباع تعبیدی جس کا ذکر انھوں نے کیا ہے وہ صرف رسم خط کو توقیفی ماننے کی صورت میں ہے نہ کہ اصطلاح ماننے کی صورت میں۔ ایک جماعت نے اسے اصطلاح قرار دینا صحیح نہیں سمجھا اور وہ کہتے ہیں کہ عرب کتابت سے واقف نہ تھے اس لیے انھوں نے غلطی سے الفاظ کو جس طرح چاہا لکھ لیا اور فرار کے مذکورہ بالا قول کا مطلب بھی یہی ہے ابواسحق ثعلبی مفسر نے اَلَّذِیْنَ یَاْخُلُوْنَ اَسْرِ لَوْ اَنَّ

لے تعبیدی وہ امر ہیں جن کی ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں مگر بلا چوٹ و چلا ان پر عمل کرتے ہیں۔

لے ابواسحق ثعلبی مفسر: ابواسحق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی نیشاپوری۔ ان کی وفات ۳۲۰ھ میں ہوئی ان کی تفسیر کا نام اکشف والبیان فی تفسیر القرآن ہے۔

پائے جائیں، تب ان کے یہ انوار ہوں گے، لیکن اگر یہ حروفِ قرآن مجید کے علاوہ کسی اور کلام میں ہونگے تو اس صورت میں ان کی تقسیم اور طرح سے ہوگی۔ اس طرح کہ انہیں کے انہیں حروفِ آدمیت کے سات اجزاء میں محصور ہوں گے چنانچہ کمال صورتِ باطنی تو ہر حرف کے لیے اسی پر وہ نور نکلیں گے اور اسی کے نور سے ان کی آوازیں پیدا ہوں گی اور ذکرِ بیتِ پیش کے لیے اور کمال صورتِ ظاہری زبر کے لیے اور کمالِ عقلِ زیر کے لیے اور کمالِ حسِ باطنی جزم کے لیے اور الفِ مدودہ کے لیے نزعِ خطِ شیطان اور ی مدودہ کے لیے کمالِ حواسِ ظاہرہ و باہرہ کا مدسودہ کچھ حصہ نزعِ خطِ شیطان کا لیتا ہے اور کچھ حصہ کمالِ حواسِ ظاہرہ کا۔ یہ ان حروف کی تقسیم ہے جو قرآنِ مجید کے علاوہ دیگر کتبِ سماویہ و احادیثِ قدسیہ وغیرہ اور دیگر لوگوں کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ باقی چھ حروف یعنی قبض، بسط، نبوت، روح، علم، رسالت کے انوار ان کلاموں میں راکد و ساکن ہوں گے اور وہ چلتے نہیں ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ یہ چھ انوار تو تمام پیغمبروں کی ذات میں موجود ہوتے ہیں، لہذا جب کوئی کتاب ان پر نازل ہوگی تو یہ ضرور ہوگا کہ وہ کتاب ان انوار کے ساتھ نازل ہو۔ اس صورت میں وہ کتاب بھی سات حروف پر نازل ہوئی ہوگی۔

حضرت نے جواب دیا کہ یہ درست ہے کہ یہ چھ انوار دیگر پیغمبروں کی ذات میں بھی اسی طرح موجود ہوتے ہیں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں، جب آپ احادیثِ قدسیہ یا دیگر احادیثِ بیان فرماتے ہیں، مگر ان انوار کے وجود سے ان کا شتمل ہونا اور اسرار کا پایا جانا لازم نہیں آتا۔ ان کے انوار صرف اس وقت چمکتے ہیں جب یہ قرآنِ مجید میں ہوں کیونکہ ان میں ایک راز اس حکم کا ہوتا ہے جس کے متعلق آیت نازل ہوئی ہوتی ہے۔ اور دوسرا راز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ہوتا ہے، مگر دوسری کتبِ سماویہ و بشریہ کا مرتبہ رکھتی ہیں کیونکہ ان میں آنحضرت کی ذات نہیں پائی جاتی اسی لیے احادیثِ نبویہ کا مرتبہ ہر ازل کا مرتبہ ہے اس طرح دوسرے ہوتے۔ حضرت نے ہر ازل اور ہر ثانی کی ایسی تشریح کی تھی جس کا علم کشف اور علم لدنی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

حضرت نے فرمایا: یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے جس کا مقابلہ نہ اس کی نظم میں، نہ ترکیب میں اور نہ معانی میں ہو سکتا ہے۔ برخلاف دیگر کتبِ سماویہ کے کہ ان کا مقابلہ نظم اور ترکیب میں ہو سکتا ہے مگر معانی میں نہیں ہو سکتا، جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلامِ قدیم میں سے ہیں۔ واللہ اعلم۔

دوسرا سوال حضرت کی بیان کردہ تفسیر اور ان احادیث میں تطبیق دینے کے متعلق تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

کلامِ شیخ اور حدیث میں تطبیق

اس بارے میں مروی ہیں۔ لہذا ہم پہلے ان احادیث کو بیان کرتے ہیں، پھر ان میں تطبیق دینے کی طرف رجوع کریں گے۔

ان میں سے ایک حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے جو ہشام بن حکیم کے ساتھ پیش آئی اور یہ حدیث متفق علیہ ہے اور اس کا قصبہ بھی مشہور ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں موجود ہے۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ طبرانی کے ہاں اسلمی بن عبداللہ بن ابی طلحہ عن ابیہ عن بیدہ کی سند سے مروی ہے کہ ایک شخص نے قرآن مجید پڑھا اور حضرت عمرؓ نے اس کی اصلاح کی۔ پھر دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فیصلے کے لیے حاضر ہوئے اس شخص نے عرض کیا: یا رسول کیا آپ نے مجھے اس طرح نہیں پڑھایا؟ آپؐ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دل میں پریشانی سی پیدا ہو گئی جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کے چہرے سے پہچان گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی چھاتی پر ہاتھ مار کر کہا: شیطان کو نکال دو! یہی الفاظ تین مرتبہ فرماتے۔ اس کے بعد فرمایا: اے عسمر قرآن سب ٹھیک ہے۔ جب تک کہ رحمت کے الفاظ کو عذاب اور عذاب کے الفاظ کو رحمت نہ بنا دیا جاتا۔

دوسری حدیث ابی بن کعبؓ کی ہے کہ میں مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گیا ایک اور آدمی آیا اور اس نے سورۃ نمل پڑھنی شروع کی مگر اس کی قراءت میری قراءت سے مختلف تھی جب وہ نماز سے فارغ

۱۔ ہشام بن حکیم: ان کا ذکر پہلے آچکا ہے ۲۵۳ھ میں اپنے باپ کی زندگی میں وفات پائی۔ صحابی ہیں۔

۲۔ ابن حجر السقستانی: مشہور محدث اور شارح بخاری، ان کی بخاری کی شرح جو نفع الباری کے نام سے مشہور ہے، اہل علم کے ہاں بہت مقبول ہوئی۔ ان کی دوسری کتاب اصابہ فی تمیز الصحابہ ہے ان کی وفات ۳۵۳ھ میں ہوئی۔

۳۔ طبرانی: ابو جعفر محمد بن جریر الطبرانی مشہور محدث، مفسر اور مورخ، ان کی پیدائش آٹھویں صدی ۲۲۳ھ میں ہوئی اور وفات ۳۲۰ھ میں ہوئی۔

۴۔ اسلمی بن عبداللہ النصارانی مدینہ کے معتبر تابعین میں سے تھے امام کماکث انہیں بہت ہی زیادہ محترم سمجھتے تھے ان کی وفات ۳۳۵ھ میں ہوئی۔

۵۔ ابی بن کعبؓ مشہور صحابی اور تابعی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اللہ کے حکم سے سورۃ بئینہ اول سے آخر تک پڑھ سکنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے اور ان چھ صحابہ میں سے تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ہیں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا ان کی وفات ۳۱۵ھ میں ہوئی۔

ہوا تو میں نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کس نے یہ سورت پڑھائی ہے؟ اس نے جواب دیا، رسول اللہ نے پھر ایک اور آدمی نے اگر نماز پڑھنی شروع کی، اس نے بھی سورۃ نعل پڑھنی شروع کی اور اس کی قراءت ہم دونوں کی قراءت سے مختلف تھی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو میں نے پوچھا تمہیں یہ سورت کس نے پڑھائی۔ اس نے بھی یہی جواب دیا کہ رسول اللہ نے۔ اس پر میرے دل میں اس قدر سخت شک و شبہ پیدا ہو گیا کہ جاہلیت میں پیدا نہ ہوا تھا، پھر میں ان دونوں کو کچر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان سے سورۃ نعل پڑھو لیے۔ آپ نے ایک کو پڑھنے کے لیے فرمایا۔ جب اس نے پڑھ کر سنایا، تو آپ نے فرمایا: بہت خوب! اس پر میرے دل میں اس قدر شک و شبہ پیدا ہو گیا کہ جاہلیت میں پیدا نہ ہوا تھا۔ پھر آپ نے دوسرے کو پڑھنے کے لیے فرمایا۔ جب اس نے پڑھا تو اسے بھی فرمایا بہت خوب! اس پر میرے دل میں اور شک پیدا ہو گیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ دست مبارک میرے سینے پر مار کر فرمایا اے ابی میں تمہیں اس شک سے خدا کی پناہ میں لے جاتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ جبریلؑ نے مجھے آکر کہا کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کو حکم ہے کہ قرآن کو ایک ہی حرف پر پڑھا جائے میں نے کہا: خدا یا میری اُمت سے تخفیف کر دی جائے۔ جبریلؑ پھر آئے اور کہا کہ اللہ کا حکم ہے کہ قرآن کو دو دو حرفوں پر پڑھا جائے۔ میں نے پھر کہا: خدا یا میری اُمت سے تخفیف کر دی جائے۔ جبریلؑ پھر آئے اور کہا کہ اللہ کا حکم ہے کہ قرآن کو سات حرفوں پر پڑھا لیا جائے اور ہر حرف کے عوض میں آپ کی ایک درخواست منظور کی جائے گی۔ (المحدث)

اس حدیث کو حارث بن اسامہ نے ان الفاظ میں اپنی سند میں روایت کیا ہے اس کا تذکرہ ابن الجوزی نے النشر میں کیا ہے۔ ابی بن کعب سے تسلیم کی روایت یوں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی غفار (غین کے نیچے زیر اور ف منفق ہے) کے تالاب کے پاس کھڑے تھے کہ جبریلؑ اسے حارث بن اسامہ: کتاب میں ان کا نام اسی طرح دیا گیا ہے مگر دراصل ان کا نام حارث بن محمد بن ابی اسامہ ہے۔ کشف الظنون میں بھی یہی نام دیا ہے۔ یہ عائد حدیث اور توبع مند ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۸۰ھ سے ۲۰۰ھ میں ہوئی اور تین سو سال کا عمری ۲۰۰ھ میں وفات پائی۔ یہ قریب تھے اور ان کی بہت بیٹیاں تھیں اس لیے روایت حدیث کی اُجرت میں پیسے یا کرتے تھے جس کی وجہ سے بعض نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ (ذہبی ۱۲۵: ۱۶۷)

۱۔ مسلم بن حجاج ۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۶۱ھ میں وفات پائی انکی صحیح مسلم کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے

آپ کے پاس آئے اور کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ اپنی امت کو ایک حرف پر قرآن مجید پڑھائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: میں خدا سے عافیت اور مدد کی درخواست کرتا ہوں کیونکہ میری امت یہ برداشت نہ کر سکے گی۔ پھر جبرئیلؑ نے دوبارہ اگر دو حرفوں پر پڑھنے کی اجازت دی۔ آپ نے وہی پہلے الفاظ دہرائے۔ پھر جبرئیلؑ تیسری بار تین حرفوں کی اجازت لے کر آئے آپ نے پھر وہی الفاظ دہرائے۔ جبرئیلؑ چوتھی مرتبہ آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ قرآن کو سات حرفوں پر پڑھا جائے۔ آپ کی امت جس حرف پر بھی پڑھ لے ٹھیک ہے۔

صحیح مسلم میں عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کے سلسلے سے ابی بن کعب کی ایک روایت اس طرح ہے: ابی بن کعب کہتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا کہ ایک آدمی نے اگر نماز پڑھنی شروع کی اور اس طرح قرآن مجید کی قرات کی جسے میں نے ناپسند کیا۔ پھر ایک اور آیا اور اس نے کسی اور طرز میں پڑھنا شروع کیا۔ نماز پڑھنے کے بعد ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص نے قرآن کو اس طرح پڑھا ہے جسے میں نے پسند نہیں کیا۔ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے پہلے سے بھی مختلف قرات پڑھی۔ آنحضرتؐ نے دونوں کو پڑھنے کے پتے فرمایا اور آپ نے دونوں کی قرات کو پسند فرمایا۔ ابیؓ کہتے ہیں کہ میرے دل میں جاہلیت کے زمانے سے بڑھکر شکوک پیدا ہو گئے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر دست مبارک مارا جس سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں خوف کے مارے اللہ کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ پھر فرمایا: اے ابی! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن کو سات حرفوں پر پڑھوں۔

اس حدیث میں طبری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: میرے دل میں شیطان دوسرے داخل ہو گیا جیسا کہ ایک کو میرا چہرہ سرخ ہو گیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا: خدا یا! شیطان کو اس سے دور کر دے۔

طبری کی ایک اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ابیؓ اور ابن مسعودؓ کے درمیان پیش آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں خوب ہو اور تم دونوں ٹھیک پڑھ رہے ہو۔ ابیؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ہم دونوں تو ٹھیک ہو سکتے نہیں اس پر آپ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا۔ الخ

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ: ان کے باپ ابولیل کا اصل نام بسیار تھا۔ بعض نے بول کہا ہے۔ ان کی اپنی کنیت ابولیل تھی مشہور تابعی ہیں۔ ان کی وفات ۳۵ھ میں ابن الاشعث کے واقعہ میں ہوئی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ بعبرہ کی نمر بنی غزق ہو گئے۔

اسی طرح عمرو بن العاص کی حدیث کہ ایک شخص نے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی تو عمرو نے کہا یہ آیت تو اسی طرح ہے۔ پھر بعد میں اس نے اس کا تذکرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آنحضرت نے فرمایا کہ قرآن مجید سات حرفوں پر نازل ہوا ہے ان میں سے جو بھی پڑھ لو ٹھیک ہے لہذا اس میں جگہ گناہ کیا کرو۔ اس حدیث کو احمد نے سند حسن سے روایت کیا ہے۔

احمد ابی نعید اور طبری میں ابو جہیم کی یہ حدیث ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت میں دو شخصوں کا اختلاف ہو گیا۔ ان میں سے ہر ایک یہی کہتا تھا کہ اس نے یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھی تھی اس کے بعد اسی طرح ذکر کیا جس طرح عمرو بن العاص کی حدیث میں گزر چکا۔

طبری اور طبرانی نے زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

۱۰ عمرو بن العاص: مشہور صحابی ہیں۔ قریش میں تھے۔ فتح مکہ سے چند ماہ پہلے ۳۱ھ میں ایمان لائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ذات السلاسل کی فوج پر امیر بنا کر بھیجا تھا ان وفات مصر میں ۳۲ھ میں شہید ہوئے۔

۱۱ احمد: احمد بن حنبل ابی مسند کے چوتھے امام تھے ان کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے ان کی وفات ۲۴۱ھ میں اکبر بڑے کی عمر میں ہوئی۔

۱۲ ابو نعید: ابو نعید بن سلام بغدادی رقیہ اور قاضی تھے ان کی بہت سی تصانیف ہیں ان کی وفات ۲۲۷ھ میں ہوئی یہ ۲۱۲ھ میں یحییٰ بن معین کے ساتھ مصر آئے۔ ابو قتادہ کا قول ہے کہ یہ لغات عرب کے بہت اہم قلم کار تھے حافظ ابن حجر نے ان پر ایک طویل مفاہک لکھا ہے۔ تہذیب التہذیب ص ۲۱۵ تا ۲۱۸

۱۳ ابو جہیم بن عمار بن العننہ الانصاری صحابی ہیں۔ ان سے ابن ابی شیبہ کے آزاد کردہ غلام ہریر بن سہید نے اور ابن عباس کے آزاد کردہ غلام عیسیٰ نے روایت کی ہے۔

۱۴ طبرانی: ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی حافظ حدیث تھے ۲۶۵ھ میں ان کی پیدائش ہوئی۔ وہیں نے ان کی کتابوں کی ایک طویل فہرست دی ہے یہاں پر ان کی تعظیم کا ذکر ہے انہوں نے تین کتابیں تالیف کی ہیں جن کا نام مجمع تھا۔ ایک مجمع کبیر دوسری اوسط اور تیسری صغیر ان کی وفات ۳۲۰ھ میں ایک سو سال اور دس ماہ کی عمر میں ہوئی۔

۱۵ زید بن ارقم: ابو زید بن ارقم انصاری خزرجی صحابی ہیں، ان کا شمار کوفیوں میں ہوتا ہے اور وہیں انہوں نے رہائش اختیار کر لی تھی۔ انہوں نے ہی عبداللہ بن ابی سہل کا اتفاق نامی ہر کسی نفا اور اضی کی تصنیف کے لیے سورۃ منافقون نازل ہوئی تھی۔ مختار کے ایام میں عبداللہ بن مروان کے عہد میں ۳۲۰ھ میں وفات پائی۔

خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ ابن مسعود نے مجھے ایک سورت پڑھائی جو پہلے زید سے پڑھ چکا تھا اور اہل بن کعب نے بھی وہی سورت پڑھائی ہے مگر ان کی قراتوں میں اختلاف ہے۔ اب میں اس کی قرات کو اختیار کروں؟ آنحضرت خاموش رہے۔ حضرت علیؓ آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ انھوں نے فرمایا جس طرح تمہیں پڑھایا گیا ہے اسی طرح پڑھو۔ وہی اچھا ہے۔

ابن حبان اور شاکم نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سورۃ آل عمران کی کچھ آیتیں پڑھائیں۔ اس کے بعد میں مسجد میں گیا تو ایک شخص کو پڑھنے کے لیے کہا تو وہ کسی اور طرح پڑھ رہا تھا اور وہ بھی یہی کہتا تھا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتیں پڑھائی ہیں پھر ہم دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں کو اسی اختلاف نے تباہ کیا ہے پھر آپ نے حضرت علیؓ کے کان میں کچھ فرمایا تو حضرت علیؓ نے کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس طرح تمہیں پڑھایا گیا ہے اسی طرح پڑھا کرو۔ پھر ہم چلے گئے اور ہر ایک وہ قرات پڑھتا تھا جو دوسرا شخص نہیں پڑھتا تھا۔

ایک اور طریقہ سے ترمذی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے جبریل! مجھے ایک اتنی قوم کی طرف بھیجا گیا ہے جن میں بڑھیا، بوڑھا، بڑک، بڑکا اور وہ آدمی بھی ہے جس نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی، تو جبریل نے کہا: انہیں کہہ دیں کہ قرآن کو سات حروف پر پڑھ لیا کریں۔

اس حدیث کے کئی اور طریقے ہیں۔ اگر ہم ان سب کو بالتفصیل ذکر کریں تو بات طویل پڑ جائے اور ان تمام احادیث کی ظاہری عبارت اس بات کی گواہ ہے کہ حروف سے لفظی اختلافات مراد ہیں جس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ وہ جس حرف پر بھی پڑھیں ٹھیک ہے اور یہ قول بھی کہ ہم پہلے گئے اور ہر کوئی دوسرے سے الگ حروف پڑھتا تھا۔ پھر راوی کا یہ کہنا کہ جبریلؑ پہل بار ایک حرف لے کر آئے پھر دوسری بار دو حروف اور تیسری بار تین حروف اور چوتھی بار سات

ابن حبان: ابو حاتم محمد بن حبان یہ ابن حزمہ کے شاگرد تھے نہایت تقلید تھے اور علم لغت اور حدیث کے بڑے ماہر تھے انھوں نے حدیث کی کتاب میں صحیح ابن حبان تالیف کی۔ انکی وفات ۲۵۵ھ میں وفات پائی۔

۲۵۷ حاکم: ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ نیشاپوری، انھوں نے حدیث کی کتاب مستدرک صحیح میں ابن مسیح احادیث کو درج کیا جنہیں مسلم اور بخاری نے چھوڑ دیا تھا ان کی وفات ۳۴۱ھ میں ہوئی۔

حرف لے کر آئے اور یہ صرف لفظی اختلافات میں ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ باطنی حروف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طبیعت میں لہذا یہ کہنا درست نہیں کہ ایک بار تو جبریل ایک لے کر آئے ہوں، پھر دوسری بار دو حروف اور اسی طرح سات تک کیونکہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن میں پہلے ہی موجود تھے بالخصوص اس لیے بھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے قرآن مجید کو سات حروف میں اتارنے کی درخواست مدینہ میں کی تھی۔ جیسا کہ اُبی بن کعب کی حدیث میں ذکر ہو چکا۔

حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ لفظی اختلافات کی مثال سایہ کی سی ہے اور انوار باطنی جسم کی طرح ہیں تو جو شخص سایہ کا قائل ہو اسے جسم کا منکر نہیں کہا جاسکتا بلکہ وہ درحقیقت جسم کا قائل ہے کیونکہ سایہ جسم کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ جیسی تو ایک سایہ ایک جسم کا مقتضی ہوگا اور متعدد سائے متعدد جسموں کے۔ لہذا جب جبریل سایہ کا کوئی حرف لے کر آئیں تو درحقیقت وہ جسم کا حرف لے کر آئے ہوں گے یعنی یہ کہ اسے قرأت کے لیے متعین کر دیا اگرچہ وہ پہلے سے موجود تھا اور جب نفل کے دو حرف لے کر آئیں تو دراصل جسم کے دو حرف لے کر آئے ہیں یعنی یہ کہ انہیں قرأت کے لیے متعین کر دیا ہے۔ اگرچہ وہ دونوں پہلے ہی سے آپ کی طبیعت میں موجود تھے اور جب سات کے سات حروف لے کر آئے تو آپ کو تمام ساتوں انوار باطنیہ پر پڑھنے کی اجازت دی۔

اس پر میں نے عرض کیا ہم سات باطنی حروف کو تو آپ کی برکت سے سمجھ گئے۔ یہ سات لفظی اختلافات کیا ہیں بکیا یہ اختلافات لغات میں جیسا کہ بعض کا خیال ہے اور پھر ان اختلافات کی تعیین میں ان کے کئی فرقے بن گئے یا کیا یہ اختلاف احکام ہے جیسا کہ ایک دوسرے گروہ کا خیال ہے اور ان کی دلیل ابن مسعود کی یہ حدیث ہے کہ پہلی کتابیں ایک دروازے سے ایک حرف پر نازل ہوا کرتی تھیں اور قرآن مجید سات دروازوں سے سات حروف نازل ہوا ہے۔ یعنی زجر اثر حلال، حرام، حاکم، متشابہ اور امتثال لہذا تم اس کے حلال کو حلال سمجھو اور حرام کو حرام۔ جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان پر عمل کرو اور متشابہات پر ایمان لاؤ اور کواً مثابہ کلّ من عند ربنا (ہم اس پر ایمان لے آئے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے)۔

ان کے مخالفین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ ابوسلمہ بن عبدالرحمن

ابو سلمہ بن عبدالرحمنؒ بعض نے اس کا نام عبداللہ بتایا ہے اور بعض نے اسمعیل اور بعض کہتے ہیں کہ ان کی کیفیت ہی ان کا نام ہے۔ بہت بڑے فقیر اور امام تھے۔ ابن سعد نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ مدینہ میں بہت سال کی عمر میں ۱۳۰ھ ۱۳۱ھ میں وفات پائی۔

اور عبداللہ بن مسعود کا درمیان حلقہ منقطع ہے اس لیے کہ ابوسلمہ کی عبداللہ بن مسعود سے ترجمات ہی نہیں ہوئی اور وہ ابن مسعود سے روایت کر رہا ہے۔ یا کیا یہ مختلف قراءتوں کا اختلاف ہے؟ اور اس کی تیسری میں بھی ان کے کئی فرقے ہو گئے ہیں۔ سات قراءتوں سے معین تعداد مراد نہیں ہے۔ سات سے مراد وسعت اور سہولت ہے نہ کہ تعداد معین۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا کہ قرآن سات حزنوں پر اتارا گیا ہے، یہ مطلب ہے کہ اسے سہولت وسعت اور آسانی کے لیے اتارا گیا ہے لہذا جس طرح کسی کو آسان معلوم ہو پڑھ لیا کرے چنانچہ بعض لوگوں کی یہی رائے ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ اختلاف قراءت ہی مراد ہے مگر ہم انہیں کیا کہیں کیونکہ انہوں نے تو ہمیں پچپن میں قراءت سکھائی ہی نہیں کیونکہ جس حد تک قراءت میں اختلاف ہوا ہے وہ صوب میری فکر میں ہے لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اسے کس طرح بیان کروں۔ پھر حضرت جو کچھ کہہ دیکر رہے تھے اس کی طرف اشارہ کرتے رہے اور اس کے اخراج اور تیسرین کے لیے مثالیں دیتے رہے یہاں تک کہ ہم آپ کی مراد سمجھ گئے۔ والحمد للہ۔ ہم نے بار بار یہ مفہوم آپ کو پیش کیا آپ نے یہی فرمایا کہ میری مراد یہ ہے۔

اختلاف قراءت سات قسم کا ہے | اختلاف قراءت سات قسم کا ہے:-

- ۱۔ حرکات و سکون و وجہ اجواب کے اعتبار سے قراءت کا اختلاف مثلاً لَقَدْ عَذَّبَ مِنْ رَجْزِ الْيَنْبُوتِ مِثْم کے نیچے زیر اور پیش کے ساتھ بھی۔
- ۲۔ اختلاف قراءت بمطابق حرفوں کی کمی اور بیشی کے جیسے وَسَارِعُوا اور سَارِعُوا یا جیسے وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا اور قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا۔
- ۳۔ اختلاف قراءت بمطابق کلمات کی کمی یا بیشی کے جیسے إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ کہ ایک قراءت میں هُوَ کا لفظ ہے اور دوسری میں نہیں ہے۔
- ۴۔ اختلاف قراءت بنا بر تقدیم و تاخیر جیسے وَقَتُّلُوا وَ قَاتِلُوا پہلے فعل مجہول اور دوسرا معروف اور اس کا برکس (یعنی) وَقَاتِلُوا وَقَتُّلُوا یا جیسے فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعَلَا عَلَيْهِمْ حَاقًا کیونکہ اسے بھی دونوں طرح پڑھا گیا ہے یا جیسے وَجَاءَتْ سُكْرَةٌ أَلَمُوتَ بِالْحَقِّ اسے

لے زیر اس لیے کہ رَجْز کی صفت ہے اور پیش اس لیے کہ عَذَاب کی صفت ہے۔

لے سورۃ آل عمران کا آخری رکوع۔

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ بِيْ طَرَحَا كَيْفَ هِيَ اَوْرِيَهُ الْبُكْرُ الصِّدِّيقُ . طَعْمُ ابْنِ مَطْرَفٍ
اور زین العابدین کی قرأت ہے۔

۵۔ خارج حروف کے اعتبار سے اختلاف قرأت جیسے اَلْقِصْرَاطُ کو اشمام کے ساتھ پڑھنا
کیونکہ اشمام کا مخرج ص کا مخرج نہیں ہے یا جیسے بَقِیل میں زیر اور اشمام کے ساتھ ق کا مخرج ا
طرح حیل، جینی، یسینی اور یسینی میں۔ اسی طرح اَلصَّلَاةِ میں لام کو تغنیم باریق
کے ساتھ پڑھنے میں۔ اسی طرح مُنْذِر جیسے کلمات میں ر کو منغم یا مرقق کر کے پڑھنے میں۔

۶۔ زیر اور امار اظہار اور ادغام کے اعتبار سے اختلاف قرأت۔

۷۔ تیزی اور آہستگی سے پڑھنے کے اعتبار سے اختلاف قرأت کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کبھی تریل سے پڑھتے اور کبھی تیزی سے (یعنی رواں جس کو صدر کہتے ہیں)۔

حضرت نے فرمایا ان مختلف وجوہ کو انوارِ باطنیہ سے مربوط کیا جاتا ہے اور یہ انوار ان انوار
سے علاوہ ہیں جن کا ذکر حروف و حرکات کی تقسیم میں کیا جا چکا ہے چنانچہ تریل اور آہستگی روح سے
پیدا ہوتی ہے اور روانی بشرطیکہ حروف درست ادا ہوں۔ قبض سے پیدا ہوتی ہے۔ امار نبوت سے
پیدا ہوتا ہے۔ زیر رسالت سے اور اشمام ہر قسم کا۔ ر کے لیے ہے اور عدم اشمام نبوت کے لیے ہے
حروف کی زیادتی قبض کے لیے اور کمی روح کے لیے اور کلمات کی زیادتی رسالت کے لیے اور کمی علم
کے لیے اور تقدیم آدمیت کے لیے اور تاخیر علم کے لیے اور وہ حرکات جن میں کسی قسم کا اختلاف نہیں
ہے بسط کے لیے ہیں۔

یہ تمام تشریح حضرت کی بیان کردہ ہے۔

ابن قتیبہ نے اَلْمُسْتَشْکِل میں وجوہ قرأت کو شمار کیا ہے اور ابن الجوزی نے النشیر میں

طعم بن مطرف: اصل کتاب میں یہ نام اسی طرح دیا ہے مگر ابن حجر دہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۷۵ نے طعم بن مطرف
ملا کے ساتھ دیا ہے یہ اہل کوفہ کے سب سے بڑے قاری تھے ان کی وفات ۱۲۸ھ بمطابق ۷۴۵ء میں ہوئی۔

۸۔ زین العابدین: علی بن الحسین المعروف بزین العابدین مشہور امام اور زاہد متقی ہیں۔ انہی کو علی اشترک
جاتا ہے ان کے مناقب بے شمار ہیں۔ انھوں برس کی عمر میں ۱۸۰ھ بمطابق ۷۹۷ء میں وفات ہوئی۔

۹۔ ابن قتیبہ: مشہور لغوی اور ادیب جس کی بہت سی تصانیف ہیں۔ یہ اصل میں مروکار بنے والا تھا اور کچھ عرصہ
دیگر میں تامل بھی رہا۔ اس کی چند تصانیف یہ ہیں: کتاب المعارف، کتاب الشجر و شجرہ، ادب الکاتب اور
میراث الخلد۔ ۲۷۵ھ بمطابق ۸۸۹ء میں اس کی وفات ہوئی۔

اور ابن حجر نے شرح (بخاری) میں اس کا کلام نقل کیا ہے۔ قاسم بن ثابتؓ نے الدلائل میں اس پر اعتراض کیا ہے۔ ابو الفضل رازی نے اور پھر ابن الجزری نے بھی النشر میں ان قراءتوں کو شمار کیا ہے اور ان کے بیانات میں بہت معمولی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسی طرح قاضی ابوبکر نے بھی کتاب الانتصار میں قراءتوں کا شمار کیا ہے اگر ان کے شمار کردہ اختلافات کا حضرت کے بیان کردہ اختلافات سے مقابلہ کیا جائے تو انشاء اللہ حق بات ظاہر ہو جائے گی۔ بالخصوص اس لیے بھی کہ حضرت کے بیان کا منبع کشف صحیح ہے کیونکہ آپ کو تو انہی قراءت کا علم ہے جن کا آپ نے کشف مریخ میں مشاہدہ کیا، خاص طور پر اس لیے بھی کہ آپ کی بیان کردہ وجوہ قراءت کا ربط انوار باطنیہ کے ساتھ ہے جیسا کہ گزر چکا ہیں۔ یہ اس مسئلہ کی بحث ختم ہوتی ہے خدا ہمیں اس سے دنیا اور آخرت میں نفع پہنچائے۔ اِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَكَفَىٰ بِهٖ وَجِيلاً۔

۱۔ قاسم بن ثابتؓ : ابو محمد قاسم بن ثابتؓ مرسلی۔ ان کی وفات ۳۵ھ ۲۲۰ھ میں ہوئی، ان کی کتاب دلائل حدیث کی کتاب ہے۔

۲۔ ابو الفضل رازی : ان کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

۳۔ نشر فی القراءات العشریہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور شمس الدین ابوالخیر محمد بن محمد الجزری کی تالیف ہے۔

تفسیر کی حدیث

میں نے حضرت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے متعلق دریافت کیا کہ
 اَلرُّوْثَا الصَّالِحَةُ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ جُزْءٌ مِنْ يَسْتَةِ وَارْبَعَيْنِ جُزْءًا
 مِنَ النَّبُوَّةِ۔ نیک آدمی کی نیک خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں کا ایک جزو ہے۔ (مشکوٰۃ
 کتاب الروایہ: ۲۹۴) امام بخاری نے اس حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے۔ مسلم میں ابو ہریرہؓ کی
 روایت سے سینتالیس میں سے ایک جزو ہے۔ بطری ابراہام احمد، عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت
 سے انچاس میں سے ایک جزو ہے اور قرطبیؒ کی شرح میں سینتالیس میں سے ایک جزو ہے۔ بطری نے عبادہؓ
 کی روایت سے جو بیس میں سے ایک جزو۔ ابن ابی جرہؓ کی شرح میں پچیس میں سے ایک جزو۔ اسی میں
 ستائیس میں سے ایک جزو کی بھی روایت ہے۔

یہ نور روایتیں ہیں۔ پانچ اربعین کی، چار بیس کی۔ ان کے علاوہ اور روایتیں بھی ہیں۔ بشر کی
 بہتر کی۔ چھبتر کی۔ پچاس کی، چالیس کی اور سیالیس کی۔ یہ کل پندرہ روایتیں ہیں۔ ان میں صحیح ترین

۱۔ ان کے نام میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے نوری کہتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح ترین عبدالرحمن بن مسعودؓ ہے انیس
 مانفد صحابہؓ کہا جاتا ہے۔ یہ اسی سال اسلام لائے جس سال خیبر فتح ہوا، ان کی وفات ۳۵ھ و ۳۶ھ میں ہوئی۔
 امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ کو اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ احادیث یاد تھیں۔

۲۔ قرطبیؒ، ابوالعباس احمد بن محمد بن ابراہیم قرطبیؒ متوفی ۳۵۷ھ، ۳۵۸ھ ان کی شرح مسلم مختصری ہے
 (کشف الظنون: ۲۸۶) جس کا نام المفہم لہا اشکل من تلخیص کتاب مسلم ہے۔
 انھوں نے قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی ہے جس کا نام جامع احکام القرآن ہے (کشف الظنون: ۱: ۲۸۴) ان کی
 تفسیر بہترین تفسیروں میں سے شمار کی جاتی ہے۔

۳۔ عبادہؓ، عبادہ بن صامت مدنی صحابی ہیں۔ عقبہ اولی ثنائیہ پر یہ موجود تھے انکفرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
 تمام جنگوں میں شریک ہوئے ان کی وفات امیر مصادیہ کی خلافت میں شام میں ہوئی۔

۴۔ ابن ابی جرہؓ: مدلف باللہ عبداللہ بن سعد بن ابی عمرو الاندلسی۔ یہ مدونہ جو فقہ مالکی کی مشہور کتاب ہے کے
 مانفد تھے ان کی وفات ۳۵۷ھ و ۳۵۸ھ میں ہوئی انھوں نے بخاری کی شرح کی جس کا نام بدیعۃ النفوس
 وغایتہا بمعرفۃ مالعا وما علیہا رکھا۔

چھالیس اور پھر پینتالیس کی روایت ہے۔ باقی روایتوں میں کلام ہے ماسوائے ستر کی روایت کے کیونکہ اسے علم نے اپنی صحیح میں ابن عمر سے روایت کیا ہے۔

سوال میں نے حضرت سے سوال کیا اجزاء نبوت سے کیا مراد ہے؟ اور ان روایات کے اختلافات میں کیا حکمت ہے؟ اور کیا ان تمام احادیث میں تطبیق ہو سکتی ہے؟ تاکہ ان سب کے مطابق حدیث کی روایت ہو سکے کیونکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں بڑے بڑے محدثین کی عقلیں حیران ہیں اور انھوں نے کوئی نتیجہ خیز بات نہیں کہی۔

جواب میں۔ چنانچہ آدمیت کے اجزاء: کمال صورت ظاہری، کمال حواس ظاہری، کمال صورت باطنی، کمال حواس باطنی، ذکریت، نزاع، خطبہ شیطان اور کمال عقل اور تقصیر کے سات اجزاء ماضیہ، سائیدہ، انصاف، نفرت عن الغد، حق گوئی سے نہ شرمانا، امثال امیر میل الی الحبس، توبہ انقباض، بسط کے اجزاء، فرج کمال، ذات میں خیر کا قیام، فتح حواس ظاہرہ، فتح حواس باطنہ، مقام رفعت، شہر تہلاز اور انکساری، نبوت کے سات اجزاء: حق گوئی، صبر، رحمت کاملہ، معرفت الیہ، خوف تام، بغض باطل اور عقول اٹھائیں ہوتے، ان اجزاء کی شرح بیان کی جا چکی ہے۔ اگر چاہو تو اس کو دیکھ لو۔ پھر ذکریت اس سے خارج ہو جاتی ہے کیونکہ مرد اور عورت دونوں کو خواب آتی ہے، لہذا استائیں رہ گئے اور ابن ابی جبرہ کی ستائیں والی روایت اسی پر محمول کہ جلتے گے اور اگر کمال صورت ظاہرہ کو بھی خارج کر دیں کیونکہ اگرچہ یہ اجزاء نبوت میں سے ہے مگر خواب سے اس کا کوئی خاص تعلق نہیں ہے تو باقی چھبیس رہ جائیں گے تو ابن عبد البر کی مذکورہ چھبیس والی روایت کو اسی پر محمول کریں گے اور اگر اسی وجہ سے کمال صورت باطنہ کو بھی نکال دیں تو چھبیس باقی رہ جائیں گے۔ ابن ابی جبرہ کی مذکورہ بالا چھبیس والی روایت کو اسی پر محمول کریں گے اور کمال حواس ظاہرہ کو بھی اسی سبب سے نکال دیں تو چھبیس باقی رہ جائیں گے اور نووی کی مذکورہ بالا چھبیس

۱۔ ابن عبد البر: یوسف بن عمر بن عبد البر، علما، اندلس کے شیخ اور اپنے زمانے میں وہاں کے بہت بڑے محدث تھے انھوں نے کتاب الاستدکار تصنیف کی۔ انھوں نے ۵۸۵ھ میں وفات پائی۔

۲۔ نووی: ابو زکریا محمد بن یحییٰ بن شرف نووی، اپنے زمانے کے امام تھے ان کی بہت سی تصانیف ہیں، مثلاً روزہ الارباع، اندکار اور شرح مسلم۔ نووی دمشق میں ایک گاؤں کا نام ہے جس کی طرف نووی کی نسبت ہے۔ انھوں نے پینتالیس برس کی عمر میں ۶۹۶ھ میں وفات پائی۔

والی روایت کو اسی پر محمول کریں گے۔

حضرت نے فرمایا یہ تو اس صورت میں ہے جب بغیر رسالت کے صرف نبوت کے اجزاء ایسے جائیں گے۔ ورنہ روح و علم اور رسالت تینوں کے سات سات اجزاء جن کی تفصیل و شرح گزر چکی ہے اس پر اضافہ ہوں گے اور نبوت کے مجموعی اجزاء انچاس ہو جائیں گے۔ اس پر بطریق اور احمد کی عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی روایت محمول ہوگی اور اگر ذکرِ نبوت اور کمالِ صورتِ باطنی کو بھی خارج کر دیا جائے تو سینتالیس باقی بچیں گے اور اس پر قرطبی کی روایت محمول ہوگی اور اگر کمالِ صورتِ باطنی کو بھی خارج کر دیں تو پچیس رہ جائیں گے اور یہی بخاری کی صحیح متفق علیہ روایت ہے اور اگر کمالِ حواسِ ظاہرہ کو بھی خارج کر دیا جائے تو باقی پینتالیس رہ جاتے ہیں جس پر مسلم کی روایت محمول ہوگی۔

حضرت نے فرمایا یہ ان سات روایتوں کی توجیہات ہیں اور باقی روایات کی صحت کی بجائے کوئی وجہ نظر نہیں آتی لہذا ان کی توجیہ کرنی بیکار ہے۔

میں نے عرض کیا یہ توجیہ جو آپ نے بیان کی ہے اس میں خواب کو اجزاء نبوت میں سے شمار کرنے کا ذکر نہیں ہے اور حدیث اس بات کا اتنا فضا کرتی ہے کہ خواب نبوت کے اجزاء میں سے ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے کہ نیک خواب نبوت کے پچیسالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے جس سے لازم آتا ہے کہ خواب ان اجزاء نبوت میں سے ایک جزو ہے اور آپ نے تو اسے اجزاء میں سے شمار نہیں کیا۔

حضرت نے فرمایا: نیک خواب آدمیت کے اجزاء میں سے ایک جزو یعنی نزاعِ حظِ شیطان سے اور پھر اجزاء روح میں سے ایک جزو بعیرت سے مدلولی ہے، لہذا جب بعیرت کا نزولِ شیطان جسے کے نکل جانے پر ہو تو ان کے مجموعے سے اچھی خوابیں پیدا ہوں گی۔

میں نے عرض کیا اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ حدیث میں اجزاء نبوت میں سے دو جزوں کا ذکر ہوتا کیونکہ نزاعِ حظِ شیطان اور بعیرت دو جزو ہیں۔ ایک نہیں لہذا روایا بھی دو جزو ہوں چاہیے تھی نہ کہ ایک جزو۔

حضرت نے فرمایا کہ درحقیقت خواب کا دار و مدار نزاعِ حظِ شیطان پر ہے۔ روح کا جزو صرف تابع اور مددگار ہونے کی حیثیت سے ہے۔ لہذا جس سے اللہ تعالیٰ شیطانِ حصہ نکال دے تو اس کے تمام انکار نیک ہوں گے اور وہ جب سوئے گا تو وہی خیالات دیکھے گا جن میں بیداری کی حالت میں سوچا کرتا تھا لہذا اس کا خواب بھی نیک ہوگا اور جس سے شیطانِ حصہ نکالا نہ گیا ہو۔ اس کے خیالات

اس کے برعکس ہوں گے لہذا اس کا خواب بھی بد ہو گا۔

مؤلف کتاب کہتا ہے کہ جو کچھ شیخ نے فرمایا ہے وہ محض کشف اور صفائی معرفت کی وجہ سے ہے کیونکہ علماء نے ان میں سے ایک جزو کا بھی ذکر نہیں کیا اور انھوں نے ان کے شمار کی ذمہ داری عقاب نبوت کے عارفین کے ذمہ ڈال دی۔ امام علیہ نے بڑے تکلف سے کام لیتے ہوئے کچھ باتیں بیان کی ہیں۔ جن کا ذکر میں یہاں کئے دیتا ہوں تاکہ تو حقیقت حال سے واقف ہو جائے۔

شیخ علاؤ الدین قونوی فرماتے ہیں کہ اس مقام پر علیہ نے روایات صالحہ کو چھپا لیس اجزاء میں سے ایک جزو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلے میں انبیاء کے خصائص علیہ کی کئی وجوہ بیان کی ہیں جن میں سے بعض میں تکلف سے کام لیا ہے، یہاں تک کہ ان اجزاء کو چھپا لیس تک پہنچا دیا ہے تاکہ روایا ان اجزاء میں سے ایک جزو بن جائے چنانچہ نبوت کا بلند ترین جزو اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ کلام کرنا ہے۔ اس کے بعد الہام جس میں کلام نہ ہو۔ سوئم وحی بزبان فرشتہ۔ چہارم فرشتہ کا دل میں القا، پانچواں کمال عقل، چھٹا قوت حافظہ کا کمال کہ ایک بار سننے سے پوری سورت یاد ہو جائے۔ ساتواں اجتہاد میں خطا سے معصوم ہونا۔ آٹھواں ذکاوت فہم تاکہ کئی قسم کے مسائل کا استنباد کر سکے۔ نواں کمال بغیر تاکہ دنیا کے بعید ترین حصوں میں ان اشیاء کو دیکھ سکے جو دوسروں کو دکھائی نہیں دے سکتیں۔ دسواں کمال سماعت تاکہ دنیا کے بعید ترین علاقوں کی وہ باتیں سن سکے جن کو دوسرے نہ سن سکیں۔ گیارھواں کمال قوت شاکر جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ یوسف علیہ السلام کی قمیض کا واقعہ پیش آیا۔ (اگر انھوں نے دوسرے ہی قمیض کی بوسہ لگھ لی) بارھواں حسان طاقت کہ ایک ہی رات میں ایک ماہ کی مسافت طے کر سکے۔ تیرھواں آسمانوں پر عروج۔ چودھواں وحی کا گھنٹی کی سی آواز میں آنا پسند ہونا۔

۱۷۔ شیخ: امام ابو عبد اللہ حسین بن الحسن الکلیسی الجرجانی الشافعی متوفی ۳۵۴ھ۔ ۱۸۔ ان کی کتاب منهاج الدین فی شعب الایمان ہے۔ یہ تین جلدوں میں ضخیم کتاب ہے جس میں اصول ایمان پر بحث کی گئی اس کتاب کا اختصار تافعی علاؤ الدین ابوالحسن علی بن اسماعیل تبریزی قونوی متوفی ۷۳۵ھ۔ ۱۹۔ ۲۰۔ مصنف کشف العلوں نے ان کے بیٹے محب الدین ابوالشامہ محمد بن الشیخ علاؤ الدین علی القونوی ثم القاہری الشافعی المتوفی ۷۵۴ھ کا ذکر کیا ہے کہ اس نے ہفتہوی السوال والاعمال فی علمی الاصول والمجید کی شرح کی ہے۔ ۱۷۔ علاؤ الدین قونوی نے السعوت فی التصوف بھی لکھی جو حاجی طلیحہ کے خیال میں السعوت کی شرح ہے۔

بکری کا کلام کرنا۔ سولہواں نباتات کو گویا کرنا۔ سترہواں کھجور کے تنے کا گویا کرنا۔ اٹھارواں چمڑے کو گویا کرنا۔
 انیسواں بھیدڑیوں کے چپٹے کو سمجھنا کہ وہ آپ سے کوئی چیز کھانے کو مانگ رہے ہیں۔ بیسواں آپ کا اونٹوں
 کے بھلانے کی آواز کو سمجھنا۔ اکیسواں ایسی آواز کا سننا جس کا بولنے والا دکھائی نہ دے رہا ہو۔ بائیسواں
 جنات کے مشاہدے کی قدرت رکھنا۔ تیسواں نظر سے اوجھل چیزوں کا سامنے آجانا جیسے شہب معراج
 کی صبح کو بیت المقدس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا رکھا گیا۔ چوبیسواں ایسے واقعہ کا پیش آنا
 جس سے انجام کا علم حاصل ہو۔ مثلاً حبیب آپ کی اونٹنی حدیبیہ کے مقام پر بیٹھ گئی تو آپ نے فرمایا
 کہ ہاتھیوں کو روکنے والے نے اسے بھی آگے جانے سے روک دیا ہے۔ پچیسواں نام سے کسی معاملہ پر استدلال
 کرنا چنانچہ جب صلح حدیبیہ میں حبیب بن عسمر آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہارا معاملہ
 آسان ہو گیا۔" چھبیسواں کسی آسمانی چیز کو زمین کے کسی واقعہ پر استدلال کرنا، مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم نے بادل کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ بنی کعب کی فتح کی خوشخبری دے رہا ہے۔ ستائیسواں پشت کی طرف سے
 دیکھنا۔ اٹھائیسواں کسی مرنے والے کے متعلق ایسے معاملہ کی اطلاع پانا جو اس کے مرنے سے پہلے واقع ہوا
 تھا مثلاً آپ کا حنظلہ الغنیل کے متعلق فرمنا کہ میں نے دیکھا کہ اے غنیل دے رہے ہیں اور حنظلہ

۱۔ سیل بن عمرو: صلح حدیبیہ کے موقع پر یہ قریش کی طرف سے سفیرین کو آتے تھے ان کے بیٹے ابو
 جندب اس وقت اسلام لاکچے تھے۔ یہ جنگ بدر میں مشرکوں کے ساتھ ہو کر ایسے اور قید ہوئے۔ یہ قریش
 کے بہت بڑے غلیب تھے۔ جب جنگ بدر میں قید ہو کر آتے تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا، اس
 کے اگلے وفات نکال دیتے جاتیں تاکہ آئندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریر نہ کر سکے۔ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے اسی طرح رہنے دو۔ یہ آئندہ جا کر ایسا کام کرے گا جس سے تو خوش ہوگا
 چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر جب مکہ کے لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا اور کچھ
 لوگ مرتد بھی ہو گئے تو اس وقت ان کی تقریر نے لوگوں کو مدغم کیا تھا۔ ان کی وفات غموائی کی علامت
 میں مشاہدہ میں ہوتی۔

۲۔ حضرت حنظلہ بن مالک مشہور صحابی ہیں جن کا لقب قبیل الملاحک ہے اس کا وجہ یہ ہے کہ ان کی نئی نئی شادی
 ہوئی تھی بیوی کے پاس گئے ہوتے کہ اعلان جنگ ہو گیا۔ اسی حالت میں نکل آتے اور پڑتے پڑتے جنگ بھڑکی
 شہید ہو گئے آپ چونکہ جنہیں تھے اور شہید کو غسل نہیں دیا جاتا، اس لیے انہیں فرشتوں نے غسل دیا۔ یہاں
 اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ایک اور صحابی کا نام بھی حنظلہؓ ہے مگر ان کے والد کا نام دینہ
 الزبیدی ہے۔

مرنے سے پہلے جیسی تھے۔ اسیسواں ایسے امور کا ظہور جن سے آئندہ ہونے والی فتوحات پر استدلال ہو سکے
جیسا کہ خندق کے دن کا واقعہ ہوا۔ تیسواں دنیا کے اندر ہی جنت و دوزخ پر اطلاع پانا۔ اکتیسواں
فراست۔ تیسواں درخت کا آپ کی اطاعت کرنا یاں تک کہ وہ ٹہنیوں اور جڑوں کا ایک جگہ سے
دوسری جگہ منتقل ہو گیا۔ تیسواں ہرنی کا واقعہ اور اپنے چھوٹے بچے کی ضرورت کی شکایت کرنا۔
چونتیسواں خواب کی تعبیر کو جاننا اور اس میں کبھی بھی غلطی نہ دکھانا۔ پینتیسواں کسی چیز کا انداز معلوم کر
لینا اور اس کا ٹھیک اسی طرح نکلنا۔ چھتیسواں مخلوقات کو اسلام کی طرف ہدایت کرنا، سیتیسواں
مخلوق کو دینی و دنیوی سیاست کی راہ دکھانا۔ اڑتیسواں نیکی اور ہدایت کے راستوں کی طرف
مخلوق کی ہدایت کرنا۔ انایسواں قیمتی طریقوں سے اصلاح جسمانی کی تعلیم۔ چالیسواں قرب الہی
حاصل کرنے کی راہ دکھانا۔ اکتیسواں مفید صنعتوں کی تعلیم۔ بیالیسواں مغیبات کا علم جن کا
ذکر پہلے کسی نے نہ کیا ہو۔ تینتالیسواں آئندہ پیش آنے والے واقعات کا علم۔ چوالیسواں لوگوں کے
مخفی معاملات اور اسرار سے واقفیت۔ پینتالیسواں استدلال کے طریقوں کی تعلیم۔ چھیالیسواں
معاشرے میں مہربانی کے طریقوں کا علم۔

اس طرح عالی نبوی خصال کے تعداد چھیالیس ہو جاتی ہے۔ ان میں سے ہر دو جو دیائی صالحہ
کے مل جانے کے قابل ہے تاکہ وہ چھیالیس اجزاء نبوت میں اکا ایک جڑوبن جائے اور اگرچہ ان میں سے
خصائی غیر نبی میں بھی پاتے جاتے ہیں، لیکن نبی سے ان میں کوئی غلطی واقع نہیں ہوتی اور دوسروں کو
کبھی غلط لگ جاتی ہے واللہ اعلم۔

مولف کتاب کہتا ہے کہ علی کے بیان پر اعتراض ہے کیونکہ اس کا مقصد محض اجزاء نبوت کا
شمار کرنا تھا اور جن وجوہ کا ذکر ہوا ان میں سے اکثر ایسی خصال ہیں جو صرف ذات محمدی کے ساتھ
مخصوص ہیں۔ مثلاً بکری کا کلام کرنا۔ پتھر کا سلام کرنا۔ کھجور کے تنے کا ردنا۔ بھیڑیے اونٹ اور ہرنی
کی زبان سمجھنا۔ بیت المقدس کا انگھوں کے سامنے آجانا اور یہ فرمانا کہ ہاتھیں کو رکھنے والے نے
اسے بھی روکا ہے اور آپ کا فرمانا "تمہارا کام تمہارے لیے آسان ہو گیا" اور آپ کا فرمانا "یہ بادل
نبی کعب کی فتح کی خبر دے رہا ہے" حنظلہ کی جنابت کا علم اور جو کچھ خندق کے کھودنے میں پیش
آیا۔ درخت کا آپ کی اطاعت کرنا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا مانا وغیرہ وغیرہ کیونکہ یہ تو اجزاء
نبوت میں شامل نہیں کیماستیں کیونکہ یہ تو ایسی جزئیات ہیں جو واقعہ میں اور منقطع ہو گئیں مزید
ان میں سے پہلے چھ اجزاء تو صرف نجات میں شامل ہیں جس طرح آنحضرت کا فرمانا کہ حبسہ کا لباس آئینہ

اسے اسی خدا نے رکھا ہے جس نے ہاتھیوں کو روکا تھا) اور اس کے الگ چار اور اجزاء یہ سب انجام کی معرفت میں شامل ہیں۔ یہ گیارہ خصلتیں تو محض دو خصلتیں رہ گئیں۔ پھر یہ تمام چھیالیس خصلتیں جن کے متعلق اس نے کہا ہے کہ یہ وجودِ علم میں سے ہیں تمام کی اصل رسالت کی خصلتوں میں سے ایک خصلت ہے یعنی غائبانہ حالت میں اور موجودگی میں علمِ کامل کا وجود ہے جیسا کہ اس کی شرح میں گزر چکا ہے۔ چنانچہ اس طرح بھی رسالت کی خصلتوں اور اجزاء کے لحاظ سے بھی یہ سب لوٹ کر ایک خصلت بن گئیں۔ علامہ علی رحمۃ اللہ نے صرف اتنا کیا ہے کہ اس نے ان معجزات میں سے جو آنحضرت کے ہاتھوں ظاہر ہوئے تھے کچھ معجزات لے لیے ہیں جن کو اس نے نبوتِ مطلقہ کے ان اجزاء میں سے شمار کر لیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء میں پائے جاتے تھے۔ پھر ان معجزات میں سے بہت سے معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ادیان کی کرامت ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ایک نبی کا معجزہ ایک ولی کے لیے کرامت بن سکتا ہے، جیسا کہ اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا معجزات غیر نبی کے لیے بھی ہو سکتے ہیں۔ لہذا یہ کسی صورت میں بھی اجزاء نبوت میں سے نہیں ہو سکتے۔ واللہ اعلم۔

اس حدیث کی وہ شرح جو امام غزالی نے کی ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ مقدار آپ کی زبان پر محض اتنا فایر طور پر آجاتی تھی بلکہ آپ تو صحیح حقیقت

بیان کیا کرتے تھے مثلاً آپ کا یہ فرمانا کہ صالح آدمی کا رویا یا سالحہ نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے کیونکہ یہ ایک صحیح تخمینہ ہے، لیکن دوسرے لوگوں کو طاقت نہیں کہ وہ اسے تخمینہ کے بغیر سمجھ سکیں کیونکہ نبوت اس مرتبے کا نام ہے جو نبی کے ساتھ مخصوص ہے جس سے نبی وغیر نبی میں امتیاز ہو سکے اور اس کے چند خواص ہیں تاکہ نبی کو اللہ اور اس کی صفات، ملائکہ اور دایرہ آخرت سے متعلق حقیقی معرفت حاصل ہو مگر اس طرح کی معرفت نہیں جس طرح اوروں کو حاصل ہوتی ہے بلکہ نبی کے پاس کثرتِ معلومات اور یقین و تحقیق اس قدر ہو کہ کسی اور کو حاصل نہ ہو۔ نبی میں ایک صفت یہ ہوتی

۱۔ امام غزالی: ابو حامد محمد الغزالی اپنے زمانے کے بہت بڑے امام، فلسفی اور صوفی گزرے ہیں مدرسہ نظامیہ بغداد میں درس دیتے رہے مگر آخر عمر میں درس و تدریس چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گئے۔ ان کی کئی ایک تصانیف ہیں جن میں زیادہ مشہور یہ ہیں: مقاصد الفلاسفہ، تنافت الفلاسفہ، کیسار سعادت، اجواب القرآن وغیرہ۔ انکی پیدائش طوس میں ۳۸۵ھ میں ہوئی اور وفات ۴۵۵ھ میں ہوئی۔

ہے کہ ملائکہ اور عالم ملکوت کو اس طرح دیکھتا ہے کہ اس میں اور دوسروں میں وہی فرق ہوتا ہے۔ جو اندھے اور بینا ہیں۔ اس میں ایک اور قوت ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے وہ آئندہ آنے والے منیبات کو معلوم کر لیتا ہے اور اسی قوت کے ذریعہ سے وہ لوہج محفوظ کا بھی مطالعہ کر سکتا ہے اور قوت کی مثال بعینہ اس قوت کی سی ہے جس سے ذکی اور کند ذہن کا امتیاز ہو سکتا ہے۔

نہی میں ایک اور قوت بھی پائی جاتی ہے جس سے وہ خارق عادت افعال کو اس طرح کر جاتا ہے جس طرح ایک عامی انسان اختیاری افعال کو کرتا ہے۔ یہ تمام صفات تحقیقی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی تھیں جن میں سے ہر ایک کو کئی مزید قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے چنانچہ ہو سکتا ہے کہ ہم ان کی چالیس قسمیں بنالیں۔ یا پچاس یا اس سے بھی زیادہ۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم انہیں چھیالیس جزوں میں اس طرح تقسیم کر لیں کہ نیک خواب اس کا ایک جزو بن جائے مگر ہماری تقسیم محض اندازہ اور تخمینہ ہو گی نہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد درحقیقت یہی تھی۔ یہ امام کی تشریح کا خلاصہ ہے۔ ہم نے اسے اس لیے بیان نقل کر دیا ہے تاکہ تجھے حضرت کی بزرگی کا پتہ چل جائے اور ان کے علم و عرفان کا اندازہ ہو سکے اور یہ کہ اللہ جس پر چاہتا ہے اپنا نفل کرتا ہے۔

ما رزقی کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ عالم کو ہر چیز کا پورا اور تفصیلی علم ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عالم کے لیے بھی ایک حد مقرر کر دی ہے جہاں پہنچ کر وہ ٹھہر جاتا ہے اور آگے نہیں چل سکتا۔ چنانچہ بعض ایسے امور ہوتے ہیں جن کا نہ اجمالی علم ہوتا ہے نہ تفصیلی۔ بعض ایسے ہوتے ہیں جن کا اجمالی علم تو ہوتا ہے مگر تفصیلی علم نہیں ہوتا اور یہ حدیث اسی زمرے میں سے ہے۔ اھ۔ اس سے ان کی مراد چھیالیس جزو والی حدیث ہے۔

ابن بطالؒ ابن حجرؒ اور الخطابیؒ وغیرہ کا بھی یہی بیان ہے۔

ما رزقی، ابو عبد اللہ محمد بن علی بن عمر التیمی المارزی الصقلی، اہل افریقیہ اور اس کے علاوہ مغرب کے امام تھے وہ سب سے آخری شخص تھے جو تحقیق فقہ میں مشغول تھے اور اجتہاد اور وقت فکر رکھتے تھے۔ مسلم اور قاضی مبدیالہاب کی کتاب التلخیص کی شرح کی۔ نیز امام الحرمین کی برہان کی شرح کی اور اس کا نام معمول میں برہان الاصول رکھا۔ انھوں نے ۳۶۶ھ و ۳۷۰ھ میں وفات پائی۔

ابن بطالؒ: ابوالحسن علی بن خلف المعروف بابن بطلال مغربی مالکی۔ انھوں نے بھی ہجری کی شرح کی ہے ابن العربیؒ: ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربیؒ المالکزی الاشعری۔ اپنے شہر میں ادب (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ابوسعید سفاقیؓ کی تشریح | ابوسعید سفاقیؓ کی سند سے ابن بطلان نے بیان کیا ہے کہ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

مد پہلے چھ ماہ تو خواب میں وحی نازل فرمائی پھر باقی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے بیداری میں آپ پر وحی نازل فرمائی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحیح روایت کے مطابق اس کے بعد تیس سال زندہ رہے۔ اس طرح وحی منامی کی بیداری سے جو نسبت ہے وہ ایک اور چھیا لیس کی ہے۔

اس پر اعتراض | اس پر کئی طریقوں سے اعتراض کیا گیا ہے۔

۱۔ وحی منامی کے بعد جو وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس کی مدت میں اختلاف ہے۔ تیس سال کی مدت پر سب کا اتفاق نہیں ہے۔

۲۔ اگر چھیا لیس کی روایت صحیح بھی ہو تو پھر یہ توجیہ کرنے والا باقی روایات کے متعلق کیسے گا۔ مثلاً پینتالیس، انچاس، ستر اور پچاس جن کا اوپر ذکر ہو چکا۔

۳۔ یہ کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ وحی منامی کی مدت چھ ماہ ہے۔ اگر ہے تو اس کی کیا دلیل ہے۔

۴۔ یہ کہ وحی منامی کی مدت کے بعد جو وحی نازل ہوئی وہ صرف بیداری ہی میں نہیں نازل ہوئی بلکہ بعض اوقات خواب میں بھی وحی نازل ہوئی اور نیک خواب بھی آئے جنہیں چھ ماہ کے ساتھ ملا دینا چاہیے تو اس طرح وحی منامی کی مدت چھ ماہ سے بڑھ جائے گی۔

تفسیر سے اعتراض کا جواب | تفسیر سے اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

حاصل کیا۔ پھر بلا و مشرق کا طویل سفر کیا اور بہت سے علماء سے جن میں امام غزالی بھی تھے ملاقات کی۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ مثلاً احکام القرآن، کتاب المساکین، شرح موطا امام مالک۔ انہوں نے ۳۵۰ ہجری میں وفات پائی۔ یہ وہ ابن العربی نہیں ہیں جو مشہور صوفی ہیں۔

۵۔ الخطابی: امام ابو سلیمان احمد بن محمد الخطابی اپنے زمانے کے امام تھے معالم السنن، اعلام السنن اور غریب الحدیث ان کی تصانیف میں سے ہیں ان کی وفات ۳۴۰ ہجری میں ہوئی۔ انہوں نے صحیح بخاری کی بھی شرح کی ہے جس کا نام اعلام السنن رکھا ہے۔

۶۔ ابوسعید سفاقیؓ: امام عبدالرحمن بن تین سفاقی شافعی بخاری۔ ان کی تفسیر بھی ہے ان کے ایک بھائی محمد بن سفاقی نے نہج کی شرح کی ہے انہوں نے بخاری کی بھی شرح کی ہے۔

ابن اسحق وغیرہ کے بیان کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی ابتدا چالیس سال کی عمر کے شروع میں ربیع الاول میں ہوئی۔ پھر غار حرا میں جبریل ماہ رمضان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان کا درمیان عرصہ چھ ماہ کا ہے۔

جواب الجواب | اس جواب کا پہلا جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ اس پر اتفاق نہیں کہ وہ حینہ رمضان کا ہی حینہ تھا۔ ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ رجب کا حینہ ہے ایک اور جماعت کہتی ہے کہ یہ ربیع الاول کا حینہ تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم یہ بات تسلیم بھی کر لیں کہ یہ مدت چھ ماہ کی مدت تھی پھر بھی اس میں یہ تصریح نہیں پائی جاتی کہ اس عرصہ میں وحی خواب میں ہوئی۔

چوتھے اعتراض کا جواب | چوتھے اعتراض کا یہ جواب ہے کہ خواب سے ہماری مراد متواتر خواب ہیں ذکر مطلق خواب۔ لہذا ان میں کوئی تین پیدا کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

دوسرے اعتراض کا جواب | دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ روایات میں تعداد کا جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ اس وقت کے اعتبار سے ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث بیان فرمائی مثلاً وحی آنے کے بعد تیرہ سال مکمل کر لینے کے بعد جب آپ نے بیان فرمایا ہو کہ نیک خواب نبوت کا چھبیسواں حصہ ہے اور یہ وقت ہجرت کا وقت تھا۔ بیس سال مکمل کر لینے کے بعد فرمایا ہو کہ چالیسواں جزو ہے اسی طرح بائیس سال کے بعد چالیسواں اور آخر عمر چھبیسواں جزو فرمایا ہو۔ ان کے سوا دوسری تمام روایات ضعیف ہیں۔ پیچاس کی روایت ممکن ہے کہ کسر کو پورا کرنے کے لیے ہو اور ستر کی روایت مبالغہ کے لیے ان کے سوا دوسری روایات صحیح ثابت نہیں ہو سکتیں۔ ان روایات میں جو مناسبت پیدا کی گئی ہے ان کا ذکر صرف حافظ ابن حجر نے کیا ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا ہے کہ اس مناسبت میں بھی ایک اعتراض رہ جاتا ہے۔

ابن حجر کے بیان پر اعتراض | اس حدیث سے جو معنی متبادر ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد تو بہن صالح کے خواب کی فضیلت

لے ابن اسحق: محمد بن اسحق سب سے پہلا شخص ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانحی کہیں مضمون کے حدیث میں ۱۰۰۰ میں وفات پائی۔

بیان کرتا ہے اور مناسبت مذکورہ اس بات کی متقاضی ہے کہ یہ جزو صرف اس خواب کے متعلق ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آنی جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مدت جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں وحی نازل ہوئی اس مدت کا چھیا لیسواں حصہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں وحی نازل ہوئی اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر نیک آدمی کی خواب میں بھی یہی نسبت پائی جائے۔ مزید برآں ابن ابی جرہ نے اس تاویل کو پسند نہیں کیا کیونکہ اس تاویل سے مقصد حل نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں اللہ تعالیٰ نے کمالی نصاحت و بلاغت عطا کی تھی ان کے ان الفاظ سے اس قسم کے معنی مراد دنیا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ شاید اس کے قائل کا یہ مقصد ہو کہ روایات صالحہ اور ثبوت کے درمیان ایک قسم کی مناسبت پیدا ہو جائے اور اجزاء کے تعداد میں جو اختلاف ہے اسے اسی میں کھول دیا جائے۔

اس مذکورہ بالا اختلاف میں مناسبت پیدا کرنے کی کئی ایک علماء نے کوشش کی ہے۔

ابو جعفر طبری کا بیان امام ابو جعفر طبری نے لکھا ہے کہ ستر والی روایت ہر مسلمان کی سچی خواب کے متعلق ہے اور چالیس والی روایت سچے اور دنیار مومن کی خواب کے بارے میں ہے اور ان کے درمیان والی روایتیں عام مومنین کے حالات کے اعتبار سے ہوں گی۔

ابن بطال کا بیان امام ابن بطال فرماتے ہیں۔ تعداد اجزاء میں کئی یا بیشی کے اعتبار سے جو اختلاف پایا جاتا ہے تو ان میں صحیح ترین روایت چھیا لیس اور ستر والی روایتیں ہیں۔ کیونکہ خواب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک صاف اور واضح خواب مثلاً اگر کوئی خواب میں دیکھے کہ اسے بچل دیا گیا ہے اور پھر بیداری میں وہی واقعہ پیش آئے اور اسے اسی قسم کا بچل یا جائے، اس قسم کی خواب کی تعبیر میں نہ کوئی وقت پیش آتی ہے اور نہ اس کی تفسیر میں کوئی رمز یا اشارہ ہوتا ہے اور دوسری مخفی جو ظاہر نہ ہو۔ اس قسم کی خواب کی تعبیر ایک ماہر ہی کر سکتا ہے کیونکہ اس میں بہت دور کی مثال دی گئی ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے ہو سکتا ہے کہ خواب کی دوسری قسم ستر میں سے ایک جزو ہو اور پہلی قسم چھیا لیسواں جزو۔ کیونکہ جس قدر اجزاء کم ہوں گے۔ اسی قدر خواب سچائی کے زیادہ قریب ہوگا اور اسی قدر اس کی تعبیر میں غلطی کا کم احتمال ہوگا اس کے برخلاف جس قدر اجزاء زیادہ ہوں گے اس کی تعبیر میں غلطی کا زیادہ احتمال ہوگا۔ ابن بطال کہتے ہیں کہ میں نے یہ جواب کئی ایک لوگوں کو سنایا تو انہوں نے اسے پسند کیا۔

ایک اور بیان

کسی اور نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ نبوت اسی قسم کے دو صنفوں پر مشتمل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کے ذریعہ سے انہی دو طریقوں پر نبوت حاصل کی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ کبھی آپ کو وحی آتی تو آپ جبریل سے بے تکلفی سے باتیں کرتے اور بعض اوقات جبریل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ جملے اور جوامع کلمات پڑھاتے تو آپ کو شدید معلوم ہوتے یہاں تک کہ آپ کو لرزہ غاری ہو جاتا اور آپ سے پسینہ بہنا شروع ہو جاتا۔ ماری نے اس کا خلاصہ یوں کیا ہے کہ خواب میں اصل واقعہ پر کسی ایک دلائل پائی جاتی ہیں چنانچہ بعض دلائل واضح ہوتی ہیں اور بعض خفی۔ مگر جلی میں دلائلوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے اور خفی میں زیادہ اور ان کے درمیان دیگر درمیان مدارج ہیں۔

امام ابو محمد ابن ابی جبرہ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوت تو واضح امور کے لئے آئی ہے۔ چنانچہ بعض وحیوں میں اجمال ہوتا ہے کسی دوسری جگہ واضح کر دیا گیا ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض خواب میں بھی صریح ہوتی ہیں جن کی

تاویل کی ضرورت نہیں ہوتی اور بعض میں تاویل کی ضرورت ہوتی ہے لہذا اس خواب میں سے جس قدر خبیات کو عارف سمجھ جاسے وہ اجزاء نبوت میں سے ایک جزو ہوتا ہے اور یہ جزو عارف کی سمجھ کے مطابق کبھی کم ہوتا ہے کبھی زیادہ۔ چنانچہ بلند ترین عارف وہ ہوگا جس کے فہم اور نبوت کے درجے کے درمیان کم سے کم اجزاء کی تعداد اور ادنیٰ ترین عارف وہ ہوگا جس میں تعداد زیادہ ہوگی اور ان کے علاوہ کے یہ درمیان مدارج ہیں۔

مؤلف کتاب کہتا ہے کہ اس کلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس قدر عارف زیادہ فہم والا ہوگا تو اس میں اجزاء کی تعداد بھی کم ہوگی اور سب سے زیادہ اجزاء کی تعداد ضعیف الفہم عارف کی تفسیر میں ہوگی اور درمیان فہم والے کے لیے درمیان حالت اور اس پر اعتراض وار د ہوتا ہے کیونکہ اسی صورت میں

امام ابو محمد ابن ابی جبرہ رضی اللہ عنہ بن سعد بن ابی ہریرۃ الانصاری اندلسی متوفی ۲۵۰ھ۔ یہ بہت بڑے دل گز سے ہیں۔ شریعت کی بڑی تعلیم کیا کرتے اور بیداری میں انہیں دیدار نبوی حاصل ہوتا۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں جن میں سے ہماری کی شرح مسمیٰ بفتح النفس وغایتہا بمعرفۃ مالہا وما علیہا۔ تفسیر قرآن مجید وجمع النہایۃ فی بداء الخیر وغایۃ حدیث میں ایک مختصر کتاب ہے امام شعرانی نے ان کا کمال لکھا ہے۔ (لواتح: ۱: ۱۳۸) کشف المکنون (ج ۱: ۲۹۳) میں ان کی ایک اور کتاب شرح حدیث عبادۃ بن الصامت بھی دی ہے۔ وہاں ان کی تاریخ وفات ۲۵۰ھ دی ہے۔

تعداد کے اختلاف کو مُعْتَرِکِ فہم سے متعلق کیا گیا ہے حالانکہ خواب تو کسی اور کو آنی ہوتا ہے نہ کہ مُعْتَرِک۔ اگر بات اسی طرح ہوتی تو حدیث کے الفاظ یوں ہونے چاہئیں تھے نیک آدمی کی نیک خواب کا سمجھنا نبوت کے جیساں اس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ لہذا یہ عارف کے فہم کی خوبی ہوئی نہ کہ خواب کی اور یہ حدیث کے مفہوم کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم

رحمانی و شیطانی خوابیں

میں نے حضرت سے رحمانی اور شیطانی خواب کے متعلق دریافت کیا تو حضرت نے فرمایا کہ ذات انسانی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو ہر

وقت حق میں مشغول ہوتی ہیں اور ان کا تعلق حق کے ساتھ ہوتا ہے دوم وہ جو ہر وقت باطل میں لگی رہتی ہیں اور ان کا تعلق بھی باطل سے ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو وہی چیز مل جاتی ہے جو اس کے مناسب

ہوتی ہے اور جو ہمیشہ سے اس کی حالت رہی ہوتی ہے۔ پھر آپ نے اس کی تشریح اسی طرح کی کہ فرض کر دو کہ دو مسائل ہیں۔ ہر ایک نے دس دینار مانگے جو انہیں دے دیے گئے اور وہ نہایت ہی خوش

ہوئے مگر ایک کی خوشی کا تعلق عطیہ دینے والے کے ساتھ ہے یہاں تک کہ اس خوشی کی شاعیں ان کے باطن پر بھی پڑیں اور باطن بھی اس سے مسرور ہوا تاکہ یہ اس کی دن رات کی عادت بن گئی یہ تو وہ

شخص ہے جو حق پر قائم ہے اور حق سے وابستہ ہے۔ دوسرے کی خوشی دیناروں کے ساتھ ہے کہ ان سے حاجت پوری کرے گا۔ چنانچہ دینار ملنے کے بعد اس کا خیال اُن حاجتوں کی طرف جائے گا جنہیں

وہ ان سے پورا کرے گا، لیکن اپنی حاجتیں پورا کرنے اور مراد حاصل کر لینے کے بعد وہ پھر گنگنا شروع کر دے گا اور کہے گا خدا یا مجھے دس دینار اور دے اس شخص کا دل تو حاجتوں میں مبتلا ہے اور

اس کی نظر بھی انہی کی طرف لگی رہتی ہے اور اس کا یارب کہنا محض برائے نام ہوتا ہے دل اس سے بالکل خالی ہوتا ہے کیونکہ وہ خدا سے بے تعلق اور حجاب کے پردے میں ہوتا ہے۔ یہی وہ شخص ہے جو باطل

میں نگارہتا ہے اور اسی سے اس کا تعلق ہوتا ہے چنانچہ پہلے کے خواب اللہ سے تعلق ہونے کی وجہ سے اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور دوسرے کے شیطان سے تعلق ہونے کی وجہ سے شیطان کی طرف سے۔

درحقیقت دونوں خواب اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ دوسری قسم کی خواب کو شیطان کی طرف اس لیے منسوب کیا گیا کہ شیطان اس سے خوش ہوتا ہے اور بنی آدم کے لیے اسے پسند کرتا ہے کیونکہ یہ اُن ظلمتوں سے پیدا

ہوتی ہیں جنہیں شیطان پسند کرتا ہے بعینہ اس طرح جس طرح ایک فرع اپنی اصل کو پسند کرتی ہے کیونکہ شیطان کی اصل تاریکی ہے۔

(موقف کہتا ہے) آنکہ حدیث شلا بن حجرؓ ابن العرواؓ ابن لہالؓ اور ابن ابی حمزہؓ وغیرہ نے بھی

یہی لکھا ہے کہ خوابیں خواہ کس قسم کی بھی ہوں اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ شیطان کی طرف انہیں صرف اس لیے منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ ان سے خوش ہوتا ہے۔

پسچی اور جھوٹی خواب | پھر میں نے سچی اور جھوٹی خواب کے متعلق سوال کیا۔

حضرت نے جواب دیا کہ سچی خواب وہ ہے جس کے دیکھنے والے کا دل سوتے ہوئے بھی معانی و مشاہدہ حق میں لگا ہوا ہو۔ جیسا کہ اکثر جاگتے میں رہتا ہے اور جھوٹی خواب اس کے برعکس حالت والے کی ہوتی ہے کہ اس کا دل سوتے میں ایسا ہوتا ہے جیسے عام لوگ کما کرتے ہیں وہم بیکر گیا اور وہم لے کر واپس آیا۔ اسی لیے جس طرح وہ بیداری میں معاینہ حق سے محجوب ہوتا ہے اسی طرح خواب میں بھی محجوب ہوتا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ بعض اہل ظلام کی خوابیں بھی کبھی سچی ہوتی ہیں اور خواب والے کے دل کو محجوب نہیں کرتیں مالا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اہل ظلمت کے خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور جو شیطان کی طرف سے ہو اس میں محجوب کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ عزیز مصر نے خواب دیکھا جس کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ سَعِيرَاتٍ يَسْبُغْنَ (الْأَيُّهُ) (سورة يوسف)**

حضرت نے فرمایا یہ اس لیے ہوا کہ اس میں یوسف علیہ السلام کا راز اور حق شامل تھا اور یہی خواب حضرت یوسف علیہ السلام کی شہرت اُن کے قید خانہ سے نکلنے اور ملک پر تسلط کا باعث ہوا۔ اس کے علاوہ بھی کبھی کافر کی خواب سچی نکل آتی ہے۔ جب اس کے ساتھ کسی اور کا تعلق ہو اور اس خواب کا تعلق بادشاہ کے تمام معاصرین کے ساتھ ہے اسی لیے یہ خواب اوروں کے لیے تھا، خاص بادشاہ کے لیے نہ تھا۔

میں نے عرض کیا تو کیا قید خانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے دو ساتھیوں کی خواب انہی کے متعلق نہ تھی کیونکہ ہر ایک کی خواب واقعہ کے مطابق نکلی تھی، لہذا غیر کا تعلق کہاں رہا۔

حضرت نے فرمایا: اس میں بھی یوسف علیہ السلام کا حق تھا اور یہی اُن کی شہرت، اُن کے قید سے نکلنے اور ملک پر قابض ہونے کا سبب بنا۔ مختصر یہ کہ اہل ظلمت کی خواب اُسی وقت سچی نکلتی ہے جب اس میں اور کا حق شامل ہو یا اس میں خواب دیکھنے والے کے لیے اس مذہب حق کے حق ہونے کی شہاد ہو جس مذہب پر خواب دیکھنے والا خود نہیں ہے یا یہ خواب اس کی توبہ کا سبب ہو وغیرہ۔

(موتلف کتاب ہے) فتح الباری میں اسی طرح دیا ہے۔ حافظ ابن حجر بیہ حیا، مفسدہ پرواز اور

مشرکوں کی خواب کے باب میں لکھتے ہیں کہ معتبرین کا کہنا ہے کہ اگر کوئی خائن یا فاسق کوئی نیک خواب دیکھے تو یہ خواب بعض اوقات اس کے ایمان کے آنے کی خوشخبری ہوتی ہے۔ یا تو بہ کرنے کی یا اس میں اس کے کفر و فسق پر قائم رہنے کی اطلاع پائی جاتی ہے اور بعض اوقات یہ خواب اوروں کے لیے ہوتا ہے مثلاً اُن اہل فضل لوگوں کے لیے جن کے ساتھ اسے نسبت ہوتی ہے اور بعض اوقات انہیں ایسی خواب آتی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ درست ہے حالانکہ یہ ایک قسم کی آزمائش اور صفا کا اور فریب ہوتا ہے۔

(میں کہتا ہوں) جب وہ ایسی خواب دیکھے جس میں کفر پر رضا مندی پائی جاتے تو یہ نیک نہیں کیونکہ نیک خواب تو سچی خواب ہوتی ہے یا اس سے بھی خاص جیسا کہ اس سے پہلے مذکور ہو چکا۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت کا ذہن نیک خواب کی بجائے کافر کی مطلق خواب کی طرف چلا گیا ہو۔

ضرر رسال اور غیر ضرر رسال
پھر میں نے حضرت سے سوال کیا کہ کون سی پریشان کن خواب ضرر رسال ہوتی ہے اور کون سی غیر ضرر رسال اور اس سے پہلے عورت کا قطعہ بھی سنا دیا جس نے خواب میں دیکھا کہ اس کے گھر کا ستون گر گیا ہے اور

اس نے ایک کانا بیٹا جنا ہے اور خواب کے وقت اس کا خاوند تجارت کے لیے دور سفر میں گیا ہوا تھا۔ اس عورت نے اگر یہ خواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سنایا تو آپ نے فرمایا، تمہارا خاوند انشاء اللہ صبح و سلامت واپس آجائے گا اور تیرے ہاں ایک صاحب بچہ پیدا ہوگا۔ اس کے بعد وہی عورت پھر ایک بار آئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تشریف فرما تھے۔ اس لیے اس نے اپنی خواب حضرت عائشہ سے بیان کی۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ اگر تمہاری خواب سچی ہے تو تمہارا خاوند سفر میں مرجعے گا اور تیرے ہاں ایک بچہ پیدا ہوگا جب آنحضرت تشریف لاتے اور حضرت عائشہ نے ان سے خواب اور تعبیر کا ذکر کیا۔ آنحضرت کو ناگوار گزرا اور فرمایا۔ اے عائشہ جب کسی مسلمان کی خواب کی تعبیر کرو تو اچھی تعبیر کیا کرو کیونکہ خواب اپنی تعبیر کے مطابق واقع ہوتی ہے۔

۱۔ عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر صدیق کی بیٹی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شادی کہ ہی میں چھ برس کی عمر میں ہو گئی تھی مگر یہ آنحضرت کے گھر مدینہ میں جگہ بدر کے بعد مدینہ میں گئیں۔ جب کہ ان کی عمر نو سال کی تھی۔ آپ سے بے شمار لوگوں نے حدیث کی روایت کی ہے۔ ان کی وفات ۶۷ھ یا ۶۸ھ میں ہوئی۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ دارمی نے اس حدیث کو سلیمان بن یحسار کی سند سے حضرت عائشہ سے بلند حسن روایت کیا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ پریشان کن خواب اللہ کی طرف سے بندے کے لیے تنبیہ اور آزمائش ہوتا ہے کہ آیا اس خواب کے دیکھنے کے بعد بھی وہ اپنے رب کے ساتھ رہتا ہے یا نہیں۔ لہذا اگر بندے کا تعلق اللہ کے ساتھ ہو اور وہ پریشان کن خواب دیکھے تو وہ نہ اس کی طرف توجہ دے گا اور نہ پروا کرے گا کیونکہ اسے علم ہے کہ یہ خواب اس خدا کی طرف منسوب ہے جس کے قبضہ میں تمام معاملات اور ان کا رد و بدل ہے اور یہ کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اختیار کر لیا ہے وہ تقدیر میں کھا جا چکا ہے اس لیے وہ خواب سے نہیں ڈرے گا اور نہ اس کی طرف توجہ دے گا اور انشاء اللہ یہ خواب اسے نقصان دہ نہ ہوگا۔ مگر جب بندے کا تعلق اللہ سے نہ ہوگا اور اُسے پریشان کن خواب آئے گا تو وہ اُسے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے گا اور اس کا باطن سمجھتا ہی کہ اس کی طرف مشغول ہوگا اور وہ اپنے رب سے منقطع ہو جائے گا اور وہ سمجھے گا کہ یہ خواب ضرور پوری ہو کر رہے گی اور وہ اس سے غافل ہو جائے گا کہ اللہ نے اس کی تقدیر میں کیا کچھ ہے اور جو کسی چیز سے ڈرتا ہے وہ اس پر مسلط ہو جاتا ہے۔ لہذا خواب اس قسم کے آدمیوں کو نقصان پہنچاتی ہے۔

جب خواب نقصان دہ نہیں تو میں نے عرض کیا جب خواب نقصان نہیں دے سکتی تو پھر دیکھنے والے کو کیوں حکم دیا گیا کہ وہ اس خواب اور شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرے اور باتیں جان ب تین بار تھوکے۔

حضرت نے فرمایا کہ مومنین کے دل اللہ کے نام پر سوتے ہیں اور اسی کے نام پر بیدار ہوتے ہیں۔ لہذا جب وہ سوتے ہیں تو اللہ ان کے دل میں ہوتا ہے اور جب بیدار ہوتے ہیں تب بھی اللہ ان کے دلوں میں ہوتا ہے۔ لہذا جب ان میں سے کوئی شخص پریشان کن خواب دیکھتا ہے اور اسے دارمی: ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی - حافظ سمرقندی - انیس اپنے زمانے کا امام سمجھا جاتا تھا۔ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوا اور چالیس سال کی عمر میں ۲۵۰ھ میں وفات پائی۔

سلیمان بن یسار: ابو یوسف سلیمان بن یسار الحلال المدنی۔ اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم تھے۔ ہری کہتے ہیں کہ یہ علماء میں سے تھے۔ انسان کہتے ہیں کہ امام تھے اور ابو زرہ انہیں ثقہ کہتے ہیں۔ تترتیرس کی عمر میں ۲۵۰ھ میں وفات پائی۔

بیدار ہوتا ہے تو اس کا دل اس حالت سے متزلزل ہو جاتا ہے جس پر سو یا تھا اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی حالت پر لوٹ جانے کا حکم دیا۔ اس طرح کہ وہ اللہ کی طرف لوٹے اور اللہ تعالیٰ کو اپنے اور پریشان کن خواب کے درمیان رکھے۔ استعاذہ سے یہی مراد ہے اس طرح اس کا تعلق اللہ سے ہو جائے گا اور پریشان کن خواب سے منقطع ہو جائے گا اور چونکہ شیطان تو یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کرے اس لیے اُسے اللہ کی پناہ لینے کے لیے کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کو اپنے اور اس لعین (یعنی شیطان) کے درمیان کرے اور اس کا تعلق لعین سے منقطع ہو کر اللہ سے ہو جائے اور تھوکنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ جس حالت سے رجوع کر رہا ہے اس کو پلید (استفدرا) سمجھے اس لیے کہ اس حالت میں وہ اللہ سے منقطع ہو چکا ہے اسی لیے اس حالت کو حقیر سمجھتے ہوئے وہ بائیں جانب تین بار تھوکتا ہے۔

بائیں طرف تھوکنے کا حکم کیوں دیا گیا
حضرت نے فرمایا کہ بائیں طرف تھوکنے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ شیطان جب کسی کے پاس آتا ہے تو بائیں جانب سے آتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ہر طرح کی بھلائی دائیں جانب سے ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ حافظ کتاب

فرشتہ جس کا نور تو یہ ہوتا ہے دائیں طرف ہوتا ہے اور جس کا نور کمزور ہوتا ہے وہ بائیں طرف ہوتا ہے جنت دائیں طرف ہے اور جہنم بائیں طرف۔ جبریل جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو دائیں جانب سے آتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہداء کی ارواح کو دائیں جانب سے ہی دیکھا کرتے تھے کیونکہ بدر اور اُحُد وغیرہ میں ان کی شہادت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کی وجہ سے پریشان ہوتے تو آپ دائیں طرف دیکھتے اور انہیں گھوڑوں پر سوار کفار کے خلاف جہاد کرتے ہوئے دیکھتے۔ عرش دائیں جانب ہے اور فرش (زمین) بائیں جانب۔ زمین کے جس حصے میں بنی آدم کے مومنین آباد ہیں وہ دائیں جانب ہی ہے اور جس حصے میں جن آباد ہیں وہ بائیں جانب ہے دائیں جانب کی رگیں کثرت سے اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ برعکاس اس کے بائیں جانب کی رگیں خاموش ہیں۔ نور حق دائیں طرف سے آتا ہے اور باطل بائیں سے۔ مختصر یہ ہے کہ خیر دائیں جانب سے آتی ہے اور شر بائیں جانب سے۔

دائیں جانب سے کیا مراد ہے؟ میں نے عرض کیا کہ دائیں جانب سے کیا مراد ہے؟

حضرت نے فرمایا جسے اللہ کی طرف سے فتح (شرح صدر) نصیب ہو، اسے ہر طرح کی بھلائی

دائیں جانب سے ہی حاصل ہوتی ہے اور ہر طرح کی شر باتیں جانب سے۔ پھر جب وہ رُخ بدلتا ہے تو صورت حال بھی بدل جاتی ہے۔ چنانچہ اگر فرض کر لیا جاسے کہ وہ مشرق کی طرف جا رہا ہے تو ہر قسم کی بھلائی مثلاً جنت، عرش، ارواح شہداء کو دائیں جانب یعنی جنوب کی طرف دیکھے گا اور اپنی باتیں جانب یعنی شمال کی جانب جہنم، مشیاطین اور اشقیاء کی ارواح وغیرہ ظلمانی چیزیں دکھائی دیں گی۔ اسی طرح اگر وہ پلٹ کر مغرب کی جانب رُخ کرے اور اس کا دایاں ہاتھ شمال کی جانب ہو اور بائیں جانب کی جانب تو اسے مذکورہ بالا خیرات دائیں جانب دکھائی دیں گی اور ہر قسم کی مذکورہ بالا شر وغیرہ باتیں طرف۔ علی التقیاس، جب وہ کسی اور جانب رُخ پھیرے تو صورت حال بھی اسی کے مطابق پھر جائے گی۔

حضرت نے فرمایا کہ اس کا راز یہ ہے کہ عارف کے ذہن میں جوتے ہیں جن سے وہ دیکھتا ہے ایک نورانی جس سے صرف نور ہی نظر آتا ہے اور دوسرا ظلمانی جس سے صرف تاریکیاں ہی دکھائی دیتی ہیں۔ نورانی اشیاء اس کی دائیں جانب ہوتی ہیں اور یہ دراصل اس کا نورِ ایمان ہوتا ہے اور ظلمانی اس کی بائیں جانب اور یہ دراصل نفسِ نجسہ کی شہوات اور ان کا خُبث ہے جو بمقابلہ نورِ ایمان کے ہے۔ لہذا جب وہ دائیں جانب دیکھے گا تو اس کا دیکھنا نورِ ایمان کے ساتھ ہوگا اسی لیے اسے نورِ ایمان کے مشابہ اشیاء جو حق و نور میں دکھائی دیں گی اور جب وہ بائیں جانب دیکھے گا تو شہواتِ نفس کی ظلمتوں کو دیکھے گا۔ اسی لیے اسے اس کی ہم شکل اشیاء دکھائی دیں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا دیکھنا طبیعتِ ذات کی نگاہ سے ہوتا ہے کیونکہ اس میں روح اور ذات دونوں کام کر رہی ہوتی ہیں لہذا جب روح ایمان کے ہوتے ہوئے ذات میں محبتِ رضا اور قبول سے قرار پائے گی تو ان دونوں کے ساتھ نور برقرار رہے گا اور یہ نور اس کا نورِ ایمان ہی ہوتا ہے جو اس کی ذات سے مل کر ایک ہو گیا ہوتا ہے اور دیکھنے والی چیز عقل ہوتی ہے چنانچہ جب یہ عقل نورِ روح کے آئینے سے دیکھتی ہے تو اسے پاکیزہ چیزیں دکھائی دیتی ہیں، لیکن جب نورِ ذات کے آئینے سے دیکھتی ہے تو اسے تاریک اور اسی قسم کی دیگر اشیاء نظر آتی ہیں۔

وہ حدیث اسی پر معمول ہے جس میں اُن اشکال کا ذکر آتا ہے جو آدم علیہ السلام کی دائیں جانب تعین اور جنہیں دیکھ کر وہ ہنستے تھے اور اُن اشکال کا جو آدم علیہ السلام کی بائیں جانب تعین اور جنہیں دیکھ کر وہ رو پڑتے تھے۔ پہلے قسم کی شکلیں نیک لوگوں کی روحیں تعین اور دوسری قسم کی شکلیں بد بختوں کی روحیں تعین۔

تین بار تھکانے میں حکمت

حضرت نے فرمایا کہ تین بار تھکانے کا حکم اس لیے دیا کہ پہلا ذات کی طرف سے۔ دوسرا روح کی طرف سے اور تیسرا بندے

کا حق تعالیٰ سے مدد چاہنے کے لیے۔ تین بار تھکانے میں یہی راز پایا جاتا ہے کہ آنکھ کھلنے پر کروٹ بدلے تو یہ اس لیے ہے کہ پہلی نیند کا معاملہ ختم ہو جائے اور وہ ایسا ہو گا جیسا کہ اس نے از سر نو اللہ کے ذکر سے نیند شروع کی ہو مگر خلاف اس کے اگر کروٹ نہ بدلے گا تو یوں سمجھا جائے گا کہ وہ ابھی پہلی نیند ہی سو رہا ہے۔

پریشان خواب دیکھنے کے بعد نماز پڑھنے کا حکم!

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار تو نماز پڑھنے کو فرمایا۔ مؤلف کہتا ہے کہ یہ روایت صحیح مسلم کی ہے اور دوسری مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا ذکر نہیں کیا

(مؤلف کہتا ہے کہ یہ بخاری کی روایت ہے) لہذا جس کا دل چاہے نماز پڑھے اور جس کا دل چاہے اپنی حالت پر رہے اور نہ پڑھے۔ نماز پڑھنے کے حکم میں یہ راز ہے کہ جو حکمت پریشان خواب کی وجہ سے اس کی ذات میں داخل ہو گئی ہے وہ مٹ جاتے اور وہ نماز سے ذات کو اس حکمت سے نکال کر پاک کر لے۔

مؤلف کتاب کہتا ہے کہ پریشان خواب کے آداب یہ ہیں۔ اس کے شر سے اللہ کی پناہ چاہنا۔ شتر شیطان سے پناہ مانگنا۔ تین بار بائیں طرف تھکانا۔ جس کروٹ خواب آئی ہو اُسے بدلنا۔ اور نماز کیلئے کھڑا ہونا۔ پہلی چار باتیں ضروری ہیں اور پانچویں کے متعلق ایک روایت میں حکم دیا گیا ہے اور دوسری میں نہیں۔ ان کے علاوہ علماء نے دو اور آداب کا ذکر کیا ہے ایک یہ کہ آیت الکرسی پڑھے۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے اس کا ذکر کیا ہے، لیکن مجھے اس کی کوئی سند معلوم نہیں ہو سکی۔ حضرت نے فرمایا کہ بات اسی طرح ہے جس طرح کہ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ دوسرے یہ کہ اس خواب کا کسی سے تذکرہ نہ کرے اور یہ بخاری میں مذکور ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ خواب کے شر سے اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق ایک صحیح روایت آئی ہے جس کی روایت سعید بن منصورؒ، ابن ابی شیبہؒ اور عبد الرزاقؒ نے ابراہیم غنیؒ سے صحیح سندوں سے کی ہے

لع سعید بن منصور: سعید بن منصور بن شعبہؒ فرماتے ہیں کہ ان کی پیدائش جو زبان میں ہوئی۔ بطن میں نشوونما پائی اور کہ میں رات کو اختیار کی اور وہیں وفات پائی۔ یہ آخر حدیث میں سے تھے ان کی بہت سی تصانیف ہیں ان کی وفات ۲۷۷ھ و ۲۸۱ھ میں ہوئی۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہ جب تم سے کوئی شخص بُری خواب دیکھے تو بیدار ہونے پر یہ الفاظ پڑھے :

اَعُوْذُ بِمَا اَعَادَتْ بِهٖ مَلَاٰئِكَةُ اللّٰهِ وَرُسُلُهٗ مِنْ شَرِّ رُؤْيَا هٰذِہٖ اَنْ یُّصِیْبَنِیْ
مِنْهَا مَا اَکْثَرُهٗ فِیْ دِیْنِیْ وَ دُنْیَا دِیْ - (ترجمہ: میں اس خواب کے شر سے اسکی ہستی کے پاس
پناہ لیتا ہوں جس کے پاس اللہ کے فرشتے اور رسول پناہ لیتے رہے ہیں تاکہ مجھے اس خواب سے دین و
دنیا کی کوئی تکلیف نہ پہنچے)

ڈراؤنی خواب دیکھ کر استعاذہ کے بارے میں امام مالک کی ایک اور روایت ہے وہ کہتے ہیں
ہیں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ خواب میں ڈرا کرتے تھے۔ انہوں نے اس کا
ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، تو آپ نے فرمایا جب خواب میں ڈرو تو یہ کلمات پڑھ لیا کرو۔
اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَ عَذَابِہٖ وَ مِنْ شَرِّ عِبَادِہٖ وَ مِنْ هَمَزَاتِ
الشَّیْطَانِ وَ اَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ یُّخْضَرُوْنِ۔ (ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کے علم تمام کے ساتھ
اللہ کے غضب، اس کے عذاب، اس کے بندوں کے شر اور شیطان و سادس سے پناہ لیتا ہوں،
خدایا میں تیرے پاس پناہ لیتا ہوں تاکہ یہ شیاطین وغیرہ میرے پاس نہ آسکیں)۔

نسائی نے عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے اسیوں روایت کیا ہے کہ خالد بن الولیدؓ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

۱۷ ابن ابی شیبہ: ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی غیبہ حافظ کوئی؟ انہوں نے عبداللہ بن ادریس اور ابن مبارک
وغیرہ سے روایت کی۔ ان کی وفات ۲۳۰ھ - ۳۹۰ھ میں ہوئی۔

۱۸ عبدالرزاق: عبدالرزاق بن ہمام ابوبکر۔ برٹس پائرس کے عالم تھے۔ انہوں نے پچاس برس کی عمر میں ۲۳۰ھ
۳۹۰ھ میں وفات پائی۔

۱۹ ابراہیم نخعی: حضرت ابراہیم بن یزید النعمانی فقیر العراق، علقمہ، مسروق اور اسود وغیرہ سے روایت کی
اور حماد بن ابی سلیمان فقیر کے شیخ ہیں وہ مخلص علماء میں سے تھے۔ شہرت سے بچتے تھے۔ ۲۹۰ھ - ۳۳۰ھ
میں وفات پائی۔

۲۰ خالد بن الولیدؓ: خالد بن ولید بن مغیرہ مخزومی جو سیف اللہ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ مشہور صحابی ہیں۔ صلح حدیبیہ
کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے۔ انہوں نے غزوہ موتہ میں شرکت کی اور انہی کے ہاتھوں فتح ہوئی۔ حضرت
برکبر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یہ اہل روم سے جنگ کرنے پر مامور ہوئے، پھر انہوں نے عراق و شام کی جنگوں
میں فتوحات حاصل کیں۔ ۳۰ھ - ۳۹ھ میں حص میں وفات پائی۔ ۱۱ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خواب میں ڈر جایا کرتے تھے۔ پھر باقی روایت اسی طرح ہے لیکن اس کی ابتدا میں یہ الفاظ زائد دیے ہیں کہ جب تو سونے لگے تو یہ الفاظ پڑھ لیا کر۔ اور وہی پہلی دعا ذکر کی ہے۔ اصل حدیث ابو داؤد اور ترمذی میں ہے۔ حاکم نے اسے حسن اور صحیح کہا ہے، واللہ اعلم۔

۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں
حضرت ابوبکرؓ کی دی ہوئی تعبیر کے متعلق سوال

موجودگی میں دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ ٹھیک بتائی ہے اور کچھ غلط۔ امام بخاری نے اس قصہ کا مفصل ذکر دیا ہے۔ چنانچہ امام بخاری فرماتے ہیں: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنْ رَأْسِ شَهَابٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثَيْبٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ فِي الْمَنَامِ ظِلَّةً تَنْظِفُ السَّمْنَ وَالْعَصْلَ فَأَرَى النَّاسَ يَتَكَفَّفُونَ مِنْهَا فَالْمُسْتَقَرُّ إِذَا سَبَّ دَاحِلٌ مِنَ الْأَرْضِ إِلَى السَّمَاءِ فَأَرَاكَ أَخَذْتَ بِهِ فَعَلَوْتَ ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ آخَرُ فَعَلَا بِهِ ثُمَّ أَخَذَ لَهُ رَجُلٌ آخَرُ فَعَلَا بِهِ ثُمَّ أَخَذَهُ رَجُلٌ آخَرُ فَانْقَطَعَ ثُمَّ دَصَلَ۔

(ترجمہ: ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی میں نے آج رات خواب میں ایک سایہ دار بادل دیکھا جس سے گئی اور شہد ٹپک رہا تھا کچھا

(بقیہ ماثیہ صفحہ سابقہ)

۶۔ نسائی: مشہور محدث ہیں جن کی سنن النسائی مشہور حدیث کی کتاب ہے۔ انھوں نے ۳۸۰۰ حدیثیں میں وفات پائی۔

۷۔ عمرو بن شعیب: عمرو بن شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن العاص۔ ان کی اکثر احادیث کی روایت اسی طرح آئی کہ عن ابیہ من جدہ۔ اسی لیے بخاری اور مسلم نے ان کی کوئی حدیث اپنی کتاب میں نہیں دی کیونکہ اس طرح بعض اوقات گڑبڑ پڑ جاتی ہے۔

۸۔ ابو داؤد: ابو داؤد سبستانی مشہور محدث اور مؤلف سنن ابی داؤد ہیں انھوں نے ۴۸۰۰ حدیثیں میں وفات پائی۔

۹۔ ترمذی: ابو یعلیٰ محمد ترمذی۔ جامع الترمذی کے مؤلف اور مشہور محدث ہیں انھوں نے ۳۸۰۰ حدیثیں میں وفات پائی۔

تو لوگ ہاتھ پھیلائے اسے لے رہے ہیں چنانچہ کسی نے زیادہ لے لیا اور کسی نے کم۔ پھر ایک رسی دیکھی جو زمین سے آسمان تک پہنچی ہوئی تھی۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ آپ اس کو پکڑ کر اوپر چڑھ گئے پھر اسے ایک اور شخص نے پکڑا اور وہ بھی اوپر چڑھ گیا، پھر تیسرے نے پکڑا اور وہ بھی چڑھ گیا۔ پھر چوتھے نے پکڑا تو رسی ٹوٹ گئی، لیکن پھر چڑھ گئی۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔
 آپؐ مجھے اس کی تعبیر بیان کرنے دیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: بہت اچھا اس کی تعبیر بیان کرو۔
 ابو بکرؓ نے کہا سایہ دار بادل تو اسلام ہے اور جوگھی اور شمد اس سے ٹپک رہا ہے وہ قرآن
 ہے جس کی ٹپکاس ٹپک رہی ہے کوئی اس میں سے زیادہ لے رہا ہے کوئی کم۔ اور جو رسی زمین سے
 آسمان تک پہنچی ہوئی ہے وہ طریق ہے جس پر آپؐ قائم ہیں۔ آپؐ اسے کپڑے ہوتے ہیں اور اللہ آپؐ
 کو اوپر چڑھا رہا ہے پھر آپؐ کے بعد کوئی اور اسے ختمے گا اور وہ بھی اوپر جاتے گا۔ پھر میرا
 ختمے گا اور اوپر چڑھ جائے گا پھر جو ختمے گا تو وہ ٹوٹ جائے گی پھر اسے جوڑا جائے گا
 اور وہ اوپر چڑھ جائے گا۔

یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، مجھے بتائیں کیا میں نے درست تعبیر کی یا غلط؟ آنحضرت نے فرمایا کچھ ٹھیک ہے کچھ غلط۔ پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کو قسم ہے اللہ کی مجھے ضرور بتائیں کہ میں نے کیا غلطی کی۔ آنحضرت نے فرمایا ”قسم نہ دو“

حدیث کے الفاظ کی روایت میں اختلاف

وَالشَّمْنُ مَا لَقُرَّانٌ فِي حَلَاوَةِ الْعَسَلِ وَلَيْسَ النَّبِيْءُ اَوْ لَا تَقْسِمُ كَمَا اِنَّ مَا

۱ ابن و سبب: ابو محمد عبد اللہ بن و سبب۔ انھوں نے امام مالک اور امام لیث سے فقہ کی تعلیم حاصل کی ۳۳۸ھ میں امام مالک کے پاس آئے اور وفات تک انکی خدمت میں رہے ۳۴۵ھ تک میں پیدائش ۳۱۵ھ میں بمقام معروفات پائی

۲ سلیمان بن کثیر: ابو داؤد سلیمان بن کثیر العبیدی۔ ذہبی کہتے ہیں۔ جافزا الحدیث لا باس بہ ان کی وفات ۳۳۵ھ میں ہوئی۔

۳۰ ابن ماجہ: ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ مشہور محدث ہیں ان کی کتاب سنن ابن ماجہ کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔ ان کی وفات ۲۴۱ھ ۸۵۶ء میں ہوئی۔

میں لَا تَقْسِمُ يَا أَبَا بَكْرٍ ہے۔

ابوبکر رضی غلطی کے بارے
میں علماء کا اختلاف

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تعبیر میں کہاں غلطی کھائی۔ مُکَلَّب اور اس کے متبعین کا قول ہے کہ ابوبکر نے شَدَّ دَصَلَ لَہُ کے الفاظ میں غلطی کھائی ہے اس لیے کہ حدیث

میں صرف "شَدَّ دَصَلَ" ہے "لَہُ" کا لفظ اس میں نہیں ہے۔ انہیں وہیں ٹھہر جانا چاہیے تھا جہاں خواب ختم ہوتی اور جس کے لیے رسی جوڑی گئی تھی اس کا تذکرہ نہ کرتے اس صورت میں معنی یوں ہوتے کہ حضرت عثمانؓ کے لیے رسی ٹوٹی اور پھر کسی اور کے لیے جوڑی گئی یعنی خلافت کسی اور کے پاس پہنچی۔

قاضی عیاضؒ کی رائے

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ کسی نے کہا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خطا "دَصَلَ لَہُ" کہنے میں تھی حالانکہ حدیث میں صرف "دَصَلَ" کا لفظ ہے "لَہُ" کا نہیں ہے۔ اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے رسی نہیں جوڑی گئی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے جوڑی گئی یعنی اُن تک خلافت پہنچی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ "لَہُ" کا لفظ اُصْلٰی اور کریمہ کے نزدیک بیعت کی روایت میں سے ہے مُکَلَّب بن ابی صفرۃ الاندلسیؒ، انھوں نے بخاری کی شرح لکھی ہے اور ان کے شاگرد ابوعبداللہ محمد بن خلف بن مروان نے اس شرح کو مختصر کیا ہے (مکشف الظنون: ۱: ۲۸۰)

قاضی عیاضؒ، ابوالفضل عیاض بن موسیٰؒ مغرب میں سب سے قاضی رہنے کی وجہ سے انہیں بالعموم قاضی عیاضؒ کہا جاتا ہے ان کی تفسیر کے قریب تعانیف ہیں جن میں مسلم شریف کی شرح اور تفسیر قرآن میں الاشتقاق اور الاشتقاق فی تخریج حقوق المصطفیٰؐ زیادہ مشہور ہیں ۳۴۵ ۳۴۶ میں پیدا ہوئے اور ۳۴۷ ۳۴۸ میں وفات پائی۔

۳۴۹ اُصْلٰی: حافظ علامہ ابو محمد عبداللہ بن ابراہیم بن محمد الاندلسیؒ: قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ یہ مالکی مذہب کے حافظوں میں سے تھے۔ حدیث ارجاع اور علل حدیث سے واقف تھے۔ ان کی کتاب الادا لیل فی اختلاف الصحابہ مشہور ہے ان کی وفات ۳۴۹ھ میں ہوئی۔

۳۵۰ کریمہ: ان کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

۳۵۱ لیث بن سعدؒ: انہیں تفسیر اہل مصر کہا جاتا ہے مصر میں ۳۵۲ھ میں ہوئے اور ۳۵۳ھ میں وفات پائی۔

ساقط ہو گیا ہے، لیکن اس کے تینوں استادوں کی روایت سے ابو ذر کی حدیث میں نہ کا لفظ موجود ہے۔ اسی طرح نسفی کی روایت میں بھی یہ لفظ موجود ہے اور سلم کے ہاں بھی یونس سے ابن وہب وغیرہ کی روایت میں یہ لفظ پایا جاتا ہے اور ترمذی کے ہاں معمر کی روایت میں۔ اسی طرح نسائی اور ابن ماجہ کے ہاں ابن عیینہ سے سلیمان کی روایت میں۔ امام احمد کے ہاں ابن حسین کی روایت سے۔ دارمی اور ابی عوانہ کے ہاں سلیمان بن کثیر کی روایت سے۔ ان سب نے زہری سے روایت کیا ہے۔ سلیمان بن کثیر کی روایت میں اَصْلَ کے اضافہ سے "وَصَلَ لَهُ فَاَتَصَلَ" کے الفاظ ہیں۔ لہذا اثبات ہوا کہ "لے" کا لفظ حدیث میں موجود ہے اس صورت میں معنی یوں ہوتے "کہ حضرت عثمان ان امور کے سبب جو ان کی خلافت میں واقع ہوتے اور لوگوں نے انہیں ناپسند کیا، قریب تھا کہ اپنے ساتھیوں تک نہ پہنچ سکتے پھر جب ان کی شہادت واقع ہوئی تو رستی جڑا گئی اور وہ بھی اُن تک پہنچ گئے۔

- ۱۔ ابو ذرؓ: ابو ذر غفاریؓ جلیل القدر صحابی سے ہیں، کہا جاتا ہے کہ یہ پانچویں اسلام لانے والے تھے بعثت سے پہلے ہی اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے حضرت عثمانؓ کے عہد میں ۳۵ھ میں وفات پائی۔
- ۲۔ نسفیؓ: ابوالبرکات نسفیؓ مشہور فقیہ میں ۳۵ھ میں وفات پائی۔
- ۳۔ یونسؓ: یونس بن یزید اہل انصون نے قاسم، عکرمہ، زہری سے روایت کی اور ان سے عبداللہ بن مبارک اور ابن وہب نے روایت کی ہے۔ فقہ راوی اور تابعی تھے۔ ۳۵ھ میں وفات پائی۔
- ۴۔ معمرؓ: ابو عمرو معمر بن اشد الانزدی، عالم مہین تھے۔ زہری اور حمام نے ان سے روایت کی ہے اور ان سے ثوری اور ابن عیینہ نے روایت کی ہے۔ عبدالرزاق کہتے ہیں کہ میں نے ان سے دس ہزار حدیثیں سنیں۔ اٹھاون برس کی عمر میں ۳۵ھ میں وفات پائی۔
- ۵۔ ابن عیینہؓ: سفیان بن عیینہ ان کا مال بظہر گزر چکا ہے۔ جید الشیخ ۳۵ھ میں وفات پائی۔ ۳۵ھ میں وفات پائی۔
- ۶۔ ابن حسینؓ: ان کا حال معلوم نہ ہو سکا۔
- ۷۔ دارمیؓ: ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی، حافظ حدیث سمرقندی میں ۳۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۵ھ میں وفات پائی۔
- ۸۔ ابوعوانہؓ: یعقوب بن اسحاق ابوعوانہ، سفر تہی اکی سند ہے حافظ حدیث اور ثقہ تھے اکی وفات ۳۵ھ میں ہوئی۔
- ۹۔ زہریؓ: ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب الزہری مشہور محدث گز۔ ۳۵ھ میں پیدا ہوئے ۳۵ھ میں وفات پائی۔ تابعی ہیں۔

قتیبہ بن سعید وغیرہ کی رائے اور اس کا جواب

قتیبہ بن سعید، ابو محمد بن ابی زید، ابو محمد الاسمعیلی، ابوبکر الاسمعیلی احمد بن نصر الداؤدی وغیرہم کی رائے ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے پیشتر اس کے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خواب کی تعبیر بیان کرنے کا حکم فرماتے تعبیر کرنے میں جلدی کی۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہوا کہ تو نے تعبیر تو ٹھیک کی ہے، لیکن عجلت کرنے میں غلطی کھائی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر بیان کرنے کی اجازت طلب کر لی تھی اور آپ نے اجازت بھی دے دی تھی لہذا عجلت نہ ہوئی کیونکہ انھوں نے اجازت حاصل کرنے کے بعد تعبیر بیان کی ہے۔ مزید برآں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان **أَصْبَحْتُ بَعْضًا دَاخِلًا بَعْضًا** سے جو فوراً منہم سمجھ میں آتا ہے یہ ہے کہ ان کی تعبیر کا کچھ حصہ صحیح اور کچھ غلط ہے۔

امام طحاوی وغیرہ کی رائے

امام طحاوی، خطابی، ابن العربی، ابن الجوزی اور کچھ جماعت اس طرف گئی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

۱۔ قتیبہ بن سعید، قتیبہ بن سعید الشافعی۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ ان کا اصل نام یحییٰ ہے اور قتیبہ لقب ہے انھوں نے مالک، ایث، و غیرہ سے روایت کی اور ان سے ترمذی وغیرہ نے کی۔ سنن کہتے ہیں کہ یہ ثقہ اور سچے تھے ان کی وفات ۲۳۰ھ بمطابق ۸۴۵ء میں ہوئی۔

۲۔ ابو محمد بن ابی زید: ان کا حال نہ معلوم ہو سکا۔
۳۔ ابو محمد الاسمعیلی۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

۴۔ ابوبکر الاسمعیلی: محمد بن مہران ابوبکر نیشاپوری جو اسمعیلی کے نام سے مشہور ہیں، حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث کے ایک رکن تھے۔ ان کی وفات ۲۹۰ھ بمطابق ۹۰۲ء میں ہوئی۔ انہیں آخر عمر میں لقمہ ہو گیا تھا۔ نہ ہری کی احادیث کو انھوں نے نہایت عمدگی سے جمع کیا۔

۵۔ احمد بن نصر الداؤدی: ابن حجر نے چار شخصوں کا نام احمد بن نصر دیا ہے مگر ان میں سے کوئی بھی داؤدی نہیں ہے۔ میرے خیال میں احمد بن نصر کی بجائے احمد بن سعید داؤدی ہونا چاہیے جنہوں نے نمازی کی شرح کی تھی۔ ابن تین نے داؤدی کی شرح کے حوالے دیے ہیں۔

۶۔ طحاوی: ابوجعفر محمد بن محمد بن سلام داؤدی طحاوی۔ متاخرین کے امام گزرے ہیں۔ ۳۸۰ھ بمطابق ۹۹۰ء میں پیدا ہوئے (بقیہ ماشیہ اگلے صفحہ پر)

نے سمن لکھی اور غسل (شہد) دونوں کی قرآن سے تعبیر کی ہے حالانکہ یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ حق تو یہ تھا کہ ان کی تعبیر بھی دو چیزوں سے لکھی جاتی۔ جیسا عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث میں ہے جس کی روایت امام احمد نے کی ہے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری ایک انگلی میں لکھی اور دوسری میں شہد ہے اور میں دونوں کو چاٹ رہا ہوں۔ صبح ہوئی تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر خواب کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا تم قرآن اور تورات دونوں طرح کے چنانچہ بعد میں یہ دونوں کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھی اور شہد کی تعبیر دو چیزوں سے دی۔ اسی طرح اس حدیث میں بھی ان دونوں کی تعبیر کتاب اور کتاب اور سنت یا علم اور عمل یا حفظ اور فہم وغیرہ کے ساتھ کرنی چاہیے۔

ایک اور قول بعض کی رائے ہے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے "سایہ دار بادل" کی تعبیر "اسلام" سے دینے میں غلطی کھائی۔ حالانکہ اس کی تعبیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دینی چاہیے تھی اور لکھی اور شہد کی تعبیر کتاب اور سنت سے ہونی چاہیے۔

ایک اور قول بعض نے کہا ہے کہ خطا سے یہاں مراد "توک" ہے یعنی تو نے کچھ حصہ تعبیر کیے بغیر ہی چھوڑ دیا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے تین قوموں کی تعیین نہیں کی۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر کے قسم دلانے کی پروا نہ کی اور اس کو پورا نہ کیا کیونکہ قسم کو پورا کرنے کا مطالبہ اسی صورت میں کیا جاسکتا ہے جب اس قسم کے پورا کرنے میں کوئی خرابی یا ظاہری مشقت نہ پائی جاتی ہو، لیکن اگر پائی جاتی ہو پھر اس کو پورا کرنا فردی نہیں ہو سکتا ہے کہ اس کی خرابی یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان کی رسی ٹوٹنے کا سبب معلوم تھا جو ان کے قتل اور جنگوں اور فتنوں کے اشتعال کا باعث بنا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ

(بقیہ ماضیہ صفحہ سابقہ)

پہلے امام شافعی کے شاگرد مرنے سے تعلیم حاصل کی، جو ان کے ماموں تھے اس کے بعد قاضی احمد بن ابی عمران کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور ان سے علم فقہ حاصل کیا۔

کے خطابی: ابو سلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب البستی الخوافی متوفی ۳۵۰ھ۔ انہوں نے بخاری کی شرح لکھی ہے جس کا نام اعلام السنن رکھا۔ اس سے پہلے انہوں نے بیخ میں معالم السنن بھی تھی۔ یہ فقہ اور حدیث میں یکسانی روزگار تھے۔

علیہ وسلم ابوبکرؓ کی قسم کو پورا کرتے تو آنحضرتؐ کو تینوں آدمیوں کی تعین کرتی پڑتی اور اگر تعین کر دیتے تو یہ ان کی خلافت کا صریح حکم ہوتا۔ حالانکہ شیعہ ایزدی میں یہ بات قرار پا چکی تھی کہ خلافت اسی طرح بغیر تعین کے ہوگی۔ اسی لیے آپؐ نے فساد کے خوف سے ان کی تعین نہ کی۔ یہ ساری تشریح محی الدین نووی کی ہے۔

ابن العربیؒ کی رائے | ایک گروہ کی یہ رائے ہے کہ ابوبکرؓ مدین کی تعلیم کو مد نظر رکھتے ہوئے اس بحث میں پڑا ہی نہ جاسے چنانچہ ابوبکرؓ ابن العربیؒ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عارف سے جو خواب کی تعبیر کے فن سے واقف تھے پوچھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا غلطی کی تھی؟ فرمایا بھلا یکس کو معلوم ہے؟ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضرت ابوبکرؓ مدین کی تعبیر کرنے میں پیش قدمی کرنا غلطی ہے تو حضرت ابوبکرؓ کی غلطی تعین کرنے میں پیش قدمی کرنا اس سے بھی بڑھ کر غلطی ہے لہذا دانش مندی اور دیداری میں ہے کہ اس بحث میں پڑا ہی نہ جاسے۔

حضرت سید عبدالعزیز دہلویؒ | حضرت نے فرمایا سایہ دار بادل اسلام ہے اور جو شہد اور گھٹی اس سے ٹپک رہا ہے وہ لوگوں کے صرف وہ اعمال ہیں جو مقبول کی بیان کردہ تشریح | اعمال ہیں۔ یہ محض تلاوت قرآن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام مقبول اعمال پر مشتمل ہے مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، غلام آزاد کرنا، مومن کی حاجت براری کرنا، شریعت جنازہ دیکرنا، قیدیوں کا فدیہ ادا کر کے ان کو رہا کرنا، وغیرہ وہ ظاہری اعمال جن سے ذات حرکت میں آتی ہے اور میں ظاہری اعمال برزخ کو چڑھتے ہیں اور انہیں برزخ کی رو میں دیکھتی ہیں اور کسمتی ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں کی ٹپک ہے جو ہمارے پاس فلاں فلاں دن آئے گا چنانچہ اس کا باب اور اس کا دادا وغیرہ اس کے ٹپک عمل کو دیکھتے ہیں اور اس مشاہدے میں سب رو میں یکساں ہیں خواہ وہ زمین پر اتر کر پھر برزخ کی طرف لوٹ گئی ہوں یا اعمال کے بعد زمین پر نہ اترتی ہوں، یہاں تک کہ اگر اللہ تعالیٰ چھوٹے بچے کو فتح نصیب کر دے تو وہ لوگوں کو ان کے ٹپک اعمال سے واقف

محی الدین نووی : ابوزکریا محی الدین یعنی بن شرف ایزدی۔ اپنے زمانے کے امام تھے فاضل پرہیزگار فقیر و شاعر اور ثقہ آدمی تھے۔ انھوں نے بہت سی تصانیف کیں مثلاً ریاض الادکار، شرح مسلم وغیرہ۔ ان کا نام نووی کی طرف منسوب ہے جو دمشق کی ایک بستی ہے۔

ابوبکر بن العربیؒ : یہ مشہور سنی محی الدین العربیؒ نہیں بلکہ اشبیلیہ کے ایک مشہور عالم ہیں جو زیادہ تر فاضل ابوبکر ابن العربیؒ کے نام سے مشہور ہیں ان کی وفات ۵۴۰ھ میں ہوئی۔

کر سکتا ہے اور وہ کہہ سکتا ہے کہ اے فلاں! تمہارا فلاں عمل فلاں دن ہمارے پاس ہرزخ میں پہنچا تھا۔ اور اے فلاں! تمہارا مقبول عمل اس سے پہلے یا بعد ہمارے پاس آیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں پوشیدہ رکھنے کا فیصلہ کیا ہے اس لیے اجسام میں داخل ہونے کے بعد انہیں یہ باتیں بھلا دی جاتی ہیں۔

پھر ان ظاہری اعمال کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو محض رشد ہوتی ہیں اور اُن سے مخلوقات کو بظاہر کوئی فائدہ نہیں پہنچتا مثلاً اللہ کے لیے سجدہ یا رکوع کرنا، نماز روزہ سے اس کی عبادت کرنا، اس سے ڈرنا، اس کی طرف رغبت کرنا وغیرہ، تمام وہ اعمال جن کا تعلق صرف بندے اور رب کے ساتھ ہوتا ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جس سے مخلوق کو نفع پہنچے مثلاً غلام آزاد کرنا، صدقہ، قیدیوں کو رہا کرنا، لوگوں کی حاجت روائی کرنا اور تمام وہ نیک اعمال جن میں مخلوقات کا نفع ہو۔ اللہ کی طرف سے پہلی قسم کے اعمال کی جزایہ ہے کہ وہ اسے نور عطا کرے جس سے اس کا ایمان بڑھے اور اس کے عرفان کو قوت حاصل ہو۔ اس سے اس کے دل سے وسوسے مٹ جاتیں گے اور شکوک رفع ہو جائیں گے اور دنیا ہی میں اس کا ایمان صاف ہو جائے گا اور آخرت میں اسے مشابہ عظیم حاصل ہوگا لہذا اس قسم کی جزاء نور محض اور قوت ایمان ہے۔ دوسری قسم کے اعمال کی جزاء اصلاح ذات سے دی جاتی ہے جیسے کثرتِ رزق اور اترنے والی مصیبتوں کو دور کرنا۔ اس طرح ذات کو بہت نفع حاصل ہوتا ہے کیونکہ جب اُس سے مصائب دور ہو جائیں اور وہ مصائب سے محفوظ ہو جائے اور اسے رزق کثیر حاصل ہو تو ذات ان سے فائدہ اٹھائے گی اور اس دنیا میں خوب پچھلے پچھولے گی، لیکن آخرت میں یہی صدقات جن سے اس نے مخلوقات کو فائدہ پہنچایا ہوتا ہے اس کے لیے اس کی پسند کی نعمتیں بن جاتی ہیں مثلاً طلاؤ، لیک، وہ پرندے جن کا گوشت حلال ہے اور مجامعت کے لیے بیویاں وغیرہ اور اشیاء جن کا نفیس خواہش مند ہوتا ہے اور جن سے آنکھیں لذت یاب ہوتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قسم اول کی جزا ایسی ہوتی ہے جو ایمان کے لیے مفید ہو اور قسم ثانی کا ثواب اصلاح ذات کے لیے نافع ہے لہذا اس خواب میں شہد کا اشارہ قسم اول کی طرف ہے اور گھٹی کا اشارہ قسم ثانی کا طرف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شہد ذات کے لیے تقویت کا سبب ہوتا ہے اور جو اشیاء تقویت کے نشان ہوں، ان کے ضرر کو روکتا ہے، لیکن نہ ہی جسم کو موٹا کرتا ہے اور نہ گوشت ہی پیدا کرتا ہے لہذا یہ قسم اول کے مشابہ ہوا جو ذات کے لیے قوت ایمان کا سبب بنتی ہے مگر رزق میں وسعت نہیں

ہوتی اور یہ قسم شکوک و شبہات کو دور کر کے نور ایمان کو صاف کر دیتی ہے یہی خاصہ شہد کا ہے کہ وہ بھی جسم کو تقویت دیتا ہے اور اسے کمزوری اور سستی سے بچاتا ہے۔ لیکن لگی جسم کو تر و تازہ کرتا ہے گوشت پیدا کرتا ہے اور جسم کو ٹھنکا کرتا ہے، لیکن اس سے دو قوت پیدا نہیں ہوتی جو شہد سے پیدا ہوتی ہے لہذا لگی دوسری قسم کے اعمال کے مشابہ ہوا جن سے رزق میں وسعت حاصل ہوتی ہے اور جسم کے بیرون مصائب دور ہوتے ہیں لہذا اس خواب میں شہد اور لگی سے یہی دونوں قسم کے اعمال مراد ہیں۔ پس شہد مقتوی ہے اور لگی نشوونما دینے والا۔ اسی طرح پہلی قسم کے اعمال ایمان کو تقویت دیتے ہیں اور دوسری قسم کے رزق میں وسعت۔ لہذا شہد سے مراد قسم اول کی عبادت ہوتی اور لگی سے قسم ثانی کی۔

میں نے عرض کیا ان دونوں قسم کے اعمال میں سے کون سی قسم افضل ٹھہری؟ حضرت نے فرمایا تمہارے نزدیک کونسی صورت بہتر ہے آیا یہ کہ تم گھاس کی طرح پتلے دبے ہوئے گدے میں چالیس آدمیوں کی طاقت ہو یا یہ کہ تم اس قدر موٹے ہو جاؤ کہ چلنے سے بھی عاری ہو جاؤ اور جسم میں طاقت بھی نہ ہو۔

میں نے عرض کیا مجھے تو یہی پسند ہے کہ میں گھاس کی طرح دُلا پتلا ہوں مگر مجھ میں چالیس آدمیوں کی طاقت ہو۔

حضرت نے فرمایا یہی حال ان اعمال کا ہے جو نور ایمان کو زیادہ کرتے ہیں اور ان اعمال کا جو رزق میں وسعت دیتے ہیں۔

پھر میں نے عرض کیا کہ یہ ظاہری اعمال جو دو قسموں پر منقسم ہیں، زمین سے آسمان کو چڑھتے ہیں اور شہد اور لگی تو خواب میں نیچے اتر رہا تھا۔ لہذا ان دونوں سے اعمال مذکورہ مراد لینا کیسے درست ہوا؟

حضرت نے فرمایا کہ چڑھنا اور اترنا تو امرِ انسانی ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز جسے ہم اوپر چڑھتی ہوئی سمجھ رہے ہیں دوسرے کے نزدیک نیچے اتر رہی ہو لہذا ہو سکتا ہے کہ خواب دیکھنے والے کی روح آسمان میں ہمارے مقابل جہت میں ہو رہی یعنی سر ہماری طرف ہو اور پاؤں آسمان کی جانب اور اس جہت میں نہ ہو جو دوسرے آسمان کے بالقابل ہے اور اس میں کوئی ٹشک نہیں کہ جن لوگوں کے چہرے ہماری طرف ہیں ان کے سر ہماری طرف ہیں اور پاؤں دوسری طرف۔ لہذا جب ان کے سر ہماری طرف ہوں گے تو جو چیز زمین سے آسمان کو چڑھ رہی ہوگی وہ اسے اترتی ہوئی ہی سمجھیں گے۔

زید براں خواب کا مقصد تو صرف یہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والا اسے سمجھ جائے اور اگر اسلام کا ساہبان زمین پر ہمارے سروں کے اوپر رکھا جاتا تو خواب دیکھنے والے کو چڑھنے والے امور دکھائی نہ دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ "چڑھنے" کو "اترنے" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ پھر یہ کہ "نزول" میں بھی تاویل و تعبیر کرنے کی ضرورت ہے نہ یہ کہ "نزول" حقیقی معنوں میں ہے۔

حضرت نے فرمایا جو رسی آسمان سے زمین تک ٹکی ہوئی تھی اس سے مراد ایمانِ کامل ہے لیکن اس سے ہر ایمانِ کامل مراد نہیں ہے بلکہ اس کے لیے شرط ہے کہ یہ ایمانِ کامل ان حکام میں پایا جائے جو شریعت کے حدود کو اپنی رعایا پر کامل طور قائم رکھتے ہیں کیونکہ یہ رسی ساہبان سے ملی ہوئی ہے اور یہی گئی اور شہد برسانے کا سبب بھی ہے یاں تک کہ یہ لوگوں پر بھی اترا اور انھوں نے اس سے ہاتھ بھر لیے۔ بعض نے زیادہ اور بعض نے تھوڑے۔ اور ایمانِ کامل ان کے اعمال کی مقبولیت، کثرتِ عبادت اور ان پر نزولِ برکات کا اس وقت تک سبب نہیں ہو سکتا جب تک صاحبِ ایمانِ کامل کا مومنین پر پورا اختیار نہ ہو اس طرح کہ وہ کمزوروں کی مدد کرے اور طاقتوروں کو کمزوروں پر ظلم کرنے سے روکے اور حدودِ شریعت کو کامل طور پر قائم کرے۔ تب جا کر بندگانِ خدا میں نیکیاں زیادہ ہوں گی اور گناہ کم ہوں گے۔ چنانچہ وہ نہ تو زنا کریں گے نہ چوری کریں گے اور نہ ناجائز طور پر کسی کو قتل کریں گے اور اس وقت تمام اُمتِ نیک ہوگی اور امیر بمنزلہ اس شخص کے ہوگا جو لوگوں کے لیے اسلام کا ستون منبہ کر رہا ہو اور ان پر نیکیوں اور برکات کا مینہ برسا رہا ہو اور یہ حالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں درجہ کمال پر تھی۔

امرا ثلاثہ سے کون مراد ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خواب

میں جن امرا ثلاثہ کا ذکر ہے وہ کون ہیں؟ اولیاءِ عارفین کا اس میں اختلاف ہے چنانچہ اولیاء کا ایک گروہ جنہیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متبعین ہونے کی وجہ سے صدیقیہ کہا جاتا ہے اور دوسرے شیوخ بھی انہی میں سے ہیں اس طرف لگتا ہے کہ ان سے مراد خلفائے ثلاثہ یعنی ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم ہیں اور حضرت عثمان کی رسی ٹوٹنے سے مراد وہ اعتراضات ہیں جو ان پر کئے گئے اور اس کے جڑ جانے سے مراد آپ کی شہادت ہے اولیاء کے ایک اور گروہ کی جنہیں حسی بن علی رضی اللہ عنہما کے متبع ہونے کی وجہ سے حسینیہ کہا جاتا ہے یہ راستے ہے کہ ان امراء سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے وہ اشرافِ مراد ہیں جن میں سے دو پر تراستِ اسلامیہ کا اتفاق ہوگا اور پھر تیسرے پر۔ پہلے تو سب متفق ہوں گے پھر اختلاف پڑ جائے گا اور اس کے بعد

پھر سب متفق ہو جائیں گے۔ رسی کٹنے اور اس کے جڑ جانے سے یہی مراد ہے۔ پھر فرمایا کہ خواب کا مقصد وہی ہے جو اس گمراہ نے بیان کیا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ کے مقام پر وہی شخص قدم رکھ سکتا ہے یا آپ کی سیر میں پردہ ہی چڑھ سکتا ہے جو یا تو نبی ہو یا نبی کی اولاد میں سے ہو اور جب خواب میں نظر آنے والی رسی ایک ہی تھی اور اس پر تینوں امرا اسی طرح چڑھے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چڑھے تھے تو اس میں اس امر کا اعلان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان امراء میں جہانست ہے اور یہ بات تو پہلے معلوم ہو چکی کہ کوئی شخص بھی ایمان کامل میں آپ کا ہم جنس نہیں ہو سکتا لہذا اب صرف نسبی جہانست باقی رہ گئی اور یہ مذکورہ بالا اولاد نبی کے امراء کے لئے ثابت ہے کیونکہ کسی آدمی کی جگہ اور گھر میں یا وہ خود داخل ہوتا ہے یا اس کی اولاد مزید براں خواب دیکھنے والا شخص ایک صحابی ہے جو ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کو پہچانتا ہے۔ اگر خواب میں یہی لوگ مراد ہوتے تو وہ ان کو پہچانتا ہوتا اور آنحضرت کے ذکر کے بعد یوں کہتا کہ میں نے ابوبکرؓ کو دیکھا جنہوں نے رسی کو کپڑا اور چڑھے گئے پھر عمرؓ نے اور پھر عثمانؓ نے لیکن جب اس نے ان کا ذکر نہیں کیا اور ان کی بجائے

یاد رہے کہ بیان پر بحث خواب کی تعبیر پر چوری ہے اور خلافت پر نہیں۔ حضرت کا یہ فرمانا کہ خواب دیکھنے والا جو کچھ بیان کرتا، اس پر اگر رسی کٹنے والے ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ رضی اللہ عنہم ہوتے تو وہ انہیں پہچان لیتا اور یوں کہتا کہ ابوبکرؓ نے پھر عمرؓ اور پھر عثمانؓ رضی اللہ عنہم نے رسی کو کپڑا، اگر حضرت کا یہ قیاس درست نہیں کیونکہ خواب میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض شے (ش ج ب) ہی دکھائی دیتا ہے اور میندہ پہچان نہیں سکتا۔ چنانچہ اس نے صاف اعلان فرمایا کہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واضح طور پر خواب میں دیکھا۔ مزید برآں حضرت کا یہ فرمانا کہ ان امراء ثلاثہ سے مراد اہل بیت سے تین شخص ہیں، بھی قرین قیاس نہیں اور پھر مزید کہ حضرت نے ان کی تعین نہیں کی کہ وہ امراء ثلاثہ کون ہیں۔ امراء ثلاثہ کا دعویٰ تھا کہ وہ خاندان نبوت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن وہ شیعہ تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے - ملابن مائنا علیہ و احمالہ سے معرفت تھے۔ لہذا وہ طریق حق پر نہ ہوئے اور جب طریق حق پر نہ ہوئے تو بقام نبوی پر قدم رکھنا ناممکن ہوا اور ان پر قرآن کی اس آیت اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اٰہْلِکَ اِنَّہٗ عَلٰی غَیْرِ صَافٍ کا اطلاق ہوتا ہے حضرت کشف وفتح سے کلام فرما رہے تھے اور اُمّت محمدیہ کے ائمہ مختلف ادوار گزار رکھے ہیں جن میں ہر طرح کے امراء بھی شامل ہیں کیا اتنے عرصہ کے اندر وہ امراء جو اس خواب میں دکھائے گئے تھے یا نہ تھے؟ خواب اس قدر بے

”مترجم“

یوں کہا کہ میں نے ایک آدمی دیکھا، پھر ایک اور تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے ایسے اشخاص کو دیکھا جنہیں وہ پہچان نہیں رہا تھا لہذا وہ غلط فہم تھے۔

(مؤلف کہتا ہے) کہ میں نے شیخ سے اس بارے میں کئی بار بحث کی اور ان سے کئی بار جھگڑا مگر حضرت نے یہی فرمایا کہ حق بات وہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں، یعنی یہ کہ ان سے مراد اشراف میں نہ کہ خلفاء تھے۔ پھر مذکورہ بالا دو دلیلیں دے کر مجھے تسکین کر دی اور فرمایا کہ میں تو صدیقہ عارفہ میں سے ہوں لیکن حق بات کہنی ہی پڑتی ہے۔

پھر میں نے شیخ سے عرض کی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تو خواب کی تعبیر سمجھ جائے مگر ابوبکرؓ پر مخفی رہے۔ اگرچہ یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے مگر ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام اُمت کے سید العارفین اور امام الاولیاء میں اور ہم کئی بار آپ کی زبان مبارک سے یہ بھی سن چکے ہیں کہ اُمت محمدؐ میں کوئی شخص معرفت الہیہ میں ابوبکرؓ کی برابری نہیں کر سکتا اور اولیاء اور صالحین میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح باطن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتا ہو اور وہی سید العارفین امام المجتہدین ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس خواب کی تعبیر کو جانتے تھے بلکہ اس سے بھی ہزار گنا زیادہ جانتے تھے مگر اس وقت اس خواب کی تعبیر انہی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کی وجہ سے مخفی رہی۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حاضرین کے علمی انوار غائب ہو جاتے تھے اور ان میں روشنی نہیں رہتی تھی کیونکہ ان کا انوکھا نور محبت پر پڑتا تھا جس سے شوق کی آگ بجھ چکی اٹھتی اور اس کے انکار اسی محبت میں مشغول ہو جاتے اور باطن بھی اسی میں مستغرق ہو جاتا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب انوار علم غائب ہو جاتے ہیں اور محبت اور شوق کے انوار مستقل ہو جاتے ہیں تو جو شخص بھی اس حالت میں گفتگو کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے کہ ایک لاعلم انسان کیونکہ قلب کی توجہ ایک ہی طرف ہو سکتی ہے لہذا جب ایک چیز کی طرف متوجہ ہو گا تو دوسری چیزوں سے منقطع ہو جائے اور عارفین کے لیے جن کے سردار ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی مقصودِ اصل اور امیدِ حقیقی ہے لہذا جب آپ کی ذات ان کے سامنے ہو گی تو نہ وہ کسی علم کی طرف متوجہ ہوں گے اور نہ کسی اور چیز کی طرف کیونکہ علم تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا ایک نور ہے لہذا جب ذاتِ نظروں سے اوجھل ہوتی ہے تو ان کا تعلق اس کے انوار سے ہو جاتا ہے تاکہ وہ صاحبِ انوار ذات تک پہنچا دیں مگر جب خود ذات موجود ہو تو تمام

وساکنے ساتھ ہو جاتے ہیں اور اس ذات کی طرف توجہ واجب ہو جاتی ہے اور دل اس کی طرف پھر جاتے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرف توجہ کس طرح حاصل ہوتی ہے؟
حضرت نے فرمایا: تین باتوں سے۔ محبت، تعظیم اور ان کمالات پر تعجب کرنے سے جو اللہ تعالیٰ نے
آپ کو عطا فرماتے ہیں۔ جب یوسف علیہ السلام کے متعلق عورتیں یہ کہہ سکتی ہیں کہ حَاشَ لِلّٰہِ مَا هَذَا
بَشَرًا اِنْ هَذَا اِلَّا خَلْقٌ کَرِیْمٌ (خدا پاک ہے یہ تو انسان نہیں۔ یہ تو بڑی خوبیوں والا فرشتہ
ہے) تو خیال فرمائیے کہ عارفین سید الوجود صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتے ہوں گے اور ان
قیموں کی تکمیل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرف صحیح توجہ صرف اسی وقت ہو سکتی ہے جب ان
کی طرف سے سات امور پورے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مرکوز ہو جائیں اور ان ساتوں کا
مقصد صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریفہ ہی ہو۔ لہذا اگر ان میں سے کسی ایک میں بھی غلطی پیدا
ہوگا تو توجہ میں بھی غلطی پیدا ہو جائے گا۔ یہ سات امور یہ ہیں: فکر نفس، خیال، یعنی نظر نفس، عقل
مثال یعنی نظر عقل، ذات، روح اور علم۔ چنانچہ عارف کی توجہ کاملہ کے لیے یہ شرط ہے کہ ان سات
امور کے تصور کا انحصار آنحضرت کی ذات شریفہ میں ہو اور جب ان ساتوں کے انوار آنحضرت کی ذات
پر مرکوز ہوں گے تو محبت، تعظیم اور تعجب کے ساتھ توجہ حاصل ہوگی اور ماسویٰ کی آرزو نہ رہے گی۔
حضرت نے فرمایا کہ جب عارف اس حالت میں ہو اور اس سے اگر اس کے فرزند کا رنگ پوچھا جائے
کہ سفید ہے یا نہیں تو وہ حیران ہو جائے گا اور کچھ نہ بتا سکے گا اور اگر کچھ جواب بھی دے گا تو
بے خبری کے عالم میں دے گا اور فرض کر لیں کہ جواب درست دیا گیا ہے تو وہ صرف اس لیے ہوگا کہ
اسے درست بات کہنے کی عادت پڑی ہوئی ہے یہی وجہ تھی کہ ابوبکر صدیقؓ سے خواب کی تعبیر میں غلط
ہوئی اور اگر سائل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی خلافت کے زمانے میں آتا اور خواب کی
تعبیر دریافت کرتا تو آپ سے اس بارے میں عجیب و غریب باتیں سناتا اور یہ تعبیر بھی ہمیں تو ابوبکر
صدیق رضی اللہ عنہ کے واسطے سے معلوم ہوئی ہے لہذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک بات کو ہم تو جانتے
ہوں اور ابوبکر صدیقؓ نہ جانتے ہوں۔ یہ ناممکن ہے، لیکن اصل راز وہی ہے جس کا ذکر ہم
کر چکے۔ واللہ اعلم۔

(مؤلف کہتا ہے) یہ سب کچھ ہم نے اپنے اُمتی پیر سے سنا۔ فتایات اللہ کے ہاتھ میں ہیں
جس پر چاہے کرے۔ مجھے کئی سال گزر گئے تھے کہ میں اس خواب کی تسلی بخش تعبیر کرنا چاہتا تھا مگر

یہ مجھے حضرت کے سوا کسی کتاب میں اور نہ کسی انسان سے حاصل ہوئی اور ظاہر ہے کہ شیوخ متقدمین کا مذکورہ بالا بیان اصل مقصد سے بہت دور ہے۔ واللہ اعلم۔

خواب کیا ہے اور میں نے حضرت سے سوال کیا کہ خواب کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کیا چیز ہے؟ اور کیسے واقع ہوتی ہے؟ کیونکہ لوگوں کا اس میں بہت سا اختلاف ہے کیسے نظر آتی ہے

اظہار کا خیال ہے کہ اخلاط اربعہ کی وجہ سے خوابیں آتی ہیں چنانچہ جس آدمی کی مزاج میں بگم کا غلبہ ہو تو وہ خواب میں یوں دیکھتا ہے جیسے کہ پانی میں تیر رہا ہے وغیرہ، اس لیے کہ پانی کی بگم سے مناسبت ہے اور جس پھر کا غلبہ ہو وہ خواب میں آگ، ہوا میں بلند ہونا یا اسی قسم کی پریشان صورتیں دیکھتا ہے۔ جس پر خون کا غلبہ ہو وہ شیریں چیزیں اور خوش کن باتیں دیکھتا ہے اس لیے کہ خون میٹھا اور مفرح ہے اور جس پر سودا کا غلبہ ہو وہ سوداوی باتیں اور ترش چیزیں دیکھتا ہے۔

ما رزی کی رائے علامہ رازی کہتے ہیں کہ یہ سب غلط ہے کیونکہ کو عقل اسے جائز قرار دیتی ہے مگر اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوتی اور نہ ہی اسکی قیاس آرائی ہو سکتی ہے جواز اور امکان کی صورت کو قطعی قرار دینا درست نہیں ہے۔

فلاسفہ کی رائے فلاسفہ کی یہ رائے ہے کہ زمین پر جو واقعات کی صورت پیش آتی ہے وہی صورتیں عالم بالا میں نقوش کی طرح منقش ہوتی ہیں۔ لہذا ان میں سے جو صورت بھی نفس کے سامنے آجاتی ہے اس کا نقش نفس میں اتر آتا ہے۔

علامہ رازی کہتے ہیں کہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اور نقش قبول کرنا اجسام کی صفت ہے حالانکہ اکثر چیزیں جو عالم علوی میں واقع ہوتی ہیں وہ از قسم اعراض کے ہیں اور اعراض کا نقش نہیں ہوتا۔

معتزلہ کی رائے معتزلہ کی یہ رائے ہے کہ یہ محض بے حقیقت خیالات ہوتے ہیں۔ اور ان کا اس سے مقصد خواب کو بالکل باطل قرار دینے سے ہے اسی طرح وہ عذاب قبر کا بھی انکار کرتے ہیں۔

ابن عربی کی رائے ابن العربی اپنی کتاب تقیہ میں فرماتے ہیں کہ معتزلہ عوام کیساتھ اپنی پابندی کے اصولوں

سے ابن عربی سے بیان مراد حافظ ابو بکر بن العربی املا کی ہیں جنہوں نے ۷۵۵ھ میں وفات پائی انہوں نے مولانا امام الہک کے شرح لکھی ہے جس کا نام تقیہ ہے۔

پر قائم رہے چنانچہ انہوں نے جتنوں اور ان کے کلام کرنے، فرشتوں اور ان کے کلام کرنے کے متعلق اصول شریعت کا ہی انکار کر دیا یہاں تک کہ یوں کہہ دیا کہ اگر جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آواز کلام کرتے تو حاضرین بھی اسے ضرور سنتے۔

صالح معترضی کی رائے | صالح معترضی کی رائے ہے کہ خواب سر کی آنکھوں سے دیکھی جوتی چیز ہوتی ہے۔ ابن العربی کہتے ہیں کہ یہ بات جمہور کے قول کے خلاف ہے۔

ایک اور رائے | اور وہ کہیں رائے کہ دل میں وہ آنکھیں ہوتی ہیں جن سے دل دیکھتا اور وہ کان ہوتے ہیں جن سے دل سنتا ہے چنانچہ خواب انہی دل کی نگاہوں اور دل کے کانوں کا سنا اور دیکھا ہوا منظر ہوتا ہے۔

خواب کے متعلق اہل سنت کی رائے | اہل سنت کی یہ رائے ہے کہ خواب ایسے اعتقادات اور اذکات ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ سونے والے کے دل میں پیدا کر دیتا ہے بعینہی طرح جس طرح کہ بیدار آدمی کی آنکھوں اور دل میں پیدا کرتا ہے اور جب انہیں پیدا کر چکتا ہے تو انہیں ان امور و اشیاء کی علامت بناتا ہے جو بعد میں پیدا ہونے والی ہوتی ہیں کبھی ان اعتقادات کے پیدا ہونے کے وقت فرشتہ موجود ہوتا ہے تو یہ خواب اچھی خواب ہوتی ہے اور کبھی شیطان حاضر ہوتا ہے تو یہ خواب پریشان کن ہوتی ہے۔

ایک اور رائے | بعض کا خیال ہے کہ ایک فرشتہ ان مناظر پر مقرر ہوتا ہے جو انہیں سوتے ہوئے آدمی کے سامنے پیش کرتا ہے، لہذا وہ کبھی انہیں ایسی صورتیں پیش کرتا ہے جو آئندہ ہونے والے واقعات کے مطابق ہوتی ہیں اور کبھی یہ معانی معقول کی مثالیں ہوتی ہیں۔ قرطبی کہتے ہیں یہ قول بھی مردود ہے کیونکہ یہ قول بھی دلیل کا محتاج ہے۔

ایک اور قول | بعض کا خیال ہے کہ ان مناظر کا سبب روح کا عرش کی طرف چڑھنا ہے لہذا سونے والے کو جو باتیں پیش آتی ہیں وہ انہیں دیکھتا ہے اگر روح کے عرش تک پہنچے تک وہ بیدار نہ ہو تو خواب پسیمی ہوگی اور اگر اس سے پہلے ہی بیدار ہو جائے تو خواب جھوٹی ہوگی اس قول کے قائل نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے

لے صالح معترضی: ان کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

جسے حاکم عقیلی نے محمد بن عجلان عن سالم بن عبد اللہ بن عمر بن اسیر کی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملاقات ہوتی تو کہا اے ابوالحسن آدمی خواب دیکھتا ہے تو بعض سچا نکلتی ہے اور بعض جھوٹا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ہاں کہ جو بندہ یا عورت بھی سوتا ہے پھر اسے گہری نیند جب آتی ہے تو اس کی روح عرش پر چڑھ جاتی ہے۔ لہذا جو شخص روح کے عرش تک پہنچنے سے پہلے بیدار نہیں ہوتا، اس کا خواب سچا ہوتا ہے اور جو عرش پر پہنچنے سے پہلے ہی بیدار ہو جاتا ہے اس کی خواب جھوٹی ہوتی ہے۔

اس حدیث کے متعلق

ذہبی کی رائے

امام ذہبی اپنی کتاب المغنیس میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے اور حاکم نے بھی اسے صحیح قرار نہیں دیا۔ شاید اس نے جو گرفت کی ہے وہ اس راوی پر ہے جس نے ابن عجلان سے روایت کی ہے اور اس راوی کا نام عبد اللہ الازدی خراسانی ہے۔ عقیلی نے اس کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ غیر محفوظ ہے۔ پھر اس نے ایک طریقے سے عن اسرائیل عن ابی اسحق عن المحدث عن علی کی روایت میں اس کے ایک حصے کی روایت کی ہے اور اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے کے متعلق اختلاف بیان کیا ہے۔

۱۔ عقیلی: محمد بن عمرو بن موسیٰ عقیلی مصنف کتاب الضعفاء الکبیر۔ جلیل القدر عالم و محدث ہوئے انکی بہت سی تصانیف ہیں۔ ان کی وفات ۳۲۳ھ، ۹۳۲ء میں ہوئی۔

۲۔ محمد بن عجلان: ابو عبد اللہ محمد بن عجلان الدنجلی: ابن عیینہ نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے ان کی والدہ کی عادت تھی کہ انہیں چار سال تک حمل رہتا تھا۔ چنانچہ ان کا حمل بھی چار سال تک رہا تھا، انکی وفات ۲۸۵ھ میں ہوئی۔

۳۔ سالم: سالم بن عبد اللہ بن عمر: ابو عمر کنیت۔ مدینہ کے نقباء میں سے تھے، علماء تابعین ہیں ان کا شمار ہوتا ہے ان کی وفات مدینہ میں ۱۳۸ھ، ۷۵۵ء میں ہوئی۔

۴۔ عبد اللہ بن عمر: حضرت غزوہ کے بیٹے تھے۔ مشہور زاہد و عابد تھے۔ بچپن میں ہی اپنے باپ کیساتھ ایمان لائے۔ سب سے پہلے جنگ جس میں انھوں نے شرکت کی غزوہ خندق ہے۔ ان کی پیدائش وحی سے ایک سال پہلے ہوئی اور ۳۳۵ھ، ۹۴۷ء میں وفات پائی۔

۵۔ ذہبی: شمس الدین ذہبی متوفی ۵۰۵ھ، ۱۱۱۱ء میں وفات پائی۔

۶۔ عبد اللہ الازدی خراسانی: غالباً بیان مراد عبد اللہ بن فروخ خراسانی سے ہے یہ ۱۱۵ھ، ۷۲۳ء میں پیدا ہوئے اور ۲۸۵ھ، ۸۹۸ء میں وفات پائی۔ غلیب نے انکو منکر الحدیث کہا ہے (تہذیب التہذیب ۵: ۳۵۶)

ایک اور رائے

اور بعض کی یہ رائے ہے کہ خواب ایک قسم کا کلام ہے اور اس طریقے سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بندے سے کلام کرتا ہے انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رُؤْيَا السُّؤْمِ مِنْ حَلَامٍ يَكْلَمُ بِهِ النَّفْسُ رُبَّمَا (مومن خواب کے ذریعہ سے اپنے رب سے کلام کرتا ہے) اس حدیث کی روایت حکیم ترمذی نے عبادہ بن الصامت کی سند سے کی ہے اور نو اور الامول کی اٹھتر وین اصل میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس نے اس کی روایت اپنے استاد عمر بن ابی عمر سے کی ہے جو ضعیف ہے مزید براں اس سند میں ایسے لوگ ہیں محمد شبن پسند نہیں کرتے۔

حکیم ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض مفسرین نے وَمَا كَانَ يُبَشِّرُ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا دُخْيَا أَوْ مِنْ دُخَاءٍ حُجَابٍ میں مِنْ دُخَاءٍ حُجَابٍ کی تشریح فی المنام خواب میں اکی ہے۔ کچھ اور مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خواب پر ایک فرشتہ کو مقرر کر رکھا ہے جو لوح محفوظ سے بنی آدم کے حالات معلوم کر کے کچھ حالات لکھ لیتا ہے اور پھر ہر انسان کے واقعات کی مثال بیان کرتا ہے۔ چنانچہ جب وہ سو جاتا ہے تو اسے یہی مثال اشیارِ مملکت کے طرزیں اسے پیش کرتا ہے تاکہ یہ اشیار اس کے لیے بشارت دینے والی ہوں یا ڈرانے والی یا عقاب کرنے والی بعض اوقات شیطان انسان کی سخت مداوت کی وجہ سے اس پر تسلط ہو جاتا ہے اور طرح طرح کی چالیں اس سے پتا ہے اور اس کے معاملات کو ہر طرح سے خواب کرنا چاہتا ہے لہذا یا تو وہ اس کی خواب کو گڑبڑ ڈال کر تلف کر دیتا ہے یا اسے خواب سے غافل کر دیتا ہے۔

خواب کی دو قسمیں ہیں حکیم ترمذی فرماتے ہیں خواب کی دو قسمیں ہیں۔ خواطر اور ادراکات

خواطر اور ادراکات

بعینہ اسی طرح جس طرح بیداری میں ہوتا ہے کیونکہ بیداری میں انسان کے دل میں کسی قسم کے خیالات گزرتے ہیں اور اسی طرح بیداری میں کئی قسم کے علوم کا ادراک کرتا ہے یا اپنے حواس کے ذریعہ اشیا کو محسوس کرتا ہے۔

حکیم ترمذی: ابو عبد اللہ محمد بن علی بن حسن بن بشر مؤرخ حکیم ترمذی ۲۸۸ھ تک زندہ تھے۔ ان کی کتاب نو اور الامول میں ۲۸۸ اصول پر بحث کی گئی۔

عبادہ بن صامت: ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

عمر بن ابی عمر: ابو محمد عمر بن ابی عمر کا شیخ۔ ابن جریر نے ابن عدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ نیکو الدین ہی اگرچہ ثقہ لوگوں سے روایت کرتے ہیں۔ بیعتی کہتے ہیں کہ یہ بقیہ کے مہول استادوں میں سے ہے (تذیب التذیب ج ۲ صفحہ ۴)

یہی حال سوتے ہوئے انسان کا ہوتا ہے کبھی اسے خواب ان خواطر کی وجہ سے آتی ہے جو اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور کبھی کسی شے کے ادراک اور اس کے شاہدے کی وجہ سے۔ لہذا خواب کی دو قسمیں ہوتیں ادراکات اور خواطر۔

پہلی قسم: ادراکات

پہلی قسم ادراکات ہیں۔ اور ادراکات کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو روح کی طرف منسوب ہیں۔ کیونکہ درحقیقت دیکھنے والی شے تو روح ہی ہے اور اس کا دیکھنا بصیرت کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور ہم اجزاء روح میں اِنَّ هَذَا الْقَدْرَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْوَابِ کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے بصیرت پر بحث کر چکے ہیں۔ لہذا اگر روح اپنی بصیرت کے ذریعہ سے دیکھے گی تو اسے روح کی طرف منسوب کریں گے اور اگر ذات انسان اور قلب کے ذریعہ سے ایسی اشیا کو دیکھے گی جنہیں انسان دیکھنے کا عادی ہے مثلاً گھر، مسجد، باغ وغیرہ تو اس خواب کو ذات کی طرف منسوب کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح روح کے دوکان ہیں ایک وہ جس کی طرف روح ذات میں بند ہونے سے پہلے منسوب ہوتی ہے اور وہ دنیا کے مشرق اور مغرب تک کی اختیار سن لیتے ہیں اور دوسرے وہ کان ہیں جن کی طرف ذات میں محبوب ہونے کے بعد منسوب ہوتی ہے اور وہ صرف یہی کان ہیں جن سے انسان سنتا ہے اسی طرح روح کی دو بصارتیں ہیں۔ ایک محبوب ہونے سے پہلے جو مشرق اور مغرب تک جا پہنچتی اور ساتواں طبقوں کو بھی چیر کر نکل جاتی ہے اور دوسری محبوب ہونے کے بعد کی بصارت اور یہ صرف آنکھ کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور دو مشیتیں ہیں۔ ایک محبوب ہونے سے پہلے اور یہ وہ مشیت ہے جس کے ذریعہ سے روح مشرق اور مغرب کو ایک قدم اٹھانے سے طے کر لیتی ہے اور دوسری محبوب ہونے کے بعد اور یہ محض پاؤں کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کی دو نظریں ہوتی ہیں۔ ایک محبوب ہونے سے پہلے اور یہ وہ نظر ہوتی ہے جو روح کی بصیرت کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور یہ اس کے تمام جواہر کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور روح اس کے ذریعہ سے اپنی تمام معلومات کو ایک لحظہ کے اندر دیکھ لیتی ہے۔ اور اس کے لیے قرب و بعد کوئی نہیں یہاں تک کہ جس ذات میں یہ ہوتی ہے اور دوسری طرف عرش ہو تو اس کے نزدیک دونوں برابر ہوں گے۔ اور دوسری محبوب ہونے کے بعد کی اور یہ صرف دل میں ہوتی ہے لہذا جب کوئی شخص سو جاتا ہے اور خواب میں کوئی چیز دیکھتا ہے تو کبھی اسے روح کی نظر سے دیکھتا ہے اور کبھی ذات کی نظر سے اور ان کے درمیان صرف صفات اور پاکیزگی کا فرق ہے

کیونکہ جو نظر روح کی طرف منسوب ہے اس میں صفائی اور پاکیزگی ہوتی ہے اور جو ذات کی طرف منسوب ہوتی ہے وہ اس کے برعکس ہوتی ہے اس لیے پہلی قسم کے خواب کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی یا اگر ہوتی بھی ہے تو بہت قریب کی تعبیر ہوتی ہے، لیکن دوسری قسم میں اس میں دُور کا اور خفی اشارہ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے تعبیر میں دقت پیش آتی ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ زید کو کسی شخص نے زخمی کر دیا پھر فرض کر لیا جائے کہ واقعہ سے پہلے یہی واقعہ اس نے خواب میں دیکھا پس اگر اُس نے روح کی نظر سے دیکھا ہے تو بعینہ وہی صورت پیش آئے گی، لیکن اگر نظر ذات دیکھا ہوگا تو اس طرح دیکھے گا کہ وہ راستہ میں جا رہا ہے اور کوئی کھڑی لگی جس سے زخم آگیا۔ پہلی خواب میں چونکہ صفائی اور پاکیزگی پائی جاتی ہے اس لیے کہ یہ نورِ روح سے دیکھی جاتی ہے اور نورِ روح صحیح ہوتا ہے اور وہ ہر چیز کی حقیقی صورت پیش کرتا ہے برخلاف ثانی کے کہ وہ نورِ ذات سے دیکھی گئی ہے اور نورِ ذات میں باطل شامل ہوتا ہے اور باطل کسی چیز کی حقیقی صورت پیش نہیں کرتا بلکہ اس کو متغیر و متبدل کر دیتا ہے لہذا خواب میں اونٹ بصورتِ مینڈک اور پرند بصورتِ پتھر اور انسان بصورتِ کھڑی دکھائی دے گا اور چونکہ مجرب نبی کے کہ اُن کی ذات معصوم ہوتی ہے اور کوئی ذات ظلمت سے خالی نہیں ہے اس لیے اُمتی کے ہر خواب میں کم و بیش ہوتا ہے اور تعبیر کی ضرورت پیش آتی ہے)

ظلامِ ظلمت کے قوت و ضعف کے اعتبار سے ظلمت کے دس درجے ہیں:

دس درجے ہیں

پہلا درجہ: پہلا درجہ وہ ظلمت ہے جو فعلِ مکروہ کے سہواً مرتکب ہونے سے ذات پر آتی ہے جیسا کہ کوئی شخص سہواً باتیں ہاتھ سے کوئی

چیز کھائے یا اسی قسم کی کوئی مکروہ بات کا مرتکب ہو۔ لہذا جب اس قسم کا سہو بندہ سے مراد ہو تو اس سے اُس کی ذات میں ہلکی سی تاریکی داخل ہو جاتی ہے اور جب وہ شخص سوئے گا اور یہ تاریکی اس کی ذات میں ہوگی تو جب خواب دیکھے گا تو یہ اس کو کسی قدر پٹ دے گی۔ مثال کے طور پر اس قسم کا آدمی اگر خواب میں جنت دیکھے اور اس میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس نے ایک غیر واجب نیکی کرنی چاہی مگر پھر اس رجوع کر لیا۔ اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ نیکی جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے اسی لیے خواب میں جنت کے واقع ہونے سے مراد نیکی ہے اور جنت میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ اس نیکی کام کرنے سے رُک گیا ہے اور بغیر پلٹنے کے خواب کی حقیقت یہ ہے کہ وہ یوں دیکھے کہ اس نے ایک نیکی کام کرنے کا ارادہ کیا، لیکن پھر اس سے رُک گیا اسی لیے خواب میں تصورِ سارو و بدل ہو گیا جس کا سبب تاریکی ہے۔

دوسرا درجہ : دوسرا درجہ اس ظلمت کا ہے جو ایک حرام بات کو سہواً کرنے سے ذات کے اندر داخل ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ کوئی شخص روزہ رکھ کر سہواً کچھ کھائے یا اسی قسم کی کوئی اور حرام بات جو انسان سے سہواً سرزد ہو جائے مگر اس نسوکی وجہ سے اُسے گناہ گار نہ کہا جاسکتا ہو کیونکہ یہ ظلمت میں اس ظلمت سے جو مکروہ میں سو واقع ہو جانے سے پیدا ہوتی ہے، زیادہ ہوتی ہے اور اس میں خواب کو اس صورت سے زیادہ پلٹ دیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص خواب میں جنت دیکھے اور اس میں داخل ہونے کا ارادہ بھی کرے مگر اُسے داخل ہونے سے روک دیا جائے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ وہ ایک فرض کفایہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے مگر پھر نہیں کرتا۔ اس کی تعبیر کی وہی وجہ ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ اس خواب میں تاریکی اس قدر قوی ہو گئی ہے کہ خواب میں اسے اس شخص کی طرح دکھایا گیا ہے جسے جنت میں داخل ہونے سے روکا گیا ہو تاکہ یہ تاریکی فرض کفایہ سے روکتی ہے اور یہ حرام چیز کو سہواً کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ برخلاف مذکورہ بالا خواب کے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

تیسرا درجہ : تیسرا درجہ اس ظلمت کا ہے جو ذات میں مکروہ چیز کو عداً کرنے سے داخل ہو جاتی ہے مثلاً کسی نے عداً بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا وغیرہ۔ لہذا جب کبھی اس قسم کا فعل کسی انسان سے عداً سرزد ہوگا تو اس میں اس قدر ظلمت داخل ہو جائے گی جو حرام فعل کو سہواً کرنے سے زیادہ ہوگی لہذا اس کی خواب پچھلی صورت کے مقابلہ میں زیادہ بدل کر آئے گی۔ مثلاً کسی نے خواب میں دیکھا کہ شیاطین اس کے گھر میں گھس آئے ہیں تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اس کی بیوی زانیہ ہے اور لوگ اس کے پاس آتے رہتے ہیں۔ اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ خواب میں شیاطین کو دیکھنے سے مراد زانیہ لوگ ہیں۔ کیونکہ ان میں آپس میں مشابہت ہے اور شیاطین کے گھس جانے سے مراد زنا ہے اور گھر سے مراد بیوی ہے اور اس تعبیر میں بُعد پایا جاتا ہے مگر اس میں خواب کو زیادہ نہیں پلٹا گیا، لیکن جو چیز خواب سے مقصود ہے اس میں خبیثت اور تاریکی کی زیادتی پائی گئی۔ اس لیے کہ اس میں عارِ اعلیٰ عزتی اور ابر و ریزی سب پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ یہاں جس شخص کے متعلق تعبیر بیان کی جاتی ہے اس میں تاریکی قوی ہے۔ یہاں سے معلوم ہو جائے گا کہ تاریکی بعض اوقات تعبیر میں قوی ہوتی ہے اور کبھی خواب میں دیکھی ہوتی چیز میں۔

چوتھا درجہ : وہ تاریکی ہے جو حرام کو ارادۂ کرنے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی نے ارادۂ زنا کیا یا ارادۂ روزہ رکھ کر پھر توڑ دیا وغیرہ۔ لہذا جب اس قسم کا فعل انسان سے قصداً سرزد ہوگا تو اس سے انسان میں پہلے درجوں سے بڑھ کر ظلمت داخل ہو جائے گی مثلاً کسی نے دیکھا کہ

وہ ایک بڑے مسلمان کے آگے آگے چل رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ صاحب معصیت ہے، لیکن اس کا ایمان صحیح ہے کیونکہ بڑے مسلمان سے مراد اس کا ایمان ہے کیونکہ بڑھا پا اور کبرنہی اس پر دل میں کہ وہ بصیرت پر ہے لہذا اس کے ایمان کی پختگی معلوم ہوگئی، لیکن اس کے آگے آگے چلنا گنہوں پر دلالت کرتا ہے کیونکہ صاحب ایمان ایمان کی تابعداری نہیں کرتا بلکہ اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کے آگے آگے جا رہا ہے۔ لہذا اس خواب کی تعبیر میں تاریکی بھی قوی ہوگی کیونکہ بڑے آدمی سے ایمان صحیح مراد لینے میں کافی بُد ہے اور اسی طرح اس سے آگے چلنے سے معصیت مراد لینے میں بھی کافی بُد پایا جاتا ہے۔ اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ اس درجے کی غفلت پہلے درجات کی نسبت زیادہ قوی ہے اور خواب میں بھی غفلت قوی ہے کیونکہ معصیت کا معاملہ اور ان کا خطرہ کوئی معمولی چیز نہیں۔

پانچواں درجہ: پانچواں درجہ اس غفلت کا ہے جو خفیف عقیدے میں جہل بسیط کی وجہ سے داخل ہو جاتا ہے کیونکہ عقیدہ دو قسم کا ہے عقیدہ خفیفہ اور ثقیلہ۔ خفیفہ وہ ہے جس کی وجہ سے صاحب عقیدہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا مگر اس پر مضر اثر در پڑے گا۔ مثلاً یہ ایک عقیدہ ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ پر جزا واجب نہیں۔ یعنی نیک اعمال پر ثواب اور برے اعمال پر عذاب دینا واجب نہیں بلکہ ثواب اس کی مہربانی سے ملے گا اور اگر وہ عذاب دیگا تو یہ اس کا عدل ہوگا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں کسی واسطے کا محتاج نہیں اور تمام واسطے اور وہ اشیاء جو ان سے پیدا ہوتی ہیں سب اللہ تعالیٰ کے افعال میں شامل ہیں۔ چنانچہ آگ اور اس کا جلانا اور گناہ اور اس کا پیٹ کو بھر دینا۔ تلوار اور اس کا کاٹنا یہ سب اللہ کے افعال میں سے ہیں۔ نیز یہ بھی ایک عقیدہ ہے کہ جنت اب بھی موجود ہے اور دوزخ بھی اس وقت موجود ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نہ دنیا میں کسی پر ظلم کرتا ہے نہ آخرت میں کرے گا۔ یہ تمام امور عقائد خفیفہ ہیں جس کا یہ عقیدہ ہوگا وہ صحیح مومن ہے اور اس کا ایمان کامل ہے اور جو ان سے بے خبر ہے مثلاً یہ کہ اس کا عقیدہ یہ ہوگا کہ اللہ کا دیدار نہ ہوگا یا یہ کہ اللہ پر جزا و سزا دینا واجب ہے یا یہ کہ اللہ اپنے افعال میں واسطے کا محتاج ہے یا یہ کہ جنت اور دوزخ موجود نہیں تو اس قسم کے عقائد رکھنے والوں کو قیامت کے دن اس قدر عذاب ہوگا جو غیر اعتقادی گناہوں سے زیادہ ہوگا۔

عقیدہ ثقیلہ وہ ہے جس سے جہالت کی وجہ سے اعتقاد رکھنے والے کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں جانا پڑے گا۔ مثلاً یہ ایک عقیدہ ثقیلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور اس کا وجود ازل اور ابدی ہے اور یہ کہ وہ جو کام کرتا ہے اپنے اختیار سے کرتا ہے اور اس کے افعال نہ طبعی طور پر سرزد ہوتے

میں اور نہ ہی کسی علت یا سبب کی وجہ سے اور یہ کہ وہ ہمارے افعال کا خالق ہے اور ان میں ہمارا قطعاً کوئی اختیار نہیں اور یہ کہ اس کے ملک میں نہ دنیا کا کوئی بڑا انسان مثلاً بادشاہ یا وزیر اور نہ ہی آسمان کا مثلاً سورج، چاند، ستارے اور تمام فرشتے کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے والا ہے اور یہ کہ وہ علیم ہے۔ یہ سب عقائد ثقیلہ میں۔ لہذا جب کوئی بندہ عقائد خفیفہ کے ساتھ ان کا بھی عقیدہ رکھے تو اس کا ایمان مکمل ہو جاتا ہے، لیکن اگر ان سے عدم واقفیت ہو یا ان میں سے کسی ایک سے بھی ناواقف ہو تو اس کے لیے غلوؤں کی آثار واجب ہے۔ خدا ہمیں اس سے بچاتے۔

جب تو نے یہ بات سمجھ لی تو اب ہم عقیدہ خفیفہ میں جہل بیسط کی طرف لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان عقائد سے ذات انسان پر اس قدر ظلمت طاری ہو جاتی ہے جو مذکورہ بالا تارکیوں سے زیادہ ہوتی ہے اور اس سے اس کی خواب میں رد و بدل بھی بہت زیادہ ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص خواب میں کوئی مردہ دیکھے اور اسے علم بھی ہو کہ وہ مردہ ہے اور وہ اس سے اس کا حال پوچھے اور پوچھے اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا برتاؤ کیا اور میت اپنی حالت کی شکایت کرنے لگ جائے اور اپنی بد اعمالیوں کا ذکر کرے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ یہ دیکھنے والے کے دیندار ہونے کی دلیل ہے اور یہ کہ اس کی آخرت اچھی ہوگی اور وہ عنقریب اپنے برے اعمال سے توبہ کرے گا۔ اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ خواب میں نصیحت کرنے کا ضرور اثر ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے زبردستی کے قائم مقام قرار دیا ہے اور جو بات اللہ کی طرف سے ہوتی وہ ضرور ہوگی رہے گی، بندے کی طاقت نہیں کہ وہ میت سے ملاقات کر سکے اور اس سے اس کی حالت کی بابت سوال کرے، بلکہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے کہ اس نے خواب دیکھنے والے اور میت کو اکٹھا کر دیا تاکہ وہ جو کچھ بھی سُن سکے سُن لے تاکہ اس پر اللہ کی رحمت ہو اور اگر اللہ چاہتا تو وہ اس شخص کو اپنی گمراہی میں حیران چھوڑ دیتا۔ پس اس تعبیر میں ظلمت قوی ہوتی۔ کہ اشارہ بہت خفی اور تعبیر بہت زیادہ دقیق ہوگئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

چھٹا درجہ: وہ ظلمت جو ذات انسانی پر جہل مرکب کے طور پر عقیدہ خفیفہ میں جہالت کی وجہ سے طاری ہو جاتی ہے مثلاً یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ ہوگا۔ یا یہ کہ اللہ کے لیے جزا و سزا دینا واجب ہے اور ساتھ ہی یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کا یہ عقیدہ درست ہے لہذا جو ظلمت اس جہل مرکب عقیدے کے رکھنے سے ذات پر طاری ہوگی وہ اس ظلمت سے زیادہ ہوگی جو اس مرتبے کے پہلے مرتبے میں طاری ہوتی ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ دوزخ کا قہقہہ

کھارہے اور دوزخ کا گرم پانی پی رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ ہر طرح سے حرام میں داخل ہوگا
خود روپیہ جمع کرنے کے اعتبار سے خواہ حرام سے منع رہنے کے اعتبار سے چنانچہ وہ ناجائز طور پر دنیا
کو جمع کر لیا اور اسے حقداروں پر صرف نہ کر لیا اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ حرام دوزخ میں لے جانے
دوزخ کا زقوم کھانے اور اس کا گرم پانی پینے کا سبب ہے اور تعبیر کے اعتبار سے اس کی ظلمت
یہ ہے کہ زقوم اور گرم پانی دونوں طبعاً مکروہ چیزیں ہیں اور مال و زر طبعاً محبوب ہے لہذا
مکروہ و محبوب ہونے میں دونوں میں فرق ہو۔ لہذا یہ تعبیر بالصدق ہوئی۔ مزید برآں جس بات سے
تعبیر دور کی ہو جاتی ہے۔ یہ ہے کہ جس کی تعبیر کی جاتے وہ تو دنیا کی چیز ہو اور جس سے تعبیر کی گئی ہو
وہ آخرت کی چیز ہو یا بالعکس کیونکہ دونوں گھروں (دنیا و آخرت) میں بُعد ہے اور ان کے درمیان
کے اشارے میں بھی بُعد ہے کیونکہ جہنم تصور اور گرم پانی مکروہ چیزیں ہیں، لہذا یہاں بین وجہ
سے ظلمت قوی ہو گئی ہے جو مذکورہ ظلمتوں میں سے کسی ظلمت میں نہیں پائی جاتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سائلوں درجہ : وہ ظلمت جو ذات پر عقیدہ ثقلید میں جبل بیسط کی وجہ سے داخل ہوتی ہے
مثلاً کوئی شخص عقیدہ مذکورہ میں بیان کردہ اعتقادات کے منافی عقیدہ رکھتا ہو مگر اگر کوئی اسے
بتا دے تو وہ اس عقیدے سے باز آ جاتے۔ لہذا یہ ظلمت پہلے ذکر کردہ ظلمتوں سے بڑھکر ہوگی۔
اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ جہنم میں داخل ہوا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ
وہ والدین کا نافرمان ہے یا اسی قسم کے کسی کبیرہ گناہ میں مبتلا ہے اس تعبیر کی وجہ ظاہر ہے اور
ظلمت کی قوت تبصر کے لحاظ سے ہے اس لیے کہ یہاں دونوں جانوں میں اختلاف ہے۔
کیونکہ مرنے والی ذات آخرت میں ہے اور جس چیز سے اس کی تعبیر کی گئی ہے وہ دنیا میں ہے
اور خواب کے لحاظ سے بھی ہے کہ جہنم میں داخل ہونا اور والدین کی نافرمانی دونوں بُری چیزیں
ہیں اور ان کی ظلمت کسبِ حرام کی ظلمت سے زیادہ ہے اسی لیے اس مرتبہ کی ظلمت
زیادہ قوی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سائلوں درجہ : وہ ظلمت جو ذات پر عقیدہ ثقلید میں جبل مرکب کی وجہ سے داخل
ہوتی ہے مثلاً یہ عقیدہ رکھنا کہ انسان اپنے افعال کا خالق ہے اور پھر یہ سمجھتا ہو کہ اس کا یہ عقیدہ
درست عقیدہ ہے لہذا یہ ظلمت اوپر والی ظلمت سے بھی زیادہ ہوگی اور اس سے خواب میں اس
سے بھی زیادہ رد و بدل ہوگا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کسی شخص نے دیکھا کہ اسے ایک فرشتے نے پکرایا
اور جہنم میں ڈال دیا ہے تو اس کی تعبیر یوں ہوگی کہ تقدیر الہی اسے معصیت کی طرف لے جائے گی

اور اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ یہاں فرشتہ کا اشارہ تقدیر کی طرف ہے اور جنم کا اشارہ معصیت کی طرف ہے اور اس میں ظلمت کی وجہ یہ ہے کہ فرشتے سے مراد تقدیر لی گئی ہے اور یہ بہت خفی اور دقیق اشارہ ہے اور ساتھ ہی خواب بھی گھناؤنی ہے کیونکہ فرشتے کا بندہ جبراً پکڑنا اور اسے دوزخ میں ڈالنا نہایت ہی مکروہ بات ہے برعکس اس کے کہ جس نے دیکھا کہ وہ جنم میں داخل ہو گیا ہے یا یہ کہ اس نے زقوم کھایا ہے اور دوزخ کا گرم پانی پیا ہے کیونکہ وہاں کسی قسم کا جبر نہیں پایا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے کہا ہے کہ اس مرتبہ کی ظلمت مذکورہ بالا مراتب سے بڑھ کر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوال درجہ : وہ ظلمت جو ذات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے متعلق جبل بیط کی وجہ سے داخل ہوتی ہے مثلاً یہ کہ کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی صفات کا عقیدہ رکھے جو درحقیقت آپ میں نہیں پائی جاتیں۔ مگر یہ عقیدہ ایسا ہو کہ اگر اسے علم ہو جائے تو اس سے باز آجائے۔ لہذا یہ ظلمت ماقبل کی ظلمت سے زیادہ ہوگی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دروازہ ہیں اور جو دروازے سے ناواقف ہوگا اور اس سے جھٹک جائے گا تو وہ گھر میں کبھی بھی داخل نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو نہ تو ہمارا ایمان بانٹ درست ہوتا اور نہ ہی دنیا اور آخرت کی کوئی بھلائی درست ہوتی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ جوان ہو گیا ہے حالانکہ وہ دراصل بوڑھا تھا تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اسے بہت سی دنیا حاصل ہوگی جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نہ کرے گا۔ اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ بوڑھا پلے کی حالت کا اشارہ فقر کی طرف ہے اور جوانی جس کی طرف وہ لوٹ کر گیا ہے اس کا اشارہ مالداری کی طرف اور اس میں ظلمت کی قوت تعبیر کی وجہ سے ہے کیونکہ شباب سے حصول دنیا مراد لینا نہایت ہی خفی امر ہے اور خود خواب میں بھی ظلمت تو یہی ہے کہ دنیا ہر گناہ کی اصل ہے بالخصوص جب کہ بکثرت ملے جیسے کہ اس خواب میں اور اس لیے بھی کہ مالداری میں نیک کام نہ کرے گا۔ واللہ اعلم۔

دسوال درجہ : وہ ظلمت جو ذات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے متعلق جبل مرکب کی وجہ سے داخل ہو۔ مثلاً یہ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسی صفات کا عقیدہ رکھے جو درحقیقت آپ میں نہیں ہیں اور پھر یہ بھی عقیدہ رکھے کہ اس کا عقیدہ میصم ہے لہذا یہ ظلمت جو ذات پر مذکورہ بالا جبل مرکب کی وجہ سے داخل ہوگی ہر پہلی ذکر کردہ ظلمت سے

بڑھکر ہوگی مثلاً کوئی یہ دیکھے کہ وہ ایک نوجوان کے پیچھے پیچھے چل رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ
لوٹیوں والا کام کرے گا اور اس میں تعبیر کی وجہ ظاہر ہے اور ظلمت کی قوت نفس خواب میں ہے
کہ لواطت بہت بڑا گناہ ہے۔ نَسَّالُ اللّٰهُ السَّلَامَةَ بَعِثْہ دَعْوِہ۔
حضرت نے فرمایا یہ ظلمت کے دس درجے لنگاہ ذات کی طرف منسوب ہیں۔

رہے درجات طہارت جو روح کی طرف منسوب ہیں وہ بھی دس

درجات طہارت

ہیں اور یہ مذکورہ بالا درجات کا عدم ادران کی ضد میں اسی لیے درجات
طہارت کا حال ثقل اور خفت کے اعتبار سے درجات ظلمت کے برعکس ہوگا۔ کیونکہ مذکورہ بالا
دس درجوں میں سے ثقیل ترین اور آخری درجہ بارگاہ محمدیہ میں جہل مرکب کا ہے اور یہاں درجات
طہارت میں جہل مرکب سے پاک ہونا، پھر جہل بسیط سے پاک ہونا، پھر عقیدہ خفیفہ میں جہل مرکب
سے پاک ہونا۔ پھر جہل بسیط سے پاک ہونا۔ پھر حرام چیز کا عذاب نہ کرنا۔ پھر مکروہ بات کا عذاب نہ کرنا
پھر حرام میں سہو کا واقع نہ ہونا یہ ثقیل ترین امر ہے کیونکہ مکروہ میں سہو کے نہ ہونے کے ساتھ ساتھ
جہل مرکب یا بسیط بھی ہو سکتا ہے جس کی مثالیں ہم عنقریب بیان کریں گے۔

پھر یاد رکھیں کہ جب روح اپنی بصیرت اور صاف نگاہ سے خواب دکھتی ہے تو اصل حالت
پر دکھتی ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی یا تغیر نہیں ہو سکتی۔ پھر جب روح اسے ذات کے حوالے کرنے
لگتی ہے تو ذات کی طرف دکھتی ہے پس اگر ذات ظلام سے پاک اور ہر لحاظ سے معصوم ہو تو وہ اس
خواب کو روح تک بغیر تبدیلی اور تغیر کے جیسا اس نے دیکھا ہوتا ہے ادا کر دیتی ہے، لیکن اگر ذات
میں ظلمت ہوگی تو اسے ادا کرتے وقت خواب میں رد و بدل ہوگا اور تعبیر اس کی ظلمت کی مقدار
کے مطابق ہوگی اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ روح جب ذات تک خواب پہنچاتی ہے تو اس کا پسپا ہونا
دو قسموں میں منقسم ہو جاتا ہے لہذا خواب کی ادائیگی کے وقت خواب میں ذات ظاہرہ کے لیے کسی قسم کا
رد و بدل نہیں ہوتا یہ رد و بدل تو صرف ظلمتوں کی وجہ سے ہوتا ہے اور ہم نے ذات کو پاک فرض کیا
ہے مگر ظاہر ذات کے لیے ظلمت کی مقدار کے مطابق رد و بدل واقع ہوتا ہے کیونکہ اگرچہ اس میں
صفائی ہوتی ہے مگر ظلمت کسی اور وجہ سے ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ صفائی یا تو کُلّی صفائی ہوتی ہے اور
وہ صرف انبیاء معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں ہوتی ہے یا جزئی ہوتی ہے اور ایک جہت
سے ہوتی ہے اور دوسری جہت سے نہیں ہوتی۔ اسی لیے اس کے بھی دس درجے ہیں اور ان کی ترتیب
مذکورہ بالا دس درجوں کی ترتیب سے برعکس ہے۔

طہارت کا پہلا درجہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی نسبت جہل مرکب کا نہ ہونا، اس قسم کے جہل سے پاک ہونا ہر طرح کی دوسری صفائی سے بڑھ کر ہے اسی لیے اس صفائی کے ہوتے ہوئے جو خواب آئے گا۔ اس کی تعبیر کی گویا کوئی ضرورت ہی نہیں۔ مثلاً کوئی شخص یہ دیکھے کہ حق تعالیٰ اس سے راضی اور خوش ہیں اور قسم فرما رہے ہیں تو اس کی تعبیر یہی ہے کہ اللہ اس سے راضی ہے اور اس کے اعمال اللہ کے نزدیک پاک ہیں۔

دوسرا درجہ: بارگاہِ عالیہ رسالت مآب کے بارے میں جہل بسیط سے پاک ہونا۔ اس صفائی کا درجہ مذکورہ بالا صفائی کے درجہ سے کم ہے مگر اس کے بعد اس کا درجہ آتا ہے اسی لیے اس صفائی والے آدمی کی خواب میں تھوڑی تعبیر کی ضرورت ہے مثلاً کوئی دیکھے کہ وہ فرشتوں سے مل رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اسے یا پھنسیاں نکلیں گی یا کھل جائیگی یا کسی عادی سبب کے بغیر اس کے کسی عضو کی ہڈی ٹوٹ جاتے گی۔ اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ دیکھنے والی تو روح ہے اور جو فرشتے دکھائی دیے ہیں وہ ذات کے فرشتے ہیں جو اس کی حفاظت پر مقرر ہیں اور روح ان سے جھگڑ رہی ہے کیونکہ جب روح نے دیکھا کہ عنقریب ذات میں چھوڑے پھنسیاں وغیرہ نکلنے والی ہیں تو ذات کے محافظ فرشتوں سے جھگڑنا شروع کر دیتا تو گویا وہ یوں کہہ رہی ہے کہ یہ تمہاری حفاظت میں کوتاہی کی وجہ سے ہے لہذا یہ خواب اس کلام کی طرح ہے جس میں کچھ حذف کیا گیا ہو۔ پس جب اس مخدوف کلام کو متدبر مان لیا تو کلام صحیح اور مطلب واضح ہو گیا۔ یہی حال اس جگہ ہے کہ اگر جھگڑنے کا سبب ذکر کر دیا جاتا تو خواب واضح ہو جاتا اور تعبیر کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

تیسرا درجہ: تیسرا درجہ عقیدہ ثقلید میں جہل مرکب سے پاک ہونا ہے اس درجے کی صفائی کا درجہ گزشتہ درجے کی صفائی کے بعد آتا ہے اسی لیے اس کی خواب میں تعبیر کی ضرورت پڑتی ہے مثلاً کوئی یوں دیکھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے خوف زدہ اور مرعوب حالت میں کھڑا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو گا اور اللہ تعالیٰ اسے نجات بخئے گا اور اس میں اسے اجر عظیم ملے گا اور اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے لوگ صرف قیامت کے دن کھڑے ہونگے اور وہ بھی مومن لوگ۔ اگر اس مومن کی ذات غفلت سے پاک نہ ہوتی تو اسے خواب میں ڈانٹ ضرور پڑتی۔ پھر انجام کار اسے نجات ملے گی اور وہ ہمیشہ کے لیے جنت میں جائے گا۔ لہذا جب اس نے دیکھا کہ وہ اس حالت میں (یعنی گھبراہٹ کے عالم میں) اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہے تو اس کی تعبیر وہی ہے جو ذکر کی گئی۔ درحقیقت دیکھنے والی تو روح ہے اور تعبیر کی ضرورت تو اس وقت پڑی

جب روح نے یہ خواب جسم کے حوالے کی نواسیے کہ روح کی نگاہ میں کوئی ظلمت تھی اور اگر اس خواب کا دیکھنے والا کوئی دل یا عارف یا نبی یا رسول ہوتا تو اس کی تعبیر کسی اور طرح ہوتی جس کا ذکر بہت لمبا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ جو تھا درجہ: چوتھا درجہ عقیدہ ثقیدہ میں جبل بیسط سے پاک ہونے کا ہے اس صفائی کا درجہ ماقبل کے درجے سے بعد آتا ہے مثلاً کسی نے عزرائیل علیہ السلام کو دیکھا وہ اسے دیکھ کر ہنس رہے ہیں اور خوش ہو رہے ہیں اس کی تعبیر درازی عمر ہے۔ اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص کے لیے ایسے بزرگ فرشتہ کے ساتھ خوش ہونے کا مطلب سوائے درازی عمر کے اور کچھ نہیں ہو سکتا مگر ذات کے حوالے کرتے وقت اس میں ظلمت آئی اور تعبیر میں وقت واقع ہوئی۔ اس لیے کہ ملک الموت کی ہنسی سے درازی عمر دینا ایک نغی اور دقیق اشارہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پانچواں درجہ: پانچواں درجہ عقیدہ خفیفہ میں جبل مرکب سے پاک ہونا ہے۔ یہ عدم اور صفائی ماقبل سے بھی نیچے درجے کی ہے مثلاً یہ کہ کسی نے ابوبکر صدیق کو خواب میں دیکھا تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ دیکھنے والے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت ہے اور اس میں ذات کو حوالے کرنے میں جو ظلمت آئی وہ یہ ہے کہ ابوبکرؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ لیا گیا حالانکہ دونوں میں کوئی تلازم نہیں۔ اسی لیے یہ اشارہ بہت خفی ہوا اور ذات کے حوالہ ہوتے وقت ظلمت کی وجہ سے خفا لاحق ہوا۔ اس لیے اس کی ظلمت پہلے سے زیادہ ہوئی۔

چھٹا درجہ: چھٹا درجہ عقیدہ خفیفہ میں جبل بیسط سے پاک ہونا ہے کہ اس عدم کا درجہ ماقبل کے بعد آتا ہے۔ مثلاً کسی نے فرشتوں کو کسی ایک جگہ دیکھ لیا تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس مقام پر ایک مسجد بنے گی، جس میں اللہ کی عبارت اور اس کی تسبیح و تقدیس ہو کرے گی اس تعبیر کی وجہ تو ظاہر ہے اور اس میں ذات کے حوالے ہوتے وقت جو ظلمت آئی وہ یہ ہے کہ کہاں عالم انوار کے فرشتے اور کہاں عالم اغیار کی مسجد۔ یہ غلاف ماقبل کے کہ وہاں اگرچہ حضرت صدیقؓ اور محبت مجتبیٰ میں کوئی تلازم نہ تھا مگر عالم تو ایک تھا۔

ساتواں درجہ: ساتواں درجہ یہ ہے کہ حرام کا قصد ارتکاب نہ کیا جائے مثلاً کسی نے اسرائیل کو کسی جگہ دیکھ لیا تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس جگہ سخت فتنہ بپا ہو گا یا بڑی خوشی واقع ہوگی۔ وجہ تعبیر یہ ہے کہ حضرت اسرائیلؑ فتنوں اور خوشی کے معاملات پر متعین ہیں اور اس میں

لے لازم و ملازم ہونا

حوالہ ذات ہونے کے وقت کی غفلت ماقبل سے زیادہ قوی اس اعتبار سے ہے کہ فتنہ دوسرے کیساتھ حضرت اسرائیل کا تعلق اتنا مشہور نہیں جتنا حضرت عزرائیل کا تعلق عمر و زندگی کے ساتھ معروف و مشہور ہے۔ مزید برآں اس میں عالم انوار اور عالم اغیار کا بُعد موجود ہے لہذا اس میں ماقبل والی غفلت کے ساتھ مزید غفلت بھی پائی گئی۔ واللہ اعلم۔

آٹھواں درجہ: آٹھواں درجہ مکروہ بات کا عمدہ نہ کرنے کا ہے مثلاً کسی نے دیکھا کہ شیاطین اسے گھیرے ہوئے ہیں پس اس کی تعبیر یوں ہوگی کہ چوروں کا گروہ اس پر حملہ آور ہو گیا اس کا مال چوری ہو جائے گا یا لوگ اس کی بلا و غیبت کریں گے وجہ تعبیر ظاہر ہے اور غفلت تو بغیر خواب میں ہے کہ مال چوری جانا اور غیبت ہونا اس خواب دیکھنے والے کے لیے پریشان کن اور ناگوار امر ہے جو کہ پہلی صورت میں نہ تھا۔

نواں درجہ: نواں درجہ عدم سہو حرام ہے مثلاً دیکھا کہ کسی مقام پر قیامت بہا ہو گئی ہے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس جگہ کی حالت بدل جائے گی۔ اگر عدل ہو رہا تھا تو ظلم ہونے لگے گا یا بالکس۔ اس میں غفلت ذات کے حوالہ ہوتے وقت تعبیر میں آتی ہے کیونکہ حقیقی قیامت اور تبدیلی حالت میں بہت بُعد پایا جاتا ہے پھر قیام قیامت سے عدل سے ظلم کی طرف منتقل ہونا تو اور بھی زیادہ بعید ہے کیونکہ قیامت کے دن کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا۔ لہذا اس میں اسرائیل علیہ السلام کو دیکھنے کے مقابلے میں زیادہ غفلت پائی گئی کیونکہ ان کا تعلق فتنہ و فرج کے ساتھ کیساں تھا مگر یہاں قیام قیامت کا تعلق عدل ظلم کے ساتھ ایک جیسا نہیں۔ واللہ اعلم۔

دسواں درجہ: دسواں درجہ عدم سہو مکروہ کا ہے یہ درجہ سب سے زیادہ ثقیل اور ذات کا حوالہ کرتے وقت سب سے زیادہ غفلت والا ہے مثلاً یہ دیکھنا کہ وہ شیطانوں کا دوست ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے دوست و احباب برے لوگ ہیں۔ وجہ تعبیر ظاہر ہے اب اس کی غفلت کو دیکھو کہ اس غفلت جتنی ہے جو ذات کی نگاہ میں ہے کیونکہ انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہذا جب ہمنشینوں میں کوئی بھلائی نہیں تو ہمنشین بھی ویسا ہی ہوگا۔ لہذا یوں سمجھنا چاہیے کہ اس خواب کی غفلت خبیث ذات اور اس کی بد اعمال کی طرف اشارہ کر رہی ہے، بعینہ ان غفلتوں کی طرح جو ذات کی طرف منسوب کر وہ دس قسموں میں پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک، اگرچہ ان کے مراتب مختلف ہیں، خبیث ذات کی طرف اشارہ کرتی ہے جیسا کہ گزر چکا۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال

میں نے عرض کیا حضرت اس تعبیر کا تو یہ مطلب نکلا کہ تعبیر کا سبب وہ ظلمت ہے جو ذات میں پائی جاتی ہے۔ اگرچہ صورت مختلف ہوتی ہے کہ روح کے دیکھے ہوئے میں تعبیر کی ضرورت

ذات کو حوالہ کرتے وقت ہوتی اور ذات کے دیکھے ہوئے میں تعبیر کی ضرورت نفس خواب میں ہوتی ہے۔

مگر ذکر ہو چکا کہ جب کسی ذات میں اس کے ہر لحاظ سے محصور ہونے کی وجہ سے کوئی ظلمت نہ ہو مثلاً انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذات تو وہاں تعبیر کی حاجت نہ ہونی چاہیے کیونکہ جو تعبیر کا سبب

تھا۔ یعنی ظلمت وہ ان میں مفقود ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاء کے بہت سی خوابوں کی تعبیر کی گئی مثلاً یوسف علیہ السلام کا خواب جس کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے۔

وَرَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كُوزًا مِّنَ الشَّمْسِ وَآلِئِمَّرًا يَتَطَهَّرُ فِي سَاحِلٍ مِّنَ الْيَمِّ (سورۃ یوسف - پہلا رکوع) کیونکہ درحقیقت

جنہوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا وہ ان کے بھائی اور والدین تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَخَرُّوْا لَہٗ سُجَّدًا (وہ سجدے میں گر گئے) وَقَالَ يَا اٰیَّتِیْ هٰذَا تَاوِیْلُ رُّؤْیَا

مِّنْ قَبْلِیْ قَدْ جَعَلْتُمْ فِیْ حَقِّیْ (سورۃ یوسف) (ابا جان یہ میرے خواب کی تعبیر ہے میرے رب نے میرے خواب کو سچ کر دکھایا) اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کا خواب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰۤاِبْرٰہِیْمُ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی النَّوْمِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُکَ فَاَنْظُرْ مَاذَا تَرٰی (سورۃ صافات آیت ۱۰۲)

(یہاں میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب دیکھ لو کہ تمہاری کیا رات ہے) کیونکہ درحقیقت ذبح تو مینڈھے کو کیا گیا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَنَدَبْنٰکَ بِذِبحِ عَظِیْمٍ (ہم نے اس کے ذریعے میں ایک بڑا ذبیحہ دیدیا) اسی قسم کا خواب آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کا خواب ہے کہ آپ نے دیکھا کہ گائے ذبح کی جا رہی ہیں اور آپ کی تنوار کی دھار وندانہ دار ہو گئی ہے اور ایک مضبوط زرہ ہے (جس میں آپ داخل ہو گئے) تو آپ نے گائے ذبح کیے جانے سے

یہ اشارہ سمجھا کہ آپ کے گھرانے کا ایک فرد شہید ہو گا اور مضبوط زرہ سے مراد مدینہ کی اور یہ کہ اگر آپ مدینہ سے باہر نہ نکلے تو آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ اسی طرح آپ کی یہ خواب ہے کہ لوگ تمہیں پیسے آپ کے سامنے پیش ہو رہے ہیں بعض کی تمہیں پستانوں تک ہیں اور بعض کی اس سے نیچے اور

پھر عمر کو دیکھا کہ ان کی تمہیں اس قدر ملی ہے کہ وہ اُسے گھسیٹتے ہوئے پلے آ رہے ہیں ۱۰ اس پر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے۔ فرمایا: دین۔ اسی طرح آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر کثیر الشیخاؤ خواب ہیں جن میں تعبیر کی گئی۔

جواب | انبیاء کی خواہیں دو قسم کی ہیں معاینہ اور وحی: اس کے جواب میں حضرت نے

فرمایا کہ انبیاء علیہ السلام کی نیند عام لوگوں کی طرح نہیں ہوتی کیونکہ وہ خواہ سوئے ہوئے ہی کیوں نہ ہوں
مشاہدہ حق میں گئے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی آنکھیں تو سوتی ہوتی تھیں مگر دل بیدار ہوتے
تھے اسی لیے ان کی خوابیں بھی دو قسم کی تھیں: معانیہ اور وحی۔ معانیہ یہ ہے کہ نبی خواب میں ایک
چیز کا مشاہدہ کرے اور بیداری میں وہ چیز بغیر کم و کاست کے بعینہ اسی طرح نکل آئے۔ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کی یہ خواب کہ آپ اور آپ کے صحابہ بڑے امن سے سرفراز کر یا کتر و اگر مسجد حرام
میں داخل ہوں گے، اسی قسم کی تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ
الْشُّرُوبِ يَا لَنفَتٰ (سورہ فتح آیت ۷۰) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی خواب سچی کر دی چنانچہ
اس جگہ خواب کہ نہ تو محض روح کی طرف اور نہ محض ذات کی طرف منسوب کیا جائے گا بلکہ دونوں کی
طرف منسوب کیا جائے گا کیونکہ معنای اور طہارت دونوں میں یکساں ہے۔ اسی قسم میں ہے وہ تمام
معراج دو مرتبہ ہوئی۔ ایک

مرتبہ روحانی، دوسری مرتبہ جسمانی

چنانچہ پہلے بار جو معراج روح کے ساتھ ہوئی وہ روایاتی مناسبتی تھا چنانچہ اس وقت آپ کی ذات سوری
تھی اور جو کچھ بھی دیکھا روح نے دیکھا اور اس میں کسی قسم کی تاویل یا تفسیر نہ لگتی۔ مختصر یہ کہ اس قسم
کی خواب آنکھوں دیکھی بات کی مانند ہوتی ہے چنانچہ جیسے بصیرت میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔
اس طرح اس خواب میں بھی کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔

خواب وحی

اب رہی خواب کی دوسری قسم یعنی خواب بطور وحی کے تو وہ انبیاء کے ہر ایسی خواب
ہے جس کی تفسیر کی جاسکتی ہو، اس کی تحقیق یوں ہے کہ نبی علیہ السلام نے اس قسم کی
خواب میں کسی خارجی وجود والی چیز کو نہیں دیکھا اور اس کی طرف آپ کی ذات یا روح نے توجہ کی
ہوتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جو بھی حکم یا ممانعت یا کسی بات کی خبر دینا چاہتے ہیں فرما دیتے ہیں مگر
اپنے کلام کے بجائے کچھ امور پیدا کر کے دکھا دیے جاتے ہیں اور وہ وحی الہی کے معلوم کرنے کا ذریعہ
بن جاتے ہیں اسی کی صورت یوں سمجھیں کہ کوئی شخص دوسرے کو مرزا دارا شہ سے ملے حکم کر رہا ہو یا منہ
کر رہا ہو یا کسی چیز کی خبر دے رہا ہو۔ لہذا یہ چیزیں جو ان کی خوابوں میں واقع ہوتی ہیں ان کو

لے ہو سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے بار خواب میں معراج کرنے کا مقصد یہ ہو کہ آپ کا دل ان احوال و مسائل
کو برداشت کرنے کے قابل ہو جائے جو بعد میں مشاہدہ کے لیے بیداری میں دکھائے گئے۔

اللہ تعالیٰ نبی کے ساتھ مخاطب ہونے کے لیے وضع فرماتا ہے چنانچہ انبیاء علیہم السلام ان اشاروں کو سمجھ جاتے ہیں۔ اسی لیے وہ ان کی اطاعت کرتے ہیں اور انہیں اس وحی کا تمام مقام سمجھتے ہیں جو انہیں بیداری میں ہوتی ہے۔

حضرت نے فرمایا ان مذکورہ بالا خوابوں میں موجودہ اشیاء کا راز یہ ہے کہ صرف مشاہدے کی چیزوں میں بیان اور خطاب ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام تو ہر وقت مشاہدہ حق میں ہوتے ہیں خواہ وہ خواب کی حالت میں ہی کیوں نہ ہوں اور اللہ کی مخلوق کو دیکھ کر بھی وہ مشاہدہ حق کرتے رہتے ہیں۔ بعینہ اسی طرح جس طرح کو ایک پرندہ ایک حالت پر قائم نہیں رہتا، چنانچہ تو دیکھتا ہے کہ وہ کبھی اس ٹھنی پر ہوتا ہے کبھی اس ٹھنی پر اور کبھی اس درخت پر اور کبھی اس درخت پر۔ یہی حال انبیاء علیہم السلام کا ہوتا ہے کبھی انہیں مشاہدہ حق آسمانوں اور زمینوں کو دیکھ کر حاصل ہو جاتا ہے اور کبھی ستاروں، سورج اور چاند کو دیکھ کر۔ لہذا جب وہ ان چیزوں کو دیکھتے ہیں تو خالق سبحانہ کی عظمت ان کی آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے اور انہیں اس قدر عظیم الشان مشاہدہ حاصل ہوتا ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ بس جب حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس مشاہدے کی حالت میں انہیں کسی اور چیز پر مطلع فرماتے تو وہ چیز ان کو اسی شے میں دکھاتا ہے جس میں ان کو مشاہدہ حق ہو رہا ہے۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کی خواب میں یہی بات واضح ہوتی کہ انہیں خواب میں ستاروں، سورج اور چاند کو دیکھ کر مشاہدہ حق حاصل ہوا اس لیے کہ جب آپ کی روح آسمانوں کو چڑھی تو عے مشاہدہ مذکورہ حاصل ہوا۔ لہذا جب اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ بتلانا چاہا کہ ان کے والدین اور بھائی انہیں سجدہ کریں گے تو یہ سجدہ انہیں ستاروں، سورج اور چاند میں دکھایا جن میں کہ مشاہدہ حق ہو رہا تھا کیونکہ باطن غیر ارادے کے جس مشاہدہ میں مشغول ہے اسی میں مشغول رہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا ارادہ و قصد کسی اور چیز کی طرف نہ جاتے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ کی اس نعمت کو دیکھا کہ ان کو شیاعطا کیا گیا ہے اور خیال آیا کہ کتنا بڑا انعام ہے تو انہیں مشاہدہ حق حاصل ہوا لہذا جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ انہیں اس مینڈے کے ذبح کرنے سے مطلع کیا جائے جو بیٹے کا قدیہ ہوگا تو انہیں اسی بیٹے کا ذبح کرنا دکھایا گیا جس میں مشاہدہ حق ہو رہا تھا۔ یہی حال مذکورہ بالا تمام خوابوں کا ہے (جن میں تعبیر کی ضرورت پڑی) واللہ اعلم۔

الحاصل یہ تمام تفصیل قسم اول کے متعلق ہے جن کو ادراکات کہتے ہیں۔ رہی دوسری قسم جسے خواطر

کہے ہیں تو میں نے حضرت سے اس قسم کے خواب کا سبب پوچھا تو آپ نے اس قسم کا بیان بھی فرمادیا۔
 میں نے ایک دن حضرت سے ان امور کے متعلق دریافت کیا جنہیں خواب دیکھنے والا دیکھتا ہے۔

سوال

حضرت نے فرمایا کہ خوابوں کے اختلاف اور ان کی نوعیت کے بدلنے کا سبب ذات کے
 خواطر کا اختلاف اور ان کا تنوع ہے۔ اور خواطر کے اختلاف اور تنوع کا سبب ایک
 امر یہی ہے جس پر اکثر غفلت کو اطلاع نہیں ہوتی۔

جواب

میں نے عرض کیا کہ وہ امر یہی کیا چیز ہے؟

فرمایا: وہ بندے کے دل میں اللہ کا فعل ہے اور اللہ کا فعل بندے کے دل میں جاری رہتا ہے
 اور کسی حالت میں خواہ خواب کی ہو خواہ بیداری کی بند نہیں ہوتا تا آنکہ روح بدن سے منسلک رہتے
 اور انسان کے وجود میں آنے سے یکدم موت تک دل کی ہر حرکت اللہ کے فعل کا نتیجہ ہوتا ہے جس سے
 اللہ تعالیٰ کو ایک معین اور مخصوص امر مقصود ہوتا ہے لہذا اس امر کا دل پر گزر ہوتا ہے اور جب
 دل کی دوسری حرکت ہوتی ہے تو دوسرا امر معین دل پر گزرتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس تنبیہ اور جو تھا وغیرہ
 لہذا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو دل کی پہلی حرکت کا خیال نیک ہوتا
 ہے۔ اسی طرح دوسری اور تیسری وغیرہ حرکات کا خیال بھی نیک ہی ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اپنے
 بندے سے برائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو پہلی حرکات کا خیال بھی بُرا ہوتا ہے۔ اسی طرح باقی حرکات کا حال
 ہے جتنی کہ اللہ تعالیٰ کر م فرماتے۔ اور اس سے بھلائی کا ارادہ فرماتے تو خواطر بھی خیر کی طرف منتقل
 ہو جاتے ہیں۔ لہذا بندوں کے تمام اعمال ان خواطر کے تابع ہوتے ہیں اور ان کے خواطر ان کے دل کی
 حرکات کے تابع ہوتے ہیں اور یہ حرکات ان کے خواطر کے تابع ہوتے ہیں۔

اس پر میں نے عرض کیا کہ اس حدیث کا کیا یہی مطلب ہے کہ بندوں کے دل اللہ کی دو انگلیوں
 کے درمیان ہیں جس طرح وہ چاہتا ہے پلٹ دیتا ہے؟

حضرت نے فرمایا: ہاں یہی مراد ہے۔

اس پر مجھے حرکات قلب اور ان کے تغیرات کے خیال سے سخت خوف طاری ہو گیا اور مجھے معلوم
 ہو گیا کہ تمام سعادت یا شقاوت کا دار و مدار انہی حرکات پر ہے۔ خدا سے ہماری درخواست ہے
 کہ ان حرکات کو اس طرح چلائے جس طرح کہ وہ پسند کرتا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ ان حرکات قلبیہ کے شرے کی مدت خواہ خیر ہو یا شر سات دن ہے جس کا

یہ مطلب ہے کہ حرکت قلب سے حق تعالیٰ کی جو مراد ہوتی ہے اسے یا تو بندہ نورا پا جاتا ہے یا تھوڑی دیر کے بعد۔ بعض اوقات اس میں تاخیر بھی واقع ہو جاتی ہے، لیکن سات دن سے زیادہ نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایسا ہوتا ہے کہ بندہ ایک دن کوئی کام کر رہا ہوتا ہے اور اس کی حرکت ایک دن یا زیادہ پہلے سے ہو چکی ہوتی ہے۔ اس کی مثال نباتات کی سی ہے کہ باوجود اس کے کہ بیج ایک ہی ہوتا ہے مگر کچھ حصہ ایک دن میں ظاہر ہوتا ہے اور کچھ بعد میں آتا ہے اور کچھ پہلے۔ فَبَارِئِ اللَّهُ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ۔

(حضرت نے فرمایا) کہ جب یہ بات معلوم ہو چکی کہ خواطر کا دار و مدار قلب میں ارادۃ باطنی پر ہے تو اب یاد رکھیں کہ انسان کی دو حالتیں ہیں، حالت بیداری اور حالت نوم۔ بیداری کی حالت میں ذات حکم کرے گی اور روح اور زندگی اور ذات کا حکم جہالت اور اشیاء کی حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر ہوتا ہے لہذا اگر بیداری کی حالت میں بندے پر جگہ کا خیال گزرے تو فقط جگہ ہی کا گزریگا کوئی اور بلند چیز ساتھ نہ ہوگی۔ یا اگر آسمان پر رحمت یا دوزخ وغیرہ کا خیال آئے گا تو اسے صرف ان چیزوں کا شعور آئے گا مگر حالت نوم میں حواس معطل ہو جاتے ہیں اور اعضاء کو سکون و آرام ملتا ہے اور اللہ کا فعل دل پر بدستور جاری رہتا ہے، نہ بیداری میں بند ہوتا ہے نہ نیند کی حالت میں۔ لہذا جب دل کسی ایک چیز کے خیال سے متحرک ہوگا تو روح اس کی طرف دیکھے گی کیونکہ ذات کا حکم تو منقطع ہو چکا ہے اور روح ہر شے سے واقف پیدا کی گئی ہے لہذا جب وہ ان اشیاء کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو ان کا اس طرح ادراک کر لیتی ہے جس طرح آنکھ سے دیکھ لیا۔ پس اگر کوئی اپنے آپ کو آسمانوں کے اوپر یا جگہ میں کسی خاص جگہ دیکھے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ کا خیال دل پر گزرا اور روح اس کے پیچھے پیچھے ہوئی اور اس کا ایسا ادراک کر لیا جیسا کہ آنکھ سے دیکھ لیا، خواطر اور ادراک میں فرق صرف اتنا ہے کہ اگرچہ ادراک دونوں قسموں میں پایا جاتا ہے مگر اگر کسی چیز کا خیال ادراک سے پہلے دل پر گزرا ہوگا تو خواب و اغماض اعلام میں سے ہے اور ان کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی اور اگر ادراک سے پہلے دل پر کوئی خیال نہیں گزرا بلکہ ذات یا روح کی توجہ اس طرف ہوتی بغیر اس کے کہ خواطر میں حرکت پیدا ہوئی ہو تو خواب درست ہوگا اور اس کی تعبیر ہو سکے گی اور اس کی بیس قسمیں ہیں جنہیں ہم بیان کر چکے۔ واللہ اعلم۔

جناب سید الوجود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھنا حضرت نے فرمایا اگر کوئی شخص

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے تو اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس میں تعبیر کی ضرورت نہیں اور وہ یہ ہے کہ وہ ذات محمدؐ کی کو بعینہ اسی حالت میں دیکھے جس حالت میں وہ دنیا میں تھے اور جس حالت پر صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کو دیکھا کرتے تھے۔ مزید برآں اگر بینندہ اہل فتح یا اہل عرفان و شہود عیان میں سے ہو تو کچھ اس نے دیکھا ہو گا وہ حقیقۃً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہوگی اور اگر دیکھنے والا اہل فتح میں سے نہیں ہے تو کبھی تو اس کی خواب اسی قسم کی ہوگی اور یہ بہت شاذ و نادر ہی واقع ہوتا ہے اور کبھی انسان آپ کی ذات شریف کی صورت دیکھ لیتا ہے نہ آپ کی حقیقی ذات کیونکہ آپ کی ذات شریف کی کئی صورتیں ہیں جو خواب اور بیداری میں بہت سے مقامات پر دیکھی جاتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی ذات سے ایک نور نے دنیا کو بھر دیا ہے چنانچہ دنیا کی کوئی جگہ نہیں جہاں یہ نور شریف نہ ہو۔ اور اس نور میں آپ کی ذات اس طرح ظاہر ہوتی ہے جس طرح چہرے کی شکل آئینہ میں ظاہر ہوتی ہے چنانچہ یہ تمام نور بمنزلہ ایک آئینہ کے ہے جس نے تمام دنیا کو بھرا ہوا ہے اور اس میں آپ کی ذات کریمہ کی شکلیں دکھائی دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو ایک شخص مشرق میں اور ایک مغرب میں اور ایک جنوب میں اور ایک شمال میں اور اسی طرح لاتعداد لوگ ایک ہی آن میں مختلف مقامات میں دیکھ لیتے ہیں اور ان میں ہر ایک آپ کو اپنے پاس دیکھتا ہے کیونکہ وہ نور کریم جس میں آپ کی ذات کی تصویر آتی ہے، ہر ایک کے پاس موجود ہوتا ہے اور صاحبِ فتح جب آپ کی صورت دیکھتا ہے جو اس کے پاس ہوتی ہے تو اپنی باطنی بصیرت سے اس کا پیچھا کرتا ہے اور اس بصیرت کے نور سے چیز تاہر آپ کی ذات کریمہ تک جا پہنچتا ہے۔ بعض اوقات یہ غیر صاحبِ فتح کے لیے بھی واقع ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے آپ کی ذات کریمہ دکھا دیتا ہے اور یہ اس طرح کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شخص کا کمالِ محبت اور کمالِ صدق معلوم ہوتا تو آپ بنفسِ نفیس اس کے پاس تشریف لے آتے۔ لہذا اس بات کا مدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے جسے چاہیں اپنی ذات کریمہ دکھا دیں اور جسے چاہیں اپنی صورت دکھا دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صورتوں میں بھی ظاہر ہوتے ہیں اور

بزرگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے متعلق بھی کئی کہیں ہیں چنانچہ شیخ یوسف بن یعقوب غزالی شیخ الحرم البغوی نے تَبْسِیْہُ الْغُبَیِّ فی رُؤْیَۃِ النَّبِیِّ کہیں اور شیخ جمال الدین بن علی بطلانی نے غَایَۃُ الْإِسْلَام فی رُؤْیَۃِ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَام کہیں۔ (کشف الظنون: ۲: ۱۴۸) اور شیخ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد الامان البیہی نے تَحْفَۃُ الطُّلَابِ (الطَّالِبِ) الْمُسْتَعَامِ فی رُؤْیَۃِ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَام کہیں (کشف الظنون: ۱: ۲۰۳)

ان صورتوں کی تعداد اسی قدر ہے جس قدر انبیاء اور مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعداد تھی۔ اور ان صورتوں میں بھی جو آپ کے زمانہ سے یکسر قیامت تک آپ کی امت کے اولیاء کی ہوں گی۔ صحیح بات یہ ہے کہ مذکورہ بارصور کی تعداد معلوم نہیں ہے بعض کا خیال ہے کہ ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے لہذا جن صورتوں میں آپ ظاہر ہوتے ہیں ان کی تعداد بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوئی۔ اسی قدر تعداد آپ کی امت کے اولیاء کی ہے لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور دو لاکھ اڑتالیس ہزار صورتوں میں ہوا۔ کیونکہ یہ سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے فیضیاب ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض مرید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شیخ کی شکل میں دیکھتے ہیں۔ (موتلف کتاب ہے کہ) میں نے ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شیخ کی شکل میں دیکھا اور میں نے آپ کو بغل میں لے لیا اور چاہا کہ آپ کو اپنے باطن میں لے لوں اس پر مجھے حضرت نے فرمایا کہ یہ بات ایک ہی بار نہ ہو سکے گی بلکہ بتدریج تھوڑا تھوڑا کر کے ہوگی اس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ دیکھنے والے کے باطن میں آنحضرت کا داخل ہونا بتدریج ہو سکتا ہے۔ میں نے یہ الفاظ شیخ کی طرف اسی لیے منسوب کیے ہیں (کیونکہ انھوں نے دراصل تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا) کیونکہ انھوں نے ایک اور پہلو سے بات کی تھی اور جس ذات کو میں نے بغل میں لیا تھا، میں نے صرف تبسم فرمایا تھا اور مجھ سے خوشی کا اظہار کیا تھا۔

یہ بات میرے دل میں کھلتی رہی ہے۔ واللہ اعلم

خواب کی دوسری قسم | اس قسم کے خواب کی دوسری قسم وہ ہے جس میں تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے اور یہاں تعبیر غلطی کے درجات کی بنا پر ہوتی ہے۔ خواب کی تاویل کی بنا پر نہیں، کیونکہ دراصل تو اس میں کوئی تاویل ہی نہیں سکتی اس لیے کہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو درحقیقت اس نے آپ ہی کو دیکھا۔

اب ہم غلطی کے ان درجات کا ذکر کرتے ہیں جو ان خوابوں میں واقع ہوتے ہیں لہذا اگر کوئی آپ کو یوں دیکھے کہ آپ اُسے دنیا کی ترغیب دے رہے ہیں تو اس کی ذات کی غلطی پہلے درجے کی ہے یعنی اس میں سو کر وہ پایا جاتا ہے اس خواب میں غلطی اس لیے پائی گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تو حق تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرنا ہے نہ کہ دنیا کے فانی کی طرف۔

اگر کوئی یوں دیکھے کہ آپ نے اسے مال دیا ہے تو اس کی غلطی دوسرے درجے کی ہوگی یعنی سو حرام کی۔ یہاں غلطی تو یہی اس لیے ہوئی کہ آپ نے فانی چیز عطا کی اور دوسرے کو اس کا جو قابض ٹھہرایا

تو اس کی ولایت ترغیب دلانے کے مقابلے میں زیادہ دوسری تھی۔

اور اگر کوئی آپ کو نوجوان اور چھوٹی عمر کی حالت میں دیکھے تو اس کی ظلمت چوتھے درجے کی ہوگی اور یہ عمدہ حرام ہے۔

اور اگر کوئی آپ کو بڑی عمر کا مگر بغیر داڑھی کے دیکھے تو اس کی ظلمت پانچویں درجے کی ہوگی عقیدہ خفیفہ میں جل بسیط کی۔

اور اگر کوئی آپ کو سیاہ رنگ والا دیکھے تو اس کی ظلمت چھٹے درجے کی ہوگی یعنی عقیدہ خفیفہ میں جل مرکب کی۔

خدا تمہیں توفیق دے۔ یاد رکھو کہ خواب کے متعلق تمام تحقیقات اور اس کے عجائبات کی تحقیق علم تعبیر کے جاننے پر موقوف ہے اور علم تعبیر ایک وہی اور مستور علم ہے یعنی

تعبیرِ رؤیا ایک وہی علم ہے جو کسب سے حاصل نہیں ہو سکتا

اس کا چھپانا واجب ہے۔

میں کئی سال سے حضرت سے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھتا تو آپ ہمیشہ یہی فرماتے کہ تو جو کچھ چاہے پوچھ میں جو کچھ جانتا ہوں تجھے بتا دوں گا، لیکن خواب کے متعلق سوال نہ کر کیونکہ یہ اُن اشیاء میں سے ہے جن کا چھپانا واجب ہے۔ کئی بار آپ سے درخواست کی اور کئی بار یہی سوال دہرایا مگر آپ وہی ایک جواب دیتے یہاں تک کہ اللہ کی عنایت سے انھوں نے چند سوالوں کے جواب دیے اور میں نے انہیں ضبط تحریر کر لیا اور یہ وہی خواب ہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ آپ نے ان مسائل پر بادل ناخواستہ بحث کی اور فرمایا کہ جو کچھ تو پوچھ رہا ہے ان کی صحیح تحقیق کا مدار علم کے جاننے پر ہے اور یہ سیکھنے اور پڑھنے سے نہیں آتا کیونکہ اس میں دیکھنے والے کے خارجی احوال کا جاننا بھی ضروری ہوتا ہے کہ آیا وہ شہری ہے یا گاؤں کا رہنے والا اور اہل علم میں سے ہے یا عوام میں سے۔ نیز یہ کہ اس کا پیشہ کیا ہے آیا سبزی فروش ہے یا تاجر ہے یا کاریگر اور کیا وہ مال دار ہے یا تنگ دست وغیرہ وغیرہ اور پھر اس کے بالہی حالات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ آیا روح نے ذات کو اپنے تمام اجزاء عطا کر دیے ہیں جن کی تعداد تین سو چھیاسٹھ ہے یا کچھ اجزاء دیے ہیں اور کچھ نہیں دیے۔ مزید برآں عطا کردہ اجزاء کم ہیں یا زیادہ اور ذات میں برزخ کس طرح رکھا گیا ہے اور خواب دیکھنے والے کے افکار و تخیلات کس امر میں ڈوبے رہتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ بیان تک کہ اگر ہم فرض کریں کہ علم تعبیر کے ماہر کے پاس ایک سو آدمی آئیں اور ہر ایک یہی کہے کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں شہد پلا رہا ہوں تو وہ ماہر ہر ایک کو جدا تعبیر دے گا جو

ایک دوسرے سے میل نہ کھائے گی۔ اس کا سبب یہی ہے کہ تعبیر عیسا کو ذکر کیا جا چکا ہے ظاہری اور باطنی حالات پر موقوف ہے اور ان میں دو شخص بھی ایک جیسے حالات واسے نہ لکھیں گے۔ تفسیرے کا تو ذکر ہی کیا حالات معلوم ہونے سے یہی نامذہ ہے۔ والسلام۔

حدیثُ الْإِحْسَانِ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ (احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے جیسے کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہوتا ہے) (مشکوٰۃ کتاب الایمان ص ۱۱)

حدیث کی تشریح | حضرت نے اس حدیث کی تشریح ایک مثال دیکر بیان کی کہ فرض کرو ایک شخص ایک کھلے میدان میں آتا ہے جہاں اسے کوئی شخص بھی دکھائی نہ دیتا ہو اور وہ کسی سنی کو جو وہاں موجود نہیں، پکار رہا ہو کہ اے میرے آقا مجھے نلاں چیز دے۔ مجھ سے یوں برتاؤ کر۔ مجھے نلاں چیز درکار ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو اسے کھیل اور مذاق کرنے والا سمجھا جائے گا نہ کہ سائل اور جو بھی اسے دیکھ گا اس کا مذاق اڑائے گا اور ہنسے گا اور اگر اس کا یہ خیال ہو کہ کھیل کر لینا ہی درخواست کرنا ہے اور یہ خیال کرنا کہ وہ اس مالدار کے دروازے پر کھڑا ہے تو یہ بھی وبال کا سبب اور گمراہی پر گمراہی ہوگی۔ پھر فرمایا کہ اگر اس غنی کے سامنے کھڑے ہو کر زبان بے درخواست کرے تو اس وقت نہ صرف زبان سے درخواست کرے گا بلکہ اس کا بدن بھی جھک جائے گا اور اس کے اعضاء میں بھی عاجزی پائی جائے گی۔ اور جہاں تک جو اسکے کا عاجزی کرنے میں زمین بوسی تک کر جائے گا اور ہر طرح سے اپنے اعضاء کے زیر سے عاجزی کا اظہار کرے گا۔ تب جا کر وہ غنی اس کی طرف بنظر رحمت دیکھے گا اور اس کی درخواست منظور کرے گا۔ خیال کرنے والا یہی خیال کر لیا کہ غنی نے اسے جو کچھ دیا ہے اس کے زبانی سوال کی وجہ سے دیا ہے حالانکہ اس نے جو کچھ بھی دیا ہے اسے اس باطنی خشوع و خضوع کی وجہ سے دیا ہے جو اس کے تمام اعضاء میں ظاہر ہوا تھا اور یہ ناممکن ہے کہ اس وقت اس کے باطن میں اس غنی کے علاوہ کسی اور کا دھیان جاگزیں ہو۔

حضرت نے فرمایا پس اس مثال میں دیے ہوئے مفہوم اور دونوں حالتوں کے فرق کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اشارہ فرمایا کہ اَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ (کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے) یعنی جس نے اللہ کے سامنے حضور کی صورت میں اللہ کی عبادت کی تو اس نے اچھی طرح عبادت کی اور جس نے ایسا نہ کیا یعنی عبادت کو غفلت سے ادا کیا تو اس کی عبادت

اچھی نہ ہوگی اور حضور اور غفلت کی عبادت کی پہچان اس طرح ہے کہ عبادت کے وقت عبادت گزار کے باطن کی طرف نظر جائے، اگر اس کے باطن کو دُنیوی امور اور بان دُنیوی حاجات نے مشغول کر رکھا ہو جو اللہ سے غافل کر دیتے ہیں تو اس کی مثال پہلے شخص کی سی ہے، لیکن اگر اس کا باطن ماسوی اللہ سے خالی ہو اور کئی طور پر اللہ کی طرف متوجہ ہو تو ایسی حالت والا انسان دوسری قسم کے شخص کی طرح ہوگا۔

سوال میں نے عرض کیا کہ مسلم اور بنماری کی حدیثوں میں تھوڑا سا اختلاف ہے کیونکہ بنماری نے پہلے ایمان کا ذکر کیا ہے اور پھر اسلام کا اور تیسرے درجے پر احسان کا اور مسلم نے پہلے اسلام کا ذکر کیا ہے، پھر ایمان کا اور تیسرے درجے پر احسان کا۔

جواب حضرت نے فرمایا میرے نزدیک جو بنماری نے ذکر کیا ہے وہی بہتر ہے کیونکہ اسلام تو ایمان کے لیے بمنزلہ لباس کے ہے لہذا ایمان پہلے آئے گا اور بعد میں اسلام۔

سوال میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَسْتُ نَبِيًّا وَلَا تَكُنْ قَوْلُوا اسْلَمْنَا وَكَلَّمَكَ اللَّهُ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ دوسرا جہات آیت (۱۳) (بدوئی لوگ کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے۔ آپ انہیں کہہ دیں تم ایمان نہیں لاتے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے کیونکہ ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا) اسلام ایمان پر مقدم ہے۔

جواب حضرت نے فرمایا ہم اس حقیقی اسلام کی بات کر رہے ہیں جس کا ذکر جبریل وال حدیث میں آیا ہے کہ وہ گویا ایمان کا لباس ہے اور شیخین (مسلم اور بنماری) کا اختلاف بھی اسی کے

متعلق ہے، لیکن جو شخص محض زبانی اور ظاہر سے اسلام لایا ہو وہ تو نہایت ہی کھوکھلا اسلام ہے، ایسے اسلام لانے والے کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں۔ اس کی مثال اس شخص کی ہے جو لوگوں کو بندوبست چلاتا اور گولیاں برساتا دیکھے اور دیکھے کہ وہ بندوتوں کو نشانہ لگانے کے لیے گاڑ رہے ہیں اور آنکھوں کی سیڑھ لگا رہے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ وہ کس طرح گول چلاتی ہیں اور کیا ان کی گول بھی نشانے پر گئے گی یا نہیں۔ اس پر یہ دیکھنے والا اگر ان ہی کی نقل اتارنے لگے اور ایک ہاتھ پھیلاتے اور دوسرے کو سمیٹے اور اسے بندوق کے قائم مقام سمجھے پھر آنکھ کو کمان کی طرح بنائے اور دیکھے کہ آیا اس کا نشانہ ٹھیک لگے گا یا نہیں لہذا جب ان لوگوں کی بندوبستیں چلیں گی تو اس کی بندوق (جو اس نے ہاتھوں سے بنائی تھی) نہ چلے گی کیونکہ درحقیقت تو اس کے پاس کوئی بندوق نہیں ہے یہی حال اس شخص کا ہے جو محض زبان سے اسلام لایا ہو۔ لہذا جب وہ نماز پڑھتا ہے تو اس کا باطن کہتا ہے کہ

تیری نماز نہیں ہوئی۔ روزہ رکھتا ہے تب بھی اس کا باطن کتنا ہے کثیر کوئی روزہ نہیں اسی طرح زکوٰۃ، حج، جہاد وغیرہ سب کچھ بھی کر جائے مگر اس کا باطن یہی شہادت دے رہا ہو تا ہے کہ جو کچھ بھی تو نے کیا محض ظاہری طور پر کیا ہے لہذا اس کے ظاہر و باطن میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے اور جیسے وہ نقال سمجھتا ہے کہ اس کے پاس درحقیقت کوئی بندوبست نہیں اور وہ محض ایک کھیل کر رہا ہے، یہی حال منافقوں کا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس اسلام ہے مگر درحقیقت ان کے پاس اسلام کی کوئی بات نہیں۔

(میں کہتا ہوں) حضرت نے بالکل صحیح فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کا یہی حال بیان فرمایا ہے
وَإِذَا أَخْلَوْا إِلَىٰ شَيْءٍ طِينِهِمْ قَالُوا إِنَّمَا مَعَنَا ذَنْبُنَا مَنَعَنَا عَنْ تَسْتَغْفِرُونَ (جب وہ اپنے شیطان دوستوں اور ہم مذہبوں کے پاس علیحدگی میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو ان سے محض مذاق کر رہے ہیں) (سورۃ بقرہ آیت ۱۴۲) اس مثال سے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بُرے ارادوں اور غیبتِ باطن کو فاش کر کے انہیں انتہا درجے کا رسوا کر دیا۔ اس مثال کو سننے سے پہلے میں خیال کیا کرتا تھا کہ ان کی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ قلب اور باطن سے ہے مگر انہیں انکے کفر کی وجہ سے قبول نہیں کیا گیا، لیکن یہ مثال سن کر ان کا معاملہ میرے لیے بھی کھل گیا اور واضح ہو گیا کہ انہیں تمام کافروں سے بڑھ کر عیبیت کیوں کہا جاتا ہے۔

سوال میں نے حضرت سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا جسے مطلب بن حنبل نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنی اُمت کے گناہوں کی طرف دیکھا تو مجھے کوئی گناہ اس قدر عظیم نظر نہ آیا جس قدر کہ یہ گناہ ہے کہ ایک آدمی کو قرآن مجید کی ایک آیت دی گئی ہو اور وہ اسے بھلا بیٹھے اور میں نے عرض کیا کہ امام ترمذی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث منقول ہے کیونکہ مطلب بن حنبل نے یہ حدیث انس بن مالک سے

۱۔ حدیث منقول؛ یا منقول وہ حدیث ہوتی ہے جس کے اسناد میں ایسے ذہین علما، اسباب ہائے باطنی جو حدیث کی صحت کے متعلق ہوں اور انہیں سوائے اہل بیت حدیث کے دوسرے شخص نہ سمجھ سکے مثلاً مہمل حدیث میں ارسال کرنا یا مرفوع حدیث میں وقف لانا۔ (مقدمہ اسطلاحات حدیث مشکوٰۃ)

۲۔ مطلب بن عبد اللہ بن حنبل الخزومی المدنی: ابو زرہ اور دارقطنی نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے مگر انہیں محدث بھی کہ ان کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

۳۔ انس بن مالک: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ہے انہوں نے اس مالِ آپ کی خدمت کی سب سے زیادہ بات کہی ہوئی۔

نہیں سنی لہذا یہ حدیث مطلب اور انس کے درمیان سے منقطع ٹھہری۔ امام احمد بن حنبل سے بھی یہی مروی ہے۔ ترمذی، بخاری اور امام احمد بن حنبل ان تینوں نے مذکورہ بالا انقطاع کی وجہ سے اسے معطل کہا ہے اس قول کو امام ابو محمد عبدالحق الاشبیلی نے الاحکام الکبریٰ میں اور عافذا بن حجر نے شرح بخاری میں اور شیخ عبدالحق الدہلوی نے شرح جامع الصغیر میں نقل کیا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ حدیث تو صحیح ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اس میں موجود ہے۔
جواب مگر یہ حدیث ان لوگوں کے بارے میں نہیں جنہوں نے ایک آیت حفظ کی اور پھر اسے بھول

۱۔ ابو محمد عبدالحق اشبیلی: ابو محمد عبدالحق بن عبد الرحمن الازدی الاشبیلی۔ ان کی وفات ۴۰۲ھ و ۴۸۶ھ میں ہوئی ان کی کتاب احکام الکبریٰ فی الحدیث تین جلدوں میں ضخیم کتاب ہے۔ یہ کتب اساتذہ کا انتخاب ہے۔
 ۲۔ شیخ عبدالرفق الدادی شمس الدین محمد عبدالرفق الدادی الشافعی متوفی ۷۸۵ھ و ۷۹۲ھ تقریباً انھوں نے سیوطی کی جامع الصغیر کے پہلے مختصر شرح کی، پھر ایک ضخیم شرح کی جس کا نام فیض التذکرہ رکھا۔ ان کی متعدد تصانیف کا مابھی حلیف نے تذکرہ کیا ہے ایک کتاب الکواکب المذیبة فی مناقب المصوفہ بھی لکھی ہے (کشف الظنون: ۲: ۱۹۷)۔

۳۔ ہو سکتا ہے کہ حدیث کا مطلب وہی ہو جو حضرت عبدالعزیز ذابرحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، مگر جو بات کو ظاہر حدیث سے متبادر ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ قرآن کی ایک آیت کا بھی بھول جانا بہت بڑا گناہ ہے لہذا سوچیں کہ اسلام کا ابتدائی زمانہ ہو جبکہ ایک ایک آیت کی حفاظت نہایت اہمیت رکھتی ہو، کیونکہ ایک آیت کا کھو جانا گویا تمام قرآن کا کھو جانا سمجھا جاتا ہو اس وقت قرآن کی ایک آیت کا بھی بھولنا واقعی بہت بڑا جرم کیوں نہ ہوتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی حفاظت میں شدت سے اہتمام کرتے اور اگرچہ آپ کے سینے میں وہی محفوظ ہوتی تھی مگر پھر بھی وہی کو ضبط تحریر کر لیتے تاکہ قرآن میں کسی قسم کا نقص پیدا نہ ہو۔ ابتدا میں حفاظ قرآن کے تعداد بہت کم تھی کسی کو ایک سورت یاد تھی، کسی کو دو اور کسی کو صرف چند آیتیں۔ لہذا اس زمانہ میں جب حفاظت قرآن کا دار و مدار صرف حافظ پر تھا، آیت کا بھول جانا یقیناً بہت بڑا گناہ ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفاظت قرآن کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ بہت حدیث تک منع فرمادی تھی۔ حالانکہ حدیث نبوی بھی وحی میں شامل ہے مگر اس کا درجہ قرآن کے بعد آتا ہے۔

بندہ فقیر کی یہ رائے ہے کہ احادیث نبویہ پر غور کیا جاسے تو ہم دیکھیں گے کہ ان میں ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے معنی ملا رہتے ہیں اور اولیٰ اور افضل میں ہوتا ہے کہ ظاہری الفاظ اور باطنی معنی دونوں پر عمل کیا جاسے مثال کے (بقیہ ماشیہ اگلے صفحہ پر)

گئے ہوں یعنی اس کے لفظ بھول گئے ہوں خواہ اس آیت پر ردہ عمل کرنے والا ہو۔ یہ حدیث تو صرف ان لوگوں کے متعلق ہے جن کے پاس قرآن پہنچا مگر انھوں نے بے رخی برقی اور اپنے آپ کو اس کے نور سے محروم رکھا اور اس نور کے بدلے میں ظلمت کو اختیار کیا اس طرح کہ اس نے جس اسرحتی کا قرآن میں ذکر ہے اُسے چھوڑ کر گمراہی کی تابعداری کی حالانکہ گمراہی وہ ظلمت ہے جو بندے کو دنیا اور آخرت میں اللہ سے دور کرنے والی چیز ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے منافقین کا حال تھا۔ پس یہ حدیث انہی کے بارہ میں وارد ہوئی، انہی پر پوری اترتی ہے اور اس کا اشارہ بھی انہی کی طرف ہے کیونکہ بظاہر تو ان کا شمار اُمتِ اجابت میں ہے جو خاص اُمتِ خیال کی جاتی ہے اور اس اُمت میں منافقت اور باطنی کفر سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔

میں نے عرض کیا جس نور قرآن کی طرف آپ کا اشارہ ہے وہ کونسا نور ہے؟
فرمایا: قرآن میں تین قسم کے نور ہیں۔ پہلا اللہ کی طرف ہدایت کا نور۔ دوسرا احکام کی تعمیل کا نور اور تیسرا نواہی سے پرہیز کرنے کا نور۔ لہذا جو شخص اپنی ذات میں ان تینوں نوروں کو داخل نہ ہونے دے، حالانکہ وہ انہیں سن رہا ہے تو اس حدیث سے وہی شخص مراد ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ آیت صادق آتی ہے نفعی آیت پر بھی جس کے ساتھ حفظ اور تلاوت کا تعلق ہے اور معنی پر بھی جس کا تعلق عمل اور اطاعت کے ساتھ ہے اور اسی دوسری قسم میں تین نور ہوتے ہیں اور حدیث مذکورہ میں سب تینوں نور مراد ہیں۔

پھر فرمایا کہ ایک آیت اللہ کی طرف سے مومن کے پاس ایک دستاویز ہے جس میں اس کا حق لکھا ہوتا ہے اور حق والا اپنی دستاویز کو ضائع نہیں کیا کرتا اور اگر وہ اسے کھو لے یا کوتاہی کرے تو اس کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

طور پر فضل الازاد فی الشارح کی حدیث میں ظاہری معنوں کی اتباع بھی ضروری ہے یعنی یہ کہ شواہد وغیرہ ثمنوں سے نیچے نہ ہو اور باطنی معنی بھی یعنی مجزوغیرہ سے اجتناب ہو۔ میں نے یہاں صرف اشارے ہی سے کام لیا ہے وہی سمجھتے ہیں کہ ترمذی نے اس حدیث کے متعلق محمد بن اسماعیل سے بات کی تو انہیں اس حدیث کا پتہ نہ تھا اور فرمایا کہ مطلب نے انس بن مالک سے حدیث نہیں سنی۔ پھر ان سے روایت کیسی؟ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲: ۹۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے منافقین میں دونوں باتیں پائی جاتی تھیں۔ نہ تو وہ آیت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھنے کے بعد یاد رکھتے اور نہ ہی اس پر عمل کرتے۔ اس لیے حدیث کے ظاہری الفاظ سے گریز نہیں ہو سکتا۔

حق ضائع ہو جائیگا اسی طرح ایت میں مومن کا حق ہے لہذا اگر ایت کو محفوظ رکھا اور اس کے حکم پر عمل کیا تو اللہ کے ہاں اس کا حق ثابت ہوا اور جنت میں داخل ہونے کا حق دار ٹھہرا لیکن اگر اس پر عمل کرنے میں کوتاہی کرے اور اس سے ہنسی یا تحقیر طریقے میں بے رحمی برتے تو وہ بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہو گا جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۔ سوال | میں نے حضرت سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا کہ جنت اور دوزخ کی آپس میں بحث ہوگئی تو دوزخ نے کہا مجھے تو منکبر لوگوں پر مامور کیا گیا ہے جنت نے کہا کیا بات ہے کو مجھ میں کمزور اور ادنیٰ درجے کے لوگوں کے سوا کوئی اور داخل نہ ہو گا۔

میں نے عرض کیا کہ جنت نے تو گویا دوزخ کے غالب ہونے کا اعتراف کر لیا۔ کیونکہ وہ تو منکبرین سے مخصوص ہے اور جنت میں صرف کمزور لوگ داخل ہوں گے۔

جواب | حضرت نے فرمایا کہ آخرت میں مکان کینوں کے حال کا تابع ہوگا۔ اگر کینیں منکبر اور مغرور ہوں گے تو ان کے بھی کچھ اوصاف مسکن میں سرایت کر جائیں گے اور اگر سائین متواضع اور منکسر المزاج ہوں گے تو ان کے بھی کچھ اوصاف مسکن میں سرایت کر جائیں گے اور ظاہر ہے کہ منکبر اور جابر لوگ جہنم میں جائیں گے اور متواضع اور منکسر المزاج لوگ جنتی ہوں گے لہذا دوزخ پر اس کے کینوں کے اوصاف ظاہر ہوئے اور جنت پر اس کے کینوں کیے۔ پس بظاہر تو بحث اور تکرار جنت اور دوزخ کے درمیان ہوئی مگر مقصد اصل دوزخیوں اور جنتیوں کے باطن کا اظہار ہے اسی لیے دوزخ نے اپنی دلیل میں اس چیز کا ذکر کیا جس میں غرور اور گھنڈ پایا جاتا ہے اور جنت نے اپنی دلیل میں اس چیز کا ذکر کیا جس میں تواضع اور عاجزی پائی جاتی ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ اس بحث میں جنت دوزخ پر غالب آئی کیونکہ اس کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جنت نے کہا کہ اللہ کے سامنے تواضع کرنے والے عاجزی کرنے والے اور اللہ کو پہچاننے والے مجھ میں داخل ہوں گے اور دوزخ نے کہا مجھ میں صرف منکبر جابر اور وہ لوگ داخل ہوں گے جنہیں اپنے غلب کا علم نہیں اور جنہیں اللہ کی بارگاہ اور استائے رحمت سے نکال دیا گیا ہے مختصر یہ کہ گویا جنت نے کہا کہ مجھ میں صرف اللہ کے حبیب داخل ہوں گے اور گویا کہ دوزخ نے یوں کہا کہ مجھ میں صرف خدا کے دشمن داخل ہوں گے۔

میں نے عرض کیا کہ یہ تو نہایت عمدہ جواب ہے اور اسی سے مذکورہ بالا اشکال رفع ہو جاتا ہے نیز ایک اور اشکال بھی رفع ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جنت نے یہ کیوں نہیں کہا اللہ کے انبیاء رسول، مہمک اور اللہ کے مومنین بندے مجھ میں داخل ہوں گے تاکہ دوزخ کے خلاف اس کے پاس یہ

ایک بھاری حجت ہوتی۔ اُسے کیا ہو گیا کہ اس نے اپنے آپ کو شکست خوردہ ظاہر کیا اور یوں کہا کہ کیا بات ہے کہ مجھ میں صرف کمزور اور ادنیٰ لوگ ہی داخل ہوں گے اور اس نے انبیاء و رسل علیہ السلام کا جو سب سے اشراف اور افضل ہیں ذکر نہیں کیا کیونکہ دراصل اس کا مقصد یہی تھا۔ یوں سمجھ کر اس نے یہ الفاظ درحقیقت بولے ہیں مگر مذکورہ بالا صورت میں جو کلام اس نے کیا ہے وہ محض اس توابع اور انکساری کے اظہار کے لیے کی ہے جو اہل جنت کے دلوں میں پایا جاتا ہے چنانچہ ہر منتہی اللہ کی مخلوقات میں سے کسی کو اپنے سے زیادہ محتاج خیال نہیں کرنا۔ اسی لیے وہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ کمزور اور اللہ کے محتاج سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۱۔ سوال

میں نے حضرت سے اس حدیث کی نسبت پوچھا کہ نزول وحی کے ابتدائی زمانے میں جب جبریل کچھ مدت وحی لے کر نہ آتے تو آپ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو پھینک دینے کا ارادہ کرتے اور یہ جبریل علیہ السلام کی ملاقات کے شوق میں کرتے اس پر جبریل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور کہتے آپ رب العالمین کے رسول ہیں: اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین ہوتی۔

جواب

حضرت نے فرمایا ایک شخص کو میں جانتا ہوں کہ اس نے ابتدائے سلوک میں ایک دن کے اندر نوے مرتبہ گھر کی چھت سے اپنے آپ کو نیچے پھینکا مگر اس سے اسے کوئی تکلیف نہ پہنچی اور ایسا ہوتا تھا جیسے کوئی اپنے بستر پر لیٹ رہا ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدائی حالتوں میں روح کو ذات پر غلبہ ہوتا ہے اور تمام کائنات روح کے لیے یکساں ہوتی ہے۔ چنانچہ روح ہوا پر اسی طرح چار زانو بیٹھ جاتی ہے جس طرح کہ زمین پر اور ہوا میں اسی طرح لیٹ جاتی ہے جس طرح کہ ایک آدمی اپنے بستر پر لیٹ جاتا ہے اور اس کے نزدیک بے ضرر ہونے میں پتھر، ریشم، اُون اور پانی سب برابر ہیں۔ لہذا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا بھی دیتے تو اس میں انہیں ذرہ برابر تکلیف نہ ہوتی چوبانگہ ہلاکت۔ لہذا اس کے عزم کرنے میں آپ پر کوئی نقص لازم نہیں آتا۔

(مؤلف کتاب کہتا ہے کہ ہم اہل حال لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ جب ان پر حالت وجد طاری ہوتی ہے تو پورے زور سے اپنا سر دیوار سے مارتے ہیں اور انہیں خراش تک نہیں آتی۔ سبحان اللہ حضرت نے کیسے کیسے معارف و نکات بیان کر دیے ہیں۔)

(مؤلف کتاب کہتا ہے) حضرت نے جس شخص کا ذکر کیا ہے کہ اس نے نوے بار اپنے آپ کو پھینکا

وہ خود حضرت ممدوح ہی تھے۔ میں نے حضرت ہی کی زبانی یہ بات سنی تھی جس وقت آپ اس سوال کا جواب دے رہے تھے۔

حضرت نے فرمایا کہ ان لوگوں کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو گرانے سے انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ اس سے ان کا اضطراب رنج ہوتا ہے، صرف طبیعت کے تقاضے اور عادت کے مطابق وہ یہ کام کر جاتے ہیں جس طرح کہ ایک شخص زمین میں کھونٹا گاڑتے وقت مدد کی خاطر آواز سے مدد دیتا ہے جو آہ کی سی ہوتی ہے، حالانکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اسے کچھ فائدہ نہ ہوگا مگر طبیعت کے تقاضے کے مطابق یہ کر جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲۔ سوال میں نے حضرت سے اس حدیث کا مطلب پوچھا کہ محشر میں اللہ تعالیٰ مومنین کے سامنے ایسی صورت میں آئیں گے جسے وہ نہیں پہچانتے ہوں گے تو وہ اس سے پناہ چاہیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو یہیں کھڑے رہیں گے جب تک ہمارا رب نہ آئے گا اور وہ جب آئے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے۔ پھر حق تعالیٰ ایسی صورت میں آئیں گے کہ وہ اسے پہچان لیں گے اور فوراً سجدے میں گر جائیں گے۔

اس پہلی اور دوسری صورت سے کیا مراد ہے کیونکہ ابن العربی التلمیذی اس رسلے میں جو انھوں نے فخر الدینؒ کو لکھا تھا فرماتے ہیں کہ اس معاملے کو ادیار اللہ کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

جواب حضرت نے فرمایا کہ صورت سے مراد حالت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی دو حالتیں ہیں ایک حالت ہے ابن العربی : ان کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو دیباچہ کتاب ہذا۔

۲۔ فخر الدین : بیان مراد فخر الدین وازی سے ہے جن کی ذرات مشاہدہ و غیبیہ میں ہوتی، مشہور مفتر اور فلسفی گورے ہیں۔ یہ طویل رسالہ جو جمعی الدین ابن العربی نے فخر الدین وازی کو لکھا تھا اس کا ذکر امام عبدالباق شعال نے نواح الانوار جلد ۱ ص ۱۸ پر کیا ہے۔ کشف النون میں بھی اس کا ذکر ہے۔

۳۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کی شان الوہیت ہر لحظہ بدلتی رہتی ہے۔ کبھی قہاری شان ہے اور کبھی رحمانی، جیسا کہ فرمایا کَلَّ يَوْمَ هَوَّيْنَا شَانَ مَكْرِيَامَتِ كَے دن یہ شان الوہیت نمایاں طور پر ظاہر ہوگی۔ چنانچہ اس دن مختلف احوال و اطوار ہوں گے قہاری کی شان کا جب مظاہرہ ہوگا تو لوگ تھرا اٹھیں گے لیکن ابراہیم پر اس سے کوئی خوف و ہراس ظاہر نہ ہوگا۔ وہ صرف اپنے رب سے جسے وہ غفور و رحیم کے طور پر جانتے رہے ہیں پناہ کے طالب ہوں گے، تاکہ وہ انہیں اس ہول سے نجات دلائے، جیسا کہ دعائیں آیا ہے کہ لَا مَلْجَأَ إِلَّا بِكَ دُعَايَا! تیرے سوا نہ تو کوئی جانتے پناہ ہے اور نہ کہیں اور جاگ کر جاسکتے ہیں، اس کے بعد شان رحیمی کا اظہار ہوگا جو مومنین کے لیے مخصوص ہوگا اور وہ اس سے مطمئن ہو جائیں گے۔

میں یعنی پہلی حالت میں موسیٰ اسے پہچان نہ سکیں گے اور دوسری حالت میں موسیٰ اسے پہچان سکیں گے کیونکہ جب کوئی اپنے درست سے مخاطب ہوتا ہے تو اُس کے کلام کے ساتھ اس قسم کا کوئی نور نہیں نکلتا بلکہ وہ مہربانی وغیرہ سے عاری ہوتا ہے اور یہ ایک عام بات ہے جسے ہر شخص جانتا ہے۔ کیونکہ جب دوست دوست سے کلام کرتا ہے تو تو دیکھے گا کہ وہ اس سے نرمی سے پیش آئے گا اور اس کا لہجہ مہربانی اور پیار کا لہجہ ہوگا اور اس سے ہر طرح کی سترت کا اظہار کرے گا اور جب دشمن سے ہم کلام ہوگا تو اس کے کلام میں انقباض اور ترشروی ہوگی جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب سمجھو کہ پہلی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ساری اُمت کو خطاب کیا جس میں اس کے دوست یعنی موسیٰ اور دشمن یعنی منافقین سب شامل تھے۔ اس لیے اس حالت میں وہ انوار نہ نکلتے جن کو موسیٰ اپنے رب کے کلام میں پایا کرتے تھے اور چونکہ یہ انوار ان کی ذات اور روح میں پائے جاتے تھے اور دنیا ہی میں اللہ نے یہ انوار ان کو عطا فرماتے تھے، اس لیے وہ انہیں پہچانتے تھے، اس لیے جب انہوں نے پہلی صورت میں خطاب سنا تو انہوں نے اللہ سے پناہ طلب کی اور کہا کہ یہ تو ہمارا رب نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے اور ہمارے رب کے درمیان تو ایک خاص علامت ہے اور یہ علامت وہی انوار ہیں جو اس کے خطاب میں پائے جاتے ہیں۔ جب ان کی زبان سے اس قسم کے الفاظ نکلیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ صرف مومنین سے خاص طور پر مخاطب ہوں گے اور اس خطاب کے ساتھ وہ سابقہ انوار جن سے وہ مانوس تھے پلٹے جاتیں گے۔ لہذا جب یہ انوار ان پر برسیں گے اور انہیں ان کا علم ہو جائیگا تو ان کو یقین ہو جائے گا کہ یہ حق سبحانہ و تعالیٰ ہی کا جلوہ ہے تو وہ سجدے میں گر پڑیں گے اور یہ دوسری حالت وہی حالت ہوگی جس سے وہ پہلے سے مانوس ہوں گے، پہلی صورت میں چونکہ خطاب سب کو کیا گیا تھا جس میں دشمن بھی شامل ہیں، اس لیے اس میں انوار کا نزول نہیں ہوا، مگر دوسری صورت میں دشمنوں پر پردہ ڈال دیا گیا اور صرف دوستوں سے خطاب ہوا لہذا اس خطاب کے ساتھ وہ انوار نکلتے جن کا مشاہدہ وہ اپنی ذات میں کیا کرتے تھے اور جس کے اصرار اپنے ظاہر و باطن میں وہ دیکھا کرتے تھے۔

میں نے عرض کیا کہ ان مومنین سے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو پہلی حالت میں نہیں پہچانا کون لوگ مراد ہیں؟ کیا تمام مومنین (جن میں خواص بھی شامل ہیں) یا محض عوام؟

حضرت نے فرمایا ان سے صرف عوام مراد ہیں۔ کیونکہ خواص تو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں پھر میں نے عرض کیا کہ کیا پہلا خطاب سب مومنین کے لیے ہوگا یا محض عوام کے لیے فرمایا صرف عوام کے لیے ہوگا۔ قیامت کے دن تو ساری باتیں خرقہ عادت ہوں گی چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک شخص

ہے جو دوسرے کی گود میں اپنا سر رکھے ہو گا کلام فرمائیں گے تو وہی شخص جس نے اپنا سر گود میں رکھا ہو گا اس کلام کو سنے گا۔ دوسرا نہ سن سکے گا۔ مختصر یہ ہے کہ جس سے کلام کرنا مقصود ہو گا وہی سنے گا اور دوسرے پر پردہ ڈال دیا جائے گا خواہ وہ سننے والے سے کتنا ہی قریب کیوں نہ کھڑا ہو۔

(موتف کتاب) کہ ابن العربی نے رسالہ مذکورہ میں بھی اسی طرح لکھا ہے کہ عارفین پہلی حالت میں اللہ تعالیٰ سے ناواقف نہ ہوں گے صرف مجاہدین ہی ناواقف رہیں گے۔

یہ کلام نہایت عمدہ اور انتہائی لطیف ہے اس میں شیخ نے عمدہ معنی ذکر کر دیے جس سے نثر عقل انکار کرے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کو صورت، آنے، جانے سے بھی منزہ قرار دیا ہے کیونکہ آپ کی بیان کردہ تفسیر کے مطابق نہ کوئی آنا ہے نہ جانا اور نہ حق تعالیٰ کی کوئی شکل ہے۔

مذکورہ بالا حدیث میں خدا کی صورت کے متعلق جو کچھ امام شعرانی نے اپنی کتاب کشف القرآن عَنْ وَجْهِ أَشْهَدَةِ النِّجَانِ میں لکھا ہے اس پر کسی ایک اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ لہذا اس کے مطالعہ کنندہ کو اس قسم کے خیالات سے پرہیز کرنا چاہیے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی شرح میں استاذ ابن نورک رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے قریب قریب وہی تاویل بیان کی ہے جو شیخ رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے۔ حضرت کے مرتبہ اور معرفت الہیہ میں ان کی بزرگی کا پتہ ابن نورک کے کلام کے مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ تَقَعْنَا اللَّهُ بِهِ - آمین۔

۱۳۔ سوال | میں نے حضرت سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا اِنَّ قَلْبَ الْعَبْدِ بَيْنَ اَصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ (بندے کا دل تصرفات خداوندی میں سے دو تصرف کے درمیان ہے۔)

۱۔ امام شعرانی: عبد الوہاب شعرانی مولویں صدی عیسوی کے شروع میں پیدا ہوئے اور ۳۵۰ھ میں وفات پائی۔ اپنے زمانہ کے بہت بڑے اور مشہور صوفی گزرے ہیں ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں سے لطائف المنن، لوائح الانوار، لطائف الاخيار اور رسالات الانوار القدسیہ تی بیان آداب العبودیت زیادہ مشہور ہیں۔

۲۔ ابن نورک: امام ابو بکر محمد بن حسن نیشاپوری شافعی متون مستمرو ان کا ذکر پہلے ہی آچکا ہے۔

۳۔ مشکوٰۃ باب الایمان بقدرمت ۱۱ میں یہ حدیث یوں دی ہے عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ قَلْبَ بَنِي آدَمَ حُلَا بَيْنَ اَصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ يُصْرِفُهُ كَيْفَ يَشَاءُ (رواہ مسلم)

جواب

حضرت نے فرمایا کہ انگلی سے مراد معنوی انگلی ہے یعنی تصرف جو انگلی کے ذریعہ ہوا کرتا ہے لہذا مطلب یہ ہوا کہ بندے کا دل تصرفات خداوندی میں سے دو تصرف کے درمیان ہے میں نے عرض کیا کہ دو تصرف سے کیا مراد ہے۔

فرمایا: ایک مقضائے ذات اور دوسرا مقضائے روح۔ کیونکہ ذات مٹی سے بنی ہے لہذا خواہشات کی طرف مائل ہوتی ہے اور روح نور سے بنی ہے، لہذا یہ حقائق اور معارف کون مائل ہوتی ہے اور ان دونوں میں ہمیشہ مخالفت اور تصادم رہتا ہے۔

میں نے سوال کیا کہ دونوں میں غالب کون ہے؟

فرمایا: روح کا تصرف حرکات میں ہوتا ہے اور ذات کا تصرف اسرار میں چلتا ہے لہذا حرکت کے اعتبار سے روح غالب رہتی ہے اور اپنے بہرہ نشینیت کے اعتبار سے ذات غالب رہتی ہے، اسی لیے شکر گزار بندے کم ہیں ان کی مثال چمکے کے دو پاٹوں کی سی ہے۔ روح کی مثال اوپر والے پاٹ کی ہے کیونکہ وہی حرکت کرتا ہے اور ذات نیچے پاٹ کی طرح ہے کہ اندرونی سوزش و شورش اسی کا کام ہے اوپر کے پاٹ کی مثال ایسی ہے جیسی کہ دیکھی کے اوپر کی، چینی بیرونی طور پر دیکھی پر اثر کرتی ہے کہ بھاپ روک کر کھانا پکاتی ہے اور دیکھی اندرونی طور پر دیکھی کی حرارت سے یہ گرم اور بے قرار ہوتی ہے،

أَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْ ذَلِكَ الشَّقَاءِ وَشَوْءِ الْقَضَاءِ (خدا ہمیں بد بختی کی مذمت اور قضا سے بچائے)

میں نے عرض کیا کہ علماء نے تو ان دونوں تصرفوں کی تفسیر فرشتے کی تحریک اور شیطان کی تحریک سے کی ہے۔

فرمایا یہ فرشتہ اور شیطان تو دونوں عارضی اور تابع ہیں۔ اصل وہی ہے جو ہم نے بیان کیا، کیونکہ ہر ذات خواہ پاک ہو یا ناپاک اس کے لیے خواطر (خیالات و وساوس) کا ہونا ضروری ہے یہی خواطر اس کی نجات یا تباہی کا سبب بنتے ہیں اور فرشتہ اور شیطان دونوں ان خواطر کے تابع ہیں، لہذا اگر خواطر اچھے ہوں گے تو فرشتہ اس کے پیچھے ہوئے گا اور وہ شخص اچھے کام کرے گا اور اگر خواطر پسندیدہ ہوں گے تو شیطان ساتھ ہوئے گا اور وہ انسان ان وساوس شیطان کے تقاضے کے مطابق عمل کرے گا کیونکہ ہر خاطر (بات) جو دل میں آتی ہے اس کا تعلق ذات سے ہے اور وہ ذات کا راز ہوتا ہے۔ اگر خاطر پاک ہوگا تو ذات بھی پاک ہوگی ورنہ نہیں۔ محسوسات میں اس کی مثال یوں ہے کہ ایک سیرگیوں کے لو۔ سیر بھر جو، سیر بھر چٹا اور سیر بھر باقلا اور علیحدہ علیحدہ پیس لو، ان کا

کھانا بنالو، پھر ان کو کڑا پانی میں ڈال کر جلاؤ اور خور سے دیکھو تو ہر کھانے کی بھاپ دوسرے سے جدا ہوگی اور وہ بھاپ اپنی اصل کا پتہ دے رہی ہوگی، یہی حال خواطر کا ہے کہ ان کا تعلق ذات کیساتھ وہی ہے جو بھاپ کا ان کھانوں سے ہے۔ یہی خواطر بہت اہم چیز ہیں اور انہی پر نجات و ہلاکت کا دار و مدار ہے اور فرشتہ اور شیطان دونوں ان خواطر کے تابع ہیں چنانچہ بہت سے خواطر انسان کو عیلتیں تک پہنچا دیتے اور بہت سے اسفل سائنیں تک۔ اچھے خواطر روح کے تقاضے کے مطابق ہوتے ہیں اور روح کی پاکیزگی کی وجہ سے ہی ذات میں ظاہر ہوتے ہیں اور عبثیت خواطر ذاتِ انسانی اور خواہشاتِ نفسانی کے تقاضے کے مطابق ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۴۔ سوال میں نے حضرت سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا کہ حجرِ اسود دنیا میں اللہ کا دایاں ہاتھ ہے۔

جواب حضرت نے فرمایا یہ تشبیہ کے طور پر استعمال ہوا ہے کیونکہ جو شخص شاہی حفاظت و پناہ میں آنا چاہتا ہے وہ جلدی کرتا ہے اور اس کا دایاں ہاتھ چومتا ہے، اسی طرح جو شخص اللہ کی رحمت اور حفاظت میں آنا چاہے اسے حجرِ اسود کو بوسہ دینا چاہیے۔ اس کا درجہ اللہ کے ہاں وہی ہے جو بادشاہ کے دائیں ہاتھ کا ہے۔

مؤلف کتاب کہتا ہے کہ امام غزالیؒ نے بھی حرف بحرف یہی لکھا ہے جو چاہے کتاب التفرویح دیکھے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۵۔ یہ تو حضرت شیخ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے مگر علماء کے نزدیک اصبع (انگلی) سے مراد قبضہ قدرت ہے چنانچہ عربی زبان میں ینا کا لفظ بھی جس کے فعلی معنی ہاتھ کے ہیں، قبضہ اور قدرت کے معنوں میں آتا ہے اور قرآن مجید میں کئی ایک مقام پر ینا کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے چنانچہ اس حدیث کا مفہوم یوں ہوا کہ انسانوں کے دل خدا کے قبضہ قدرت میں ہیں جس طرح ہاتھ ہے، پھیر دیتا ہے اسی لیے دعاؤں میں یوں پڑھا جاتا ہے، یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ اَللّٰهُمَّ قَلْبَیْ اِلَیْكَ وَغَیْرہ۔ مزید برآں قرآن مجید کی یہ آیت یَعْبُدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلَّا مَسْرُوحًا مُّسْتَقْتِمٌ بھی اسی معنی کی تائید کرتی ہے۔ اسی طرح تمام وہ آیات جن میں ہدایت و گمراہی کو خدا کا طرف سے بتلایا گیا ہے، تمام اسی پر دال ہیں کہ تلوین بنی آدم اللہ کے قبضہ میں ہیں انہیں جبر پنا ہے پھیر دے۔ ۱۶۔

۱۵۔ سوال

میں نے حضرت سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا یُثْبِتُ بِالْمَوْتِ فِي صُورَةٍ كَتَبَتْ شَيْئًا مِمَّا دَيَّامَتِ كَيْفَ دَنَ مَوْتِ كَوَيْك مِيْنْدَه كِي صَوْرَتِ مِيْن لِيَا بَايَا

اور پھر اس کو ذبح کیا جائے گا

جواب

فرمایا یہ حدیث صحیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے نکلی ہے اور اس سے مراد فرشتہ ہے جو مینڈھے کی شکل میں ہوگا کہ اسے اہل جنت کی نعمت اور اہل دوزخ کے عذاب میں اضافے کی خاطر ذبح کیا جائے گا اور فرشتوں کی سب سے بڑی مراد یہی چیز ہے کیونکہ وہ سب سے بڑی دعا مانگتے ہیں کہ یا اللہ! ہمیں اپنے مومن بندوں کے لیے نعمت اور ان پر نازل رحمت کا سبب بنا اور فرشتہ ہی مومن کے حق کو سمجھ سکتا ہے۔ ہم نے حدیث مذکور کی یہ تاویل اس لیے کی ہے کہ موت دوستوں کا ایک دوسرے سے بچھڑنے کا نام ہے۔ چنانچہ ذات تو مٹی کی طرف لوٹ جاتی ہے اور روح عالم ارواح کو لہذا موت اس اتصال اور اجتماع کے عدم کا نام ہے جو ان کے درمیان تھا۔

حضرت نے فرمایا کہ فرشتہ مینڈھے کی شکل میں ذبح ہونا چونکہ بعیرت سے نظر آ رہا ہے لہذا اس حدیث کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

حضرت نے فرمایا کہ جب لوگ جنت میں داخل ہو چکیں گے وہ بالخصوص پہلے دن کی تکالیف خاص طور پر مرنے کی تکلیف کا آپس میں تذکرہ کریں گے اسی لیے انعام فرمانے اور ان کو خوش کرنے کے لیے اسکو مینڈھے کی شکلی میں لا کر ذبح کیا جائے گا اور درحقیقت جس کو ذبح کیا جائے گا وہ فرشتہ ہوگا۔

کنکریوں کی تسبیح، تنہ بھجور کے رونے
غیر معجزات کے متعلق حضرت کا بیان

۱۔ امام جلال الدین سیوطیؒ اپنی کتاب البدن ورد المسافر فی امور الآخرہ طبع لاہور ۱۰۱۰ پر فرماتے ہیں کہ موت تو ایک معزز چیز اور عرض ہے اور عرض لا کوئی جسم نہیں لہذا ایسے ہو سکتا ہے کہ اسے مینڈھے کی شکل میں لا کر ذبح کر دیا جائے حکیم ترمذیؒ نے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کے متعلق سلف صالحین کا یہی طریقہ ہے کہ اس حدیث کے متعلق بحث نہ کریں، اس پر جو کاتوں ایمان رکھیں اور اس کی حقیقت کو اللہ کے سپرد کر دیں مگر ایک گروہ کا کہنا ہے کہ موت تو ایک جسم ہے عرض نہیں ہے اور موت کو مینڈھے کی صورت میں پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ حیات کو گھوڑے کی شکل میں پیدا کیا گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَلَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ (خدا تو وہ ہے جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا، سیوطی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہی جواب درست ہے۔

معجزات کا ذکر آیا ہے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یہ ان کی روزمرہ کی تسبیح اور کلام تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے حاضرین سے عرف پر وہ اٹھا دینے کی درخواست کی تھی تاکہ وہ بھی ان کی تسبیح اور کلام کو سُن لیں۔

میں نے عرض کیا کہ کیا ان اشیاء میں بھی حیات اور روح ہے؟ فرمایا نہیں لیکن تمام مخلوقات خواہ بولنے والے ہو خواہ خاموش، جس وقت بھی اس سے خالق کی بابت سوال کیا جائے گا تو وہ واضح الفاظ میں کہے گا کہ اللہ وہ ذات ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے پس مخلوقات میں یہ امتیاز کہ ان میں بعض مطلق ہیں بعض صامت اور بعض جہاد، صرف مخلوقات کے اعتبار سے ہے تاکہ ایک دوسرے سے ان میں امتیاز ہو کہ درجہ جہاں تک ان کی نسبت اللہ سے ہے، سب اس سے واقف ہیں۔ اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے سامنے عاجزی کرتے ہیں کیونکہ جمادات کے دو پہلو ہیں۔ ایک رُخ خالق کی طرف اور اس میں وہ اللہ سے واقف، اللہ کے مطیع اور اس کے عبادت گزار ہیں اور دوسرا رُخ مخلوق کی طرف ہے اور اس میں نہ کچھ جانتے ہیں، نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اسی رُخ کو دُور کرنے کی درخواست کی تھی تاکہ حاضرین کے لیے دوسرا پہلو جو اللہ کی طرف ہوتا ہے ظاہر ہو جائے اور اسی پہلو کے اعتبار سے جس میں ان کی توجہ خالق کی طرف ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَكْسِبُ بِهِ مَعْنًا** یعنی ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ ساتھ تسبیح پڑھتی ہے۔

حضرت داؤد اور مینڈک کا قصہ اسی قسم کا جواب حضرت نے اس قصے کے متعلق دیا جو حضرت داؤد علیہ السلام اور مینڈک کے درمیان واقع ہوا۔ اس طرح کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو خیال آیا کہ وہ بہت زیادہ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد ایک مینڈک کو دیکھا کہ عمر بھر تسبیح پڑھتا رہا تھا اور ایک لمحو کے لیے بھی خاموش نہ ہوا انتخاب جاکر حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی اس حالت کو جسے وہ کثیر سمجھ رہے تھے بہت تھوڑا سمجھا۔

حضرت نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے مینڈک کے اس رُخ کا مشاہدہ کیا جو حق سبحانہ کی طرف تھا اور یہی اس کی باطنی حالت ہے کہ اس میں تسبیح متواتر جاری رہتی ہے اور اس میں کسی قسم کا وقفہ نہیں پڑتا۔

محمد لہواج اور مچھلیوں کا قصہ اسی قسم کا وہ حکایت ہے جس میں محمد لہواج کا قصہ بیان کیا گیا تھا۔ حضرت نے حسبِ عادت تقریر کی ایک تمہید اٹھائی

اور فرمایا کہ زمین کو بھی ایک علم عطا کیا گیا ہے جسے وہ اٹھائے ہوتے ہیں اور آگاہ بھی ہے۔ بعینہ اسی طرح جس طرح ایک انسان قرآن مجید کا حامل اور اس سے آگاہ ہوتا ہے اسی طرح جمادات کی ہر مخلوق کو ایک علم عطا کیا گیا ہے جسے وہ اٹھائے ہوتے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ اس سے معلوم ہوا کہ اس میں عقل اور علم ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ تو دراصل جمادات ہے؟

حضرت نے فرمایا کہ وہ تو ہماری نگاہ میں جمادات ہے، لیکن خالق کی نسبت کے اعتبار سے تو وہ عارف ہے اور فرمایا کہ مخلوق خواہ کسی قسم کی ہر کسی حالت میں یہ کہنے سے خالی نہیں کہ اللہ میرا رب ہے اور یہ حالت تمام مخلوقات میں پائی جاتی ہے اسی طرح ہر قسم کی مخلوق سبحانہ کے سامنے عاجز و کرنے، اس سے ڈرنے اور اس کے وید بے سے خوف کھانے سے خالی نہیں، لیکن لوگ چونکہ زمین اور دیگر جمادات کی اصلی حالت سے واقف نہیں ہوتے اس لیے وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ بے جان چیز پر چل رہے ہیں اور کدوچ چیز پر آتے جاتے ہیں اور اسی عدم واقفیت نے انہیں تباہ کیا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو زمین کی اصلی حالت کا پتہ چل جاتے تو ممکن نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص بھی زمین پر الٹ کر نہ پڑ جائے۔

حضرت نے فرمایا کہ میں فتح نصیب ہونے سے پہلے حضرت محمدؐ کو اللہ کے ساتھ تھا اور حق تعالیٰ نے انہیں فتح نصیب کی ہوئی تھی۔ آپ میرے ساتھ خولان کے علاقے میں سونڈ کے چشے پر گئے تاکہ وہاں اس نخلستان سے جو علی بن حرزیم کے روضہ پر وقف تھا، خام کجوریں توڑیں ہمارا گزرنا اس کے دروازوں میں سے باب الفتوح سے باہر ابن عمر کے گھر سے ہوا اور وہاں ایک چشمہ بتاتا تھا، میں نے کانٹا لے کر اس میں روٹی لگائی اور مچھلی کا شکار کرنا چاہا اور مچھلیاں وہاں بہت تھیں۔ شیخ محمدؐ لوچ نے منع بھی فرمایا مگر میں نے قسم کھالی کہ ضرور شکار کر دوں گا چنانچہ وہ میرے ساتھ چشمہ پر آئے اور میں نے کانٹا ڈالا۔ اصل پانی کے قریب ایک بڑا پتھر تھا جس میں سے میں نے اللہ! اللہ! کی آواز آنی سنی۔ ابھی اس طرف نگاہ اٹھی ہی تھی کہ ہر پتھر نے اللہ اللہ کہنا شروع کر دیا، پھر سوائے اس مچھلی کے جس نے کانٹے کی روٹی کھائی تھی، یہی پکارنا شروع کر دیا۔ اس اللہ! اللہ! کی پکار کا مطلب یہ تھا کہ اسے شکار میں مشغول ہونے والے کیا تجھے اللہ کا خوف نہیں؟

حضرت فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھ پر اس قدر خوف و رعب طاری ہوا کہ میں چاہتا تھا کہ اس کے منہ میں مجھے رسی میں باندھ کر ایک بلند جگہ پر اٹھا دیا جائے اور ایک کھمبے پر لٹکی میں لٹکا دیا جائے

مگر اس خوف سے نجات مل جائے۔

میں نے عرض کیا: آپ کو اس قدر سخت خوف کیوں ہوا؟

فرمایا: اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص نے نہ کبھی بیل دیکھا اور نہ سنا ہو، پھر وہ آنکھیں مل کر دفعتاً کھولے اور دیکھے کہ لاتعداد بیلوں کے سامنے کھڑا ہوں تو بتاؤ اس کا کیا حال ہوگا؟

میں نے عرض کیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خوف جو آپ پر طاری ہوا یہ محض خرق عادت امر کے مشابہ سے ہوا؟

فرمایا: ہاں۔ اس خرق عادت معاملے کے مشابہ سے یہ خوف لاحق ہوا۔

میں نے عرض کیا: آپ نے ان کا یہ خارق عادت کلام عربی زبان میں سنا تھا یا جہادات کی زبان

میں؟

فرمایا: جہادات کی زبان میں۔ ان کی اپنی زبانیں اور بولیاں ہیں جو ان کی ذات اور جمادیت کے لائق ہے اور میں نے جو اسے سنا ہے تو تمام جسم سے سنا ہے نہ صرف ان کانوں سے جو سر کے اندر ہیں، پھر فرمایا کہ وہی کو اس قسم کا مشاہدہ ابتدائی حالت میں کرایا جاتا ہے ورنہ بعد میں تو وہ اس فعل کو اللہ کی طرف سے دیکھتا ہے اور اسے یوں نظر آتا ہے کہ خالق سبحانہ نے ان میں کلام اور تسبیح وغیرہ پیدا کر دی ہے اور یہ خود بمنزلہ خالی برتنوں اور محض تصویروں کے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ یہ مشاہدہ تو جہادات کے ساتھ مخصوص نہیں کیونکہ یہ تو انسان وغیرہ ذوی العقول میں بھی ہو سکتا ہے۔

فرمایا: ہاں بلا امتیاز سب ہی چیزوں میں ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ جہادات اپنے خالق کو پہچانتی ہے اسے وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو عالم زمین و آسمان سے باہر نکل گیا ہو اور اس سے اتنا دور نکل گیا ہو کہ زمین و آسمان اس کے سامنے ایک گیند کی مانند ہوں پھر وہ ان کی طرف اس قوی اور ہر چیز کو چھانکر نکل جانے والی نگاہ سے دیکھے، جو آج کل میرے خیال میں تین شعبوں کے سوا کسی کو حاصل نہیں، تو اسے یہ تمام امور آنکھوں کے سامنے دکھائی دیں گے اور اسے جہادات کی ہر فلوک یا توسیع سے میں پڑی ہوئی یا رکوع کی حالت میں اللہ کے خوف سے سرنگوں دکھائی دے گی اور سب سے پہلے تو اسے خود زمین بھی رکوع کی حالت میں دکھائی دے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت نے فرمایا کہ ایک دن میں باب الفتوح سے باہر سیدی احمد الیمینیؒ کے مزار کے پاس بیٹھوں کے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ دیکھتا کیا ہوں کہ سارے پتھر کیا چھوٹا اور کیا بڑا اور سب درخت

اور سنیاں اپنی اپنی زبان میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی تسبیح پڑھ رہی ہیں۔ اس کے سنتے سے قریب تھا کہ میں بھاگ جاؤں۔ پھر میں نے ایک پتھر کی آواز کو کان لگا کر سنا تو مجھے اس سے مختلف آوازیں آرہی تھیں۔ جب میں نے غور سے دیکھا تو دیکھا کہ وہ کئی پتھروں سے مرکب ہو کر ایک پتھر بنا ہے اسی لیے اس میں سے مختلف آوازیں آتی تھیں۔

(مؤلف کتاب کہتا ہے کہ) یہ واقعات حضرت کو فتح ہونے کے ابتدائی زمانے میں پیش آتے تھے اور اس کے قریب وہ تذکرہ ہے جو آپ نے بے زبان جانوروں کے بارے میں فرمایا کہ ایک بیل جب دوسرے بیل کو دیکھتا ہے تو دن بھر میں جو کچھ پیش آیا ہے وہ اس سے ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں گھاس کھائی اور فلاں فلاں پانی پیا اور ابھی میرے دل میں فلاں فلاں بات کرنے کا خیال باقی ہے اور دوسرا بیل بھی اسی طرح اس کو جواب دیتا ہے اور دونوں اللہ کے حکم سے باتیں کرتے رہتے ہیں۔ جیسے ہماری گفتگو میں حروف اور مخارج ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کی گفتگو میں بھی ایک اندازہ ہوتا ہے اور اس میں الگ الگ ٹکڑے ہوتے ہیں مگر یہ ہم سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ یہی حال تمام حیوانات، درختوں اور پتھروں کے کلام کا ہے جیسا کہ ان سے ہمارے کلام کی سماعت جو مخارج اور حروف تہجی سے مرکب ہوتا ہے، پوشیدہ رکھی گئی ہے اور وہ اس سے سوائے پکار اور آواز کے کچھ نہیں سن سکتے، ہاں جس شخص کو فتح نصیب ہو وہ ان کا کلام سنتا ہے اور سمجھتا بھی ہے اور الگ الگ فقرہوں کے ٹکڑوں کو پہچانتا ہے اور یہ سمجھنا روح کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور روح مقاصد اور اغراض کو قبل اس کے کہ ان کو زبان سے ظاہر کیا جائے پہچانتی ہے اور اگر تو نے ایک علمی صاحب فتح کو ایک عربی صاحب فتح سے باتیں کرتے نہیں دیکھا کہ دونوں دن بھر آپس میں باتیں کرتے رہیں، ایک تو عربی زبان میں بات کرتا ہو اور دوسرا عربی میں جواب دیتا ہو، تو سمجھ لے تو نے کچھ نہیں دیکھا۔

میں نے حضرت کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بسا اوقات قضا حاجت کی غرض سے بیت الخلاء کو جاتا اور جب پانی کو ذکر کرتے ہوئے اور اللہ کا نام لیتے ہوئے سنتا تو حاجت رفع کیے بغیر واپس چلا آتا۔

۱۷۔ جمادات نباتات وغیرہ کی تسبیح کے پوشیدہ رکھنے کا راز یہی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سے اللہ کے نام کی یاد دہانی ہو جائے۔ پانی جب تک پاکیزہ ہے خواہ جاری ہو یا ساکن تسبیح پڑھنا رہتا ہے اور جو نہی کو ناپاک ہوا، تسبیح منقطع ہوگئی۔ اسی لیے حضرت قضا حاجت کے بغیر واپس آجاتے کہ جو پانی طہارت کے لیے چاہاتے اس سے تسبیح کی آواز سنتے اور اسے پلیدہ کہہ کر اس کی تسبیح کو منقطع کرنا چاہتے تھے۔ یہی حال درخت کا ہے کہ پتے جب تک سرسبز ہیں تسبیح پڑھتے ہیں، خشک ہوتے تو تسبیح بند ہوگئی۔ ۱۷۔

(تو کتب کتاب کہتا ہے کہ معرفت لغات کے بیان میں اس کا کچھ تذکرہ کیا جا چکا ہے جہاں ہم نے اجزاء علم پر بحث کی ہے اور "خوف تام" میں بھی جو اجزاء نبوت میں سے ہے اس کا ذکر کیا ہے۔

سوال

میں نے حضرت سے بزار کی اس حدیث کے متعلق دریافت کیا جو حضرت انس سے مرفوعاً روایت ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی کیفیت بیان فرمائیں اور یہ کہ آپ نے اسے کیسے سنا، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: جیسے گرج اور کرک کی آواز کو فوراً دم نکال دے مگر ہونہایت شیریں، اگر سُنی جائے یہی مثال اللہ کے کلام کی ہے۔ نیز موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ کیا آپ نے تمامی کلام سے میرے ساتھ کلام فرمایا ہے؟ ارشاد ہوا کہ تمہارے ساتھ صرف دس ہزار زبان کی قوت سے کلام کیا گیا ہے اور اگر تمامی کلام سے بات کرتا تو اسی وقت تم گھٹل جاتے۔

جواب

حضرت نے فرمایا: گرج اور کرک کی آواز سے مراد خوف ہے جو انسان کو اس آواز کے سننے سے لاحق ہوتا ہے کیونکہ اس خوف کی کیفیت بیان ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی اس کے برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہے اسی طرح جو شخص حق سبحانہ و تعالیٰ کا کلام سنا ہے اُسے اس قدر خوف اور ہیبت طاری ہوتی ہے کہ تمام اجزاء بدن اس سے متاثر ہوتے ہیں حتیٰ کہ ذات انسانی کے ہر جوہر کو علیدہ علیدہ اس قدر خوف تام لاحق ہوتا ہے جتنا پورے انسان کو لاحق ہوتا ہے کہ ہر رگ اور اس کا ہر جزو لرزتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ گھٹل جائے۔ اور اعلیٰ حلاوت سے مراد وہ الطاف، رحمتیں اور انعامات ہیں جو موسیٰ کو اس وقت حاصل ہوئے نیز وہ لذت مراد جو اس کلام انزل کے سننے والے کی ہر رگ کو نصیب ہوا کرتی ہے اور آواز سے حقیقی آواز مراد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نسبت اس کا خیال کرنا محال ہے۔

اور یہ ارشاد کہ میں نے دس ہزار زبان کی قوت سے کلام کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے حجاب اٹھا دیا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کے اتنے مدلولات سُن لیے جن کو

بزار: بزار نام کے دو محدث گزرے ہیں۔ دونوں حافظ حدیث تھے اور دونوں نے حدیث کی کتاب لکھی، ایک ابوالفضل احمد بن سلمہ نیشاپوری ہیں جو امام مسلم کے مسافر ہے تھے ان کی وفات ۲۵۵ھ و ۲۹۹ھ میں ہوئی انھوں نے صحیح مسلم کی طرز میں حدیث کی کتاب لکھی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۹)

دوسرے بزار احمد بن عمرو بن عبد اللہ بن بصری ہیں۔ انھوں نے مسند مغلل تالیف کی ان کی وفات ۲۹۱ھ ۳۰۵ھ میں ہوئی۔

اگر ہزار زبانیں ایک لفظ کے اندر اکرتیں تو ان کی مقدار ان مدلولات کلام الہی کے برابر ہوتی۔ یہ بعینہ اسی طرح ہے جس کا ذکر صاحب فتح دل کے بیان میں آئے گا کہ نہ مختلف آوازیں اس پر مخلوط ہوتی ہیں اور نہ ایک آواز دوسری آواز کے سنتے سے مانع ہوتی ہے (بلکہ وہ صاف صاف اور الگ سنائی دیتی ہیں) لہذا اگر دس ہزار زبانیں بھی فرض کر لی جاتیں کہ حضرت موسیٰ کی طرف متوجہ ہوئی ہوں اور انھوں نے انہیں کان لگا کر سنا ہو اور ایک لفظ میں بغیر ترتیب اور تقدیم و تاخیر کے سمجھا ہو تو حدیث مذکور میں اسی شان کی طرف اشارہ سمجھنا چاہیے۔

حضرت نے فرمایا کہ یہ سماعت روح کی تھی نہ ذات کی، کیونکہ روح کے علم میں کوئی ترتیب نہیں ہے چنانچہ جب روح کسی علم کی طرف متوجہ ہوتی ہے مثلاً نوحہ بفقہ تو نوحہ بفقہ کے تمام مسائل ایک لفظ کے اندر اس کے سامنے حاضر ہو جاتے ہیں۔ یہی حال روح کی قرائت کا ہے۔ لہذا جب روح قرآن مجید کی تلاوت کا ارادہ کرے گی تو اس کو تمام حروف کے ساتھ ایک لفظ میں صحیح منہارج ادا کر کے پڑھ جائے گی۔

میں نے حضرت سے یہ جواب ابتدائی زمانے میں سنا تھا واقعہ یوں ہوا کہ میں عین علوان کی مسجد میں درمنثور بیٹھ بیٹھا تھا کہ میں نے یہ حدیث پڑھی اور میرے دل میں خیال آیا کاش اس وقت حضرت موجود ہوتے تو میں ان سے اس حدیث کے متعلق دریافت کرتا۔ ابھی تھوڑی دیر نہ ہوئی تھی کہ آپ تشریف لے آئے اور میرے سامنے بیٹھے، میں نے کتاب کھولی اور عرض کیا کہ حضرت میں تو خواہش ہی کر رہا تھا کہ اس کتاب کی ایک حدیث کے متعلق آپ سے سوال کروں حضرت نے فرمایا کہ ہاں پوچھو میں جواب ہی کے لیے آیا ہوں چنانچہ میں نے حدیث پڑھی اور حضرت نے یہ جواب دیا: رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَ نَفَعْنَا بِعُلُوْمِهِ۔

۱۔ جبریل کا ایک سائل کی صورت
میں جبریل کے ایمان اور احسان کے متعلق سوال کرنے کا ذکر آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مشکوٰۃ باب الایمان

میں دیکھ رہا تھا کہ جبریل کے چلے جانے کے بعد فرمایا کہ اس شخص کو جو سوالات کر رہا تھا واپس لاؤ۔ چنانچہ صحابہ نے ان کی تلاش کی مگر ان کا پتہ نہ لگا۔ تب حضرت نے فرمایا: جبریل تھے اور وہ مجھ سے اس مرتبہ

لے درمنثور: جلال الدین سیوطی متوفی ۸۹۵ھ ۱۵۰۵ء کی مشہور تفسیر کتاب ہے پورا نام اللہ المتشور فی التفسیر بالماثور ہے۔

کے سوا کبھی نہیں چھپ کے یعنی آپ کی بار میں انہیں نہ پہچان سکا۔ اس حدیث کے متعلق میں نے حضرت کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ جو آنحضرت پر جبرئیلؑ چھپے رہے اس میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر تعظیم و تکریم پائی جاتی ہے جسے صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں جن پر اللہ کی رحمت ہو اس کی تشریح یوں ہے کہ بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشاہدہ حق میں اس قدر مستغرق ہو جاتے کہ آپ کی ذات پاک مع اپنے تمامی تعلقات اور اجزاء و عروق کے اس عالم سے بے تعلق ہو کر نور حق سبحانہ میں محو ہو جاتی۔ چنانچہ اس طرح آپ کی ذات کا تعلق غیر اللہ سے کلی طور پر منقطع ہو جاتا مگر اس کے باوجود آپ کی ذات غلطی سے محفوظ ہوتی۔ اور آپ کے سوا کوئی فعل صادر نہ ہوتا تھا اور نہ ہی صدق کے سوا کوئی بات زبان سے نکلتی چنانچہ جب فرشتے دیکھتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ حالت طاری ہوئی ہے اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ آنحضرت کے سوا کوئی اور اس کی کیفیت کی طاقت نہیں رکھتا اور یہ کہ اس حالت میں آپ کو ان کا شعور نہ ہو سکے گا تو اس موقع کو غنیمت سمجھ کر جلدی کرتے اور حاضر خدمت ہو کر آپ سے ایمان کے متعلق سوال کرتے اور آپ کو اپنا رشد بنا کر آپ سے ایمان اخذ کیا کرتے چنانچہ فرشتہ ایک بدوی کی شکل میں آکر عرض کرتا یا رسول اللہ! میں آپ کی خدمت میں ایمان لانے اور آپ کے سپے رسول ہونے کا اقرار کرنے کے لیے آیا ہوں لہذا آپ مجھے سکھائیں کہ میں کس طرح اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤں؟ چنانچہ آنحضرت اس کو تعلیم دیتے۔

میں نے عرض کیا کہ فرشتوں کو اللہ کے برگزیدہ بندے اور مقرب فرشتے ہونے کے باوجود آپ سے ایمان کی تعلیم لینے کی کیا ضرورت تھی؟

اس پر حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت بڑی شان ہے لہذا جس نے بھی آپ سے ایمان اخذ کیا اور پھر اسے بدلائیں، اسے نہ پھراط دیکھیں پڑے گی نہ دوزخ۔ اسی لیے فرشتے اس موقع کو غنیمت سمجھتے۔

میں نے عرض کیا کہ فرشتے کسی دوسرے وقت میں کیوں سوال نہیں کرتے تھے؟

فرمایا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصلی جس وادراک کی طرف لوٹ آتے اور فرشتوں کو اس کا پتہ چل جاتا اور وہ سمجھ جاتے کہ آپ ان کو پہچان گئے ہیں تو اس حالت میں وہ بدوی کی شکل نہ بنا سکتے تھے اور اس صورت میں ذات محمدی سے خاص نور اور مدد کے ساتھ جواب نہ نکالے گا۔

بر خلاف اس حالت کے جب آپ حق سبحانہ کی طرف مستغرق ہوں اور آپ کی یہ حالت ہو کہ آپ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ وَلَا نَبِيَّ إِلَّا مُحَمَّدٌ

مستحکم کے کلام کے سوا کچھ اور نہ سُن سکتے ہوں تو اس حالت میں ان کی خواہش کے مطابق جواب نہ ملے گا۔
پھر میں نے سوال کیا کہ کیا فرشتوں کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ وہ حالت ہے جس میں آپ اپنے
حق و ادراک کی طرف لوٹ آتے ہیں اور یہ وہ حالت ہے جس میں آپ حق تعالیٰ کی طرف مکمل مستغرق
ہیں۔

حضرت نے فرمایا: امر نہ تو فرشتوں پر مخفی رہ سکتا ہے اور نہ ان لوگوں پر جنہیں اللہ تعالیٰ نے
فتح عطا کی ہو۔ واللہ اعلم۔

۱۸۔ حدیث مَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ
اعطى ما مثله آمن عليه البشر
میں نے حضرت کو اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے سنا
کہ جو نبی بھی گذرا ہے اسے اس قدر معجزات عطا کئے گئے
جس قدر لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ مجھے عطا

ہوا ہے وہ ایک وحی ہے جس کی ہر روز تلاوت ہوتی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات ان کی اپنی ذات اور اس کے متعلقات
جنس میں سے ہوتے تھے۔ چنانچہ ان انبیاء کو بعض معجزات کبرسنی میں عطا کیے جاتے اور بعض معجزات
ایسے ہوتے جو بچپن ہی سے ان کی ذات کے ساتھ ترقی پاتے رہتے تا آنکہ کبرسنی میں ان کا مظهر ہوتا
مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اپنی ذات سے نہ تھا بلکہ حق سبحانہ کی طرف سے تھا اور اس کے
نور اور شہادہ اور ہمکلامی سے تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت کی ذات عقل، نفس، روح اور
ستر میں اس قدر قوت تھی کہ اگر یہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر تقسیم کی جاتی تو بھی ان میں اس کے
متحمل ہونے کی قوت نہ ہوتی۔ اسی لیے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے جو معجزہ دیا گیا
ہے وہ خالص وحی ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے یعنی آپ کا معجزہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے
معجزات جیسا نہیں ہے۔ اگرچہ جمیع انبیاء کے معجزات اتنے جلیل القدر اور رفیع الشان تھے
کہ ان کے ذریعہ سے تمام کائنات کو مومن بنایا جاسکتا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا
معجزہ ان تمام کے معجزات سے ارفع و اعلیٰ ہے کیونکہ یہ معجزہ حق سبحانہ کی طرف سے ہے نہ

لہٰذا اگرچہ تمام الٰہی کتابیں کلام الٰہی میں نگران الٰہی کتابوں کو بطور معجزہ کے نازل نہیں کیا گیا۔ برخلاف قرآن مجید کے کہ یہ

کلام الٰہی ہونے کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور معجزہ کے نازل ہوا ہے اسی لیے یہ معجزہ دیگر انبیاء کے معجزات سے جلیل
مکمل۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا عصا کا معجزہ کہ یہ ان کی ذات میں سے تھا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر معجزات
آپ کی ذات میں سے تھے اور وہ بطور دلیل نبوت کے عطا نہیں کئے گئے اور قرآن مجید بطور نبوت کی دلیل کے نازل ہوا تھا۔ ۱۲

آپ کی ذات کی طرف سے۔

اس کے بعد آپ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک بادشاہ ہے۔ جب اس کے گھر کوئی بڑا کام پیدا ہوا تو اس نے اسے کسی مقام پر ورش پانے کے لیے بھیج دیا اور ہر ایک کے ساتھ بطور نشانی کے ایک قمیض لعل بھی بھیجتا رہا جس سے رعایا کو علم ہو کہ یہ شاہزادہ ہے اور ہمارے بادشاہ کا بیٹا ہے۔ اگر ایک اور بڑا کام پیدا ہو جس کو بادشاہ نے اپنے پاس رکھ لیا اور خود ہی اس کی تربیت اور تمام معاملات کی نگرانی کرتا ہے۔ لہذا جو کمال معرفت اور اپنے باپ کے اسرار سے جو واقفیت اسے حاصل ہوگی اس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اور جس قدر اس کے بھائیوں کو اپنے باپ کے اسرار کا علم ہوا ہوگا اس کا تیاں اس علم کے ساتھ ہرگز نہیں کیا جاسکتا جو اسے حاصل ہوا ہوگا۔

بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خواہش ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض ایسے معجزات صادر ہوں جس قسم کے دیگر انبیاء علیہم السلام سے صادر ہوئے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اصرار تو ان کی خواہش پر جاتی اور اصرار مخصوص غایت الہی پر جو مولیٰ کریم نے خاص آپ کی ذات پر کی تھی اور اس سے آپ کو بڑی شرم آتی۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک شخص کو بادشاہ نے اپنا تمام ملک دے دیا جو اور اسے اختیار دے دیا ہو کہ جیسا چاہے تصرف کرے اور اس کا کوئی دوست اس سے خواہش کرنے کہ نکال لگاؤں میں تصرف کر کے دکھلائیں۔

ایک اور مرتبہ میں نے حضرت کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن مجید جو اسرار و انوار ہیں اور جو مقامات اور احوال اس میں درج ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص کپڑا تراش کر ٹوپی، قمیض اور عمامہ وغیرہ جو کپڑے بھی پہنے جاتے ہیں سب ہی ملوائے اور اپنے سامنے رکھ لیے۔ اب ایک نگاہ ڈالو۔ ان کپڑوں پر اور پھر تمام مخلوقات کی طرف دیکھو (کہ کیا کوئی اس لباس کے پہننے کا مستحق ان میں ہے، تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اسے پہننے اور اس کے متحمل ہونے کی طاقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے سوا کسی میں نہیں ہے اور اس کی وجہ وہی قوت ہے جو آپ کی ذات شریفہ سے مخصوص کی گئی ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ حقیقی مالک، الملک ہیں اور اپنے خاص بندوں میں سے جسے چاہیں اس کے مرتبہ اور قرب کے مطابق تصرف اور حکم کرنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساقرب اور مرتبہ کسی کا نہ تھا لہذا کائنات میں آپ کا ساقرب کسی اور کا نہیں ہو سکتا۔ ہوا پانی، آگ، شجر، حجر، زندہ مردہ، غرض ہر چیز پر تصرف تھا۔ بایں ہر آپ اس تصرف کا استعمال اذن خداوندی کے بغیر نہ کرتے تھے۔

۱۹۔ مشاہدہ نبی کریم ﷺ ایک اور مرتبہ میں نے آپ کو "مشاہدۃ النبی لا تطاق" کی تشریح فرماتے ہوئے سنا کہ مشاہدہ اپنی اپنی معرفت کے مطابق ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معرفت اسی وقت سے حاصل ہو چکی تھی جب

حبیب اپنے محبوب کے پاس تھا اور کوئی تمیز ان کے پاس نہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات سے پہلے پیدا ہوئے اسی زمانہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس ان انوار قدسیہ اور معارف ربانیہ سے سیراب ہو چکی تھی لہذا یہ ہر طالب نور کے لیے اصل اور ہر طالب فیض کے لیے مادہ بن گئی تھی۔ لہذا حبیب آپ کی پیدائش کے وقت آپ کی روح مقدس آپ کی ذات مطہرہ میں داخل ہوئی تو اس میں رضا اور محبت کے ساتھ سکونت پذیر ہوئی اور ذات کو اپنے اسرار و معارف سے فیضیاب کرتی رہتی تا آنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو وہ پردہ جو ذات اور روح کے درمیان تھا، اٹھ گیا اور حجاب کلیۃً مٹ گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مشاہدہ حاصل ہوا جسے کوئی اور برداشت نہیں کر سکتا چنانچہ آپ کا مشاہدہ ایسا تھا جیسا کہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں کہ حق سبحانہ کی ذات ہی تمام مخلوقات کی محرک اور انیس ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے والی ہے اور مخلوقات کی حیثیت تو طروف اور کھارکے برتنوں کی سی ہے جو اپنی جگہ ذات کو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ چنانچہ جب آپ مبعوث ہوئے اور بخلت رسالت ملی تو آپ کو یہ مشاہدہ حاصل ہو چکا تھا اور مخلوقات آپ کی نگاہ میں محض خالی اجسام اور تصویریں تھیں ریہ مشاہدہ اس لیے کرایا گیا تاکہ آپ ان کے لیے جسم رحمت بنیں اور ان کے کسی فعل کو بھی ان کی جانب سے خیال کر کے بددعا نہ کریں جس سے وہ ہلک ہو جائیں، جس طرح کہ آپ سے پہلے انبیاء نے اپنی امتوں سے کیا۔ اسی لیے انہوں نے دعا کرنے میں جلدی کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اپنی اُمت کی شفاعت کی خاطر قیامت کے دن پراٹھا رکھی گئی ہے۔ لہذا آپ کی دعا بھی رحمت حق اور اللہ تعالیٰ کے فرمان "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ" (ہم نے آپ کو تمام جہانوں والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے) اور آنحضرت صلی اللہ

لے حدیث: "کُنْتُ نَبِيًّا قَادِمٌ بَيْنَ النَّاسِ وَالْأَيُّمِينَ" اور "وَكُنْتُ نَبِيًّا قَادِمٌ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ" اور "وَكُنْتُ نَبِيًّا قَادِمٌ مَبْعُودٌ فِي السُّبْحِ" اور "أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ رُوحِي وَفِيهِ"

یعنی کفار کے اعداء، رسائی اور استنزا کو ان کی جانب سے خیال نہ فرماتے کیونکہ وہ تو خال جسم ہیں جنہیں اپنے نفع و نقصان کا علم نہیں ہے اور نہ پہچانے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں یہی فرماتے: "خدا یا! میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ انہیں معلوم نہیں کریں کون ہوں اور کیا ہوں" ۴

علیہ وسلم کے فرمان کو اِنَّمَا اَنَارَحَمَّةٌ مُّهِدَاةٌ (میں مخلوقات کے لیے رحمت کا تحفہ ہوں) کا مصداق ظاہر ہوا اور یہ تو اس شاہدے کے ابتدائی زمانے کا حال تھا چہ بائیک ہر لحظہ آپ کو ترقی ہو رہی ہو اور ان مقامات پر آپ کا عروج ہو رہا ہو جن کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔

میں نے عرض کیا اب کوئی درجہ باقی ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آج تک زندہ رہتے تو مجی کسی ایک مقام پر نہ ٹھہرتے بلکہ متواتر بندہ ہوتے جاتے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

میں نے عرض کی کہ اس شاہدے سے تو کوئی نبی بھی خالی نہ ہو گا کیونکہ ان کے پاس اگر صرف اس بات پر ایمان بالغیب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ہمارے افعال کے خالق میں تو وہ بالکل عام مومنین کی طرح ہو جاتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا اس میں کوئی شک نہیں کہ انہیں یہ شاہدہ حاصل ہوا مگر پردہ کئی طور پر نہ ہٹا تھا بلکہ ان کے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پردہ کئی طور پر زائل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد حضرت نے کشفی حقائق بیان فرماتے جن کے سمجھنے سے عقل قاصر ہے۔

آخر میں فرمایا کہ قرآن مجید میں انوارِ قدسیہ اور معارف ربانہ اور اسرارِ ازلیہ اس قدر بالا اوقات میں کہ اگر حضرت موسیٰ صاحبِ توراۃ، حضرت یسعیٰ صاحبِ انجیل اور حضرت داؤد صاحبِ زبور علیہم التسلیمات نزولِ قرآن کے زمانے تک زندہ ہوتے اور اس کو سنتے تو قرآن کا اتباع اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان اتوال میں تابعداری اور آپ کے افعال سے ہدایت پانے کے بغیر ان سے کچھ بن نہ آتا اور سب سے پہلے یہی لوگ آپ کی دعوت قبول کر کے آپ پر ایمان لاتے اور تلوار سے کراپ کے آگے ہو کر جہاد کرتے۔

مؤلف لکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی قسم کی ایک حدیث وارد ہوئی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ لَوْ كَانَ عِشْرَتِي وَمُؤْمِنِي حَيِّينَ لَا تَبْعَانِي (اگر مومن و عیسیٰ زندہ ہوتے تو بالضرور میری تابعداری کرتے) یا جیسے آپ نے فرمایا ہو۔

لے احادیث میں صرف مومن علیہ السلام کا نام ہے کسی صحیح حدیث میں عیسیٰ علیہ السلام کا نام نہیں دیا گیا خود مؤلف نے آگے چل کر ابراہیم، جبریل، کتابِ نوح، ابراہیم، کتاب التوحید کا حوالہ دیا ہے اس بندہ عاجز نے اس مقام کو بغور دیکھا ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام کا نام کہیں نہیں پایا۔ مؤلف کو دوحہ کا ہوا ہے ملاحظہ ہو نوح ابراہیم ج ۱ ص ۴۵۔ اگر کسی ضعیف روایت میں عیسیٰ علیہ السلام کا نام آجیگا ہو تو وہاں ان کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ابن جرہ کو دیکھیں کہ انھوں نے فتح الباری کی کتاب التوحید کے آخر میں اس حدیث کے متعدد فقرے نقل کیے ہیں اور اگر یہ خارج از بحث بات نہ ہوتی تو میں ان کو یہاں درج کر دیتا۔

۲۰۔ حدیث الْأَشْعَرِیِّین

میں نے حضرت سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اشعریین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا جنہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سواری کے اونٹ مانگے تھے کہ **وَاللّٰہِ لَا أَحْبَبُّ لَکُمْ عَلَیْہِ وَلَا عِنْدِیْ مَا أَحْبَبُّ لَکُمْ عَلَیْہِ** اللہ کی قسم میں تم کو سواری کے لیے اونٹ نہ دوں گا اور نہ میرے پاس ہیں کہ تم کو دوں۔ مگر (اس قسم کھانے کے بعد) آپ نے ان کو اونٹ عطا فرما دیے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے حق بات کے خلاف اور صدق کے سوا کوئی بات نہ نکل سکتی تھی (پھر یہ بات کیوں کر ہوئی کہ پہلے تو قسم کھا کر انکار کر دیا اور پھر قسم کے خلاف اونٹ دے بھی دیے)

فرمایا: بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سچ ہی بولا کرتے تھے اور حق بات ہی فرمایا کرتے تھے مگر آپ کا کلام باطن اور مشاہدے کے اعتبار سے نکلا کرتا تھا۔ چنانچہ کبھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذات الہی کے مشاہدے میں ہوتے اور جو لذت اس مشاہدے میں ہوتی ہے اس کی کیفیت نہ تو بیان ہو سکتی ہے اور نہ کوئی اور اس کا متحمل ہو سکتا ہے اور دنیا کی کوئی لذت بھی اس کے مماثل نہیں اور یہ وہ لذت ہے جو جنتیوں کو جنت میں دیدار الہی کے وقت حاصل ہوگی۔

اور کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذات باری تعالیٰ کی قوت اور غلبہ قدرت کے مشاہدے میں مستغرق ہوتے اور اس مشاہدے میں اللہ تعالیٰ کی قوت اور غلبہ قدرت کے مشاہدے کی وجہ سے خوف اور بے ہمتی ہوتی ان دونوں مشاہدوں میں آپ مخلوق سے غافل ہو جاتے اور کسی کو بھی نہ دیکھتے تھے اس کی نحوڑی سی تشریح حضرت جبریل کو نہ پہچان سکنے کی حدیث میں گزر چکی ہے۔

اور کبھی آپ ذات خداوندی کا مشاہدہ مخلوقات کے ساتھ کرتے اور آپ اللہ کی قدرت کو تمام مخلوقات میں ساری پاتے۔ اس مشاہدے میں ذات باری آپ کے باطن سے غائب ہو جاتی اور اس کے افعال باقی رہ جاتے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

ذات کا ذکر تغلیب کے ہوگا جیسے کہتے ہیں **مَتَقَلَّدُ سِیْفًا وَرَمَحًا** یا جیسے سورج اور چاند کو **الْعَرَانِ** کہہ دیتے ہیں اور ابو بکر و عمر کو **الْعَرَانِ** کہا جاتا ہے وہ حضرت میمنہ کی خیانت کے متعلق مزید احادیث موجود ہیں۔

اسی قیرے مشاہدے میں احکام شرعیہ کی تعمیل اور حقوق کی تعلیم و تربیت اور ان کو اللہ تک پہنچانے کی خدمت انجام پاتی تھی۔ لہذا آپ کی زبان مبارک سے جو کچھ بھی نکلتا تھا ان تینوں مشاہدوں سے خارج نہ ہوتا تھا، چنانچہ کلام فرماتے وقت بھی آپ پہلے مشاہدے میں ہوتے اور کبھی قیرے میں اور حدیث مذکور کا تعلق دوسرے مشاہدے سے ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذات باری اور اس کی قدرت کے مشاہدے میں اس قدر متفرق تھے کہ وہ اپنے آپ سے بھی بے خبر تھے اور کا تو ذکر ہی کیا۔ لہذا جب اشعریین نے آنحضرت سے یہ درخواست کی کہ ہمیں سواری کے اونٹ عطا فرمائیں اور آپ اس مشاہدے کی حالت میں تھے تو جواب میں یہ فرما دیا کہ اللہ کی قسم کہ میں تمہیں سواری کے لیے اونٹ نہ دوں گا اور نہ میرے پاس میں کہ دوں (کیونکہ مالک حقیقی اور مطلق حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہیں) اور یہ بات ہے بھی درست، لیکن جب آپ مشاہدہ حق سے مشاہدہ خلق کی طرف لوٹے اور اتفاق ایسا ہوا کہ اونٹ بھی آگئے تو آپ نے اس مشاہدے کے مطابق عمل کیا کیونکہ اس مشاہدہ کا تقاضا یہ ہے کہ احکام الہی کی اطاعت ہو اور حقوق بھی ادا کیے جائیں۔ اسی لیے آپ نے دریافت فرمایا کہ اشعریون کہاں ہیں؟ اس پر وہ بتاتے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اونٹ عطا فرمائے۔ انھوں نے عرض کیا بھی کہ یا رسول اللہ آپ نے تو حلف اٹھایا تھا کہ آپ ہمیں اونٹ نہ دیں گے اور اب آپ دے رہے ہیں۔ آپ نے جواب میں ایسے کلمات فرمائے جن سے مطلب نکلتا ہے کہ آپ نے ابتدا میں جو قسم کھائی تھی وہ اس مشاہدے کے حال کے مطابق تھی کیونکہ اس حالت میں آپ کو اپنے نفس پر ہی اختیار نہ تھا چہ جائیکہ اونٹوں کا دینا، اس لیے فرمایا کہ میں نے تم کو سواری کے لیے اونٹ نہیں دیے بلکہ اللہ نے دیے ہیں یعنی میں نے یہی تو قسم کھائی کہ میں نہ دوں گا اور نہ میرے پاس اونٹ ہیں جو سواری کے لیے دوں اور یہی حقیقت ہے کیونکہ تمہیں سواری کے اونٹ دینے والا اللہ ہے، نہ کہ میں۔ چنانچہ آپ نے انہیں اس طرح بتلادیا کہ آپ نے جو کہا ہے سچ کہا ہے اور جو کچھ فرمایا ہے درست ہے۔

یہ نے عرض کیا تو پھر آپ نے قسم کا کفارہ کیوں دیا اور فرمایا "میں اگر کسی بات کی قسم کھاؤں اور پھر اس کے خلاف بہتر سمجھوں تو اس قسم کا کفارہ ادا کر کے بہتر بات کو کر دوں گا۔"

حضرت نے فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم میں تو قسم کا کفارہ ادا نہیں کیا۔ اس حدیث میں جو ذکر ہوا ہے وہ تو صرف نئی بات کا ذکر اور ایک حکم کی تائید اور ایک قاعدہ شرعیہ مقرر فرمایا ہے۔ اس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قسم کا کفارہ دینا قطعاً ثابت نہیں ہے۔

مولف لکھتا ہے کہ بڑے بڑے اکابر مثلاً حسن بصری وغیرہ کی یہی رائے ہے اس شیخ عظیم کا عرفان کہتا

صحیح واقع ہوا ہے۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ پہلے مشاہدہ کی مثال جس کے متعلق ہم نے کہا ہے کہ اس کی لذت اہل جنت کی سی لذت ہے اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص کی ملاقات ایک باسلطوت و جلال سلطان سے ہو جس کے پاس ہتھیار اور ہر قسم کے آلات قتل اور دیگر خوفزدہ کرنے والے امور ہوں پھر وہ بادشاہ ان آلات و اسلحہ کو اتار دے اور گھوڑے سے اتر آوے اور اپنی رعایا میں سے ایک شخص کو بلا دے اور اس کے ساتھ انبساط اور خوش طبعی کی باتیں کرنے لگے۔ پھر یہ خوش طبعی اس حد تک پہنچ جائے کہ بادشاہ اُسے اپنے ساتھ ایک ہی کپڑے میں سلاتے، بھلاتاؤ کہ اس شخص کی خوشی کی کیا حد ہوگی، کیا کوئی اس کا اندازہ کر سکتا ہے یا کوئی شخص اس کی حقیقت بیان کر سکتا ہے؟ اس مثال سے صرف لفظوں میں اس مشاہدہ کی لذت کی طرف اشارہ نکلتا ہے ورنہ درحقیقت وہ کجا اور یہ کجا۔

حضرت نے فرمایا: اس مشاہدہ والے کو سکون، آرام، خوشی اور انشراح صدر کے علاوہ ایسی لذت حاصل ہوگی جو اس کی رگوں میں، گوشت میں، خون میں، ہڈیوں میں اور بال بالی میں اور روتیں روتیں میں غرض تمامی جوار ذات میں سرایت کیے ہوگی، حتیٰ کہ بالفرض اس کا ایک بال ملے کہ اس کی لذت کو دیکھا جائے تو اس میں بھی بعینہ وہی لذت پائی جائے گی جو اس کی عقل اور دل میں پائی جائے گی، حتیٰ کہ اگر ہم دنیا کی سب سے بڑی لذت یعنی لذت جماع کو لے لیں اور فرض کر لیں کہ یہ لذت مشاہدہ کا کرڈواں حصہ ہے اور پھر اس مجموعہ کو ستر کر ڈر کا ایک جزو قرار دیں اور یوں سمجھیں کہ مشاہدہ کی لذت اس کا دسواں حصہ (عشر) ہے تب بھی اس لذت کے قریب قریب تک نہ پہنچیں گے۔

پھر فرمایا کہ دوسرے مشاہدہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بادشاہ کے خلاف بغاوت کرے اور بادشاہ بھی اس کے خلاف اسلحہ اور اپنے و دبے اور قہر کے ساتھ نکل کر آئے تو اگرچہ پہلی لذت کا کچھ اثر اس مشاہدہ میں بھی پایا جائے گا مگر ساتھ ہی ناقابل برداشت ہیبت اور دہشت بھی ہوگی کیونکہ جو شخص بادشاہ کو ہاتھ میں نیزہ لیے ہوئے گھوڑے پر سوار دیکھے، پھر وہ نیزے کی حرکت دے کر ڈراتا دھمکتا بھی ہو تو جڑ اس پر غاری ہوگا اس کا حال کچھ نہ پوچھو اور فرمایا کہ پہلے مشاہدہ میں کچھ خواب کی صورت پائی جاتی ہے اور دوسرے میں بیداری کی سی کیفیت ہے اس لیے کہ اس میں ہیبت و دبہ خداوندی کے مشاہدہ سے بے چینی ہوتی ہے۔

فرمایا کہ اس حدیث میں کہ میرے دل پر کبھی کبھی بادل چھا جاتے ہیں تو اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔ تیسرے مشاہدہ کی طرف اشارہ ہے۔

(موتلف کہتا ہے) اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے اور بڑے بڑے محدثین مثل ترمذی، عیاض، نووی اور عراقی وغیرہ رحمہم اللہ نے بھی اس حدیث پر بحث کی ہے جس کا نام حاصل تقریباً وہی ہے جو حضرت نے فرمایا مگر حضرت نے جوابات فرمائے ہیں وہ مشاہدہ اور معاینہ کے بعد فرمائی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ تمام غلو قات میں سے کسی کو بھی پہلے اور دوسرے مشاہدہ پر دوام حاصل نہیں ہو سکتا، اسی لیے انہیں تیسرے مشاہدہ کی طرف آنا ضروری ہے تاکہ آرام کر سکیں۔ اسی لیے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مشاہدہ کی طرف نزول کرتے تو (چونکہ یہ مشاہدہ بمقام پہلے دو مشاہدوں کے ادنیٰ مشاہدہ ہوتا ہے) آپ اللہ سے استغفار کرتے اور اسے گناہ سمجھتے۔ حضرت نے اس کے علاوہ اس میں دیگر اسرار کا بھی ذکر کیا جن کا افشا نہیں کیا جاسکتا۔

موتلف کہتا ہے کہ جب حضرت سے میں نے ان تینوں مشاہدات کی تشریح سنی اور انہوں نے یہ بھی فرمادیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ان سے باہر نہیں ہو سکتا اور اس کلام کا مفہوم سمجھنا صرف انہی لوگوں کے لیے مشکل ہوتا ہے جو اس کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ نیز یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات سچی ہوتی ہے اور ہر بات اور ہر حال میں آپ حق بات کہتے ہیں تو میں نے سوال کیا کہ صحیح مسلم میں کجھور کو پیوند لگانے کا قاعدہ دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار صحابہ کے پاس سے گزرے جبکہ وہ کجھوروں کو پیوند لگا رہے تھے، آپ نے دریافت فرمایا یہ کیا کر رہے ہو، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ان کی اسی طرح اصلاح کی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرو تب بھی اچھا چل آئے، چنانچہ صحابہ نے آپ کے فرمان کے مطابق پیوند لگایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خراب قسم کی کجھور آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو فرمایا کہ کجھور کو کیا ہو گیا کہ ایسی آئی، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ ہی نے تو ہمیں ایسا فرمایا تھا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی دنیا کو بہتر جانتے ہو۔

۱۔ عراقی؟ حافظ زین الدین عبد الرحیم بن حسین عراقی۔ ان کی وفات ۱۴۰۲ھ میں ہوئی۔ انہوں نے اصول حدیث میں الفیہ لکھا۔

۲۔ جیسا کہ کتب میں کہ حسنات الابواب سیئات المؤمنین اسی طرح اس تیسرے مشاہدہ کی طرف آنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لگن معلوم ہوتا تھا، ایک بزرگ کے متعلق مشہور ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر کہنے لگے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ نماز پڑھ کے نہیں آیا بلکہ نہ ناکہ آیا یوں کہ نہ اللہ والوں کے ہاں تو نماز بغیر اشیائے معلوۃ مفعولاً، المؤمنین صیح معلوۃ میں سراج ہوتی ہے اور جب یہ کیفیت نہ پائی گئی ہو تو ان کے نزدیک نماز ہوتی بلکہ گناہ ہوتا۔ ۱۲

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "اگر تم اس طرح نہ بنو گے (یعنی بیوند نہ بنو گے) تب بھی پھل اچھا آوے" بالکل حق اور سچا کلام ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اس جزم اور یقین کی بنا پر فرمائی جو حضور کو حاصل تھا کہ فاعل مطلق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ جزم اور یقین آپ کو اس طرح حاصل ہوا تھا کہ آپ نے مشاہدہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا فعل تمام ممکنات میں براہ راست اور بلا سبب و واسطہ جاری و ساری ہے چنانچہ نہ کسی ذرہ کو سکون ہوتا ہے نہ بال کو حرکت، نہ دل کو اضطراب، نہ رگ میں پھڑک، نہ پلک کی کوئی جھپک، نہ ابرو کا اشارہ، مگر اللہ تعالیٰ بلا واسطہ اس کا فاعل ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا اس طرح مشاہدہ کیا کرتے تھے جس طرح عام لوگ محسوسات کا مشاہدہ کیا کرتے ہیں اور یہ کیفیت آپ سے کسی حالت میں بھی غائب نہ ہوتی تھی نہ بیداری میں نہ خواب میں۔ اس لیے کہ آپ کا قلب جس میں یہ مشاہدہ تھا کبھی نہ سونا تھا اور یہ بات یقینی ہے کہ جس ہمتی کو اس قسم کا مشاہدہ حاصل ہو اس کی نگاہ سے تمام اسباب گر جاتیں گے اور وہ ایمان بالغیب سے ترقی کر کے شہود و عیان تک جا پہنچے گا۔ لہذا اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: **وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ** محض ایک عقیدہ نہ ہوگا بلکہ مشاہدہ دائمی ہوگا جو نظر سے اوجھل نہ ہوگا اور وہ یقین نصیب ہوگا جو اس مشاہدہ کے مناسب ہے یعنی اس آیت کے معنی پر اس قدر پختہ یقین ہوگا کہ غیر اللہ کی طرف کسی فعل کے منسوب کرنے کا چوٹی کے سر کے برابر بھی دوسرے نہ گزرے گا اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ جس پختہ یقین کی کیفیت ہو اس سے معجزات کا ظہور ہوتا ہے اور اشیاء خود بخود متاثر ہونے لگی ہیں۔ یہ ایک ستر اعلیٰ ہے جس کے ہوتے ہوئے تمام اسباب و وسائل اٹھ جاتے ہیں۔ لہذا جس ہمتی کو یہ مقام حاصل ہو اگر وہ اسباب کے ساقط ہونے اور رب الارباب کی طرف فعل کے منسوب ہونے کا اشارہ فرماتے تو اس کا قول حق اور اس کی بات سچ ہوگی، مگر جس شخص کو صرف ایمان بالغیب حاصل ہو (یعنی مشاہدہ حاصل نہ ہو جیسے صحابہ رضوان اللہ علیہم) اس کے نزدیک **وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ** میں مشاہدہ نہیں ہوگا، اس کے نزدیک مشاہدہ یہی ہے کہ افعال کی نسبت ان کی طرف ہے جن سے یہ فعل صادر ہوتے اس کو اہمیت شریفہ کے معنی اور فعل کو خدا کی طرف منسوب کرنے کی جانب اس کا وہ ایمان کھینچتا ہے جو حق تعالیٰ نے اسے بخشا ہے۔ پس اس کے لیے دو جاذب ہیں، ایک جاذب خدا کی طرف سے ہے یعنی اس کا یہ ایمان جو اسے حق کی طرف کھینچتا ہے اور دوسرا اس کی اپنی طبیعت کی طرف سے یعنی اس کا یہ دیکھنا کہ یہ فعل تو بظاہر غیر اللہ سے صادر ہو رہا ہے اور یہ اسے باطل کی طرف کھینچتا ہے۔ اسی لیے انہی دو باتوں میں الجھا رہتا ہے

۱۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے **تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ لَبِّي** (الحديث)

کبھی جاذب ایمان تو ہی ہو جانتے تو اسے گمراہی یا دو گمراہی کے لیے آیت مذکورہ کا مفہوم مستحضر ہو جاتا ہے اور کبھی جاذب طبعی قوت پکڑتا ہے تو وہ آیت کے معنی سے ایک دن یا دو دن کے لیے غافل ہو جاتا ہے اور اس غفلت کے زمانہ میں وہ یقین جو خارقِ عادت تھا، جاتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ کہ اگر پیوند نہ بھی لگاؤ تب بھی اچھا پھیل آئے، وقوع میں نہ آیا کیونکہ وہ معجزہ نمایاں جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن مشتعل تھا اور جس کے مطابق آپ سے حق اور سچی بات نکلتی تھی، مصابرو کا حاصل نہ تھا۔ لہذا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہو گیا کہ عہدِ کجیور پیدا نہ ہونے کا سبب یہ ہے اور یہ علم ہو گیا کہ اس کا ازالہ مصابرو کی طاقت سے باہر ہے تو ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا اور فرمایا: تم اپنی دنیا کے امور سے زیادہ واقف ہو (لہذا تم اپنے دستور پر قائم رہو)

(مؤلف مکتا ہے) خدا تمہیں توفیق دے، بھلا غور کریں، ایسا عہد جواب کبھی سننے میں آیا ہے یا کسی کتاب میں دیکھا گیا ہے، حالانکہ یہ وہ حدیث ہے جو جمال الدین بن الحاجب، سیف الدین آمدی، صفی الدین ہمدانی اور

۱۔ شہاب الدین غفاریؒ (نسیم اربابین شرح شفا۔ عباسی جلد ۳ صفحہ ۲۵۷) نے اس حدیث کے متعلق سنو سنو کی تصریح بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو انہیں توکل خدا پر اقامہ کرتے ہوئے ایک خارقِ عادت بات کہنے کو کہہ رہے تھے مگر مصابرو نے زمانا اور صبر نہ کیا، اگر صبر کر لیتے تو ان کے لیے ستر ہوتا کہ چند سال تک صبر کر کے آپ کے فرمان پر عمل کریں اور ایسا کرتے رہتے تو کجیور کو پیوند لگانے کی مصیبت سے چھٹکارا مل جاتا کیونکہ وہ ہر بات کو خدا کی طرف سے سمجھتے تھے۔ پھر کسی کا قول نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ غور کرنے والے کے لیے سنو سنو کی بیان کردہ تشریح بہت ہی نفیس ہے۔ ۱۲

۲۔ جمال الدین ابن الحاجبؒ: جمال الدین ابو عمرو عثمان بن عمر المعروف بابن الحاجب ان کی وفات ۳۲۰ھ میں ہوئی مصنف کشف الظنون نے ان کی تاریخ وفات ۳۲۰ھ لکھی ہے ان کی کتاب مفتی السوال والال فی علم الاصول والبدل ہے جو مختصر ابن حاجب کے نام سے مشہور ہے۔

۳۔ سیف الدین آمدیؒ: ابوالحسن سیف الدین علی بن ابوبکر علی بن محمد علی بن علی بن محمد بن سیف الدین آمدی متوفی ۷۳۰ھ۔ ان کی کتاب کا نام مفتی السوال فی الاصول ہے (کشف الظنون ج ۲: ۳۴۷) ان کی ایک اور کتاب انکار الافکار علم کلام میں ہے غایۃ المرام فی علم الکلام بھی انہی کی تالیف ہے (کشف ۵: ۲)

۴۔ صفی الدین محمد بن عبدالرحیم ہمدانی لا روسی متوفی ۷۸۰ھ۔ انہوں نے اورسالة المسفیه اصول فقہیہ کشف الظنون ۱: ۴۲۳ اور الفائق فی اصول الدین لکھی ہے (کشف الظنون: ۲: ۶۱) اور تمیزی نہایۃ الوصول فی علم الاصول ہے (کشف الظنون: ۲: ۴۱۵)

ابوہامد انسانی جیسے اکابر علماء رسول کو مشکل نظر آئی۔

۲۲۔ حدیث اِذَا اُذِّنَ بِالصَّلٰوةِ میں نے حضرت سے اس حدیث کا مطلب دریافت کیا کہ جب مؤذن اذان دیتا ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا اَذْبَرَ الشَّيْطَانَ وَلَهُ ضَرَاطٌ ! دُوم دبا کر بھاگ جاتا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ شیطان کے بھاگنے کی وجہ یہ ہے کہ جب اذان کے الفاظ کسی پاکیزہ ہستی سے نکلتے ہیں تو جہاں تک آواز پہنچتی ہے تمام نفاس کے نور سے بریز ہو جاتی ہے اور نور میں ٹھنڈک ہے اور شیطان کی پیدائش شعلہ نارسے ہوئی ہے۔ ٹھنڈک اور آگ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

بعینہ اکثر طرح کی بات ایک اور بار حضرت نے فرمائی کہ جنات کو جہنم میں آگ کا عذاب نہیں دیا جائے گا کیونکہ آگ تو اس کی طبیعت ہے۔ آگ سے آپ کی مراد گرم آگ تھی کیونکہ وہ اس کی طبع ہونے کے سبب اسے نقصان نہ پہنچا سکے گی انہیں تو بورد آوردہ ہو کر سردی سے سخت خوف کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ گرمی کے موسم میں بھی ٹھنڈی ہو کر چلنے سے سخت ڈرتے ہیں اور جب ٹھنڈی ہوا چلتی ہے تو وہ جنگلی گدھوں کی طرح بھاگ جاتے ہیں۔ اب رہا پانی سودہ اس میں کبھی بھی داخل نہیں ہوتے اگر تعذیر سے کوئی جن پانی میں گھس جائے تو وہ بچھ جائے گا اور گھل جائے گا۔ جیسے اگر ہم میں سے کوئی شخص آگ میں پڑ جائے تو جھل کر فنا ہو جائے۔

پھر فرمایا کہ اگر جن کی کیفیت معلوم کرنا چاہو تو ایک نہایت تاریک بہت دھواں دینے والی آگ کو دیکھیں جس طرح کہ آگے کی آگ ہوتی ہے۔ پھر جس شکل پر حق تعالیٰ نے جنات کو پیدا کیا ہے اس کا تصور کر کے اس دھوئیں والی آگ میں کھڑا کر دو۔ یہی جن کی صورت ہوگی۔ واللہ اعلم۔

۲۳۔ حدیث اَبِیْتُ عَمْرٍو رَیْتُ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ میں نے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا کہ میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں اور وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

فرمایا: رب کے پاس ہونے سے مراد اس کی محبت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جگہ سے منزہ ہے اور کھلانے اور پلانے سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کو قوت بخشنا ہے۔

اس پر میں نے عرض کیا کہ ذاتِ ترانی کے لیے کیا انوار و تجلیات کا ذوق کافی ہو جاتا ہے کہ بچھکانے کی حاجت نہیں رہتی؟

فرمایا: کافی نہیں ہوتا۔ فرض کرو کوئی شخص نبی کو کپڑے اور اس کا کھانا پانی بند کر دے تو نبی یقیناً
مر جائے گا اس لیے کہ مٹی سے پیدا ہونے والی ذات کے لیے مٹی ہی سے پیدا ہونے والی غذاؤں کا ہونا
ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ انبیاء طہیم الصلوٰۃ والسلام کھاتے بھی ہیں، پیتے بھی ہیں۔
بسکے بھی رہتے ہیں، سیر بھی ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

۲۴۔ ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم | میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ کیا ولادت نبوی صلی اللہ
علیہ وسلم رات کے وقت ہوئی جیسا کہ ایک جماعت کا خیال
ہے اور انھوں نے ثبوت میں دو حدیث پیش کی ہے جو عثمان بن ابی العاص نے اپنی والدہ فاطمہ بنت عبد اللہ
ثقفیہ سے روایت کی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت موجود تھی
جب آپ پیدا ہوئے تو تمام گھر نور سے بھر گیا اور کیا دیکھتی ہوں کہ ستارے قریب آ رہے ہیں یہاں تک کہ
یوں خیال ہوا کہ وہ مجھ پر آگriں گے اس حدیث کی روایت بیہقی اور ابن اسکنن نے کی ہے اور ستارے
صرف رات کے وقت پاتے جاتے ہیں۔

یاد رکھو کہ آپ کی ولادت دن کو ہوئی اور محدثین نے مسلم وغیرہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اسے
صبح سمجھا ہے مگر ساتھ ہی کہتے ہیں کہ یہ طلوع فجر سے فوراً سا وقت بعد میں ہوئی جیسا کہ ایک حدیث میں ہے
اگرچہ وہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ فضائل و مناقب میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کر لیا جاتا ہے انھوں نے
ذکر وہ بالا حدیث کا جواب دیا ہے کہ اسے تو فجر طلوع ہونے کے بعد تک دکھائی دیتے ہیں لہذا اس
حدیث سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت رات کے وقت طلوع فجر
سے پہلے ہوئی۔

حضرت نے فرمایا (جس سے آپ کی ذات کو یہ کہے اسرار کا پتہ چلتا ہے) کہ واقعہ اور نفس الامرات یہ
عثمان بن ابی العاص ثقفی: صحابی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طائفہ کا گدہ فرما دیا اور یہ وہاں
ابوبکر اور عمر کے مدخلات میں بھی گزر رہے ان کی وفات ۳۵ھ، ۳۶ھ میں ہوئی۔

۱۔ فاطمہ بنت عبد اللہ ثقفیہ: یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے موقع پر موجود تھیں (استیعاب)
۲۔ بیہقی: ابوبکر احمد بن حسین البیہقی اپنے زمانے میں حدیث میں لکھتے تھے یہ عالم ابو عبد اللہ کے شاگرد تھے ۳۵۰ھ
۳۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۵۵ھ میں پچھتر سال کی عمر میں وفات پائی۔

۳۔ ابن اسکنن: ابو املی سعید بن عثمان البغدادی محدث ہیں ان کی تصحیح بھی قابل تہدیکہ لگتی ہے اس کا نام صحیح مسلم
ہے ان کی وفات ۳۵۳ھ، ۳۵۴ھ میں ہوئی۔

ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش رات کے آخری حصہ میں طلوع فجر سے بہت پہلے ہونا شروع ہوئی مگر آپ کی والدہ ماجدہ کی غلامی (کیونکہ آنول وغیرہ کو نکلنا تھا) کہیں طلوع فجر کے وقت جاگے ہوئی۔ وہ وقت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بطن مادر سے باہر آنے اور والدہ سے علیحدہ ہونے میں گزرایا دعا کی مقبولیت کا وقت ہوتا ہے جس کا ذکر احادیث میں آیا ہے اور جس کی عظمت و بزرگی بیان کی گئی ہے۔ اس گھڑی کی مقبولیت کا وصف قیامت تک رہے گا۔

حضرت نے فرمایا یہی وہ وقت ہوتا ہے جس میں رومی زمین کے اولیاء جس میں غوث و اقطاب سبعہ اہل وارثہ اور عدد بھی شامل ہیں۔ اکٹھے ہوتے ہیں۔ ان کا اجتماع مکہ سے باہر خارجہ میں ہوتا ہے۔ یہی لوگ نور اسلام کے عود کے حامل ہیں اور انہی کی بدولت تمام امت محمدیہ کو مدد حاصل ہوتی ہے لہذا جس کی دعا ان کی دعا سے اور جس کی تہجد ان کی تہجد سے موافقت کھا جائے، خدا اس کی دعا کو قبول کرتا ہے اور اس کی حاجت روائی کرتا ہے۔

حضرت ہمیں اکثر اس گھڑی کے وقت سے مطلع کیا کرتے اور فرماتے کہ مکہ میں غاس سے پہلے فجر طلوع ہوتی ہے کیونکہ مکہ مشرق میں ہے اور غاس جنوب میں، لہذا اپنی تہجد میں مکہ کی فجر کا لحاظ رکھا کر اور اسی کو اپنا معمول بناؤ پھر میں نے دریافت کیا کہ کھنجر غاس سے کتنا عرصہ پہلے طلوع ہوتی ہے فرمایا کہ مکہ میں فجر ابن جبریل جو قرودین کی سب کا موزن ہے اس کے اذان دینے سے تھوڑا وقت پہلے طلوع ہوتی ہے۔

میں نے عرض کیا پھر مقبولیت کی گھڑی دردی اور اس کے بعد سلاوی کے اٹھنے کے درمیان ہوئی، حضرت نے فرمایا: ہاں۔

چنانچہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے سورہ کف کی آخری آیت اِنَّ الشَّيْطَانَ اَمْسُوْا ذَعِبُوْا الصَّالِحَاتِ كَاَنْتَ لَعْنَةُ جَنَّاتٍ اَلْفُرْدِیْنَ مُزَلَّا خَالِدِیْنَ فِیْہَا لَا یَبْعُوْنَ عَنْہَا حِوْر۔ سے لے کر آخر تک پڑھا کرتا تھا تا کہ میری آنکھ اس وقت کھل جائے۔ تقریباً سولہ سال اس پر میرا عمل رہا۔ چنانچہ میری آنکھ بالعموم دردی کے وقت میں کھلا کرتی اور کبھی اگر دیر ہو جاتی تو سلاوی کے وقت میں کھلتی۔ دیگر مالک کے اصحاب سے بھی جو اس بارگ گھڑی کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، میں نے یہی سن ہے کہ وہ بھی اپنے ملک کی فجر طلوع ہونے سے بہت پہلے اٹھا کرتے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵۔ ولادتِ نبویؐ

میں نے حضرت سے دریافت کیا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کس ماہ

کس ماہ میں ہوئی!

میں ہوئی؟ کیونکہ اس میں علماء میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ

بعض مفرقاتے ہیں اور بعض ربیع الآخر۔ بعض رجب کہتے ہیں اور بعض رمضان۔ بعضوں نے عاشورہ کا دن کہا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ عینے کی تیسریں کا ہیں علم نہیں ہے، حضرت نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ربیع الاول میں ہوئی۔

۲۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں کس دن ہوئی

کیونکہ اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض دو ربیع الاول بعض سات اور اکثر علماء نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ بعض نے ۹ اور بعض نے ۱۲ ربیع الاول بیان کیا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، ربیع الاول کو ہوئی۔ یہی حقیقت نفس الامری ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ربیع الاول کی ساتویں رات ہوئی جیسا کہ بیان ہو چکا کہ آپ کی ولادت رات کے وقت ہوئی۔

۲۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سال ولادت

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کس سال ہوئی؟ کیونکہ اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔

چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ عام الفیل میں ہوئی اور ہاتھیوں کے واقعہ سے پچاس دن بعد ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے پچپن ماہ بعد ہوئی۔ بعض چالیس ماہ بعد بعض دس سال بعد اور بعض ۵ سال بعد بتاتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو عام الفیل میں = مگر جواب ہوئی ہاتھیوں کے آنے سے پہلے اور اللہ تعالیٰ نے مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود پاک کی بدولت ہی تو ہاتھیوں کو مکہ سے دھکیل دیا تھا۔ میں نے حضرت سے یہ نہ پوچھا کہ ہاتھیوں کے آنے سے کس قدر پہلے ہوئی۔ اگر دریافت کرتا تو حضرت تعین فرما دیتے کیونکہ اگر آپ انہیں جواب دیتے ہوتے سن میں تو اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں سنیں۔ واللہ اعلم۔

۲۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدتِ حمل

میں نے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدتِ حمل کس قدر تھی؟

جواب | حضرت نے فرمایا: آپ کی مدتِ حمل دس ماہ تھی۔

۲۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل کی بغل کے بال بہت اختلاف ہے، جس کا ذکر بہت لمبا ہے۔

جواب فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل میں اتنے بال نہ تھے کہ نوچے جاسکیں۔ بلکہ بہت ہی کم بال تھے یعنی آپ کی بغل مبارک سفید تھی، جس میں تھوڑی سی بالوں کی سیاہی ملی ہوئی تھی آپ کی بغلوں میں کم بال ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی چھات کے اوپر کے حصہ اور کندھوں پر بال بہت زیادہ تھے۔ چنانچہ ان دونوں اعضاء پر بکثرت بال تھے یہی وجہ تھی کہ آپ کی بغلوں میں بال کم تھے۔ واللہ اعلم۔

تذکرہ لکھا ہے میں جب بعض روایت میں دیکھتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر بال تھے تو یہ بات میری سمجھ میں نہ آتی تھی، تا آنکہ جب میں نے حضرت سے یہ کلام منور سنا تو فوراً یہ بات سمجھ میں آگئی۔

۳۰۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ میں نے پھر دریافت کیا کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابرو بڑے ہوتے تھے جیسا کہ ایک روایت میں ہے یا غیر اقرن تھے (یعنی ابروؤں میں فاصلہ تھا) جیسا کہ دوسری روایت میں ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اقرن نہ تھے یعنی آپ کے ابرو آپس میں ملے ہوئے نہ تھے۔

۳۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چال کے متعلق دریافت کیا کہ آیا آپ دائیں بائیں جھک کر چلتے تھے جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے یا آگے کو جھک کر چلتے تھے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ اگر آپ دھلان کی طرف اتر رہے ہیں،

فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دائیں بائیں جھک کر چلتے تھے اس وقت ہمارے ساتھ کوئی اور نہ تھا تو فرمایا: کوئی تمہیں دکھاؤں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات میں اس دنیا میں کیسے چلا کرتے تھے اور آپ آگے کو تقریباً ساٹھ قدم چلے، میں نے آپ کو دائیں بائیں جھکتے دیکھا۔ یہ ایک ایسی چال تھی جس کی خوبی کو دیکھ کر میری عقل اڑنے کو تھی۔ میں نے اس سے زیادہ خوبصورت اور زیادہ محیر العقول چال کبھی نہیں دیکھی۔ نہ آنحضرت سے راضی ہو۔ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کس قدر صحیح علم تھا

واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کے متعلق روایات میں بڑا اختلاف ہے، اس لیے میں نے حضرت سے حضور علیہ السلام کی ریش مبارک کے متعلق دریافت کیا۔

فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک گھنی تھی اور ساتھ ہی ٹھوڑی متوسط طور پر لمبی تھی اور جہاں رخسار اور ٹھوڑی ملتے ہیں وہاں ریش مبارک ہلکی تھی۔

۳۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بال میں نے حضرت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں (کیونکہ اس میں اختلاف ہے) آپ کے سفید سفید بال خضاب اور چونہ کا استعمال

کیا آنحضرت نے چونہ استعمال کیا؟

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال کبھی لمبے ہوتے تھے اور کبھی چھوٹے، ہمیشہ ایک ہی نہ ہوتے تھے اور پیشانی کے پاس بال کترا دیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے مواکب سر کے بال نہیں منڈوائے۔ نچلے ہونٹ اور ٹھوڑی کے درمیان تقریباً ۵ سفید بال تھے، کچھ تھوڑے سے کینٹیوں میں تھے اور ٹھوڑی میں اس سے کچھ زیادہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مندی سے داڑھی کو خضاب لگا کر مرت اس وقت جب آپ مکہ میں بطور فاتح داخل ہوئے اور چند بار مدینہ میں بھی آپ نے چونہ کا استعمال بھی کیا۔ حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ نہ چونہ تیار کیا کرتی تھیں۔

۳۴۔ شق صدر میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کاشق صدر کتنی بار ہوا۔ کیونکہ احادیث میں اس بارے میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کاشق صدر تین بار ہوا، پہلی بار علیہ کے پاس جبکہ آپ کے سینہ مبارک سے شیطان حصہ نکال دیا گیا کیونکہ ذاتِ تراب کا تقاضا یہ ہے کہ حکم کی مخالفت کرے اور اپنی خواہشات کے پیچھے چلے۔ دوسری بار جب آپ کی عمر دس سال کی تھی اس بار یہود و مساحون کو جڑ سے نکال دیا گیا اور تیسری بار نبوت کے وقت میں نے حضرت سے یہ نہ پوچھا کہ اس مرتبہ کون سی چیز نکال گئی۔

میں نے پوچھا بہت سی احادیث کے ظاہر الفاظ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ معراج کی رات بھی شق صدر ہوا۔ حضرت نے فرمایا: مگر یہ درست نہیں ہے۔

پھر فرمایا کہ شق صدر تو کسی کی لگا اور نہ اس میں خون بہا اور بغیر سلائی اور آلے کے آپ کا سینہ مبارک پھر جڑا گیا اس تمام عمل کے باوجود آنحضرت علیہ السلام کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی کیونکہ یہ اللہ سبحانہ کا فعل ہے۔ واللہ اعلم

مؤلف کہتا ہے کہ جو شق صدر اس وقت ہوا جبکہ آپ علیہ السلام کے پاس تھے اس پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے۔ دس سال کی عمر میں جو شق صدر ہوا اس کا ذکر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں آیا ہے جسے عبد اللہ ابن الامام نے نوادہ مسند میں بیان کیا ہے اور جو شق صدر نبوت یعنی ابتداء بعثت کے وقت ہوا اس کا ذکر ابو داؤد طیالسی نے اپنی مسند میں، ابونعیم اور بیہقی نے دلائل النبوة میں کیا ہے مگر جو شق صدر مسراج کے وقت ہوا اس سے بعض نے انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کا ذکر صرف شریک بن عبد اللہ بن ابی نمرہ المدنی کی روایت میں آیا ہے اور شریک منکد الحدیث ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ درست یہ ہے کہ یہ شق صدر بھی شریک کے سوا اوروں کی روایت سے صحیح میں ثابت ہے۔ یہ ابو ذر کی حدیث سے ثابت ہے، دیکھیں ابن حجر فتح الباری (کتاب التوحید کے آخر میں) حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت

۱۔ عبد اللہ بن الامام احمدؒ ان کی بیدارش ۲۱۳ھ میں ہوئی انہیں زہد کے لقب سے پکارا جاتا تھا اور اپنے باپ احمد بن منہل رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث سنی۔ ان کی وفات ۱۹۵ھ میں ہوئی،

۲۔ ابو داؤد طیالسیؒ: سلیمان بن داؤد طیالسیؒ یہ دراصل فارسی نسل کے تھے۔ بہت تیز حافظے والے تھے، کہا جاتا ہے کہ ان کی مسند پہلی مسند ہے جو کبھی گئی ہے، ان کی وفات ۳۳۵ھ میں ہوئی،

۳۔ ابونعیمؒ: احمد بن عبد اللہ الاصغمانیؒ: یہ علیہ الاولیاء کے مصنف ہیں۔ حدیث کے استادوں میں سے تھے، ۳۲۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۵۳ھ میں وفات پائی، چھیانوے سال کی عمر پائی۔

۴۔ شریک بن عبد اللہ بن ابی نمرہؒ: انھوں نے انس، سعید بن المسیب، عبد الرحمن وغیرہم سے روایت کی۔ ابن عیینہ اور نسائی کہتے ہیں کہ ان کی حدیث میں کوئی قباحت نہیں، ابن اسعد کہتے ہیں ثقہ اور کثیر الحدیث ہیں، ابن عدی کہتے ہیں جب ان سے ثقہ روایت کریں تو ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں، ابن حبان نے بھی انہیں ثقات میں شمار کیا ہے مگر بعض اوقات غلطی کا ہوتا ہے، نسائی کا وہ سراقول ہے کہ یہ قوی نہیں ہیں اور یحییٰ بن سعید ان کی حدیث کی روایت نہیں کرتے (تذیب التذیب ج ۲ صفحہ ۲۳۸-۲۳۹)

۵۔ ابو ذرؒ: ابو ذر غفاریؒ ان کے نام میں بہت اختلاف ہے۔ اکثر کا خیال ہے کہ ان کا نام جندب بن جنادہ ہے۔ یہ قدیم اسلام لانے والوں میں سے تھے اور پانچویں ایمان لانے والے ہیں ان کے ایمان لانے کا واقعہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعثت ہوئے تو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بالکل اُٹھ تھے۔ لہذا آپ کا کلام خالص کشف اور عیان تھا۔ لہذا درست یہی ہوگا کہ معراج کے وقت شفیق

صدر ہوا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳۵۔ کیا آنحضرت صلعم کی انگشت
شہادت درمیانی انگشت سے بڑی تھی؟

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کی شہادت کی انگلی پاؤں کی درمیانی انگلی سے
بڑی تھی مگر آپ کے ہاتھوں کی شہادت کی انگلیاں درمیانی انگلیوں کے برابر تھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم
۳۶۔ جبریل کا آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کو تین بار بھینچنا

ما آتاینا ربی امیں پڑھا ہوا نہیں ہوں اب جبریل نے آپ کو پورے زور سے بھینچا۔ یہ کیوں کر ہوا؟
حضرت نے فرمایا کہ جبریل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلی بار تو اس لیے بھینچا تھا کہ آنحضرت کو
بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ بنا کر خدا کی ایسی ابدی رضامندی حاصل کریں جس کے بعد کوئی ناراضگی نہ ہو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

انھوں نے اپنے بھائی کو کہہ دیا کہ جاکر خبر لاؤ کہ وہ کیا اور واپس جاکر بتایا کہ وہ شخص سلامِ اخلاق کی تعلیم
دیتا ہے اور جو کلام وہ پڑھتا ہے وہ نہ شعر ہے اور نہ گانہوں کی زبانی۔ اللہ کو اس کے بیان سے تشفی نہ ہوئی۔ اس لیے
خود رواں ہو گئے کہ سپنے لگ گئی کہ اپنے دل کی بات نہ بتائی۔ خود تلاش کرتے رہے اور کسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
متعلق پوچھا بھی نہیں۔ چنانچہ رات ہو گئی اور یہ خانہ کعبہ میں پڑے رہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ادھر آنا ہوا
وہ انیس اپنے گھر گئے مگر کچھ قسم کی بات نہ کی۔ اسی طرح تین دن اور تین راتیں گزریں۔ حضرت علیؑ اور ان کا
میں معاملہ ہوتا رہا۔ بالآخر حضرت علیؑ نے پوچھا کہ تو کون ہے اور کیوں کر آیا ہے اس پر ابوذر نے حال بتایا اور صبح جاکر
آنحضرتؐ کی خدمت میں آیا ان سے کہتے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انیس خاموشی سے وطن چلے جانے کو کہا مگر انھوں نے
کعبہ کے اندر اپنے ایمان کا اعلان کیا۔ کفار نے انیس کو بھڑا دیا۔ حضرت عباسؑ نے انیس سے کہہ کر پھیر لیا کہ یہ غی غفار میں ہے
اگر تم نے اسے مار ڈالا تو اس کا قوم تمہارا تمام کہ تمہارت کا راستہ بند کر دے گا۔ انیس نے انیس دنانہذا کر دیا پھر دودن
ادھار طرح کیا اور کافروں نے مارا۔ اس کے بعد وہ وطن چلے گئے اور ہجرت کے بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں حاضر ہوئے کہ ان کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی۔

دوسری بار بھیجنا اس لیے تھا کہ جادو ٹھہری میں داخل ہو اور آپ کے جمالِ شریف کی پناہ میں آجا دے اور تیسری بار اس لیے بھیجنا کہ آپ کی اُمت میں شامل ہو جائے۔

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہنا کہ اِنْدَآ (پڑھو) اس سے مراد ہے کہ کلام قدیم کو اپنی حادث (جسمانی زبان) سے لوگوں تک پہنچا دیں کیونکہ اسی مقام پر تمام کاتام قرآن مجید نازل ہو گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ مِنْ رَبِّكَ يَتْلُوْنَهُ كُتُبًا مِّنَ الْقُرْآنِ (سورہ بقرہ پارہ ۲، آیت ۱۰۷) سے یہی مراد ہے، پھر فرمایا کہ جبریل کا مطالبہ یہ تھا کہ آپ ان معانی قدیمہ اور اس ازل مکالمے کو جو آپ کو اس وقت حاصل ہوا تھا، لوگوں تک پہنچا دیں۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، (مَا اَنَا بِقَارِئٍ) یعنی کلام قدیم اور قول ازل کو اپنی جسمانی اور حادث زبان سے ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس پر جبریلؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا کہ وہ کس طرح اس حادث زبان سے کلام ازل کو لوگوں تک پہنچائیں۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریل سے پڑی محبت تھی۔

اس کے بعد حضرت نے اس بارے میں وہ وہ باتیں بیان کیں کہ ہماری عقلیں حیرت زدہ ہو گئیں اور تقریباً سارا دن اس بیان کو جاری رکھا۔ اس بیان میں اس قدر اسرار پاتے جاتے ہیں کہ ان کا کھنڈا روا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۷۔ حدیث اَرَأَيْتُمْ کُمْ یُفْلَکُ ۚ میں نے حضرت سے حدیث اَرَأَيْتُمْ کُمْ یُفْلَکُ ۚ کے متعلق دریافت کی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سو سال تک اس قرن کے ختم ہوجانے کو ملن اشارہ فرمایا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت معلوم نے اپنی وفات سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے یہ حدیث فرمائی تھی درحقیقت یہ آپ کی روح مبارک کا کلام ہے جو آپ کی ذات کریمہ کی تعزیت کر رہی اور اسے تسلی دے رہی ہے کیونکہ آپ کو قرب وفات کا علم ہو چکا تھا اور آپ کی روح نے اسی پوشیدہ راز کا اظہار کیا تاکہ آپ کی ذات کو تسلی ہو جائے۔

عمر بچے نواں کیونکہ امام سلم نے اپنی صبیح میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے بعد ہی ہوا۔

۱۷ جابر: جابر بن عبداللہ بہت پایہ کے صحابی تھے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوفہ و مدینہ میں شرکت کی، جگہ بدر اور احد میں انھوں نے شرکت نہیں کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے لیلتہ البعیر میں پھینا مریہ و عار منفرت کی، ان کی وفات ۳۷ھ و ۳۸ھ میں ہوئی۔

دہم کی وفات سے ایک ماہ پہلے کا ہے۔ اس اُمتی امام کا کیا کہنا۔ یہ شمالی نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا خوب واقف تھا۔

پھر میں نے حضرت سے دریافت کیا اور میرے سوال کرنے کا اصل مقصد بھی یہی تھا، کیا اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے ہم کو ان لوگوں کی تکذیب کرنا صحیح ہو گا جو اس قرن کے گزر جانے کے بعد بھی صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کریں جس طرح کہ ان لوگوں کی تکذیب کی جاتی ہے جو دو سو سال بعد یا اسی طرح جو ۶۰۰ سال بعد یا آٹھویں صدی میں صحبت کا دعویٰ کریں بچپنا بیجا حلف ہو مکر آش اور عمر المغربی اور رتین (ص۔ رتن) ہندی، حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب الامساہ (فی معرفۃ الصحابہ) میں صحابہ کے بیان میں اس پر خوب بحث کی ہے اسی طرح ان کے شاگرد شمس الدین السہادی نے بھی الفیہ فی اصطلاح الحدیث کی شرح میں اس پر بحث کی ہے اور حافظ سیوطی نے بھی اپنی کتاب الامادی فی الفتاویٰ میں۔

حضرت نے فرمایا صحابہ کی تعداد کا احاطہ نہیں ہو سکتا کیونکہ کچھ تو آپ کی وفات سے پہلے دنیا میں منتشر ہو گئے تھے اور کچھ وفات کے بعد اور ایک جماعت اطراف دنیا میں پکڑ لگاتی ہوئی چلی گئی۔ حدیث مذکورہ عام معنوں میں ہے جس سے مراد وہ خاص صحابہ ہیں جو لوگوں میں صحابی ہونے کے لحاظ سے مشہور و معروف ہیں۔ کشف اور عیان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے!

اس کے بعد میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ کیا جراحہ کے لوگ صحابی تھے۔ جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنحضرت کی زندگی میں آتے اور آپ نے بربری زبان میں ان سے گفتگو

۱۔ مکر آش بن ذویب بن حرقوس: ابن عبد البر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ انھوں نے صرف ایک حدیث روایت کی ہے مگر ابن جریر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ انھوں نے دو حدیثیں روایت کی ہیں۔ یہ صحابی تھے۔ جبکہ جمل میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ تھے۔ سو سال عمر پائی۔

۲۔ معمر مغربی: ان کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

۳۔ رتین: اصل کتاب میں اس طرح دیا گیا ہے۔ مولوی ماسق صاحب نے اپنے ترجمہ میں تین لکھا ہے اور یہ سب غلط ہے۔ اصل نام رتن ہے اور رتین بابا رتن ہندی کے نام سے مشہور ہے یہ شخص بٹخندہ کا رہنے والا تھا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے تقریباً آٹھ سو سال عمر پائی اور صحابی تھا، لیکن ابن حجر نے اس کا رد کیا ہے

۴۔ شمس الدین سہادی: شمس الدین محمد بن عبد الرحمن سہادی متوفی ۸۱۳ھ: ۱۴۱۶ء کا تہذیبی مصنف کشف لکھتے ہیں کہ الفیہ کی شرحوں میں یہ بہترین شرح ہے۔

کی۔ اس حکایت کا ذکر شباب الدین خفاجی نے شرح شفا میں کیا ہے، لیکن کوئی متصل سند بیان نہیں کی اور کئی ایک آئمہ نے اس واقعہ کو عجیب و غریب خیال کیا ہے۔

حضرت نے فرمایا: یہ لوگ صحابی نہیں ہیں، اہل بعیرت پر فوراً صحبت مخفی نہیں رہتا بلکہ تمام مغرب میں کوئی صحابی نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ سب حضرت سے ہم نے ان احادیث کے متعلق سنا جو ہمیں مشکل دکھائی دیں۔ ہم اتنے پرہیزگار تھے کہ ہم نے ان قدر مرید کے لیے کافی ہے۔ واللہ اعلم۔

شباب الدین خفاجی: احمد شباب الدین خفاجی شارح شفا عیاض۔ انہوں نے یہ شرح شفا، مشہور ہے ختم کی، انہوں نے بہت سی تصانیف کی ہیں، مکمل فرست نہ ہونے کی وجہ سے مجھے حجاج کا قصہ خفاجی میں ذیل سے آئمہ معارف کا تصحیح ۱: ۲۲۲ پر دیا ہے کہ یہ لوگ آئے۔ جب مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کرتے تھے تو اپنی زبان میں کہا "من ابوان امیران" یعنی تم کون رسول اللہ ہیں۔ مگر کوئی صحابی اس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کی زبان میں جواب دیا "اشکدار" یعنی ادھر آؤ۔ اس کے بعد وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی زبان میں دیر تک باتیں کرتے رہے اور ایمان لا کر واپس چلے گئے۔

دوسرا باب

قرآنی آیات اور قرآنی آیات میں سریانی الفاظ کی تشریح۔

پھر سورتوں کے ابتدائی حروف مثلاً ص - ق - یس - طہ

کھنص - اکم - الر کی تفسیر اور ان کے علاوہ دیگر

اسرارِ الہیہ کا بیان جن کا علم آپ کو اس باب میں ہو جائیگا۔

۱۔ نَلَمَّا اَتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ زَيْنِمَا اَتَاهُمَا فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا

يُشْرِكُونَ۔ (سورۃ اعراف آیت: ۱۹۰)

اللہ تعالیٰ نے آدم اور حوا کے قصہ میں فرمایا ہے نَلَمَّا اَتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ زَيْنِمَا اَتَاهُمَا فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ۔ (جب اللہ نے انہیں صالح و صالحہ فرمایا تو انہوں نے اللہ کے دیے ہوئے میں اس کے شریک بنالیے۔ اللہ کی ذات ان کے تجویز کردہ شرک سے بلند ہے) میں نے عرض کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام اللہ کے نبی اور پیارے ہیں وہ اللہ کے لیے کیسے شریک تجویز کر سکتے ہیں؟

حضرت نے فرمایا: یہاں تو بیٹوں اور اولاد کے لیے باپ کو عتاب ہوا ہے (یعنی کیا ان انسانوں نے جو حضرت کی اولاد میں اور عتاب ہے حضرت آدم کو) مثال کے طور پر ایک شخص کا باغ ہے جس میں مختلف قسم کے پھل اور میوے ہیں۔ زید کی اولاد آکر پھل توڑتی ہے اور باغ کو دیران کر دیتی ہے اس پر باغ کا مالک زید کے پاس آکر اس سے جھگڑتا ہے اور اسے عتاب کرتا ہے کہ تو نے میرا باغ دیران کر دیا اور میرا

پہل کھایا اور تو نے ایسا ایسا کیا۔ اسی طرز پر حضرت آدم کے قعدہ میں حضرت آدم کو قاب ہوا ہے، میں نے یہ جواب ابتدائی زمانے میں حضرت سے سنا تھا۔

موتلف کتاب ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس جو جبرائیلؑ کھاتے ہیں، اُن کا یہی قول ہے۔ حافظ سیوطی نے اس قول کو اپنی کتاب اَلدِّمَاسُورِی فی تفسیر القرآن بالماثورۃ میں نقل کیا ہے اور سید جبرائیلؑ نے شرح موافق میں اسے ہی اختیار کیا ہے۔ خدا اس سید طیل سے راضی ہو، اسے اللہ اور اس کے انبیاء کے متعلق کس قدر علم حاصل ہے۔ اس تشریح کا استدلال یہ ہے کہ اس آیت کے خاتمہ کا سیاق صرف کفار کے متعلق درست بیٹھ سکتا ہے کیونکہ جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ میں شُرَكَاءَ جمع کا صیغہ ہے جو صرف کفار کے متعلق درست ہو سکتا ہے۔

۲۔ اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (سورہ بقرہ آیت ۳۰)

میں نے حضرت سے ملا کہ مذکور کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق دریافت کیا کہ اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ اور عرض کیا کہ اس میں تو ایک قسم کی غیبت پائی جاتی ہے (جو گناہ کبیرہ ہے) اور ملا کہ معصوم ہیں۔

حضرت نے فرمایا اس میں کوئی غیبت نہیں پائی جاتی اور اُن سے سرزد ہو سکتی ہے کیونکہ وہ تو اللہ کے کرم بندے ہیں، اُن کے کلام کا اصل معنوم صرف اتنا ہے کہ اے خدا کیا تو اُن انسانوں کو اس دنیا میں خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو تجھ سے حجاب میں ہیں، حالانکہ تیرے پاس وہ فرشتے موجود ہیں جو تجھ سے محبوب نہیں ہیں اور ان میں خلیفہ بننے کی صلاحیت بھی پائی جاتی ہے یعنی میں خلیفہ بنانا چاہتیے، کیونکہ ہم تیرا مشاہدہ کتے ہیں تیری قدر پہچانتے ہیں۔ لہذا تیری حکم عدول نہیں کرتے اور محبوب تیری قدر نہیں جانتا اس لیے نافرمانی کرتا ہے بالفاظ دیگر انہوں نے یوں کہا کہ خدا کیا تو ایسے انسانوں کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو تجھے نہیں پہچانتے اور ہم تجھے پہچانتے ہیں اور یہ اُن کی طرف سے اپنے مبلغ علم اور عندیہ کے مطابق اطلاع دہانی تھی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) یعنی تمہارا یہ خیال کہ محبوب میری قدر پہچان نہیں سکتا اور یہ کہ میری قدر صرف وہی پہچان سکتا ہے جو میرا مشاہدہ کر رہا ہو۔ یہ صرف تمہارے مبلغ علم کے مطابق ہے مگر میرا علم اس سے کہیں بالا و بلند ہے کیونکہ میں محبوب کو مانتور بنا دوں گا

۱۔ سید جبرائیلؑ: سید شریف علی بن محمد جبرائیل متوفی ۱۱۱۷ھ۔ انہوں نے موافق فی علم الکلام مولانا صفدر الدین جباری بن احمد کا شرح لکھی ہے۔

اور اپنے اور اس کے درمیان سے حجاب دور کر دوں گا یہاں تک کہ اسے میری معرفت حاصل ہو جائے اور اسے میرے متعلق اس قدر علم حاصل ہو جائے جس کی تم میں قدرت نہیں ہے۔ اسی واسطے فرمایا: **وَدَعَلَتْهُ اَدَمُ الْاَسْمَاءُ كُلَّهَا** (آدم علیہ السلام کو تمام اسماء کا علم دیا) آیات اس پر میں نے سوال کیا کہ کیا اس آیت میں تمام ملائکہ کو خطاب کیا گیا ہے یا صرف ملائکہ ارضی کو؟ حضرت نے فرمایا کہ اس آیت میں صرف ملائکہ ارضی کو خطاب ہے۔

ترتیب کہتا ہے کہ سرسبز کی ایک جماعت کا جن میں حبیب الامت حضرت عبداللہ بن عباس شامل ہیں یہی قول ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو تفسیر شعبی وغیرہ

اس کے بعد حضرت نے فرشتوں اور انیس اور اس قسم کے متعلق تقریر جاری رکھی اور ایسی ایسی باتیں بیان میں جن کے سمجھنے سے عقل تامل میں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

میں نے حضرت کو یہ بھی بتے ہوئے سنا کہ فرشتوں نے بن آدم کے محبوب اور اس کے خود رائے بخشنے کو خلیفہ کے لفظ سے سمجھا اسی لیے تو یہاں تک کہہ دیا کہ **أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا** کیونکہ خلیفہ کی شان یہی ہے کہ وہ خود رائے ہو اور جسے منقطع ہو، لہذا وہ تدبیر انجام کا علم اور مصلحتوں میں غور و فکر کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے آپ کو منقطع کر لیتا ہے اسی میں اس کی طاقت اور موت ہوتی ہے لہذا خلیفہ کے لفظ سے ہی انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ انسان اللہ سے محبوب ہی واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۔ **اَسْبَغُوا احْسَنَ مَا اُنْزِلَ اَيْكُم مِّنْ ذِكْرٍ** (سورہ زمر آیت ۳۵)

میں نے حضرت سے آیت **اَسْبَغُوا احْسَنَ مَا اُنْزِلَ اَيْكُم مِّنْ ذِكْرٍ** کے متعلق دریافت کرتے ہوئے عرض کیا کہ اس آیت سے تو یہ مفہوم نکلتا ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ احسن نہیں ہے حالانکہ قرآن مجید تمام کا تمام احسن ہے۔ میں نے حضرت سے اس بارے میں علماء نے جو جوابات دیے ہیں وہ بھی ذکر کر دیے مثلاً (۱) یہ کہ مظلوم کے لیے اس آیت کے مطابق کہ **فَاَعْتَدُوا لِمِثْلٍ مَا اَعْتَدَايْ عَلَيْهِ كُنْتُمْ** (جبنا ظلم اس نے کیا ہے اتنا تم بھی کرو) انتقام لینا جائز ہے، مگر اس کے لیے احسن یہی ہے کہ وہ صبر کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **وَلَيَنْصَرِفَنَّ عَنْكُمْ خَيْرٌ لِّمَا بَدَرْتُمْ** (اگر تم صبر کرو تو صبر یقیناً صابر لوگوں کیلئے بہتر ہے) اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو اسے سزا دینے کے معاف کر دیا کرو۔ حقیرت (سزا) بیان ایک نیکی ہے

لہ تعلیق، ابراہیم احمد بن محمد بن ابراہیم شعبی نیشاپوری ترمذی ۳۲۵ھ، ۳۲۶ھ۔ ان کی تفسیر کا نام اکشف والبيان فی تفسیر القرآن ہے۔

مگر عفو اس سے بھی بہتر ہے یا (۷) احسن سے مراد ناسخ ہے اور حسن سے منسوخ (۳) اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ بعض بندگان طلیع ہیں اور بعض عامی۔ لہذا ہمیں طلیع کی تابعداری کرنی چاہیے۔ یہی احسن ہے (۴) اَتَّبِعُوا اَحْسَنَ مَا اُنْزِلَ اَيْكُمْ سے مراد یہ ہے کہ جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان کی تابعداری کرو۔ نہ کہ ان کی جن سے منع کیا گیا ہے (۵) عزیمت کے پیچھے جاؤ۔ رخصت کے پیچھے نہ جاؤ کیونکہ مزائم احسن میں اور رخصت حسن۔

علماء کے یہ پانچ جواب ذکر کرنے کے بعد میں نے عرض کیا ان جوابات کو آیت سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے پہلے جواب میں اس طرح کو آیت کے آخری الفاظ اس بات کے مقتضی ہیں کہ جو شخص احسن کی تابعداری نہ کرے گا اس پر خدا کا عذاب نازل ہونے کا ڈر ہے اور وہ ساحرین و کافریں میں سے ہو گا اور معاف ذکر نواے پر ہم یہ حکم نہیں لگا سکتے۔

دوسرا جواب: اگر مراد یہ ہے کہ منسوخ پر عمل کرنا حسن ہے تو یہ درست نہیں کیونکہ جس پر عمل کرنا منسوخ قرار دیا گیا، اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر تلاوت کے اعتبار سے منسوخ کو حسن قرار دیا جائے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ اس اعتبار سے ناسخ و منسوخ دونوں احسن ہیں۔

تیسرا جواب: عامی کی تابعداری ہی جائز نہیں چہ جائیکہ اسے حسن قرار دیا جائے۔ چوتھا اور پانچواں جواب: یہی بات منسوخ امور کے متعلق کسی جاسکتی ہے اب رہی رخصت تو اگرچہ اسے رخصت کہا جاسکتا ہے مگر اس کا ترکیب ان اوصاف کا مستحق قرار نہیں دیا جاسکتا جن کا ذکر آیت کے آخر میں آیا ہے بعینہ اس معاف ذکر کرنے والے کی طرح جس کا ذکر پہلے جواب میں ہو چکا۔ کیونکہ آیت کے آخر میں مذکورہ اوصاف اس پر چسپاں نہیں ہو سکتے۔ منقریہ کہ احسن کا لفظ پہلے اور پانچویں جواب میں آیت کے آخری حصے سے مناسبت نہیں رکھتا اور نہ باقی جوابات میں حسن کا لفظ مناسبت رکھتا ہے۔ لہذا اس احسن میں اشکال ہوا۔

حضرت نے فرمایا: ان جوابات میں سے کسی میں بھی نہ آیت کا راز پایا جاتا ہے، نہ نور کا، اس آیت کا اثر اور نور یہ ہے کہ میرے بندو! کتاب اور رسول ہونے کے اعتبار سے جو چیز تم پر اتاری گئی ہے اس میں سے احسن کی تابعداری کرو۔ لہذا بتنی کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر اتاری گئیں ان میں سے احسن قرآن ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم احسن رسول۔ لہذا احسن اللہ کی طرف سے پہلی اتاری ہوئی کتابیں ہیں بشرطیکہ ان میں تبدیلی واقع نہ ہو چکی ہو۔ نیز وہ تمام رسول بھی حسن ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مبعوث ہوئے۔

میں نے عرض کی کہ کتب الہیہ میں سے تو تورات اور انجیل بھی ہیں اور آیت میں ایک کلمہ دتم پر کا لفظ اس کے معنی ہے، کیونکہ اس سے تو یہ مراد ہوگی کہ اُحْسَن کی طرح حَسَن بھی ہم پر اتاری گئی، حالانکہ تورات یہود پر نازل ہوئی اور انجیل یہود و نصاریٰ دونوں پر۔

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام عرب، یہود، نصاریٰ اور دیگر اقوام عالم کے لیے عام ہے لہذا قرآن اُحْسَن ہے وہ ان سب لوگوں کی طرف اتارا گیا ہے اور وہ کتب الہیہ جو حَسَن ہیں وہ اپنی اپنی قوم کی طرف اتاری گئیں۔ چنانچہ عربوں پر شریعت انجیل۔ یہود پر تورات اور نصاریٰ پر انجیل۔ لہذا اُحْسَن من حیث المجموع ان پر اتارا گیا اور یہ بات واضح ہے۔

مؤلف کہتا ہے کہ مفسرین کی ایک جماعت نے بھی یہی قول بیان کیا ہے کہ اُحْسَن سے مراد قرآن ہے لیکن پوری بات حضرت کی تقریر سے واضح ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ آخر آیت کے سیاق سے مناسب رکھتا ہے اس لیے کہ جو قرآن اور رسول کی تابعداری نہ کرے گا اور ان سے کفر کرے گا وہ آیت کے اخیر میں مذکورہ اوصاف کا مستحق ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں
سمیع کو بصر پر مقدم کیوں لایا گیا ہے

تَشْكُرُونَ (سورۃ نحل آیت ۷۸)، اَنْشَأْ لَكُمْ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۲۹) وغیرہ آیات۔
حالانکہ بصارت کا فائدہ زیادہ ہے اور اس کا نفع زیادہ عام ہے کیونکہ دن اور رات کا فائدہ بنی آدمی سے مخصوص ہے مگر ایسا شنوا آدمی جن کی بنیاد نہ ہو۔ اس کے نزدیک تو دن اور رات روشنی اور تاریکی اور سورج اور چاند برابر ہیں اور وہ ان درخشنده سیارگان کا نور معلوم نہیں کر سکتا۔ یہی بات خدا کی پیدا کردہ عجیب و غریب اشیاء کے متعلق ہے کہ وہ ان کو دیکھ کر عبرت حاصل نہیں کر سکتا، کیونکہ ان میں سے اکثر منققات کی شکل میں ہوتی ہیں اور ان کی ترکیب کی خوبصورتی اور ان کی صورتیں صرف بصارت سے ہی معلوم کی جاتی ہیں۔ چنانچہ بنی نوع انسان، حیوانات، قسم قسم کی نباتات اور پھولوں کی خوبصورتی کا ادراک صرف بصارت سے ہی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح آسمانوں کی تخلیق، ان کا بند اور نیر ستاروں کے ہزار ہا درباروں سے ان کو مزین کرنا وغیرہ لاتعداد فوائد ایسے امور ہیں جن کا ادراک صرف بصارت سے ہوتا ہے لہذا بظاہر تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ بصارت زیادہ قوی ہے لہذا حق یہ تھا کہ اسے

سمیع پر مقدم لایا جائے۔

حضرت نے فرمایا: جو کچھ تم نے بصارت کے متعلق بیان کیا ہے درست ہے، مگر سمیع میں ایک ایسا فائدہ پایا جاتا ہے جو ان تمام کے قائم مقام ہو سکتا ہے بلکہ ان سب پر فوقیت لے گیا ہے یعنی یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا بھیجنے والا اللہ تعالیٰ اور تمام وہ غیبی امور جن پر ایمان لانا ضروری ہے ان سب کا ادراک صرف سمیع سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ لازم آیا کہ تمام شرائع سمیع پر موقوف ہیں اس کی تشریح یوں ہے کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ تمام بنی نوع انسان قوت سمیع سے عاری ہیں تو جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے پیغامبر آئے گا اور کہے گا کہ مجھے اللہ نے رسول بنا کر تمہاری طرف بھیجا ہے تو یہ آواز دکھائی تو دے گی نہیں اور ان کے پاس قوت سامعہ بھی نہ ہوگی جس سے رسول کے الفاظ سُن سکیں، اس طرح رسول کا اتنا بیکار ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اگر انہیں کہے گا کہ میری صداقت کی علامت فلاں فلاں معجزہ ہے تو وہ اُسے بھی نہ سُن سکیں گے۔ لہذا یہ قول بھی رائیگاں جاتے گا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر رسول انہیں یہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم مجھ پر اللہ کے تمام رسولوں پر اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور یوم آخرت پر ایمان لاؤ، تو لوگ یہ بات بھی نہ سُن سکیں گے اور رسول کی یہ بات بھی رائیگاں جاتے گی، پھر جب یہ کہے گا کہ اللہ نے تم پر یہ بات واجب قرار دی ہے اور فلاں فلاں بات حرام کی ہے اور فلاں فلاں بات جائز کی ہے تو وہ یہ بھی نہ سُنیں گے اور رسول کا کتنا رائیگاں جائے گا لہذا معلوم ہو گیا کہ اگر قوت سامعہ نہ ہو تو نہ رسول کی پہچان ہو سکے گی نہ بھیجنے والے کی اور نہ غیب و عیان پر ایمان لایا جاسکے اور نہ ہی کسی شریعت کی صحیح تائید داری ہو سکے گی جس سے یہ لازم آتا ہے کہ کوئی جزا و سزا ہی نہیں ہے (تو پھر جنت و دوزخ کیسی؟) لہذا بعثت رسول کیسی؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو یوں فرماتا ہے کہ مَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا (جب تک ہم رسول کو نہ بھیجیں میں کسی کو عذاب نہیں کرنے کے) اور جب سمیع ہی نہیں تو بعثت کیسی؟ مختصر یہ کہ اگر بنی آدم کو قوت سامعہ نہ دی جائے تو شریعت کی تکلیف ہی اٹھ جائے اور وہ چوپایوں کے برابر ہو جائیں۔ اس کی قوت سامعہ کی بدولت ہی انہیں بلند درجہ حاصل ہوا ہے اور ان میں سے جو لوگ غلامِ اعلیٰ سے جائے اسی کی بدولت جائے۔ لہذا یہ بات واضح ہوگئی کہ سمیع کا فائدہ زیادہ زوردار اور اس کا نفع زیادہ عام ہے کیونکہ خداوندی اسرار اسی سے وابستہ ہیں۔ اسی لیے مذکورہ بالا آیات میں سمیع کو لبر پر مقدم لایا گیا ہے کیونکہ ان میں ایک طرح سے احسان جنایا گیا ہے اسی لیے قوت سامعہ عطا کرنے کا احسان توبہ بامروہ کے احسان سے زیادہ قوی ہے۔ واللہ اعلم۔

مؤلف کہتا ہے: خدا آپ کو توفیق دے ذرا اس جواب کی خوبی پر غور کریں۔ کیونکہ جب میں نے یہ جواب سنا تو میں اپنے اوپر تعجب کرنے لگا کہ یہ جواب نہایت واضح ہو جانے کے باوجود کسی طرح مجھ پر مخفی رہا۔ **إِلَّا اللَّهُ سُبْحَانَهُ**۔

۵۔ آیات وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ (سورۃ الاعمران آیت ۱۳۵) اور مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا۔ (سورۃ نساء آیت - ۱۱) میں ظلم نفس سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ دوسری آیت میں برا کام کرنا جس کا پہلے ذکر آچکا ہے اسی میں ظلم نفس بھی آجاتا ہے اور پہلی آیت میں نفل فاحشہ میں ظلم نفس شامل ہے لہذا ظلم ان امور سے زیادہ عام ہے جن کا ذکر پہلے کیا گیا اور اہم کا عطف لفظ اُو سے نہیں آتا۔ اس پر میں نے مفسرین کے اقوال نقل کئے اور یہ کہ بعضوں نے عمل سوء اور فعل فاحشہ سے مراد گناہ کبیرہ ہی ہے اور ظلم نفس سے صغیرہ گناہ لیکن میرا خیال ہے کہ عمل سوء اور فعل فاحشہ سے مطلق معصیت مراد لی جائے اور ظلم نفس سے معصیت پر اصرار مراد لی جائے کیونکہ بظاہر تو یہ کوئی عمل نہیں ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ مثلاً کسی نے زنا پر اصرار کیا تو اسے یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ وہ زانی ہے اور اپنے نفس کی خواہشات پوری کرتا ہے بلکہ یوں کہیں گے کہ وہ زنا کے کرنے کا عزم کر چکا ہے اور اسی عزم اور اصرار کی وجہ سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ٹھہرا کیونکہ اس نے اپنے نفس کو مذاب کا مستوجب قرار دیا اور پھر بھی نفس کی خواہشات پوری نہ ہوئیں۔ پھر ہم نے اس آیت پر بہت بحث کی اور حضرت نے تین جواب بھی دیے اور ان پر بھی بحث ہوئی۔

اس کے بعد حضرت ایک لمحو کے لیے خاموش ہو گئے، پھر فرمایا سیدی محمد بن عبدالکریم البصری فرماتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور جاہلیت میں بھی اہل عرب ظالم کی حمایت کرتے اور اسے الزام سے بڑی کرنے کی کوشش کرتے تھے حالانکہ انہیں علم ہوتا کہ اس شخص نے ایسا کیا ہے مثلاً کسی نے چوری کی اور انہیں اس کا علم بھی ہو مگر پھر بھی اس کی طرف سے وہ جھگڑائیں اور چوری سے انکار کریں تو اس صورت میں اصل چور تو نفل فاحشہ اور سوء عمل کا مرکب ہوا اور جھگڑنے والے نے جھوٹی گواہی اور باطل کی وجہ سے اپنے نفس پر ظلم کیا اور حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ سیدی

۱۔ بندہ حقیر کہتا ہے کہ حضرت ذباغ رحمۃ اللہ کا جواب اصحاب معرفت کا جواب ہے ورنہ اس کا ایک اور فقرہ سا جواب ہے اور وہ یہ کہ وادِ مطلق میں کے لیے آتی ہے۔ ترتیب کے لیے نہیں اور اس سے قسم اعتراضات اٹھ جاتے ہیں۔ ۱۲

محمد عبدالکریم بات کتنا جانتے ہیں۔ مجھے یہ تفسیر نہایت پسند آئی کیونکہ یہ اس آیت کے سیاق کے میں مناسب تھی۔ وَلَا يُجَادِلُ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَلُونَ أَنفُسُهُمْ (سورہ نساء آیت ۱۰۷) مَا أَنتُمْ مَوْلَاؤُ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (سورہ نساء آیت ۱۱۰)

جس وقت حضرت سے اس آیت پر بحث ہو رہی تھی ہم فاس کے دروازوں میں سے دروازہ باب الدیہ سے باہر تھے اور سیدی محمد بن عبدالکریم مذکور اس وقت بصرے میں تھے انھوں نے ہمارا کلام سنا اور ہماری مراد سمجھ گئے اور اپنی جگہ سے ہی ہمیں جواب دیا۔ خدا اپنے اولیاء کرام سے راضی ہو۔ اتنی دور کی مسافت کے باوجود ہماری گفتگو کو سن لینے کے راز کی تشریح عنقریب کی جائے گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۔ وَالْزَّمَمُ كَلِمَةُ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا (سورہ نحر آیت ۲۱) میں نے حضرت سے اس آیت کے متعلق پوچھا، وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا حالانکہ اسلام لانے سے پہلے حقیقت اور اہلیت ہی منتفی ہوتی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ یہ حقیقت اور اہلیت اس پہلے وعدہ اور قضا رسابق کے مطابق ہے جو مخلوقات کی تخلیق سے پہلے کیا گیا تھا واللہ تعالیٰ اعلم
وَإِنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا لِأُولَىٰ (سورہ نجمہ آیت ۵۰)

میں نے حضرت سے دَاثَهُ أَهْلَكَ عَادًا لِأُولَىٰ کے متعلق پوچھا کہ کیا کوئی اور دوسری قوم عاد بھی تھی؟ میں نے یہ بھی ذکر کیا کہ مفسرین کے کلام میں اس مقام پر بڑا اضطراب پایا جاتا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ہود علیہ السلام ہی کو عاد کی طرف بھیجا گیا اور وہ ابراہیم علیہ السلام سے بہت پہلے ہوتے ہیں پھر مفسرین اس قوم کی ہلاکت کے قصے میں کہتے ہیں کہ ان کی جماعت کا وفد بارش کی دعا کے لیے نکلا آیا حالانکہ کلمہ ابراہیم اور اسمعیل علیہما السلام نے بنایا تھا جس کی وجہ سے لوگوں پر یہ تفسیر مشتتب ہو گیا یہاں تک کہ بعض نے

یوں کہا کہ صرف ایک ہی قوم عادی اور انہی کو شہود کے اعتبار سے پہلی کہا گیا ہے۔ ایک اور جماعت کی رائے ہے کہ عاد و قویم تھیں پہلی تو عادی جن کی طرف ہود علیہ السلام بھیجے گئے اور انہیں ہوا کا عذاب ہوا اور دوسری عادی کی طرف ایک اور نبی بھیجا گیا اور انہیں ہوا کا انہیں بلکہ کسی اور چیز کا عذاب ہوا ان ہی میں سے کچھ لوگوں کا دند مکہ آیا تھا اور انہوں نے اس نبی اور عذاب کی تعین نہیں کی۔ اس صورت میں سورہ احقاف میں جو ذکر کیا گیا ہے اس کا اشکال پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس قصہ میں اصحاب و فد کو ہوا کا عذاب دینے کا ذکر ہے اور ان کے نبی ہود علیہ السلام ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **وَ اذْکُرْ اٰخَا عَادٍ** ایک دوسری آیت میں فرمایا: **ذُرِّاٰی عَادٍ اٰخَاھُمْ هُوْدًا**۔ ہمارا یہ کتنا کہ سورہ احقاف کا قصہ اصحاب و فد کا ہی ہے اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمد نے حسن اسناد کے ساتھ عمارت بن حسان بکری سے روایت کی ہے کہ میں اور علماء انحضرتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

الحديث

اس حدیث میں ہے کہ میں نے کہا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کی پناہ لیتا ہوں کہ کہیں میں عاد کے دند کی طرح نہ بن جاؤں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دند عاد کا کیا قصہ ہے حالانکہ آپ کو خوب معلوم تھا مگر آپ مزہ لینے کی غرض سے پوچھ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ قوم عادی قوط پڑا تو انہوں نے قیل بن عنفر کو معاویہ بن کبر کے پاس مکہ بھیجا تاکہ بارش کے لیے دعا کریں چنانچہ وہ ایک ماہ تک اس کے ہاں ممان رہا ایک ماہ گزرنے کے بعد اس نے جاکر بارش کے لیے دعا کی تو دوبار بیان گزریں۔ اس نے کال بدل کر پسند کیا تو باقی نے آواز دی کہ لے لو۔ یہ تو راکھ ہے جو قوم عاد میں سے کسی کو نہ چھوڑے گی۔ اس حدیث کے کچھ حصے کی روایت ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی کی ہے، ملاحظہ ہو ابی جرذیل سورہ احقاف۔ ایک اور روایت میں ہے کہ قیل بن عنفر اور مرثد بن سعد قوم کے سرداروں کے ہونے کے بعد اس زمانہ میں مکہ مکمل آباد تھے جن کا سردار معاویہ بن کبر تھا اور تمام قصہ بیان کیا ہے جس کے آخر میں ہے کہ مرثد بن سعد نے اپنی قوم سے کہا کہ بارش تب ہوگی جب تم اپنے رسول کی اطاعت کرو گے۔ اس پر قیل نے معاویہ کو کہا کہ اسے روکے رکھو کہ کہیں ہمارے ساتھ نکل کر نہ جائے کیونکہ یہ تو ہڈ پر ایمان لا چکا ہے اور اسے سچا جانتا ہے۔

۱۔ عمارت بن حسان بکریؓ: عمارت بن حسان بن کواہ بکری صحابی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آنحضرت نے ان سے قوم عاد کا قصہ پوچھا کہ انہوں نے من رہتے تھے۔ بغوی کہتے ہیں کہ باور میں رہتے تھے۔

۲۔ علاء الحضرمیؓ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بحرین کے گورنر مقرر ہوئے اور ابو بکرؓ اور عمرؓ نے انہیں اس عہدے پر برقرار رکھا تاکہ **سنة ۳۵** میں وفات پائی۔

حضرت نے فرمایا: (عاد و قموں کا نام ہے) دوسری عاد کی طرف ہود علیہ السلام کو ان انبیاء کی شریعت کی تجدید کے لیے بھیجا گیا تھا جو ان کی طرف پہلے بھیجے جا چکے تھے، اسی ہود کا قصہ قرآن مجید میں مذکور ہے انہی کی قوم کا ایک وفد مکہ آیا اور انہیں ریح عظیم کا عذاب دیا گیا اور وہ اسمعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے جن کا نسب نامہ یہ ہے: ہود بن عابر بن شیاح بن الحرث بن کلاب بن قیدار بن اسمعیل۔ دوسری قوم عاد تمام کی تمام حضرت اسمعیلؑ کی اولاد میں سے نہیں ہے بلکہ صرف ہود اور ان کا قبیلہ حضرت اسمعیلؑ کی اولاد میں سے تھے قرآن مجید میں جو یہ فرمایا ہے کہ **وَإِنَّا عَادَإِخْلَافُكُمْ** ذیہ تغلیب کے طور پر فرمایا ہے کیونکہ ہود اور ان کا قبیلہ اکٹھے رہتے تھے اور اکٹھے ہی کوچ کرتے تھے۔ انہی میں سے شہداء بن عاد تھا جس کا ستونوں والا بڑا خیمہ تھا حضرت نے فرمایا علماء کا خیال ہے کہ ارم ذات العمداء ایک شہر تھا جو جنت کی شکل اور سونے کا بنا ہوا تھا ازم علماء نے اس کا ایک لمبا چڑا بیان دیا ہے ہلاک ہونے والی بات یوں نہیں ہے بلکہ ارم قبیلہ کا نام ہے اور ذات العمداء اس کی نعت ہے یعنی "ستونوں والی عاد" اور یہ نام ان کے سردار کے بڑے خیمے کی وجہ سے پڑا۔ یا اس سے مراد ان تمام لوگوں کے خیموں کے عمود ہیں۔ کیونکہ میں نے ان کے مسکنوں کو دیکھا ہے اور حضرت نے جو بیان ان مسکن کا دیا وہ تقریباً وہی بیان تھا جو علماء نے احتاف کا دیا ہے پھر فرمایا کہ یہ شہر نودن کی مسافت میں واقع ہے اور ان کا سردار عین وسط میں رہتا ہے اور جو شخص اسے ملنے کے لیے آتا وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر کسی جہت سے بھی آتا سڑے چار دن کی مسافت خیموں کے درمیان چل کر آتا ہے کیونکہ وہاں کی بہت گنجان آبادی تھی اور جنگ کی تلک تھی۔ خدا نے پانی اور چشمے ان کے لیے بھیجے جو دروازے کے پیادوں سے بہ کر ان کی زمین کی طرف آتے۔ اسی پانی کی بدولت ان کی تمام کھیتی باڑی بوقیء پھر فرمایا کہ ان کے سردار یا بادشاہ کا خیمہ ایک تبریز تپاب زمین پر واقع تھا۔ خیمے کی میٹھوں اور ستونوں پر خالص سونے کے خول چڑھے ہوئے تھے اور اس کی رسیاں ریشم کی تھیں۔ میں نے سونے کے ٹکڑے زمین کے نیچے دیے ہوئے اب تک بات پاتے ہیں ان کے تمام خیموں پر سونا چڑھا ہوا تھا۔ اس زمانے میں کوئی خیمہ بھی جس میں وہ رہتے ہوں، سفید نہ تھا اور اسی قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کو بھیجا جن کا نسب نامہ مذکور ہو چکا۔

مؤلف کتاب شہر ارم ذات العمداء کے متعلق جو کچھ حضرت نے بیان کیا اور اس کے متعلق جن بیانات کا آپ نے رد کیا، بڑے بڑے علماء مثلاً حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں اسی کو اختیار کیا

ہے کیونکہ انھوں نے مدینہ مذکور کے قصبے کی طرف اشارہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ عبداللہ بن مسعود کی سند سے مروی ہے۔ مجاہد سے بھی جو منقول ہے اس سے بھی ذات العمداء کی دوسری تفسیر لٹامید ہوتی ہے مجاہد کہتے ہیں کہ وہ عمودوں والا یعنی خیموں والا تھا۔ اس کے علاوہ اور اقوال بھی ذکر کئے ہیں۔

ملاحظہ ہو سورۃ فجر۔ حضرت نے ہمو علیہ السلام کا جو نسب نامہ بیان کیا ہے وہ محض کشف ہے کیونکہ آپ تو ایک عالمی اتی تھے جسے تاریخ وغیرہ کا علم نہ تھا۔ اس لیے یہ مناسب نہ تھا کہ آپ کے رد میں ہو کر نسبت کے متعلق مومنین کے اقوال پیش کیے جائیں کیونکہ وہ نسب نامے خبر واحد پر مبنی ہیں۔ بایں ہمو کے نسب میں خبر واحد میں بھی اضطراب پایا جاتا ہے چنانچہ بعض نے ان کا نسب نامہ یوں بیان کیا ہے: ہمو بن عبداللہ بن ربیع بن الجارود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح اور بقول بعض ہمو بن شارح بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام۔ اس بنا پر وہ البواد کے مجازاد بھائی ٹھہرے۔ مومنین کا خیال ہے کہ انہیں قوم عاد میں سے اس لیے خیال کیا جاتا ہے، حالانکہ وہ ان میں سے نہیں ہیں کہ وہ لوگ دوسروں کی نسبت آپ کی باتوں کو زیادہ سمجھتے تھے اور ان کے حالات کو زیادہ پہچانتے تھے اور آپ کی تابعداری کرنے کی طرف زیادہ راغب تھے۔

حضرت نے فرمایا پہلی عاد نوح علیہ السلام کی قوم تھی۔ خدا نے ان کی طرف ایک نبی بھیجا جس کا نام ہثوید اہبار مغموم جو قریب بہمرۃ بین میں اور واؤ ساکن جس کے بعد یار ہے (حضرت نے فرمایا وہ ایک مستقل شریعت والے رسول ہیں، برخلاف اس ہمو کے جو عاد و ثانیہ کی طرف بھیجے گئے اس لیے کہ وہ تو اپنے

نے عبداللہ بن حنیف: عبداللہ بن حنیف (یا حنیف) بن عقبہ بن فروقان مصری فقیہ اور قاضی تھے، انھوں نے اربعہ اہل انزیر و فرو سے روایت کی اور ان سے ان کے پوتے احمد بن حنبل اور یحییٰ بن یحییٰ اور ثوری و غیرہ نے کی۔ بترابین سے ان کی ملاقات ہوئی یہی بن سعید انہیں بہت حقیر سمجھتے تھے، ابن ہمدی کہتے ہیں کہ میں ان سے کچھ بھی حاصل نہیں کرنا پاتا پھر کہتے ہیں کہ میں سوائے ابن ہمدی کے اس کے کسمات پراقتاد نہیں کرتا۔ ابن مبین کہتے ہیں کہ ابن سعید ضعیف ہے اس کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ ابو جعفر طبری تہذیب آثار میں لکھتے ہیں کہ آخر عمر میں ان کی عقل میں نور آگیا تھا مگر بعض لوگوں نے انہیں ثقہ بھی قرار دیا ہے مفصل بحث کے لیے دیکھیں تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۳ تا ۳۴ ذہبی تذکرۃ المفلاہم کہتے ہیں: یروى حديثه في المتابعات ولا يحتج بها راسا کی حدیث تائید کے طور پر لائی جاسکتی ہے گو علیہ طور پر اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

مجاہد: مجاہد بن جبر: تابعی ہیں جسے پایہ کے متقی اور عالم تھے۔ سند ابیہ میں تراوی بری کی عمر میں وفات پائی۔

سے پہلے رسولوں کی شریعت کی تجدید کرنے والے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہر مستقل رسول کے لیے ایک کتاب کا ہونا ضروری ہے اور فرمایا کہ حضرت یسوعؑ کی کتاب ہے جو مجھے حفظ ہے جیسے تمام رسولوں کی کتابیں حفظ ہیں۔ میں نے عرض کیا: کیا آپ ان کو گن سکتے ہیں۔ فرمایا: یاد ہوں اور پھر گن نہ سکوں؛ سنو! پھر آج ایک ایک کر کے کتابیں گننا شروع کیں اور فرمایا کہ کوئی دلی اس وقت تک دلی نہیں ہو سکتا جب تک اس کا ایمان ان تمام کتابوں پر تفصیلاً نہ ہو۔ کیونکہ اس کے لیے اجمالی ایمان کافی نہیں۔ میں نے عرض کیا: کیا یہ حکم ان تمام ادیان پر وارد ہوتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے فتح عطا کی ہو؟ حضرت نے فرمایا نہیں۔ اس حکم کا اطلاق صرف ایک پر ہوتا ہے اور وہ غوث ہے۔

حضرت دباغ غوث وقت تھے | اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ حضرت غوث ہیں اور آپ کے علوم سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر میں ان تمام باتوں کو تحریر میں لاؤں جو میں نے حضرت سے سنیں تو کئی ایک کتابیں بھر جائیں آپ نے کئی بار فرمایا کہ میں جب تم لوگوں سے باتیں کرتا ہوں تو تمہاری عقلوں کی طاقت کے مطابق کرتا ہوں۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ پہلی قوم عاد نے یسوعؑ علیہ السلام کے امتیوں کو پتھروں اور آگ سے ہلاک کر دیا۔ قتلہ یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر آسمان سے پتھر برسائے اور وہ بھاگنے لگے۔ پھر اللہ نے ان کا نکال جس نے انہیں جلا دیا۔

نوح علیہ السلام سے پہلے | میں نے حضرت کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے سات سو رسول گزرے ہیں جن کے واقعات عجیب و غریب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر قرآن مجید میں اس لیے نہیں کیا کہ وحی کے زمانہ میں یہ رسول غیر معروف ہو چکے تھے۔

میں نے عرض کیا کہ شفاعت والی حدیث میں حضرت نوح علیہ السلام کو اول المرسل کہا گیا ہے اور آپ نے فرمایا ہے کہ سات سو رسول ان سے پہلے گزرے ہیں۔

حضرت نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے رسول ہیں جو کافر قوم کی طرف بھیجے گئے اور جو رسول ان سے پہلے ہوئے ہیں انہیں ایسی قوم کی طرف بھیجا جاتا جن کا عقیدہ صحیح ہوتا۔

میں نے عرض کیا کہ جب قوم یسوعؑ کا عقیدہ صحیح تھا اور وہ ذمہ تھے تو پھر ان پر پتھروں اور آگ کا عذاب کیوں ہوا؟

حضرت نے فرمایا کہ ان قوموں کے ساتھ جو نوح علیہ السلام سے پہلے گزرے اللہ تعالیٰ کا دستور یہ تھا

کہ اگر بیشتر قواعد پر عمل ترک کر دیتے تو انہیں ہلاک کر دیا جاتا خواہ وہ صحیح عقیدے پر ہی کیوں نہ ہوں۔
۸۔ وَذَادُ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَخْلُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ فَفَقَّمْنَا مَا سُلَيْمَانُ وَحَلَّأْنَا هُكْمًا وَعَلَّمْنَا

(سورۃ انبیاء آیت ۷۸)

میں نے حضرت سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا وَذَادُ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَخْلُمَانِ فِي الْحَرْثِ
إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ فَفَقَّمْنَا مَا سُلَيْمَانُ وَحَلَّأْنَا
هُكْمًا وَعَلَّمْنَا اور عرض کیا کہ اس آیت سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ (اگر ایک مسئلہ میں اجتہاد
کرتے ہوئے دو مجتہدوں کی رائے بالکل متضاد ہو تو) مصیب ایک ہی ہوگا اور دوسرا غلطی پر ہوگا اسے
معذور سمجھا جائے گا بلکہ اسے اس کے اجتہاد کا اجر ملے گا کیونکہ اس نے اجتہاد میں اپنی پوری کوشش اور
طاقت خرچ کی ہے کیونکہ اس قصہ میں داؤد علیہ السلام نے یہ حکم دیا کہ بکریاں کھیت کے مالک کو اس
کھیت کے عوض دی جائیں جو انھوں نے خراب کیا تھا اور سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ بکریاں کھیت
کے مالک کو دی جائیں کہ ان سے نفع اٹھائے اور کھیت بکریوں والے کو تاکہ وہ اس کھیت کی خدمت
کرسے یہاں تک کہ وہ اپنی اصلی حالت پر آجائے اور جب کھیت اصلی حالت پر آجائے تو کھیت
کھیت والے کو دے دے اور وہ اس کی بکریاں واپس کر دے ورنہ استدلال یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کو درست قرار دیا ہے کیونکہ فرمایا فَفَقَّمْنَا مَا سُلَيْمَانُ و ہم نے بات
سلیمان کو سمجھا دی

علماء نے اسی قسم کا استدلال ایک اور قصہ سے بھی کیا جو ان دونوں کے درمیان واقع ہوا۔ یہ قصہ

۱۔ قصہ یوں ہے کہ ایک شخص کی بکریاں دوسرے کے کھیت میں گھس گئیں اور کچھ کھایا اور کچھ برباد کر دیا۔

کھیت والا بکریاں پکڑ کر سیدنا داؤد کی حالت میں لایا حضرت داؤد علیہ السلام اپنے وقت کے نبی تھے اور بادشاہ

بھی۔ آپ نے دونوں فریقوں کا بیان یا اور فیصلہ دیا کہ جس قدر کھیت والے کا نقصان ہوا اس کی قیمت کے برابر

بکریاں کھیت والے کو دیدی جائیں۔ اسی فیصلہ کے بعد دونوں فریق حضرت سلیمان کے سامنے سے گزرے تو آپ نے

بلایا اور فیصلہ دیا کہ بکریاں کھیت والے کو دیدی جائیں تاکہ وہ ان کے دودھ و فیرو سے فائدہ اٹھائے اور کھیت بکری

والے کے حوالے کیا جائے کہ اس کی خدمت کرسے یہاں تک کہ ادا کھیت والے کا نقصان بکریوں کے شائع سے پورا

ہو جائے اور ادا کھیت اپنی اصلی حالت پر آجائے تو بکریاں بکریاں والے کو واپس دیدی جائیں اور کھیت والے

کواس کھیت حوالہ کر دیا جائے۔

دو عورتوں کا ہے جن میں سے بڑی کے بیٹے کو بیڑیا جھٹ کر لے گیا تو اس نے چھوٹی کا بچہ لے لیا اور دعویٰ یہ کیا کہ وہ اسی کا بچہ ہے۔ وہ دونوں فیصلہ کے لیے داؤد علیہ السلام کے پاس آئیں تو آپ نے بڑی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ کیونکہ قبضہ اسی کا تھا مگر سلیمان علیہ السلام نے یوں فیصلہ دیا کہ بچے کو آدھا آدھا کر کے دونوں میں تقسیم کر دیا جائے جب چھوٹی نے بچے کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے متعلق سنا تو اس نے بڑی کا حق تسلیم کر لیا اور کہا کہ بچہ اسی کا ہے اور بڑی تقسیم کا ہی مطالبہ کرتی رہی اس پر حضرت سلیمان نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ دے دیا اور بڑی کو کہا اگر بچہ تمہارا ہوتا تو اس کی تقسیم کا مطالبہ نہ کرتیں۔

اسی طرح ایک تیسرے قصہ سے بھی استدلال کیا ہے جو ان دونوں کے درمیان واقع ہوا۔ قصہ یہ ہے کہ لوگوں نے ایک عورت پر یہ الزام لگایا کہ اس نے کتے سے جماعت کرائی یعنی زنا کی مرتکب ہوئی اور گواہوں نے اس پر گواہی بھی دی تو داؤد علیہ السلام نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ اسی قسم کا فرضی قصہ حضرت سلیمان کے سامنے پیش ہوا جب وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو آپ نے حکم دیا کہ گواہوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھا جائے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا اور ان کے بیانات میں اختلاف پایا گیا اور حضرت سلیمان نے دعویٰ خارج کر دیا اس پر داؤد علیہ السلام نے گواہوں کو الگ الگ رکھنے کی طرف رجوع کیا۔

اور چوتھے قصہ سے بھی استدلال کیا گیا کہ ایک عورت کی فرج میں پانی پایا گیا اور الزام یہ لگایا گیا کہ یہ آدمی کی منی ہے اور وہ زنا کی مرتکب ہوئی ہے چنانچہ داؤد علیہ السلام نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا مگر سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس پانی کو لے کر پکایا جائے۔ اگر منجمد ہو جائے تو یہ انڈے کا پانی ہے ورنہ منی ہے۔ چنانچہ پانی لے کر پکایا گیا اور وہ انڈے کا پانی نکلا اور معلوم ہو گیا کہ عورت پر اتہام لگایا گیا ہے ملاحظہ ہو ابن حجر کتاب الاحکام۔

حضرت نے فرمایا تمہارا مطلب یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے غلطی کھائی۔ اور سلیمان علیہ السلام نے صحیح فیصلہ دیا کیونکہ انبیاء کے متعلق اس قسم کا عقیدہ رکھ سکتے ہیں؟ اور وہ تمام مخلوقات میں سے برگزیدہ ہوتے ہیں اور اللہ کے نزدیک ملائکہ سے بھی افضل ہیں۔ پس اگر یہ جائز سمجھ دیا جائے کہ ان سے غلط ہو سکتی ہے تو پھر ہمیں ان پر کونسا اعتماد باقی رہ جائے گا کیونکہ اس طرح تو وہ ہماری طرح کے ہو جاتے ہیں۔ معاذ اللہ حضرت داؤد کا فیصلہ قطعاً غلط نہ تھا۔

پچھلے قصہ کی توجیہ یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے بالکل صحیح فیصلہ دیا کہ کھیت کی قیمت کا جرمانہ بھر دیا جائے اور کیریاں حوالے کرنے کا حکم اس لیے دیا کہ ان کے پاس اس زمانے میں نقدی تو بڑی قلت تھی

اور اگر تھی بھی تو بہت کم۔ ان کا میں دین بکریوں اور مولیوں سے ہوتا کیونکہ یہ بکثرت پائی جاتی تھیں اسی لیے آپ نے بکریاں دینے کا حکم دیا۔ نقدی کا حکم نہیں دیا، مگر سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ صلح پر مبنی تھا لہذا آپ کا یہ خیال تھا کہ بکریوں کا منافع یعنی ان کا دودھ اور گھی اور صوف کھیت کی قیمت کے عوض دیا جاتے تاکہ کھیت یعنی انگریجیک حالت پر آجائیں۔ یہ صرف طرفین کی رضامندی سے ہی ہو سکتا تھا لہذا جو شخص خالق حق کا فیصلہ دے اسے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے غلطی کھائی اور نہ ہی یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانانہ فیصلہ دینے والا ٹھیک ہے۔

باقی تفتوں میں فیصلہ کی توجہ یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے قیڑوں تفتوں میں ظاہر کو مد نظر رکھتے ہوئے فیصلہ دیا اور اسی پر فیصلہ دینا ضروری ہے کیونکہ حاکم کے لیے جائز نہیں کہ وہ ظاہر کے خلاف فیصلہ دے اور سلیمان علیہ السلام نے حیدر کے باطن کو ظاہر بنا دیا، تب ظاہر پر حکم دیا۔ لہذا پہلے فیصلہ کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ غلط تھا اور دوسرا فیصلہ صحیح بلکہ ہر دو صحیح ہیں اگرچہ باطن کے ظاہر ہوجانے پر فیصلہ کا منسوخ نہ ضروری تھا لہذا اس کے منسوخ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فیصلہ دیتے وقت وہ فیصلہ غلط تھا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ چند عادل لوگوں نے قاضی کے سامنے کسی مقدمہ میں جھوٹ گواہی دی اور قاضی نے ان لوگوں کی گواہی پر فیصلہ دیدیا۔ قاضی پر یہی واجب ہے اور اس طرح فیصلہ دینا درست ہوگا پھر اس کے بعد گواہوں نے توبہ کی اور حق کی طرف آئے اور اپنے جھوٹ کا اعتراف کیا۔ اس وقت قاضی کے لیے ضروری ہے کہ ان کے رجوع کے مطابق فیصلہ دے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا پہلا فیصلہ غلط تھا۔

حکایت حضرت نے فرمایا مجھے معلوم ہے کہ فاس کا ایک شخص جس سے مراد ان کی اپنی ذات تھی وہ اپنے تئیں بھائی کو ملنے بصرہ گیا۔ ان کی مراد حضرت محمد بن عبدالکریم سے تھی جن کا ذکر اوپر ہو چکا۔ حضرت محمد بن عبدالکریم قاضی تھے۔ وہ شخص (یعنی حضرت دباغ) ان کے پاس بیٹھ گئے، پھر دو شخص مقدمہ لے کر آئے۔ ایک نے کہا کہ اس شخص نے مجھ سے ایک نہایت قیمتی یا قوت لے لیا ہے اور یہ اس کے پاس موجود ہے۔ مدعا علیہ نے کہا میری جائز تلاشی لے سکتا ہے، اس پر فریاد یہ کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے پاس نہیں ہے، قاضی نے چاہا کہ یہی فیصلہ دے مگر قاضی کے ہمنشین نے کہا کہ ابھی فیصلہ

۱۔ جہاں انھیں صل اللہ علیہ وسلم میں اور خصوصیات پائی جاتی تھیں وہاں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپؐ کبھی کسی باطن کے اعتبار سے بھی فیصلہ دیدیا کرتے تھے۔ چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطی نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام "ابا ہرن حکم النبی صل اللہ علیہ وسلم ان الباطن والظاہر" ہے (رکشت النظرون: ۱: ۱۴۲)

زدیں۔ پھر وہ ہمنشین مدعی مدعا علیہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا یہ قاضی صاحب میرے دینی بھائی ہیں۔ انھوں نے میرے لیے کھانا تیار کیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم بھی کھانے پر چلو۔ کھانا کھانے کے بعد قاضی صاحب تمہارے معاملہ پر غور کریں گے۔ حضرت نے فرمایا: پھر ہم قاضی کے ساتھ گئے جب کھانا لایا گیا تو ہمنشین اور قاضی دونوں مدعا علیہ کی طرف کن اکیوں سے دیکھنے لگے۔ دفعۃً اس نے ناک سسکی اور سنک کر ایک رومال سے جواس کے پاس تھا، پونچھا۔ ہمنشین نے فوراً رومال اس کے ہاتھ سے چھین لیا دیکھا تو یا قوت سنک کے ساتھ ناک سے نکلا تھا اور ہم نے یا قوت مدعی کو دیدیا۔

حضرت نے فرمایا: باطن کو ظاہر بنا دینے کا ایک یہ حیلہ ہے اگر قاضی پہلے ہی جامہ تلاشی اور قسم کھانے کا فیصلہ دے دیتا تو یہ فیصلہ درست ہوتا۔ حالانکہ ان کو کشف کے ذریعہ سے معلوم تھا کہ یا قوت مدعا علیہ کے پاس موجود ہے، کیونکہ اللہ نے انہیں اس کا مکلف نہیں بنایا اور ہمنشین نے حیلہ کر کے باطن کو ظاہر کر دیا۔

میں نے عرض کیا: کیا قاضی کو بذریعہ کشف معلوم تھا کہ یا قوت مدعا علیہ کے پاس ہے؟ حضرت نے جواب دیا: ہاں اسے اور اس کے ہمنشین دونوں کو معلوم تھا اور فرمایا یہی حال ان فیصلوں کا ہے جو ان تینوں قصوں میں ان دو بڑے نبیوں نے دیئے۔ چنانچہ پہلے قصہ میں داؤد علیہ السلام نے قبضہ کی وجہ سے بڑی کے حق میں فیصلہ دیا اور قبضہ اسی کا مقتضی تھا اور دوسرے قصہ میں داؤد علیہ السلام نے سنگسار کرنے کا حکم گواہوں کی گواہی سے دیا اور تیسرے میں چونکہ علامت پائی گئی تھی اس لیے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور سلیمان علیہ السلام نے تینوں قصوں میں حیلہ کر کے باطن کو ظاہر بنا دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم موقوف کتنا ہے کہ خدا حضرت سے راضی ہو، ان کے پاس کس قدر علم تھا چنانچہ ابن حجر نے ابن منیر کا قول نقل کیا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے کھیت والے مقدمہ میں صحیح فیصلہ دیا تھا اور سلیمان علیہ السلام نے صلح کی راہ دکھائی چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ **كُلًّا اسْتَبْنٰهُمْ حُكْمًا وَعِلْمًا** (ہم نے ہر دو کو فصل خصوصیات اور علم عطا کیا) یا تو عام ہے (کہ ہر معاملہ اور مقدمہ میں ان کا یہی حال تھا) یا خاص ہے کھیت کے معاملہ کے متعلق۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی فصل خصوصیات اور علم کی تعریف کی ہے۔ لہذا یہ اس قبیل سے نہیں ہو سکتا اگر مجتہد غلطی بھی کرے تو معذور ہو گا کیونکہ غلطی مذکور ہو سکتی ہے نہ علم۔

ابن حجر کے اس بیان کا مفہوم وہی ہے جو حضرت نے فرمایا۔

ابن منیر: خرف الدین عبد الواحد سنن ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ان کی تفسیر دس جلدوں میں ہے۔

جوبان حضرت نے باقی تینوں تصویروں میں دیا ہے وہ بالکل صحیح ہے اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور نہ ہی اس سے گریز ہو سکتا ہے۔ امام شافعی اور ابو عبد اللہ رحمہما علیہ اور دیگر اکابر نے ایک اور قصے میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۹۔ یَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ (سورۃ القلم آیت ۴۲)

میں نے حضرت سے آیت یَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ میں ساق کے معنی دریافت کئے۔

فرمایا سرانی زبان میں "ساق" کے معنی واقعیت (جد) بمقابلہ "بزل" (مخول) کے ہیں، میں نے عرض کیا کہ عربی میں بھی تو یہی معنی ہیں۔ چنانچہ عاودہ ہے اُنْكَشَفَ اَلْخُرْبُ عَنْ سَاقٍ اِی عَنْ جَدِّ

فرمایا: یہ تو پھر دونوں زبانوں میں موافقت ہو گئی۔

۱۰۔ مَشِيخًا يَمْشِي: پھر میں نے دریافت کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام مشیخا نامعمر سے ہے یا حملہ سے؟

حضرت نے فرمایا یہ لفظ نامعمر سے مشیخا ہے اور یہ سریانی لفظ ہے جس کے معنی "بڑے آدمی"

کے ہیں۔ ۱۱۔ اَنْجِلْ کے معنی: میں نے انجیل کے معنی دریافت کئے۔

فرمایا: یہ بھی سریانی لفظ ہے جس کے معنی نورالعین کے ہیں۔

۱۲۔ تَوْرَاةَ کے معنی: میں نے پوچھا توراہ کیا لفظ ہے۔

فرمایا: یہ عبرانی لفظ ہے جس کے معنی شریعت اور کلام حق کے ہیں۔

۱۳۔ مُشَفَّحٌ: میں نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نام مشفح ہے کیا یہ نام سے ہے یا ذات سے کیونکہ علماء میں اس میں بڑا اختلاف ہے۔

۱۴۔ ابو عبد اللہ البلقی: ابو عبد اللہ محمد بن الفضل البلقی۔ دراصل بلخ کے رہنے والے تھے۔ پھر سرقند میں جا کر آباد ہو گئے اور وہیں ۳۱۹ھ میں وفات پائی۔

۱۵۔ مبروسہ اپنی کتاب کمال میں بھی اس آیت کی تشریح کی ہے اور "ساق" کے معنی شدۃ رستمی (تکلیف مصیبت) دیے ہیں۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

یعنی اس کے احوال و خطرات واضح ہو گئے۔ اس طرح آیت کے معنی یوں گئے جس دن اہمال و ہون کیاں زمین روز قیامت کم عیاں کر دی جائیں گی۔

فرمایا یہ لفظ فار کے ساتھ ہے جس کے معنی "حمد" کے ہیں اور یہ سریانی لفظ ہے۔

۱۴۔ اَلْمُنْحَمَّتَا: میں نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مَنْحَمَّتَا کا کیا لفظ ہے۔ کیونکہ اس لفظ کو ضبط کرنے میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ اس کی پہلی میم پر پیش اور دوسری کے نیچے زیر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ پہلی میم پر زیر اور دوسری کے نیچے زیر ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ دونوں میموں پر زیر ہے اور یہ دو کلمے ہیں ایک کلمہ نہیں چنانچہ مَنْ میم کا زیر اور نون ساکن سے ایک کلمہ ہے اور مَنْحَمَّتَا حار اور میم پر زیر اور نون مشدود دوسرا کلمہ ہے۔ پہلے کلمہ کے معنی ہیں وہ نعمت جس کا ظاہری نفع بھی ہو اور باطنی بھی ظاہری نفع وہ ہے جو ذات کو عالم اشباح میں حاصل ہو اور باطنی نفع وہ ہے جو ارواح کو عالم ارواح میں حاصل ہو۔ لہذا یہ پس نعمت ہوتی جس سے تمام مخلوقات اور تمام جہاں سیراب ہو چکے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی شان ہے اور دوسرے کلمہ کے معنی جو پہلے کلمہ کی صفت (نعمت) کے طور پر آیا ہے کہ پہلی نعمت انتہائی درجہ تک پہنچ چکی اور انتہائی درجہ تک بند ہے، گویا یوں کہا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی خداوندی نعمت ہیں جو انتہا کو پہنچ چکی ہے اور آپ کے درجے تک پہلے کوئی پہنچ سکا اور نہ بعد میں پہنچ سکے گا اور یہ ایک سریانی لفظ ہے۔

۵۰۔ ایک قصہ اور احسنی حَمِیْشًا واطمنی طَمِیْشًا کی تشریح:

تمسان کا ایک صالح شخص ہمارے پاس آیا اور بتایا کہ ایک شخص جو حج کر کے آیا تھا کہ رہا تھا کہ اس نے حضرت ابراہیم دسوتیؑ کی قبر کی زیارت کی اور کیا دیکھتا ہے کہ شیخ ابراہیم دسوتیؑ اس کے پاس آکھڑے ہوئے اور یہ دعا سکھائی۔

بِسْمِ اِلٰهِ الْخَالِقِ الْاَكْبَرِ۔ وَهُوَ جَدُّ مَا نَعْلَمُ اَخَافُ مِنْهُ وَاَحْذَرُ۔
لَا قُدْرَةَ لِمَخْلُوْقٍ مَعَ قُدْرَةِ الْخَالِقِ يُلْجِمُهُ بِلْجَامٍ قُدْرَتِهِ اَحْصٰی حَمِیْشًا
اَطْمٰی طَمِیْشًا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا۔ حَمْدُ عَسٰی حَمَائِشًا کُلْفِیْعٰصٍ کِفَایٰ شَنَا
شَسِیْکِفِیْکُمْ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ
الْعَلِیْمِ۔

۱۔ ابراہیم دسوتیؑ: جلیل القدر صوفی ہیں جو تھے ہیں اکمل نام ابراہیم بن ابی المعجد بن قریش ہے ان کا نسب نامہ محمد ابوالواد سے جاتا ہے۔ پہلے شافعی فقیہ پڑھی۔ پھر صوفیاء کا طریقہ اختیار کر لیا۔ نینتالیس سال کا عمر میں ۳۷۷ھ میں وفات پائی۔

اور کہا یہ دعا پڑھا کرو اور کسی چیز سے نہ ڈرو۔

تمسان دوست جن کا نام حاجی عبدالرحمن بن ابراہیم ہے اور ابن ابراہیم کی اس اولاد میں سے
ہیں جو تمسان میں آباد ہو چکے ہیں کہنے لگے کہ بھائی حاجی محمد بن ابراہیم کو چونکہ اَحْسَنُ حَبِیْثًا وَاَطْمَی
حَبِیْثًا کے معنی نہ آتے تھے اس لیے انھوں نے یہ دعا پڑھی اور کہا مجھے ان کلمات کے معنی معلوم نہیں۔
ہو سکتا ہے کہ ان کے ایسے معنی ہوں جو مجھے پسند نہ ہوں اور مجھ سے ان کے معنی پوچھے۔ میں نے حضرت سے
ان کے معنی پوچھے حضرت نے فرمایا کہ آج کل دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں جو ان کلمات کو بولتا ہو مجھے
یہ لفظ کہاں سے ملے؟ میں نے تمام قطعہ سنا دیا۔ فرمایا: ہاں حضرت ابراہیم دسوقی اکابر صالحین
اور صاحبِ نفع تھے وہ اور اُن جیسے اور لوگ ایسے کلمات بول سکتے ہیں۔ پھر فرمایا یہ سریانی زبان
کے دو کلمے ہیں۔ اَحْسَنُ کے معنی ہیں یا مالک، اَسْرَارُ کے معنی ہیں اس کے اسرار میں ملے۔ اے مالک
بادشاہِ عظیم و با عظمت الٰہی العقیوم اور حَبِیْثًا کے لفظ سے اس کی سلطنت کی طرف اشارہ ہے
گویا اس کا مطلب یوں ہوا کہ "اے مالک اسرار، اے مالک اوزار، اے مالک لیل و نهار، اے
موسلا و عمار پرستے والے بادلوں کے مالک، اے شمس و اقمار کے مالک، اے عطار اور مفتح کے مالک
اے بندی و بستی کے مالک، اے ہرزندہ کے مالک، اے ہر شے کے مالک" اس نام میں ایک عجیب
راز ہے جس کا اظہار قلم اور تحریر سے نہیں ہو سکتا۔

الٰہی سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی، قدرت و غلبہ، عزت اور ان تمام امور میں یمکائی مراد ہے
گویا کہ کہنے والا یوں کہہ رہا ہے "اے ہر چیز کے جاننے والے، اے ہر چیز پر قادر، اے ہر بات کا
ارادہ کرنے والے، اے ہر چیز کی تدبیر کرنے والے، اے ہر چیز پر غالب، اے وہ ذات جس پر
عجز و غاری نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کے تعارف میں نقص کا وہم ہو سکتا ہے؟"

اور حَبِیْثًا سے اشارہ ہے ان اشیاء کی طرف جن میں اللہ تعالیٰ تعارف کرتا ہے اور ان
مکانات کی طرف جن میں جیسا چاہتا ہے عمل کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے سُبْحَانَهُ
لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس نام میں بھی عجیب راز ہے جس کی تشریح قلم سے نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم

سُریانی ارواح کی زبان ہے

میں نے حضرت سے سنا کہ سریانی زبان ارواح کی زبان ہے وہ

اولیاء جو صاحبِ دیوان ہوتے ہیں آپس میں اسی زبان گفتگو

کرتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ زبان مختصر ہے اور معانی کثیرہ کی حامل ہے اور کسی زبان میں یہ معانی اتنے
الفاظ میں ادائیگی کیے جاسکتے۔

میں نے پوچھا: کیا عربی زبان معانی کی ادائیگی میں سریانی کے مرتبہ کو پہنچ سکتی ہے؟
فرمایا: نہیں، بجز قرآن مجید کے کیونکہ جب عربی زبان میں سریانی زبان کے معانی جمع ہو جائیں اور
انہیں عربی الفاظ میں ادا کیا جائے تو یہ سریانی سے زیادہ شیریں اور زیادہ عمدہ معلوم ہوں گے۔
واللہ اعلم۔

سریانی کے سوا تمام زبانوں میں اظناب پایا جاتا ہے

حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ تمام زبانوں میں بہ نسبت سریانی
کے اظناب پایا جاتا ہے کیونکہ سریانی کے سوا تمام زبانوں
میں کلام کی ترکیب کلمات سے ہوتی ہے نہ حروف تہجی سے
مگر سریانی میں حروف تہجی سے کلام مرکب ہوتا ہے۔ لہذا سریانی کا ہر حرف تہجی ایک مفید معنی پر
دلالة کرتا ہے اور جب اسے دوسرے حرف کے ساتھ ملا یا جائے تو ان سے کلام کا فائدہ حاصل ہوتا
ہے، جیسے یہ معلوم ہو جاتے کہ سریانی کا ہر حرف کس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے اس کے لیے سریانی کا
سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اور جیسا چاہے سریانی میں بات کر سکتا ہے اور اس طریقے سے وہ اسرار حروف
کی معرفت حاصل کر سکتا ہے اور اس میں بہت بڑا علم پایا جاتا ہے جسے اللہ نے لوگوں کی عقلوں سے
ان پر رحمت کی غرض سے محبوب رکھا ہے تاکہ اس غفلت کے ہوتے ہوئے جو ان کی ذوات میں ہے حکمت
پر مطلع ہو کر ہلاک نہ ہو جائیں۔ فَسَنَالِیْہِ اللّٰہُ اَشْکَلًا مِّنْہٗ، وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

سریانی زبان تمام زبانوں میں ساری ہے

میں نے حضرت کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ سریانی تمام زبانوں میں اس
طرح ساری ہے جس طرح لکڑی میں پانی، کیونکہ ہر زبان کے
کلمات کے حروف ہجاء کی تشریح سریانی زبان میں کی گئی ہے اور
انہیں ان خاص معانی کے لیے وضع کیا ہے جس کی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے مثلاً لفظ احمد
عربی زبان میں جب علم ہوا اس ذات پر دلالت کرتا ہے جو اس نام سے موسوم ہے مگر سریانی میں
ابتدائی ہمزہ خاص معنی پر دلالت کرتا ہے، حام ساکن اور معنی پر اور دال پر اگر پیش ہو تو خاص معنی
پر اور اگر مفتوح ہو تو کسی اور معنی پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح محمد کا لفظ عربی زبان میں اس ذات
پر دلالت کرتا ہے جو اس نام سے موسوم ہے مگر سریانی میں میم ایک معنی بتاتی ہے اور حام مفتوحہ
اور معنی سیم مشدود اور معنی اور آخری دال اور معنی، اسی طرح لفظ زید، عمرو، اہل امرآۃ وغیرہ الفاظ
جی کا انحصار صرف عربی پر ہی نہیں۔ سریانی میں ان سب کے حروف تہجی کے خاص معنی ہیں۔ یہی حال
ہر زبان کا ہے چنانچہ ابارقلیط عبرانی زبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے اور سریانی میں

ابتدائی ہمزہ کا ایک معنی ہے، لام ساکن کا ایک معنی، با کا ایک معنی، علیٰ ہذا القیاس آخر تک۔ اسی لیے سریانی تمام زبانوں کی اصل ہے اور باقی زبانیں اسی سے متفرع ہیں اور ان کے متفرع ہونے کا سبب وہ جہالت ہے جو بنی آدم پہ پھیل گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سریانی زبان کی وضع اور اس میں گفتگو کرنے کی بنیاد وہ صاف معرفت ہے جس میں جہالت کا شائبہ نہ ہو تا کہ کلام کرنے سے پہلے ہی کلام کنندگان کو معانی معلوم ہو جائیں لہذا سامع کے ذہن میں ان معانی کو ڈالنے کے لیے معمولی سا اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ چنانچہ ان میں اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ معنی کو قریب کرنے اور اختصار کی غرض سے حروف تہجی سے معانی کی طرف اشارہ کیا جائے کیونکہ ان کا مقصد معانی سے بحث کرنا ہوتا ہے۔ نہ وہ حروف جو ان پر دلالت کرتے ہیں، یہاں تک کہ اگر یہ ممکن ہوتا کہ ان معانی کو ان حروف کے بغیر ہی ذہن میں حاضر کر لیا جائے تو وہ ان حروف کو کبھی وضع نہ کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے اہل کشف کے سوا یا ارواح کے سوا، کیونکہ وہ جانتے اور سمجھنے والے ہیں یا فرشتوں کے سوا، جن کی فطرت و خلقت ہی معرفت پر ہے، کوئی بھی اس زبان میں گفتگو نہیں کر سکتا۔ اگر تو انہیں گفتگو کرتا ہوا دیکھ لے تو تو دیکھے گا کہ وہ ایک یا دو حرفوں یا ایک یا دو کلموں کے ساتھ ان معانی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جن کی طرف دوسرے ایک یا دو جڑوں میں اشارہ کر سکیں گے۔

یہ معلوم کر لینے کے بعد آپ سمجھ جائیں گے کہ جب بنی آدم میں جہالت پھیل گئی تو اس کی وجہ سے ان حروف کو ان معانی سے جن کے لیے یہ ابتداء وضع کئے گئے تھے، منتقل کر دیا گیا اور ان کو مہمل بنا دیا گیا لہذا معانی کے ادا کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہوئی کہ ان کو ایک دوسرے سے ملا دیا جائے تاکہ ایک مجموعہ حاصل ہو جسے کلمہ کہا جاتا ہے تاکہ یہ ان معانی میں سے جو پہلی وضع والوں کے ہاں مروج تھے ایک معنی پر دلالت کرے لہذا حروف کے معانی اور ان کے امرا کو نہ جاننے کی وجہ سے بہت بڑا علم ضائع ہو گیا، باوجود اس کے جب آپ کسی زبان کا کوئی لفظ میں گئے اور نقل سے پہلے کے معانی سے اس کی تشریح کرنا چاہیں گے تو اس میں کوئی حرف ضرور ایسا ملے گا جو اپنی سابق وضع (یعنی سریانیت) میں اس پر سے مقدم کو ادا کرے گا جس پر پڑا کلمہ اس دوسری وضع میں دلالت کر رہا ہے کیونکہ یہ معانی منتقل منہ (یعنی سریانی معانی) سے منتقل ہیں اور دیکھے گا کہ اس کلمہ کے باقی حروف دیگر معانی پر دلالت کرتے ہیں جنہیں سریانی لوگ تو سمجھ جاتے ہیں اور دوسرے لوگ ان سے ناواقف ہیں۔ مشافہ حاشط کا لفظ عربی زبان میں مگر یا کسی اور گھرنے والی دیوار کے لیے وضع کیا گیا، مگر سریانی زبان میں ابتدائی ماہر ہی یہ تمام معنی ادا کر دیتی ہے اور لفظ ماء عربی زبان میں پانی کو کہتے ہیں مگر اس کی

آخری ہمزہ یہ معنی ادا کرتی ہے اور لفظ سماء آسمان کو کہتے ہیں گرامر کے شروع کی سین ہی یہ معنی ادا کر دیتی ہے، غرض اکثر اسماء پر غور کریں تو سب اسی طرز پر نکلیں گے کہ ایک حرف معنی کو ادا کرتا ہے اور باقی حروف بیکار رہ جاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت آدمؑ کی زبان سُرانی تھی
آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اتر کر زمین پر آئے تو وہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ سُرانی زبان میں باتیں کیا کرتے تھے کیونکہ وہ ابھی جنت سے آئے تھے لہذا انہیں معانی کی صاف معرفت حاصل تھی لہذا سُرانی زبان اپنی اصل حالت پر بغیر تغیر و تبدل کے ان کے اولاد میں قائم رہی، حتیٰ کہ حضرت

ادریس علیہ السلام گزر گئے تو اس میں تغیر و تبدل شروع ہوا اور لوگ اس کو اپنی اصل سے منتقل کرنے اور اس سے اپنی اپنی بولیاں نکالنے لگے چنانچہ سب سے پہلی زبان جو اس میں سے نکالی گئی وہ ہندوستان کی زبان (سنسکرت) ہے اسی لیے یہ زبان سُرانی زبان سے قریب ترین ہے اور فرمایا کہ حضرت آدمؑ جنت سے اترنے کے بعد سُرانی زبان میں اس لیے باتیں کرتے تھے کہ یہ اہل جنت کی زبان ہے اور وہ جنت میں یہی زبان بولا کرتے تھے اور جنت سے یہی زبان نکل کر دنیا میں آئے تھے اس پر میں نے عرض کیا کہ مفسرین نے خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلِمَةَ الْبَيِّنَاتِ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ انسان سے مراد آدم علیہ السلام ہیں اور بیان سے مراد سات سوزبانوں میں کلام کرنا ہے جن میں افضل ترین قرآن زبان ہے۔

حضرت نے فرمایا: یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو سات سوزبانیں سکھائیں چنانچہ وہ یہ تمام زبانیں جانتے تھے بلکہ آپ سے کم درجہ والے یعنی اولیائے امت محمدیہؐ بھی زبانیں جانتے ہیں لیکن وہ وہی زبان بولتے ہیں جس پر ان کی تربیت ہوئی اور آدم علیہ السلام کی تربیت اہل جنت کی زبان سُرانی پر ہوئی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مؤلف کہتا ہے کہ یہ نہایت ہی عمدہ کلام ہے اور اس پر حضرت ابن عباسؓ کی اس مرفوع حدیث سے اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ عربوں سے تین باتوں کی وجہ سے محبت رکھو میں عربی ہوں، قرآن عربی میں ہے اور اہل جنت بھی عربی میں گفتگو کریں گے، کیونکہ قبلی کہتا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں اور ابن الجوزی نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے، میں نے حضرت سے بھی اس حدیث کے متعلق پوچھا: فرمایا یہ حدیث نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی۔

نیز حضرت نے فرمایا اگر ننھے بچوں کی گفتگو پر غور کریں تو ہم ان کی گفتگو میں بہت سی سُرانیات

پائیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ بچپن میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ تیسرے بریکر کی طرح ہو جاتی ہے چونکہ آدم علیہ السلام اپنے بچوں سے باتیں کیا کرتے اور اسی زبان میں مختلف قسم کی کھانے پینے کی چیزوں کے نام دیا کرتے لہذا اسی پران کا نشوونما ہوا اور اپنی اولاد کو بھی یہی زبان سکھائی اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا، مگر جب اس میں تبدیلی واقع ہوئی اور بھول گئی تو بڑوں کے پاس اس کا کچھ بھی نہ رہا البتہ بچوں کے پاس کچھ باقی رہ گئی اس میں ایک اور راز بھی ہے وہ یہ کہ بچہ جب تک ماں کا دودھ پیتا رہتا ہے اس کی روح کا تعلق ملامن سے رہتا ہے اس زمانے میں جو خواہیں بچے کو نظر آتی ہیں اگر بڑے کو نظر آویں تو خوف کے مارے مر جاتے کیونکہ بچپن میں غلبہ روح کا ہوتا ہے اور بڑے ہو کر جسم کا غلبہ ہوتا ہے اور پہلے ذکر ہو چکا کہ ارواح کی زبان سریانی ہے لہذا جس طرح بچہ عالم خواب میں جو کچھ شاہد ہوتا کرتا ہے بلکہ غلبہ روح کرتا ہے۔ اسی طرح کبھی وہ سریانی الفاظ بول جاتا ہے تو اس وقت بھی غلبہ روح کا ہی ہوتا ہے۔

حضرت نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام اُخ ہے جسے دودھ پیتا بچہ بولتا ہے اور یہ نام ہندی رفعت، لطیف اور شفقت پر دلالت کرتا ہے گویا کہ وہ یوں کہہ رہا ہے یا عَظِی، یا رَہِی، یا رَہِی، یا رَہِی۔ اسی طرح تم نے دیکھا ہوگا کہ بچے کا دودھ چھڑانے کے بعد جب باطلہ ریا چنے کا دانہ اسے دیا جاتا ہے تو اس کا نام بُو بُو رکھتے ہیں کہ سریانی زبان میں کھانے کی میٹھی چیز کے لیے مقرر ہے اسی لیے ماں کے پستانوں کو بھی جس سے وہ دودھ پیتا ہے یہی نام دیا جاتا ہے اسی طرح جب بچے کو پانخانہ پھرنے کی حاجت ہوتی ہے تو ماں کو رُح کہہ کر اطلاع دیتا ہے اور سریانی میں یہ لفظ ذات کی پلیدی کو نکالنے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اسی طرح بچے کے پاس جب کوئی اس سے چھوٹا بچہ لایا جائے تو اس کا نام رکھتے ہیں مُمُو جو سریانی زبان میں ایک چھوٹی اور پیاری چیز کے لیے وضع کیا گیا ہے اسی لیے آنکھ کی پتلی کو عربی میں مُمُو کہتے ہیں مگر لفظ عین کا اضافہ کر کے مُمُو العین استعمال کرتے ہیں یعنی آنکھ میں چھوٹی اور پیاری چیز۔ بچوں کے کلام میں باقی سریانی الفاظ تلاش کرنے لگیں تو قصہ طول پکڑ جاتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ اس وقت کہ ۹ ذی الحجہ ۱۱۲۹ھ کا دن ہے۔ اہل مغرب میں سے کوئی بھی سریانی میں بات کرنے والا نظر نہیں آتا۔

میں نے دریافت کیا کیا سیدی منصور جن کی وفات ہو چکی ہے سریانی میں گفتگو کرتے تھے یا نہیں فرمایا ہاں اس زبان میں باقی کرتے تھے مگر سیدی عبداللہ بڑا ہی ان سے کہیں اچھی بول بیتیے تھے۔

میں نے پوچھا اسے کیوں سیکھا جاتا ہے؛

اہل دیوان کی زبان سریانی ہے کثرت معانی کی وجہ سے کسی اور زبان میں گفتگو نہیں کرتے۔ عربی میں گفتگو صرف اس وقت ہوتی ہے جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ہوتے ہیں آپ کے ادب و توقیر کی وجہ سے، کیونکہ دنیا میں اپنی حیات میں آپ کی یہی زبان تھی۔

اس کے بعد میں نے حضرت سے پوچھا سیدی عمر المہاری اور سیدی محمد السمواع یہ زبان جانتے تھے یا نہیں؟

فرمایا: نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا سوال قبر سریانی زبان میں ہوگا یا کسی اور زبان میں؟ میں نے عرض کیا: کیا سوال قبر سریانی زبان میں ہوگا یا کسی اور زبان میں، اس لیے کہ حافظ السیوطی اپنے منظوم میں فرماتے ہیں:-

وَمِنْ غَرِيبٍ مَا تَرَى الْعَيْنَانِ اَنْ سُؤَالَ الْقَبْرِ بِالسَّرْيَانِي

عجیب بات ہے کہ سوال قبر سریانی زبان میں ہوگا، اس کا شارح کہتا ہے کہ ناظم نے اپنی کتاب شرح الصدور باحوال الموتی والقبور میں شیخ الاسلام علم الدین ابلیقینی کے فتاویٰ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ میت سوالات کا جواب سریانی زبان میں دے گی۔ ناظم کہتا ہے مگر مجھے اس کی سند کہیں نہیں ملی۔ علامہ ابن حجر سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ظاہر حدیث سے تو مسلم ہوتا ہے کہ قبر میں سوال و جواب عربی زبان میں ہوگا مگر اس کے باوجود ہو سکتا ہے کہ ہر شخص سے خطاب اس کی اپنی زبان میں ہو اور یہ بات معقول بھی ہے۔

حضرت نے جواب دیا: سوال قبر سریانی زبان میں ہوگا کیونکہ یہ زبان فرشتوں اور ارواح کی زبان ہے اور سوال کرنے والے فرشتے بھی انہی میں سے ہیں اور سوالات کا جواب صرف روح دے گی جو تمام احوال کی طرح سریانی زبان میں گفتگو کرتی ہے، کیونکہ جب روح سے جسم کا پردہ (بذر یعن موت) اڑا لیا جاتا ہے تو اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ آتی ہے۔ پھر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی ولی کو نفع کبیر

لے شیخ الاسلام علم الدین ابلیقینی: علم الدین صالح بن السراج ابلیقینی شافعی متروک ۶۸۰ھ و ۷۵۱ھ
ان کی ایک تفسیر ہے ان کے بھائی جلال الدین عبد الرحمن ابلیقینی متروک ۷۷۲ھ و ۸۴۲ھ نے بھی ایک تفسیر لکھی ہے۔ فتاویٰ جس کا یہاں حوالہ دیا گیا ہے۔

(یعنی مرتبہ غوثیت) عطا کرتا ہے تو وہ کسی سے سیکھنے کے بغیر ہی اس زبان میں گفتگو کر سکتا ہے کیونکہ اس پر روح کا حکم غالب ہوتا ہے، پھر مڑے کا تو کیا پوچھنا، لہذا اس کو سریانی میں بات کرنے میں کوئی دستہ پیش نہ آئے گی۔

سوال وجواب کے الفاظ میں نے عرض کیا حضرت ہماری درخواست ہے کہ قبر کے سوال وجواب کی کیفیت بیان فرما کر ہمیں ممنون فرمائیں۔

حضرت نے جواب دیا: مگر دیگر سریانی زبان میں میت کو مزار پر کہیں گے اس کا تلفظ یوں مزار ہو فرمایا: اول میم مفتوحہ اور اس پر ہلکا سا تشدید پھر ساء مفتوحہ اور پھر الف پھر ساء ساکن اور آخر میں مضمومہ کے ساتھ واؤ خفیف سکون لیے ہوئے اور دل چاہے کہ پر وقف کر لو اور اس کے بعد ذرا کھینچ کر ہلکی سی واؤ پیدا ہو جائے۔

ان حروف کے معانی سریانی زبان میں ان کے حقیقی معنوں سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

م۔ پہلا حرف جو زبر وال میم ہے تمام کائنات اور ماری مخلوقات پر دلالت کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے۔
و۔ دوسرا حرف زان تمام خوبیوں کے لیے وضع کیا گیا ہے جو اس کائنات میں موجود ہیں۔
ز۔ کائنات کی برائیوں کے لیے وضع کی گئی ہے۔

ہ۔ جس کے کشش ہے۔ اس ذات مقدس پر دلالت کرنے کے لیے وضع ہوئی ہے جس نے تمامی عوالم کو پیدا کیا۔ سُبْحَانَكَ إِلَهَ الْأَوَّلِ۔

پہلا حرف اول سے اشارہ ہوا ہے تمامی کائنات کی طرف اور حرف دوم سے اشارہ ہوا ان خوبیوں کی طرف جو کائنات میں موجود ہیں اور ان میں سید الوجود صلی اللہ علیہ وسلم، تمام انبیاء، فرشتے، آسمانی کتابیں، جنت، روح، تعلم اور وہ تمام انوار جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور جو کچھ عرش کے اندر اور اس کے نیچے ہیں سب داخل ہو جائیں گے اور تیسرے حرف ز سے اشارہ ہوا تمام برائیوں کی طرف کہ اس میں جہنم اور ہر ذات نجیث مثلاً شیطان اور مردہ چیز جس میں گندگی اور شر ہو سب داخل ہو جائیں گی اور حرف چہام ھ سے جو اللہ تبارک و تعالیٰ تک پہنچانے والی ہے۔

حضرت نے فرمایا: سریانی زبان کا طریقہ ہے کہ بعض معانی کے لیے صرف ارادے پر اکتفا کی جاتا ہے اور ان کے لیے کوئی الفاظ وضع نہیں کئے جاتے۔ مثلاً قسم، استغفار و توبہ وغیرہ، چنانچہ یہاں استغفار مراد ہے حالانکہ اس پر دلالت کرنے والا کوئی حرف نہیں کیونکہ سوال کا قرینہ موجود ہے گویا یوں پوچھا گیا ہے کہ تمام کائنات، انبیاء، ملائکہ، کتب سماویہ، جنت، تمام خوبیوں اور شیطانی اور تمام برائیوں کا

خالق اللہ سبحانہ و تعالیٰ یا کوئی اور؟

مراد از یہ ہو

حضرت نے فرمایا اب رہا جواب، سو اگر میت مومن ہوگی تو وہ جواب میں مراد از یہ ہو

کے گی اور اسے یوں ضبط کیا: میم مفتوح بتشدید ضعیف پھر راہ مفتوح پھر الف ساکن، پھر وال ساکن، وال کے بعد ہمزہ مفتوح پھر زاء کسور پھر یاء ساکن اور یا کے بعد راء ساکن اور پھر ہمزہ مفتوح جس کے ساتھ ہکے سے سکون وال واو ہے ان حروف کے معانی یہ ہیں کہ پہلے حرف کا اشارہ جیسا کہ بیان کیا جا چکا تمام کائنات اور مخلوقات کی طرف ہے دوسرے حرف کا اشارہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان تمام انوار کی طرف ہے جو آپ سے نکلے مثلاً انوار ملائکہ، انوار انبیاء، مرسلین، انوار لوح و قلم اور نور برزخ اور ہمزہ چیز جس میں نور پایا جاسے۔ ہم نے جواب میں اس حرف کی یہ تفسیر اس لیے بیان کی ہے حالانکہ سوال میں مذکورہ بالا تشریح دی تھی کہ جواب دینے والا اُتبت محمدیہ میں سے ہے لہذا وہ چاہتا ہے کہ وہ تنگ محمدی میں داخل ہو اور آپ کے جھنڈے کے سایہ میں آجائے اسی لیے جواب میں ان حروف سے وہی معنی مراد لیے ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا۔ تاہم سوال میں اس کی تفسیر تمام خیر امت کی گئی ہے، یہ اس کے بھی مخالف نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہر خیر نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے متفرع ہوئی ہے اور حرف سوم یعنی وال سے اشارہ ہے ان تمام چیزوں کے برحق ہونے کی جانب جو پہلے حرف میں داخل تھیں گویا کہ میت جواب میں یہ کہہ رہی ہے کہ ہاں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں۔ تمام انبیاء برحق ہیں۔ تمام فرشتے برحق ہیں ان میں سے کسی میں بھی شک نہیں اور تمام وہ چیزیں بھی برحق ہیں جو حرف سابق میں داخل ہیں۔ پھر حرف چہارم یعنی ہمزہ مفتوح اپنے مابعد کے مدلول کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ عربی زبان میں ہمزہ مفتوح حروف اشارہ میں سے ہے جیسے هَذَا اور هَذِهِ عربی زبان میں اور پنجواں حرف راء جیسا کہ ذکر ہو چکا شر اور برائی پر دلالت کرتا ہے چنانچہ ظلمت حقیقی اور ہر وہ ظلمت جو اس سے متفرع ہوئی ہو اس کی تحت میں آجاتی ہے لہذا اس سے دوسرے حرف کی ضد مراد ہوتی اس لیے اس میں جہنم اور ہر وہ شئی جس میں ظلمت و شر ہو داخل ہو جاتی ہے، اور راء ساکن سے اشارہ ہے ہر اس چیز کے حق ہونے کا جو حرف سابق یعنی راء میں داخل ہے جس کو کسی کے ساتھ اشتباہ و یگانہ نہ ہو اور وہ جس میں نہم کے کھینچنے سے واؤ پیدا ہوگئی ہے اشارہ ہے ذات علیہ کی طرف بایں لحاظ کہ وہ خالق ہے۔ لہذا ہے متفرع ہے۔ ظاہر ہے، مختار ہے پس حاصل جواب یہ ہوا کہ تمام کائنات کا اور ہر قسم نبی برحق کا اور تمام انبیاء کا جو کہ برحق ہیں اور تمام فرشتوں کا جو کہ برحق ہیں اور عذاب جہنم کا جو کہ برحق ہے اللہ ہر قسم کی شر کا جو کہ برحق ہے سب کا پیدا کرنے والا

سب کا مالک، سب کا تصرف کرنے والا اور مختار کل وہی اللہ سبحانہ ہے جو ایک ہے جس کا نہ کوئی مخالف اور نہ شریک ہے اور نہ کوئی اس کے حکم کو ماننے والا ہے۔

پھر فرمایا: جب مردہ یہ سمیع جواب دیتا ہے تو فرشتے اس سے کہتے ہیں یا حیر بنون مفتوحہ جس کے بعد الف ہے اور الف کے بعد صں مکسورہ ہے اور صں کے بعد راء ساکن ہے اس کے معنی بھی سریانی حروف کی وضع سے معلوم ہو جائیں گے چنانچہ پہلا حرف نا بمون مفتوحہ اور اس کے بعد الف اس نور پر دلالت کرتا ہے جو ذات میں ساکن اور اس میں چپک رہا ہے دوسرا حرف صں مکسورہ مٹی پر دلالت کرتا ہے اور سراء ساکنہ دلالت کر رہی ہے ماقبل کے حق ہونے کی طرف اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہاں تیرا نور ایمان جو تیری ذات تیرائی میں جس کی اصل مٹی ہے ساکن ہے اور وہ حق اور صحیح ہے، واقعہ کے مطابق ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ لہذا یہ مفہوم حدیث نبوی کے ان الفاظ کے قریب ہے نَعَمْ صَاحِبَانَا عَلِمْنَا اَنْ كُنْتُمْ لَمُؤْتِنَا اَعْجَابًا اُرَامَ سَعَىٰ سَاجِدًا ہمیں معلوم تھا کہ تم صاحب یقین و ایمان ہو۔

میں نے حضرت سے ان کلمات قرآنیہ کے متعلق پوچھا جن کے کلمات قرآنیہ کے متعلق سوال متعلق علماء میں اختلاف ہے کہ وہ سریانی زبان کے یہی یا کسی اور زبان کے۔

۱۔ اَسْفَارًا ان میں ایک لفظ اَسْفَارًا ہے۔ واسطی نے الا دشاد میں لکھا ہے کہ یہ لفظ سریانی ہے جس کے معنی کتب (کتابوں) کے ہیں اور ابن ابی حاتم نے ضحاک سے نقل کیا ہے کہ یہ قبلی لفظ ہے۔ بمعنی کتب۔ یہ الاتقان فی علوم القرآن کا بیان ہے۔

۲۔ دوسری حدیث میں ہے نَعَمْ كُنْتُمْ مَعْدُودًا

۳۔ واسطی: ابو العز محمد بن حسین بن پندرہ اقلانس واسطی متوفی ۲۵۲ھ و ۲۵۳ھ ان کی کتاب کا پر نام ارشاد البیہقی و ذکرۃ النفسی ہے۔ اس میں دس قرار توں پر بحث کی گئی ہے۔

۴۔ ابن ابی حاتم: شیخ الاسلام ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم ۲۴۵ھ و ۳۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ بہت بڑے زاد تھے اور ان کا شمار ابدال میں ہوتا ہے کہ جس میں کوئی درست نے انہیں قول کے زمانے میں مصنفان سے کوئی جائز بھیجا جسے انھوں نے بین ہزار کو بیچ دیا۔ اس دوست نے کہا بھیجا کہ اس سے ایک مکان خریدیں مگر انھوں نے تمام روپیہ نقرہ میں تقسیم کر دیا اور دوست کو لکھ بھیجا کہ میں نے تمہارے لیے جنت میں محل خرید لیا ہے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت نے فرمایا یہ سرائی لفظ ہے جسے کتب اور واسطی کا قول درست ہے اور تمام کلمہ کے معنی وہ خوبیاں ہیں جو طاقت بشر سے باہر ہیں کیونکہ ہمزہ کا اشدہ مابعد کی طرف اور میں ساکن وضع ہوا ہے محاسن اشعار کے لیے اور فار مغتوحہ اس چیز کا نام ہے جو طاقت بشری سے خارج ہو اور ر مفتوح کا دوسرا اشارہ ہے۔ محاسن کی طرف مطلب یہ ہوا کہ وہ کتابیں جن میں ایسی خوبیاں ہیں جو بشری طاقت سے باہر ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۔ **السرّ بانیون** دوسرا لفظ **زبانیون** ہے جو الیقینی کہتے ہیں: ابو عبیدہ کا قول ہے کہ اہل عرب کو **زبانیون** کے لفظ کا علم نہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ لفظ یا تو عبرانی ہے یا سرائی لیکن ابوالقاسم نے یقینی طور پر اسے سرائی قرار دیا ہے اس کا ذکر سیوطی نے اتفاق میں کیا ہے۔

حضرت نے فرمایا: یہ لفظ سرائی ہے جس کے معنی وہ لوگ ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے بغیر تعلیم کے نفع عطا کی ہو اور یہ مرکب ہے تین کلموں سے **زبّا**۔ **یون**۔ **یون**۔ پھر آپ نے اس کی یوں تشریح کی کہ سرائی مغتوحہ اشارہ ہے خیر کثیر کی طرف جس پر بار مشدود دلالت کر رہی ہے گویا یوں کہا جا رہا ہے کہ یہ خیر کثیر ہے اور دوسرے کلمے کی تشریح یہ ہے کہ نون مکسورہ اشارہ ہے قرب کی طرف اور تیسرے کلمے کی تشریح

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

اور درست نے کہا کہ اگر آپ حاشیہ میں تو میں راضی ہوں انہوں نے ضمانت دیدی اس کے بعد انہیں خواب میں کہا گیا ہم نے تمہاری ضمانت قبول کر لی ہے مگر آئندہ سے ایسا نہ کرنا۔ ان کی وفات ۳۲۷ھ ۳۲۸ھ میں ہوئی۔

۳۔ **ضناک** اسناک بن محمد بن ضناک شیبانی بصری۔ ثقہ ہیں۔ انہوں نے کثرت سے روایت حدیث کی، ان کی وفات ۱۱۳ھ میں ہوئی۔

۴۔ **الجوالیقی**: ابو جوب بن ابی لہر اصحاب بن محمد بن المنذر الجوالیقی البغدادی الادیب القنوی۔ بغداد کی قابل فخر ہستیوں میں سے تھے انہوں نے ادب ابو زکریا تبریزی سے پڑھا اور بہت سی تصانیف کہیں ۳۶۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۵۵ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے حریری کے درۃ الخواص کا تذکرہ کیا جس کا نام التکملہ فیما یلحق فیہ العامہ (کشف: ۱: ۲۷۱)

۵۔ **ابو عبیدہ**: معمر بن مثنیٰ ابو عبیدہ نخوی ولغت وان تھا۔ اس کی وفات تقریباً ۳۱۰ھ ۳۲۵ھ میں ہوئی۔

۶۔ **ابو القاسم عبدالعزیز بن عبداللہ اللہاک** زیشاپوری درس دیا اور ابوالمنہج مروزی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور مائت شیعہ بغداد نے اُن سے علم حاصل کیا۔ انہوں نے ۳۴۵ھ ۳۵۵ھ میں وفات پائی۔

یہ ہے کہ یاد مضموم اشارہ ہے اس چیز کی طرف جو ایک حالت پر برقرار نہ رہے جیسے بجلی اور نور اور
نور مفتوح اشارہ ہے اس خیر کی طرف جو ذات میں جاگزیں اور اس میں مشتمل ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ
خیر و تحول جو میرے قریب ہے اور اہل فتح کی ذات میں پائی جاتی ہے اور اللہ میں سے ایک نور ہے اور
اسرار اللہ میں سے ایک برتر ہے اور وہ ان کی ذات میں جاگزیں اور مشتمل ہے۔

۳۔ **هَيْئَتٌ لَكَ** اسی طرح لفظ **هَيْئَتٌ لَكَ** (سرورہ یوسف آیت ۲۳) ابن حاتم نے ابن عباس سے
روایت کی ہے کہ **هَيْئَتٌ لَكَ** کے معنی قبلی زبان میں آؤ اور حسن نے اسے
سریانی کہا ہے۔ ابن جریر کی بھی یہ روایت ہے مگر یہ کہتے ہیں کہ حوران لفظ ہے۔ یہی روایت ابوالشیخ
کی ہے۔ ابو زید الانصاری کہتے ہیں کہ یہ عبرانی لفظ ہے اور اصل میں ہیئتہ ہے یعنی آؤ۔ یہ
بیان اتقان کا ہے۔

حضرت نے فرمایا: یہ سریانی لفظ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم
اسی طرح شہر کا لفظ ہے جو الہی کہتے ہیں کہ اہل لغت نے ذکر کیا ہے کہ یہ لفظ
سریانی ہے۔

حضرت نے فرمایا: یہ سریانی نہیں۔ سریانی زبان میں شہر کے معنی پانی کے ہیں۔
مؤلف لکھا ہے جو اس لفظ کے حروف کی تفسیر جانتا ہے اسے اس میں شک نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
۵۔ **عَدْنٌ** ایک اور لفظ عدن ہے۔ ابن جریر نے ذکر کیا ہے کہ ابن عباس نے کعب سے **جَنَاتُ**
عَدْنٍ کے معنی پوچھے تو کعب نے کہا کہ سریانی میں اس کے معنی انگوروں کے باغات
کے ہیں۔ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اسے رومی بتایا ہے یہ بیان اتقان کا ہے۔

۱۔ حسن: حسن سے حسن بصری مراد ہے۔
۲۔ حکمر: ابن عباس کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔
۳۔ ابوالشیخ: حافظ اصحاب ابوالشیخ عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیان۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔
۴۔ میں پیدا ہوتے اور ۲۶۶ھ و ۲۶۷ھ میں وفات پائی۔
۵۔ ابو زید الانصاری: صحابی ہیں۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہی قرآن حفظ کر لیا تھا ان کے
نام میں اختلاف ہے بعض سعید بن مسیر کہتے ہیں اور بعض قیس بن اسکن۔
۶۔ کعب: ابواسمٰں کعب بن نافع الحیر بن کعب الاحبار کے نام سے مشہور ہیں ان کی وفات مصر میں ایک سو چار ہجری
کے عرصہ میں ۳۳۲ھ و ۳۵۳ھ میں مدینہ میں ہوئی۔

حضرت نے فرمایا یہ سریانی لفظ ہے اور اس لفظ کی ایک بند تشریح بیان کی۔

ایک اور لفظ رَھوَا ہے واسطی کہتے ہیں وَاسْتُلِ الْبَحْرَ رَھوَا کے معنی سریانی زبان میں "ساکن" کے ہیں۔ ابراہیم نے قبلی زبان بتایا ہے اور اس کے معنی مثل بتائے ہیں۔

۶۔ رَھوَا

حضرت نے فرمایا: یہ سریانی لفظ ہے اور اس کے معنی ایسی قوت کے ہیں جس کی کوئی شخص طاقت نہ رکھ سکتا ہو چنانچہ اگر ہم کہیں کہ فلاں شخص رہو ہے یعنی اتنا قوی ہے کہ کوئی اس کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتا یا یوں کہیں کہ یہ شخص رہو قوم میں سے ہے یعنی ایسی قوم میں سے ہے کہ کوئی قوم ان کے مقابلے کی تاب نہیں لاسکتی۔

مؤلف لکھتا ہے کہ اب آیت کے معنی ظاہر ہیں اور جو شخص اس کلمے کے حروف کی تفسیر کو پہچان لے اسے شیخ کے بیان میں شک و شبہ نہ رہے گا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

غرض اسی قسم کے بہت سے الفاظ میں نے حضرت سے دریافت کیے جن کا آپ نے جواب دیا، لیکن میں نے قارئین کے طالع کے خوف سے ان کا ذکر نہیں کیا۔

ان سریانی کلمات کی تشریح سننے کے بعد میں سمجھ گیا کہ حضرت نے مذکورہ الفاظ مثلاً مشفقہ و مشیخا والا بخیل و المنة و المنة و احسنی حمیتاً وغیرہ الفاظ کا ہی جواب دے رہے ہیں۔ اس پر میں نے حضرت سے درخواست کی کہ ہر کلمے کی تشریح ان کے حروف کی اصل وضع کے اعتبار سے بیان کریں تو حضرت نے یہ سب کچھ ایک ایک حرف کر کے بیان کر دیا، لیکن خوف طوالت میں نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت سے میں نے سنا کہ غوث کے سوا سریانی زبان کو کوئی شخص نہیں جانتا یا وہ اقطاب سجدہ جانتے ہیں جو اس کے ماتحت ہوتے ہیں۔ سیدی احمد بن عبد اللہ نے یہ زبان مجھے تقریباً ایک ماہ میں سکھائی تھی۔ یہ سنا کہ بات ہے۔

مؤلف لکھتا ہے میں نے یہ کلام حضرت سے ہم ذی الحجہ ۱۱۲۹ھ کو سنا۔ سیدی احمد بن عبد اللہ سے حضرت کی مراد وہ احمد ہیں جو آپ سے پہلے جیسا کہ ذکر ہو چکا غوث تھے اور وہ جیسا کہ ہم بیان کریں گے، ان دس اولیاء میں سے تھے جن کی وراثت حضرت شیخ کو ملی اور ۱۱۲۹ھ میں ذی القعد کے آخر میں جیسا کہ انہوں نے ان سے سنا ایک اور بڑے ولی کی وراثت بھی ان کو جن کا نام سیدی ابراہیم لکھنوی ہے۔ وہ منقولہ الاموں کے درمیان میں ساکن ہے جن کے آخر سنا ہے۔ حضرت نے اس کا لفظ اسی طرح بتایا تھا جس زمانہ میں سید احمد بن عبد اللہ حضرت کو سریانی زبان کی تعلیم دے رہے تھے۔ یہ حضرت کی فتح کا بدلہ

زمانہ تھا۔ انہوں نے حضرت کو سریانی زبان اس لیے سکھائی کہ ان کو علم تھا کہ حضرت قلب بننے والے ہیں چنانچہ تھوڑی مدت بعد ہی آپ قطب بن گئے۔

اس بات کی دلیل کہ اس زبان کو ان خاص اولیاء کے سوا جن کی طرف حضرت نے اشارہ کیا کوئی نہیں جانتا۔ بڑے بڑے اولیاء سے منقول وہ نصوص ہیں جو قراتح السور کی تشریح میں انہوں نے بیان کیے۔ پھر حضرت نے سریانی زبان میں حروف تہجی کی اصل وضع و معانی ۸ ذی الحجہ ۱۱۲۹ء میں مجھے سکھائے۔ بعد ازاں ایک دن میں سب سمجھ گیا تو فرمایا میں نے تو ایک ماہ میں سیکھی تھی اور تم ایک ہی دن میں سیکھ گئے۔ میں نے آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور عرض کی کہ یہ حضرت ہی کی برکت اور پڑھانے و سمجھانے کا سلیقہ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱۲۹ء میں رمضان شریف کے آخر میں ایک دن میں حضرت سے اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (سورہ تکویر پارہ ۳۰ آیت ۱) ذکر رہا تھا کہ میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ یہ جو مشہور ہے کہ قرآن مجید کے ہر کلمہ کے ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی۔ کیا یہ درست ہے؟ حضرت نے فرمایا یہ سچ ہے چنانچہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ کے بھی ظاہری اور باطنی معنی ہیں چنانچہ اس کا ظاہر آخر کی تصدیق کرتا ہے اور اس کا باطن اول کی۔ میں نے عرض کیا کہ آخر سے آپ کی مراد کیا ہے؟

فرمایا: آخر سے مراد وہ امور ہیں جو قیامت کے دن عشر میں واقع ہوں گے اور اول سے مراد وہ امور ہیں جو عالم ارواح میں واقع ہوتے۔

اس کے بعد آپ نے عالم ارواح کی بعض اشیاء کا ذکر کیا کہ نہایت تعجب انگیز تھا اور آپ نے میرا عقول باتیں بیان کیں۔ یہ امور اسرار خداوندی میں سے ہیں جن کا ذکر کرنا منع ہے۔

پھر میں نے آپ سے اس آیت کے متعلق پوچھا جس کا ظاہر عالم ارواح میں ہے شَوْكَ اِذَا اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ نَجْوٰی اٰدَمَ مِنْ ظَهْرِ رَبِّهِمْ فَرِيَّتَهُمْ (سورہ اعراف آیت ۱۷۲) اور عرض کیا اس کا باطن کہاں ہے؟

حضرت نے فرمایا اس کا باطن وہ امور ہیں جو علم ازل اور پہلی تقدیر میں گزر چکے۔

نیز آیت اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدُّوْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (سورہ نساء آیت ۱۱۰) کے متعلق پوچھا کہ اس کے باطنی معنی کیا ہیں؟

فرمایا وہ ظلمت جو عالم ارواح میں تھی۔ اسی ظلمت سے جہنم پیدا ہوئی۔ خدا ہمیں اس سے بچاؤ۔

چنانچہ اس حکمت کے اندر ارواحِ منافقین کا اسی طرح کا مقام ہے جس طرح کا مقام ان کے اجسام کے لیے جہنم میں ہے خدا ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

میں نے عرض کیا کہ اس باطن کے جاننے کا کوئی سبب بھی ہے؟

فرمایا: یہ کشف کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا مگر جو سریانی زبان سمجھ جائے اور حروف کے اسرار کا اُسے علم ہو جائے تو اس سے باطنِ قرآن کے جاننے میں بہت ہی مدد ملے گی اور اسے عالمِ ارواح، دنیا، دارِ آخرت، آسمانوں اور زمینوں اور عرش کی باتوں کا علم ہو جائے گا اور اسے علم ہو جائے گا کہ قرآن عزیز میں جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ان کی کوئی انتہا نہیں اور اسے اس آیت کے معنی معلوم ہو جائیں گے مَا تَرَكْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (سورۃ انعام آیت ۳۸) واللہ تعالیٰ اعلم

کیا قرآن مجید لوحِ محفوظ میں
پھر میں نے دریافت کیا کہ کیا قرآن مجید لوحِ محفوظ میں
عربی زبان میں لکھا گیا ہے؟ حضرت نے فرمایا: ہاں اور کچھ
میں عربی میں لکھا ہوا ہے
حصہ سریانی میں بھی لکھا ہوا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ سریانی میں لکھا ہوا کونسا حصہ ہے؟

فرمایا: سورتوں کی ابتدا میں جو حروفِ مقلعات ہیں۔

میں نے کہا برسوں سے جس چیز کی مجھے تلاش تھی، وہ آج ہاتھ آئی۔ میری حضرت سے ملاقات رجب ۱۱۱۰ھ میں ہوئی اور میں آپ سے گفتگو کرتا رہا اور ولایت سے متعلق امور کے متعلق پوچھتا رہا میں نے حضرت سے وہ باتیں سنیں کہ میں حیران رہ گیا۔ جب حضرت نے دیکھا کہ مجھے آپ کے جواب پسند آتے ہیں تو فرمایا: تیرا جو دل چاہے پوچھ۔ اس پر میں نے سورتوں کی ابتدا میں حروفِ مقلعات کے متعلق دریافت کیا کہ وہی۔ وَالْقُرْآنِ ذِي الْبُرْجَانِ (سورۃ ص، پارہ ۲۳، آیت ۱) کے کیا معنی ہیں؟

حضرت نے فرمایا: اگر لوگوں کو اس کے معنی اور اس کی حقیقت کا علم ہو جائے تو کسی کو بھی اللہ کے حکم کی مخالفت پر کبھی جرأت نہ ہو، مگر آپ نے اس کی تشریح نہیں کی۔
کھنڈی عصا پھر میں نے کھنڈی عصا کے معنی دریافت کیے۔

فرمایا: اسی میں عجیب راز ہے اور جو کچھ بھی اس سورۃ مریم میں مذکور ہے مثلاً حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت مریم، حضرت عیسیٰ، حضرت ابراہیم، حضرت اسمعیل، حضرت اسمٰعیل، حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت ادریس، حضرت آدم و نوح علیہم السلام کے قصے

اور ہر واقعہ جس کا ذکر اس کے بعد سورۃ میں آیا ہے وہ سب کلمہ لے حص کے معنی میں داخل ہے اور اس سے زیادہ حصہ اس کے معنی کا ابھی باقی رہ گیا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ رموز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں اور ہر رمز کے ساتھ اس کی شرح بھی لکھی جاتی ہے لہذا ان رموز کو بڑی شکلوں میں لکھا جاتا ہے اور ان کی تشریح کبھی اوپر کبھی نیچے اور کبھی درمیان میں لکھی جاتی ہے، اس کی تفسیر تو یہ ہو سکتی ہے جس طرح کہ منصف مزاج آدمیوں کو جب کوئی لفظ و تساویر میں سے چھوٹ گیا ہو اور پھر یاد آ جائے تو وہ اس حرف کو حروف کے اوپر ہمار کی شکل میں درج کر لیتے ہیں چنانچہ سورۃ کے ابتدائی حروف اسی شکل کی طرح ہیں اور جو کچھ باقی سورۃ میں دیا ہے وہ اس کی تفسیر ہے لوح محفوظ کا یہی دستور ہے کہ پہلے رمز ہوگی پھر اس کی تفسیر۔ اس سے فارغ ہو کر دوسرے رموز و تفسیرات آئیں گی۔ یہ سلسلہ اسی طرح آخر تک چلتا ہے اور تفسیر حرف کے پنج میں لکھی جاتی ہے جب حرف ص کی شکل کا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ص کی شکل لوح محفوظ میں اتنی بڑی نظر آتی ہے کہ کوئی پہلے تو کم و بیش ایک دن میں اس کی مسافت کو طے کرے۔

پھر فرمایا کہ سورتوں کے ابتدائی حروف کا علم صرف دو شخصوں کو ہوتا ہے، ایک وہ جس کی نظر میں لوح محفوظ ہو یا وہ شخص جو اہل تعریف و روان الاولیاء سے میل جول رکھتا ہو۔ ان دونوں شخصوں کے سوا کسی کو فوائج السور کے جاننے کی ہرگز خواہش نہیں کرنی چاہیے۔

پھر میں نے دریافت کیا کہ اللہ جو سورہ بقرہ کے شروع میں ہے اور اللہ جو سورہ آل عمران کے شروع میں ہے کیا ان دونوں کا اشارہ ایک ہی شئی کی طرف ہے یا دونوں کے معنی مختلف ہیں؟

حضرت نے فرمایا: دونوں کے الگ الگ معنی ہیں اور ہر ایک کی تشریح ان مضامین سے کر دی گئی ہے جو اس سورت میں ہیں۔ میں نے یہ تقریر حضرت سے ابتدائی ملاقات کے زمانے میں کہی تھی اور میں سمجھ گیا تھا کہ وہ اکابر اولیاء میں سے ہیں۔ کیونکہ میں نے اکابر صوفیہ کو دیکھا ہے کہ جب فوائج سور کا ذکر کرتے ہیں اور جن باتوں کا ذکر حضرت نے کیا ہے ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو یہ بات واضح الفاظ میں کہہ دیتے ہیں کہ فوائج سور کے معانی صرف وہ اولیاء جانتے ہیں جو ادا والارض میں لہذا یہ میرے لیے اس بات کی بڑی شہادت تھی کہ حضرت بلیل القدر ولی ہیں۔ خدا ہمیں ان کی محبت عطا کرے اور ہمیں ان علوم تک پہنچائے جو آپ سے ظاہر ہوتے تھے، حالانکہ آپ نے یہ علوم نہ بڑے ہو کر نہ بچپن میں پڑے تھے۔ بلکہ قرآن مجید تک نہ پڑھا تھا اور آپ کو صرف چند ایک سورتیں یاد تھیں اور وہ بھی وہ سورتیں

جن کی ابتدائیت سے ہوتی ہے مگر جب آپ انہیں قرآن مجید کی تفسیر کرتے سن میں تو آپ نہایت ہی عجیب باتیں سنیں گے۔ اکابر صوفیہ کی یہ واضح عبارتیں ہیں جو آپ کی ولایت کی شاہد ہیں اور ان تمام باتوں کی شاہد ہیں جن کی طرف حضرت نے اشارہ کیا۔

چنانچہ حکیم ترمذی نوادر الاصول میں فرماتے ہیں کہ سورتوں کے ابتدائی حروف مقطعات میں ان مضامین کی طرف اشارہ ہے جو ان سورتوں میں بیان کیے گئے ہیں اور اس کا علم صرف ان لوگوں کو ہے جو اللہ کی زمین پر اللہ کے حکیم ہیں اور اتقاد الارض ہیں۔ انہیں یہ علم اللہ کی عنایت سے ملا اور یہ شریف فلسفی ہوتے ہیں اور یہ ایسی قوم ہے جن کے دل خدا کی وحدانیت تک پہنچ گئے اور اس علم کو انہوں نے خدائے واحد سے حاصل کیا۔ یہ علم صرف محکم کا علم کہلاتا ہے۔ انہی حروف سے تمام علوم کی تعبیر کی جاتی ہے اور انہی حروف سے اسماء خداوندی کا ظہور ہوا جس کو لوگوں نے اپنی زبانوں میں ادا کیا۔ اور اس عبارت کو ولی عارف باللہ سیدی ابوزید عبدالرحمن فاسی نے قطب کبیر البرہان شاذلیؒ کی حزب کبیر کے حاشیہ میں نقل کیا ہے۔ ابوزید فاسی اسی حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ یہی ایک صوفی نے کہا ہے کہ حروف و اسماء کی معرفت خصوصیات علوم انبیا میں سے بلحاظ اولیاء ہونے کے ہے۔ یہی وجہ ہے اولیاء اور انبیاء دونوں اس علم میں شریک ہوتے ہیں کیونکہ یہ کشفی علوم میں سے ہے اس لیے عقل کے سرمایہ کے ساتھ ان علوم میں تصرف کرنا بے سود ہے بلکہ جو اس علم سے ناواقف ہے وہ اسے جان ہی نہیں سکتا اور جو اس علم کو جان گیا وہ ناواقف نہیں رہ سکتا اور ہر دل کو اتنا علم عطا ہوتا ہے جتنی کو اسے فتح نصیب ہو۔ اسی لیے اولیاء میں تفاوت پایا جاتا ہے اور ان کے اشارات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ کشفی بقاء و احداً و تفصیل بَعْضُهَا عَلَى بَعْضٍ فی الْکُلِّ۔ انہیں ایک ہی پانی (دیان مراد نور خداوندی) سے سیراب کیا جاتا ہے مگر ہم چل میں ایک کو دوسرے پر تفصیلت دے دیتے ہیں (سورۃ رعد آیت ۴)

نیز اسی حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ درجی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ حروف مقطعات قرآنی سورتوں

نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول: ابو عبد اللہ محمد بن علی بن حسن بن بشر المودن الکیم ترمذی کی تالیف ہے۔ یہ ۲۸۷ تک زندہ تھے۔

ابوزید عبدالرحمن فاسی: ابوزید عبدالرحمن بن محمد فاسی۔ انہوں نے شاذلی کی حزب کبیر کی شرح لکھی ہے۔

ابراہیم شاذلی: نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول کے مصنف، ابو عبد اللہ محمد بن علی بن حسن بن بشر المودن الکیم ترمذی

کے۔ ابوزید عبدالرحمن فاسی: ابوزید عبدالرحمن بن محمد فاسی انہوں نے شاذلی کی حزب کبیر کی شرح لکھی ہے۔

کے معانی کی رموز میں اور ان امور کے معانی کو زبانوں کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔

مؤلف حاشیہ سیدی عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ اس پر یہ اقراض وارد ہوتا ہے کہ ایک ہی رمز متعدد سورتوں میں مختلف معنوں میں آئی ہے جیسے السہ، الحہ وغیرہ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ رموز اس حرف کی طرح ہے جو کئی ایک معنوں میں مستعمل ہو۔ ۱۰

مؤلف کہتا ہے کہ ان اکابر کی اس عظیم شہادت پر غور کریں۔ عبدالرحمن غامی نے اسی حاشیہ میں اور حوالے بھی درج کئے ہیں مثلاً سیدی عبدالنور کا، سیدی محمد بن سلطان کا، سیدی داؤد باغلی کا، سیدی شیخ ابوالحسن شاذلی کی حزب البحر کی شرح میں تو آپ کو اس امام کبیر کے مرتبہ کا پتہ چل جائے گا۔ خدا ہمیں ان کی کچی محبت عطا کرے۔

مؤلف کہتا ہے کہ اوائلی السور کے متعلق جو کچھ میں نے حضرت سے سنا، ان کے خاص معانی کی وجہ سے میں ان سے مستفید ہو سکا یہاں تک کہ ۸ رذی المرجب ۱۱۲۹ھ کا دن آگیا تو میں نے مذکورہ بالا بات حضرت سے سنی اور وہ یہ ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ لوح محفوظ میں سریانی زبان میں لکھا گیا ہے اور یہ حصہ فواتح السور کا ہے (یعنی حروف مقطعات) اس پر میں نے حضرت سے درخواست کی کہ ہر حرف کی الگ الگ تشریح کریں اور ان تمام رموز کی شرح بیان کریں آپ نے بحمد اللہ میری درخواست منظور کر لی، میں اس کا کچھ حصہ بیان کرتا ہوں کیونکہ تمام کی تمام تشریح نقل کرنے کے لیے ایک مستقل تالیف کی ضرورت ہے۔

۱۱۔ ابوالحسن علی بن عبداللہ بن عبدالباقی شاذلی - یہ نابینا تھے اور حوزہ کے شاذلی فرقہ کے بانی تھے انکی وفات ۱۱۵۸ھ میں صرخا صنداب میں ہوئی جبکہ یہ حج کے لیے جا رہے تھے اور وہیں دفن ہوئے، شیخ ابوالعبداللہ بن انعمان نے ان کے تعلق ہونے کی شہادت دی ہے، شیخ تقی الدین بن دتقی امید نے بھی ان کی بزرگی کا اعتراف کیا ہے انھوں نے حزب البحر لکھی ہے جو حرمینہ کے ہاں بہت مقبول ہے، ایک حزب البحر صغیر اور دوسری کہیں حزب البحر اے کہا گیا کہ یہ محمد کے سفر میں اس کے مصائب سے نجات کی غرض سے لکھی گئی۔ واقعہ یوں ہوا کہ شاذلی رحمۃ اللہ نے بحر الزم کا سفر اختیار کیا، بندر کے درمیان جہاز کو لگا اور کئی دن تک ہوا بند رہی، نجات کی کوئی صورت نظر نہ آئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار مبارک ہوا اور انھوں نے یہ دعا پڑھنے کی تلقین کی، چنانچہ انھوں نے یہ دعا پڑھی اور ہوا چل پڑی۔ اسے حزب صغیر بھی کہتے ہیں۔ اس کی ابتدا یا اللہ یا علی یا علیم یا علیم الخ سے ہوتی ہے حزب کبیر کی ابتدا و اذاجاء اللہین لایذہمون سے ہوتی ہے۔ (کشف الظنون: ۱: ۲۳۳)

۱۔ ص | اس کی تفسیر میں حضرت نے فرمایا کہ اس سورت میں میں سے مراد وہ غلام ہے جہاں روزِ محشر سب لوگ اور تمام مخلوقات جمع ہوگی اور آیت میں اسے بطور وعدہ وعید کے لایا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ وہ ص ہے یعنی جس خوفناک منظر سے تم کو ڈرایا جاتا ہے اور وہ خوشنما منظر جس کی تم کو بشارت دی جاتی ہے وہ ص یعنی محشر کا وسیع میدان ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ غلام انسان کے افعال کے تقاضا کے مطابق مختلف صورتیں اختیار کرتی ہے چنانچہ کافر کے لیے عذاب کی صورت اختیار کرے گی اور اس کے پیلوں میں ایک مومن ہوگا اس کے لیے رحمت بن جائے گی اور ایک اور کافر کے لیے جو اس مومن کے پیلوں میں کھڑا ہوگا عذاب ہوگا مگر اس قسم کا نہیں جو پہلے کافر کو ہر باعقا، بلکہ کسی اور قسم کا ہوگا اسی طرح ایک اور مومن کے لیے جو اس مومن کے پاس کھڑا ہوگا رحمت ہوگی مگر اس قسم کی نہیں جو پہلے مومن کے لیے تھی، بلکہ کسی اور قسم کی اس کے افعال کے تقاضا کے مطابق، اسی طرح جتنے لوگ بھی محشر میں جمع ہوں گے ان میں ہر ایک پر عذاب یا رحمت ہوگی اور جدا قسم کا عذاب اور باد جو اس کے کو دیکھنے میں تو فضا ایک ہی ہے اور جس طرح کہ دنیا کی طبیعت کا تقاضا ہے، ایک جگہ دوسری جگہ کے مشابہ نہ ہوگی اور صاحبِ فتح اس تمام کو آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے کہ زیادہ اپنی تقدیر کی کھمت کے موافق اپنے مقام میں نظر آ رہا ہے اور عمر اپنی جگہ پر۔ گویا کہ وہ اللہ کے سامنے کھڑے ہیں۔ اسی لیے تو میں نے کہا تھا کہ اگر لوگوں کو علم ہو جائے کہ ص سے کیا مراد اور اس کا کس طرف اشارہ ہے تو کوئی شخص بھی اللہ کے حکم کی مخالفت کرنے کی جرأت نہ کرے کیونکہ اگر لوگوں کے لیے پردہ اٹھا کر ان کے مقابلہ دکھا دیے جاتیں تو اطاعت گزار رشک کرے کہ کاش اور عمل کرتا تو بہتر درجہ پاتا اور مخالف افسوس سے مرجاتے اور غلام رہے کہ اس مقام میں کفار بھی ہوں گے، مومن بھی، انبیاء بھی، ملائکہ بھی، جن اور شیاطین بھی۔ لہذا سورت کی ابتداء میں کافروں کی چند جماعتوں کا ذکر کر کے کفار کی طرف اشارہ کر دیا اسی طرح انبیاء کے ذکر کے دوران میں مومنین کا ذکر کر کے ان کی طرف اشارہ کر دیا اور سورت کے آخر میں جن اور شیاطین کا ذکر کر دیا اور ان کے دنیوی حالات کا تذکرہ کیا، اگرچہ یہ حالات محشر میں نہ ہوں گے اسی لیے کہ یہی احوال اس غلام میں جس میں ان کا حشر ہوگا۔ ان کے حالات کے اختلاف کا سبب بنیں گے۔ اس سورت کے متعلق اور بہت سے اسرار ہیں جن کا ظاہر کرنا روا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۔ کفٰیعیص | کفٰیعیص کا مفہوم اس کے ہر حرف کی الگ الگ تشریح کے بعد سمجھ میں آئے گا چنانچہ کاف مفتوح کے معنی ہیں بندہ اور فار ساکن مفتوح کے معنی کو متعلق کرنے کے لیے آیا لہذا اس میں

فار مفتوح کے معنی اور تحقیق و تقریر دونوں مفہوم پائے جاتے ہیں اور فار مفتوح کے معنی ہیں ایسی چیز جس کی طاقت ہو، لہذا فار ساکن کے معنی ہوتے کہ اس کا لایطابق ہونا حق ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں۔
 ہا مفتوح کے معنی ہیں صاف و پاک رحمت جس میں کوئی کدورت نہیں اور یہ تغیر پذیر ہے۔
 یا حرف : ہے۔

ع رک تعظ میں مین ہے مفتوح، ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔
 ی ساکن میان اخلاط پر دلالت کرتا ہے۔
 ن ساکن نون مفتوح کے معنی کی تحقیق کے لیے ہے اور نون مفتوح کے معنی ہیں وہ خیر و خوبی جو ذات میں قائم و مثال ہے۔
 ص مفتوح سے مراد خلا ہے۔

اور وال ساکن ص کے معنی کو تحقق کرتا ہے کیوں کہ یہ حروف اشارہ میں سے ہے اور حروف اشارہ اپنے ماقبل کے معانی کی تصدیق کرتے ہیں، برخلاف دوسرے حروف کے کیونکہ جب وہ ساکن ہوں تو اپنے مفتوح کے معانی کو محقق کرتے ہیں۔

اصل وضع کے مطابق حروف کی تفسیر کر دی گئی۔ اب معنی یوں ہوتے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے اور بڑے مرتبے کی خبر دے رہا ہے اور اس بات کی اطلاع دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تمام مخلوقات پر یہ احسان ہے کہ انہیں ایسا بنایا کہ وہ اپنا نور اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کریں۔ اس کی تشریح تفسیر سابق سے اسی طرح ہوگی کہ کاف سے مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے ہیں۔ فار ساکن نے دلالت کی کہ آپ کی سی کوئی طاقت نہیں رکھ سکتا اور آپ کے ایسے ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں اور آپ کے لایطابق ہونے سے یہ مراد ہے کہ آپ نے تمام مخلوقات کو عاجز کر دیا ہے کہ نہ کوئی پہلا آپ کے مرتبہ کو پاسکا نہ پچھلا پاسکیگا اسی لیے تو آپ سید الوجود کہلاتے ہیں۔

ھ اور ہ مفتوح نے دلالت کی کہ آپ اور وہ کے لیے پاک و صاف رحمت ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ** (سورۃ انبیاء آیت ۱۰۷) خود آنحضرت نے بھی فرمایا ہے: **إِنَّمَا أَنَا رَحْمَةٌ مُّهِمَّةٌ آتَاةٌ لِلْخَلْقِ** (میں مخلوقات کے لیے رحمت کا ہی ہوں)۔
 ی اور ی ندا ہے بندہ مذکور کر۔ اور جس غرض کے لیے آپ کو پکارا گیا ہے وہ رحمت و انتقال مکانی ہے جس پر ع دلالت اور یہاں ساکن نے جو حرف اشارہ ہے اس کی تاکید کر دی ہے

اس لیے جیسا کہ ذکر کیا گیا حروف اشارہ تاکید کے لیے آتے ہیں۔ مزید براں اس معنی کا بھی فائدہ دیتی ہے کہ کوچ اور اختلاط کرنا ضروری ہے اور جس چیز کو کوچ کرایا جائے گا وہ نوراً وجود ہے جس کی بدولت تمام موجودات قائم ہے اور یہ معنی فون ساکنہ سے حاصل ہوتے ہیں اور جس کی طرف کوچ کرنا ہے اس پر دلالت کرتا ہے۔

لہذا مطلب یہ ہوا کہ اسے میرے ذی عزت و احترام بندے، آپ کو ان تمام لوگوں کی طرف جو اس غلامِ محشر میں جمع ہیں، ضرور جانا پڑے گا ان انوار کے ساتھ جن سے ان کے وجود قائم ہیں تاکہ وہ آپ سے مستفیض ہوں کیونکہ ان سب کا مادہ آپ ہی سے ہے۔

اس تشریح سے ان حروف کے معانی عمدہ طور پر مرتب ہو گئے اور کلام میں بہترین طریق پر منظم ہو گیا کیونکہ سریانی زبان میں حروف کے معانی سے وہی فائدہ حاصل ہوتا ہے جس طرح دونوں زبانوں میں کلمات کے معانی سے چنانچہ کسی زبان میں جب کوئی کلام کلمات سے مرکب ہو تو جب تک اس کے کلمات کے معانی باہم مرتب نہ ہوں، کلام درست نہیں ہو سکتا۔ یہی حال سریانی زبان میں کلام کا ہے کہ جب وہ حروف سے مرکب ہو تو اسی صورت میں وہ کلام درست ہوگا جب اس کے حروف کے معانی مرتب ہوں اور ان کی ترکیب بھی مضبوط ہو اور جس طرح خلاصہ سریانی زبان کے دوسری زبان میں کلام کلمات سے مرکب ہو تو ان کے معانی کو ترتیب دینے کے لیے کبھی تقدیم و تاخیر کی ضرورت ہوتی ہے یا باہم متصل معنوں میں ایک اغنی کا فعل لانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی طرح کسی چیز کا ضمیر کی صورت میں لانا ضروری ہوتا ہے تاکہ معنی درست بیٹھ جائیں یہی حال سریانی زبان کا ہے کہ جب یہ حروف سے مرکب ہو جائے تو کبھی ترتیب معانی کی غرض سے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ حروف کو مقدم یا مؤخر لایا جائے یا کہیں حذف کیا جائے یا ضمیر لائی جائے وغیرہ۔

حضرت نے فرمایا: میں نے جو تشریح ان رموز کے معانی کی ہے وہ کشف و مشاہدہ کے ذریعہ سے اہل کشف کو معلوم ہے کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان تمام خداوندی عنایات و کرامات کے ساتھ جو اوردن کی طاقت ہے باہر میں مشاہدہ کرتے ہیں اور دیگر مخلوقات کو جن میں انبیاء فرشتے وغیرہ شامل ہیں اور جو کچھ اللہ نے انہیں دیا ہے مشاہدہ کرتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ سستہ الوجود سے نکل کر مادہ نور کے ذریعوں میں تمام مخلوق کی طرٹ جاری ہے اور انبیاء فرشتوں تک پھیلا ہوا ہے اس طرح یہ اہل کشف اس استفادہ کی عجیب و غریب کیفیت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا ایک صالح شخص نے کھانے کے لیے زوٹی کا ٹکڑا لیا اور اس میں وہ نعمت نظر آئی

جو نبی آدم کو عطا کی گئی ہے تو اس روٹی میں نور کا ڈورہ نظر آیا اس نے اس نور کا پیچھا کیا۔ دیکھا تو وہ اس نور کے ڈورے سے ملا ہوا تھا جو نور محمدی سے جا ملا تھا پھر دیکھا کہ یہ نور کا ڈورا ایک ہے۔ پھر تھوڑی دُور تک جا کر ڈوروں کی متعدد شاخیں نکلتی شروع ہو گئیں۔ ہر شاخ اس نعمت سے مل جوتی تھی جو ان ذوات کو عطا کی گئی تھیں۔

مؤلف لکھتا ہے: یہ قصہ خود حضرت کا اپنا ہے خدا اُن سے راضی ہوا اور ہمیں آپ کی جماعت اور گروہ سے بنائے اور ہمارا تعلق کبھی ان سے منقطع نہ ہو۔

ایک واقعہ

حضرت نے فرمایا ایک بد نصیب کا واقعہ ہے کہ کئی لگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مجھے صرف ایمان کی راہ دکھائی ہے۔ باقی رہا نور ایمان سودہ اللہ کی طرف سے ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہیں۔ صالحین نے اس سے کہا: اچھا اگر ہم اس تعلق کو جو تمہارے نور ایمان اور نور محمدی کے درمیان ہے قطع کر دیں اور محض ہدایت کو جس کا تم ذکر کر رہے ہو، رہنے دیں تو کیا اس پر راضی ہو؟ کہنے لگا ہاں راضی ہوں۔ ابھی اس نے بات ختم نہ کی تھی کہ اس نے صلیب کو سجدہ اور اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور کفر پر مرا۔ خدا اپنے فضل و کرم سے ہمیں بچائے۔

مقرر یہ کہ ادبیار اللہ جنہیں اللہ عز و جل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت کا علم ہے ان تمام مذکورہ بالا چیزوں کا اپنی آنکھوں سے بینہ اسی طرح مشاہدہ کرتے ہیں جس طرح تمام محسوسات کا، بلکہ اس سے زیادہ، کیونکہ نظر بصیرت نظر بصارت سے زیادہ قوی ہے، جیسا کہ آگے ذکر ہوگا۔ چنانچہ وہ دیکھتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے احوال و مقامات جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائے ہیں۔ وہ سید الوجود صلی اللہ علیہ وسلم سے متدہر کر حضرت زکریا تک پہنچتے ہیں۔ اسی طرح تمام احوال و مقامات حضرت یحییٰ کے اس سورہ میں ذکر ہوئے ہیں۔ نیز مریم اور ان کے احوال و مقامات، عیسیٰ اور ان کے احوال و مقامات، ابراہیم، اسمعیل، موسیٰ، ہارون، اور یسٰ، آدم اور نوح اور ہر نبی جس پر اللہ کا انعام ہوا سب نور محمدی سے استفادہ کرتے ہیں (یہ تھوڑا سا بیان معانی و رموز کا ہے ورنہ جو معانی ابھی باقی ہیں وہ بے شمار ہیں اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ اس صورت میں رموز کا نہایت ہی تھوڑا حصہ ہے کیونکہ تمام موجودات خواہ ناخواہ ہوں یا مضامینہ، حاکم ہوں یا غیر حاکم، ذی روح ہوں یا غیر ذی روح، سب ہی ان رموز میں مل جاتی ہیں)

ایک اعتراض

حضرت سے یہ عمدہ تفسیر سن لینے کے بعد میں نے سوال کیا کہ حاشیہ سابقہ میں ابو زید نے سیدی محمد بن سلطان سے یوں نقل کیا ہے۔ سیدی عبدالنور نے سیدی ابو عبداللہ بن سلطان سے، جو امام شافعی کے خواص میں سے ہیں نقل کیا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھی کہ

ایک فقیہ کے ساتھ کھنڈی عص اور خیمہ عسکی کی تفسیر کے بارے میں بحث کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے میری زبان پر یہ جاری کر دیا یہ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان راز کی باتوں میں سے ہے، گویا کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں:

ل: اے محمد تم کف الوجود جو جس کے پاس اگر تمام موجودات پناہ لیتی ہے۔ آپ کل وجود ہیں۔

ھ: ہم نے آپ کو ملک عطا کیا اور ملکوت متیا کیا۔

ی ع: اے عین الیون۔

ص: تم میری صفات میں سے جو کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔
۶: ہم تمہارے حامی ہیں۔

۲: ہم نے آپ کو مالک بنا دیا۔

ع: ہم نے آپ کو علم سکھایا۔

س: ہم نے آپ پر امرار کھول دیے۔

ق: ہم نے آپ کو اپنا قرب بخشا۔

اس پر انھوں نے مجھ سے جھگڑنا شروع کر دیا اور اس تفسیر کو قبول نہ کیا اس پر میں نے کہا جو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چل کر فیصلہ کراتے ہیں۔ ہم گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ نے فرمایا جو محمد بن سلطان نے کہا ہے ٹھیک ہے۔ اھ۔

حضرت نے فرمایا: سیدی محمد بن سلطان نے جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کے متعلق بیان کیا ہے، درست ہے مگر ان حروف کی اپنی وضع اور اصل کے اعتبار سے وہی تشریح ہے جو ہم نے بیان کی۔

مؤلف لکھتا ہے کہ حضرت کی بیان کردہ تفسیر کا بلند مقام مخفی نہیں کیونکہ ملک کا ہر اور ملک کا ہر ایک اس بات کا مقتضی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ چیزیں دو الگ الگ چیزیں ہیں اور یہ کہ ان کی شافعیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں نکلیں۔ کہاں یہ تفسیر اور کہاں وہ تفسیر کہ ملک اور ملکوت اور تمام مخلوقات ص میں شامل ہے پھر حرف نون اور مین کے تقاضا کے مطابق سب پر یہ حکم لگانا کہ ان کا مادہ سید الوجود سے حاصل ہوا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کف الوجود کا بھی یہی معنی ہے کہ یہاں پر موجودات پناہ لیتی ہے لہذا جو کچھ سیدی محمد بن سلطان نے بیان

فرمایا وہ سب ن ع ص کے تحت آجاتا ہے۔

اس کے بعد میں نے حضرت سے تمام حروف مقطعات کی تفسیر ایک ایک رمز کے سنی جس کے طویل ہونے کے باعث تحریر کرنے کی گنجائش نہیں۔ لہذا صرف دو جوابوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک حضرت نے ایک فقیہ کے سوال کے جواب میں فرمایا جسے نقرہ کی محبت کا دعویٰ تھا۔

سوال

ان سوالات میں سے ایک سوال یہ ہے کہ حرف مقطعی میں کونسا راہِ خداوندی ہے کہ بعض عارفین کہتے ہیں اس میں حضرت قدیمہ اور حضرت مدنیہ کے دائرہ کار از جمع ہو گیا ہے۔ ان سوالات سے اس کا مقصد حضرت کا امتحان کرنا تھا اور یہ معلوم کرنا تھا کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ آپ کو علوم لدنیہ حاصل ہیں کیا یہ صحیح ہے؛ چنانچہ اس فقیہ نے علامہ حاتمی وغیرہ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے چند ایک سوالات اکٹھے کر لیے کہ اس کے خیال میں کوئی شخص بھی ان کا جواب نہ دے سکے گا، چنانچہ اس نے یہ سوالات حضرت کی خدمت میں روانہ کیے حضرت نے باوجود اُمتی عالمی ہونے کے ان سب کا جواب دیا۔

جواب

حضرت قدیمہ سے مراد وہ انوارِ حادثہ ہیں جو ارواح و اشباح اور زمینوں اور آسمانوں کے پیدا ہونے سے پہلے پیدا کئے جا چکے تھے۔ یہاں قدم سے مراد قدمِ حقیقی نہیں کہ کَانَ اللہ و لَمْ یُکُنْ شَیْءٌ (اللہ تھا اور کوئی اور چیز نہ تھی) اور حضرت حادثہ سے مراد وہ ارواح و اشباح ہیں جو اس کے بعد آئیں اور اس میں شک نہیں کہ ارواح جب اجسام سے مل جاتیں تو بعض سے تو اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے اور بعض سے دوزخ کا۔ پھر جن سے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے وہ بعض انوارِ حضرت الانوار کی ایک فرع ہے جس طرح کہ جن سے دوزخ کا وعدہ کیا ہے وہ بھی بعض انوارِ حضرت الانوار کی فرع ہے لہذا حضرت الانوار کی دوسری قسم پہلے قسم کی فرع ہوئی اور ان کی دو قسمیں ہو گئیں۔ پسندیدہ اور ناپسندیدہ۔

جب تم یہ سمجھ چکے تو اب جان لو کہ اس حرفِ مقطعی میں تعلق کے اعتبار سے تین حرف ہیں۔ ق۔ و۔ ف۔ چنانچہ ق کو جب الف سے ملا دیا جائے تو سریانی زبان میں اس کے معنی حضرت قدیمہ اور حضرت حادثہ دونوں میں خیر و شر اور فضل و عدل کے ساتھ تصرف کرنے کے ہیں اور سریانی زبان میں ف ساکن کے معنی اپنے ماتیل سے تیج کو زائل کرنے کے ہیں اور ان دونوں میں تیج وہ ہے جسے شرک و عیدِ فرماں گئی ہے اور جب موعود بالشر کو زائل کر دیا گیا تو موعود بالخیر باقی رہ گیا اور موعود بالخیر لے جاتی۔ حاتمی سے ملا محمد الدین ابن العربی صوفی ہیں جو حاتم طائی کی اولاد میں سے تھے۔

خاصہ خدا ہیں۔ لہذا اس حرفِ مقطوع کا اشارہ خاصانِ خدا اور خیرات کی طرف ہے جو انعامِ اللہ تعالیٰ نے ان پر کیا۔ حضرتین کا یہی راز ہے لہذا یہ اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے جس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی معزز ترین مخلوق کی طرف کی گئی ہے، بعینہ اس طرح جس طرح عربی زبان میں لفظ سلطان چنانچہ یہ لفظ ہے اشارہ بادشاہ اور اس کی رعایا کی طرف خواہ وہ سعادت مند ہوں جیسے مسلمان یا بد بخت ہوں جیسے ذہبی (کافر) ہیں جب بادشاہ کی تعریف کرنا ہو تو کہیں گے سلطان الاسلام یا سلام کا لفظ لانے سے اہل ذمہ ادب، تعلیم اور وقار کے لحاظ سے خارج ہو جائیں گے مگر درحقیقت وہ خارج نہ ہوں گے لہذا اس کے معنی ہیں جو ہے کہ کوئی کہے اسے محمد! انبیاء، ملائکہ اور اہل سعادت کے رب یہاں تک کہ ان کی کل تعداد اور ان کے اللہ کے ہاں مقامات و احوال کو گنتے جاؤ۔ نیز اہل جنت، ان کے منازل اور درجات کا ذکر کرو۔ پس جب ان تمام کا ذکر کر چلو کہ ذرہ بذرہ چھوٹے تویہ قی کے معنی ہوں گے۔ لہذا اس میں اسرار رسالت، اسرار نبوت، اسرار ملائکہ، اسرار ولایت، اسرار سعادت اسرار جنت، تمامی الوار کے اسرار اور وہ تمام خیرات ہوں گے جو تمام موجودات میں پائے جاتے ہیں۔

وَمَا يَكْفُرُ جُتُو دَرَبَتْ اَلَا هُوَ (حیرے رب کے شکر وں کا علم خود اسی کو ہے)

سرملی زبان کا قاصد یہ ہے کہ ف جو "انگ کرنے" کے معنی میں آتا ہے، اسے کتابت میں نہ لایا جائے تاکہ کتابت و معنی ایک دوسرے کے موافق بن جائیں۔ اسی لیے اسے قی کی کتابت میں نہیں لایا گیا۔

حضرت نے فرمایا: اگر چاہو تو حضرة قدیر سے مراد وہ امور ہوں جو علمِ ازلی میں آپکے ہیں اور قدیر اپنے حقیقی معنوں میں ہواور حضرة حادثہ سے مراد وہ معلومات ہوں جن کو اللہ تعالیٰ وجود میں لایا اور انہیں اس دنیا میں ظاہر کیا تویہ معنی بھی ہو سکتے ہیں اور معنی اپنی حالت پر ہی رہیں گے واللہ تعالیٰ اعلم۔

موتلف کتا ہے خدا آپ کو توفیق دے ذرا غور کریں یہ کس قدر عمدہ جواب ہے۔ میری سائل سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا کہو حضرت کا جواب کیسا ہے؟ تو کہنے لگا: شیخ زرق نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ حضرت قدیر سے مراد توفیق کا دائرہ ہے اور حضرت حادثہ سے مراد دائرہ کے نیچے کا شوشہ ہے اور اس میں جو راز ہے وہ اشارہ ہے حادثہ کے قدیر سے مستفیض ہونے کی طرف اس لیے کہ تعریف و توثیق اس سلسلہ سے ملا ہوا ہے جسے ہم نے دائرہ کہا ہے لہذا اس کے اتصال سے اشارہ ہو گیا حادثہ کے قدیر سے شیخ احمد زرق ان کا ذکر آتا رہے گا۔

ستغنیس ہونے کی طرف۔ لہذا سورۃ ق سے قدیم و حادث دونوں حضرتوں کی طرف اشارہ پایا گیا، یہی طرح کہ حلقہ کا اشارہ حضرت قدیم کی طرف ہے اور تعریف کا حادثہ کی طرف اور حلقہ کے ساتھ تعریف کے اتصال کا اشارہ قدیم سے حادثہ کے استفادہ کی طرف۔

میں نے کہا کجا یہ تشریح اور کجا وہ تشریح جو حضرت نے بیان فرمائی کیونکہ سوال تو یہ ہے کہ ایک حرف ہے اس کے معنی کے متعلق تھا اور جو کچھ آپ نے ذکر کیا اس کا تعلق کتابت سے ہے نہ کہ سے کیونکہ ق میں نہ کوئی حلقہ ہے نہ کوئی تعریف۔ مزید برآں آپ کی تشریح میں نہ حضرتہ قدیم کا ذکر ہے نہ حادثہ کا، پھر حضرتہ قدیم اور حلقہ میں کون سی مناسبت پائی جاتی ہے اور تعریف اور حضرتہ حادثہ میں کونسی مناسبت ہے؟ اگر یہ مناسبت محض اتصال کی وجہ سے ہے تو یہ میم کے حلقہ اور اس کے تعریف اور ص، ض، مع، غ وغیرہ حروف میں جن میں حلقہ اور تعریف پایا جاتا ہے موجود ہے، سائل اس اعتراض کا جواب نہ دے سکا۔ اس سے میرا مقصد حضرت زروق پر اعتراض کرنا نہیں۔ معاذ اللہ کہ میں ان پر یا کسی اور دل پر اعتراض کروں۔ خدا ہمیں ان کے علوم سے فائدہ پہنچاتے۔ میرا مقصد صرف سائل سے بحث و مباحثہ کرنا تھا۔ مزید برآں میں شیخ زروق کی تشریح سے واقف نہ تھا ہر گز ہے کہ سائل نے اس کا صرف مفہوم ادا کیا ہوا اور اس کی حقیقت سے بے خبر رہا ہوا اور اسی لیے اس پر اعتراض وارد ہوا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسرا سوال

حضرت کا دوسرا جواب اس اعتراض کے متعلق تھا جس کی طرف حاشیہ مذکورہ بالا کے مصنف عبدالرحمن غامی نے کیا ہے اس اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ جب فوائغ المورینی حروف مقطعات ان سورتوں کے مضامین کے رمز ٹکڑے تو پھر کیا وجہ ہے کہ رمز تو ایک ہی ہے مگر سورتیں مختلف ہیں کیونکہ اختلاف سور کا تقاضا تھا کہ رمز بھی الگ الگ ہوں۔

جواب

حضرت نے جواب دیا کہ رمز کے ایک ہونے کے باوجود سورتوں کے مختلف ہونے کا سبب یہ ہے کہ قرآن آیات کے انوار میں قسم کے ہیں (۱) ابیض (سفید) اور یہ رنگ ان کلمات کا ہے جن کے قائل بندے ہوتے ہیں اور جن کا سوال اپنے رب سے کرتے ہیں (یعنی کلمات دعائیہ ۲) اخضر (سبز) جن کا قائل خود حق تعالیٰ ہو اور (۳) اصفر (زر) یہ وہ کلمات ہیں جن کا تعلق ان لوگوں کے ساتھ ہے جن پر اللہ کا غضب ہوا۔ مثال کے طور پر سورۃ فاتحہ میں سبز رنگ صرف الحمد للہ کا ہے

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ رَبُّنَا وَإِنَّا بِكَ عَاطِلُونَ (خدا یا بھے اور علم دے۔)

يَا أَيُّهَا الْمَدِينَةُ صَلِّ عَلَى نَبِيِّكَ (نماز پڑھو)

کہ یہ تول ہے حق سبحانہ کا اور سفید رنگ ہے اِنْعَالَمِیْن سے لیکر غَیْرِ اِنْمَعْصُوب تک اور زرد رنگ ہے مَعْصُوب عَلَیْہِہُ سے آخر سورۃ تک اور یہ تینوں انوار ہر سورہ میں پائے جاتے ہیں البتہ کسی میں کوئی نور کم اور کوئی نور زیادہ ہوگا۔ جیسا کہ تم نے سورہ فاتحہ میں دیکھ لیا، ان تینوں انوار کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ لوح محفوظ تین مختلف رُخوں میں ہوتا ہے کیونکہ اس کا ایک رُخ دنیا کی طرف ہے یعنی دنیا اور اہل دنیا کے حالات کے متعلق ہے اور اس میں ہر وہ چیز درج ہے جس کا تعلق دنیا اور دنیا والوں سے ہے اس کا دوسرا رُخ جنت کی طرف ہے اور اس میں جنت اور اہل جنت کے احوال و صفات درج ہیں اور تیسرا رُخ جہنم کی طرف ہے اور اس میں جہنم اور جہنمیوں کے احوال و صفات درج ہیں۔ خدا میں جہنم اور عذاب جہنم سے پناہ دے، چنانچہ دنیا کی طرف جو رُخ ہے اس کا نور سفید ہے۔ جو جنت کی طرف ہے اس کا نور سبز ہے اور جو جہنم کی طرف ہے اس کا نور زرد ہے درحقیقت یہ نور سیاہ ہے مگر مومن کی نگاہ میں یہ زرد نظر آتا ہے کیونکہ جب اس کا نور بعیرت سیاہ رنگت پر پڑتا ہے تو اُسے اس کی نگاہ میں زرد بنا دیتا ہے، حتیٰ کہ مومن جب مشر میں کھڑا ہوگا اور اس کو اس کی نگاہ ہوئی تقدیر کے مطابق نور ہے گا اور اُس سے دور ایک کافر ہوگا جسے بہت بڑی سیاہی اور تاریکیوں نے گھیرا ہوگا تو وہ کافر مومن کو زرد رنگ کا دکھائی دے گا۔ اس سے مومن سمجھ جائے گا کہ یہ کسی کافر کا درجہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ کافر کوئی چیز نہ دیکھ سکے گا کیونکہ وہ تاریکی جو اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوگا اس کے لیے حجاب (پردہ) کا کام دے گی۔ لہذا اسے سیاہی پر سیاہی کے سوا کچھ دکھائی نہ دیگا۔ میں نے عرض کیا تب تو اس کے دل میں صرف انہی لوگوں کا خیال آئے گا جن کا حال مشر میں اس جیسا ہوگا۔ لہذا وہ مومن کو اپنے سے بہتر حال میں نہ دیکھ سکے گا اور اس کے دل میں یہ تینا بھی پیدا نہ ہوگی کہ کاش دنیا میں مسلمان ہوتا۔

حضرت نے فرمایا: اِنَّ تَعَالٰی جَنَّتْ اور اہل جنت کے حالات کا اس قدر علم جتنا کہ ضروری ہے اس کے دل میں پیدا کر دیگا۔

جب تم یہ سمجھ گئے تو پھر آیت کی طرف آؤ۔ اگر اسے اس رُخ سے لیا جائے جو جنت کی طرف ہے تو اس کا نور سبز ہوگا اگر دوزخ والے رُخ سے لیا جائے تو اس کا نور زرد ہوگا اور اگر دنیا والے رُخ سے دیکھا جائے تو اس کا نور سفید ہوگا، پھر ہر رُخ میں کئی قسم کی تفصیل اور تقسیم پائی جاتی ہے جس کا احاطہ سوائے اللہ کے کوئی نہیں کر سکتا۔

اور یہ حروف منقطعہ جو سورتوں کے شروع میں ہیں لوح محفوظ میں بعینہ اسی طرح لکھے ہوتے ہیں

جس طرح قرآن مجید میں، البتہ ہر حرف کے ساتھ سریانی زبان میں اس کی شرح بھی لکھی جوتی ہے چنانچہ اگر ہر حرف متقطع کی شرح میں جو لکھا ہوا ہے اسے دیکھو تو تمہیں ان کے الگ الگ ہونے کا علم ہو جائے اس کی شرح یہ ہے کہ آتھہ رموز میں جن کا اشارہ اس نور محمدی کی طرف ہے جس سے تمام مخلوقات استفادہ کرتی ہے۔ اگر اس نور کو جس کی طرف اس رمز سے اشارہ کیا گیا ہے اس لحاظ سے دیکھا جائے کہ مخلوقات میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو آپ پر ایمان لائے اور کچھ ایسے ہیں جنہوں نے کفر کیا اور یہ کہ مومنین کے کیا حالات ہیں اور کفار کے کیا۔ نیز وہ امور جن کا تعلق اس سے ہے اور کلام کا ربط بھی ان سے ہے تو یہ آتھہ وہ ہے جو سورہ بقرہ میں آیا ہے اور یہ ان ہی جنہوں میں نازل ہوتا ہے۔ اور اگر نور محمدی پر ان جملاتیوں کے اعتبار سے نظر ڈال جائے جو انہیں اس نور سے حاصل ہیں اور یہ کہ وہ کس طرح حاصل ہوتی ہیں اور ان لوگوں میں سے چند لوگوں کا ذکر کیا جائے جنہیں یہ نعمتیں اور جملاتیاں حاصل ہوئیں تو یہ آتھہ وہ ہے جس کا ذکر سورہ آل عمران میں آیا ہے اور یہ اسی غرض کے لیے نازل بھی ہوتا۔

اور اگر اس نور محمدی کو ان سزاؤں اور عذاب کے اعتبار سے دیکھا جائے جو نازانہ لوگوں پر نازل ہوا نیز ان مصائب کے اعتبار سے جو اس دنیا میں انہیں پہنچیں وغیرہ وغیرہ تو یہ آتھہ وہ ہے جس کا ذکر سورہ عنکبوت میں آیا ہے۔ اسی طرح ہر اس سورہ کے متعلق لکھا جائے گا جس کے شروع میں یہ رمز آئیگا۔ اس بیان کو مردہ شخص جانتا ہے جو لوح محفوظ کو دیکھ رہا ہو۔ اس کے بعد میں نے ایک اور سوال کیا جس کا جواب حضرت نے ایسا دیا کہ عقلوں کے احاطے سے باہر ہے۔ اسی لیے میں نے اسے نہیں لکھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مؤلف لکھتا ہے کہ یہ حضرت کے بیان کی صرف سلی تشریح ہے ورنہ ان معانی کی تحقیق جن کی طرف حضرت نے اشارہ کیا اور ان کی گونہ تک پہنچنا سوائے فتح کے نہیں ہو سکتا، یا اس طرح ہو سکتا ہے کہ شیخ کے سامنے بیٹھ کر ان سے سمجھا جائے۔ چنانچہ جب کوئی شخص اس کی تعلیم حضرت سے لے اور سائل جس قسم کا سوال دل میں آئے کرے، تو خواہ وہ صاحب فتح مذہبی ہو پھر بھی تمام معنی سمجھ جائیگا واللہ تعالیٰ اعلم۔

سریانی زبان میں حروف تہجی کے معانی

اب میری رائے یہ ہے کہ حروف تہجی کے متعلق یہ بیان کر دینا کہ سریانی میں وہ کس معنی کے لیے وضع کئے گئے ہیں کیونکہ ان کی کبھی ضرورت پڑ جاتی ہے اور ہم اس سے پہلے اس کی طرف

اشارہ بھی کر چکے ہیں۔ لہذا فائدہ کی تکمیل کی غرض سے میں یہاں دیے دیتا ہوں۔

ہمزہ ۶۔ (ب) اگر مفتوح ہو تو اس سے تمام اشیاء کی طرف کم ہوں یا زیادہ، اشارہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات مستحکم اپنی ذات اور نفس کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے اور اشارے میں

قبض نہیں ہوتا اور اگر ہمزہ مضموم ہو (ب) تو یہ اس شئی کی طرف جو قریب اور کم ہو اشارہ ہوتا ہے اور اگر ہمزہ مکسور (ب) ہو تو اشارہ ہوتا ہے اس چیز کی طرف جو مناسب طور پر کم ہو۔

ب اگر مفتوح ہو تو اس سے مراد وہ چیز ہوگی جو غایت درجہ باعزت یا غایت درجہ ذلیل ہو اگر مکسور ہو (ب) تو وہ شئی جو ذات میں داخل یا داخل ہونے والی ہو۔ اگر مضموم (ب) ہو تو یہ ایسا اشارہ ہے جس کے ساتھ قبض پایا جاتا ہے۔

ت اگر مفتوح ہو تو اس کا مطلب خیر کثیر و عظیم ہے۔ اور اگر مکسور (ت) ہو تو وہ معصوم جو ظاہر ہو اور اگر مضموم ہو (ت) تو تلیل و ظاہر چیز مراد ہے اور کبھی اجتماع خدین کے لیے بھی آتا ہے۔

ث اگر مفتوح ہو تو نور یا عظمت کی طرف اشارہ ہے، اگر مضموم (ث) ہو تو مراد ہے کسی چیز کا کسی چیز سے زائل ہونا اور اگر مکسور (ث) ہو تو ایک چیز کا دوسری چیز کے اوپر مقرر کرنا مراد ہے۔

ج اگر مفتوح ہو تو بقوت یا دلالت مراد ہے بشرطیکہ اس سے پہلے یا اس کے بعد حرف ہو جو اس پر دلالت کرے ورنہ اس کے معنی اس خیر کے ہوں گے جو کبھی زائل نہ ہو۔ اگر مضموم ہو تو وہ اچھی چیز جو کھانے میں آئے یا لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں اور اگر مکسور ہو تو وہ کم بھلائی جو ذات انسانی میں نور ایمان کی پائی جاتی ہے۔

حضرت نے ایک باریوں بھی فرمایا کہ اگر مکسور ہو تو کم اور کمزور بھلائی یا نور۔
ح مفتوح ہو تو مراد اشیاء کا احاطہ اور سب پر شمولیت ہے اگر مضموم ہو تو بنی آدم کے علاوہ کسی اور چیز کا عدد و کثیر۔ مثلاً ستارے، اور اگر مکسور ہو تو وہ عدد جو ذات میں داخل ہو یا ذات ان کی مالک ہو، مثلاً غلام اور درہم و دینار وغیرہ

خ مفتوح ہو تو حد درجہ کا طول جس کے ساتھ رقت بھی ہو اگر مضموم ہو (خ) تو وہ کمال جو حیوانوں میں ہو اور اگر مکسور ہو تو وہ کمال جو جہادات میں ہو۔

د مفتوح ہو تو وہ شے جو ذات سے خارج ہو۔ اگر مکسور ہو تو وہ شے جو ذات میں داخل ہو یا ذات

پر داخل ہونے والی ہو یا ذات کے قریب ہو اور اگر مضموم ہو تو وہ قلیل یا قبیح شئی جس کے ساتھ غصہ بھی ہو۔

ذ اگر مفتوح ہو تو وہ شئی جو ذات کے اندر ہے اور ساتھ اس شئی کی عظمت بھی مراد ہو۔ اگر مضموم ہو تو وہ شئی جو فی نفسہ کو خست یا عظیم یا قبیح ہو اور اگر کمسور ہو تو وہ قبیح شئی جس کے بعد غصہ نہ آئے۔

س اگر مفتوح ہو تو جمیع خیرات (بھلائیاں) ظاہرہ اور باطنہ (اگر مضموم ہو) (س) تو وہ شئی جو اکیلی اور ظاہر ہو اور اگر کمسور ہو تو بنی آدم کے علاوہ کوئی اور ذی روح یا خود روح۔

ز اگر مفتوح ہو تو وہ چیز جو کسی اور چیز پر داخل ہو تو اسے ضرر پہنچائے اور کبھی یوں فرمایا وہ شئی جس سے استرا کیا جائے اور اگر مضموم ہو (س) تو وہ قبیح جس میں ضرر پایا جائے مثلاً کبارہ اگر کمسور ہو (س) تو وہ قبیح جس میں ضرر نہ ہو مثلاً صغائر، شبنمات اور نجاست۔

س اگر مفتوح ہو تو وہ شیخ جو طبعاً رقیق ہو۔ اگر مضموم ہو (س) تو قبیح اور کفری شئی یا ظاہر اور باطن سے سیئہ چیز اور اگر کمسور ہو (س) تو ہر لگانے والی شئی جس کی طرف سے اشارہ بھی ہو۔ یہ تشریح حضرت کی اپنی تحریر میں تھی مگر جو کچھ میں نے سنا وہ یہ ہے کہ اس مرقع مفتوح سے مراد چیزوں کی خوبیاں مضموم ہو تو ظاہری اور باطنی سیئہ ہی اور اگر کمسور ہو تو ذات کا مغز اور اس کا راز مثلاً عقل کامل، عضو اور علم اور یہ دونوں تشریحیں تقریباً ایک ہی ہیں۔

ش اگر مفتوح ہو تو ایسی رحمت جس کے بعد عذاب نہ ہو۔ یا وہ شخص جس سے عذاب دور ہو چکا ہو اور رحمت اس پر داخل ہو چکی ہو اور پاک ہو گیا ہو۔ اگر مضموم ہو تو وہ شخص جو بذات خود بلند مرتبہ ہو اور اس کی تعظیم کی جاتی ہو اور کمسور ہو تو وہ شئی جس کی طبیعت میں پوشیدہ رکھنا ہو اور کبھی وہ چیز مراد ہوتی ہے جو قلب وغیرہ میں چھپی ہو۔ یہ بیان ان کی تحریر کا ہے، لیکن حضرت سے میں نے اس طرح سنا، ش مفتوح رحمت جس کے بعد عذاب نہ ہو مضموم جس میں ذہن تخیر رہ جاتے یا آنکھوں کو دکھ دے مثلاً تنک (کنک) وغیرہ اور اگر کمسور ہو تو جسے کسی عضو یا پادوں سے روندنا جائے مگر وہ ظاہر نہ ہو یا جو طلب میں چھپی ہو۔ اور ظاہر نہ ہو۔

۱ اصل کتاب میں مذ کے بعد ط کا ذکر ہے پھر دسے حروف بھی اس ترتیب میں نہیں دیے جو ترتیب ہائے ان مروج ہے۔ میں نے انہیں حروف تہجی کی طرز میں مرتب کر دیے ہیں۔

ص اگر مفتوح ہو تو زمین کا وہ سارا غبار جو قیامت میں اللہ کے سامنے پیش ہو گا۔ اگر کسور ہو تو ساتواں زمینیں اور اگر مضموم ہو تو زمین کی تمام پیداوار۔ یہ معانی ص مرتقہ کے ہیں اور اگر مفتوح ہو تو مفتوح ہونے کی صورت میں وہ زمین جس پر اللہ کا غضب ہوا ہو یا جس پر نبات نہ ہو اور کسور ہو تو وہ ذات جس میں نبات نہ ہو یا جس ذات میں کوئی خوبی نہ ہو۔ اگر مضموم ہو تو وہ ضرر جو مرد و مذکور چیزوں سے ہیں پہنچے۔ ایک اور بار فرمایا کہ ص مفتوح سے مراد تمام زمین اور ایک فرسخ تک جو کچھ اس پر ہے۔ مضموم ہو تو تمام زمینیں اور وہ چیز جو مٹی سے بنی ہے اور کسور ہو تو زمین کی سطح کی نباتات اور اگر مفتوح ہو تو اشیاء جو ان پر ہیں مگر ساتھ ہی اللہ کا غصہ بھی ہو۔ یہ دوسری تشریح میں نے آپ کی ذات کے بعد آپ کے ہاتھوں کی لکھن ہوئی پائی ہے۔ پہلی تشریح خود میں نے آپ سے سُنی تھی اور دوسری تشریح کی عبارت بھی حضرت کی ہے۔

ض جب مفتوح ہو تو مراد صحت اور تکلیف کا نہ ہونا ہے۔ اگر مضموم ہو تو وہ شئی جس میں قطعاً نوری یا خلقت نہ ہو۔ اگر کسور ہو تو خشوع و خضوع۔

ط اگر مفتوح ہو تو وہ شئی جس کی جنس اور ذات دونوں نہایت پاک و صاف ہوں۔ اگر مضموم ہو تو پہلے کے برعکس انتہا درجے کی نجیث شئی اور اگر کسور ہو تو وہ شئی جس کی طبیعت میں ساکن رہنا ہو یا جسے ساکن رہنے کا حکم دیا گیا ہو۔

ظ مفتوح ہو تو فی نفسہ عظیم شئی مگر اس کے ساتھ اس کی ضد نہ ہو۔ مثلاً شرنا میں جو دوسرا اور سیو میں کھوٹ اور دھوکا دہی۔ مضموم ہو تو وہ نفسانی تحریک جس کے پیچھے ملے حالانکہ وہ نفس اسے تباہ کرنا چاہتا ہے۔ اگر کسور ہو تو وہ شئی جو طبعی طور پر ضرر رساں ہو اور بندہ اس سے ضرر محسوس بھی کرے۔

ع مفتوح ہو تو کسی کا آنا یا کوچ کرنا۔ اگر مضموم ہو تو وہ ساکن جو اس ذات میں ہے جس پر اس کے وجود کا دار و مدار اور اگر کسور ہو تو ذاتی حُبث۔ یہ تشریح میں نے حضرت سے سُنی تھی مگر آپ کی تحریر میں یوں پایا گیا۔ ع مفتوح سے مراد قبول کرنے والی چیز مضموم ہو تو وہ چیز جو اپنے ارادے کے مطابق نفع اور ضرر پہنچائے اور کسور ہو تو عبودیت کی خباثت اور یہ یعنی پہلے معنی کے قریب قریب ہیں۔ کیونکہ جو چیز کسی چیز کو قبول کرتی ہے اس میں کسی چیز کا آنا بڑا اور وہ ساکن جو اس ذات میں ہو جس سے اس کا قیام ہے اس کی مثال ہے روح۔ اور محافظ فرشتے ہر خداوندی نفع بھی پہنچاتے ہیں اور ضرر بھی اور خبیث عبودیت وہی ذات کی خباثت اور اس کی تاریکی ہے۔

غ مفتوح ہو تو وہ نگاہ جو شئی کی حقیقت کو پہنچ جاتے۔ مضموم ہو تو اسما حسنیٰ میں سے ایک اسم جس میں مہربانی پائی جاتی ہے، مکسور ہو تو نامعلوم کا سوال تاکہ دوسرا اپنے علم کے مطابق جواب دے۔ یہ میں نے حضرت سے سنا تھا مگر آپ کی تحریر میں یوں ہے غ مفتوح وہ شے جو فطر تاہر اس شئی کو دور کرے جو اس کے قریب آئے۔ مضموم سے مراد مہربانی اور تعلیم اور کمال عزت، مکسور سے مراد وہ چیز جو بغیر جاننے کے کوئی کلمہ بولے اور یہ غیر معلوم چیز کی طرف اشارہ ہے۔ یہ دونوں تشریحیں تقریباً ایک جیسی ہیں۔

ف مفتوح ہو تو جس کے متعلق معلوم ہو کہ اس کی جنس میں گندگی پائی جاتی ہے اس سے گندگی دور کرنا، یعنی اشارہ ہے کہ یہ ظاہر ہے اور اس کی جنس خبیث ہے۔ اس کی مثال معامی وغیرہ ہیں، اگر مکسور ہو تو مراد ذات اور جس پر مشتمل ہوا کو کبھی اس کے ساتھ قلت کا اظہار بھی ہوتا ہے اگر مضموم ہو تو خبیث زائل کرنے کے لیے۔

ق مفتوح ہو تو تمام خوبیوں کو اپنے اندر جمع کرنا یا جمیع انوار مراد ہیں۔ اگر مضموم ہو تو اصل آفرینش یا علم قدیم۔ اگر مکسور ہو تو مراد ذلت ہے۔

ک مفتوح ہو تو حقیقتِ مجردیت کا مضموم ہو تو سیاہ نام غلام یا قبیح غلام، مکسور ہو تو بندگان کا ہماری طرف منسوب ہونا مراد ہے۔

ل مفتوح ہو تو متکلم کا بہت بڑی چیز کا حامل کرنا اور عظیم شئی کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے مضموم ہو تو وہ شئی جس کی انتہائیں، مکسور ہو تو مراد متکلم کا اپنی ذات کے وجود یا ذات کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ یہ معنی اس وقت ہوں گے جب لام مُرتقی ہو لیکن اگر مُغنی ہو تو یہ اشارہ ہے مع اضطراب کے اور ایک بار فرمایا صحیح کے۔

م مفتوح ہو تو مراد تمام کائنات سے ہے مکسور ہو تو ذات کا ظاہری نور جیسے آنکھ کا نور، باطنی نور جیسے دل کا نور اور اگر مضموم ہو تو چھوٹی مگر پیاری چیز جیسے آنکھ کا پانی اور اسی سے ہے نُور نور۔

ن مفتوح ہو تو وہ خیر جو ذات کے اندر ساکن اور روشن ہو۔ مضموم ہو تو خیرِ کامل یا پھیلا ہوا نور، مکسور ہو تو وہ چیز جسے شکم حاصل کرے یا وہ چیز اسی کی ہو۔

ہ اگر مفتوح ہو تو بے انتہا پاک رحمت ہوگی۔ اگر مضموم ہو تو اسما حسنیٰ میں سے ایک اسم اور اگر مکسور ہو تو وہ خیر جو مخلوق سے نکلتی ہے۔ یہ تشریح آپ کی تحریر میں پائی گئی تھی، لیکن میں نے حضرت سے یوں سنا تھا۔ فتح سے بے انتہا رحمت ظاہر، پیش سے اللہ کا نام جس میں تمام کائنات کا

مشابہ بھی پایا جاتا ہے بر خلاف نون مضموم کے گویا کوئی کہہ رہا ہو دبی (اسے میرے رب) اور پیش والہ کے کہنی اس طرح ہیں جس طرح کوئی کہہ رہا ہو رُب الْعَلَمِیْنَ (اے عالمین کے رب) اور زیرے وہ نور جو مومنین کے اجسام سے نکلے۔

و او مفتوح ہو تو وہ اشیاء جو انسان کے اندر جال کی طرح پھیلی ہوئی ہیں مثلاً رگیں، انگلیاں وغیرہ اگر مضموم ہو تو وہ اشیاء جو انسانوں سے مختلف ہیں مثلاً اٹلاک اور پہاڑ وغیرہ اور اگر مکسور ہو تو وہ پھیلی ہوئی چیزیں جنہیں پیدا یا ناپند سمجھا جاتا ہے مثلاً آنتیں وغیرہ

ی اگر مفتوح ہو تو ندا کے لیے ہے مگر کبھی اسے تاکید کے لیے بھی لایا جاتا ہے۔ یہ میں نے حضرت سے سنا تھا مگر ان کی تحریر میں یوں تھا، مفتوح ہو تو ندا کے لیے لیکن کبھی ایسی خبر کے لیے بھی آتا ہے جس میں ضمناً ندا ہو مثلاً لَحْہ یَلِدْہ کیونکہ یہ جملہ خبریہ ہے جس میں ندا کے معنی پاتے جاتے ہیں یعنی اے وہ ذات جس کو کسی نے نہیں جنا، اگر مضموم ہو تو وہ چیز جسے قرار نہ ہو مثلاً بجلی وغیرہ۔ مکسور ہو تو وہ شئی جس سے حیا کی جاتی ہے یا جس سے حیا آئے مثلاً شرمگاہ۔

حضرت نے فرمایا یہ میں حروف کے اسرار اور پھر ہر حرف کے سات اسرار ہیں جو معانی سابقہ کی بنا سے پیدا ہوتے ہیں۔ نیز سات اسرار اور بھی ہیں جن سے عربی زبان کو مناسبت ہے لیکن جب کلام غیر عربی ہو تو اس کے مناسب اور سات اسرار ہیں۔ خدا ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل توفیق اور علم دے۔ اس کا کاتب عبدالعزیز بن سعود ہے جو وباغ کے نام سے مشہور ہے۔

غور کرو خدا تم پر رحم کرے کیا اس قسم کی باتیں کہیں سنیں یا کسی کتاب میں لکھی ہوئی دیکھیں؟ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جس جینے میں میری حضرت سے ملاقات ہوئی اور ان کی خدمت میں حاضر ہوا یا اس سے تھرا عمر بعد آپ نے مجھے تین سریانی الفاظ کہے اور فرمایا ان کو سمجھ لو اور بھولنا نہیں سَبْخُ سَبْخُ مَا ذَرَّ سین کے چنے زیر، نون پر زبہ پھر راہ ساکن پھر س مکسور جس کے بعد ذال ساکن ہے پھر ع مضموم، پھر میم مفتوح پھر الف پھر ز مفتوح پھر س راہ ساکن۔ میں نے عرض کیا یہ کونسی زبان ہے؟ فرمایا ”سریانی“ دنیا میں اس زبان میں بولنے والا کوئی نہیں سوائے چند لوگوں کے۔ میں نے عرض کیا ان کلمات کے کیا معنی ہیں؟ لیکن آپ نے ان کے معانی کی تشریح نہ کی اور جب سریانی حروف کے معانی معلوم ہوئے تو میں سمجھ گیا کہ آپ مجھ سے یہ فرما رہے ہیں: دیکھو اس نور کو جو میری ذات میں قائم اور چمک رہا ہے۔ میرے ظاہر میں بھی اور میرے باطن میں بھی۔ دیکھو اس بڑی خیر و خوبی کو جس پر میری ذات نے قبضہ

پایا اور اسی سے اس کا قوام ہے کیونکہ تمامی اکوان کا شرور سے محفوظ رہنا اسی کی بدولت ہے اور ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے یا تمام جانوں میں ہے خواہ ظاہری خیر ہو خواہ باطنی، تمام کے تمام اس نور سے مستفیض ہیں جو میری ذات میں ہے حضرت مجھے فرما رہے تھے کہ تمام جانوں میں انہی کا تصرف ہے (ادریہ مرتبہ غیبت کا ہے) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۴۔ وَبِیْعَلَمُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذُوْا مِنْكُمْ شُرَکَآءَ (سورہ آل عمران آیت: ۱۴۰) اور وَتَتَّبِعُوْكُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجَہِدِیْنَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِیْنَ (سورہ محمد آیت: ۳۱) میں نے حضرت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَبِیْعَلَمُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذُوْا مِنْكُمْ شُرَکَآءَ اور وَتَتَّبِعُوْكُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجَہِدِیْنَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِیْنَ اور اسی قسم کی اور آیتوں کے متعلق سوال کیا جن سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تجدد و تازگی آتے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے اور قدیم میں تازگی نہیں آتی۔

فرمایا: جس طرح اپنے کلام میں لوگوں کی عادت ہے اسی کے موافق قرآن مجید کا نزول ہوا کہ فرض کرو کہ بادشاہ کا کوئی مقرب ہو جس سے زیادہ کوئی مقرب نہ ہو اور بادشاہ نے اپنی رعایا کے سارے معاملات اس کے سپرد کر رکھے ہوں اور خود بادشاہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائے اور رعایا کو اس مقرب کی اطاعت کرنے کا حکم ہو اور اس مقرب کے سوا کسی کو بادشاہ کے پاس باریابی نہ ہو۔ اب یہ مقرب بادشاہ سے وہ امور لے کر آئے گا جن سے بادشاہ کی فرماں برداری اور خدمت رعایا پر لازم آئے، لہذا جب وہ بادشاہ کے احکام جاری کرے گا تو یوں کہے گا بادشاہ تمہیں یوں علم دیتا ہے اتم سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ تم یہ کام کرو یہاں تک کہ یہ اس مقرب کی عادت بن جائے کہ وہ اپنے تمام خطابات میں یہاں تک کہ ان امور میں بھی جو اس کے ذات سے ہوں اور بادشاہ کی طرف سے نہ ہوں ان میں بھی اسی طرح خطاب کرے گا اور کہے گا بادشاہ کے ساتھ چلو اور نفل مقام پر بادشاہ کیساتھ یہ بڑا ذکر و اور اس سے مراد اپنا نفس ہو گا کہ میرے ساتھ چلو اور میرے ساتھ یہ بڑا ذکر و اور اس کا سبب وہ یگانگی ہے جو بادشاہ اور اس مقرب کے درمیان ہے۔ لوگوں میں اس قسم کے کلام کرنے کا دستور مشہور ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح یہاں پر بھی جو علم اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ کوئی نیا علم نہیں ہے بلکہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس علم کی نسبت کرنا مقصود ہے۔ یعنی تاکہ تاکہ اللہ کو ایمان والوں کا علم ہو جائے اور تم میں بعض کو درجہ شہادت بخشے اور فرمایا ہے تاکہ تم کو آزمائیں تاکہ ایمان دین اور صابرین کا پتہ چل جائے۔

رسول جانے تم میں کون مجاہد اور صابر ہے اور تاکہ رسول کو معلوم ہو جائے پختہ ایمان والا۔
اس کے بعد آپ نے ایک عالی مضمون بیان فرمایا جس میں حق تعالیٰ کے ارشاد اِنَّ الدِّیْنَ
یَبَايِعُكُمْ نَافَاً یَبَايِعُونَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ (سورۃ نعت ۱۰)
کے مطلب کی طرف اشارہ تھا۔

مؤلف کہتا ہے یہ جواب مفسرین کے اس جواب ... مختلف ہے جو انھوں نے اس آیت
کے متعلق دیا ہے اور یہ کہ یہاں مضاف مذکور ہے یعنی دَلِیْلُکُمْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (تاکہ رسول
اِنَّ کو معلوم ہو جائے) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۰۔ مسئلہ غرائق

میں نے حضرت سے مسئلہ غرائق کے متعلق استفسار کیا اور عرض کیا، کیا حضرت عیاض اور وہ لوگ
جنہوں نے ان کا اتباع کیا اور اس واقعہ سے متعلق انکار کرنے میں حق پر ہیں یا حافظ ابن حجر حق پر
ہیں جو اس واقعہ کو صحیح قرار دیتے ہیں۔
ابن حجر کا بیان | چنانچہ ابن حجر کہتے ہیں:

ابن ابی حاتم و طبری اور ابن المنذر نے متعدد طریق سے بروایت شعبہ از ابوالبشر از سعید
بن جبیر روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: اَفْرَأَیْتُمْ اِلَّا لَاقَ وَ الْغُرٰی
وَمَا اِلَّا لَاقَ الْاَحْزٰی (لاقہ غری اور تیسرے منہ کو دیکھا) سورہ نجم آیت ۲۷) وشیطان نے

۱۔ شعبہ: شعبہ بن الحجاج: انہیں امیر المومنین فی الحدیث کہا جاتا تھا۔ ستائیس سال کی عمر میں
۲۔ منہ میں وفات پائی۔

۳۔ ابوالبشر: ابوالبشر مراح المری اکثر روتے رہتے۔ مردوں کی باتیں سنتے اور ان سے باتیں کیا کرتے تھے۔

۴۔ سعید بن جبیر: بڑے پایہ کے تابعی تھے روتے روتے ان کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ منہ میں پیدا ہوئے اور

۵۔ منہ میں حجاج کے حکم سے انہیں قتل کر دیا گیا۔ قتل سے پہلے دعا کہ اَللّٰهُ لَا تُسَلِّطْ لِحُجَّاجٍ

عَلٰی اَحَدٍ بَعْدِی۔ قایا میرے بعد حجاج کو کسی پر مسلط نہ ہونے دینا۔ چنانچہ ان کے قتل کے بعد حجاج مرت

پندرہ راتیں زندہ رہا۔ دوسری روایت میں ہے کہ چھ ماہ زندہ رہا اور اسے پیٹ میں نامور ہو گیا جو اس کی موت کا سبب بنا

اس عمر میں جب حجاج سوتا تو خواب میں سعید بن جبیر آجاتے اور اس کا پاؤں پکڑ کر جگا دیتے۔

(نمود باشد) یہ الفاظ آپ کی زبان پر جاری کراویے: بِمَثَلِ الْغَرَضِ فَقَدْ اُلْعَلْ وَاِنْ شَفَاعَتُهُمْ
 لَشَرِّ نَجْمٍ (یہ خوبصورت اور بلند مرتبہ نوجوان ہیں ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے) یہ مسک
 مشرکین نے کہا کہ آج تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے خداؤں کا نام اچھی طرح نہ لیا تھا
 پھر حبیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو مشرکین نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا اس کے بعد
 اس قصہ کی جو روایت بزار نے کی ہے اور جو بحوث انہوں نے کی ہے اسے نقل کر کے ابن حجر لکھتے ہیں
 ابوبکر بن العری نے اپنی عادت کے مطابق بڑی دیدہ دلیری سے کہا ہے کہ بڑی نے اس سلسلہ میں بہت
 سی روایات نقل کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں حالانکہ مطلق طور پر اس کا یہ کہنا کہ اس کی کوئی اصل نہیں
 قطعاً غلط ہے۔ اسی طرح عیاض کا یہ کہنا کہ اس حدیث کو کسی صاحب صحت نے نقل نہیں کیا اور نہ
 ہی کسی ثقہ نے اس کی روایت سالم اور متصل سند سے کی ہے۔ بایں ہمہ اس کے نقل کرنے والے ضعیف
 اس کی روایات مضطرب اور اس کی اسناد منقطع ہے۔ اسی طرح عیاض کا یہ کہنا کہ وہ تابعین اور مفسرین
 جنہوں نے اس قصہ کو نقل کیا ہے کسی نے نہ اس کی سند بیان کی ہے اور نہ صحابی تک اسے مرفوع کیا
 ہے اور اکثر اسناد اس سلسلہ میں کمزور ہیں حالانکہ بزار نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا
 سوائے سعید بن جبیر سے ابوبشر کی روایت کے کسی طرح جائز نہیں حالانکہ وہاں بھی اس کے متصل
 ہونے میں شک ہے رہے کبھی سوان کے سخت ضعیف ہونے کی وجہ سے ان سے روایت ہی جائز نہیں
 اس کے بعد عیاض نے اسے عقل طور پر رد کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر کوئی ایسا واقعہ ہوا ہوتا تو بہت سے
 مسلمان مرتد ہو گئے ہوتے حالانکہ اس کا کہیں ذکر نہیں (کہ کوئی مسلمان مرتد ہوا ہو) اھ
 ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ دلائل اصول کی بنا پر چل نہیں سکتے اس لیے کہ جب ایک حدیث متعدد
 طریقوں اور مختلف لوگوں سے مروی ہو تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قصہ کی اصل مندرجہ ہے حالانکہ ہم
 نے ذکر کیا ہے کہ ان میں سے تین اسناد صحیح کی شرط کے مطابق ہیں اور یہ مرسل احادیث ہیں جن کو حجت
 ماننے والے بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ مرسل کو حجت نہیں مانتے وہ بھی اسے تسلیم
 کریں گے اس لیے کہ یہ تمام طرق مل کر ایک دوسرے کو قوت پہنچاتے ہیں۔ اب جب یہ بات طے پا چکی
 (کہ غرضائیکہ کا واقعہ ضرور ہوا ہے) تو جو بات اس قصہ میں بری ہے اس کی تاویل کرنی پڑے گی۔

اس سلسلہ میں ابن حجر نے چھ تا دس بیان کی ہیں جنہیں ان کی کتاب میں دیکھ لیں اور جب قصہ
 طے ہو جائے گا تو ہم اس کا خلاصہ بیان کریں گے اور یہ ثقہ نہیں ہیں ان کا پورا نام
 ابوالمزہب ہشام بن محمد بن السائب کوئی ہے اور رافضی ہیں۔ ان کے وفات سنہ ۲۸۱ھ میں ہوئی۔

ثابت ہو گیا تو ابن حجر نے اسی قصہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے فرمان دَمَا أَدْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَجِيتِي إِلَّا إِذَا قَسَمْتُ الْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُهْنِيَّتِهِ (سورۃ الحجرات ۵۰) کی تفسیر کی ہے اور نقل کی ہے کہ ابن عباس تَسْمِي قَرَأَ (پڑھا) اور أُهْنِيَّتِهِ بمعنی قرارت بتایا کرتے تھے اور ان کا اشارہ مذکورہ بالا مسئلہ غرائق کی طرف ہے اور پھر نخاش کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کے بارے میں یہ تاویل نہایت عمدہ والی ہے۔

میں نے حضرت سے عرض کیا اس مسئلہ کے بارے میں آپ کے نزدیک کوئی بات صحیح ہے اور اس مشکل مسئلہ میں ہم کس حرز کو اختیار کریں۔

حضرت دباغ کا جواب

حضرت نے فرمایا اس قصہ کے متعلق ابن العربی، عیاض اور وہارگر جو ان سے متفق ہیں، حق پر ہیں۔ ابن حجر کی رائے صائب نہیں۔ غرائق کا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعاً پیش ہی نہیں آیا۔ مجھے بعض اوقات بعض علماء کے کلام پر تعجب آتا ہے جیسے یہی قول جو ابن حجر اور ان کے موافقین سے صادر ہوا کیوں کہ اگر اس قسم کا کوئی واقعہ پیش آیا ہوتا تو نہ شریعت پر اعتماد رہتا نہ عصمت (انبیاء) کا حکم باقی رہتا اور اگر رسول اور اس کے کلام میں بڑھا دیتا تو پھر رسول دیگر افراد انسانی کی طرح کا ایک فرد ہو گیا۔ اس طرح اس قدر بھاری واقعہ کے ہوتے ہوئے رسالت پر کیا اعتماد رہتا۔ اس کے جواب میں یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے الفاظ کو محو کر دیتا ہے اور اپنی آیات کو قائم رکھتا ہے، کچھ معنی نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ الفاظ بھی شیطان کے ہوں کیونکہ جب یہ جائز ہو گیا کہ مسئلہ غرائق میں الفاظ کو زیادہ کرنے میں وہ آپ پر مسلط ہو گیا تو یہ بھی جائز ہو سکتا ہے کہ وحی پر اس کا اتنا تسلط ہو کہ ساری آیت کا اضافہ کر دیا ہو۔ اس طرح قرآن مجید کی تمام آیات میں شک پیدا ہو سکتا ہے، مومن پر اس قسم کی احادیث سے جن سے دین میں شک پیدا ہوا، اعراض کرنا واجب ہے اور ان احادیث کو دلوں پر پھینک ماریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت اور آپ کے مرتبہ کا اس قدر مبند ہونا جس کے اوپر کوئی شخص نہ اس کا ابو جعفر محمد بن محمد انصاری مشہور نحوی اور لغوی گزرا ہے۔ اس کی دعوات ۳۳۵ء و ۳۳۶ء میں ہوئی، انھوں نے تفسیر قرآن لکھی ہے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو شفا عیاض میں شرح خفاجی ج ۴ ص ۹۳ تا ۱۱۷ طبع استنبول ۱۳۱۵ھ

فیض الباری ج ۵ ص ۲ : ۳۸۴ - ۳۸۵

اور بندی نہیں، کا وہ عقیدہ رکھیں جو آپ کو شایان ہے۔

مزید برآں جو کچھ ان لوگوں نے دَعَاؤُنَا قَبْلَکَ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نُنْبِئُ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے وہ اس بات کا مقتضی ہے کہ ہر رسول اور ہر نبی کی وحی پر شیطان کا تسلط اس سے بھی زیادہ ہوا ہو جس قدر کہ قرآن پر ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نُنْبِئُ إِلَّا إِذَا تَمَنَّی الْقَیُّوْمُ الشَّیْطَانُ لَیْ اُفْسِیَّتْہ (سورۃ حجرات ۵۲) فرمایا ہے لہذا ان کی تفسیر کے مطابق آیت کا اقتضایہ ہوا کہ خدا کے انبیاء اور برگزیدہ بندوں کے ساتھ شیطان کی یہ عادت جاری رہی ہے اور اس کے باطل ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

مؤلف کتاب ہے خدا حضرت سے راضی ہو، باوجود انہی ہونے کے آپ کی نظر کسی قدر باریک ہے چنانچہ ناصر الدین البیضاوی فرماتے ہیں :-

"بعض لوگوں کا قول ہے تَمَنَّی کے معنی قَسَرَّ (پڑھا) کے ہیں اور اُفْسِیَّتْہ سے مراد قرأت ہے اور شیطان نے قرأت میں الفاظ ڈال دیے یعنی غرائق کے الفاظ اتنی بند آواز سے پڑھے کہ سننے والوں کو یہ شبہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ پڑھے ہیں۔ اس قول کو مردود قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس سے وحی پر اعتماد میں خلل واقع ہوتا ہے فَيُتَسَخَّرُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی الشَّیْطَانُ تَخَرُّجُکُمْ اللّٰهُ اَیَاتِہ سے یہ نکل دور نہیں ہوا کیونکہ ہو سکتا ہے یہ بھی شیطان انقام میں سے ہو۔"

حضرت نے اپنے جواب میں اسی کو شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔

مؤلف کتاب ہے کہ اس پر ایک اور اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ اُفْسِیَّتْہ کی ضمیر ان تمام رسولوں اور نبیوں کی طرف لٹتی ہے جو آپ سے پہلے ہوئے مگر یہ ممکن نہیں کہ شیطان نے ان میں سے ہر ایک کی قرأت میں یہی مسند غرائق کا القاب کیا ہو، تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ عصمتِ انبیاء کا عقیدہ ایسا عقیدہ ہے جس میں نکتہ یقین چاہیے لہذا جو حدیث اس عقیدہ کو توڑے یا رد کرے اسے کسی صورت میں بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ علماء اصول حدیث نے اس حدیث کا جو اس قسم کی ہوا ان احادیث میں شمار کیا ہے جنہیں قطعی طور پر غلط سمجھنا چاہیئے۔ ہا حافظ ابن حجر کا یہ قول کہ جو مرسل حدیث کو حجت مانتے ہیں ان کے نزدیک بھی اور جو حجت نہیں مانتے ان کے نزدیک بھی یہ حدیث

لے ناصر الدین بیضاوی، تافہی ناصر الدین ابی سعید عبد اللہ بن علی بیضاوی مشہور مفسر اور عالم گزرے ہیں ان کی روایات مستندہ میں جو ان کی تفسیر کا نام انوار التقریل و اسرار القادیل ہے۔

حجت ہے اس لیے کہ یہ حدیث تین صحیح طریقوں سے وارد ہونے کی وجہ سے قوی ہو جاتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم وہاں کیا جاسکتا ہے جہاں ظن کفایت کرتا ہو جیسے وہ امور عملیہ جن کا تعلق حلال و حرام سے ہے۔ مگر امور علمیہ اعتقاد پر کے ثابت کرنے میں خبر واحد کوئی فائدہ نہیں دیتی چہ جائیکہ ان کے نفی اور منہدم کرنے میں، اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ تاحضی عیاض کا قول اصول حدیث کے مخالف نہیں ہے بلکہ جو کچھ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے بیان کیا ہے وہی اصول کے خلاف ہے کیونکہ اس نے عقائد کو منہدم کرنے میں خبر واحد پر عمل کرنا چاہا ہے اور یہ اصول حدیث کے خلاف ہے۔

اسی طرح ابن حجر کا تسمیٰ کی تفسیر قسراً سے اور اُمنیتہ بمعنی قرآۃ کے کنارہ پر یہ کہنا کہ یہ ابن عباس سے مروی ہے اور یہ قول اس آیت کی تفسیر میں بہترین، بلند اور اعلیٰ تفسیر ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ ابن عباس سے یہ روایت علی بن ابی صالح کا تب لیث از معاذ بن صالح از علی بن ابی طلحہ از ابن عباس آئی ہے اور لوگوں کو معلوم ہے کہ ابن ابی صالح کا تب لیث پر کیا کچھ اعتراض کیا گیا ہے اور محققین بالاتفاق اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

آیت وَمَا يُسَلِّنَا مِنَ الْقَلِيلِ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ کی تفسیر میں نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ کے نزدیک اس آیت کی جو تفسیر ہے اور اس سے جس نور کی طرف اشارہ ہے وہ کیا ہے؟

حضرت نے فرمایا: جس نور کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رسول یا نبی کسی بھی امت کی طرف بھیجا تو وہ رسول اپنی امت کے لیے ایمان کی تمنا کرتا اسے ان کے لیے پسند کرتا، انہیں اس کی رغبت دلاتا۔ اس کی انتہا درجہ کی خواہش کرتا اور اسی پر ان کو حد درجہ کا زور دیتا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہی میں سے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، فَلَقَدْ عَلَّمْتُمْ لِبَنِي إِسْرَءِیْلَ مَا يَحْكُمُهُمْ فَلَا تَعْصُوهُمُ فَعَلُوا بِمَا يَحْكُمُكُمْ وَأَنَّ أَوْلَىٰ لِلَّهِ فِی الْأُمُورِ الْأَنْتَظَرُ فَاسْتَفَاهُ دوسرے کھٹ آیت ۱۶ اگر یہ لوگ قرآن پر ایمان نہ لائے تو کیا آپ انہیں اس کے مارے ان کے پیچھے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے (یعنی ایمان نہیں لائے تو نہ لائیں، آپ اس تمنا میں کیوں گھل جاتے ہیں) لے علی بن ابی طلحہ: انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے حالانکہ ان کے درمیان مجاہد آتے ہیں۔ ان کے ثقہ ہونے میں اختلاف ہے ۲۴۴، ۲۴۵ میں ان کی وفات ہوئی۔

اور فرمایا وَمَا أَكْثَرَ النَّاسَ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ (سورہ یوسف آیت: ۱۰۳) آپ
خواہ کتنی خواہش کیوں نہ کریں، بہت سے لوگ ایمان لانے کے نہیں اور فرمایا اَنَافَتُ يَكْسِرُوا
النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (سورہ یوسف آیت: ۱۰۱) کیا آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور
کریں گے وغیرہ آیت جن میں اسی تنا کا مضمون پایا جاتا ہے پھر امت کا حال بھی مختلف ہوتا ہے
بعض مومن اور بعض کافر شیطان کافر کے دل میں اس قسم کے دوسے ڈال دیتا ہے جو نبی کی رسالت
میں نقص نکالنے اور اس کے کفر کا سبب بنتے۔ اسی طرح مومن بھی دوسروں سے نہ پہتا کیونکہ ایمان
بالغیب کے لیے دوسروں کا آثار ضروری امر ہے۔ اگرچہ یہ دوسرے اپنے اپنے تعلقات کے اعتبار
سے کسی میں زیادہ ہوتے ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو اب تَعَمُّنِ کے معنی یہ ہوتے کہ نبی امت
کے لیے ایمان کی تمنا کرتا ہے اور ان کے لیے بھلائی، ہدایت، بہبود اور نجات کو پسند کرتا ہے
یہی ہر نبی اور رسول کی آرزو رہی ہے اور شیطان انقا۔ وہی وساوس ہیں، جنہیں وہ بعض ان
لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے جن کی طرف اس رسول یا نبی کو بھیجا گیا ہو اور وہ ان کے کفر کا سبب
بنتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ مومنین پر رحم کرتا ہے اور ان وساوس کو ان کے دلوں سے محو کر کے
ان میں وہ آیات مضبوطی سے ڈال دیتا ہے جو خدا کی وحدانیت اور رسول کی رسالت پر دلالت
کرتی ہیں اور منافقین اور کافریں کے دلوں میں ان وساوس کو اسی طرح رہنے دیا جاتا ہے جس کی
وجہ سے وہ فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہاں یہ معلوم ہو گیا کہ وساوس پہلے دونوں فریقوں کے دلوں
میں ڈالے جاتے ہیں مگر مومنین پر قائم نہیں رہتے اور کافروں پر قائم رہتے ہیں۔
مؤلف لکھتا ہے کہ میرے نزدیک یہ تفسیر بہترین تفسیر ہے۔ اس کا پتہ اسی وقت چل سکتا
ہے جب ہم ان تفاسیر کو نظر میں رکھیں جو اس آیت کی کئی تفسیر پھر ان کا اور حضرت کی تفسیر
کا مقابلہ کیا جائے۔

پہلی تفسیر چنانچہ اس آیت کی پہلی تفسیر وہ ہے جس کا ذکر ابن ابی صالح کاتب دیث کی
روایت میں ہو چکا اور ہم یہ بتا چکے ہیں کہ یہ تفسیر عقیدہ اور اس کے عموم کے
مخالف ہے جس کا ذکر آیت کے شروع میں کیا گیا کیونکہ اس تفسیر میں اسے عام مسئلہ عزرائیل سے تعبیر
کیا گیا ہے حالانکہ لفظ عام ہے جو ہر نبی اور رسول کے لیے ہے۔

دوسری تفسیر دوسری تفسیر: ابو محمد کی کہتے ہیں کہ قرطبی نے لکھا ہے تَعَمُّنِ بمعنی دل میں کسی چیز کو
بہ ابو محمد کی، ابو محمد کی جن ابی طالب عیسیٰ غوی منزل تولا شمس و شمس ان کی تفسیر بندہ جلدوں میں ہے۔

خیال کرنا تو شیطان ان خیالات میں کچھ اور خیالات بطور حیلہ ڈال دیتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ اللہ سے یہ درخواست کریں کہ آپ کو اس قدر مالی فقیہت عطا کرے تاکہ مسلمان مالدار ہو جائیں حالانکہ خدا کو ہر قسم کی مصلحت کا علم ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ القایہ شیطانی کو محو کر دیتا ہے چنانچہ فرما اور کسان نے تسمیٰ کے معنی حدیث انفس کے دیے ہیں۔ ۱۰

مؤلف کہتا ہے اس تفسیر میں جو نقص ہے ظاہر ہے اور یہ کہتے ہو کہ کتابہ کو شیطان نبی سے چال چلے کیونکہ نبی کی بصیرت تو اس قدر صاف و روشن ہوتی ہے کہ سارا جہاں اس سے روشنی حاصل کرتا ہے مزید برآں یہ تفسیر اس مبوم سے موافقت نہیں رکھتی جو آیت کے شروع میں ہے اور نہ ہی اس تعلیل سے موافقت رکھتی ہے جو آیت کے آخر میں ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ تسمیٰ کے معنی زَوْرَ فِی نَفْسِهِ مَا يَهْوَاهُ اپنی خواہشات کو خوبصورت بنا کر پیش کیا اور اُلْقَى الشَّيْطَانُ فِی اُمْنِيَّتِهِ کے معنی میں شیطان ان کی خواہش میں ایسی چیزوں کا القاء کرتا ہے جن سے آپ دنیا کی طرف مشغول ہو جاتے ہیں جیسا کہ آنحضرت نے فرمایا ہے **يَعْنِي لَيْفَانٌ عَلَى ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ نَّاسْتَعْفِرُ اللهَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِينَ مَرَّةً** میرے دل پر بادل چھا جاتے ہیں تو میں دن میں ستر بار اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔ جو کچھ بھی اس نے لکھا ہے نہ آیت کے سیاق سے مناسبت رکھتا ہے اور نہ ہی مرتبہ رسالت کی تفسیر ہے۔

مختصر یہ کہ اس آیت کی صحیح تفسیر وہی ہو سکتی ہے جس میں تین باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہو (۱) آیت کی ابتدا کا عموم (۲) آیت کے آخر کی تعلیل (۳) اور رسالت کا حق ادا کرے اور یہ تینوں باتیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا۔ شیخ کی تفسیر کے سوا کہیں نہیں پائی جاتیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۰ فرار : ابو ذر یا یحییٰ بن زیاد الفراء نوی اور سنت دان تھا۔ الکسانی کا شاگرد تھا۔ ۳۳۰ھ میں وفات پائی۔

۱۱ کسان : بہت بڑے نوی اور سنت دان تھے۔ ابو الحسن علی بن حمزہ الکسانی کہنے کے نویوں کا امام تھا۔ اس کی وفات ۳۹۰ھ میں ہوئی۔

۱۲ غلط رو مشکوٰۃ باب الاستغفار ۳۳۰ گروہاں بتاتے سبعین مرتبہ کے ساتھ مرقہ ہے۔ ۱۲

۱۶۔ قصہ ہاروت و ماروت

میں نے حضرت سے قاضی عیاض اور ابن حجر کے درمیان ہاروت و ماروت کے قصہ کے بارے میں جو اختلاف ہے اس کے متعلق دریافت کیا کیوں کہ قاضی عیاض نے اس سلسلہ میں جو احادیث ان میں ان سے انکار کیا ہے اور انہیں باطل قرار دیا ہے اور ابن حجر نے اس قصہ کو سچ سمجھا ہے اور کہا ہے کہ یہ قصہ متعدد طریقوں سے آیا ہے جن سے قصہ کی صحت کا یقین ہو جاتا ہے اور اس کا وقوع قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔ حافظ سیوطی نے بھی ابن حجر کی تابعداری کی ہے اور اپنی کتاب الحجاء للہ فی اخبار الملائک میں اس کے کئی ایک طریقے دیے ہیں اور کہا ہے کہ اس نے اپنی تفسیر کبیر میں اس قصہ کے تمام طریقے بیان کر دیے ہیں۔

حضرت نے فرمایا۔ یہاں بھی قاضی عیاض سختی پر ہیں۔ اور پھر وہ اسرار بیان کئے جنہیں نہ لکھا جاسکتا ہے اور نہ ہی افشاء کیا جاسکتا ہے۔ والسلام

۱۷۔ وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا مِنْ بَرَدٍ (سورہ نور آیت ۲۴)

میں نے حضرت سے آیت وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا مِنْ بَرَدٍ کے متعلق دریافت کیا کہ کیا آسمان میں پہاڑ ہیں جیسا کہ بعض مفسرین کا بیان ہے۔

حضرت نے فرمایا آسمان میں پہاڑ نہیں ہیں۔ اس آیت میں سماء سے مراد ہر وہ چیز ہے جو ہمارے سر کے اوپر ہے یعنی تمہارے اوپر سے آتا رہتا ہے اور برف کے پہاڑ اوپر کی طرف سے ہی آتے ہیں کیونکہ ہوا انہیں زمین سے اٹھا کر اوپر لے جاتی ہے۔

اس آیت کے متعلق حضرت سے سوال کرنے کا سبب یہ تھا کہ کسی نے مجھ سے پوچھا کہ برف کس طرح بنتی ہے اور سوال کے ضمن میں کئی ایک اور باتیں آ جاتی تھیں اور مجھے سمجھ نہ آتی تھی کہ کیا جواب دوں۔ یہ سوالات میں نے حضرت کے سامنے پیش کئے۔ آپ نے تمام باتوں کا جواب دیا، میں نے یہ تمام باتیں جواب میں ذکر کر دیں۔ اب میں یہ سوال اور جواب دیتا ہوں تاکہ اس سے پورا فائدہ اٹھایا جاسکے۔

سوال

اے عمار کرام خدا مخلوقات کو آپ سے ہمیشہ مستغنی رکھے برف کی اصل کیا ہے؟ کیا اپنی جگہ سے یہ اس طرح جی ہوئی اترتی ہے یا یہ اصل میں پانی ہوتا ہے جسے ہوائیں جما دیتی ہیں اور یہ کس جگہ سے اترتی ہے۔

کیا یہ آسمان سے اترتی ہے یا بارش برسانے والے بادلوں سے یا یہ سمندر سے آسمان میں اگر رک جاتی ہے جیسا کہ بارش کے متعلق کہا جاتا ہے اور کیا سبب ہے کہ یہ صرف سخت سرد ملکوں میں ہی پڑتی ہے گرم ملکوں میں نہیں پڑتی اور کیا وجہ ہے کہ عرف پہاڑوں پر پڑتی ہے۔ میدانوں میں نہیں پڑتی اور اگر میدانوں میں پڑے تو تھوڑی دیر کے بعد گھل جاتی ہے حالانکہ پہاڑوں میں قائم رہتی ہے، بعض اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بارش کے ساتھ یک نخت اولوں کی صورت میں گرنے لگتی ہے اور کبھی اکیلی برف یعنی اولے برستے ہیں۔ مزید برآں ہم دیکھتے ہیں کہ گرم اور سرد ملکوں کا درمیانی فاصلہ بہت تھوڑا ہوتا ہے مثلاً سرسبز یا اس سے بھی کم اس کے باوجود ہر ملک کی خصوصیت الگ ہوتی ہے کہ ادھر سردی ہے اور ادھر گرمی کیا اس سبب کی کوئی علت ہے یا نہیں؟ کیا وجہ ہے کہ سردی صرف پہاڑوں اور بلند مقامات پر ہوتی ہے میدانوں میں نہیں ہوتی؟ پھر یہ کہ بجلی صرف ٹھنڈے ملکوں، پہاڑوں اور اُن مقامات پر گرکتی ہے جہاں رخت ہوں اور میدانی گرم اور ہموار زمین جیسے صحرا میں نہیں گرتی، چنانچہ میدانوں کے لوگ کہتے ہیں کہ انہیں بجلی کا پتہ ہی نہیں اور نہ وہاں گرتی ہے کیا وجہ ہے کہ ایک جگہ گرتی ہے اور دوسری جگہ نہیں گرتی اور اس میں کیا راز ہے؟ شانی جواب دیں۔

جواب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَهُ وَصَلَّى اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ
اَلْجَوَابُ وَاللّٰہُ الْمَوْتَقٰی لِلْصَّوَابِ بِعَیْنِہٖ۔

برف پانی ہے جسے ہوائیں منجمد کرتی ہیں اور اس کی اصل عموماً بحر محیط کے پانی سے ہے اور بحر محیط کے پانی میں تین خاصیتیں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ ہواؤں کے قرب اور سورج کی گرمی سے دوری کی وجہ سے جس قدر سخت ٹھنڈا پانی ہوتا ہے کوئی اور پانی نہیں ہوتا۔ اس لیے معمولی سے سبب سے یہ منجمد ہو جاتا ہے۔

۲۔ پانی انتہا درجہ کثافت ہوتا ہے اس لیے کہ یہ اپنی اصل پر قائم ہوتا ہے اور اس میں کسی قسم کے جواہر ارضی ملے نہیں ہوتے کیونکہ یہ ایک ایسا سمندر ہے جسے ازل قدرت اٹھائے ہوئے ہے، یہ نہ زمین پر ہے نہ کسی اور چیز پر۔

۳۔ انتہائی بُعد۔ اس لیے کہ ہمارے اور اس کے درمیان نہایت دور کی مسافت ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا تو یاد رکھو کہ جب اللہ تعالیٰ ہواؤں کو حکم دیتا ہے کہ اس میں سے کچھ حصہ اٹھائے جائیں تو اپنی ٹھنڈک کے باعث اٹھانے کے بعد ہی منجمد ہو جاتا ہے۔ ہوائیں اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اٹھائے اور بہائے چلی جاتی ہیں حتیٰ کہ اس طویل مسافت کے طے کرنے میں جو ہمارے اوزر و بحر محیطہ کے درمیان واقع ہے اس کی بندش بے حد کھل جاتی ہے یہاں تک کہ یہ غبار کی طرح ہو جاتا ہے اور اپنی تری کے باعث اس کے اجزاء مجتمع ہو جاتے ہیں اسی لیے کبھی یہ باریک صوف کی صورت میں گر جاتا ہے اور کبھی اس سے بھی زیادہ باریک۔ برف کی اصل یہی ہے، برخلاف اوسے (ترالہ) کے اس لیے اس کے منجمد ہونے اور گرنے کی درمیان مسافت لمبی نہیں ہوتی کیونکہ اوسے ان سمندروں کے پانیوں سے بنتے ہیں جو زمین کے درمیان میں ہیں اور ان تالابوں سے جو بالعموم بارشوں کے گرنے سے زمین پر جمع ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اوسے کے پچ میں زمین کے اجزاء مثلاً گوبر وغیرہ پائے جاتے ہیں اور تھوڑے لوگوں نے اس کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔ نیز چونکہ چاروں طرف سے اس پر ہواؤں کے تھپیڑے پڑتے رہتے ہیں اس لیے وہ گول اور ایسا بنا دیتے ہوتا ہے جیسے گوند سے ہوتے سخت آلے کا بیڑا کہ اس کو عورت برتن میں لٹ کر ہاتھوں سے گولہ بنا تی ہے اور اسی کے اجزاء کو ہوا کے جھوکے متھ کر بیڑا بنا دیتے ہیں چنانچہ اگر اولہ نوراً گرے تو ہم یہ بات اس میں دیکھ سکتے ہیں اور اگر اس کے گرنے میں دیر لگے اور ہواؤں کے تھپیڑے جاری رہیں تو اس کے اجزاء ٹوٹ کر برف بن جاتے ہیں۔ برف کی اصل اور حقیقت یہی ہے اور ہمیں سے گرتی ہے۔

یہی بات کہ برف اور اوسے کے لیے سرد مقامات اور پہاڑ کی چوٹیاں کیوں مخصوص ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک کوئی مانع پیش نہ آتے برف برابر جمی رہتی ہے اور جب مانع پیش آتے تو یہ بارش بن جاتی ہے اور یہ مانع وہی زمین سے اٹھنے والے اجزاء بخار یہ ہیں اور ان میں کسی قدر حرارت پائی جاتی ہے لہذا جب یہ برف سے ملتے ہیں تو اس کی خشکی کو کم کر کے اس کے انجماد کو زائل کر دیتے ہیں یہ بات ظاہر ہے کہ اجزاء بخار یہ گرم ملکوں اور میدانوں میں زیادہ پائے جاتے ہیں اسی لیے وہاں برف نہیں پڑتی اور اگر پڑے بھی تو زیادہ دیر تک نہیں رہتی برخلاف سرد ملکوں اور بلند پہاڑوں کے کوہاں برف منجمد ہونے سے روکنے کا لاکھ سبب موجود نہیں ہوتا۔

اب رہی یہ بات کہ کبھی یہ بارش کے ساتھ گرتی ہے کبھی تنہا۔ سو بارش کے ساتھ اس کے گرنے کے دو سبب ہیں یا تو اس لیے کہ ان بخاری اجزاء کی وجہ سے جو پہلے ہی موجود ہوتے ہیں اس کے کچھ اجزاء گھل جاتے ہیں اس طرح گھیلے ہوئے اجزاء بارش کی صورت میں گرتے ہیں اور جو اجزاء نہیں گھلتے

وہ برف کی صورت میں۔ یہی وجہ ہے کہ جو بارش اولوں کے ساتھ گرتی ہے وہ بالعموم ہلکی کمزور اور باریک ہونڈوں والی پس ہوئی شکل کی ہوتی ہے۔ یا یہ کہ یہ پورے طور پر منجمد ہونے سے پہلے گر پڑتی ہے کیونکہ جو ايس پانی اٹھاتی ہیں تو وہ منجمد ہو جاتا ہے اور وہ اسے پیسے لگتی ہیں پھر اور پانی اٹھاتی ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ اسے کرنے کا حکم دیتے ہیں تو پہلا حصہ برف کی صورت میں گرتا ہے اور دوسرا بارش کی صورت میں (کیونکہ وہ تو ابھی منجمد نہ ہوا تھا)۔

رہا آپ کا یہ سوال کہ سولہ سترہ میل کے قبل فاصلے میں کون سی دیوار کھڑی ہوگئی کہ ادھر برف پڑتی ہے اور ادھر نہیں تو اس کا جواب ظاہر ہے کہ اس فرق کا وارد مدار تمام تر مانع و عدم مانع پر ہے۔ سرد ملکوں میں انجماد سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی اور گرم ملکوں میں مانع موجود ہوتا ہے اسی لیے ہر ایک میں اپنی اپنی خصوصیت پائی گئی۔

یہ کتنا کہ پھاڑ اور بلند مقامات میں ٹھنڈک کیوں ہوتی ہے اور میدانوں میں کیوں نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پھاڑ اور بلند مقامات میں ٹھنڈک اس لیے ہوتی ہے کہ وہ اس جو (خلا) کے قریب ہوتے ہیں جو انتہا درجہ کا سرد ہوتا ہے اور میدان اس سے دور ہوتے ہیں فرق کی یہی وجہ ہے۔

اب رہا صاعقہ کے متعلق آپ کا سوال کہ گرم ملکوں میں کیوں نہیں گرتی، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دعویٰ ہی غلط ہے کیونکہ ہم نے اپنے شہر سلیمانہ میں صاعقہ گرتی دیکھی ہے حالانکہ یہ میدانی ہموار اور صحرائی علاقہ ہے۔ ہم نے بار بار اسے گرتے دیکھا ہے۔

سید نے شرح موافق میں بھی ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک جنگل میں ایک بچے کے پاؤں پر بجلی گری تو اس کی دونوں پنڈلیاں گر گئیں مگر خون نہیں نکلا۔ مفسرین نے بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت دَیْرُ مِسْلُ الصَّوَاعِقِ فَيُصْنِبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ (اللہ تعالیٰ صاعقہ بھیجتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں لگ جاتی ہے) صحرا میں اس کے گرنے کا ذکر کیا ہے۔

یاد رکھیں کہ جو کچھ جواب میں لکھا گیا وہ سب اس شفعہ کی اطلاع ہے جو اباب بصیرت میں سے ہے اور اس نے حقیقت کا مشاہدہ کیا ہے۔ ہماری مراد حضرت سے ہے لہذا یہ جواب حضرات موفیہ کا جواب ہے۔

مگر ہمیں اہل سنت والجماعت کا اس بارے میں کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے تفسیر، حدیث اور کلام میں ان تمام مقامات کی طرف رجوع کیا جہاں اس مسئلہ کے پائے جانے کا لگان ہو سکتا تھا مگر مجھے کہیں کچھ نہ ملا یہاں تک کہ حافظ بلال الدین سیوطی نے جن کا حدیث و آثار میں مرتبہ ہے اس کا

ذکر حَبَّةُ الْمَسِيَّةِ فِي الْمَسِيَّةِ السَّيِّئَةِ میں بھی نہیں کیا حالانکہ علم ہیئت کے اس قسم کے مسائل کے لیے یہ کتاب لکھی گئی تھی اور نہ بیضادوی کے حاشیہ میں حالانکہ سیوطی کا طریقہ یہ ہے کہ حکماء کے اس کلام کا جس کی اتباع بیضادوی کرتا ہے، سلف صالحین کے کلام سے روکتا ہے اور نہ اپنی تفسیر الْمَذْأَلُ الْمَشْهُورُ فِي تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ بِالْمَآثُورِ وغیرہ کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے حالانکہ ان تینوں کتابوں میں رد، دعوای، بارش، بادل اور بجلی پر بہت بحث کی ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ برف اور اولوں اور ان کے سبب کی بحث کرتا کیونکہ بیضادوی نے ان کے سبب کی تفسیر بحث نقل کی ہے جس کی بنا فاعل بالا اختیار یعنی خدا کی نفی پر ہے۔ موافقت کے مصنف نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور حکماء کا یہی طرز ہے، موافقت اور اس کی شرح میں مصنف کہتا ہے:

یاد رکھیں کہ سورج وغیرہ کی گرمی سے یا ہوا سے پانی کے اجزاء مل کر فضا میں اٹھتے ہیں، اسی کام بخار ہے اور ان کا بند ہونا بوجھل ہوتا ہے یا اجزاء نار یہ ارضیہ اٹھتے ہیں، یہی دھواں ہے جس کا بند ہونا ہلکا ہوتا ہے۔ دھواں صرف وہی نہیں جو بالعموم سیاہ رنگ کا اور ان چیزوں سے اٹھتا ہے جو آگ سے جلتی ہیں، ایسا بہت شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ خالص بخار اور خالص دھواں اٹھے بلکہ بالعموم یہ دونوں ملے جلتے ہیں اور انہی سے تمام آثار علویہ پیدا ہوتے ہیں۔ اگر دھواں کم ہو اور ہوا میں سخت گرمی ہو تو اس میں پانی کے اجزاء حل ہو جاتے ہیں اور وہ اجزاء ہوا میں بدل جاتے ہیں۔ اسے خالص ہوا کہتے ہیں ورنہ اگر دھواں زیادہ ہو اور ہوا میں اس قدر حرارت نہ ہو جو اسے حل کرے تو جب یہ بخار بند ہو کر ٹھنڈی ہوا تک پہنچے گا تو اس کی ٹھنڈک سے منجمد ہو جائے گا اور گاڑھا ہو کر بادل بن جائے گا اور پانی کے اجزاء اگر منجمد ہوں اور سردی زیادہ نہ ہو تو قطروں کی صورت میں گریں گے یا اگر سردی زیادہ ہوگی تو منجمد ہو کر گریں گے

اور اگر اجتماع تقاطر اور بڑے بڑے اجسام بننے سے پہلے انجماد ہو تو یہ برف ہوگی اور اگر بعد ہو تو اوڑے اوڑے گنبد کی طرح گول اس لیے ہوتے ہیں کہ اس میں بہت تیز حرکت ہوتی ہے جو ہوا کو لگ کر کے اسے پھاڑتی ہے اس لیے گرنے والے قطروں کے کونے مٹ جاتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے سایہ، کمر، دھند، کرک، بجل، مائع، ہوا اور دیگر امور علویہ پر بحث کی ہے، پھر ایک طویل عبارت کے بعد جس کا مختص ہم نے جامع عبارت میں فصل ثانی یا مرصداول میں ذکر کر دیا ہے لکھا ہے کہ یہ تمام تفسیروں کی

سے موافقت: علامہ محمد الدین عبدالرحمن بن احمد اپنی کتاب تفسیر ہے جو انھوں نے فیث الدین وزیر

خداوند کے لیے لکھی۔

آزار میں کیونکہ انہوں نے قادر مطلق کی نفی کی ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا۔

ناصر الدین بیضاوی کو فلاسفہ کے طریقہ پر دُکھینزلُ من السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ کی تفسیر میں مہارت حاصل ہے۔ تعجب ہے کہ حافظ سیوطی نے اس کتاب کے حاشیہ میں خاموشی اختیار کی ہے۔ اسی طرح شیخ الاسلام زکریا انصاری نے بھی اس کے حاشیہ میں سکوت اختیار کیا ہے۔

یاد رکھیں کہ پہلا جواب جسے ہم نے حضرت سے سنا تھا اگر ہم اسے پھیلا کر اس کی تمام وجوہ اور تفصیل بیان کرنے لگیں تو ایک کتاب میں بھی سما نہ سکیں۔ جس قدر ہم بیان کر چکے ہیں۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس کا قائل اور کاتب احمد بن مبارک بن محمد بن علی بن مبارک سلجوقی ملطی ہے خدا اس پر اپنا کریم کرے۔ آمین

میں نے حضرت سے زلزلہ اور اس کے سبب کی نسبت سوال کیا۔

زلزلہ اور اس کا سبب

ایک نمل سا جھٹکا آیا جسے کچھ لوگوں نے محسوس کیا کچھ نے نہیں، میں نے بھی اسے محسوس نہ کیا تھا جب ہم خفیہ کے مکین پر پہنچے تو لوگوں نے پوچھا کیا تم نے زلزلے کو محسوس کیا تھا، میں نے کہا میں نے تو محسوس نہیں کیا اور نہ ہی زلزلہ آیا۔ حضرت نے فرمایا: زلزلہ آیا تھا اور اس وقت آیا تھا جب ہم رصیف کے بازار میں فلاں شخص کے پاس اس کی دکان پر کھڑے تھے، پھر زلزلہ کا علم سب کو ہو گیا۔ چنانچہ میں نے حضرت سے اس کا سبب پوچھا۔ جو کچھ سنا، صالحین نے زلزلے کے بارے میں کہا تھا، اس کا بھی مجھے علم تھا اور جو کچھ فلسفیوں نے کہا ہے اس کا بھی۔ اس لیے میں حضرت سے جواب سننا چاہا۔

حضرت نے فرمایا زلزلہ کا سبب زمین پر حق تعالیٰ کی تہل کی لاپڑنا ہے اس کی تفصیل میں راز ہے جو میں نے حضرت سے سن لیا تھا پھر فرمایا ابتداء آفرینش اور پہاڑوں کی پیدائش سے پہلے یہ تہل بکثرت ہوا کرتی تھی اور زمین بے قرار ہو کر جھٹک جاتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حجاب ڈال دیا اور پہاڑ پیدا کیے تو زمین ساکن ہو گئی۔ آخر زمانے میں پھر یہ تہل زیادہ ہو جائے گی جس کا وجہ سے زمین میں زلزلے بکثرت ہوا کریں گے یہاں تک کہ تمام مخلوق ہلاک ہو جائے گی۔

مولف کہتا ہے کہ حافظ سیوطی نے اپنی کتاب کشف الصلصلة عن وصف الزلزالہ میں

بروایت ابن عباس قریباً وہی بیان کیا ہے جو حضرت نے فرمایا۔

شیخ الاسلام زکریا انصاری الفخر راجی امام شعرائے استاد تھے۔ شریعت اور طریقت دونوں میں اپنے زمانے میں جواب نہ دیتے تھے ان کی بہت سی تصانیف ہیں ۹۱۵ھ ۹۱۷ھ میں وفات پائی۔

طرائق نے کتاب السنۃ میں یہ باب باندھا ہے زلزلے کے وقت زمین پر اللہ تعالیٰ کی تہکلی کے متعلق جو کچھ احادیث میں آیا ہے اس کا بیان حنفی بن عمر ارتقی از عمرو بن عثمان انکلی از موسیٰ بن اعیان از اوزاعی از یحییٰ بن ابی کثیر از مکرمہ از ابن عباس فرمایا جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانا چاہتا ہے تو زمین کو اپنا کچھ جلوہ دکھاتا ہے جس سے وہ لرزے لگتی ہے اور جب کسی قوم کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو پورا جلوہ دکھاتا ہے۔

مسند فردوس میں دیلمی نے لکھا ہے: خبری عبدوس نے از زنجویہ از القطعی از محمد بن اسحق ابی القاسم از ابوالنعمان از عبدالرحمن بن براہ از ابوالعبد اللہ الحروی از محمد بن ازہر از الیوب بن موسیٰ از اوزاعی از یحییٰ بن ابی کثیر از مکرمہ از ابن عباس کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو ڈرانا چاہتا ہے تو اپنی کچھ تہکلی زمین پر ڈالتا ہے جس سے وہ لرزے لگ جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو ہلک کرنا چاہتا ہے تو پورا جلوہ دکھاتا ہے۔
خدا حضرت سے راضی ہو، آپ کو امور کا کس قدر علم ہے۔

اس کے بعد امام سیوطی نے لکھا ہے، ان احادیث سے ظاہر ہو گیا کہ حکماء کا یہ کہنا فاسد ہے کہ زلزلے ان بخارات کی کثرت سے آتے ہیں جو سورج کی تاثیر سے پیدا ہو کر زمین کے نیچے جمع ہو جاتے ہیں جہاں ہوا کی ہرودت ان کو توڑ نہیں سکتی کہ پانی بن جائے اور نہ ہی اپنی کثرت کے باعث تھوڑی سی حرارت سے تحلیل ہوتے ہیں اور سطح زمین بھی وہاں اس قدر سخت ہوتی ہے کہ وہاں سے بخارات نکل نہیں سکتے، لہذا جب بخارات اوپر اٹھتے ہیں اور انہیں نکلنے کی راہ نہیں ملتی تو زمین حرکت کرتی اور اس طرح بقیار ہوتی ہے جس طرح بخارات مقل انسان مضطرب ہوتا ہے کیونکہ گرم بخارات اس کے پیٹ میں جوش مار رہے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات زمین کی سطح پھٹ جاتی ہے تو یہ ٹکے ہوتے مادے باہر نکل آتے ہیں۔

اس رائے کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے بلکہ اس کے خلاف پر دلیل قائم ہے۔ یہ حافظ سیوطی کا بیان ہے۔

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ زمین میں کبھی خسف ظاہر ہوتا ہے یعنی زمین خسف کا سبب پھٹ جاتی ہے اور اس میں انسان و دیگر اشیا۔۔۔ خسف جاتی ہیں اور یہ صورت آخر زمانے میں بکثرت ہوگی اس کا کیا موجب ہے،

فرمایا: زمین پانی پر ہے اور پانی ہوا پر اور ہوا اس بڑے میدان سے نکلتی ہے جو آسمان اور بحر محیط

کے درمیان واقع ہے۔ اس کی تشریح یوں ہے کہ فرض کرو کہ ایک شخص متواتر چلتا رہے تو پتے پتے وہ وہاں پہنچ جائے گا جہاں زمین ختم ہو جائے پھر اسے بحر محیط نظر آئے گا، پس اگر ہم فرض کریں کہ وہ بحر محیط پر بھی چلتا گیا ہے تو بلا غرہ ختم ہو جائے گا اور اب اس کے اور آسمان کے درمیان صرف ایک خلا ہوگا جس سے ہوا نکلتی ہے اسے ایسی ہوائیں دکھائی دیں گی جن کی کیفیت بیان ہو سکتی ہے نہ انہیں کوئی برداشت کر سکتا ہے یہی ہوائیں اللہ کے حکم سے پانی اور زمین کو اٹھاتے ہوئے ہیں اور آسمان کو تھامے ہوئے ہیں۔ پھر یہ وقت خدمت میں لگی ہوئی ہیں اور ایک لمحہ کے لیے بھی آرام نہیں لیتیں اور آسمان کی طرف اٹھتی رہتی ہیں اور جب اللہ کسی قوم پر بادش برسانا چاہتا ہے تو ان ہواؤں میں تھوڑے سے حصہ کو حکم دیتا ہے تو یہ زمین کی طرف اپنا رخ پھیر لیتی ہیں اور بحر محیط وغیرہ کی سطح کو عبور کر کے جس قدر اللہ کی مرضی ہو، اس زمین کی طرف پانی اٹھائے جاتی ہیں، کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ میں نے اس پانی کو دیکھا جو اس جز (خلا) سے ملا ہوا ہے جس میں ہوائیں ہوتی ہیں تو مجھے برف کے استدر غلیم پہاڑ دکھائی دیے جن کی عظمت کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں جب میں غار سے واپس آتا تو دیکھتا کہ یہ پہاڑ منتقل ہو کر اس پانی کے کنارے پلے گئے ہیں جو کہ قاف سے ملا ہوا ہے۔ دیکھا تو انہیں وہ ہوائیں اٹھا کر لائی ہیں جنہوں نے اپنا رخ پٹا تھا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو زمین دھنسا نا چاہتا ہے تو یہ ہوائیں زمین میں ان سوراخوں اور ان گڑھوں میں گھس جاتی ہیں جو ان ہواؤں اور پانی کے درمیان ہیں، لہذا جب ان میں ہوا گھسیتی ہے تو زمین کھل جاتی ہے جس سے لوگ زمین میں دھنس جاتے ہیں۔ آخر زمانے میں زمین میں سوارخ زیادہ ہو جائیں گے اور زمین کی طرف ہواؤں کا رخ بھی بکثرت پٹا کرے گا جس کے وجہ سے خسوف بکثرت ہوا کریں گے۔ یہاں تک کہ دنیا کا نظام منتقل ہو جائے گا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فعل اور ارادے سے ہوتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر ہوائیں زمین کا برابر قصد کرتی رہیں گی اور اس کی تباہی کا ارادہ کریں گی یہاں تک کہ زمین ہواؤں کے ہاتھوں میں اس پھلنی کی مانند ہوگی جس کے ذریعہ سے گندم کو مٹی اور پتھروں سے جدا کیا جاتا ہے اور زمین کا غلہ وہ ریڑھ کی ہڈی ہے جس سے ذاتِ انسانی ترکیب پاتی ہے اور یہ ہڈی انسانوں کے لیے بمنزلہ بیج کے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ان ہڈیوں کو زمین اور سمندروں کی گہرائیوں، غاروں

لے فارے مراد غار حراء ہے جہاں ابنِ ولیدان کا اجتماع ہوتا ہے شیخ عبدالعزیز دہان چونکہ نوشت وقت تھے اس لیے ان کا وہاں جانا رہتا۔ ۱۷ مترجم

اور پہاڑوں کے نیچے سے اور جہاں کہیں بھی یہ ہوں گی جمع کرے گا۔ اس دن پہاڑ چلیں گے اور ہواؤں کے زور سے انہیں منتشر کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد آسمان چھٹ جائے گا اور ریڑھ کی ہڈیوں پر پانی برسے گا جس سے وہ آہستہ آہستہ پرورش پائیں گی جیسے کدو اور تر بوڑ وغیرہ پرورش پاتا ہے اور یہ سطح زمین پر ظاہر ہو جائے گا۔

حضرت نے فرمایا اسی وقت کے متعلق حضرت عبدالوہاب بن نادی فرمایا کرتے تھے اُس دن کو یاد رکھو جب زمین انڈے دے گی اور ریڑھ کی ہڈی کو نشوونما دینے کی طرف جائے گی۔ پس جب یہ تکمیل ہو جائے گا تو بنی آدم اس طرح اس میں سے نکلیں گے جس طرح پرندہ انڈے کے پھینکنے سے نکلتا ہے فرمایا اس دن ناف پیٹھ کی طرف ہوگی پیٹ کی طرف نہ ہوگی اس کے بعد اللہ تعالیٰ روحوں کو اپنے اپنے جسموں میں داخل ہونے کا حکم دیں گے۔ جب روہیں داخل ہو جائیں گی تو یہ اٹھ کھڑے ہوں گے اور نال کٹ جائے گی۔ جب روہیں اجسام میں داخل ہو چکیں گی تو اللہ تعالیٰ اس نور اور سیر کو جس نے جہنم کو دنیا کی طرف جانے سے روکا ہوا تھا حکم دیں گے یعنی نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ جنت کی طرف جائے۔ اس وقت جہنم نکل کر اہل دنیا کی طرف آئیگا اور ہر طرف سے ان کو گھیرے گا۔ اس دن جس قدر خوف لوگوں کے دلوں پر طاری ہوگا اس کا علم اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔

حضرت نے فرمایا: اس دن جب روہیں جسموں میں داخل ہونے لگیں گی تو ان روحوں کی سننا، سناٹ، تڑپ اور شور سنائی دے گا جس سے دلوں پر رعب چھا جائے گا اور جگہ دہشت کے ماسے چاک ہوتے جائیں گے۔ اس کے بعد حضرت نے جو کچھ اس دن پیش آئے گا بیان کیا جس کا کچھ حصہ آگے چلے بیان ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۴۔ يُرْسَلُ عَلَيْكُمْ شَوَاطِئُ مِنْ نَارٍ وَنَحَاسٍ فَلَا تَنْتَصِرُونَ (آیت رسول المؤمن)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آیت يُرْسَلُ عَلَيْكُمْ شَوَاطِئُ مِنْ نَارٍ وَنَحَاسٍ فَلَا تَنْتَصِرُونَ (اے گروہ جن و انس تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا پس تم اس پر غلبہ نہ پا سکو گے) میں جن اور انسانوں کو خطاب ہے تو کیا یہ واقعہ عشر میں ہوگا یا جہنم میں ڈال دیے جانے کے بعد۔ حضرت نے فرمایا یہ واقعہ میدانِ عشر میں ہوگا اور یہ وہی آگ ہوگی جو اہل عشر پر نکل کر آئے گی اور انہیں ہر طرف سے گھیرے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۸۔ یَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ (سورۃ انبیاء آیت ۱۰۷)

میں نے حضرت سے پوچھا کہ آیت یَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ (جس روز ہم آسمانوں کو اس طرح پیٹیں گے جس طرح سبک کتابوں کو پیٹ لیتا ہے) میں سبک سے کیا مراد ہے کیونکہ بعض مفسرین نے اس کے معنی صحیفہ بتاتے ہیں یعنی جس طرح صحیفہ کتاب کو پیٹ لیتا ہے یعنی اس کھان کی خاطر جو اس صحیفہ میں ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس صحیفہ کو اس کھان کی وجہ سے جو اس میں ہے پیٹ لیا جائے گا۔

حضرت نے فرمایا: سبک سے مراد وہ آلہ ہے جس پر کھنے والا اس کتاب کو رکھتا ہے جس سے وہ نقل کر رہا ہو اور جسے عوام صحاح الکتب (رحل) کہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ یہ لفظ سربان سے معنی ہے جو دن ہم آسمانوں کو رحل کی طرح پیٹ دیں گے کیونکہ کھنے والا جب کھنے سے فارغ ہو جاتا ہے تو اسے پیٹ دیتا ہے اور لکتب کا لفظ سبک کا حال واقع ہوا ہے یعنی در آن حاکم سبک کتاب کے لیے ہو یعنی وہ سبک نہ ہو جو اور چیزوں کے لیے ہوتا ہے۔ مجھے حضرت سے یہ بات پوچھنے کا خیال نہ رہا کہ اس میں وجہ شبہ کیا ہے اور آسمان کے پیٹے جانے کی کیا کیفیت ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے آسمان کے پیٹے جانے سے کیوں تشبیہ دی ہے اور کیا ان دنوں میں کوئی خاص مناسبت ہے جو کسی اور چیز میں نہیں پائی جاتی۔ کتاب کے سوا کسی اور چیز کا بھی سبک ہوتا ہے تاکہ اس سے احتراز کیا جائے۔ اگر ہے تو کیا ہے۔ اگر میں یہ سب کچھ پوچھ لیتا تو حضرت سے انکے جواب میں غیبی علوم ظاہر ہوتے کیونکہ حضرت جو کچھ بیان کرتے مشاہد سے بیان کرتے مگر اب چونکہ اس مسئلہ کی کتاب میں ان کا کلام موجود نہیں لہذا میں اسے علماء کے کلام سے مکمل کرتا ہوں۔

امام عبد اللہ بن عباس اپنی صحیح میں کہتے ہیں سبک کے معنی ہیں کتاب کا ورق۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں فریابی نے اس قول کو اپنے طریقے سے یعنی مجاہد کے طریقے سے متعل کر دیا ہے اور فرما کر اس پر تاکید کر دی۔ طبری نے علی بن ابی طلحہ از ابن عباس سبک کے معنی کھنے میں جس طرح ورق اپنی

لے فرمایا: شیخ التت ابوبکر جعفر بن محمد بن حسن بن مستغانم ترک۔ دیور کے قاضی تھے اور صاحب تصانیف ہیں یہ ثقہ تھے اور اعلیٰ علم میں سے شمار ہوتے تھے ان کے پاس ہزاروں کتابیں تھیں اور علم حدیث پڑھنے آتے تھے مسئلہ میں پیدا ہوا ہے اور مسئلہ میں وفات پائی۔

تحریر پر پیش جاتا ہے۔ بعضوں نے علی کو من کے معنوں میں لیا ہے یعنی تحریر کی خاطر کیونکہ ورق اس تحریر کی خاطر جو اس میں ہے پیش لیا جاتا ہے۔ ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ سہل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کتاب کا نام ہے۔ اس حدیث کی روایت ابو داؤد، نسائی اور طبری نے عمر بن مالک از ابی الجوزار از ابن عباس کے طریقے سے کی ہے۔ ابن مردودہ کے نزدیک ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ حدیث کی زبان میں سہل کے معنی آدمی کے ہیں۔ عبد بن حمید نے علیہ کی سند سے اسی طرح بیان کیا ہے۔ نیز ایک ضعیف اسناد کے ساتھ علی کی روایت سے یہی معنی دیے ہیں۔

نسیب نے نقاش سے نقل کیا ہے کہ سہل دوسرے آسمان میں ایک فرشتہ کا نام ہے جس کے پس فرشتے ہر دو شنبہ اور پنج شنبہ کو مخلوق کے اعمال لے جاتے ہیں۔
طبری نے ابن عمر کی حدیث سے کچھ اسی طرح کے معنی دیے ہیں۔

۱۔ مجھے ابن علیؑ کی سمجھ نہیں آتی کہ یہ کہاں سے آگیا ہے۔ آیت میں علی کا لفظ نہیں ہے۔

۲۔ عمر بن مالک شرمی المعافری المصري: ابو حیان نے انیس ثقہ شمار کیے ہیں۔ ابن یونس اور ضام و قریب سے فقیہ پکارتے ہیں مسلم نے اس سے صرف ایک حدیث روایت کی ہے۔

۳۔ ابو الجوزار: ابو الجوزاؤس بن عبد اللہ ربیع البصری تابعی ہیں۔ انہوں نے ابو ہریرہؓ، عائشہؓ اور ابن عباسؓ وغیرہم سے روایت کی ہے بہت عابد و فاضل تھے۔

۴۔ ابن مردودہ: ابوبکر احمد بن یوسف بن مردودہ اصفہانی۔ صاحب تفسیر ہیں اور تاریخ وغیرہ بھی لکھی ہے حافظہ بہت اور ثقہ تھے ۳۲۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۵ھ میں وفات پائی۔

۵۔ عبد بن حمید: حافظ ابو محمد بن حمید بن نضر مصنف مستدرک کبیر اور تفسیر ان کا اصل نام عبد الحمید ہے مگر مخفف کر دیا گیا جو ان کے زمانے میں سوزگیا۔ امام بخاری نے انہیں عبد الحمید ہی لکھا ہے امام حدیث اور ثقہ تھے ۲۴۹ھ میں وفات پائی۔

۶۔ علیہ: علی بن سعد بن جناد قسبی۔ انہوں نے ابوسعیدؓ، ابو ہریرہؓ وغیرہما سے روایت کی ۲۵۰ھ میں وفات پائی۔
۷۔ سیب: ابوزید عبدالرحمن بن عبد اللہ: ان کی تصانیف معتبر شمار کی جاتی ہیں۔ ۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۱ھ میں وفات پائی۔ اروض الافیاق شرح سیرۃ ابن ہشام انہی کی تصانیف ہیں۔

۸۔ نقاش: ابوبکر محمد بن علی المصري ۲۵۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۶۹ھ میں وفات پائی۔ دار قطن ان سے حدیث پڑھنے کیے تھے۔

سیل اور ثعالبی نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ سہل بنی مل اللہ علیہ وسلم کے کاتب کا نام ہے اس لیے کہ نہ ہی کاتبین وحی میں اور نہ صحابہ میں کوئی ایسا شخص پایا جاتا ہے جس کا نام سہل ہو اور سہل کہتے ہیں کہ یہ معنی صرف اسی حدیث میں آئے ہیں۔ سہیل کا یہ قول درست نہیں ہے اس لیے کہ ابن مندہ اور ابو نعیم نے اسے صحابہ میں شمار کیا ہے اور اس کی سند یوں دی ہے۔ ابن نمیر از عبید اللہ بن عمر از نافع از ابن عمر جو کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کاتب کا نام سہل تھا ابن مردودہ نے بھی اسی سند سے اس کی روایت کی ہے۔ یہ تمام بیان حافظ ابن حجر کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۹۔ رَبِّ ارْنِيْ اَنْظُرْ اَيْتَكَ قَالَ لَنْ تَرَانِيْ وَلَكِنْ اَنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ
فَاِنْ اسْتَقَرَّ مَكَانُهُ فَسَوْفَ تَرَانِيْ (سورہ اعراف آیت ۱۴۳)

میں نے حضرت سے آیت رب اَرْنِيْ اَنْظُرْ اَيْتَكَ قَالَ لَنْ تَرَانِيْ وَلَكِنْ اَنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ
فَاِنْ اسْتَقَرَّ مَكَانُهُ فَسَوْفَ تَرَانِيْ (موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے میرے پروردگار مجھے اپنی
زیارت کرا دیں۔ فرمایا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے، لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو
میں نے ابن مندہ، حافظ ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ بن مندہ۔ یہ اس وقت مسلمان ہوئے جب صحابہ نے اصفہان فتح کیا اور
اپنے زمانے میں بڑے استادوں میں شمار ہوتے تھے۔ ۱۱۱۰ھ میں وفات پائی۔
ابن نمیر: محمد بن عبد اللہ بن نمیر ابو عبد الرحمن کوئی حافظ حدیث تھے امام احمد بن حنبل کی بہت تعلیم کرتے اور دورۃ
العرفان لکھتے تھے۔ وہ اپنے زمانے کے بہت بڑے زائد اور فقیہ تھے ان کی وفات ۳۳۰ھ میں ہوئی۔
عبید اللہ بن عمر: عبید اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب، ان کا شمار فقہاء سبعویں ہوتا ہے
۳۳۰ھ میں وفات پائی۔

۱۲۔ نافع: نافع بن عمر بن عبد اللہ بن عمر ازاد کردہ غلام تھا۔ ۳۵۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔
ابن عمر: عبد اللہ بن عمر حضرت عمر کے بیٹے ہیں جن میں سے ایک باپ کیساتھ ایمان لائے بلکہ یہاں تک کہ جاتے کہ سب سے پہلے پر
جو اسلام میں پیدا ہوا عبد اللہ بن عمر ہی تھے کہ سن کی وجہ سے جنگ احد میں شرکت نہیں کر سکے مگر بعد کی جنگوں میں شرکت کی۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجُل صالح کہا ہے انھوں نے کثرت سے حدیث کی روایت کی ہے چنانچہ ان کی ایک الگ سند بھی
ہے۔ بخاری نے جیسے کہ ہے جس میں ایک ہزار چھ سو تیس احادیث ہیں ۳۵۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

تم بھی مجھے دیکھ سکو گے اگے بارے میں دریافت کیا اور عرض کی کہ موسیٰ علیہ السلام تو بیت بڑے عارف باشند
میں اور عارف جب تک مشاہدے کے سمندر میں غوطہ زن نہ ہو، عارف نہیں کہلا سکتا، لہذا
بادجو کو آپ کو دائمی مشاہدہ حاصل تھا، دیدار کا سوال کیوں کیا؟ اور کیا دیدار سے مشاہدے میں کچھ اضافہ
ہو جاتا ہے۔

فرمایا کہ اہل مشاہدہ کو ذات باری کا مشاہدہ افعال باری سے خالی اور صاف ہو کر صرف اسی صورت
میں ہو سکتا ہے جبکہ باری تعالیٰ اپنے افعال کو اس سے منقطع فرمائیں اور اگر ایک لحظہ کے لیے بھی کسی
ذات سے افعال باری منقطع ہو جائیں تو وہ ذات باقی نہیں رہ سکتی اور دنیا کا نظام درہم برہم ہو
جائے گا لہذا ہر چیز جو دنیا میں پائی جاتی ہے اس میں اللہ کا فعل پایا جاتا ہے۔ یہی اس کا مادہ اور زندگی
کا سبب ہے اور یہی حجاب بنا ہوا ہے اس ذات خالی اور ذات باری کے درمیان۔ اور اگر حق تعالیٰ
اپنے افعال کو ذات خالی میں حجاب نہ بنائے تو عالم کا ہر حادثہ ذات خالی میں جاسے۔ لہذا جب اہل مشاہدہ
کا مشاہدہ افعال باری سے صاف اور خالی نہ ہوا اور وہ اس طرح بن گئے جیسے آنکھ میں کنگ۔ اسی لیے
سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ اپنے فعل کو جو مانع رویت ہے قطع کر کے درمیان
سے پردہ اٹھا دے کہ ذات باری کا صاف نظارہ ہو۔ اسی پر اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اگر میں اپنے فعل کو
ذات حادث سے منقطع کروں تو اس کی ذات ہی فنا ہو جائے۔ چنانچہ دیکھو یہ پہاڑ جو تم سے اپنی ذات
کے اعتبار سے زیادہ قوی اور جسم کے لحاظ سے زیادہ سخت ہے اس سے اپنا فعل منقطع کر لیتا ہوں، دیکھو اگر
یہ اپنی حالت پر قائم و برقرار رہا تو تو بھی مجھے دیکھ کے گا۔ پس جب اللہ نے اپنی تجلی پہاڑ پر ڈالی اور
اپنے فعل کا تعلق جو اس کے لیے سلطنت ذات حق سے حجاب بنا ہوا تھا اس سے قطع فرمایا تو وہ فوراً
پارہ پار ہو گیا اور اس کے اجزاء اڑ گئے حتیٰ کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام بھی بیہوش ہو کر گر پڑے۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰۔ يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُنْثِبُ (سورۃ اعدا آیت ۲۹)

میں نے اللہ کے فرمان يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُنْثِبُ (اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور
لے اساتذہ اعلیٰ ولدہ فرماتے ہیں کہ تعجب اس بات پر ہے کہ باوجودیکہ موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے اپنا دائمی دیدار عطا
کیا تھا مگر پھر بھی ان سے انکار کیا کہ دیا (لوائح الالہ فی طبقات الاخبار جلد ۲ صفحہ ۷۱)

جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے) کے متعلق حضرت سے دریافت کیا اس لیے کہ علماء تفسیر کا اس میں بہت سا اختلاف ہے میں نے علماء کے بعض اقوال بھی نقل کیے۔

حضرت نے فرمایا میں اس آیت کی وہی تفسیر بیان کروں گا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کل سنی مثنیٰ پھر فرمایا کہ دنیا میں ہونے والے امور کے متعلق جو خیالات لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں ۱۰۰ کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ امور جو کبھی واقع نہیں ہوتے اور یَسْخُو اللہ مَا لَيْسَ لَهُ رَاللہ جو چاہتا ہے ٹا دیتا ہے (۲) اشارہ اسی طرف ہے (۲) جو امور واقع ہونے والے ہوتے ہیں جس کی لُفْ یَثْبُتُ کے لفظ سے اشارہ کیا ہے مطلب یہ ہے کہ وہ خیالات جن کا تحقق آنے والے امور سے ہوتا ہے مثلاً بارش کا اترنا آنے والے کا آنا کی حادثہ کا پیش آنا۔ ان میں سے بعض امور پیش نہیں آتے بھی خوشہ امور ہیں اور بعض صحیح ثابت ہوتے ہیں اور یہی مثبت ہیں اور اصل کتاب یعنی لوح محفوظ اللہ کے پاس ہے۔ یہی وہ ازلی علم ہے جو کبھی غلط نہیں ہوتا، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے اسی پر اعتماد کرو اور باقی سب تفسیروں کو چھوڑ دو۔ باقی سب تفسیروں کو چھوڑ دو، کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ میں نے اس سے پہلے اس آیت کی ایک اور تفسیر سنی تھی جس میں آپ نے معرفت کے حقائق بیان فرمائے تھے اس لیے فرمایا اسے بھی چھوڑ دو (واللہ تعالیٰ اعلم)۔

۲۱- وَإِذْ قَالَتِ الْمَلِئْکَةُ يَا مَرْیَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ عَلَى
نِسَاءِ الْعَالَمِیْنَ- يَا مَرْیَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَ
ارْکَعِیْ مَعَ الرَّاكِعِیْنَ- (سورۃ آل عمران- آیت ۴۳)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ یہ آیت وَإِذْ قَالَتِ الْمَلِئْکَةُ يَا مَرْیَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِیْنَ- يَا مَرْیَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرَّاكِعِیْنَ- (سورۃ آل عمران آیت ۴۳) اس وقت کو یاد کرو جب فرشتوں نے مریم سے کہا تھا اے مریم، تمہیں اللہ نے منتخب کر لیا ہے۔ تمہیں پاک بنایا ہے اور دنیا کی عورتوں پر تفلیت بخشی۔ اے مریم اپنے رب کی فرمانبرداری کرتی رہ اور سجدہ کرتی رہ اور جھکنے والوں کے ساتھ جھکتی رہ، حضرت مریم کی نبوت پر دلالت کرتی ہے اور کیا یہ کتنا درست ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ فرعون کی بیوی آسیہ سارہ، ہاجرہ اور خوانساری تھیں کیونکہ بعض علماء نے انہیں بنی کلبہ اور

بعض نے اس سے انکار کیا ہے اور بعض نے مریم علیہا السلام کی نبوت کے متعلق اجماع نقل کیا ہے اگر ایسا ہے تو دوسری عورتیں جن کے نام لیے گئے، نبوت کی زیادہ حقدار ہیں اور بعض نے مثلاً اہلسنت والجماعت کے رئیس شیخ (ابوالحسن) اشعریؒ نے توقف کیا ہے یعنی نہ اقرار کیا ہے نہ انکار۔

پلے فریق کا استدلال یہ ہے کہ فرشتہ کا نزول صرف نبی پر ہوتا ہے اور اس آیت میں تصریح بیان کیا گیا ہے کہ فرشتہ کا نزول مریم پر ہوا (لہذا نبوت ثابت ہوگئی) اسی فریق نے نبی اور دل کے درمیان یہی فرق بتایا ہے کہ نبی پر فرشتہ اترتا ہے اور دل پر الہام ہوتا ہے فرشتہ نہیں اترتا۔

حضرت نے فرمایا: دوسرے فریق کا قول صحیح ہے کہ عورتوں میں سے کوئی عورت نبی نہیں ہوتی اور نہ ہی اللہ نے عورتوں میں سے کسی کو نبی بنایا۔ مریم نبی نہ تھیں صدیقہ اور ولیہ کا ملکہ تھیں۔ اگرچہ نبوت اور ولایت میں یہ بات مشترک ہے کہ ہر ایک انوار الہی میں سے نور ہے اور سر ہے اسرار الہی میں سے مگر دونوں کے نور میں بہت فرق ہے اور اس فرق کی حقیقت کا علم کشف ہی سے ہو سکتا ہے مگر نور نبوت اصل ہے ذاتی ہے حقیقی ہے اور ذات نبی کے ساتھ اصل خلقت میں پیدا ہوتا ہے اسی لیے نبی ہر حالت میں معصوم ہوتا ہے اور نور ولایت ایسا نہیں ہوتا کیونکہ صاحب نفع انسان جب کسی ایسے انسان کو دیکھتا ہے جو آئندہ دل ہونے والا ہو تو وہ اسے باقی لوگوں کی طرح نظر سے خالی دیکھتا ہے۔ لیکن اگر وہ کسی ایسے شخص کو دیکھ لے جو آئندہ نبی ہونے والا ہے تو وہ اس کی ذات میں پہلے ہی سے نور نبوت دیکھتا ہے اور ذات نبی کی طبیعت میں وہ ساتواں اجزاء نبوت فطری طور پر موجود پاتا ہے جن کا تذکرہ حدیث اُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَبٍ میں کیا جا چکا ہے لہذا نور نبوت کا مالک طبعی طور پر حق گو ہوتا ہے خواہ حق کتنا ہی مخ کیوں نہ ہو نیز صاحب ہوتا ہے اور اسے مبرا کرنے میں کوئی دھکا اور تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ رحیم کامل ہوتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی استدر معرفت ہوتی ہے جتنی کہ ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہے اسے خوف تام ہوتا ہے کہ خوف باطنی کے ساتھ خوف ظاہری ملا ہو تاکہ ہر حالت میں یہ خوف قائم رہے۔ باطن سے ہمیشہ بغض رکھتا ہے اور کامل عقوبت میں اس کی فطرت میں ہوتا ہے تاکہ جو اس سے قطع تعلق کرے یہ اس سے جوڑے اور جو نقصان پہنچائے یہ اسے نفع پہنچائے۔ یہ نبوت کی خصوصیات اور وہ سات اجزاء میں جو نبی کی فطرت میں شامل ہو۔ یہی نفع ہے بھی اور بعد بھی۔

۱۔ شیخ ابوالحسن اشعریؒ: اصل نام علی بن اسماعیل تھا اور ابو موسیٰ اشعری کی اولاد میں سے تھے ان کی پیدائش ۲۸۴ھ بمطابق ۸۹۷ء میں بصرہ میں ہوئی۔

قصہ میں کیونکہ فرشتہ امرے کر آیا حالانکہ وہ نیتہ نہیں ہیں جیسا کہ ذکر ہو چکا۔ جو کچھ ہم نے حضرت سے اس بارے میں سنا اگر ہم اس کا افشا کریں تو یہ طلبین کے لیے نشان اور رغبت کرنے والوں کے لیے سہارا ہوگا مگر یہ ایک راز ہے جس کا افشا کرنا روا نہیں۔

اہل فتح کو کن باتوں

کا مشاہدہ ہوتا ہے

مگر میں یہاں شیخ کے علوم میں سے دو باتیں ذکر کر دیتا چاہتا ہوں:

(۱) وہ چند چیزیں جن کا مشاہدہ اہل فتح کیا کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا

کہ مقام اول میں جن امور کا مشاہدہ ہوتا ہے وہ یہ ہیں (۱) بندوں

کے افعال جن کو وہ غفلت میں کرتے ہیں (۲) ساتوں زمین اور ساتوں آسمان کا مشاہدہ (۳) اس آگ

کا مشاہدہ جو پانچویں زمین میں ہے اور اس کے علاوہ ان تمام اشیاء کا مشاہدہ جو زمین اور آسمان میں ہیں

اور فرمایا یہ آگ برزخ کی آگ ہے اس لیے کہ برزخ ساتویں آسمان سے لے کر ساتویں زمین تک پھیلا ہوا

ہے اور وہیں اپنے اجسام سے نکلنے کے بعد اپنے اپنے درجہ کے مطابق اسی برزخ میں رہتی ہیں اور اہل

شفاعت کہ وہیں اس آگ میں رہتی ہیں اس کی شکل تنگ مکانات مثلاً کنودوں، غاروں اور گھونسلوں

کی سی ہے یہاں کے رہنے والے ہمیشہ کبھی نیچے کبھی اوپر ہوتے رہتے ہیں کہ اوپر اگر تم سے ایک بات کہے گا

اور ابھی پوری کرنے نہ پائے گا کہ اپنے گراے میں گر جائے گا اور فرمایا یہ آگ جہنم کی آگ نہیں اس لیے

کہ جہنم کی آگ آسمان اور ساتوں زمین کے گڑے سے باہر ہے اور اسی طرح جنت بھی۔

(۴) ساتویں زمینوں کے باہمی اشتباک اور ان میں جو مفقوتات آباد ہے ان کا مشاہدہ کہ ایک

زمین سے دوسری تک کیسے نکلیں گے اور ہر زمین کا ماہ الاقمار کیا ہے جو دوسری میں نہیں پایا جاتا۔

۵۔ ساتویں آسمانوں کے باہمی اشتباک کا مشاہدہ کہ ایک دوسرے سے کس طرح ملا ہے اور آپس میں

ان کی کیا نسبت ہے اور ان میں ستارے کس طرح رکھے گئے ہیں۔

۶۔ شیاطین کا مشاہدہ کہ ان کے توالد و تناسل کی کیا صورت ہے۔

۷۔ جنات کا مشاہدہ اور یہ کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔

۸۔ شمس و قمر اور ستاروں کی رفتار اور ان خوفناک آوازوں کا مشاہدہ جو فوراً ہلاک کر دیں۔

مثلاً صاعقہ کیونکہ یہ ہمیشہ ان کے کانوں میں پڑتی رہتی ہیں اور صاحب فتح کو چاہیے کہ وہ ان مشاہدات

کو بڑی چیز سمجھے بلکہ معمول سمجھے ورنہ یہیں ٹھہر جائے گا بلکہ وہ رجعت تعمیری کرنے لگے گا اس

لیے کہ فتح کے زمانے میں طبیعت شفاف ہوتی ہے اور وہ جس چیز کو اچھا سمجھتی ہے اس کے پارتک

اسے دیکھ لیتی ہے اور یہ تمام چیزیں جن کا مشاہدہ ہوتا ہے چونکہ ظلمت اور تاریکیاں ہیں اس لیے

ان میں اگر کہیں بھی ٹھہر گیا تو تاریکیوں میں ٹھہرا اور اللہ سے تعلق منقطع ہو جائے گا اسی لیے تو وہ دل جنہیں نفع حاصل نہیں ہوتا بڑے محفوظ مقام میں ہوتے ہیں اور مفتوح علیہ انتہا خطرے میں ہوتا ہے ہاں مگر جنہیں اللہ محفوظ رکھے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں طبیعتِ انسانی نفع سے پٹے اللہ سے غافل ہو کر درہم و دینار اور عورتوں کا تذکرہ ہی کیا، بادام، منقہ اور چنے کے دانہ پر فریقت اور مشغول ہو جاتی ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ نفع کے بعد جب اسے عالمِ بالا دُور کا مشاہدہ ہونے لگے اور پھر شیا ملین ہر اس بات میں اس کی مدد کو تیار ہوں جس کی وہ خواہش کرے اور وہ فریقت نہ ہو۔ اللہ کی مدد کے بغیر کوئی بھی اس سے بچ نہیں سکتا۔

نیز فرمایا جو دل ان مذکورہ بالا چیزوں سے کسی ایک چیز پر بھی ٹھہر گیا تو شیا ملین ہر وقت اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوتے ہیں اور وہ یا جادو گر بن جاتے ہیں یا کاہن۔ خدا ہمیں اس سے بچائے مگر جس پر اللہ کی رحمت ہو اسے اللہ اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس کے دل میں ایسا دل شوق پیدا کرتا ہے جس سے وہ ان تمام پر دوں کو بھاڑ دیتا ہے۔

دوسرے مقام کے مشاہدات | دوسرے مقام میں جو مشاہدات اسے حاصل ہوتے ہیں وہ یہ ہیں :-

جیسے مقامِ اول میں اسے امورِ ظہانی اور خانی مشاہدہ کرائے گئے تھے، اسی طرح دوسرے مقام میں اسے انوارِ باقیہ کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے چنانچہ اسے عام فرشتے، محافظ فرشتے، دیوانِ اولیاء اور انِ اولیاء کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے جو آپ کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور آپ کے طرز پر چلتے ہیں، پھر حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کا مقام پھر حضرت ادریس اور ان کے ساتھیوں کا مقام پھر حضرت یوسف اور ان کے ساتھیوں کا مقام پھر تین قدیم رسولوں کا مقام جن میں سے کچھ حضرت ادریس سے پہلے اور کچھ بعد ہوئے اور جن کے نام لوگوں میں مشہور نہیں مشاہدہ کرائے جاتے ہیں۔ اگر مذکورہ بالا انبیاء کے مقامات کی تشریح کر دی اور یہ بھی بیان کر دیں کہ فرشتوں کو اپنی اصل صورت میں کیسے دیکھا جاتا ہے تو سننے والا ایسی باتیں سنے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھیں۔ ان امور کے مشاہدہ کرنے والے کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ کہیں نہ ٹھہرے اور وجہ یہ ہے کہ اس کی طبیعت شفاف ہوتی ہے اور جب کسی مقام پر ٹھہر جاتی ہے تو اس کی طبیعت دہاں کے اسرار پل جاتی ہے چنانچہ مثلاً اگر مقامِ عیسیٰ پر ٹھہر گیا اور اسے پسند کر لیا تو اس کے اسرار سے سیر ہو گا اور نورِ انہی کا مذہب اختیار کرے گا اور ملتِ اسلامیہ میں سے نکل جائے گا خدا بچائے۔ صاحبِ نفع ہر وقت بڑے خطرے اور

حاکم کے قریب ہوتا ہے جب تک مقام محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ نہ کرے، اس مقام کے مشاہدہ کرنے کے بعد اسے ہر طرح کی راحت و سرور حاصل ہو جاتا ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ایک قوت ہے جو تمام مخلوقات میں سے آپ کے ساتھ خاص ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف کیجیج لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اعزّ المخلوقات اور افضل العالمین ہیں۔ جب صاحب فتح مقام محمدی پر پہنچتا ہے تو اللہ کی طرف اس کی کشش بڑھ جاتی ہے اور وہ اللہ سے بے تعلق ہونے سے بچ جاتا ہے اس میں اور راز بھی ہیں جن کا علم ارباب فتح کو ہوتا ہے خدا ہمیں ان میں سے بنائے اور ان کی برکت سے ہمیں محروم نہ کرے۔

تیسرا مقام: اس مقام پر صاحب فتح مذکورہ بالا انوار میں تقدیر کے اسرار مشاہدہ کرتا ہے چونکہ مقام: چوتھے مقام میں اس نور کا مشاہدہ ہوتا ہے جس پر فعل الہی منبسط اور گھل مل گیا ہے جیسا کہ پانی میں زہر۔ چنانچہ فعل بھرنے کے بہت اور نور نازل پانی کے ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر بہت سے لوگوں کو دھوکا لگ جاتا ہے چنانچہ وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ نور نور الہی ہے حالانکہ وہ اس سے بدرجہا بلند و برتر ہے۔

پانچواں مقام: پانچویں مقام میں فعل الہی کی اس نور سے علیحدگی کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ نور نور نکل آتا ہے اور فعل فعل، اس وقت اپنی غلطی کو محسوس کرتا اور سمجھتا ہے کہ اس کا پہلا گمان غلط تھا۔ ہم نے مقامات کے نام اور ان کے معانی کی تشریح اور تمام اقسام کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ ہماری غرض صاحب فتح کو چمکاتا کرنا ہے جو بحمد اللہ حاصل ہو چکا۔ مزید برآں ان کی تشریح میں وہ اسرار پائے جاتے ہیں جن کا ذکر صاحب فتح سے بالمشافہ کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ دوسری بات جس کا ذکر کرنا مناسب ہے کہ نبی اور ولی کے درمیان جو فرق ہے وہ تو معلوم ہو چکا ہے اب رہا نبی اور فرشتے میں فرق سو یہ ہے کہ فرشتے کی ذات نورانی ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عقل و حواس رکھ دیے ہیں۔

میں نے حضرت کو فرماتے سنا کہ ہر فرشتے کی ذات میں پانچ سر ہوتے ہیں ہر سر کا دایاں، بایاں اور اوپر ہے۔ چنانچہ اوپر نومذہب ہیں اور ہر سر میں کل تریسٹھ منہ ہوتے اور تریسٹھ کو پانچ میں ضرب دینے سے ۲۱۵ منہ اور ہر منہ میں کسی فرشتہ کی تین زبانیں ہوتی ہیں کسی کی پانچ اور کسی کی سات۔ تین زبانوں کے

۱۔ یہاں کچھ عبارت رد مکتبی ہے جس سے معنی میں نقل پیدا ہو گیا ہے۔

اعتبار سے ضرب دینے سے کل زبانیں ۹۲۵ اور پانچ کے اعتبار سے ۱۵۰۵ اور سات کے اعتبار سے ضرب دینے سے ۱۲۰۵ زبانیں ہوئیں چنانچہ جب کوئی فرشتہ کوئی کلمہ بھی منہ سے نکالتا ہے تو اس کی آواز ان تمام زبانوں سے نکلتی ہے۔ پاک ہے وہ خدا جو علقا عظیم ہے۔

لہذا اگر اللہ تعالیٰ مزید طاقت سے صاحبِ فتح کی تائید نہ فرمائیں تو فرشتہ کی آواز اس کی آواز سے بول پھٹ جائے اور اگر وہ فرشتہ کو اپنی اصل خلقت میں دیکھے تو خیال کر لو کہ کیا ہو جائے گا۔ جب یہ سُن پکے تو اب سمجھ لو کہ فرشتہ کی ذات ایک صاف نور ہے جس میں عقل اور حواس مرکب ہیں تو اس کی مثال روح کی سی ہوئی کیونکہ وہ بھی نور سے پیدا ہوتی ہے اور اس میں عقل ہوتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی پہچان ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ طاقتیں بھی ہوتی ہیں جن کا ذکر روح کے سات اجزاء میں گزر چکا ہے اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ ساتوں علوم اس کے فطری ہیں جو اس کی اصل پیدائش میں شامل ہیں۔ پس یہی حال فرشتہ کا ہے کہ اسے شروع سے ہی فتح نصیب ہوتی ہے۔

مگر نبی کی ذات مٹی سے پیدا ہوتی ہوتی ہے اور اس مٹی کے جسم میں روح کو جمع اس کے ارادے کے پوشیدہ کیا گیا ہوتا ہے اور مٹی کی فطرت حجاب کی متقاضی ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء پیدائش میں ہی نبی کی ذات کو نورِ نبوت سے تقویت دی ہوتی ہے اس لیے اس سے غلٹ زائل ہو جاتی ہے اور حجاب پتلا پڑ جاتا ہے اس نبی کی مثال اس شخص کی ہے جو ہمیشہ حق کا جلس و مہنوا ہو، اللہ کے قریب اس کی ہر حرکت و بیان بھی حق میں ہوتا ہے اس کی خاموشی حق پر ہوگی اور گفتگو حق کیساتھ اس کے تمام امور حق ہوتے ہیں یہاں تک کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ ایسی قوم میں پیدا ہوا ہو جس کی تربیت گمراہی پر ہوئی ہو تب بھی محض اس حق کی وجہ سے جو اس کی ذات کے اندر ہے ان سے رٹے گا اور ان کی تمام حرکات و سکنات میں ان کی مخالفت کرے گا خواہ اس نے نہ شریعت کا نام سنا ہو اور نہ امر و نہی کا۔ فتح سے پہلے اور اپنی اصل پیدائش اور ابتداء میں ہر نبی کا یہی حال ہوتا ہے لیکن جب اسے فتح حاصل ہو جائے اور روح اور ذات کے درمیان حجاب کلیتہً زائل ہو جائے اور ہر وقت خدا کی حضوری میں رہنے لگے تب تو اس کے موزن سمندر اور بحیرے کو ان کا حال نہ پوچھ اس وقت نہ کوئی فرشتہ اور نہ کوئی اور مخلوق اس کی طاقت رکھ سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲۔ وَذَٰلِ السُّنُونِ اِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ

(سورۃ انبیاء آیت ۴۷)

میں نے حضرت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَذَٰلِ السُّنُونِ اِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ (اور ذوالنون کو یاد کرو جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلے اور خیال کیا کہ ہم ان پر عذاب کرنے کی قدرت نہ رکھ سکیں گے) کیسے ہو سکتا ہے کہ ذوالنون (یونس علیہ السلام) یہ خیال کریں کہ اللہ تعالیٰ ان پر قدرت نہ رکھ سکیں گے اور یہ کہ وہ پروردگار کے اطاعت قدرت سے نکل جائیں گے کیونکہ اس خیال کا ان کا نزدیک ترین موقع سے بھی بعید معلوم ہوتا ہے چہ جائیکہ نبی یا مرسل سے۔

حضرت نے فرمایا مُغَاضِبًا کے معنی "ان پر ناراض ہو کر" کے ہیں کیونکہ انھوں نے ان پر ایمان لانے اور ان کی اس اطاعت کو ترک کر دیا تھا جس میں ان کی ہدایت اور بہتری تھی کہ ان پر اللہ کا حکم اور عذاب اس قدر قریب آگیا کہ دیکھنے والا بھی اسے دیکھ کے اس لیے کہ عذاب ان کے گھروں کے اوپر آچکا تھا چنانچہ جب حضرت یونس نے یہ دیکھی تو وہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی میں چلے گئے۔

ربا اللہ تعالیٰ کا فرمان فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے یہ خیال کیا کہ ہم اسے اسی عذاب سے ہلاک نہ کریں گے جس سے ان لوگوں کو ہلاک کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انھوں نے عذاب کے علامات دیکھے تو اس خیال سے بھاگ نکلیں کہ بچ جائیں گے اور وہ خدا جو ان کی قوم پر آیا ہے ان پر نہ آئے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کو آگ نظر آوے کہ سامنے سے آ رہی ہے اور سب لوگ اس کی زد میں آ رہے ہیں یا پانی کا سیلاب دیکھے کہ اس کے سامنے جو آیا بچ نہ سکا تو وہ اس خیال سے بھاگے کہ بھاگ جانے سے وہ اس آگ اور سیلاب سے بچ نکلے گا۔ حضرت یونس کی یہی حالت تھی کیونکہ جب انھوں نے اپنی قوم پر عذاب اترتا ہوا دیکھا اور خیال کیا کہ اگر وہ ان کے ساتھ رہ جائیں گے تو ان پر بھی وہی عذاب نازل ہوگا جو ان پر نازل ہوا ہے اس لیے یہ خیال کرتے ہوئے کہ بھاگ جانے سے جو عذاب ان پر اتر رہا ہے ان پر نہ اترے گا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک اور قسم کی قدرت دکھائی جو ان کے گمان میں بھی نہ تھی، جب انھوں نے یہ قدرت دیکھی تو تارکیبوں میں ہی پکاراٹھے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے۔ میں نے ہی اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو نجات دی۔ ان کے بعد یہ واقعات صیحت حاصل کرنے والوں کے لیے کہ شتمہ قدرت بنا۔ تو بہ کرنے والوں کے لیے نمونہ بنا اور مصیبت زدہ لوگوں کے لیے تسلی کا سبب بنا اور سائبین کے لیے کشائش کار وازہ

کھلا کہ ارشاد ہوتا ہے تَجِدُنَا مِنْ الْغَنَةِ وَكَذَلِكَ تَجِدُنَا مِنَ الْفُقَرَاءِ (ہم نے اسے غم سے نجات دی اور ہم مومن کو اسی طرح نجات دیتے ہیں) لہذا حضرت یونسؑ کا فرار اس خیال سے تھا کہ وہ اس عذاب سے بچ جائیں، جو ان کی قوم پر نازل ہونے والا تھا۔ اس خیال سے نہ تھا کہ وہ خدا کی قدرت کو عاجز کر دیں گے اور اپنے آقا کے احاطے سے باہر چلے جائیں گے۔

نوٹ: کتاب ہے کہ یہ تفسیر بہترین تفسیر ہے جو اس آیت کے بارے میں بیان کی گئی کیونکہ مفسرین نے کئی وجوہ بیان کیے ہیں جن پر غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ حضرت کی بیان کردہ تفسیر ان سب سے بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳۔ وَالْيُوسُفَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسْنِي الصُّرُورَ ۖ

الْزَّاحِمِينَ (سورہ انبیاء آیت ۸۳)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آیت یُوسُفَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسْنِي الصُّرُورَ ۖ الزَّاحِمِينَ (اور الیوب کو یاد کرو جب انھوں نے اپنے رب کو پکار کر عرض کی خدایا میں تکلیف میں ہوں اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے) میں مقرر کیا مراد ہے اور اس کی تفسیر میں مفسرین نے جو حضرت الیوبؑ کے بیمار ہونے کا جو ذکر کیا ہے درست ہے؟ اسی طرح ان کی بیماری کی طویل مدت جو بیان کی جاتی ہے کیا وہ درست ہے؟ اور حافظ ابن حجرؒ نے جو کچھ اپنی کتاب فتح میں انبیاء کی احادیث دی ہیں ان کا بھی میں نے ذکر کیا جو اس بیان کو پڑھنا چاہے حضرت الیوب علیہ السلام کے بیان میں پڑھے۔

حضرت نے فرمایا جو تکلیف حضرت الیوب علیہ السلام کو پہنچی وہ غیر اللہ کی طرف توجہ تھی اور انبیاء و مرسلین کے نزدیک سب سے بڑی تکلیف یہی ہے۔ اسی تکلیف کو دور کرنے کی درخواست حضرت الیوب علیہ السلام نے اپنے رب سے کی تھی۔ بدنی مرض کو دور کرنے کی یہ دعا نہ کی تھی کیونکہ یہ تو انہیں اللہ سے اور قریب کر رہی تھی اور جو چیز آپ کو اپنے رب سے دور کر رہی تھی وہ غیر اللہ کی طرف توجہ اور اللہ سے قطع تعلق خواہ وہ ایک لمحہ کے لیے کیوں نہ ہو۔ کی تکلیف تھی جس مرض کا ذکر مفسرین اور مورتین نے کیا ہے وہ قطعاً ہوا ہی نہیں اور مدت مرض بھی صرف دو ماہ اور چند روز ہے۔ حضرت نے ان دنوں کی بھی تعیین کر دی، لیکن مجھے بھول گئے کہ کتنے فرماتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۴۔ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَ

نَحْشُرُكَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ اَعْمٰی۔ (سورہ طہ آیت ۱۷۴)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آیت وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُكَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ اَعْمٰی (جس نے میری یاد سے منہ موڑا، اس کی زندگی تنگ ہوگی اور قیامت کے دن اسے اندھا اٹھایا جائے گا) میں معیشۃ ضنک سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ اگر تنگدستی مراد ل جائے تو معاملہ شکوک ہو جاتا ہے کیونکہ بہت سے کافر مالدار دیکھے گئے ہیں۔ ان کی معاش فراخ ہوتی نہ کہ تنگ اور آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ کے ذکر سے اعراض کرے گا اس کی زندگی تنگ ہوگی۔

حضرت نے فرمایا: ذات انسانی پر جو حالات آخرت میں پیش آئیں گے ان کا اثر دنیا ہی میں عقلوں پر ظاہر ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کافر جہنم میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ لہذا کوئی گھڑی بھی کافر پر ایسی نہیں گزرتی ہے کہ اس کے دل پر غم نہ ظاہر ہو کیونکہ اس کے دل پر دوسرے ظاری رہتے ہیں اور دوسروں سے غم کی تحریک ہوتی ہے جو اس کی زندگی کو کمزور کر دیتے ہیں۔ ادنیٰ ترین دوسرہ یہ ہے کہ اسے یہ خیال آئے کہ آیا میں صحیح مذہب پر ہوں یا نہیں اسی خیال کو اللہ کافروں کے دلوں پر ڈالتا ہے اور اسی سے ان کی زندگی تنگ ہوتی ہے۔ خواہ کس قدر مالدار اور بادشاہ ہی کیوں نہ ہوں۔ لہذا تنگی سے مراد دل کی تنگی ہے نہ کہ ہاتھ کی۔ اس لیے جس کے پاس وسیع دنیا ہو اور اسے معلوم ہو جائے کہ اسے آخر کار جہنم میں جانا ہے تو اس کی زندگی تنگ ہوگی۔

مؤلف کہتا ہے کہ شیخ نے نہایت خوب کہا۔ بیضاوی نے زندگی کی تنگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی زندگی اس لیے تنگ ہوگی کہ اس کا سارا غم اور اس کی نگاہ ہر وقت دنیا کے سامان پر لگی ہوگی اور اس کے زیادہ چاہنے کا سخت حوصلہ ہوگا اور اس میں کمی واقع ہونے سے ڈرتا ہوگا برنٹلان مومن کے جو آخرت کا طالب ہوتا ہے۔

مؤلف کہتا ہے کہ ایک فقیہ نے مجھے بتایا کہ کفار نے اسے سات سال قید میں رکھا اور میں اس تمام عرصہ میں ان سے مناظرہ کرتا رہا۔ میں ان کو مدت تنگ آزماتا رہا اور ان سے بہت گفتگو کی میان تنگ کو مجھے معلوم ہو گیا کہ ان میں اکثر لوگ اپنے مذہب کے متعلق شک و شبہ میں ہیں۔ ان کے دل کی بیماری کی مثال ایسی ہے جیسے ایک مارش کا مریض جو جو کھانے والے کی تلاش میں ہو لہذا جب انہیں کسی مسلمان طالب علم کا پتہ چلتا تو دوڑ کر اس کے پاس جاتے۔ اس سے سوال اور بحث کرتے پھر اس کی سہول کی گفتگو سے یہ کافر اس مسلمان

کے جال میں پھنس جاتے۔ یہ تو ان کے متوسط درجے کے لوگوں کا حال ہے۔ اب رہے ان کے بزرگ اور پادری اور ان کے اہل راستے سو کانی عرصہ تک ان کو آزمائے اور ان سے مناظرہ کرنے کے بعد مجھے ہوا کہ ان کی اپنی گراہی کا پورا یقین ہے۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰی الْاَضْرَآءِ۔ فقیدہ کہتا ہے کہ میں ان سے مناظرہ کرتا رہا حتیٰ کہ انھوں نے ذکر کیا کہ فلاں جگہ ان کا ایک عالم ہے کہ کُتُب سابقہ کا علم چٹا چلتا اب اس تک پہنچا ہے۔ میں اس کے پاس گیا تو اسے بحر بے کراں پایا۔ اسے تورات، انجیل، زبور اور قرآن مجید کی آیات یاد تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث بھی یاد تھیں اور امر و النہی کندی کے کچھ اشعار بھی یاد تھے۔ میں نے اس سے کہا میں تجھ سے ایک بات پوچھنے آیا ہوں جس نے مجھے سخت غمزدہ اور پریشان کر رکھا کہ ذرات کو نیند ہے نہ دن کو قرار۔ کہا وہ کونسی بات ہے؟ میں نے کہا جب تک میں اسلامی ملک میں رہا میں یہی سناتا رہا کہ دین اسلام سچا دین ہے اور عیسائی مذہب باطل ہے لیکن جب سے تہذیب ملک میں آیا ہوں معاملہ برعکس ہو گیا ہے اور میں ہر جگہ یہی سنتا ہوں کہ عیسائی مذہب سچا مذہب ہے اور دین اسلام باطل ہے اور میں نے یوں ظاہر کیا کہ مجھے مذہب کے بارے میں شک پیدا ہو گیا ہے میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ عیسائیوں کا سب سے بڑا عالم کون ہے سب نے بالاتفاق آپ کا نام لیا اور آپ کے سب سے زیادہ عالم ہونے اور سردار ہونے میں کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جاہل پر فرض کیا ہے کہ وہ عالم سے پوچھے لہذا میں چاہتا ہوں کہ آپ بتائیں کہ آپ کے نزدیک حق بات کیا ہے تاکہ میں قیامت کے دن اللہ اور اپنے درمیان آپ کے جواب کو حجت بنا سکوں۔ میں جاہل ہوں اور آپ عالم۔ اللہ تعالیٰ نے جاہل پر پوچھنا فرض کیا ہے اور عالم پر حق گوئی اور اللہ کے واسطے مخلوق کی خیر خواہی۔ میرے سوال کا اس پر بہت اثر ہوا اور وہ اپنا ماتھا ہتھیلی پر رکھ کر دیر تک خاموش رہا اور عیسائیوں کا ایک ہجوم اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ پھر اس نے اپنا ماتھا یا اور میرے کان میں چپکے سے کہا اسلام کے سوا کوئی مذہب نہیں۔ یہی وہ حق مذہب ہے جس کے سوا کسی اور مذہب کو اللہ تعالیٰ قبول نہ کرے گا اور پیشتر اس کے کہ میرے جواب کا علم عیسائیوں کو نہجائے، تو یہاں سے اٹھ کر چلا جا۔ اس کے بعد اس فقید نے ان مناظرات کا ذکر جو اسے یہود و نصاریٰ کے عالموں سے کئے جن کا یہاں ذکر کرنا ہماری غرض سے باہر ہے اور میرا مقصد صرف شیخ

۱۔ امر و النہی کنند: زمانہ جاہلیت میں عربی زبان کا بند پارہ شاعر تقریباً منسلک میں اس کی ذرات انگریز کے منہم پر ہوئی۔

کے زمان کی تائید کرتا تھا اور جو شخص یہود و نصاریٰ سے مناظرہ کرے گا اسے شیخ کے فرمودہ کا علم ہو جائیگا
میں نے بھی یہودی علماء سے بحث کی آخر کار مجھے علم ہو گیا کہ انھیں اپنے باطل پر ہونے کا یقین ہے اور
ہٹ دھرمی اور اپنی قوم میں رسوائی کے خوف کے سوا کوئی اور چیز انھیں اسلام لانے سے مانع نہیں۔
یہ ایک طویل مناظرہ تھا جس میں ہمارے فقہاء اور قراء کی ایک جماعت نے شرکت کی اور یہودیوں کے
ساتھ بھی کچھ یہودی آئے۔ اسی طرح میں نے ایک عیسائی سے گفتگو کی، لیکن میں نے اس کے پاس کچھ بھی نہ
پایا۔ اس بارے میں بہت سی حکایات پائی جاتی ہیں جو ان کا مطالعہ کرنا چاہے وہ عبداللہ میروتی کی تحفۃ
الادیب فی الود علی اهل الصلیب کا مطالعہ کرے۔ عبداللہ میروتی عیسائیوں کا عالم تھا جو مسلمان
ہو گیا تھا۔ اسی طرح عبدالحق اسلامی کی تالیفات دیکھیں۔ یہ ایک یہودی عالم تھے جو مسلمان ہو گئے تھے اسی
طرح نصاریٰ کے روہیں ابوالعباس قرطبی کی تالیف ہے جس میں عجیب و غریب باتیں دی ہیں اور اس کی
ضمیمت میں جزو کے قریب ہے۔ جو شخص ان باتوں کا مطالعہ کرے اور پھر اسے عیسائیوں اور یہودیوں سے
ملنے کا اتفاق ہو تو اسے یقینی طور پر معلوم ہو جائے گا کہ ان کے دلوں میں شک کا مرض ہے اور اس بات کا یقین
ہے کہ وہ گمراہی پر ہیں۔

۲۵۔ وَهَمَّ بِهَا نُولًا اِنْ رَا بُرْهَانَ رَبِّهٖ (سورۃ یوسف آیت ۲۴)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آیت وَهَمَّ بِهَا نُولًا بُرْهَانَ رَبِّهٖ میں جو هَمَّ بِهَا
فرمایا اس سے کیا مراد ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کس بات کا ارادہ کیا تھا؟

فرمایا کہ انھوں نے زینما کو مارنے کا ارادہ کیا تھا۔ پھر میں نے جو کچھ مفسرین نے اس بارے میں بیان کیا
ہے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے سستی ہے اس کا انکار کیا اور فرمایا کہ پھر عصمت کہاں رہی؟ ایک
دل کو جب فتح نصیب ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بشر تاریکیوں کی جڑیں نکال پھینکتا ہے جن میں
بعض سے جھوٹ، بعض سے تکبر، بعض سے ریا، بعض سے حب دنیا بعض سے شہوت و محبت زنا وغیرہ وغیرہ
بری باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ حال دل کا ہے جس کی فطرت ہی عصمت پر مبنی ہوتی ہے اور اس پر ہر ایک

۱۔ عبداللہ میروتی: عبداللہ بن عبداللہ الزحمان ان کی کتاب تحفۃ الادیب فی الزو علی اهل الصلیب نو بابوں میں
لکھی گئی ہے۔ میروتی نے اسے ۲۳ ج ۲۴ ج میں مکمل کیا۔ اس وقت تونس کا حاکم ابوالعباس احمد تھا۔

۲۔ عبدالحق اسلامی: ان کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

۳۔ ابوالعباس قرطبی: ابوالعباس احمد بن مسعود القرطبی الخ زرجی متوفی ۳۹۰ھ

تربیت ہوئی ہوتی ہے اس کا تو کیا ہی کہنا۔

پھر فرمایا کبھی دل اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کی نگاہ میں مہل شہوت (یعنی فرج) اور دوسری جگہ ایک میس ہوتی ہے یہاں تک کہ عورت کی فرج اور یہ پتھر۔ آپ کا اشارہ اس پتھر کی طرف تھا جو آپ کے سامنے پڑا تھا۔ ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ صاحب فرج سے اور تو اور عورت کے رحم کی چیزیں تک مخفی نہیں رہتیں۔ وہ اند کے اس نور سے دیکھتا ہے جس کے پاس شیطان پتھک نہیں سکتا اور جکے ہوتے ہوئے کسی قسم کی تاریکی نہیں آتی۔ جب دل کا یہ حال ہے تو نبی معصوم کی کیا کیفیت ہوگی۔ خدا ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے جو نبوت کے حق کو سمجھتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۶۔ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا (سورۃ نساء: آیت ۶۴)

میں نے حضرت سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا (اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا) کیا یہ حضرت موسیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور بڑے بڑے موفی مکالمہ کا جو ذکر کرتے ہیں حق ہے؛ مثلاً حضرت عارف باللہ ابوالحسن شاذلی حزب کبیر میں فرماتے ہیں ہمیں ایسا شاہدہ عطا کیا گیا ہے جس کے ساتھ مکالمہ بھی ہے۔

فرمایا: شیخ ابوالحسن اور دیگر موفی نے مکالمہ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے حق ہے، اس میں کوئی شک نہیں اور یہ آیت شریفہ کے خلاف بھی نہیں ہے اس لیے کہ آیت میں حصر نہیں پایا جاتا۔

پھر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کی مفتوح علیہ پر رحمت ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس طریقے سے سنتا ہے جو عارفی عادت ہوتا ہے چنانچہ وہ اسے بغیر حرف اور بغیر آواز کے سنتا ہے نہ کسی کیفیت کا ادراک ہوتا ہے اور نہ کسی خاص جہت سے سماع ہوتا ہے بلکہ تمام جہات اور تمام اجزاء سے سنتا ہے اور جس طرح سماع کے لیے کوئی مخصوص جہت نہیں ہوتی اسی طرح کسی عضو کی بھی تخصیص نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے تمام حواس پر اور تمام اجزاء سے سنتا ہے لہذا ہر جزو، ہر جوہر، ہر دانہ، ہر ذرہ سے سماع ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کا سارا جسم ہنزلہ کان کے بن جاتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے بتایا کہ اہل فتح کے ہاں یہ سماع بھی اپنے اپنے مراتب کے مطابق مختلف ہوتا ہے جس کا ذکر کرنا مناسب نہیں۔ خدا ہمیں اس سے مستفیض کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰۔ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا

مِنَ الصَّلَاةِ (سورۃ نساء آیت ۱۰۱)

میں نے حضرت سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ اِنْ جُفْتُمْ اَنْ يَغْتَنِبَكُمْ الْاَنْفَالُ اِنْ اَنْفَالُكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا رجب تم سفر کو جاؤ تو اگر تمہیں اس بات کا خطرہ ہو کہ کافر تمہیں تکلیف پہنچائیں گے تو کوئی حرج نہیں اگر تم نماز کو کم کر دو۔ بیچ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں اور عرض کیا خوف کی حالت کی قید لگانے کی کیا وجہ ہے حالانکہ امن کی حالت میں بھی قصر جائز ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ یہ قید مفہوم مخالف کے خارج کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ اس بات کی تفریق کر دی جائے کہ خوف کی حالت میں قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں نیز اس بات کی تنبیہ کرنا ہے کہ خوف کی حالت کو بھی اس حکم میں شامل کر لو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام جب جہاد کے لیے جاتے تو اس خیال سے کہیں یہ زندگی کا آخری وقت نہ ہو وہ اور بھی زیادہ عبادت کیا کرتے اور ہر وقت عبادت میں لگے رہتے۔ حتیٰ کہ بعض صحابہ کا یہ حال تھا کہ دن کو جہاد کرتے اور رات بھر کھڑے رکوع و سجود میں لگے رہتے، لہذا جب وہ دشمن کے خلاف جہاد کی غرض سے نکلتے تو عبادت کم کر دینے کو کو تاہی اور سخت گناہ سمجھتے اس لیے کہ یہ آخرت کی تیاری کے منافی ہے اور ان کا خیال تھا کہ ایسی حالت میں زیادہ عبادت کرنا ہی صحیح ہے اور یہ خیال ان کے دلوں میں راسخ ہو چکا تھا لہذا جب اللہ تعالیٰ نے اس خیال کو ان کے دلوں سے زائل کرنا چاہا تو حکم کو اسی حالت سے مقتید کر کے اتارا جسے وہ عبادت کے منافی سمجھتے تھے واللہ تعالیٰ اعلم۔

جب گفتگو پیتے پیتے مفہوم تک آئی تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ فی الغنم السائمة ذکوۃ رکھیں چرنے والی بکریوں

فِي الْغَنَمِ السَّائِمَةِ ذَكْوَةٌ

میں ذکوۃ ہے، کا مفہوم دریافت کیا۔

حضرت نے فرمایا میں نے بکریاں جو چر دسکتی ہوں جب ان کی یہ حالت ہو جاتے تو ان سے ذکوۃ ساقط ہو جاتی ہے اس لیے کہ ملکیت کی نعمت پر ذکوۃ واجب ہوتی ہے اور جب بکریوں کی یہ حالت ہو جاتی کہ ان کا کھانا اور چراہی جا رہی ہو تو ملکیت کی نعمت جس سے ذکوۃ واجب ہوتی ہے نہیں رہتی کیونکہ ایسی

حالت میں بالعموم ان کی موت اور ہلاکت واقع ہو جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہی ہے۔
میں نے عرض کیا کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ساتھ سے بیان مراد وہ بکریاں ہیں جنہیں
چارہ ڈالا جائے۔

حضرت نے فرمایا کہ جن کو چارہ ڈالا جائے وہ تو حدیث کے الفاظ میں ہی آ جاتی ہیں اس لیے
کہ وہ اپنی طبیعت کے اعتبار سے تو ساتھ ہیں۔ انہیں صرف چرنے سے روکا گیا ہے اگر انہیں اپنی طبیعت پر
چھوڑ دیا جائے تو چرنے کے لیے نکل جائیں مگر مالک نے ان کو چارہ ڈانے کا ذریعہ اس طرح
ملکیت کی نعمت تو ثبات ہو گئی۔

اس کے بعد میں نے مجتہدین میں اس کے مفہوم میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کے متعلق
دریافت کیا کہ بعض نے مفہوم کا مطلق طور پر ملحوظ رکھا ہے اور بعض نے اسے بالکل ہی مطلق قرار
دیا ہے اور بعض نے اس میں فرق کیا ہے جیسا کہ علم اصول میں مشہور ہے۔

حضرت نے فرمایا مفہوم کا حقیقی علم صرف اسی شخص کو ہو سکتا ہے جسے ان اسباب و اغراض کا
علم ہو، میں کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بات کی قید لگا دی ہے اور اس کا علم آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن کا علم حاصل کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے احکام میں
کچھ باتوں کی قید لگا دے اور اس کے بعد کہیں چلا جائے تو اس کی قیود کی مراد کے متعلق یقینی علم
اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کا غدیہ معلوم ہو جائے اور یہ اسی صورت میں معلوم ہو سکتا ہے کہ
اگر وہ زندہ ہو تو اسی سے خود پوچھا جائے اور وہ اپنی مراد کی تشریح کر دے۔ لیکن جب کسی نے
اس کی زندگی میں اس سے پوچھا ہی نہ ہو تو اس کی مراد معلوم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر جنہوں نے
مطلق طور پر مفہوم کو معتبر سمجھا ہے انہوں نے ان قیود کے ساتھ ایک طریقہ اختیار کر رکھا ہے اور یہ درست
نہیں اس لیے قید لگانے کے مختلف اسباب ہوتے ہیں بعض حکم کی مخالفت کے مقتضی ہوتے ہیں اور
بعض موافقت کے۔ میں حال ان لوگوں کا ہے جنہوں نے اصولیوں کے طرز پر فرق کیا ہے چنانچہ
جنہوں نے تعداد کو بالکل مطلق قرار دیا ہے اور مطلق طور پر شرط کا اعتبار کیا ہے انہوں نے تعداد کی
قید لگانے میں ایک ہی مسلک اختیار کیا ہے اور یہ ان اغراض کے شافی ہے جن کی وجہ سے قید یا
شرط لگائی گئی۔

حاصل یہ کہ شرعی تقیدات کا حقیقی علم صرف بڑے بڑے صاحبان کشف و فہم کو ہی حاصل ہوتا
ہے جیسے ہمارے حضرت۔ کیونکہ میں نے تاریخ تفصیل ہونے اور ان بحثوں پر جو بڑے بڑے اصولیوں

معلوم کے متعلق کی ہیں مثلاً امام الحرمین نے برہان اور امام ابو حامد نے المستصفیٰ میں اور امام ابو الولید باجی نے فتاویٰ میں اور ابیاری اور امام علی بن اسماعیل نے شرح برہان میں اور امام ابو عبد اللہ بن الحاج المالکی نے شرح مستصفیٰ میں مع اس بحث کے جس کا تذکرہ تاج الدین سبکی نے جمع الجوامع اور اس کی شرح اور حواشی وغیرہ میں کیا ہے پر احاطہ کر لینے کے بعد حضرت سے کئی بار گفتگو کی تو میں نے حضرت سے وہ باتیں سنیں جو اجتہاد سے بھی بڑھ کر ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ وہ ہر وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شاہد کرتے رہتے ہیں۔ خدا ہمیں آپ کی رضا و محبت عطا کرے اور ہمارا حشر آپ کی جماعت میں کرے آمین !

۲۸۔ نَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كُوكِبًا قَالَ هَذَا رِبِّيُّ

(سورۃ انعام آیت ۷۷)

میں نے حضرت سے اللہ تعالیٰ کے زمان نَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كُوكِبًا قَالَ هَذَا رِبِّيُّ (جب رات چھا گئی تو ایک ستارہ دیکھا اور کہنا یہ میرا رب ہے) کے متعلق دریافت کیا کہ سیدنا ابوالہیثم علیہ السلام کا یہ کہنا اپنے لیے استدلال کی خاطر تھا اور اس لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات سے امام الحرمین، ابوالعالی الجوبینی، نیشاپور کا مشہور فقیہ اور عالم انیس امام الحرمین اس لیے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مکہ اور مدینہ میں کئی سال درس و تلامذہ اللہ تعالیٰ جو کئی مختلف تاریخ جہانگشا اور شمس الدین جوینی انہی کی اولاد میں سے تھے ۱۰۸۰ھ میں ان کی وفات ہوئی ان کی کتاب کا پورا نام البرہان فی اصول الفقہ ہے۔

۲۹۔ ابوالولید باجی: اندلس کا مشہور شاعر اور فقیہ ان کی وفات ۳۸۰ھ میں ہوئی۔ یہ ابن حزم کے معاصر تھے اور ان کے ساتھ اللہ کے بہت سے مناظرے ہوئے۔ ان کے متعلق ابن حزم کا قول تھا کہ قاضی عبدالوہاب کے بعد اصحاب مذہب ہر گز میں ابوالولید باجی کا مثل کوئی نہ تھا۔ ان کی بہت سی تصانیف میں مثلاً الاستیعاب فی شرح الموطا، کتاب السراج فی علم المجاہد وغیرہ

۳۰۔ ابیاری: امام شمس الدین ابوالحسن علی بن اسمعیل الابیاری المالکی۔

۳۱۔ ابو عبد اللہ بن الحاج العبدی: ابو عبد اللہ محمد بن محمد الحاج العبدی الفاسی المالکی متوفی ۵۳۰ھ ان کی ایک تالیف کتاب الہدایہ ہے (کشف الظنون: ۲: ۱۴۱) ایک اور تالیف مدخل الشرع الشریف علی المذہب المالکی ہے یہ کتاب انہوں نے ۵۳۰ھ میں لکھی (کشف الظنون: ۲: ۲۴۹)

۳۲۔ تاج الدین سبکی: تاج الدین عبدالوہاب بن علی السبکی اشافعی مشہور فقیہ گزرے ہیں ان کی وفات ۷۳۰ھ میں ہوئی ان کی کتاب جمع الجوامع اصول فقہ میں ہے۔

پر نظر ڈال کر حق تک پہنچ جائیں یا قوم کو خاموش اور لاجواب کرنے کی غرض سے استدلال تھا کہ آپ نے پہلے ان کا دعویٰ بر سبیل تسلیم پیش کیا اور اس کے بعد اسے باطل کرنے کی طرف رجوع کیا کیونکہ منفری کا اس میں بڑا اختلاف ہے۔

فرمایا: اپنے نفس کے لیے استدلال تھا مگر عام لوگوں کی طرح کا استدلال نہ تھا اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کا استدلال عام لوگوں کی طرح نہیں ہوتا۔ کیونکہ انہیں انتہا درجہ کی اللہ کی معرفت، کمال عبودیت، انتہائی خوف اور حد درجہ کا خشوع و خضوع نصیب ہوتا ہے جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انکی فطرت میں حق کی معرفت اور حق کی طرف میلان پایا جاتا ہے۔ اس آیت میں حقیت ابراہیم کے استدلال کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ اپنے سر کی آنکھوں سے وہی کچھ دیکھ لیں جو کچھ کہ انہیں اپنے باطن اور بصیرت میں دکھائی دیتا تھا۔ انہیں اپنی بصیرت کے ذریعہ سے اللہ کی معرفت نامہ حاصل تھی آپ یہ جانتے تھے کہ انکی بصیرت نام پر دے پھاڑ کر بھارت تک پہنچ جائے۔ لہذا انہوں نے اپنی بھارت کے ساتھ ہی موجودات میں اس چیز کی تلاش شروع کر دی جو بصیرت میں پہچانی ہوئی چیز کے مناسب ہو، اس لیے آپ نے ان روشن اجسام کی طرف نظر کی جن کا ذکر آیات میں آیا ہے۔ تو انہیں دیکھا کہ وہ منزہ اور مقدس ذات کے مناسب نہیں ہیں۔ لہذا ان سب سے بیزار ہو کر اس ذات کی طرف گئے جسے وہ اپنی بصیرت میں پہچانتے تھے اور وہ ذات وہ ہے جس نے تمام زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کیا۔ اس کی مثال محض سمجھانے کی غرض سے یوں سمجھو کہ ایک صاحب کشف دلی نے ۲۹ تاریخ کو ہی اپنی بصیرت سے چاند دیکھ لیا پھر اپنی نگاہ سے دیکھنے لگا تو نظر نہ آیا، پھر وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر چاند دیکھنے لگا۔ اب جو شخص اس کے باطن سے واقف نہیں اگر اسے دیکھے گا تو خیال کرے گا کہ اور لوگوں کی طرح جو چاند کو تلاش کر رہے ہیں۔ اسے بھی چاند ہونے میں شک ہے مگر جو شخص ان کے باطن کو جانتا ہوگا اسے یقین ہوگا کہ انہیں چاند کا پختہ یقین ہے اور وہ چاند کی تلاش ہمارے ساتھ صرف اس لیے کر رہے ہیں کہ آنکھوں سے بھی اس کا مشاہدہ کریں۔ بر خلاف اور لوگوں کے کہ انہیں ظاہر اور باطن دونوں طرح سے چاند ہونے میں شک ہے انبیاء اور مجاہدین کے استدلال میں یہی فرق ہے۔ لہذا ہم پر واجب ہے کہ ان کے استدلال کو اللہ کی معرفت سے ناواقفی اور شک سے پاک سمجھیں۔ نیز ہر اس چیز سے پاک سمجھیں جو اللہ کے متعلق علم ضروری کے منافی ہے جس کی وجہ وہ معصومیت ہے جو انبیاء کا خاصہ ہے اور معصومیت شک اور اللہ تعالیٰ کے متعلق ناواقفیت کے منافی ہے اس لیے کہ دونوں باتیں کفر کی قسمیں ہیں اور انبیاء علیہم السلام صغیر و کماہوں سے بھی معصوم ہیں چہ جائیکہ کبیرہ گناہ اور پھر

چہ جائیکہ کفر۔

توتلف کتاب ہے یہ نہایت ہی معرفت کی بات ہے۔ مجھے حضرت سے متعدد بار ایسا واقعہ پیش آیا کہ ۱۹ تاریخ رات آپ ہمیں چاند ہونے کی اطلاع دے دیتے حالانکہ آپ اپنے گھر کی چھت کے نیچے یا مسجد میں یا کسی اور جگہ ہوتے، ہم اسی طرح اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے کہ کوئی شخص آتا اور چاند ہونے کی خبر دیتا۔ بلکہ بار بار ایسا ہوا کہ ابھی سورج کی زردی باقی ہوتی کہ آپ ہمیں چاند ہونے کی خبر دیا کرتے پھر ہم درخواست کرتے کہ چاند دیکھئے چلیں، لیکن جب ہم چاند دیکھنے کے لیے نکلتے تو چاند کی باریکی اور ہماری بینائی کی کمزوری کے وجہ سے ہم میں سے کوئی بھی اسے نہ دیکھ سکتا۔ ہم کافی دیر تک دیکھتے رہتے مگر چاند نظر نہ آتا یہاں تک کہ کوئی ہم سے زیادہ تیز نظر شخص آتا اور وہ چاند کو دیکھتا اس کے بعد چاند ہونے کی خبر ہر طرف پھیل جاتی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ آپ مجھے فرماتے کہ آج کا دن ماہ رمضان میں ہے حالانکہ لوگوں نے اس دن کا روزہ نہ رکھا ہوتا تھا، اس خیال سے کہ وہ شعبان کا آخری دن ہے یا یہ کہ آج عید کا دن ہے اور لوگوں نے اس خیال سے روزہ رکھا ہوتا کہ رمضان کا آخری دن ہے یا یہ کہ آج عید کا دن ہے اور اس دن لوگوں کے خیال کے مطابق آٹھویں تاریخ ہوتی۔ اس کے بعد ان مقامات سے جو ہم سے چار یا پانچ دن کی مسافت پر ہوتے بغیر اسی طرح کی خبر آتی جس طرح کہ حضرت نے فرمایا ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۹۔ هُوَ الَّذِي ارْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔

(سورہ فتح آیت ۲۸)

میں نے حضرت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان هُوَ الَّذِي ارْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔ (غدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تھا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کرے خواہ مشرکین برابری کیوں مانیں اس کے متعلق دریافت کیا کہ تمام ادیان پر غالب کرنے سے کیا مراد ہے؟ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ تمام ادیان کو فسخ کرنے والا ہے یا مراد اس کی محبت و دلیل کے واضح ہونے سے ہے۔

حضرت نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پاک دین کو تمام ادیان پر ہر لحاظ سے غلبہ دیا ہے، خواہ اس لحاظ سے ہو کہ یہ ان کو فسخ کرنے والا ہے، خواہ اس لحاظ سے کہ اس کے دلائل واضح ہیں یا اس

لحاظ سے کہ دنیا میں اس کی کثرت ہے یہاں تک کہ اس کے مقابلہ میں دوسرے دین کا عدم ہیں، چنانچہ جس شخص کی بصیرت اللہ تعالیٰ نے کھول دی ہو اور سطح زمین کے آباد و غیر آباد مقامات کو دیکھا ہو تو وہ دیکھے گا کہ ہر مقام میں لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور وہ دین محمدی پر ہیں۔ زمین ان حضرات سے آباد ہے چنانچہ وہ اس ملک میں بھی ہیں اور اس ملک میں بھی یعنی دار کفر میں بھی، غاروں میں بھی، پہاڑوں اور میدانوں میں بھی، آباد اور غیر آباد زمینوں میں بھی۔

اس دین کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایک نور ہے جو اس کی پیروامت کو اتنا دار و رجوع الی الکفر سے روکتا ہے اور یہ صرف اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے محبوب ہیں لہذا آپ کے دین میں بہت سی ایسی خصلتیں جمع کر دی ہیں جو سب کی سب ارتداد سے مانع ہیں۔

حضرت نے فرمایا، جو لوح محفوظ کو دیکھ لے اور اس میں رسولوں اور ان کی شریعتوں کو دیکھے جو لوح محفوظ میں مکمل ہوئی ہیں تو اسے شریعت محمدیہ کے دوام و بقا اور عدم ارتداد کا علم ہو جائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نور اور تاریکی کو پیدا کیا پھر بندوں اور امتوں کو پیدا کیا۔ پھر نور کے لیے دروازے رکھے جن میں سے نور ان کی ذات پر داخل ہو اور تاریکیوں کے لیے دروازے بھی رکھے جن میں سے تاریکیاں ان کی ذات میں داخل ہوں۔ اس کے بعد شریعتیں بنائیں اور رسول بھیجے تاکہ ان شریعتوں سے نور کے دروازے کھولے اور تاریکی کے دروازے بند ہوں اور یہ اوامر و نواہی ہیں۔ چنانچہ اوامر نور کے دروازے کھولتے ہیں اور نواہی تاریکی کے دروازے بند کرتے ہیں اور نور کو کھولنے والے اوامر اور تاریکی کو بند کرنے والے نواہی سوائے شریعت محمدیہ کے کسی شریعت میں پورے پورے ذکر نہیں کئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ شریعت تمام شریعتوں کے اوپر ہے اور آپ کی امت تمام امتوں کے اوپر ہے اسی مطلب کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمودہ میں اشارہ فرمایا ہے لَا تَجْمَعُ أَقْتَبِی عَلٰی ضَلَالَةٍ میری امت کبھی بھی گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔

حضرت نے فرمایا کہ جب صاحب فتح گذشتہ امتوں اور ان کی ان بستیوں کو جہاں وہ اپنے زانوٰں میں بیٹے تھے، دیکھتا ہے تو اسے ان کی بستیوں کے اوپر سیاہ کمر کی شکل کی تاریکی دھوئیں کی طرح دکھائی دیتی ہے پھر یہ تاریکی ان کے قریب ہو کر رہتی ہے اور وہ آہستہ آہستہ اپنے دین کو چھوڑتے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ ان پر آگرتی ہے اور ان کے اجسام اس سے سیر ہو جاتے ہیں اور امت اپنے دین سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے کچھ عبارت روگئی ہے جہاں سے عبارت میں غلطی ہو گئی ہے۔

سے نکل جاتی ہے اور پھر کبھی بھی مذہب کی طرف راہ نہیں پاتی۔ مذہب اسلام کی باقی تمام مذاہب پر غالب آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

مؤلف کہتا ہے کہ انشاء اللہ ہم عنقریب ابواب غللت کا کچھ حال بیان کریں گے اور وہ چیزیں بیان کریں گے جن میں عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے عبرت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۰۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ
لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔

(سورہ التوبہ آیت : ۷۵)

میں نے حضرت سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے دیگا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور نیک بنیں گے) کیونکہ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت ثعلبہ بن حاطب کے بارے میں نازل ہوئی اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے درخواست کی کہ آپ کثرت مال کے لیے دعا فرمائیں۔ اس پر آنحضرت نے فرمایا اے ثعلبہ تمہارا مال جس کا شکریہ ادا کر کے اس کثیر مال سے بہتر ہے جس کا تو شکریہ ادا نہ کر سکے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار یہی درخواست کرتا رہا یہاں تک کہ کہا یا رسول اللہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں کثیر مال پر بھی شکریہ ادا کروں گا اور عہد کیا کہ اگر اللہ اسے بہت سا مال دے تو وہ ضرور صدقہ و خیرات کرے گا۔ اس پر آنحضرت نے اس کے لیے دعا کی اور اس کے جانور اس طرح بڑھے جس طرح کیرے بڑھتے ہیں ثعلبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز باجماعت اور جمعہ ادا کیا کرتا تھا لیکن جب اس کے جانوروں کی تعداد بڑھ گئی تو ان کو لے کر مدینہ سے باہر چلا گیا اور نماز باجماعت اس سے چھوٹ گئی، لیکن عہد کے لیے حاضر ہوتا رہا۔ اس کے بعد اس کے جانور اور بڑھ گئے یہاں تک کہ ان میں لگے رہنے کی وجہ سے وہ نماز جمعہ کے لیے بھی حاضر ہو سکتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے ثعلبہ ! ثعلبہ بن حاطب بن عمرو بن عبید۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقع پر انھیں مغرب بن غوث کا بھائی بنایا تھا، بدر اُحد کی جنگوں میں شریک ہوتے۔ قتادہ اور سعید بن جبیر کے قول کے مطابق میں یہی جنہوں نے عہد ادا نہ کیا تھا اور جن کے بارے میں منہم من جاہ اللہ کی آیت نازل ہوئی۔ ان کی وفات حضرت عمرؓ یا عثمانؓ کی خلافت میں ہوئی۔ ابن جریر نے تہذیب التہذیب میں ان کا ذکر نہیں کیا۔

ثعلبہ کہاں ہے؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کے جانور بہت زیادہ ہو گئے ہیں جن میں گئے رہنے کی وجہ سے وہ جماعت اور جمعہ کے لیے حاضر نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا: افسوس ثعلبہ پر۔ اس کے بعد آنحضرت نے زکوٰۃ لینے پر دو شخص مامور کئے اور لوگ خود زکوٰۃ لے کر ان کے پاس آتے اور وہ ثعلبہ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے اس سے بھی زکوٰۃ کا مطالبہ کیا اور وہ رقعہ بھی پڑھ دیا جس میں زکوٰۃ اور فرائض کا ذکر تھا۔ ثعلبہ کہنے لگا یہ تو جزیہ ہو یا جزیہ کی بہن۔ اس وقت تم پہلے جاؤ میں سوچ لوں۔ اس پر یہ آیت اتری تو ثعلبہ زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا۔ آنحضرت نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری زکوٰۃ قبول کرنے سے منع کر دیا ہے۔ ثعلبہ اہ و زاری کو نہ لگا، مگر آنحضرت نے فرمایا یہ تمہارا اپنا فعل ہے۔ میں نے تو تمہیں حکم دیا تھا مگر تم نے میری بات نہیں مانی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ زکوٰۃ لیکر حفرة البکرہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا مگر انہوں نے بھی قبول نہ کی، پھر حضرت عمرؓ کے عہد میں ان کے پاس لے کر گیا انہوں نے بھی قبول نہ کی، حضرت عثمان کے عہد میں ثعلبہ مر گیا۔ حافظ سیوطی بیضاوی کے حاشیہ میں لکھتے ہیں اس کی روایت ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردودہ، طبرانی اور سیوطی نے شعب الایمان میں ابوالامامہ کی حدیث سے کی ہے۔ میں نے حضرت سے دریافت کیا، کیا یہ شخص صحابہ میں سے تھا اور کیا یہ قعدہ درست ہے؟

حضرت نے فرمایا میں نے خود کیا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں

۱۔ ابن مردودہ: ابوبکر احمد بن موسیٰ بن مردودہ اصفہانی صاحب تفسیر تاریخ۔ انہوں نے مستخرج علی صحیح ابی نعیم لکھی ۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۵۰ھ میں وفات پائی یہ بڑے عالم اور عمدہ تصانیف والے ہیں ۲۔ سیوطی: حافظ ابوبکر احمد بن حسین شافعی متوفی ۸۵۰ھ۔ ان کی شعب الایمان کا نام جامع المصنف ہے جس میں انہوں نے ایمان کو سترے زائد حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ادنیٰ ایمان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنا قرار دیا ہے۔ ۳۔ ابوالامامہ: ابوالامامہ صحابیوں کی کنیت ہے ایک اصحاب بن زرارہ خزرجی انصاری کے ہے عقبہ اولیٰ اور ثانیہ میں موجود تھے ہجرت کے نوامہ بعد انہوں نے وفات پائی اور دوسرے صحابی ابوالامامہ ریاس بن ثعلبہ بھی۔ یہ بدر کی جگہ میں اس لیے شریک نہیں ہو سکے تھے کہ ان کی والدہ بیمار تھیں۔

تیسرے ابوالامامہ بابی جن کا نام صدی بن مہلبان ہے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں یہ پہلے مصر میں رہے پھر مصر چلے گئے اور وہی ۳۵۰ھ میں وفات پائی۔ یہ شام میں صحابہ میں آخری وفات پانے والے تھے یہاں میں مراد میں (استیعاب: ۶۳۸)

آجاسی سے ایسا گناہ سرزد ہوا اور نہ ہی مجھے اس حکایت کا کہیں وجود نظر آیا ہے

مؤلف کتاب حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب الاصابہ فی السحاب میں اس حکایت کے انکار کی طرف اشارہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حکایت کسی ایسی سند سے مروی نہیں جس پر اعتبار کیا جائے کتاب مذکور میں ثعلبہ کے حال میں دیکھیں کیونکہ میں نے مفہوم ادا کیا ہے اور کتاب کا مطالعہ کیے مجھے کافی عرصہ گزر چکا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۱۔ وَاِذَا اخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي اٰدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

(سورہ اعراف آیت ۱۴۷)

میں نے حضرت سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا وَاِذَا اخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي اٰدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولادوں کو نکالا اور انہیں خود ان کی اپنی ذات پر گواہ بنا کر پوچھا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ کیا کیوں نہیں! اور ہم گواہ ہیں اور یہ اقرار اس لیے کیا کہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہو کہ ہمیں تو اس کی خبر ہی نہیں تھی۔ یا یہ کہو کہ شرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا اور ہم ان کی اولاد تھے جو ان کے بعد آئے تو کیا آپ اس فعل میں ہمیں ہلاک کیے دیتے ہیں جو اہل باطل نے کیا؟

میں نے عرض کیا کہ یہ واقعہ عالم ارواح میں پیش آیا یا اس وقت جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا؟ اور آپ کی اولاد کو آپ کی پشت میں سے نکالا اور اس میں عقل اور طاقت گویا رکھ دی کہ انہوں نے یہ جواب دیا یا اس آیت میں جو کچھ فرمایا ہے استمارۃ فرمایا ہے کہ انسان کو دلائل کے ذریعہ اپنی وحدانیت کا علم اور عقل فرمایا گیا اقرار لینا ہے اور انسان کا عقل و فہم سے بہرہ ویاب ہو گا گویا ربوبیت کا گواہ بنے؟ فرمایا: یہ تقدیر عالم ارواح کا قصہ ہے اور جب اللہ نے انہیں اپنے نفسوں پر گواہ بنانا چاہا تو اسرائیل کو

لے نبوی اور خازن (ج ۳ صفحہ ۱۷) نے آیت وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضَرًا کے تحت منافقین کا ذکر کرتے ہوئے بارہ منافقوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے یہ مسجد ضرا تعمیر کی تھی ان منافقین میں ثعلبہ بن مالک کا نام بھی دیا گیا ہے جس سے اشکال رفع ہو جاتا ہے کیونکہ جب ثعلبہ منافق ٹھہرا تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی وفات کے بعد غلطاً نے جو اس کی ذکاوت قبول نہیں کہ تو اس کی وجہ ظاہر ہے بالخصوص جبکہ حضرت ابوبکر صدیق نے ثعلبہ سے زکوٰۃ سے جگ مجھ کی اور ثعلبہ سے زکوٰۃ قبول نہیں کی اس کی وجہ بھی اس کا اتفاق تھا۔ لہذا ثعلبہ صحابی نہ ہوا اس سے حضرت عبدالعزیز دہلوی کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

حکم دیا اس نے سورجوں کا جس سے ارواح میں سخت بل چل چکی جیسے شتر کے دن تیروں سے اٹھتے وقت ہوگی بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پردہ دور کر دیا اور انہیں اپنا کلام قدیم سنایا۔ اس وقت روحوں اپنے انوار کی قوت و ضعف کے مطابق الگ الگ ہو گئیں۔ چنانچہ بعض روحوں نے محبت سے جواب دیا اور یہ مومنین کی ارواح تھیں اور بعض نے مجبوری کے عالم میں جواب دیا اور یہ کافروں کی ارواح تھیں پھر محبت سے جواب دینے والوں کے مراتب میں فرق تھا بعض کلام قدیم سنکر قوی و طاقت ور ہو گئے اور بعض ضعیف اور بعض بنا دیا اور وہ ادروں کو مدد دینے لگا تاکہ اسے قوت آجائے۔ اس سے شیوخ و مریدین کے مراتب ظاہر ہوئے۔ اسی دن روحوں میں باہم تعارف ہوا۔ اس کے بعد تمام ارواح پر کلام قدیم کی ہدایت چھا گئی اور وہ اپنی اپنی جگہ برزخ میں اُڑنے لگیں اور آرام لینے کی غرض سے زمین کی طرف اترنے لگیں۔ لہذا ان کے اترنے کے اعتبار سے زمین کی بھی تین قسم ہو گئیں۔

۱- وہ جہاں گمراہ و گمراہ ہو کر صرف مومنین کی ارواح اتریں۔

۲- وہ جہاں صرف کفار کی روحوں اتریں۔

۳- وہ جہاں دونوں گمراہوں کی روحوں اتریں۔

پہلی قسم جہاں صرف مومنین کی روحوں اتریں تھیں وہ ایسے مقامات ہیں جہاں اہل ایمان و اہل عرفان رہیں گے اور وہاں کوئی کافر کبھی بھی آباد نہ ہوگا۔ برعکس دوسری قسم کے گمراہوں صرف کافر ہی رہیں گے اور تیسری قسم میں دونوں گمراہ رہیں گے اور سب سے آخر اترنے والا وہی فریق ہوگا جس پر عالم ارواح میں نزول کا خاتمہ ہوا تھا۔ اگر آخر میں آنے والی سعادت مندوں کی روحوں ہوں گی تو اہل ایمان سے خستہ کیا جائے گا اور اگر معاملہ برعکس ہوگا تو اس کے اُلٹ یعنی کفار کے نزول پر خاتمہ ہوگا اور بعض اوقات کسی نہ کسی سعادت مند کی روحوں کے گمراہ کا نزول ہوتا ہے پھر بد بخت لوگوں کی روحوں کے گمراہ کا پھر بد بختوں کی روحوں کا۔ اور سلسلہ اسی طرح چلا جاتا ہے کہ اترنا ختم ہو جاتا ہے۔

چنانچہ صاحب فتح جب کسی ایسے مقام کی طرف دیکھتا ہے جہاں آج کل مشرک بے ہیں تو اسے علم ہوتا ہے کہ ان کے بعد اس مقام کو مومن آباد کریں گے یا نہیں۔ اس طرح کدہ روزِ اُلفت میں ارواح کے زمین کی طرف اترنے کو دیکھتا ہے اس کے بعد ان روحوں کی طرف دیکھتا ہے جو موجودہ

جیسا کہ حدیث میں ہے کانت الارواح جنوداً مجتہدة فما تعارف منها اتعارف وما تنسكوا تنسكوا۔

گروہ کے بعد اتریں گی۔ اگر بعد میں اترنے والی رو میں بھی کاذبوں ہی کی رو میں ہوئیں تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہاں مسلمان کبھی آباد نہ ہوں گے اور اگر اس گروہ کے بعد کچھ مسعود تندر رو میں اتریں تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ مقام مغرب دار اسلام بن جائے گا۔

حضرت نے فرمایا کہ اس کا علم دو اور طریقوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ شرک کی زمین کی طرف دیکھتا ہے اگر اسے یہ معلوم ہو کہ وہاں اہل فتح اور اہل ولایت کی تعداد بڑھ رہی ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ مغرب دار اسلام بن جائے گا اور اگر دیکھنے کے بعد اسے معلوم ہو کہ اہل فتح یا اہل ولایت کا وہاں قطعاً وجود ہی نہیں پایا جاتا تو سمجھ جاتا ہے کہ اس بستی پر اللہ کا غضب ہے۔

میں نے عرض کیا کہ اگر مشرکوں کی زمین پر کسی کو فتح نصیب ہو جائے تو وہ کیا کرے؟ فرمایا رجال غیب اس کی مدد کریں گے اور وہ خود وہاں جا کر اسے علم ظاہر سکھائیں گے۔ اس لیے کہ اگر علم باطن کے ساتھ علم ظاہر نہ ہو تو شاذ و نادر ہی اس شخص کو فتح نصیب ہوتی ہے۔

ایک اور بار حضرت نے مجھے فرمایا کہ علم ظاہر کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے ننانوے سطریں آب زر سے لکھیں اور علم باطن ایسے جیسے کسی نے آخری تہویں سطر سیاہی سے لکھی۔ اس کے باوجود اگر یہ سیاہ سطر ان مذکورہ بالا سونے سے لکھی ہوئی سطروں کے ساتھ نہ ہو تو اسے کچھ فائدہ نہ ہوگا بلکہ ایسے علم والا آدمی شاذ و نادر ہی بچ سکتا ہے۔

ایک اور بار فرمایا کہ علم ظاہر کی مثال اس لائٹن کی ہے جو رات کو روشن ہو کر کچھ دورات کی تاریکی میں بہت کام آتی ہے اور علم باطن طوع اور دوپہر کے وقت سورج کی روشنی کے پھیلنے کی طرح ہے۔ بعض اوقات اس قسم کے علم والا انسان کہ اٹھتا ہے کہ اس لائٹن سے جو میرے پاس ہے کیا فائدہ مجھے اشد تعالیٰ نے دن کو روشنی کے ساتھ اس سے مستغنی کر دیا ہے اس لیے وہ اس لائٹن کو بھادیتا ہے اور دن کی روشنی بھی اس سے جاتی رہتی ہے اور وہ رات کی تاریکیوں میں بچیں جاتا ہے لہذا اس کے دن کی روشنی کے قائم رہنے کی شرط یہی ہے کہ وہ لائٹن جو اس کے ہاتھ میں ہے نہ بچے۔

حضرت نے فرمایا: بہت سے لوگ اسی دھوکے میں پھسل گئے اور ان کے دن کی روشنی اس وقت تک واپس نہیں آسکتی جب تک وہ اس لائٹن کو کھیر دیا اور روشن نہ کر لے گا اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق بخشتا ہے کسی کو نہیں۔ دعا ہے کہ خدا میں اس سے بچائے۔

اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ مشرکین کی بستی کو دیکھے اگر اسے وہاں مسجدیں آباد اور فیسی طور پر وہاں جماعت ہوتی دکھائی دیتی ہو تو سمجھ جاتا ہے کہ وہ بستی مغرب سلطون کے قبضہ میں آجائے گی اور اگر یہ دکھائی نہ دے

تو سمجھ جاتا ہے کہ زمین کی قسمت میں تاریکی مگھی ہے۔

حضرت نے اس بارے میں کچھ حکایات بھی بیان کیں جنہیں ہم عنقریب بیان کریں گے، انشاء اللہ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا انبیاء نبوت سے پہلے بھی معصوم ہوتے ہیں

کیا۔ اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ مجھ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا انبیاء نبوت سے پہلے بھی اسی طرح معصوم ہوتے ہیں جس طرح نبوت کے بعد اور کیا اس پر سب کا اتفاق ہے یا اختلاف پایا جاتا ہے اور کیا معجزہ گناہ بھی جہاں تک عصمت انبیاء کا تعلق ہے کبیرہ گناہ کا طرح ہوتے ہیں یا نہیں۔

اگر آپ ہماری بات سمجھ گئے ہیں تو فرمائیے کہ ہیں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے؟ کیا وہ نبی میں یا نہیں۔ اگر نبی ہیں تو جو فعل ان سے سرزد ہوئے ان کا کیا جواب ہے، میں نے اس سوال کو اپنی نوٹ بک میں درج کر لیا اور اس کا جواب دینے کا ارادہ کر لیا۔ عصمت انبیاء کا جواب تو میں اس طرح دیتا جس طرح علیم کلام کے عالموں نے دیا ہے، مثلاً مصنف المواقف نے اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے فعل کا جواب حافظ سیوطی کی کتاب دفع العسف عن اخوة یوسف کی مدد سے دیا اور میرا ارادہ تھا کہ جواب میں اسی کا خلاصہ دے دوں اس کے بعد حضرت نے میری نوٹ بک میں یہ سوال دیکھ لیا اور اپنے ہاتھ سے یہ جواب لکھا۔

الجواب واللہ الموفق للصواب: انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے اور بعد بھی معصوم ہوتے ہیں اور جو فعل یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے صادر ہوا اس میں وہ دراصل باطنی طور پر مامور تھے اور حکم اللہ کی طرف سے تھا اور اس پر ان کو جو عتاب ہوا وہ ظاہر کے اعتبار سے ہوا۔ اس لیے کہ غیب ایک راز ہے جو اللہ کے پاس ہوتا ہے۔ والسلام۔ اس کا کتاب مبارک السبجاسی الملعی ہے۔ آپ نے یہ جواب میری طرف اس لیے منسوب کیا کہ سوال مجھے سے کیا گیا تھا۔

حضرت نے فرمایا: اکثر عتاب جو انبیاء کو ہوئے اسی قسم کے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ باطن میں ایک کام کرنے کا حکم دیتا ہے، حالانکہ ظاہر میں ان کو اس کے خلاف کرنے کا حکم دیا گیا

مواقف فی علم الکلام: یہ علامہ عند الدین بن احمد الایوبی القاضی کی تصنیف ہے جو انھوں نے سلطان محمد بنده کے وزیر غیاث الدین کے لیے لکھی۔ اس کتاب پر متعدد لوگوں نے شرحیں لکھیں جن میں سب سے زیادہ مشہور سید شریف علی بن محمد جرجان متوفی ۸۷۵ھ کی شرح ہے۔

ہوتا ہے تو بظاہر یہی ان کے گناہ ہوتے ہیں۔

میں نے عرض کیا یہ فعل اللہ کے باطنی حکم سے صادر ہوا پھر گناہ کیسا؟ اور عتاب کے کیا معنی؟
حالا کہ کرنے والے نے اللہ کے حکم سے یہ کام کیا ہے۔

حضرت نے فرمایا۔ یہ بات ٹھیک ہے لیکن جب ظاہر کو دیکھتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے مخالف
پاتا ہے تو اس کی نگاہ میں اسے وہ کام گناہ دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک محض ظاہر کی مخالفت
کا نام گناہ ہے۔

میں نے عرض کیا یہ تو ظاہر ہی ہے کہ وہ اسے گناہ خیال کرتا ہے، لیکن عتاب میں یہ بات ظاہر
نہیں اس لیے کہ جس خدا نے اسے ظاہر کا حکم دیا ہے اسی نے باطن کا بھی حکم دیا ہے اور باطنی حکم کی
حیثیت ظاہری حکم کو منسوخ کرنے یا اسے مخصوص کرنے والے حکم کی سی ہے۔ لہذا عتاب نہیں
ہونا چاہیے۔

فرمایا: وحی کا نزول انبیاء کے خواطر کا تابع ہوتا ہے لہذا جو خیال نبی کے دل پر وارد ہوگا
اسی کے مطابق وحی نازل ہوگی۔ نبی کو جب اپنا فعل گناہ نظر آتا ہے تو وہ اپنے نفس کو اس پر
عتاب کرتا ہے لہذا وحی بھی ویسی ہی نازل ہوتی ہے۔

حضرت نے فرمایا جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خواطر کو معلوم کرنا چاہے تو اسے ان کتابوں
کو دیکھنا چاہیے جو ان پر نازل ہوئیں کیونکہ یہ ان کے خواطر کے مطابق نازل ہوئیں، چنانچہ جہاں کتاب
میں نصیحت کی گئی ہے تو اس کا نزول اس وقت ہوا ہے جب نبی کے دل میں مغلوب کو نصیحت
کرنے کا خیال آیا اور جب کتاب میں کوئی خوشخبری دی گئی ہے اس کا نزول اس وقت ہوا ہے جبکہ
نبی کے دل پر انبساط اور منفعت امت کی محبت تھی اور جہاں کتاب میں ڈرایا گیا ہے یا سخت وعید آیا
ہے اس کا نزول اس وقت ہوا ہے جس وقت نبی کے دل پر غصہ اور انتقام تھا، اسی سے تمہیں
معلوم ہو جائے گا کہ عصمت انبیاء کا ثمرہ کیا ہے اور یہ کہ ان کے تمام خواطر اور خیالات جو ان کے
دل پر گزرتے ہیں حق اور خدا کی طرف سے ہوتے ہیں۔

۳۲۔ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهَ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ (احزاب آیت ۳۴)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهَ أَحَقُّ
أَنْ تَخْشَاهُ (اے محمد تم لوگوں (کی باتوں) سے ڈرتے ہو حالانکہ تمہیں اللہ کی ناراضی سے زیادہ ڈرنا

چاہیے، امیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عتاب کیا ہے حالانکہ وہ سید العارفین اور امام الانبیاء و الرسل ہیں۔

حضرت نے اس کا بھی وہی جواب دیا اور فرمایا کہ جب زید نے آپ سے زینب کو طلاق دینے کا مشورہ کیا تو آپ نے زید کو حکم دیا کہ زینب کو اپنے پاس رکھو اور اللہ سے ڈرو۔ حالانکہ آپ کو علم تھا کہ حضرت زینب ان کے نکاح میں آجائیں گی مگر آپ نے اسے چھپائے رکھا اور بعد میں آپ نے اپنے نفس کو عتاب کیا اور دل میں کہا "لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو" چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن کے مطابق وحی کا نزول ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اسی عتاب کے طرز میں آپ کا وارِ قلبی ظاہر فرمادیا۔

پھر فرمایا جسے اللہ تعالیٰ نے فتح عطا کی ہو وہ جب کسی آسمانی کتاب پر غور کرتا ہے تو اسے اس میں کلام قدیم کا نور اور وہ نور نظر آتا ہے جو نزولِ وحی کے وقت نبی کی طبعی حالت کا تھا اور نبی کبھی تبص کی حالت میں ہوتا ہے تو جو آیت اترتی ہے اس میں کلام قدیم کا نور اور اس تبص کا نور ہوتا ہے جو نزولِ وحی کے وقت نبی پر طاری تھا اور کبھی بسط کی حالت میں ہوتا ہے تو اس وقت جو آیت اترتی ہے اس میں کلام قدیم کا نور اور بسط کا نور بھی ہوتا ہے مگر پہلا نور قدیم اور دوسرا نور حادث ہے اور کبھی نبی تواضع کی حالت میں ہوتا ہے تو اس وقت جو وحی نازل ہوگی اس میں کلام قدیم کا نور اور تواضع کا نور ہوگا۔ اسی طرح ہر آیت میں طبیعتِ نبوی کا کوئی ذکر کوئی جزو ضرور ہوگا جیسا حالِ آیت و تفسیرِ اناس و اللہ احق ان تخشاً کا ہے کہ اس میں کلام قدیم کا نور اور اس کے نزول کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کا نور ہے اور یہی عتاب کا نور ہے لہذا کلام قدیم اللہ کی طرف سے امت کی طرف آیا اور عتاب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے خدا کی طرف سے نہیں۔

۱۰ زید بن عمارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنی اور آزاد کردہ غلام تھے جن سے حضرت زینب کی پہلی شادی ہوئی تھی۔

۱۱ زینب: زینب بنت جحش یہ امات المؤمنین میں سے تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سہ یا سہ میں شادی کی۔ یہ پہلے زید بن عمارہ کے عقد میں تھیں۔ ان کے طلاق دینے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آگئیں۔ ان کی وفات ۳۳ھ میں ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد امات المؤمنین میں سب سے پہلے ان کی وفات ہوئی۔

حضرت نے فرمایا: جب اہل فتح آپس میں کسی آیت کی تفسیر کرتے ہیں تو ان کا زیادہ تر اہتمام اسباب نزول کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسباب نزول سے مراد وہ اسباب نہیں جو ظاہری علم میں پائے جاتے ہیں بلکہ وہ احوال و افوارم دہوتے ہیں جو آیت کے نزول کے وقت ذات نبی پر وارد ہوئے ہوتے ہیں لہذا ان احوال و افوارم سے وہ وہ باتیں سننے میں آتی ہیں جن کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اس لیے کہ وہ ان سمندروں میں غوطہ زن ہوتے ہیں جو آنحضرت کے باطن میں جوتے ہیں یعنی آدمیت، انقیض، تبسط، نبوت، روح، رسالت اور علم کمال جن کا ذکر حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے: **هَذَا الْقُرْآنُ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَافٍ** میں ہوتا ہے۔

۳۳۔ عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكَ

الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَافِرِينَ (سورہ توبہ - آیت ۴۳)

میں نے حضرت سے آیت عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَافِرِينَ - (خدا آپ کو معاف کرے آپ نے انہیں کیوں اجازت دے دی آپ کو اجازت دینا چاہیے تھا تاکہ سچے اور جھوٹے کا آپ کو پتہ چل جاتا)

حضرت نے اس کا جواب بھی قریب قریب دی دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ منافک کریں، اچھی طرح سے درگزر کریں اور لوگوں سے معاشرت اور مہمانیت حسن طریق کریں۔ بیان تک کہ یہ بھی فرمادیا: **وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظًا انْقَلَبَ لَا نَفْسًا مِنْ حَوْلِكَ** ناعف عنہم واستغفر لہم وشاروہم فی الامور (سورہ آل عمران آیت: ۱۵۹) لے محمد اگر آپ بد اخلاق اور سنگ دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے جھاگ گئے ہوتے لہذا آپ انہیں مہمان کرتے رہیں۔ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہیں اور ان سے معاملات میں مشورہ لیا کریں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لوگوں سے یہی عادت رہی۔ لہذا جب منافقین آپ کے پاس سفر میں نہ سکنے کی اجازت چاہنے کے لیے آئے اور انہوں نے اپنا عذر پیش کیا تو باوجودیکہ آپ کو ان کی منافقت کا علم تھا اس رحمت کی وجہ سے جو آپ کی ذات میں پائی جاتی تھی اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے حسن طریق پر معاشرت کرنے کا حکم کی آیت میں دیا تھا آپ نے ان کو مدینہ رہنے کی اجازت دے دی اور ان کے ساتھ ظاہری مسلک اختیار کیا، لیکن اس کے بعد آپ کے دل میں خیال آیا کہ ایسی آیت مازل جو جان کا کھوٹ ظاہر کر دے۔ آپ نے ان کا کھوٹ اس لیے ظاہر نہیں کیا کہ آپ میں رحمت کا مارہ پایا جاتا تھا اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ کا حکم **رَاعِفٌ عَنْهُمْ** کہ ان سے درگزر کر دینا نظر تھا۔ اس لیے اس

زمعشری کے متعلق علامہ طیبی کہتے ہیں زمعشری نے اس عبارت میں بڑی غش غلطی کھائی ہے میں حیران ہوں کہ لطائف معانی کے نکالنے میں شہرہ آفاق ہوتے ہوئے ان سے کیسے بھول ہو گئی کہ اس قسم کے اشاروں میں یعنی غلو کا لفظ پہلے لانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مخاطب واجب تعلیم ہستی ہے حقیقت یہی ہے اس لیے کہ اس قسم کے خطاب سے یہ لازم نہیں آتا کہ بچہ گناہ و سرزد ہو چکا ہے بلکہ اس لفظ غلو کا شروع میں لانا تعلیم پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے تو کسی ایسے آدمی سے کہ جس کی تو تعلیم کرتا ہے خدا آپ کو معاف کرے آپ نے میرے معاملہ میں کیا کیا اور خدا آپ سے راضی ہو میری بات کا کیا جواب ہے اسی لیے تو تقاضا زانی کہتے ہیں زمعشری کے لیے مناسب نہ تھا کہ ایسی بڑی عبارت سے مضمون ادا کرتے جبکہ دیکھ رہے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنے رسول کے احترام کا کتنا لحاظ رکھا کہ غلو کو پہلے ذکر کیا اور پھر اذن کا ذکر کیا جو آپ کے بلند مرتبہ اور قوت تصرف کی خبر دے رہا ہے اور کلام استغنام کی صورت میں لایا گیا۔ اگرچہ مقصد یہی ہے کہ اجازت نہ دینی چاہیے تھی۔ مزید برآں بعض اوقات عفا اللہ عنک کا موارہ اولیٰ

(بقیہ حاشیہ منور سابقہ)

کے شرع کی ہے ۱۵۱۹ء میں ان کی وفات ہوئی۔ بڑے زاہد و عابد تھے۔ کشف الغلوں میں ان کی تاریخ وفات ایک جگہ ۱۵۲۰ء دی ہے مگر دوسری جگہ ۱۵۲۳ء دی ہے۔

۱۵ زمعشری ابوالقاسم محمود بن عمر زمعشری جو جابر اللہ کے لقب سے مشہور ہیں فقیہ، نحوی اور لغت دان تھے ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں ایک قرآن مجید کی تفسیر میں ہے جس کا نام الکشاف ہے ان کی پیدائش زمعشر میں ۳۶۷ھ ۳۷۰ھ میں ہوئی اور وفات ۳۷۷ھ ۳۸۳ھ میں ہوئی۔

۱۶ طیبی : شرف الدین حسن بن محمد طیبی عراقی جنہوں نے کشاف پر حاشیہ لکھا، انہوں نے الفاظ میں زمعشری ہی کا تتبع کیا ہے مگر ساتھ ساتھ مذہب مستزاد کی زبردست دلائل سے تردید کرنے لگے ہیں اور اثبات کر کے دکھایا ہے کہ بلاغت قرآن کا اہمیت نے ہی سمجھا ہے۔ پھر تفسیر کے فاضل مصنف نے تحقیق کا حق ادا کیا ہے پھر فن بلاغت کی نیابتیں بھی اس میں شامل ہیں اس حاشیہ کا نام فتوح الغیب فی الکشف عن تنوع الريب لکھا ہے ان کی وفات ۴۳۳ھ ۴۳۷ھ میں ہوئی۔ فتوح الغیب چھ ضخیم جلدوں میں ہے مصنف کہتے ہیں کہ حاشیہ کہنے سے پہلے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ مجھے دودھ کا پیالہ پکڑا ہوا ہے اور مجھے پینے کو کہا، چنانچہ میں نے کچھ پیا۔ پھر آنحضرت کی خدمت میں پیش کیا اور انہوں نے بھی پیا۔ (کشف الغلوں: ۲: ۱۳۷)

۱۷ تقاضا زانی : متوفی ۱۵۹۱ھ ۱۵۹۹ھ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تقاضا زانی ۱۰۰ غلوں نے کشاف پر حاشیہ لکھا ہے مگر یہ اسے مکمل نہیں کر سکے۔

اور افضل کے چھوڑنے پر بھی کہہ دیتے ہیں بلکہ کبھی تعظیم و تکریم کی غرض سے بھی کہہ دیتے ہیں۔ شاکہیں اللہ آپ کو معاف کرے میرے معاملہ میں آپ نے کیا کیا۔

نیز علامہ سید علی نے بیضاوی کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ بیضاوی نے اس بڑی عبادت کے لکھنے میں حالانکہ صاحب انتصاف کتابا ہے کہ دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے، یا تو یہی معنی جو بیضاوی نے بیان کیے مراد میں یہی تویہ اس کی غلطی ہے یا یہی معنی مراد ہوں گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور آپ کی قدر کو بلند رکھتے ہوئے کنایہ کا استعمال کیا مگر بیضاوی نے کلمے الفاظ میں اس کا اظہار کر دیا۔ بیضاوی نے بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آداب خداوندی کا لحاظ کیوں نہ رکھا اس کے بعد انتصاف کے مصنف نے طبیعی اور تغتازانی کی عبادت نقل کی ہے اور پھر لکھا ہے کہ قاضی عیاض شفاء میں کہتے ہیں عفا اللہ عنک کا محاورہ کلام شروع کرنے کے لیے آتا ہے جس طرح کہتے ہیں **أَصْلَحَ اللَّهُ وَاعَزَلَ اللَّهُ**۔

صدر حسن بن محمد بن صالح نامی نے اس موضوع پر زحمری کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام **جَبَّةُ النَّافِلَةِ وَحُجَّةُ الْمُتَأَنِّفِ فِي الْإِنتِقَالِ إِلَى الْقَاسِمِ الْعَاطِسِ** ہے۔ اسی نکتہ اور اس قسم کے دیگر نکات کی وجہ سے دین دار اور پرہیزگار لوگوں نے کثافت کے مطالعہ اور تدریس سے منع کیا ہے۔ تقی الدین سبکی نے اسی غرض سے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام **سَبَبُ الْإِتِّكَافَاتِ عَنِ اقْتِرَاءِ الْكُثَافَاتِ** رکھا ہے۔ اس کا مطالعہ اسی حاشیہ میں کریں کیونکہ مصنف حاشیہ نے اس رسالہ کو پس کا پورا نقل کر دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۴۔ **وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا** (سورہ بقرہ ۱۵)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آیت **وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا** رجب تک رسول نہ بھیجیں، ہم عذاب نہیں کرتے، میں جس عذاب کی نفی کی گئی ہے اس سے کیا مراد ہے۔ کیا دنیا کا عذاب یا

۱۔ انتصاف: امام ناصر الدین احمد بن محمد بن النیر اسکندری کی تصنیف ہے اس میں انھوں نے تفسیر کثافت میں جتنے معتزلہ خیالات ہیں ان کا ذکر اور رد کیا ہے۔ ان کی وفات ۳۸۲ھ میں ہوئی۔

۲۔ تقی الدین سبکی: شیخ تقی الدین علی بن عبد الکریم سبکی، ان سے ذہبی نے حدیث سنائی، ذہبی نے نہیں نقل کیا، الفاظ لکھے ہیں ان کی مستند تصانیف ہیں۔ ان کی پیدائش ۳۸۲ھ میں ہوئی اور وفات ۷۵۶ھ میں۔

آخرت کا: اور کیا بوجھ دعوت شرط ہے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے یا شرط نہیں ہے جیسا کہ ان
امادیت سے پتہ چلتا ہے جن میں پاگل وغیرہ کا ذکر ہے جو بات نہیں سمجھ سکتے اس لیے کہ قیامت کے
دن اسے امتحان کی غرض سے دوزخ کی آگ میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ اگر اس نے مان لیا تو
جنت میں جائیگا اور اگر نہ مانا تو دوزخ میں جائے گا۔

حضرت نے فرمایا: اس عذاب کے لیے جو دنیا میں واقع ہو مثلاً خف ورجم وغیرہ جو ان میں سے
کو دیا گیا بوجھ دعوت شرط ہے لہذا اللہ تعالیٰ کا فرمان دَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا یعنی
ہم کسی امت کو خف ورجم وغیرہ سے عذاب نہیں کرنے کے جب تک کہ ان کے پاس رسول نہ آجائے اور انہیں
حجت ان پر قائم نہ ہو جائے۔ لیکن آخرت کے عذاب کے لیے بعثت رسول شرط نہیں اگر ایسا ہوتا تو یا جوج
اور ما جوج میں سے ایک بھی دوزخ میں نہ جاتا حالانکہ دوزخ میں جانے والوں میں بڑی تعداد انہی کی ہوگی
میں نے کہا ایک حدیث میں آیا ہے کہ شب معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر گذر ہوا اور
آپ نے ان کو خدا کی عبادت کی دعوت دی مگر انہوں نے انکار کیا اسی لیے وہ دیگر حاصی لوگوں کے
ساتھ دوزخ میں جائیں گے۔

حضرت نے فرمایا: ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔

مؤلف کہتا ہے کہ حقائق حدیث کی بھی یہی راستہ ہے کہ حدیث مذکور کی سند میں نوح بن ابی مریم
ابو عصہ ضبی آیا ہے جو جھوٹے حدیثوں کے بنانے میں مشہور ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں ابن حبان فرماتے ہیں
اس میں سچائی کے سوا ہر چیز پائی جاتی ہے ۵

۱۔ نوح بن ابی مریم ابو عصہ الضبی: نوح بن ابی مریم: ابو مریم کا نام ماتہ ہے۔ نوح مرد کے تانہ تھے اور نوح
جانے کے نام سے مشہور ہیں۔ عباس بن مسلم کہتے ہیں کہ ان کا باپ نجوسی تھا۔ انہیں جامع اس لیے کہا گیا کہ انہوں نے فقہ
ابو حنیفہ اور ابن ابی ایل سے پڑھی اور حدیث صحیح بنی رطاعہ اور دارقطنی سے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ مرزوقہ الحدیث ہیں
بخاری نے انہیں ذاہب الحدیث کہا ہے۔ فضائی کہتے ہیں یہ ثقہ ہیں۔ حاکم کہتے ہیں کہ اس نے فضائل قرآن کی حدیث
وضع کی۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو درمندیہ التہذیب ج ۱۰ ص ۳۵۳ ص ۳۵۴

۲۔ ابن حبان: ابو ماتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان۔ ان کی سند و تصانیف ہیں۔ انہوں نے حسین بن ادریس
ہرمزی، ابو حنیفہ جمی وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے حاکم منصور بن عبد اللہ خالہ وغیرہ نے۔ ماتہ تک
مرتد کے تانہ رہے فقیر، حادۃ حدیث، طلب اور نجوم اور دیگر علوم کے عالم تھے ان کی تصانیف میں
سند مسیح کتاب الصفراء وغیرہ ہیں۔ انہوں نے ۳۵۳ھ و ۳۵۴ھ میں وفات پائی۔

موقف کتابہ کو پاگل وغیرہ کے بارے میں جو احادیث آئی ہیں ان کا ذکر کر کے میں کلام کو لبانیس کرنا چاہتا اور نہ ہی جو کچھ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے اس کا ذکر کرنا چاہتا ہوں اور نہ علم ہرمل کے ماہرین کے اقوال نقل کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میرا مقصد تو حضرت کا کلام جمع کرنے سے ہے۔ اگر لوگوں میں جمالت عام نہ ہوتی تو میں صرف انہی کے اقوال پر اکتفا کرتا اور ان احادیث وغیرہ کا ذکر نہ کرتا جو ہماری غرض پر دلالت کرتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۵۔ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ (سورہ تکویر پارہ ۳۰ آیت ۷۲)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کیا وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اللہ تعالیٰ نے یوں ظاہر فرمائی وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ (تمہارا رفیق دیوانہ نہیں) اور حضرت جبریلؑ کے متعلق یوں کہ مَّا رَسُوْلٌ كَذِبٌ مُّطَاعٍ شَهِدَ اٰمِيْنٌ (یہ اللہ کے سفیر ہیں، عالی مقام ہیں، وہاں سردار ہیں اور امین ہیں)۔

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نور حق سے نازل ہوتا ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تعبیر کرنے لگتے ہیں تو اس کی عبارت اس حالت کو اخذ کرتی ہے جو اس وقت آپ پر غالب ہوتی ہے اور یہ حالت کبھی تواضع کی حالت ہوتی ہے کبھی اور کوئی حالت اور اس وقت آپ پر تواضع کی شان کا غلبہ تھا کہ جبریلؑ کو بڑا سبھی اور اپنے آپ کو چھوٹا۔

ایک اور بار حضرت نے ارشاد فرمایا کہ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ماقبل کو ثابت کرنے اور ان اوصاف کی صحت بیان کرنے کے لیے آیا جو جبریلؑ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں گویا کہ یوں کہ لایا کہ جبریلؑ کے متعلق جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس کی خبر تم کو وہ رسول دے رہا ہے جس کی پسمانی امانت اور یہ کہ وہ جو کچھ وہ کہتا ہے سمجھ کر کہتا ہے سب تم کو معلوم ہے اور جب خبر دینے والا ایسا ہو اور وہ بات کرتے وقت دیوانہ بھی نہ ہو تو اس کی خبر یقیناً قابل وثوق ہوگی لہذا وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ کہنے سے ماقبل کو فنا لبیب کی عقل میں بٹھانا مقصود ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بیان کرنا مقصود نہیں لہذا یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں تو صفت سلبیہ پر اکتفا کیا اور جبریلؑ کی تعریف میں بڑے بڑے وصف بیان کئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۴۔ وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ سُبْحَنَا

(سورہ اعراف آیت ۸۹)

میں نے حضرت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ سُبْحَنَا (ہم تو اس مذہب میں واپس آنے کے نہیں مگر یہ کہ ہمارا رب چاہے) کے متعلق دریافت کیا حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ کیسا استثناء کیا ہے کیونکہ اس جگہ استثناء سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہیں اپنی ایمان والہ حالت پر شک تھا اور وہ اس پر ثابت قدم نہ تھے۔

حضرت نے فرمایا: مگر یہ استثناء صرف اللہ کی طرف رجوع کرنے کے لیے ہے اور یہی خالص ایمان ہے۔ اس لیے کہ اہل فتح بالخصوص انبیاء و رسل دیکھتے ہیں کہ ان میں اللہ ہی کا فعل کام کر رہا ہے اور یہ کہ ان میں ذاتی طور پر نہ کسی کام کرنے کی طاقت ہے نہ باز رہنے کی اور جو فعل بھی ان سے سرزد ہوتا ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے پس ایسی حالت والا شخص اگر کسی فعل کو اللہ کی مشیت پر چھوڑے تو سمجھ لو کہ وہ بحر عرفان میں غرق ہو چکا ہے اور اس نے ایمان کا بند ترین درجہ پیش کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۵۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے استثناء کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انھوں نے کہا اہل اطاعت کا ثبوت دیتے ہوئے یوں کہہ دیا کہ ہاں اگر اللہ چاہے اور مجھے اس کا حکم دے تو کرنے کو تیار ہوں جس طرح ملائکہ کو حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کرو وگرنہ ابیس نے اطاعت نہ کی حضرت شیخ عبدالعزیز کا جواب اہل فتح کا جواب ہے لیکن اہل ظاہر کے لیے میرے نزدیک بہتر میں جواب یہ ہے کہ یہاں استثناء تعلیق بالہمال کے طرز پر آیا ہے جیسے شاعر کے اس قول میں :-

وَحَقُّ الْيُودِ الْقَادِرَانِ كَلَّا هُمَا وَيُنْشَرُنِي الْقَتْلُ كُلُّيْبٍ بِوَأْسِلِ

اسی طرح حضرت شعیب نے فرمایا کہ تم تو ہماری ملت میں واپس آنے کے نہیں جب تک اللہ نہ چاہے مگر اللہ تعالیٰ تو یہ چاہ نہیں سکتے کہ تم جوں کے سامنے سر ہکائیں لہذا ہم بھی ہماری ملت میں نہیں آسکتے۔ عربی زبان میں تعلیق بالہمال کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں چنانچہ ایک اور شاعر کہتا ہے:

فَرَجَى الْخَيْبَرُ أَنْظِرِي أَيُّهَا ابْنِي إِذَا مَا الْقَارِطُ الْعُغْزِيُّ أَبَا

راپ بلیسے کہتا ہے کہ میرے آنے کا اس وقت تک انتظار کر جس وقت تک قبیلہ غزہ لا قرطہ کے پتے

(بقیہ ماحشیہ اگلے صفحہ پر)

۳۷۔ وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ

(سورۃ النجم)

میں نے حضرت سے سوال کیا کہ آیت وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (قسم ہے ستارہ (ثریا) کی جب وہ اترے کہ تمہارے رفیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم ذرا تھکے ہیں نہ جھکے ہیں) میں اللہ اور نور رسالت میں کیا مناسبت ہے جس کی بنا پر یہ قسم کھائی گئی۔
فرمایا ستارہ کی قسم محض اس کے جہاد ہونے کی وجہ سے نہیں کھائی گئی بلکہ اس نور حق کی وجہ سے کھائی گئی ہے جو اس میں پایا جاتا ہے اور جو نور حق اس میں ہے وہ ایسا نور ہے جس سے عقل اور سمندر کی تباہیوں میں رہنمائی ہوتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے ایک مثال بیان کر کے اس کی وضاحت کی اور فرمایا فرض کرو کہ دو آدمی سفر کے لیے نکلے ہوں اور راستہ بھول گئے ہوں، نہ ساتھی ساتھ رہا اور نہ زادِ راہ حتیٰ کہ دونوں کو ہلاکت کا یقین ہو گیا ہو اور نجات اور خلاصی سے مایوس ہو گئے ہوں، لیکن ان میں سے ایک کو اس ستارہ (ثریا) کا علم ہو جس کے ذریعہ سے مسافر اپنے سفر کی راہ دریافت کر لیتا ہے چنانچہ وہ اس کی تلاش میں رہا ہو اور جب رات ہوئی وہ اس کے پیچھے ہو گیا ہو، یہاں تک کہ وہ منزل مقصود تک پہنچ گیا ہو اور اللہ نے اسے بچا لیا ہو۔

لیکن دوسرے کو ستارہ کا علم نہیں ہے، نہ ہی اس بات کا علم ہے کہ ستارہ کے ذریعہ سے راہ کیسے پاتے ہیں اور نہ ہی اس نے اپنے ساتھی کی پیروی کی لہذا وہ گمراہی کی وادیوں میں جھٹکتا پھرے گا اور آخر مر جائے گا اور مرنے کے بعد اس گرمی و سردی کے باعث جو اس پر گزرے گی وہ پنے کے دلنے کی طرح ہو جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوگوں کا بھی یہی حال ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں شخصوں کے درمیان میں، ایک گروہ آپ پر ایمان لے آیا اور اس نے آپ کی تصدیق اور تابعداری کی اور جنتِ نعیم اور اللہ تعالیٰ کی ان عنایات میں پہنچ گئے جن کا بیان

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

جہاڑنے والا واپس آئے (مگر وہ تو مر چکا ہے اس لیے میری داپھی کی بھی امید نہ رکھا) اسی طرح ایک اور ضرب النمل۔ حتیٰ یَرْجِعَ مَصْفُوفَةً مِنْ طَبْرِ سِتَان۔ یہاں تک کہ معتقد ہرستان سے واپس آئے مگر معتقد ہرستان میں ایک جنگ میں مارا گیا تھا اس لیے وہ تو واپس آئیں مگر لہذا میں بھی واپس نہ آؤں گا میرے نزدیک اہل قہار کے لیے یہی تشریح بہتر ہے ۱۲۔

نہیں ہو سکتا جس طرح پہلا شخص اس جگہ پہنچ گیا جہاں خوراک اور ساتھی موجود ہیں اور نعمتیں اور وسیع سایہ پا کر اپنی مراد اور حاجت پال اور ایک قرینے نے آپ کی تکذیب کی لہذا وہ اللہ کی ناراضگی میں ہے یہاں تک کہ مرگئے اور جہنم نے انہیں اپنی گرمی اور زہر سے جلادیا جس طرح دوسرے شخص کے جسم کو گرمی اور سردی نے جلایا۔ لہذا ستارہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں مشابہت پائی گئی اور درحقیقت تو اللہ تعالیٰ نے نور حق کے ایک ایسے فرد کی قسم کھا کر جسے وہ جانتے ہیں اس فرد کو محقق کرنا چاہا ہے وہ نہیں جانتے۔

پھر میں نے عرض کیا کہ اِذَا هَوٰی سے کیا مراد ہے؟

فرمایا کہ اِذَا هَوٰی کے معنی ہیں کہ آسمان کے وسط سے ہٹ جاتے اس لیے کہ جب ثریا آسمان کے وسط میں ہوتا ہے تو اس سے راستہ معلوم نہیں ہو سکتا کیونکہ اس وقت وہ ٹھہرا ہوتا ہے اور کسی جہت میں جھکا نہیں ہوتا اس لیے اس سے راستہ کا پتہ بھی نہیں چل سکتا۔ واللہ اعلم۔

مؤلف کہتا ہے کہ اس آیت کے متعلق مفسرین نے بہت کچھ کہا ہے جن کا ذکر نجم الدین غیبی نے الاسرار المعراج کے متعلق اپنی تالیف میں بالاستیعاب کیا ہے۔ یہ بڑی قابل قدر کتاب ہے اگر آپ اسے پڑھ لیں تو آپ کو فرمودہ حضرت کی قدر معلوم ہو جائے گی۔ اگر طوالت اور موضوع سے خارج ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو ہم ان سب کا ذکر کرتے۔ واللہ اعلم

میں نے حضرت کو فرماتے سنا کہ الصمد ایسا نام ہے جس سے تمام مخلوقات سیراب ہے خواہ درخت ہو یا پتھر یا ڈھیلہ اور ذی روح ہو یا غیر ذی روح۔

اہل اعراف

میں نے اعراف والوں کے متعلق حضرت کو کہتے سنا کہ وہ سیدی فلان اور سیدی فلان ہیں اور آپ کا اشارہ اہل عرفان میں ہے بڑے بڑے صاحبانِ فتح کی طرف تھا۔ حضرت نے فرمایا جنت میں بند مقامات ہیں جن پر چڑھ کر وہ جنت والوں سے اونچے ہو جائیں گے جس طرح کو فاس میں ایک بند منارہ ہے کیونکہ فاس کے لوگ وہاں چڑھ کر نیچے کی ساری آبادی کو دیکھتے ہیں ان لوگوں کے بند مقامات کا نام اعراف ہے۔ حضرت نے یہ مثال تقریبی طور پر دی تھی۔

مؤلف کہتا ہے کہ اعراف میں کئی اقوال ہیں جن کا ذکر حافظ سیوطی نے اَلْبَدَا وَرَأْسُ ذُرِّۃ میں کیا ہے۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ ان میں سے حضرت حمزہ اور دیگر شہداء ہیں اور یہ قول حضرت کے قریب قریب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۸۔ اِنَّا نَحْنُ اَللّٰهُ نَحْنُ اَلْمُبِیِّنُ لَا یَغْفِرُ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ
وَمَا تَاَخَّرَ (سورہ فتح)

میں نے حضرت سے آیت اِنَّا نَحْنُ اَللّٰهُ نَحْنُ اَلْمُبِیِّنُ لَا یَغْفِرُ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ
وَمَا تَاَخَّرَ (اے محمد ہم نے آپ کو واضح فتح عطا کی تاکہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے)
کے متعلق دریافت کیا۔

حضرت نے فرمایا کہ فتح سے مراد مشاہدہ ہے یعنی مشاہدہ حق۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
کے اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں یہ بات پہلے سے موجود تھی کہ ساری مخلوق کو معرفت حق حاصل نہ ہوگی
کیونکہ اگر تمام اس کی معرفت سے بہرہ ور ہوتے تو صرف ایک ہی گھر (یعنی جنت) ہی ہوتا حالانکہ اللہ
نے دو گھر تجویز فرماتے ہیں، اس لیے ان لوگوں کے سوا جن پر خدا کی رحمت ہوتی ہے سب کو معرفت سے
حجاب میں ڈال دیا۔ اس لیے انہیں اپنے فعل اور ذات کے مشاہدہ سے بھی روک دیا کہ انہیں اگر پردہ اٹھا
دیا جاتا تو وہ خدا کا مشاہدہ کر لیتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ (سورہ حدید
ایت ۴) وَنَحْنُ اَکْثَرُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرْدِ (سورہ ق ایت ۱۷) وَ اِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ
قُلْ اِنِّیْ قَرِیْبٌ (سورہ بقرہ ایت ۱۸۸) وَلَا اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَکْثَرُ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ
اَیْنَ مَا كَانُوْا (سورہ مجادلہ ایت ۲) (جہاں کہیں بھی تم ہو خدا تمہارے ساتھ ہوتا ہے، ہم اس کے
شاہرگ سے بھی زیادہ قریب ہیں جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں (تو کہہ دیں) میں
قریب ہوں اور خواہ کم ہوں یا زیادہ، جہاں کہیں بھی وہ ہوں خدا ان کے ساتھ ہوتا ہے) اور یہ بھی دیکھ
لیتے کہ ان کے تمام انخلاق اللہ ہی کے مخلوق ہیں اور غافل حقیق اللہ ہے وہ نہیں ہیں، اور وہ خود ہنزلہ
ظروف و ماحول اجسام کے ہیں جسے اللہ تعالیٰ جیسے پاتا ہے حرکت دیتا ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے
وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو بھی پیدا کیا ہے۔ یہ شہادت کرنے
کے بعد کوئی بھی نافرمانی نہ کرتا اس لیے کہ معصیت تو اسی شخص سے سرزد ہوتی ہے جو معصیت کے وقت اللہ
سے حجاب میں ہو اور غافل ہو۔

حضرت نے فرمایا: مومن کا اگرچہ یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کے افعال کا خالق اور منفرد
ہے اور اس کا ارادہ غالب ہے، لیکن یہ اعتقاد کسی سامنے آتا ہے اور کبھی اصل ہو جاتا ہے جس کا سبب

جواب ہے۔ اس لیے ان کا ایمان محض ایمان بالغیب ہوتا ہے، مشاہدہ و عیان کا نہیں۔ جس پر اللہ کی رحمت ہو جاتی ہے، اس سے جواب کو دور کر دیتا ہے اور خدا اپنے مشاہدہ سے اس کو نوازتا ہے لہذا اسے حق کے سوا کچھ نظر نہیں آتا کہ یہ حق کی طرف سے ہے اور اسی کی طرف اس کا انجام ہے "فتح مبین" سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔

میں نے سوال کیا کہ یہ "فتح مبین" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کب نصیب ہوا؟

حضرت نے فرمایا: بچپن سے ہی کیونکہ آپ پر کسب بھی جواب نہیں آیا۔

فرمایا: قوت و ضعف کے لحاظ سے فتح میں بھی فرق ہوتا ہے لہذا ہر ایک کو اس کی حالت کے مطابق

دی جاتی ہے اور عقل، روح، نفس، ذات، سراور حفظہ کے اعتبار سے جو قوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی کسی اور میں نہ تھی یہاں تک کہ اگر تمام انبیاء و غیرہ اصحاب فتح کو جمع کر دیا جاتے اور وہ قوت فتح جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے ان پر ڈالی جاتے تو سب گچھل جاتیں اور ان کے اجسام ریزہ ریزہ ہو جاتیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان مَّا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبٍ وَ مَّا تَأَخَّرَ مِنْ ذَنْبٍ سے مراد اس کا سبب یعنی وہ غفلت اور جواب کی غفلت ہے جو آپ کی تڑائی خلقت میں پائی جاتی ہے اور فرمایا کہ اس غفلت اور جواب لگانا سے وہی تعلق ہے جو بد بودار اور سیلے کھیلے کپڑے کا اس پر لگنے کے کرنے کا ہے۔ لہذا جب کوئی بھی اس کپڑے کو پہنے گا تو لگنے اس پر کرے گی، لیکن جب اس کپڑے کو ہی لگھی نہ دیا جائے تو یہ جائز ہوگا۔ اسی طرح یہاں ذنب (گناہ) سے مراد جواب ہے اور مَّا تَقَدَّمَ وَ مَّا تَأَخَّرَ گناہ اس کے بالکل ضائع ہو جانے سے، مطلب یوں ہوا کہ "ہم نے آپ کو واضح فتح عطا کی تاکہ آپ سے جواب کلین زائل ہو جائے اور آپ پر ہماری نعمت مکمل ہو جائے اور تاکہ آپ کو راہ دکھائی جائے اور آپ کی مدد کی جائے اس لیے کہ زوالِ جواب سے بڑھکر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی راہنمائی معارف کی طرف راہنمائی سے بڑھکر ہو سکتی ہے اور نہ ہی نصرت اس شخص کی اس نصرت سے بڑھ کر ہو سکتی ہے جس کی یہ حالت ہو جب میں نے عرض کیا: کیا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے؟

فرمایا: ہاں۔

میں نے عرض کیا: کیوں؟

فرمایا: آپ ہر چیز کی آنکھ ہیں۔

میں نے کہا اسی لیے مشر میں انبیاء علیہم السلام کہیں گے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ملیں

کیونکہ اللہ نے ان کے تمام گناہ مٹا دیے ہیں۔

تو کتنا ہے کہ جو کچھ حضرت نے فرمایا نہایت ہی نفیس معرفت کی بات ہے اور نہایت لطیف لطیف ہے اور بارگاہ نبوت کے زیادہ مناسب اور نبی کی تفسیر اور تعلیم کے لیے نہایت واضح اور اس عصمت کے زیادہ موافق ہے جس پر سب کا اتفاق ہے اور اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حق زیادہ ادا ہوتا ہے اور ترتیب و سیاق آیت کے زیادہ مناسب ہے۔ خدا انہیں ہماری طرف سے بہترین جزا دے۔

اس آیت پر کئی ایک لوگوں نے بحث کی ہے اور وہ معنی جن کی طرف حضرت نے اشارہ کیا ہے ان کے ذہنوں میں تھے مگر اس کا اظہار نہ کر سکے۔ اس کی تفسیر اس کے گرد ہی چکر لگاتا رہا، ابو یوسفی الشریف جو ابی عبد اللہ الشریف التلمسانی کے نام سے مشہور ہے، کی عقل اس کی تلاش میں سرگرداں رہی یہاں تک کہ اس نے گناہ کے تین مراتب بنائے اور اسی طرح مغفرت کے بھی تین مراتب بنائے۔ اس طرح کہ گناہ کا ایک عمل صدر ہے اور وہ نفس امارہ ہے اور ایک اس کی حقیقت یعنی مخالفت کرنا اور ایک اس کا اثر یعنی ظلمت قلب جس کا ذکر آیہ تَمْلَأُ بِلْهَامٍ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ رہبر گز ایسا نہیں ہے بلکہ ان کے دلوں کو ان کے اعمال نے تنگ کر دیا ہے اور حدیث میں ہے إِذَا أَذْنَبَ الْعَبْدُ ذَنْبًا حَصَلَتْ فِي قَلْبِهِ نَقْطَةٌ سَوْدَاءُ (جب کوئی بندہ کسی قسم کا گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ داغ پڑ جاتا ہے) تلمسانی کہتے ہیں کہ عمل صدر اور اثر کو مجازاً گناہ کہا گیا ہے کہ عمل صدر میں تو سبب کے اعتبار سے یہ نام دے دیا گیا ہے اور اثر میں مسبب کے اعتبار سے۔

مغفرت کا لفظ "غفر" سے ماخوذ ہے جس کے معنی پر دھونے کے ہیں اور ستر کے کئی مراتب ہیں پہلا درجہ جو سب سے زیادہ قوی ہے یہ ہے کہ کسی کا وجود ہی نہ رہے۔ چنانچہ گناہ عدم کی بنا پر ہی چھپ جاتا ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ وجود تو ہو مگر اس کا ادراک کرنے والا حاسہ ہم میں نہ ہو اور تیسرے یہ کہ وجود میں ہو اور حاسہ مدرک بھی مگر درمیان میں کوئی چیز حائل ہو جائے چنانچہ سورج اگر مطلقاً آسمان پر نہ ہو تو یہ عدم میں چھپا ہوا ہوگا اور اگر سورج موجود ہو لیکن دیکھنے والے کے بینائی ہی نہیں ہے تو یہ حاسہ مدرک کے نہ ہونے کی وجہ سے چھپا ہوا چوکا اور یہ ستر کا کمزور ترین درجہ ہے۔ اس لیے کہ بادل بٹنے پر سورج نظر آجائے گا۔

تلمسانی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں مغفرت کا لفظ جو استعمال ہوا ہے اس سے مراد عدم ہے اور گناہ سے عمل صدر گناہ اور حقیقت گناہ مراد ہے نہ کہ اثر اور اس میں کوئی شک نہیں کہ

ان میں سے ہر ایک کی مغفرت سے اثر کو مٹا دینا خود لازم آجائے گا اور اگر اثر مراد لیا جائے تو محل صدر یعنی نفس اور حقیقت یعنی خلاف حکم کا صدر مقتفی نہیں ہوتا اور اول تو یہ عصمت کے خلاف ہوا کہ اگرچہ رنگ اثر کیا مگر مادۂ مخالفت موجود ہے لہذا عصمت کماں رہی دوسرے یہ کہ آثا تو عام مسلمان بلکہ گناہگار میں بھی پایا جاتا ہے، لیکن اس آیت میں گناہ سے مراد حقیقت یعنی مخالفت لی جائے تو یَغْفِرُ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ میں مِنْ یعنی عَنْ ہوگا اور ترجمہ یوں ہوگا کہ حق تعالیٰ نے مخالفت سے جوئی مقدم ہے یعنی محل صدر اور نفس امارہ اس کو بھی معذور فرمادیا نیز مخالفت سے جوئی مؤخر ہے یعنی اثر گناہ اور ظلمت قلب اس کو بھی معذور فرمادیا اور اگر گناہ سے مراد حقیقت اور مجاز دونوں لیے جائیں تو مقدم سے مراد حقیقت گناہ ہے کہ مخالفت کے فعل کو معذور فرمادیا اور تاخر سے مراد اثر گناہ ہے کہ رنگ و ظلمت کو بالکل مٹا دیا کیونکہ مخالفت کا وجود اثر کے وجود سے مقدم ہوتا ہے۔

علامہ مذکور کی تقریر سے مطلب تو قریب قریب وہی ادا ہو گیا جو حضرت مددوح نے بیان فرمایا اگرچہ نفع کی تفسیر شیخ کے مطابق نہ ہو سکی حالانکہ مسئلہ کی روح وہی ہے انھوں نے نفع سے مراد تصدق قدر ہے۔ یعنی اسے محمد ہم نے تمہارے لیے مقدر فرمایا لیکن یہ بیان نہیں کیا کہ کیا چیز مقدر کی گئی تاکہ مابعد کو اس پر چسپاں کیا جاسکے۔ جیسا کہ اس کے مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا۔

اس مسئلہ میں حافظ سیوطی نے ایک عمدہ رسالہ تالیف کیا ہے جس میں علماء کے اقوال جمع کر دیے ہیں۔ اسی ابو یوسف بن عبد اللہ الشریف التلمسانی مذکور نے بھی ایک رسالہ اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے

۱۔ شیخ کی تفسیر کے مطابق آیت کا ترجمہ یوں ہوا کہ اے محمد ہم نے تم کو شاہد کا لہ نصیب فرمایا تاکہ مادہ گفت و تم سے بالکل جاتا ہے اور تاکہ نعمت خداوندی تم پر مکمل کر دی جائے اور تاکہ تم کو ہدایت و معارف حاصل ہوں اور تاکہ تم ایک حقائق کے منصور و فاتح ہو جاؤ۔

مگر اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس آیت کے شان نزول اور واقعات سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری نفع مراد لیا گئی ہے چنانچہ اس آیت کے نزول پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمرؓ کو یہ فرمایا کہ سورہ نفع نازل ہوئی ہے اور حضرت عمرؓ کو یہ عرض کرنا کہ یا رسول اللہ کیا ذاتی نفع ہے اور آپؐ کا فرمانا کہ ان نفع سبب ہے اور پھر موقع صلح حدیبیہ کا ہے۔ لہذا اس معنی پر اس تمام گفتگو کا جو آنحضرتؐ اور صحابہؓ میں ہوئی، کیا جواب ہوگا۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس آیت کے باطنی معنی یہ۔ (مترجم)

اور شیخ ابوالعباس سیدی احمد بابا سوڈانی نے ان دونوں تالیفوں کو اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے خدا اپنے کرم و احسان سے ان سب پر رحم کرے اور ہمیں ان سے اور ان کے علوم سے فائدہ پہنچائے۔ آمین واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۹۔ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا (سورہ جن آیت ۲۷)

۴۰۔ وَقَوْلُهُ تَعَالَىٰ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ (سورہ لقمان آیت ۳۴)

میں نے عرض کیا کہ ان آیات عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا (وہ عالم غیب اپنے غیب پر سوائے چیدہ رسولوں کے کسی کو مطلع نہیں کرتا) اور إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ (قیامت کا علم خدا کو ہی ہے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ حُجُبٍ لَا يُعْلَمُ مَتَى إِلَّا اللَّهُ (یہ ان پانچ امور میں سے ہے جن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں) سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب کی باتیں بجز پیغمبر کے کسی کو نہیں بتاتا حالانکہ عارفین کو بھی کشف ہوتا ہے اور وہ غیب کی بات مثلاً ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی بتا دیا کرتے ہیں اور اس قسم کی کرامات اولیاء میں عام پائی جاتی ہیں۔

حضرت نے فرمایا: کہ جو حصر کلام اللہ اور حدیث میں پایا جاتا ہے اس سے مراد کائناتوں، عرآفوں اور ان لوگوں کو خارج کرنا ہے جن کے تابع ہزار ہوتے ہیں اور جن کے متعلق جاہل عربوں کا یہ خیال تھا کہ یہ لوگ غیب کی باتیں جانتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے مخاصمت کے فیصلہ کے لیے ان کے پاس جاتے اور ان کی بات پر عمل کرتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس باطل اعتقاد کو ان کے دلوں سے نکالنا چاہا لہذا یہ اور اسی قسم کی دوسری آیات نازل فرماتیں اور اسی طرح اس بات کو حقیقت اور نفس الامر میں بھی زائل کرنا چاہا چنانچہ (ان جنات کو آسمان پر جانے سے روکنے کی غرض سے) آسمان پر سخت پہرے بٹھا دیے اور شبابِ ثاقب مقرر کر دیے۔ ان تمام باتوں سے مقصد صرف اتنا تھا کہ مخلوقات کو باطل سے پھیر کر حقی پر جمع کر دیا جائے اور اولیاء حق میں سے ہیں، باطل میں سے نہیں ہیں، اس لیے اہل بیت میں اور دوسری آیتوں میں جو حصر آیا ہے اس سے وہ خارج نہیں ہوتے۔

فرمایا کہ اس اور اس قسم کی دیگر آیات میں بات عام ہوتی ہے لیکن نور کے جو تیر اس میں ہوتے ہیں وہ اس آیت کو بعض افراد کے ساتھ مخصوص کر دیتے ہیں لہذا جب عائت ایک عام لفظ کو سننا ہے تو ان کے نور کے تیروں کو دیکھتا ہے اگر وہ محض فلاں و فلاں وزید و عمر و خالد و کبر پر اترتے دکھائی

دیتے ہیں تو وہ سمجھ جاتا ہے صرف یہی لوگ مراد ہیں کوئی اور مراد نہیں اور اگر لفظ عام ہو اور وہ اس نور کو دیکھے کہ یہ تمام افراد پر اتر رہے ہیں اور کوئی فرد بھی ان سے الگ نہیں رہا تو وہ سمجھ جاتے ہیں کہ سب لوگ مراد ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشتر اس کے کو آیت آپ کی زبان مبارک سے نکلے اس کا علم ہوتا تھا اس لیے کہ نور کے تیر پڑے ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر وارد ہو جاتے تاکہ آپ کو علم ہو جائے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے۔

موقف کتنا ہے کہ حضرت کا اشارہ اس عام کی طرف ہے جس سے خاص مراد لی گئی ہو اور وہ عام جو اپنے علوم پر مبنی ہو، لیکن آپ چونکہ حضرت اُمّی ہیں اس لیے آپ کو اصطلاح کا پتہ نہیں مگر پھر آپ اصطلاح سے معانی کی طرف سبقت لے گئے ہیں یہاں تک اگر علماء ظاہر کا سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑا مناظر، چالاک اور باخبر آدمی اگر آپ سے مقابلہ کرنا چاہے تو وہ آپ کا مقابلہ ذکر کے گناہ اس لیے کہ حضرت اس سے پہلے ہی معانی معلوم کر لیں گے اور اس کے تمام راستے بند کر دیں گے حتیٰ کہ آپ سے مقابلہ کرنے سے ہتھیار ڈالنے اور طبع ہونے کے سوا کچھ بن نہ آسے گا اور میں اکثر لکھتا تھا یا حضرت جن قدر آپ کے بارے میں علماء ظاہر سے بھول ہوئی ہے کسی اور سے نہیں ہوئی کیونکہ اگر وہ آپ کے پاس آتے اور ابواب علم میں آپ سے گفتگو کرتے تو ان کی عقلیں روشن ہو جاتیں اور ان کے شکوک رفع ہو جاتے۔ میرے پاس ابو النضر اسفراہینی کی کتاب التبصیر فخری جو انھوں نے بہتر فرقوں کے متعلق لکھی ہے اور حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اہل اہوار کے شبہات کا مجھ سے ذکر کر دو اور جو اشکال اس میں ہو، مجھ سے پوچھو چنانچہ جب بھی میں نے ان سے ان کا کوئی شک بیان کیا آپ نے فوراً حل کر دیا اور پھر آپ نے اور علوم و معارف کا ذکر کیا۔ میں نے آپ سے آپ کی مرضی الموت میں "برہان القطع والتبیین" کے متعلق گفتگو کی تو مجھے آپ سے بہت اصرار سننے میں آئے اور مجھے وہ علوم حاصل ہوئے جن کا ذکر علماء کلام نے کہیں نہیں کیا۔ اس کے بعد حضرت نے مجھے ان صوفیہ کی توحید کی تعلیم دی جو عارف باللہ ہوں اور فرمایا یہی وہ توحید ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے میں نے آپ کا اشارہ سمجھنے کے بعد عرض کی میرے آقا اگر لوگوں کو توحید کے بارے میں اس حق بات کا علم ہو جاتا تو امت تشریف رتوں میں منتقم نہ ہوتی۔ فرمایا: ہاں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت یہی

ابو النضر اسفراہینی: ابو النضر طاہر بن محمد الاسفراہینی جو شافعیوں کا طاہر شافعی کے نام سے مشہور ہیں ان کی

وفات ۳۸۵ھ میں ہوئی، ان کی کتاب کا پورا نام تبصیر فی الدین و التمیز

الفرقة الناجية عن الفرق الباطنية ہے (ملاحظہ ہو کشف النقاب: ج ۱ ص ۱۴۹)

کھنا چاہتا تھا تاکہ آپ کے بعد آپ کی امت کبھی گمراہ نہ ہو۔

اب ہم پھر اپنے مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں، میں نے حضرت سے عرض کیا کہ اس آیت میں رسول کو علم غیب کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے لہذا اولی اس سے خارج ہوتے لیکن دل کو بھی علم غیب ہوتا ہے لہذا اعتراض باقی رہا۔

حضرت نے فرمایا: اس آیت سے غیر رسول خارج ہوتے ہیں اور دلی ولایت میں رسول کے ساتھ داخل ہے پھر آپ نے ایک مثال دی اور یہ کھیتی باڑی کرنے کے دن سے کہ فرض کرد ایک بڑا آدمی مثلاً نفلان شخص یہ چاہے کہ کھیت میں جا کر اپنی زمین اور مزارعوں کو دیکھے تو اس کا کوئی نہ کوئی خادم یا عزیز دوست ضرور اس کے ساتھ جائے گا چنانچہ جب وہ وہاں پہنچے گا اور اپنی زمین اور مزارعوں کے متعلق معلومات حاصل کرے گا تو ان چیزوں کا علم اس کے خادموں اور دوستوں کو بھی ہو جائے گا۔ اسی طرح رسول کے لیے خادموں اور احباب کا ہونا ضروری ہے لہذا جب رسول کو غیب کا علم ہوگا تو اس میں سے کچھ حصہ اصفیاء کو بھی حاصل ہو جائے گا۔

اس کے بعد میں نے حضرت سے کہا کہ علماء ظاہر خواہ محدثین ہوں یا کوئی اور ان میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پانچ امور کا علم تھا جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعِۃِ وَنُزُلُ النُّجُومِ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاُحْشَامِ وَمَا تَدْرِی نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ عَدًا اَوْ مَا تَدْرِی نَفْسٌ بِاٰیِ اَرْضٍ تَمُوتُ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلَیْہِمْ خَبِیْرٌ (تایامت کا علم خدا کے پاس ہے اور وہی بارش برساتے، وہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے اور نہ کسی انسان کو پتہ ہے کہ کل کیا کرے گا اور نہ ہی کسی کو معلوم ہے کہ کہاں ہے مگر بیشک اللہ عظیم وخبیر ہے) یا علم نہیں تھا۔

فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ان پانچ چیزوں کا علم کیسے معنی رہ سکتا تھا حالانکہ آپ کی امت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے متعلق اس سے پہلے انزل القرآن علی سبعة احرف کے تحت مقرر بحث گذر چکی ہے اور ان حق کا یہی عقیدہ ہے جو کچھ شیخ عبدالعزیز دہانہ نے بیان کیا۔ بعض اہل باطن نے اس کے خلاف رسالے لکھے۔ بڑی بڑی موشگافیاں کیں اور اسے خالص توہید سمجھا۔ ان احباب کی مذمت میں مروجہ گزارش ہے کہ خالص توہید کے ساتھ مرتبہ رسالت اور پھر بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کا کوئی اور بھی نہایت اہم اور ضروری ہے آخر اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے ہاتھوں معجزات دکھاتا ہے تو کس لیے؟ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب دان کو بھی سمجھ خیال کر کے مان لیا جائے تو اس میں (بقیہ ماشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک صاحب تعرف ان پانچ چیزوں کے علم کے بغیر قدرت کر ہی نہیں سکتا۔

پھر میں نے سوال کیا کہ علماء کا قول ہے کہ لیلۃ القدر کا علم آنحضرت کے ذہن سے نکال یا گیا تھا اس لیے تو آپ نے فرمایا کہ اسے اتیسویں شب یا ستائیسویں یا چھیسیں شب میں تلاش کرو ورنہ اگر آپ کو اس کا علم ہوتا تو آپ معین فرما دیتے۔

اس پر آپ کو غصہ آگیا اور فرمایا سبحان اللہ اور پھر فرمایا اگر لیلۃ القدر آجائے اور میں مر چکا ہوں اور میری نفس گدھے کی طرح پھول چکی ہو اور میری ٹانگیں اٹھ گئی ہوں پھر بھی اس حالت میں مجھے اس کا علم ہو جائے گا، پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کا علم سید الوجود صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی رہا ہو۔ اس کے بعد آپ نے مذکور بالا پانچ باتوں کے متعلق اور لیلۃ القدر کے متعلق وہ اسرار بیان کیے جو ان سے عارف کی زبان سے ہو سکتے ہیں۔ خدا ہمیں ان کا اس کتاب میں ذکر کرنے کی توفیق دے۔ حضرت نے مختلف سالوں میں لیلۃ القدر کی تعیین فرمائی چنانچہ بعض اوقات اس کی تعیین رجب میں کی اور ایک سال شعبان میں اور ایک اور سال رمضان میں اور ایک اور سال عید الفطر کی رات۔ آپ اس رات کے آنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

کوئی تباحث لازم آتا ہے اور کونسا رکن اسلام مستند ہو جاتا ہے۔ یہ کتاب عوام کے لیے نہیں لکھی گئی اور نہ عوام کے سامنے اس قسم کے ساقی کو زیر بحث لانا چاہیئے کہ ان میں تشدد کا خوف ہوتا ہے یہ خواص کے سامنے ہیں۔

حضرت عبدالعزیز دہلوی نے آگے چل کر پھر اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور وہاں بھی یہی بات کہی ہے۔ مذکورہ بالا نوٹ لکھنے کے بعد مجھے ایک سند مل گئی کہ تہ مار کے ہاں اس مسئلہ پر اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم تھا یا نہ تھا چنانچہ سیوطی نے شرح الصدور بشرح حال الرقۃ والقبور طبع لاہور صفحہ ۲۱۴-۲۱۵ پر لکھتے ہیں کہ روح کے متعلق بعض علماء نے بحث کرنے سے احتراز کیا ہے اور بعض نے اس کی بحث کی ہے۔ پھر پہلے طریقے کے علماء میں بھی اختلاف ہے کہ آیا روح کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا یا نہ تھا۔ چنانچہ ابن ابی حاتم نے عبداللہ بن بریدہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تاجین و نفات روح کا علم نہ تھا دوسرا گروہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی اطلاع دی تھی مگر کسی کو بتانے کی اجازت نہ تھی اور اس مسئلہ میں اختلاف بعینہ اس طرح ہے جس طرح کہ قیامت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اختلاف ہے۔

سے پہلے ہی اس کی تعیین فرما دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے کہ اس کی حفاظت کرو اور یہ بھی فرماتے کہ یہ رات فتنل ہوتی رہتی ہے اسی طرح جمعہ کی ساعت (جو مقبولیت دعا کی ساعت ہے) کی بھی تعیین فرمائی کرتے اس کے چند اسرار کا ذکر انشاء اللہ ہم آئندہ کریں گے۔

میاں ہم ان آیات کو ختم کرتے ہیں جن کی تفسیر حضرت نے کی مگر ابھی کچھ اور آیتیں باقی ہیں جو اس کتاب میں اپنے مناسب مقامات پر آئیں گی اور بعض ایسی آیات ہیں جن میں ہم حضرت کی مراد کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکے اسی لیے انہیں میاں درج نہیں کیا گیا اور بعض آیات کی تشریح میں ایسے معرفت کے اسرار تھے جن کا تحریر کرنا مناسب نہ تھا۔ جو کچھ ہم نے لکھا ہے اسے خدا خالص اپنی ذات کے لیے بنادے اور اسے اپنی رضامندی کا سبب بنائے اور اس سے اس کے کھینے والے پڑھنے والے اور اس کے حاصل کرنے والے کو نفع پہنچائے بوسیدہ صاحب کلام حضرت دتارغ۔



علم لدنی کا شاہکار

خزینہ معارف

مشہور عربی کتاب ابریز کا سلسلہ اردو ترجمہ

اس کتاب میں حضرت علامہ احمد بن مبارکؒ سلجاسی نے غوثِ زمان حضرت سید
عبدالعزیز و باغِ مغربی کے مختصر و واضح حیات، عقائد، کرامات، بعض آیاتِ قرآنی و
احادیثِ نبویؐ کی بے نظیر تشریحات اور علم و عرفان کی نادر باتیں جمع کی ہیں!

حصہ دوم

ترجمہ از

ڈاکٹر پیر محمد حسن ایم اے۔ پی ایچ ڈی

شیخ الادب جامعہ اسلامیہ ہسٹوری

ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار لاہور

تذکرہ



فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۱۵	بدکاروں کی مجلس میں میٹھا منہ ہے۔	۴۶۵	تفسیر اباب
۴۹۶	جہنم کا ذکر	"	فاستق کون ہے؟
۴۹۷	علوم کشف (جفر، رمل وغیرہ) میں اشتغال کا	۴۶۶	مردین
"	سبب انقطاع القلب عن الحق ہے۔	"	اپنے اعمال پر غور نہیں ہونا چاہیے۔
۴۹۸	عجیب حکایت	۴۶۷	حکایت
۴۹۹	حکایت	"	لوگ جنت میں اللہ کی رحمت سے جا تیں گے
"	حکایت	"	ذکر اعمال کی وجہ سے۔
۵۰۰	دل کو کسی کے نبی ہونے کا علم کیسے ہوتا ہے۔	۴۷۱	کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے درود
۵۰۱	دلی کامل انسان کو ایک لحظہ کے اندر داخل	"	پڑھنے سے فائدہ پہنچتا ہے؟
"	باندھا جاسکتا ہے۔	۴۷۵	لوگ بزرگوں کی تہیں کھاکر یا بزرگوں کا نام لیکر
۵۰۲	مومنین کی محبت گناہ مٹانے میں تو بڑے بھی	"	کیوں فریاد کرتے ہیں اللہ کا نام کیوں نہیں لیتے
"	زیادہ مؤثر ہے۔	۴۷۸	اللہ سے متعلق کرنے والے اسباب
۵۰۴	گنہگار مومن سے محبت کی حالت تو خوب فی اللہ	۴۸۱	صحابہ میں کیا خصال پائی جاتی تھیں؟
"	اور بغض فی اللہ کہاں رہے۔	۴۸۲	کس امور سے ایمان بڑھتا ہے؟
"	بغض معصیت سے ہونا چاہیے ذکر مومن	۴۸۳	اعلام کیوں حرام ہے؟
"	سے۔	۴۸۴	زنا کیوں حرام ہے؟
۵۰۵	لوگوں کی توجہ اپنی طرف کرنے کی غرض سے	"	قیامت کے دن سب سخت عذاب کے ہوگا؟
"	عدد لباس پہننا یا عمدہ خوراک کھانا وغیرہ	۴۸۸	رسولوں کے بھیجنے کا مقصد
"	بڑی بات ہے۔	۴۹۰	ذکر کے وقت جیننا چلتا
۵۰۶	طویل عمریں حکمت	۴۹۳	حکایت
۵۰۸	حکایت	"	تباہ کن روش

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۱۸	حضرت عائشہؓ کی انصافیت	۵۱۹	ایک عابد کا واقعہ جس نے اپنے اعمال پر اقرار کیا تھا۔
"	یلۃُ القدر کی اصل		
۵۱۹	ساعتِ جمعہ کی قبولیت کی اصل	۵۱۷	اہل دیوان مرنے کے بعد اپنے آپ کو خود غسل دیتے ہیں۔
۵۱۹	مشرق و مغرب کے اقدار سے اس ساعت کو کس طرح پایا جائے؟	۵۱۳	ایک واقعہ
۵۲۰	ساعتِ جمعہ اور شبِ قدر کے غفلت ہونے کا سبب	۵۱۹	چوتھا باب
"	امادیت سے حضرت کے بیان کی تائید	"	دیوان صالحین
۵۲۳	اہل دیوان میں سے ہر کوئی لوحِ محفوظ کو نہیں دیکھ سکتا۔	۵۲۱	گذشتگان میں سے بعض کاٹھن بھی دیوان میں حاضر ہوتے ہیں۔
۵۲۵	دیوان میں سے غوث کی غیر ماضی	"	امراتِ ادویار سے زندوں کے امور کے بارے میں مشورہ نہیں کیا جاتا۔
۵۲۶	غوث کی موجودگی میں کسی کو مخالفت کی جرات نہیں ہو سکتی۔	"	مردوں کے لیے دعا کرتے وقت فوت شدہ ادویار میں سے کسی کا وسیلہ لانا بہتر ہے۔
۵۲۸	ایک واقعہ		دیوان میں جن و ملائکہ کے حاضر ہونے کا سبب
"	مجاذیب کا دیوان میں کوئی دخل نہیں۔ ان کا دخل تباہی کی علامت ہے۔	۵۲۲	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی دیوان میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔
"	خروج و قبائل کے وقت تعارفِ مجذوبوں کے ہاتھ میں ہوگا۔	۵۲۲	دیوان کا وقت
۵۲۹	ساگ اور مجذوب میں فرق	"	ساعتِ قبولیت پانے کا طریقہ
۵۳۰	ایک عارف اور ان کے بیٹے کا قصہ	۵۲۳	امت محمدیہ سے پہلے اصحابِ دیوان ملا گتے
۵۳۱	ساگ چند باتوں میں مجذوب سے پرہیز کرتا ہے۔	"	ہر شہر میں ادویار کی مدد کے لیے زشتوں کی ایک جماعت ہوتی ہے۔
"	ادویار اللہ کے لیے اشیاء کا مسخر ہونا اور ان کا حیرت انگیز امور کا کرنا	۵۲۵	کیا انبیاء عظیم السلام بھی دیوان میں شرکت فرماتے ہیں؟
		۵۲۶	حضورِ نبی اور حضورِ عائشہؓ میں کون افضل ہے؟

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۶۳	۲۷ ایک عورت کا قبضہ		امت محمدیہ کے اولیاء کی فضیلت
۵۶۳	۲۳ ایک معقم کا واقعہ		اہل تقویٰ کفار کو ہلاک کیوں نہیں کر دیتے
۵۶۵	۱۱ چھٹا سوال: ایس اور سہل تشریحی کا مباحثہ		ایک واقعہ
۵۶۸	۱۱ ساتواں سوال		کافروں سے جنگ کرنے میں اہل تقویٰ بائین
۵۶۹	آٹھواں سوال: مجھے ہرجیز میں خدا نظر آتا ہے		کو استعمال نہیں کر سکتے۔
۵۷۰	۵۴۴ نواں سوال: استغفار صورت آنحضرت		ایک عیسائی بچی کا واقعہ
۵۷۲	۱۱ ایک عیسائی کی محبت کا واقعہ		اگر دلی اپنے جسم کے سوا کسی اور جسم میں تسلی
۵۷۳	جب تک مرید کو شیخ سے محبت نہ ہو، محض شیخ		ہو تو تکلیف کے ہوگی۔
۵۷۴	۵۴۴ کی محبت سے مرید کو فائدہ نہیں ہوتا۔		صاحب تقویٰ دل جس کسی کی جیب میں سے
۵۷۴	شیخ کی ولایت اور شریک خاطر محبت کیوں		چاہے بدو نہ اس کے کو اسے پہچانے پاتھ
	فائدہ مند نہیں ہوتی؟		ڈال کر پیسے نکال سکتا ہے۔
۵۷۵	۵۴۹ محبت شریک نہیں چاہتی		ال بیسے میں دل اور چور میں فرق
۵۷۶	۵۵۱ کیا محبت کی کوئی علامت ہو سکتی ہے؟		پانچواں باب
"	۱۱ شیخ سے سچی محبت کی علامت		پیر کوڑنے اور مرید بننے کے بارے میں
۵۷۸	۱۱ حضرت محمد بن عبدالکریم کا پانی پر چلنا		پہلا سوال: کیا تربیت منقطع ہوگئی ہے؟
۵۷۹	۵۵۲ شیخ عبدالغنی کا قصہ		خیر القرون میں پیری مریدی کیوں نہ تھی۔
۵۸۰	۵۵۳ ایک مرید کا امتحان		دوسرا سوال: بیداری میں دیدیا آنحضرت وسلم
۵۸۱	۵۵۸ ایک اور سچے مرید کا واقعہ		تیسرا سوال: پیر کی موجودگی اور عدم موجودگی
۵۸۲	ایک مہذب کا قصہ		کی وجہ سے مرید کی تربیت میں کمی و زیادت
۵۸۸	اولیاء اللہ کے سوانح نگاروں نے بہت نقصان		کیوں ہوتی ہے؟
	پہنچایا ہے		چوتھا سوال: کیا طریق شکر افضل ہے یا
۵۸۹	۵۵۹ دل معصوم نہیں ہوتا		طریق مجاہدہ؟
۵۹۷	۵۶۳ متوقف کا ایک فقیہ کے ساتھ مناظرہ		پانچواں سوال: انسان کیلئے کیا یہ ممکن ہے کہ وہ مدغم ہو سکے
۵۹۵	۱۱ صاحب فتح دل قربات کو جانتا ہے اور		کرایہ مرید بننے کے قابل ہے یا نہیں؟

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۴۳	قریب		وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی کا عقیدہ نہیں ہوتا
"	الستعالی	۴۴۷	ولی سے ظاہر کی مخالفت کے اسباب
۴۴۴	اسما جسی کے پردے کے لیے کسی عارف سے تلقین لینا ضروری ہے۔	"	تائیر نخل کا واقعہ
۴۴۵	الْأَيُّهَا مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ کا ورد فقر اور مصیبت کے لیے مفید ہے۔	۴۱۱	ولی سے بیعت کا مقصد
۴۴۶	حضرت کب شریع ہوا	۴۱۴	چھٹا باب
۴۴۷	ساتواں باب	"	شیخ تربیت کا بیان - قصیدہ رائیہ
۴۴۸	ادب - اللہ کے کلام کی تشریح	۴۲۳	شیخ کی باتوں پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے
"	(۱) اَللّٰهُمَّ قَلِّ عَلَى مَنْ مِنْهُ اَشَقَّتْ	۴۲۸	ایک اور سید کا واقعہ
"	الْأَسْرَارُ	۴۳۱	حضرت ثابت کا واقعہ
۴۴۹	دوسری تشریح	۴۴۰	ابو الحسن ہندی کی حالت
"	تیسری تشریح	۴۵۱	فالم قصیدہ کے حالات
۴۵۰	نور محمدی کی انریش	۴۵۳	حضرت عبدالعزیز دیباغ کے شائع
۴۵۱	یلعہ القدر کی اصل	۴۵۴	منصور بن احمد
۴۵۲	وَنَبِيهِ ارْتَفَعَتِ السَّمَاوَاتُ	"	محمد تراج
۴۵۳	وَسُفُلَتِ عِلْمُ آدَمَ	"	احمد بن عبداللہ مصری
۴۵۴	عالم ملکوت و جبروت	"	علی بن عیسیٰ مغربی
"	عالم ملک کی ایک اور تعریف	۴۵۵	محمد بن علی محمد مغربی، عبداللہ جراز
۴۵۵	اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي بِنَسَبِهِ وَحَقَّقْنِي	۴۵۸	ابیم عظیم
"	بجسبہ کی تشریح	"	اسما جسی
۴۵۶	لَيْسَ مِنَ الْكُفَرِ اَنْ لَا تُحْسِنَ اِلَّا	۴۵۹	ایک اعتراض اور اس کا جواب
"	لِمَنْ اَحْسَنَ اِلَيْهِ	"	روح کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔
۴۵۷		"	روح کا سمجھنا شکل امر ہے
		۴۶۲	انسان حق سمجھنے کی معرفت کی طاقت نہیں رکھتا
		۴۶۳	بکر عبادت سے زیادہ بھاری ہے۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۱۹	حضرت آدمؑ کی پیدائش	۹۸۶	ابن فارض کے شعر کی تشریح
۴۲۵	اگر موعمتکم التخلۃ حدیث نہیں ہے۔	۹۹۱	امام غزالؒ کے ایک قول پر بحث
۴۲۵	ذات آدم ذات ملائکہ سے افضل ہے	۹۹۲	جبرائیلؑ آنحضرتؐ سے زیادہ عالم نہ تھے
۴۲۹	نواں باب	۹۹۵	تکبیرات عیدین
"	فتح ظلماتی اور فتح نورانی کی تمیز	۹۹۵	خصباً بخوراً و تفت الانبیاء بسوا حلہا
"	حکماء و متبحرین کو یہ علم کہاں سے حاصل ہوا	۹۹۷	لیس فی الامکان ابدع مما کان
۴۲۲	ابراہیم خواص اور یسویہ کا تقد	۱۰۰۱	فصل
۴۲۳	تفسیر اور نجوم کی اصل	۱۰۰۲	پہلا گروہ مترجمین
۴۲۵	دل آئندہ آنے والے واقعات کے متعلق	۱۰۰۲	دوسرا گروہ
"	بہت کم بات کرتے ہیں	۱۰۰۸	شراف کا بیان
۴۲۸	حوادث دنیا کیوں باطل ہیں	۱۰۰۹	امام ابو ابقار کا جواب
۴۲۹	فتح اول میں اہل حق اور اہل باطل میں فرق	۱۰۰۹	زر کشی کا جواب
"	بعض اوقات چھوٹے دن کو بڑے دل سے	۱۰۱۰	احمد زروق کا جواب
۴۳۰	زیادہ کا شذ ہوتا ہے	۱۰۱۲	ابو الموابہ تونسلی کا جواب
۴۳۰	خضر نبی نہ تھے	"	شیخ اسلام زکریا کا جواب
۴۳۲	مشاہدہ نبوی کی علامت	۱۰۱۳	سیوطی کا جواب
۴۳۴	مشاہدہ الہی حاصل ہونے کی علامت	۱۰۱۴	شرف الدین بن مسمانی کا بیان
۴۳۵	کیا دل کے لیے ترک نماز ممکن ہے یا	"	ابن ہمام کا بیان
۴۳۸	مہذب صاحب تصرف نہیں ہوتا	"	سید سمودی کا جواب
۴۵۹	صلوۃ العارنین	۱۰۱۵	تمیز اگر وہ
۴۶۳	دسواں باب	"	پہلی عبارت
۴۶۳	بزرخ اور اسمیں رزخوں کے اترنے کی کیفیت	"	دوسری عبارت
۴۶۶	اصحاب فتح کبیر کو قیامت کا علم ہوتا ہے	۱۰۱۶	تیسری عبارت
		۱۰۱۹	آنکھوں کا باب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۸۸	درود شریف کے پڑھنے سے جنت میں	۷۷۷	گیارہواں باب
۷۸۹	وسعت پیدا ہوتی ہے۔	۷۷۸	جنت اور اس کی ترتیب اور تعداد
۷۹۰	کیا ہر درود پڑھنے والے کا درود مقبول ہوتا ہے۔	۷۷۹	جنت عالیہ
۷۹۱	اہل جنت کا لباس	۷۸۰	جنتوں کی تعداد
۷۹۲	بارہواں باب	۷۸۱	جنتوں کی ترتیب
۸۰۰	جہنم کا بیان	۷۸۲	جنتوں کی کیفیت و وضع
۸۰۱	حکایت	۷۸۳	توبہ کا دروازہ
۸۰۲	حکایت	۷۸۴	توبہ کے دروازے بند ہونے سے کیسے
۸۰۳	حکایت	۷۸۵	مرا ہے ؟

تَبَصُّرَةٌ

موقر روزنامہ "نوائے وقت" مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۵۹ء میں
کتاب خزینہ معارف جلد اول پر مندرجہ ذیل تبصرہ شائع ہوا:

خزینہ معارف

مترجم پیر محمد حسن ایم اے۔ پی ایچ ڈی پرنسپل گورنمنٹ ہائرسکینڈری سکول راولپنڈی۔ طباعت و
کتابت دلکش و دیدہ زیب۔ کاغذ اچھا۔ چوڑی تقطیع۔ غیر جلد۔ سہ رنگی۔ ضخامت ۲۴۶ صفحات۔ قیمت
حصہ اول ۵ روپے۔ ناشران قرآن میڈن اردو بازار لاہور سے مل سکتی ہے۔

معرفت اور علم لدنی کی معرکہ الآراء عربی کتاب "ابریز" حضرت علامہ احمد بن مبارک سلجاسی کی تصنیف
ہے جس میں انھوں نے حضرت سید عبدالعزیز دہلوی مغربی کے حالات زندگی متعدد آیات قرآنی، احادیث نبوی
کی تشریحات اور علم و مسد فان کے نایاب خزانے جمع کیے ہیں۔ "ابریز" کا اردو ترجمہ آج سے پچیس تیس سال
قبل مولانا عاشق الہی میرٹھی نے "تبریز" کے نام سے کیا تھا، لیکن یہ ترجمہ اب کیا ہے۔ مزید برآں اس کی
زبان بھی پرانی اور کسی قدر نامانوس تھی، اس میں عبارت مسلسل تھی اور حواشی بھی تھیں دیئے گئے تھے اور ایک
آدھ باب بھی چھڑ دیا گیا تھا۔ ناشران قرآن نے پیر محمد حسن صاحب کی خدمات حاصل کر کے اس کتاب کو اردو کا
جامہ پہنایا ہے اور بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔ پیر صاحب نے اس کتاب پر مبسوط دیباچہ بھی تصنیف
کیا ہے اور کوئی ۳۶ کے لگ بھگ کتابوں سے استفادہ کر کے اس کتاب کے حواشی لکھے ہیں۔

حضرت سید عبدالعزیز دہلوی مغربی علوم ظاہری سے ناہمدوسی، لیکن علوم باطنی میں ان کا کیا مقام تھا؟ اس
کے بارے میں علامہ احمد بن مبارک سلجاسی لکھتے ہیں:

"میں نے ان کے اس قدر علوم و معارف اور شائق دلطائف کاشا بد کیا کہ میرے ہوش جاتے
رہے۔۔۔۔۔ میں نے ان کی زبان سے سید الوجود و علم اشہود حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا قدر و منزلت
کے متعلق وہ کچھ سنا جو میں نے کبھی بھی نہ سنا تھا لیکن کتاب میں دیکھا تھا، میں نے ان سے اللہ کے انبیاء
اور رسولوں کی معرفت وہ کچھ سنا جس سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ وہ ہر نبی کے ساتھ اس کے زمانہ میں ہوتے ہیں
اسی طرح میں نے ان کی زبان سے ملائکہ کرام، ان کی مختلف جنسوں اور ان کے تفاوت مراتب کے متعلق وہ

معرفت کی باتیں سنیں۔ جن سے یہ خیال پیدا ہو کہ آیا بشر بھی اس قدر علم جان سکتے ہیں۔۔۔۔۔ میں نے دیکھ
 لکھا ہے وہ آپ کے بحر زخار میں سے چند قطرے ہیں، لیکن جو علوم شیخ کے حصہ میں تھے انھیں اللہ کے
 سوا کوئی نہیں جانتا۔

کتاب کے شروع میں نسب نامہ، کردار، روحانی ترقی، بزرگانی دین سے ملاقات، کرامات، اپنے باب میں شکل
 اعدائت کی تشریح۔ باب دوم میں قرآنی آیات کے شکل مقامات کے توضیح، حصہ دوم میں تیسرے باب میں مختلف دینی
 مسائل کی وضاحت۔۔۔۔۔ مختصرے کو گیارہ ابواب میں معرفت اور علم لدنی کے ممکنہ پہلوؤں کی تشریح ہے۔
 فاضل مترجم نے ترجمہ بڑی محنت اور کاوش سے کیا ہے اور ناشر نے بھی جفاقت کا حق خوب ادا کیا ہے۔

از ادارہ



تیسرا باب

اُن ظلمتوں کا بیان جو بندوں کی ذات اور اعمال میں داخل ہو جاتی ہیں اور انہیں اس کا علم ہی نہیں ہوتا۔

میں نے حضرت کو فرماتے ہوئے سنا کہ میرے پیر محمد بن محمد الھواری نے مجھے اپنے کھیت میں پیچھا جاہاں ان کے مزدور کام کر رہے تھے اور مجھے تاکید فرمائی کہ ان کے کام کی نگرانی کروں۔ ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو وہ خود بھی تشریف لے آئے اور ہم نے اگلے نماز پڑھی اور مزدوروں کے فارغ ہونے تک وہیں رہے اور انہیں اُن کی اجرت دے دی۔ جب وہ چلے گئے تو میں نے دیکھا کہ آپ کا چہرہ بدل گیا اور اس پر غصہ کے آثار تھے۔ ایک کو میں ڈر گیا۔ پھر فرمایا: کیا آج تو نے کچھ دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے تو کچھ نہیں دیکھا، آپ کی مراد کونسی چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: غور کرو، تو نے شاید کچھ دیکھا ہو، میں نے پھر کہا کہ میں نے تو کچھ نہیں دیکھا پھر فرمایا: ان مزدوروں کے کام میں کیا چیز دیکھی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کی غیر حاضری میں آپ کے آنے سے پہلے تک وہ بہت آہستہ کام کرتے تھے لیکن جب آپ آئے اور انہوں نے آپ کو دیکھا وہ اپنی طاقت سے بڑھ کر کام کرتے رہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تو نے فاسقوں اور محروم لوگوں کے اعمال دیکھے ہیں۔

فاسق کون ہے؟ فاسق وہ لوگ ہیں جو عبادت تو کرتے ہیں مگر عبادت اور اطاعت ان کی ذات سے بغیر نہایت اور ارادہ کے ہوتی ہے بلکہ اس لیے کہ یہ ان کی عادت بن چکی ہوتی

ہے اس لیے اطاعت کی حالت میں ان کے حرکات و سکنات عادت کی وجہ سے اور طبیعت کی موافقت کی وجہ سے ہوتے ہیں اور اس میں کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ لہذا ان کی اس اطاعت سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ نہ صمیم اور نہ فاسد۔ اسی لیے ان کی عبادت نہ اللہ کے لیے ہوتی ہے نہ کسی اور کے لیے اور ان کی عبادت صرف اس لیے ہوتی ہے کہ یہ ان کی طبیعت اور عادت بن چکی ہوتی ہے جس طرح کوئی شخص ہو کہ اسے نہ بھوک ہو نہ پیاس کو وہ نہ کھانا پسند کرے اور نہ اس کی اشتہا ہو اور نہ اس میں کھانے کی طاقت ہو۔ پھر کچھ لوگوں کے ساتھ وہ باغ میں جائے اور وہ کھاتے کھاتے حرکت بھی کر رہے ہوں اور یہ شخص بھی ان کے ساتھ حرکت کرنے لگ جائے۔ اب وہ تو کھانے اور ذاتی نفع کی غرض سے حرکت کر رہے ہوں، لیکن یہ شخص کھانے کی خاطر حرکت نہیں کر رہا اس لیے کہ اسے کھانے کی خواہش ہی نہیں بلکہ وہ تو کھا ہی نہیں سکتا اور نہ

ہی اس کا حرکت کرنا اپنے بجائیں کی مدد کی خاطر ہے کیونکہ (اگر ایسا ہوتا) یہ نیک ارادہ ہے مگر اس کی حرکت کا سبب صرف یہ ہے کہ جب اس نے لوگوں کو حرکت کرتے دیکھا تو یہ بھی اپنی عادت اور طبیعت کی وجہ سے حرکت کرنے لگا۔ یہ فاسقوں کے عمل کی مثال ہے۔

مخرومین مردم وہ لوگ ہیں جو اپنی ذات کے نفع اور ذاتی اغراض کو حاصل کرنے کی غرض سے عمل کرتے ہیں اور یہ عمل اللہ کی خاطر نہیں ہوتے اور ان اعمال سے انسان خدا سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اس لیے کہ یہ اعمال ذات کی حقیقت کے راز کے مغالہ ہیں کیونکہ ذات کی حقیقت کا راز یہ ہے کہ یہ اللہ کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اسی کے فعل سے ہے اسی کی ملکیت ہے اور اس کی طرف منسوب ہے اور کسی طرح بھی اسے کسی اور سے نسبت نہیں ملتا اگر اس کے افعال اس راز کے مطابق ہوں تو سب خاص اللہ کے لیے ہوں گے اور وہ یہ سمجھے گا کہ اس کے افعال میں میرا کوئی حصہ نہیں کیونکہ یہ سب اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں لہذا ایسی حالت میں جو اعمال اس سے سرزد ہوں گے وہ اس ذات کی حقیقت کے راز کے مطابق ہوں گے، لیکن اگر وہ یہ کہے کہ میری ذات تو اللہ کے لیے ہے مگر میرے افعال خود میرے ہیں لہذا وہ ان افعال کی نیت اپنے نفس اور اپنی اغراض کی غرض سے کرے گا تو اس کا فعل ذات کی حقیقت کے راز کے مطابق نہ ہوگا اور اس کے لیے کبھی ممکن نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پورا کرے کیونکہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اپنے نفس کے لیے کر رہا ہے اللہ کے حقوق ادا کرنے کے لیے نہیں کر رہا۔ اس طرح اپنے افعال میں وہ اللہ سے منقطع ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عطیے بھی اس سے منقطع ہو جاتے ہیں اور وہ محرومین میں سے ہو جاتا ہے۔

اپنے اعمال پر غرہ نہیں ہونا چاہیے میں نے عرض کیا بہت سی آیات و احادیث میں کسی ایک کام کرنے پر ثواب اور اجر حاصل کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے اور اگر حقیقت یہی ہوتی جیسا کہ عروہ بن محمد الحواری نے کہا تو کوئی آیت یا حدیث اعمال کی ترغیب، کے لیے ذاتی کیونکہ

اس میں تو اللہ سے بے تعلق پائی جاتی ہے :

فرمایا: جو کچھ آیات و احادیث میں آیا ہے اس سے ہم پر اعتراض وارد نہیں ہوتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں یہ نہیں فرمایا کہ اعمال اپنے نفس کی خاطر کیا کرو اور میں ایسے اعمال پر تم کو بڑے بڑے انعام دیا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے تو صرف یہ ہی فرمایا ہے کہ میری عبادت کرو اور تمہاری عبادت خالص میرے لیے ہو تو اس پر میں تم کو اجر و ثواب دینگا اس صورت میں ہمارے افعال کی نیت اللہ تعالیٰ اور اس کی ملکیت اور کبریا کے لیے ہوگی اور ان بڑے انعامات کے لیے ہوگی جو اس نے ہم پر رکھے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان اعمال پر محض اپنے فضل و کرم سے ثواب دیتا ہے ہم پر اعتراض تب وارد ہوتا اگر ان آیات و احادیث میں یہ بیان کیا گیا

ہوتا کہ ان خاص کے ہوتے ہوئے بھی عبادت کا اجر نہ ملے گا اور نہ ہی ان اعمال پر ثواب ملے گا وہ بندہ کس قدر جاہل ہے جو یہ خیال کرے کہ وہ نیکیوں کو خود حاصل کرتا ہے اور اپنے افعال سے اجر و ثواب کماتا ہے جبکہ اسے معلوم ہے کہ افعال میں اس کا بال برابر بھی دخل نہیں لہذا جب ذات بھی اللہ کی پیدا کی ہوئی ہے اور افعال بھی تو یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ ان افعال میں جو اللہ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، ہم نیکیوں پر بھروسہ کریں اور اللہ کے محض فضل و کرم پر بھروسہ نہ کریں، مگر حق بات یہ ہے کہ اللہ سے غفلت ہماری آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔

حکایت

فرمایا: ایک عابد اس نیت سے بیس سال تک اللہ کی عبادت کرتا رہا کہ اسے ذاتی نفع ہو اور اللہ اس کی مراد پوری کرے اور وہ بڑی لمبا جنت کے ساتھ دعا مانگتا مگر اس کی کوئی مراد پوری نہ ہوتی اس پر وہ بہت حیران و پریشان ہو گیا اور خیال کرنے لگا کیا بات ہے کہ میں بیس سال سے دعا مانگ رہا ہوں اور اللہ نے مجھے کچھ نہیں دیا اور نہ ہی اس عبادت کی بدولت مجھ پر رحم کیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے اس پر رحمت فرمائی اور اسی وقت اسے اپنے نفس اور اپنے افعال کی حقیقت کی معرفت عطا کی۔ اس پر وہ کہنے لگا، میں تو بوقوت ہوں، جب اللہ ہی میری ذات، میرے افعال کو پیدا کرنے والا ہے اور اسی نے صحت اور اس مکان کو پیدا کیا جس میں میں اس کی عبادت کرتا ہوں اور اسی نے اس پانی کو پیدا کیا جس سے میں وضو کرتا ہوں اور اسی کپڑے کو پیدا کیا جس سے اپنے جسم کو ڈھانپتا ہوں اور اسی نے اس وقت کو پیدا کیا جس میں میں اس کی عبادت کرتا ہوں تو میں نے کیا کیا ہے کہ اس پر اجر کا مطالبہ کروں اور اس کی رحمت سے شک و شبہ کا استحقاق جتاؤں، یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ خدا کی قسم میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا اور کیا تو یہ کیا کہ میرے اندر اللہ کے جو افعال جاری ہیں ان کو اللہ سے قطع کر کے اپنی طرف منسوب کر لیا ہے اور پھر اس پر ثواب مانگنے لگ گیا ہوں یہاں تک کہ اب یہ بھی کہنے لگ گیا ہوں کہ میں بیس سال تک اس کے در پر کھڑا ہوں اور وہ مجھے کچھ نہیں دیتا، یا اللہ میری توبہ، یا اللہ میری توبہ، یا اللہ میری توبہ، غرض جب اس نے یہی توبہ کر لی تو اللہ نے اس پر کرم فرمایا کہ اس کی تمام آرزوئیں پوری کر دیں اور ساتھ ہی وہ معرفت عطا کی جس کا مقابلہ نہ جنت کر سکتی ہے نہ کوئی اور چیز۔

لوگ جنت میں اللہ کی رحمت سے

جائیں گے نہ اعمال کی وجہ سے !

توقف کرتا ہے کہ اسی طرح کی ایک حدیث حافظ سیوطی نے ابودور السافریاب منن توشش فی الحساب مملکت میں نقل کی ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قدیم زمانہ میں سمندر کے اندر ایک جزیرہ میں ایک شخص چھ سو سال اللہ کی عبادت

کرتا رہا اور اللہ نے اسے ایک میٹھے پانی کا چشمہ عطا کیا اور انار کا ایک درخت اُگا دیا جسے ہر روز ایک انار لگتا جسے وہ کھاتا اور اس کے لیے بطور غذا کے کافی توتا چنانچہ وہ چھ سو سال تک بغیر سستی اور طحال کے اللہ کی عبادت کرتا رہا۔ جب وہ مر گیا تو اللہ نے فرمایا میری رحمت اور فضل سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ عجب رضی کرنے لگا یارب نہیں بلکہ میری چھ سو سالہ عبادت کی وجہ سے اس پر اللہ تعالیٰ نے محاسبہ شروع کر دیا اور فرمایا کہ تیری چھ سو سالہ عبادت تو میری نعمتوں میں سے ایک نعمت کے برابر نہیں ٹھہر سکتی اس لیے کہ میں نے کھاری پانی کے سمندر کے اندر تمہارے لیے میٹھے پانی کا چشمہ نکالا اب تباہ کر کس بنا پر تو اس نعمت کا مستحق ہوتا ہے اور میں نے تمہارے لیے ایک درخت لگایا جو ہر روز پھل دیتا حالانکہ اوروں کے لیے سال بھر میں ایک بار پھل دیتا ہے، تباہ کر اس نعمت کا بھی تو کس طرح حقدار بنا اور میں نے تجھے اتنی لمبی عمر عطا کی حالانکہ اوروں کے لیے اس سے بہت کم مدت تک زندہ رہتے ہیں اور اس تمام عرصہ میں میں نے تجھے عبادت کرنے کی قوت بخشی اور دوسرے لوگ اتنی مدت تک عبادت کرنے کی طاقت نہیں رکھ سکتے اور میں نے شیطان کو تجھ سے دور رکھا اور تجھے اس سے بچایا حالانکہ بہیڑوں کو اس نے تباہ کیا، نیز اتنی لمبی مدت تک میں نے تجھے صحت بخشی حالانکہ اوروں کو نہیں بخشی میں نے تمہاری ذات کو پیدا کیا حالانکہ تو پہلے کوئی چیز بھی نہ تھا، میں نے تمہارے حرکات و سکنات کو پیدا کیا اور ہر طرح کی نعمت تمہیں عطا کی۔ لہذا فرشتوں کو حکم دیا کہ اسے جہنم میں بے جاؤ۔ جب اسے فرشتے جہنم کی طرف لے جانے لگے اور اس نے دیکھا کہ میں تو مارا گیا تو کہنے لگا یارب اپنے جسم و فضل سے مجھے جنت میں داخل کر۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور وہ بہت ہی رحیم و کریم ہے۔ اسے واپس لے آؤ۔ اور میرے رسم سے اسے جنت میں داخل کر دو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا جاؤ میری رحمت سے جنت میں چلے جاؤ۔ تو اچھا بندہ تھا۔ یہ حدیث کا مفہوم ہے اور مجھے اس کا مطالعہ کئے مدت گذر چکی ہے۔ اس کے بعد میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ فاسقین اور محرومین دونوں میں سے کس کی عبادت زیادہ بری ہے؟

فرمایا: محروموں کی عبادت ایک وجہ سے افضل اور احسن ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ مہربانی اور رحم کرنے والا ہے چنانچہ جب وہ اپنے بندے کو دیکھتا ہے کہ وہ ایک عرصہ تک اپنی اغراض کو حاصل کرنے کی غرض سے عبادت میں لگا رہا ہے تو اپنے فضل سے اس پر رحم فرماتا ہے کہ اس کی ذات اور انحال کی حقیقت سمجھا دیتا ہے یہاں تک کہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اپنی عبادت خدا کے لیے کرتا ہے جس طرح بیش سال عبادت گزار مابہ اور دیگر بے شمار لوگوں نے کیا۔

میں نے عرض کیا: تو اپنی رحمت اور فضل ہی سے ان کو وہ اجر و ثواب بھی عطا فرمائے گا جو آیات و

احادیث میں مذکور ہے کہ جو وہ اس کی ہو سکتی ہے کہ ان پر رحم فرمایا اور ان کو حقیقت سے واقف بنایا وہی وہ اس لئے بھی کافی ہے کہ ان پر اجر و ثواب عطا فرمائے۔

حضرت نے فرمایا: اگر تمہارا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں توبہ و اجرو کا جب انہیں حقیقت الامر کی معرفت عطا کرے گا تب تو ٹھیک ہے، لیکن اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس وقت بھی اجر دے گا جب ان کا تعلق اللہ سے کٹ چکا ہو گا اور وہ یہ خیال کرتے ہوں گے کہ ان کے فعل خود ان سے سرزد ہوئے ہیں اور یہ کہ اس کا اجر دینا اللہ پر واجب ہے تو یہ خیال ہرگز نہ رکھنا چاہیئے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ فرض کرو ایک شخص نے حدیث نبوی میں یہ بات سنی کہ جو کوئی یوں کریگا اسے یہ اجر ملے گا اور جو نفل نفل بات سے باز رہے گا اسے بھی نفل نفل اجر ملے گا اور ساتھ ہی اس کا عقیدہ یہ ہو کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی حرکت نہیں کر سکتا لہذا اس حدیث کے سنتے ہی وہ اس پر عمل کرنا شروع کر دے تاکہ جو اجر اس میں بتایا گیا ہے وہ اسے حاصل ہو جائے۔

حضرت نے فرمایا: اگر اس کی آزاد نگاہ اور ارادہ اپنے رب کے حکم کی تعمیل کے لیے ہے اور اجر کی نیت ایک ثانوی حیثیت رکھتی ہو چنانچہ اگر حدیث میں اجر کا ذکر نہ بھی کیا گیا ہو تب بھی وہ اس پر عمل کرتا تو ایسے شخص کو کوئی نقصان نہیں اور اگر اس کی نیت و ارادہ اجر حاصل کرنے کے لیے ہے اور تعمیل حکم کی نیت ثانوی درجہ رکھتی ہو چنانچہ اگر حدیث میں اجر کا ذکر نہ ہوتا تو وہ اس پر عمل نہ کرتا۔ یہی شخص یہاں زیر بحث ہے اور اسی شخص کی ہم مذمت کرتے ہیں کیونکہ اسے دونوں جان کا خسارہ ہے۔ لیکن اگر اس کی آزاد رائے اور ارادہ دونوں باتوں کی نیت سے ہے تو اس شخص کو اجر ملے گا بشرطیکہ وہ دو صحیح نگاہوں سے دیکھے۔ پہلی نگاہ تو اسے فعل اور طاعت ہونے کی طرف دیکھے اور یہ کہ اس پر عمل کرنے پر اتنا ثواب دیے جانے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس خیال سے عمل کرنے والے کو کسی قسم کی نصیحت کرنے کی ضرورت نہیں دوسری آنکھ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا اور اس کے فعل کا خالق ہے اور یہ کہ اللہ نے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنا نفل کرنے والا ہے اس پر کوئی ایسی چیز واجب نہیں جس کا اس نے وعدہ کیا ہے اور اس کے باوجود اگر چاہے کسی پر رحم فرمائے اور چاہے تو سزا دے لیکن بندے نے اپنے رب کا حکم سُن کر اس کی اطاعت کی اور اللہ سے اس کے اجر و ثواب کا امیدوار ہوا۔ لہذا جب بندہ اپنے رب کی طرف اس اچھی نگاہ سے دیکھے تو اگر وہ ثواب کی طرف نظر رکھے بھی تو اسے کوئی نقصان نہ ہو گا چنانچہ اللہ تعالیٰ اسے اس کا اجر دے گا اور اچھی نیکیاں اس کو ثواب میں ملیں گی۔

میں نے عرض کیا: اس قسم کے لوگوں کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ امام غزالیؒ نے

منہاج السالکین میں لکھا ہے کہ اسے اس کا کوئی ذمہ گاہ اور انہوں نے اسے خرک فی العمل قرار دیا ہے اور یہ اس کے نزدیک اس ریا کی مانند ہے جو عمل کو احاطہ کرتے ہوئے ہے لیکن ابو بکر بنی العربی نے سراج المریدین میں قرآن نے القواعد والفروق میں لکھا ہے کہ اسے اجر ملے گا اور یہ شرک اسے نقصان دے گا اور یہ عمل اس ریا کی مانند نہیں جو عمل کو گھیرے ہوئے ہو۔

حضرت نے فرمایا: حتی ابن العربی اور قرانی کے ساتھ ہے اس لیے کہ اللہ نیک کام کرنے والوں کے اجر خارج نہیں کرتا اور اس شخص نے بھی نیک کام کیا ہے چنانچہ اس کے عمل کا جب وہ اس کی ذریت سے نکلے ایک نور ہے اور اس کی نیک نیت اور دوسری آنکھ سے اپنے رب کو دیکھنے کے لیے ایک نور ہے جو نور العمل سے بڑھ کر ہے لہذا کیسے ہو سکتا ہے کہ اسے اجر سے محروم کیا جائے مگر وہ شخص جس کی نگاہ اجر کی طرف نہ لگی ہو، وہ اس سے بھی زیادہ کامل ہے اور یہ پہلی قسم ہے اور دونوں سے بھی اکل وہ شخص ہے جو کام کی نیت کرنے کے بعد کام سے بے تعلق ہو جائے کہ اسے سوائے ابتداء کے اپنے کام کا کچھ تہ نہ ہو تب ہم سمجھیں گے کہ اس نے فعل کی نیت اللہ کے لیے کی ہے پھر اپنے خالق سبحانہ کے مشاہدہ میں لگ کر وہ اپنے فعل سے غائب ہو جاتا ہے اور اس کے خیالات اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی میں دوڑ رہے ہوتے ہیں دُعا ہے کہ خدا ہمیں اپنے فعل و کرم سے یہ مرتبہ عطا کرے۔

حضرت نے فرمایا: اسی مشاہدہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور اللہ کی محبت اس بات کی متقاضی ہے کہ ہم اسی کے ہولیں اور خدا کا ہولناکی اس بات کا متقاضی ہے کہ اللہ کی طرف سے اجر جو ہوا ایسا ہو کہ اسی کے شایان شان ہو نہ کہ بندے کی قدر و شان کے مطابق اور عدم مشاہدہ اللہ سے غفلت کا موجب ہے جس سے ذات کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے اور ذات کی توجہ سے لازم آتا ہے کہ اجر بندے کی قدر و منزلت کے مطابق ہو نہ اللہ سبحانہ کی شان کے مطابق۔ یہی وجہ ہے کہ دیکھتے ہیں کہ دو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں لیکن ایک کا اجر ضعیف ہوتا ہے اور دوسرے کا آنا اجر نکلتا ہے جس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی اس کا احاطہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کا سبب وہی ہے جو ہم نے بیان کیا کہ پہلے شخص نے درود کو غفلت اور ان خیالات کے ساتھ پڑھا جس سے اس کا دل سمور تھا کہ یا کہ اس نے درود اپنی عادت کی وجہ سے پڑھا ہے اسی لیے اسے معمولی اجر ملا لیکن دوسرے نے محبت اور تعلیم سے درود پڑھا

لے قرآنی : شباب الدین ابو الباقی احمد بن القرآن الشافعی ترمذی ۷۸۵ھ - ۸۲۰ھ بیان کتاب میں ان کی کتاب کا نام القواعد والفروق دیا ہے۔ صحیح نام القواعد فی فروع الشافعیہ ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ مومن اپنے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی اور عظمت کو سمجھے اور یہ خیال کرتا رہے کہ آپ کی بدولت ہی ہر موجود چیز پیدا ہوئی ہے اور آپ کے نور سے ہی ہر قسم کا نور نکلا ہے اور آپ مخلوقات کے لیے رحمت کا تحفہ ہیں اور آپ گزشتہ اور آئندہ سب لوگوں کے لیے رحمت ہیں اور تمام مخلوقات کو ہدایت آپ ہی کی طرف سے اور آپ ہی کی بدولت ہے لہذا بندہ اس بہت بڑے مرتبہ کی وجہ سے ان پر درود بھیجے گا نہ کسی اور غرض کے لیے جس سے اس کی ذات کو نفع پہنچے۔

اور آپ کی تعظیم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے اس قدر عظیم مرتبہ کو نظر میں رکھے اور سوچے کہ یہ آپ کو کس طرح حاصل ہوئی اور ایسے عظیم المرتبت نبی کی خصلتیں کیسی ہونی چاہئیں اور یہ کہ تمام مخلوقات آپ کی کسی ایک خصلت کی بھی متعل نہیں ہو سکتی اس لیے کہ اس کے حقائق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اس حد تک ترقی کر چکے ہیں کہ ان کی کیفیت کسی کی عقل و فکر میں نہیں آ سکتی چہ جائیکہ کوئی اس کا حامل بن سکے لہذا جب کوئی بندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے تو اس کا اجر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ اور اللہ تعالیٰ کے کرم کے مطابق ہوتا ہے اس لیے کہ اس درود کا محرک صرف یہی عظیم منزلت ہے اسی لیے اسی مرتبہ کے مطابق اجر ہوگا۔ اللہ کسی پر عظم نہیں کرتا یہی حال اس عمل کا ہے جو بندہ اور خدا کے درمیان ہوتا ہے اگر اس عمل کا محرک اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور جلالت ہوگی تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کی عظمت کے مطابق ہوگا اور اگر محرک بندے کے اغراض اور ذاتی فائدہ ہوگا تو اجر بھی اسی کے مطابق ملے گا، والسلام کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے میں نے عرض کیا: کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے درود پڑھنے سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے؟ درود پڑھنے سے کچھ فائدہ پہنچتا ہے؟

اختلاف ہے۔

حضرت نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے درود پڑھنے کا حکم اس لیے نہیں دیا کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے بلکہ خاص ہمارے فائدہ کے لیے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کے بہت سے غلام ہوں اور اس کی نظر عمدہ زمین پر پڑے جس کا مقابلہ پیداوار کے لحاظ سے کوئی زمین نہیں کر سکتی اسے اپنے غلاموں پر رحم آجائے اور وہ زمین غلاموں کو دیدے کہ اس کی تمام پیداوار ان کی ہوگی اور وہ اس کے مستقل مالک ہوں گے اس شرط پر نہ دی ہو کہ وہ اس کے شریک ہوں گے، یہی حال ہمارے درود کا ہے اس کا تمام اجر ہمارے لیے ہے اور جب کبھی وقت اس کے اجر کا نور مشتعل ہو کر آنحضرت

علی اللہ علیہ وسلم کے نور سے جانے تو یوں سمجھو کہ ایک چیز اپنی اصل سے جاتی۔ اس لیے تمام مومنین کا اجر محض ان کے ایمان کی وجہ سے ہے اور ان کا ایمان پر تو ہے نور محمدی کا لہذا وہ اجر جو ہمارے لیے ثابت ہوں گے وہ محض آپ ہی کی طرف سے ہوں گے۔ محسوسات میں اس کی مثال سمندر اور بارش کی سی ہے جب اس کا پانی سمندر کی طرف آتا ہے اس لیے کہ بارش کا پانی سمندر ہی کی طرف سے ہے لہذا جب یہ پانی سمندر کی طرف واپس آجائے گا تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس پانی سے سمندر کے پانی میں اضافہ ہو گیا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ بعض علماء نے آنحضرت کو ہمارے ورد و پڑھنے سے نفع پہنچنے پر اس طرح استدلال کیا ہے

کہ اگر تو رسول اللہ کی بات ہے جبکہ میں ایمرسن کالج قن میں پیکر تھا اور وہاں روہن داس نامی ایک میسائے فلسفہ کا پیکر تھا۔ میرا اس سے اکثر مذاکرہ رہتا تھا چنانچہ ایک دن اس نے سوال کیا کہ لوگ جو انبیاء پر درود بھیجتے ہیں کیوں بھیجتے ہیں کیا ان کے مراتب میں کوئی کمی ہے جسے ہم درود سے پورا کرنا چاہتے ہیں اور کیا واقعی ان کو ہمارے درود سے فائدہ پہنچتا ہے؟ اس وقت تو میں اسے کوئی جواب نہ دے سکا مگر اس سوال پر غور کرتا رہا، بالآخر مجھے اس کا جواب سمجھ میں آگیا۔

کسی محسن کے احسان کو سمجھنا اور اس کا شکریہ ادا کرنا انتہا درجہ کی ذیل حرکت ہے۔ پھر احسان کا شکریہ بھی اس کے احسان کی مقدار کے مطابق ہونا چاہیے۔ آنحضرت صلیہ علیہ وسلم کا ایک ہی احسان کہ ہمارا نور ایمان آپ کی بدولت ہے نہایت ہی اہم اور عظیم احسان ہے جس کا شکریہ ادا کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ آپ کے لیے کوئی دنیا کا تحفہ توقع نہیں ہو سکتا کیونکہ نور ایمان کا انعام جو آپ سے ہمیں حاصل ہوا ہے وہ غیر فانی اور لازوال چیز ہے اس لیے ہم بھی شکریہ میں آخری اور ابدی چیز کا تحفہ پیش کریں گے اور آپ کے مراتب کی بندی اور رحمت کی دعا کریں گے مگر اس سے تو آپ کے مراتب میں فرق نہیں آ سکتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلند ترین مرتبہ عطا کر رکھا ہے اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص شہنشاہ اعظم ہے کہ تمام دنیا پر اس کی بادشاہت ہو اور کوئی بے کس انسان جس پر بادشاہ کی غایت ہوئی ہو دعا کرے کہ خدا تمہیں اور دولت اور سلطنت عطا کرے، یہی حال آنحضرت پر درود بھیجنے کا ہے۔ اب بندہ درود بھیجنے سے اپنے آپ کو شکر گزار بندہ ثابت کر چکا ہے اس لیے اس کی شکر گزاری اور اطاعت گزاری کا فائدہ اسی کی طرف لوٹ آئے گا کہ یہ ایک اطاعت شعار و شکر گزار بندہ ہے اور اس نے اپنے نور ایمان کا سلسلہ اپنی اصل سے منقطع کرنا نہیں چاہا ہے۔

اس کی ایک اور مثال یہ بھی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ ہماری تسبیح سے اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ ہی یہ بات ہے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی ذات پہلے کم پاک تھی اور ہماری پاکیزگی بیان (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کہ اس نے اس کا قیاس اس نفع سے کیا ہے جو آپ کو جنت میں حور و غلمان کی خدمت سے حاصل ہو گا چنانچہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان نعمتوں اور پھولوں سے فائدہ اٹھائیں گے جو برتنوں میں آپ کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے۔ اسی طرح آپ ان انوار اور اجروں سے فائدہ حاصل کریں گے جو برتنوں میں آپ کی خدمت میں ان حروف میں پیش کئے جائیں گے نیز یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت جنت میں دنیوی حالت جیسی ہوگی لہذا یہ قیاس غلط نہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ یہ جہاد اور غلمان کہاں سے آتے ہیں وہ تو سب نور محمدی سے ہیں بلکہ جنت و ما فیہا سب کا سب نور محمدی سے ہے اس عالم کا قول تو اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب یہ تمام آنحضرت سے مختلف ہوں اور ہمارا ایمان بھی آپ سے مختلف ہو مالا کہ ایسا نہیں ہے۔

حضرت نے فرمایا جس کو علم ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا شان ہے بل ہی وہ آرام میں ہو گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

کرنے سے اس کی پاکیزگی بڑھ گئی بلکہ ہماری تسبیح کا فائدہ ہمیں ہی حاصل ہوتا ہے۔ ذات خداوندی میں تسبیح بیان کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔ یہی حال ذات مصلوئی کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بیکراں رحمت ان پر پہلے ہی سے نازل ہے۔ ہمارے درود بھیجئے یا نہ بھیجئے سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ درود بھیجئے سے ہماری سعادت مندی ظاہر ہوتی ہے۔

یہ نوٹ کئے کے بعد فتح الباری ج ۱۱ صفحہ ۱۴۱ میں مجھے اپنی تائید میں کچھ بزرگوں کے اقوال مل گئے چنانچہ ملتوی کئے ہیں کہ درود بھیجئے کا مقصد اللہ کی اطاعت کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حق ہم پر ہے اسے ادا کر کے اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے۔ ابن عبدالسلام علیہ السلام کی تائید میں کہتے ہیں کہ ہمارے درود بھیجئے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش مقصود نہیں اس لیے کہ ہم جیسا جہلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہستی کی کیا سفارش کر سکتا ہے مگر درحقیقت بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس کے احسان کا بدلہ احسان سے دینے کا حکم دیا ہے اور اگر اس کے احسان کا بدلہ دے سکیں تو کم از کم دعا سے بھی ان کی مسکات کو دیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چونکہ علم تھا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان کا بدلہ نہیں دے سکتے۔ اس نے ہمیں آنحضرت پر درود بھیجئے کی ہدایت کی۔ ابن عربی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجئے والے کو ہی ہوتا ہے کیونکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ درود بھیجئے والے کا عقیدہ اور نیت خالص ہے۔ اس میں محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اطاعت پر مدامت اور ذات مصلوئی کا احترام پایا جاتا ہے۔ ۱۲

پھر فرمایا: کہ تو دیکھے گا کہ ایک شخص دلائل انبیاء پڑھ رہا ہے اور جب آنحضرت پر درود بھیجے گا ارادہ کرتا ہے تو اپنے ذہن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کو لاتا ہے وہ ان امور کو نہیں دہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مانگتا ہے وسیلہ اور جو رنجیدہ اور مقام محسود وغیرہ میں کا ذکر ہر درود میں آیا ہے، بھی ذہن میں لاتا ہے اور اپنے ذہن میں یوں تصور کرتا ہے کہ وہ ان امور کا اللہ سے طالب ہے اور دل میں سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرما کر یہ مراتب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے گا اور وہ یہ لگان کرنے لگتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بہت بھاری نفع پہنچتا ہے چنانچہ وہ خوش ہو کر اور پڑھتا ہے اور جوش سے درود پڑھتا ہے اور آواز کو بلند کرتا ہے اور یوں محسوس کرتا ہے کہ درود اس کے دل کی رگوں سے نکل رہا ہے اور اس پر خشوع اور رقت طاری ہو جاتی ہے اور یوں سمجھتا ہے کہ یہ ایک ایسی کیفیت ہے جس سے بڑھ کر کوئی کیفیت نہیں ہو سکتی حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہوتا ہے چنانچہ اس درود کی وجہ سے اسے اللہ کا قرب حاصل نہ ہوگا اس لیے کہ اس کیفیت کا تعلق اس کے فطن و گمان کے ساتھ درحقیقت ایک باطل چیز ہے اور باطل کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں اللہ تعالیٰ سے تعلق صرف اس چیز کا ہوتا ہے جو درحقیقت حق ہو کہ اگر آنکھوں کو کھول کر دیکھے تو درحقیقت ویسا ہی پادے اور جو چیز ایسی ہوگی اس کا تعلق بھی حق سمجھنے کے ساتھ ہوگا اور ہر وہ چیز جسے انسان آنکھ کھول کر دیکھے اور نہ پاتے وہ باطل ہے اور باطل کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں۔ لہذا درود پڑھنے والے کو چاہیے کہ اس آفت عظیم سے بچے اس لیے کہ اکثر لوگوں کو اس کی سمجھ نہیں اور وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جو رقت اور عبادت انہیں حاصل ہوتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ مناسب یہ ہے کہ درود پڑھنے کا محرک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور تعظیم ہو تب جا کر کہیں اس کا نور چلے گا، لیکن اگر محض ذاتی نفع ہو تو وہ شخص محبوب ہے اور اس کا اجر بھی کم ہو جائے گا اسی طرح اگر درود پڑھنے کا محرک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفع ہو تو اس صورت میں بھی اس درود کا نہ کوئی اللہ سے تعلق ہے اور نہ وہ اللہ تک پہنچے گا۔ واللہ الوفی۔

نیز حضرت نے فرمایا کہ ہر عمل کا اجر ہوتا ہے اور ہر اجر کا ایک نور ہوتا ہے اور اس نور کا اس دنیا میں بھی ذات انسان سے تعلق ہے چنانچہ اعمال اگر خالص اللہ کے لیے ہوں گے اور حسب سابق ذات کی سرک حقیقت کے موافق صادر ہوں گے تو اس کے اجر کے انوار ذاتی عامل پر چکیں گے اور ذات کو ان کا ادراک و شعور بھی ہوگا جس سے خشوع یا لرزہ یا گریہ وغیرہ بیسا کہ اس نور کا تقاضا ہے طاری ہو جائیگا اور صاحب بصیرت سمجھ جائے گا کہ اس کا مل مقبول ہو گیا ہے اور اسے اجر کی مقدار کا بھی علم ہو جائیگا

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ اجر کا پتہ تو صرف آخرت میں چلے گا حالانکہ یہ حال مجاہدین کا ہے درجہ اہل بعیت پر یہ واضح ہے اور کوئی چھپی ہوئی بات نہیں لیکن اگر عمل غیر اللہ کے لیے ہو اور حقیقت ذات کے مطابق صادر نہ ہو تو یہ محض بے سود رنج اٹھانا ہے، لہذا اس سے ذات پر کوئی نور نہ چلے گا۔

نیز فرمایا کہ عمل کے وقت عال اپنا استمان کرے کیونکہ ہر عمل کا خواہ وہ کس قدر معمول ہی کیوں نہ ہو، اجر ہے اور اس اجر کا نور ہے جو ذات پر چمکتا ہے جس کا ذات یقیناً ادراک کرتی ہے لہذا اگر عمل کے وقت اس کا دل دنیوی دھندوں اور اللہ سے منقطع کرنے والے امور سے معمور ہوگا تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اجر سے محروم کر دیا گیا ہے اسی لیے تو اس کا دل شواغل سے معمور ہے لیکن اگر دل شواغل سے پاک اور اللہ کی طرف لگا ہو تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اجر دے دیا۔

حضرت نے فرمایا: تو ایک طالب علم کو دیکھتا ہے کہ ملک بہ ملک علم حاصل کرنے کے لیے اس نیت سے جاتا ہے کہ اسے جاہ و جلال حاصل ہو، اس کی بات کا لوگوں پر اثر ہو یا دنیا یا دیگر باطل اغراض حاصل کرے اور سالہا سال یہی نیت کیے رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ نورِ علم سے محروم ہو جاتا ہے اور وہ راسخین فی العلم میں سے نہیں ہو سکتا اس لیے کہ علم کی حقیقت سے وہی شخص واقف ہو سکتا ہے جو دل سے علم کی طرف متوجہ ہو اور اس شخص کا باطن تو دنیاوی اغراض اور دیگر شواغل سے بے نیاز ہے اور صرف اس کا ظاہر علم میں حرکت کر رہا ہے اور علم اسرار میں سے ہے جسے ظاہر کبھی حاصل نہیں کر سکتا لہذا باطن ہی سے ملتا ہے ایسی حال ان اعمال کے اجور کا ہے جو خالص اللہ کے لیے نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ انسان ان اجور کو حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ اگر بھی اسرار الہیہ میں سے ہے اور باطن کی مدد کے بغیر ظاہر کبھی اسرار کو نہیں پاسکتا۔ واللہ اعلم۔

لوگ بزرگوں کی قسمیں یا بزرگوں کا نام لے کر میں نے حضرت سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ لوگ بجائے اللہ کا نام لینے کے اللہ کے نمیک بندوں کا نام لے کر فریاد کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی قسم کی قسم کی قسم ہے فلاں بزرگ شلاح حضرت عبدالقادر جیلانی

لے عبدالقادر جیلانی؟ سید عبدالقادر جیلانی بنیادی برغوث اعظم کے نام سے مشہور ہیں۔ ۱۱۶۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۶۳ھ وفات پائی۔

یا حضرت یغزیؑ یا حضرت ابوالعباس سبقتی وغیرہ کی قسم۔ اسی طرح اگر کسی کو قسم دلانا چاہتا ہے اور قسم کو زندہ بنانا چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ فلاں بزرگ کی قسم کھاؤ اور جب کوئی مصیبت آپڑے اور لوگوں سے بھیک مانگے تو وہ فلاں بزرگ کا نام صراحتہ لیتا ہے اور وہ اس عمل میں تعلیمی طور پر اللہ سے منقطع ہو جاتا ہے، لیکن اگر انھیں کما جائے اللہ کا وسیلہ پکڑ دیا یہ کہا جائے کہ اللہ کی قسم کھاؤ وغیرہ تو ان پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا، اس کا کیا سبب ہے؟

فرمایا کہ جب اہل دیوان اولیاء اللہ نے دیکھا کہ لوگوں کی ذات میں عظمت کی کثرت ہے اور ان لوگوں کی بھی کثرت ہے جو اللہ سے منقطع ہو چکے ہیں اور ان کی ذات نبیث ہو چکی ہے تو انھوں نے عمداً اس طرح کیا کہ اگر اہل دیوان کی خواہش یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام وہ لوگ میں جن کی ذات پاک ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیکارنے والے کی پیکار کو سنا ہے بشرطیکہ دعا کے وقت اس کا دھیان صرف اللہ کی طرف ہو اور اس شخص کی اجابت دعا دو طرح سے ہوتی ہے یا تو اس طرح کہ اس کی مراد اسے عطا کر دی جائے یا مراد پوری نہ ہونے کی صورت میں اُسے اس کا راز بتا دیا جائے اور یہ بات صرف اولیاء اللہ کو حاصل ہو سکتی ہے، اللہ سے دور اور محجوب لوگوں کو حاصل نہیں ہو سکتی چنانچہ اگر کوئی غلامی ذات اپنے تمام جواہر اور رگوں سے اللہ کی طرف متوجہ ہو اور خدا سے کوئی مراد مانگے اور اللہ تعالیٰ وہ مراد اسے دے دے اور نہ ہی اسے اس مراد کے مراد کے نہ دینے کا راز بتایا جائے تو ہو سکتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے وجود کے متعلق شبہات پیدا ہو جائیں اور وہ اس کی مراد کے نہ پورے ہونے سے بھی بڑھ کر مصیبت اور وبال میں گرفتار ہو جائے کہ ایمان بھی گئے، لہذا اہل دیوان نے اسی میں مصلحت سمجھی کہ لوگوں کے دلوں کو اللہ کے نیک بندوں کی طرف لگا دیا تاکہ اگر ان کی ولایت میں کبھی ان کو شبہ پیدا ہو تو انہیں اس کا کوئی نقصان نہ پہنچے۔

پھر فرمایا کہ اللہ سے بے تعلقی لوگوں کی کثرت اور ان کی ذات میں عظمت کی زیادتی کی دلیل یہ ہے کہ حضرت یغزیؑ: غالباً یغزی سے مراد ابو یغزی مغربی ہیں جو مغرب میں اولیاء اور صوفیاء کے امام مانے جاتے تھے ابتداء حال میں پندرہ سال جنگوں میں شہر دہاں اور درندوں میں گھڑا رہے۔

۷۔ ابوالعباس سبقتی: ابوالعباس احمد بن محمد بن الرشید بن المہدی المعروف بالسبقتی۔ انیس سبقتی اس لیے کہا گیا کہ یہ ہفتہ رستہ کے دن اپنے ہاتھ سے اس قدر کما لیتے کہ ان کے لیے ہفتہ بھر کے لیے کافی ہو اور پھر یہ ہفتہ بھر عبادت میں مشغول رہتے۔ بہت صالح اور مہذب تھے اور قدرت کے باوجود اپنے باپ کی زندگی میں ہی ترک دنیا کر بیٹھے تھے۔ ۱۸۷۷ء میں اپنے باپ کی زندگی ہی میں وفات پائی۔

کو تم دیکھو گے کہ ایک شخص بیس موزونے لے کر گھر سے نکلتا ہے اور وہ کسی دل کی قربت جاتا ہے اور بیس کے بیس موزونے وہاں ڈال دیتا ہے تاکہ اس کی حاجت پوری ہو حالانکہ راستہ میں اسے کئی ایک محتاج فقیر ملتے ہیں اور وہ اس سے اللہ کے نام پر اللہ کا متاع مانگتے ہیں اور وہ انہیں کچھ نہیں دیتا اور ولی کے پاس پہنچ کر سب کچھ ڈال دیتا ہے۔ یہ نہایت ہی بُری بات ہے جس کا سبب یہ ہے کہ عہدۃ اللہ کے نام، اس کی عظمت اور اس کی خوشنودی کے لیے نہیں دیا گیا اس لیے اگر اللہ کے نام پر دیا گیا ہوتا تو جو محتاج بھی اسے ملتا وہ اسے دیتا لیکن جب عہدۃ دینے کا محرک اور سبب صرف ذاتی نفع ہوا تو اس نے ایک خاص جگہ کو عہدۃ دینے کے لیے مخصوص کر دیا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس جگہ دینے سے مجھے نفع ہو گا اور اس جگہ دینے سے نہ ہو گا۔

نیز فرمایا: میں نے دیکھا ہے کہ صرف آج کے دن باب تہمان سے ساقیۃ الحرام تک صالحین کے نام پر اتنی دینار ۳۶۰ بکریاں اور ۷۲ ہیل دیے گئے اور اللہ کے نام پر کسی نے دس دس درہم بھی نہ دیے۔

پھر فرمایا: یہ اللہ سے قطع تعلق کے ان اسباب میں سے ایک سبب ہے جو اس امت پر طاری ہوتے ہیں اور بیشتر لوگوں کو اس کا علم نہیں ہوتا اور اللہ سے منقطع کرنے والے اسباب کی تعداد ۳۹ ہے میں نے عرض کیا کہ اس وقت ان میں سے کچھ آپ کو یاد ہیں۔

اللہ سے منقطع کرنے والے اسباب فرمایا ہاں لکھ لو: (۱) صالحین کو دنیوی منافع کی غرض سے ہدیہ دینا اور اللہ کی خوشنودی کو بد نظر نہ کرنا۔ (۲) صالحین کے پاس جا کر اللہ کا وسیلہ لانا تاکہ ان کی مراد پوری ہو چنانچہ زائر کتا ہے کہ اے غلام بزرگ تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ میری ضرورت پوری کر دیں۔ یہ امر اللہ سے منقطع ہونے کا اس لیے سبب بنتا ہے کہ زائر نے مناسب اور ضروری بات کو پیٹ کر معاملہ برعکس کر دیا کیونکہ مناسب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے اور اس کے اولیاء کو وسیلہ لایا جائے نہ یہ کہ اس کو اسٹا کر دیا جائے۔

(۳) وہ امور جو فرض ہیں ان کا سر پر قرض ہوتے ہوتے صالحین کی زیارت کرنا مثلاً یہ کہ چند نازلوں کی قضا سر پر ہے، ان کو ادا نہیں کیا حالانکہ یہ اللہ کا حق ہے اور اسی میں اللہ کا وہ نور اور راز ہے جسکی بدولت اللہ بندہ پر مہربانی کرتا ہے اور صالح آدمی کی زیارت کے لیے روانہ ہو گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں اللہ سے بے تعلقی اور غفلت ہے (اس لیے کہ صالحین کی زیارت کرنا نفل ہے جس کے

ترک سے گناہ لازم نہیں آتا اور فرض کے ترک سے گناہ لازم آتا ہے اور نور سے بھی محرومی ہوتی ہے۔

(۴) جان یا رزق وغیرہ کی خاطر ظالم سے ڈرنا کہ دل میں یوں کہے میں اس کے خلاف ذکر وں کا کیونکہ اگر اس کے خلاف کروں گا تو وہ مجھے قتل کر دیگا یا میری روزی بند کر دے گا وغیرہ وغیرہ جن کی وجہ سے یہ اس سے ڈرتا ہے کیونکہ اگر اسے اس بات کا یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ کا تصرف اس میں اور اس ظالم میں جاری ہے تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ صرف خدا ہی فاعل ہے اور کوئی شخص خواہ وہ ظالم ہو یا اور اس کا کسی کام میں شریک نہیں ہو سکتا تب اسے اللہ کے اسوہ کی کاڈ نہیں ہوتا چنانچہ جس قدر یہ نگاہ قوی ہوتی ہے اسی قدر اس کا قرب اللہ کے ساتھ بڑھتا جاتا ہے اور جس قدر کم یا معدوم ہوتی ہے اسی قدر اللہ سے دوری اور بے تعلقی ہوتی ہے۔

(۵) یہ طبع رکھنا کہ ظالم کا قرب حاصل کرنے سے رزق ملے گا کیونکہ اگر اس کو اس بات کا یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے تو یہ فعل اس سے صادر نہ ہوتا۔

(۶) کافروں کی مدد کرنا اور انہیں دنیوی و دینی سببوں سے بچھڑانا اس طرح کہ انہیں (ترک) کا کوئی راستہ نہ رہے کیونکہ یہ بھی اللہ سے بے تعلقی کا ایک سبب ہے۔
مؤلف کہتا ہے کہ ہم نے جب بھی کسی شخص کو ظالم کی خیر خواہی کرتے ہوئے دیکھا ہے تو انجام کار اس کی خرابی ہوئی ہے۔

بیاباں پر ہم سفیان ثوریؒ کا قصہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے جو ان کے ساتھ جا رہا تھا ایک سپاہی کو نماز کے لیے جگانا چاہا۔ تو سفیانؒ نے کہا اسے اس وقت بیدار نہ کرو۔ ایسا ہی رہنے دو تا کہ ہم اس سے اور اس کے شر سے بچے رہیں۔

(۷) مسلمانوں کی خیر خواہی نہ کرنا کہ کسی بات کو ان کے لیے مضر پائے اور اس سے بچنے کی ان کو نصیحت نہ کرے یا کوئی چیز ان کے لیے مفید سمجھے اور اس کے لیے آمادہ ہونے کا انہیں حکم نہ دے۔

(۸) اللہ کی عبادت کے مقابلہ پر دنیا کی طلب میں محنت و مشقت کو لذت سمجھنا چنانچہ جو شخص یہ محسوس کرے تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اللہ سے بے تعلقی کے کسی سبب کا مرتکب ہوا ہے۔

(۹) ایسے ذرائع سے دنیا حاصل کرنا جو دنیا سے بھی زیادہ ذلیل و حقیر ہوں۔ پرانے بزرگ دنیا کو دنیا سے اعلیٰ و ارفع چیز کے ذریعے حاصل کیا کرتے تھے مثلاً جہاد تجارت اور کھیتی باڑی وغیرہ حلال اسباب کے ذریعے اور جو دنیا کو جھوٹ، مکر، بدکاری اور جھوٹی قسموں کے ذریعے سے حاصل کرنا چاہتا ہے وہ دنیا کو ایسے افعال سے حاصل کرنا چاہتا ہے جو دنیا سے بھی زیادہ حقیر ہیں۔ لہذا جو

شخص اس بات کو اپنے اندر محسوس کرے اسے توبہ کرنی چاہیے کیونکہ دنیا کو اس سے بہتر ذرا کچھ نہیں ملتا
سے حاصل کرنا چاہیے۔

(۱۰) اس نیت سے نیک عمل کرنا کہ اللہ تعالیٰ رحمہ فرمائے اور ذات نفع اور اغراض حاصل ہوں۔
اس نیت سے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو اور یہ سبب بہت عام پایا جاتا ہے۔ ہاں وہ
لوگ جن پر اللہ کا کرم ہے اس سے بچے جوتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی ان میں
سے بناتے۔

حضرت نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ دوزخ اور بہشت کو پیدا نہ کرتا تو پتہ چل جاتا کہ کون اللہ کی عبادت
کرتا ہے اور کون نہیں کرتا اور جو عبادت کرتا اس کی عبادت خاص اللہ کی خوشنودی کے لیے ہوتی اور
اس وقت اللہ کی عبادت کرنے والے کو کمال معرفت حاصل ہوتی، لیکن جب لوگوں نے دوزخ اور
بہشت کا نام سنا تو ان کی نگاہ اغراض ان کی طرف لگ گئیں اور وہ راستہ سے ہٹ گئے۔

(۱۱) ان مقامات میں معصیت کا ترک ہو جاتا جو اللہ کے نزدیک قابل تعظیم ہیں مثلاً مساجد وغیرہ۔ کیونکہ اگر
بندہ کو یقین ہو کہ اس جگہ کی نسبت اللہ کی طرف ہے اور وہ دل میں کہے کہ یہ اللہ کا گھر ہے تو وہ اس میں
معصیت کا ترک ہو گا۔

(۱۲) اعلام۔ جس کے مفاسد کا ذکر آئندہ آئے گا۔

(۱۳) مرد کا اپنی عورت کو بغیر تصور کے مارنا۔ چونکہ عورت کے مرد پر حقوق ہیں اور مارنے میں اس حق کی
خلاف درزی ہوتی ہے اس لیے یہ مارنا اللہ سے بے تعلقی کا سبب بنتا ہے۔

(۱۴) اہل دعیال پر نفقہ کا احسان جانا اور احسان جانے کی نیت سے یہ کہنا کہ میں نے تم پر اس قدر روپیہ
خرچ کیا ہے۔

(۱۵) حسد کرنا۔ اس کے مفاسد کا ذکر عنقریب آئے گا۔ بہت سے معاصی کا یہی سبب بنتا ہے۔

(۱۶) معصیت کو سمجھتے ہوئے اس پر پیش قدمی کرنا۔ آگے چل کر جب ہم ان لوگوں کا ذکر کریں گے جنکو
قیامت کے روز سخت عذاب ہو گا تو اس کی تشریح کریں گے۔

موت کہتا ہے کہ اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ یہ تو وہی نہیں قسم ہے کہہ نہ کہ یہ دونوں الگ
الگ ہیں۔

(۱۷) والدین کی نافرمانی۔ چنانچہ حضرت نے اپنے پیر عمر بن محمد المہاری سے حکایت کی کہ وہ ایک دن
عمر بن محمد کے ساتھ اسی بیری کے درخت کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جو علی بن حزم کے مزار کے باہر

واقع ہے کہ ان کا بیاج کو جانے کے ارادے سے باپ سے رخصت ہونے کو آیا۔ حضرت عمر بن محمد نے انکو جانے سے منع کیا مگر وہ والدین کا نافرمان تھا اس لیے باپ کی رضامندی کے بغیر ہی حج کو روانہ ہو گیا۔ پھر فرمایا کہ والدین کی نافرمانی کا انجام چار باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ دنیا اس سے جاتی رہتی ہے اور اس کو ایسا بُرا سمجھتی ہے جیسا کہ مومن دوزخ کو برا سمجھتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جب وہ کسی جگہ بیٹھ کر حاضرین سے کسی بات میں گفتگو کرنے لگتا ہے تو حق تعالیٰ ان کے دلوں کو اس کی بات سننے سے پھیر دیتا ہے اور اس کی گفتگو سے نور و برکت نکال لیتا ہے (اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی نظروں میں مغضوب بن جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اہل دیوان اور لیاء جو صاحب تصرف ہوتے ہیں اس کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھتے اور نہ ان کو اس پر کبھی ترس آتا ہے۔ چارم یہ کہ اس کا نور ایمان آہستہ آہستہ کم ہوتا رہتا ہے پھر جسے اللہ تعالیٰ بد بخت کرنا چاہتے ہیں اس کے ساتھ یہ حالت جاری رہتی ہے یہاں تک کہ اس کا سارا نور ایمان چلا جاتا ہے اور کلیتہً فنا ہو جاتا ہے اور وہ کافر ہو کر مرنے لگتا ہے۔ خدا میں اس سے بچائے اور جسے اللہ تعالیٰ بد بخت کرنا نہیں چاہتے وہ ناقص الایمان ہو کر مرنے لگتا ہے۔ خدا میں اس سے بچاؤ۔ اور فرمایا: والدین کی رضامندی کے بھی چار نتیجے نکلتے ہیں جو مذکور بالا چار نتائج کی منہ میں۔ (۱) دنیا اس کو محبوب سمجھتی ہے جیسے مومن جنت کو محبوب سمجھتا ہے (۲) لوگوں کو اس کی باتیں میٹھی معلوم ہوتی ہیں۔ (۳) ادلیاء اللہ اس پر مہربانی کرتے ہیں۔ (۴) اور اس کا ایمان بڑھتا رہتا ہے۔ واللہ الموفق۔

برادر! والدین کی نافرمانی کے چاروں مقاصد پر اور ان کی تابعداری کے چاروں محاسن پر غور کرو۔ (۱) اہل جناب سے صحبت اور ان سے میل جول رکھنا مثلاً امیروں اور رئیسوں سے میل جول رکھنا کہ مومن بندہ کی ذات میں ایک نور کا ڈورا ہوتا ہے جو اس کی ذات کے ایک سوراخ سے نکلتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علیہ سے جاتا ہے۔ یہ نور ادلیاء اللہ کے میل جول سے زیادہ ہوتا ہے ورنہ کم ہو جاتا ہے اور یہ بھی ڈور ہوتا ہے کہ یہ نور کا ڈورا بالکل ہی منقطع نہ ہو جائے اور رئیسوں کے میل جول سے یہ سوراخ بند ہو جاتا ہے اس لیے کہ یہ لوگ اپنی ریاست مال اور جاہ و جلال کی وجہ سے اس کی ذات پر غالب آ جاتے ہیں اور وہ ان کی قید اور قبضے میں آ جاتا ہے اور اپنے دل و جان سے ان کی طرف مائل رہتا ہے اور ایک مدت دراز تک اسی حالت میں رہنے سے اللہ تعالیٰ کا خیال اس کے دل و دماغ پر آتا ہی نہیں اور پھر اچانک غراں اور اسی انقطاع کی دلیل میں پڑے پڑے نور کا سوراخ بالکل بند ہو جاتا ہے اور یہ آفت ماحجان ریاست سے میل جول کی وجہ سے پہنچتی ہے۔

(۲۰) خلفاء اربعہ یعنی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم میں تفریق کرنا، پھر فرمایا کہ تفریق سے مراد یہ ہے کہ خارجیوں اور انصاریوں کی طرح بعض سے محبت رکھے اور بعض سے بغض اور تفریق اس لیے اللہ تعالیٰ سے تعلق کا سبب بنتی ہے کہ ان حضرات میں سے ہر ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل میں سے ایک خصلت کا وارث ہے لہذا ایک خلیفہ سے بغض رکھنا گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ اللہ سے بے تعلق کا سبب بن جاتا ہے۔

صحابہ میں کیا خصال پائی جاتی تھیں | میں نے عرض کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں آنحضرت کی خصلتوں میں سے کون سی خصلت پائی جاتی ہے،

فرمایا: اللہ پر ایمان کی خصلت۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اللہ پر ایمان کی ایک خاص کیفیت تھی جو اگر تمام روئے زمین کے لوگوں پر خواہ وہ صحابہ ہوں یا کوئی اور ڈال دی جاتی تو وہ ہلک ہو جاتے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کیفیت میں سے تھوڑی سی کیفیت کے جس قدر کہ آپ کی ذات تھیں جو کتنی غنی وارث ہوئے، اس کے باوجود اُمت محمدیہ میں کوئی شخص ایسا نہیں جو اس خصلت کو اتنا برداشت کر لیتا جتنا سیدنا ابوبکرؓ نے کیا بلکہ آپ کے قریب قریب بھی کوئی نہیں پہنچا، نہ صحابہ میں سے اور نہ اہل بیت کبیر اغواث و انطباب میں سے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارہ الوبہیت اور حقائق ربوبیت اور دقائق معرفت اس قدر حاصل ہو چکے تھے کہ جس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی اس کی طاقت رکھ سکتا ہے اور جن سمندروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غوطہ زن ہوتے ان کے متعلق آپ کی گفتگو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہوا کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ابوبکرؓ اس مرتبہ پر پہنچے اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری تین سالوں میں ان حقائق کے متعلق ابوبکرؓ سے گفتگو نہیں فرمائی کہ کہیں گھٹل نہ جائیں۔

پھر فرمایا کہ حضرت عمرؓ میں جو خصلت تھی وہ مسلمانوں کے لیے خیر خواہی، ان پر شفقت، ان کو اپنے نفس پر ترجیح دینے، ان کے لشکر کے معاملات کا بندوبست کرنا اور وہ انتظامات ہیں جو عوام و خواص سب کی بہتری کا سبب تھے۔ یہ خصلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصلتوں میں سے تھی جس میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بقدر استطاعت ورثہ ملا۔

۱۔ ابوبکرؓ: مدت خلافت ۲۰ سال، ۲۰ سالہ تاسعہ و ۲۰ سالہ
۲۔ عمرؓ: ۱۰ سال، ۱۰ سالہ تاسعہ و ۱۰ سالہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں مہربانی، شفقت اور صلہ رحمی کی خصلت تھی اور یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصلتوں میں سے ایک خصلت ہے جس میں سے حضرت عثمانؓ کو اس قدر ورثہ ملا جس قدر کہ آپؐ برداشت کر سکتے تھے۔

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ میں شجاعت کی خصلت تھی اور یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصلتوں میں سے ایک خصلت ہے جس میں سے حضرت علیؓ کو اس قدر ورثہ ملا جس قدر کہ آپؐ برداشت کر سکتے تھے۔

پھر فرمایا: اسی طرح ہر ایک صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصلتوں میں سے کسی نہ کسی خصلت کا وارث ہوا (یعنی اپنی اپنی بساط کے مطابق) اسی لیے کسی ایک صحابی سے بغض رکھنا خواہ وہ کوئی ہو، اللہ سے بے تعلقی کا موجب ہوتا ہے۔

اس کے بعد مجلس برخاست ہو گئی اور میں آپؐ سے اللہ سے بے تعلقی کے اسباب کی پوری تعداد نہ سن سکا تا آنکہ آپؐ رحلت فرما گئے۔ اللہ آپؐ کی برکت سے ہمیں فتح نصیب کرے۔

میں نے آپؐ کو ان امور کو شمار کرتے سنا جس سے کن امور سے ایمان بڑھتا ہے | ایمان بڑھتا ہے۔

۱۔ زیارتِ قبور

۲۔ خاص اللہ کے لیے حد تو کرنا

۳۔ جھوٹی تسبیح کھانے سے پرہیز کرنا۔

۴۔ دوسروں کی شرمگاہ کی عزت نہ دیکھنا اور اگر کہیں اتفاقیہ نظر پڑ جائے تو فوراً آنکھ نیچی کر لینا۔

۵۔ لوگوں کے گناہوں سے تنہا نہ رہنا کیونکہ جو شخص لوگوں کے گناہوں کو دیکھتا ہے اور ان کی توبہ میں رہتا ہے

اسے اللہ تعالیٰ اس دوسرے میں ڈال دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نماز، روزانہ پر انعام کرتا ہے اور اپنی نعمت

جاری رکھتا ہے اور اسے بہت سے غلطیے دیتا ہے چنانچہ جو شخص اس کی معصیت پر نظر رکھتا ہے

یہ کہنے لگتا ہے کہ شاید اسے یہ نعمت اس کی معصیت کی وجہ سے ملی ہو اور شیطان اس کے دل میں گناہ

کرنے کا خیال ڈال دیتا ہے کہ دیکھو اللہ نے باوجود اس کے گناہوں کے اس پر کس قدر انعام کیا ہے

اور تجھے باوجود عبادت کے محروم رکھا ہے یہ تو حکمت کا متفقہ نہیں وغیرہ وغیرہ

۱۔ عثمانؓ : بیت خلافت : ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲

۲۔ علیؓ : ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵

۴۔ ان علماء کی تعلیم کرنا جو شریعت کے حامل ہیں۔ لہذا ان کی تعلیم کرنے سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے حق تعالیٰ ہمیں توفیق بخشے کہ ہم ان کا مرتبہ پہچانیں۔

نیز آپ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اللہ کے نزدیک علماء کی کیا قدر و منزلت ہے تو کبھی ان کو زمین پر نہ چھنے دیں اور ہر علاقہ کے لوگ اپنے عالم کو اپنی گردنوں پر اٹھائے پھریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت نے فرمایا کہ خدا نے انعام کو اس لیے حرام فرمایا ہے کہ آدمی کے

انعام کیوں حرام ہے

نطفہ کے ساتھ چند فرشتے گر کرتے ہیں۔ چنانچہ جب نطفہ مقعد میں گرتا ہے جو کو بیج ڈالنے کی جگہ نہیں ہے تو وہ سب مرجاتے ہیں اور ایک مرتبہ فرمایا کہ وہ فرشتے کہوتر کے پچوں کا طرح نازک ہوتے ہیں کہ اگر ایک ہند گھونسہ سے گوگرد پتھر پر آ پڑیں تو کیا ان میں کچھ باقی رہ جائے گا، لیکن جب نطفہ عورت کے اندام نہانی میں جاتا ہے کہ درحقیقت بیج ڈالنے کی جگہ ہے تو اس نطفہ کے ساتھ دو قسم کے فرشتے رہ جاتے ہیں۔ ایک قسم باپ کے اور دوسری قسم ماں کے نطفہ کے فرشتوں کی جن کی کل تعداد ۲۴۶ ہوتی ہے، دونوں نصفان نصف البتہ مرد میں داخل ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ آدم اصل میں حوا کے لیے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پیدائش مقدر فرمائی تو یہ نطفہ پہلے علقہ پھر مضغہ وغیرہ بنتا ہے اور نطفہ کی ترقی کے ساتھ فرشتوں کی تعداد بڑھتی رہتی ہے چنانچہ جب بچہ دنیا میں آتا ہے تو یہ فرشتے بھی اس کے ساتھ نکل کر آتے ہیں اور وہی اس کی ذات کے محافظ و نگہبان ہوتے ہیں، ان کا سردار وہ فرشتہ ہوتا ہے جو اپنے شان پر تعینات ہوتا ہے پس جس طرح بچہ کا نشوونما ماں اور باپ کے درمیان ہوتا ہے اسی طرح ان فرشتوں کا نشوونما ملائکہ ذات پدر اور ملائکہ ذات مادر کے درمیان ہوتا ہے جن کی کل تعداد ۲۴۶ ہوتی ہے۔

لیکن اگر تقدیر میں لکھا ہو کہ اس نطفہ سے بچہ نہ ہوگا تو جو فرشتے رحم میں جاتے ہیں مرجاتے ہیں، لیکن اس سے بندہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا کیونکہ اس میں اس کے کسب و فعل کا کوئی دخل نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے چراغ میں مقدار سے زیادہ تیل بھرا ہو تو تیل کے قطرے بتی سے پٹکتے ہیں۔ یہ پٹکتے ہوئے قطرے چمکدار ہوتے ہیں مگر زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی بجھ جاتے ہیں اور فرمایا اسی لیے رحم سے منی خارج کرنے کے اسباب پیدا کرنا جائز نہیں کیونکہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس نطفہ سے بچہ ہوگا یا نہیں اور اس طرح ہم کہیں بہت سے ملائکہ کو ہلاک کرنے کی کوشش نہ کریں۔

زنا کیوں حرام ہے | جس خرابی کی وجہ سے زنا حرام کیا گیا وہ فرشتوں کی جہت سے نہیں ہے بلکہ قطع نسب کی وجہ سے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن

لوگوں کو نسب کی وجہ سے بہت فائدہ پہنچے گا اور دعویٰ نسب بغیر گواہی کے مقبول نہ ہوگا اسی لیے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح میں گواہ مقرر کرنے، اس کے اعلان اور اشاعت کا حکم فرمایا اور زانی جو کچھ کرتا ہے چھپا چھپا کر کرتا ہے کیونکہ علی الاعلان کرے تو اسے زنا کی سزا دی جائے لہذا وہ نسب کو قطع اور مخلوط کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ہم اعلام کی خرابی کے بیان میں اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔

قیامت کے دن سب سے سخت عذاب کسے ہوگا | ایک روز فرمایا: تجھے معلوم ہے کہ قیامت کے دن سب سے سخت عذاب کسے ہوگا؟ میں نے عرض کیا آپ ہی فرمادیجئے۔

فرمایا جسے اللہ تعالیٰ نے جسم کامل، عقل کامل اور صحت تام عنایت کی ہو اور اسے ہر قسم کا معیش اور رزق کے اسباب مہیا فرمائے ہوں۔ پھر ایک یا دو یا اس سے بھی زیادہ دن گذر جائیں اور اسے اپنے رب کا خیال بھی دل میں نہ آئے، لیکن جب گناہ کا موقع ملے تو تمام جسم و عقل کے ساتھ ادھر توجہ دے اور اس سے لذت اٹھائے اور پسند کرے مگر اللہ تعالیٰ کا قطعاً خیال نہ آئے اس طرح معصیت کے ساتھ اس کا اتصال ہو جاتا ہے اور اپنے رب سے کل طور پر بے تعلق ہو جاتا ہے۔ وہ ہر حق معصیت کی طرف مائل ہوتا ہے اور اسے انتہائی درجہ تک شیریں سمجھتا ہے لہذا قیامت کے دن اس کی سزائے ہوگی کہ اس کے تمام بدن کو عذاب میں ڈالا جائے اور کلیتہً اسی طرف اس کی نظر ہو اور ایک دم آگ میں ڈال دیا جائے اور اسے عذاب میں وہ مزہ آئے جیسا کہ خارش زدہ کو کھلی کونے میں مزہ آتا ہے حالانکہ جتنا وہ کھیلتا ہے اتنا ہی اسے نقصان ہوتا ہے۔

فرمایا: معصیت کی حالت میں بالخصوص اس یا خدا کی بڑی شان ہے لہذا مومن کو چاہیئے کہ جب اللہ کی نافرمانی کرے تو یاد رکھے کہ اس کا ایک قادر رب ہے تاکہ اسے خوف و ہراس پیدا ہو اور اگر اسے بالکل معاف نہ کیا جائے تو کم از کم عذاب کی شدت میں کمی واقع ہو جائے۔ واللہ الوفق۔

معصیت کو جانتے ہوئے اس کی طرف پیش قدمی کرنے کے بیان میں ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔

حکایت | حضرت نے معصیت کی حالت میں اللہ کو یاد رکھنے کے متعلق سیدی عمر بن محمد اھماری سے ایک

عجیب حکایت نقل کی ہے۔ سیدی عمر نے بیان کیا کہ ایک شخص جو اپنے نفس پر ظلم کرتا اور ہمیشہ گناہ کا ترکب ہوتا تھا، میرے شیخ کے پاس میری موجودگی میں آیا اور کہنے لگا: "میرے آقا میں گناہ کا ترکب ہوں اور ہمیشہ گناہ کرتا رہتا ہوں اور چھوڑ نہیں سکتا۔ ان سے نجات پانے کی کیا تدبیر ہے۔ شیخ نے فرمایا: افسوس تو کیا تو اپنے رب کی نافرمانی کرتا ہے، گناہ کرنا چھوڑ دو اور پھر کبھی نہ کرنا۔ کہنے لگا مجھ میں چھوڑنے کی قدرت نہیں۔ شیخ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے، اللہ کی طرف رجوع کر۔ پھر جواب دیا مجھ میں قدرت نہیں۔ شیخ نے اس سے تعانف برتا اور اس شخص نے آپ کے پاس ایک یا دو دن قیام کیا۔ جب رخصت ہونے لگا تو پھر اس نے کہا اے میرے سردار گناہ سے کیسے چھٹکارا پاؤں؟ شیخ نے فرمایا: جب تو گناہ کرنے لگے تو تین باتوں کو دل میں یاد رکھو اور پھر جو دل چاہے کر دو اول تو اس گناہ اور اس کی برائی کو یاد رکھو اور اللہ کے غضب کو یاد رکھو جس کا یہ سبب بنتا ہے دوسرے اپنی ذات اور اپنے نفس کی خواست کو یاد رکھو کہ اس قدر حقیر ہونے کے باوجود تو اپنے رب سے منہ موڑ رہا ہے، تیسرے اپنے رب کے سلطوت و قہر اور قدرت کا خیال رکھو کہ جب چاہے تمہیں پکڑ لے، پھر اس کی معافی کو یاد رکھو کہ کس طرح اس نے تمہارے اعمال پر پردہ ڈال رکھا ہے اگر تو ان امور کو صحیح طور پر ذہن میں رکھے تو پھر جو دل چاہے کر دو۔ چنانچہ وہ شخص چلا گیا اور کچھ مدت بعد مجھے ملا اور مجھے سلام کیا اور کہا کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے میں نے کہا: آپ کون ہیں، کہنے لگا: میں وہی معصیت کرنے والا شخص ہوں حضرت کے کلام کی برکت سے اللہ نے میری دستگیری کی۔ اس طرح کہ جب میں معصیت کا ارادہ کرتا تو جن امور کو حضرت نے یاد رکھنے کو فرمایا تھا، یاد رکھتا تو میں گناہ نہ کر سکتا۔ یہی میری توبہ کا سبب بنا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور فرمایا کہ میرے نزدیک کبیرہ گناہ دو گناہ ہیں جس کا ارتکاب ایسی حالت میں کیا جائے جب انسان کا دل اللہ اس کے فرشتوں اور کتابوں، رسولوں اور یوم آخرت سے بے تعلق ہو چکا ہو خواہ وہ ظاہری طور پر ان سے تعلق ہی کیوں نہ رکھتا ہو کیونکہ یہ ظاہری تعلق کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ ایسی حالت میں گناہ اس سے کسب ہوتا ہے کہ بندہ بے تعلق کی حالت میں دل و جسم، عقل و ہمت اور پاؤں اور تمام اعضاء سے گناہ میں پڑتا ہے نہ اس کا دل اسے اس کام سے منع کرتا ہے اور نہ کوئی اور بات اسے رب کی یاد دلاتی ہے اور صغیرہ گناہ وہ گناہ ہے جسے بندہ ایسی حالت میں کرے جبکہ اس کے دل کا تعلق اللہ سے اور ان دسائل یعنی رسولوں، فرشتوں اور کتابوں سے ہو جو اللہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اگر ایسی حالت میں جب بندہ کرتا ہے تو بغیر ارادہ کے کرتا ہے اور ساتھ ہی اس گناہ کے ساتھ اسے ایک قسم کا بغض ہو گا اس لیے کہ اس کا دل اسے ملاست کرتا ہوتا ہے لہذا جب وہ گناہ کرتا ہے تو اپنے رب کی شرم و حیا

اس میں موجود ہوتی ہے۔

میں نے عرض کیا کہ اس فرق پر یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کبیرہ گناہ گنوائے ہیں ان میں انقلاص عن الحقی کی قید نہیں لگائی چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ کبیرہ گناہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، سحر، والدین کی نافرمانی اور قتل نفس اور بخاری میں اضافہ ہے جھوٹی قسم کا مسلم میں اس کی بجائے جھوٹ بولنے کو گناہ کبیرہ شمار کیا گیا ہے صحیحین کی ایک اور حدیث میں ہے کہ سات ملک گناہوں سے بچا کرو: شرک باللہ، سحر، ناحق قتل نفس، یتیم کا مال کھانا، سود خوری، جنگ کے دن بھاگ جانا اور بے خبر پاک دامن مسلمان عورتوں پر زنا کی تمہمت لگانا۔

حضرت نے فرمایا کہ یہ گناہ بندہ سے جیسی صادر ہوں گے جب وہ اللہ سے منقطع ہو گا کیونکہ اگر دل کا تعلق اللہ کے ساتھ قائم ہو تو وہ نہ شرک کرے گا اور نہ جادو اور نہ کمبختی اور گناہ کا مرتکب ہو گا جن کا ذکر ان حدیثوں میں آیا ہے۔

پھر فرمایا فلاں شخص کو نہیں دیکھتے کہ غریب و دل بننے والا ہے حالانکہ اس وقت وہ محبوبین میں سے ہے مگر اللہ کے ساتھ اس کے دل کا تعلق قائم ہے کیا وجہ ہے کہ وہ اس قسم کے گناہ کا ارتکاب نہیں کر سکتا اور ان سے اس طرح ڈرتا ہے جس طرح آگ سے کوئی ڈرے اور فلاں کو دیکھو کہ (ابو جود ذکر الہی کے) سے فتح نصیب نہیں ہوتی اور اس کا دل اللہ سے بے تعلق ہو چکا ہے محض زبان کا ذکر سود مند نہیں ہو سکتا اور دیکھو کہ کس قدر بڑے افعال اس سے سرزد ہوتے ہیں۔ خدا بے اپنے فضل و کرم سے ان برائیوں سے بچائے۔ پھر فرمایا کہ بے تعلق کی مصیبتیں بھی چھپی نہیں رہتیں اور نہ با تعلق کی۔

پھر فرمایا کہ حصول معاش کے جتنے بھی اسباب ہیں مثلاً کھیتی باڑی، تجارت وغیرہ کی مثال اس کشکول کی سی ہے جو فقیروں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت اسی طرح جاری ہے کہ بغیر حیلہ کسی کو رزق عطا نہیں کرتا بلکہ اس وقت دیتا ہے جب بندہ اسباب رزق کے کسی ایک کشکول کے ذریعہ سے اللہ سے سوال کرے لہذا جب یہ کشکول اللہ کی طرف بڑھایا جاتا ہے تو خدا اجتہاد اس کے مناسب سمجھتا ہے اس میں ڈال دیتا ہے لہذا سبب اختیار کرنے والے پر لازم ہے کہ اپنے سبب

حضرت عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان کی تائید کہ کبار کا ارتکاب انسان اس وقت کرتا ہے جب اس کا تعلق اللہ سے منقطع ہو جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہوتی ہے: لَا يَزِيْزِي الْمَرْءَ فِيْهِنَّ سِيْرَتِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ. زانی زنا کا ارتکاب مومن ہونے کی حالت میں نہیں کرتا۔ (مترجم)

کی یہی حیثیت سمجھے۔ تاکہ اس سبب کے اختیار کرتے وقت اس کی نظر اللہ کی طرف ہو نہ سبب کی طرف جیسا کہ ایک گداگر کی نظر ان لوگوں کی طرف ہوتی ہے جو اسے خیرات دیتے ہیں اور اپنے کشکول کی طرف نہیں دیکھتا اور جب اس کی نظر اس سبب کے اختیار کرتے وقت خدا کی طرف ہوگی تو اس کا تعلق اللہ سے قائم ہوگا اور یہ سبب اسے اللہ سے ملانے کا ذریعہ بنے گا اس لیے اس کا اعتماد اور بھروسہ اپنے رب پر ہوگا نہ کہ سبب پر اور جب اللہ پر اعتماد ہوگا تو وہ صرف وہی سبب اختیار کرے گا جس کی اجازت اللہ نے دی ہے۔ ایسی حالت میں کم یا زیادہ اسباب کا اختیار کرنا ایک جیسا ہوگا کیونکہ دینے والا خدا تو ایک ہی ہے جسے اس بات پر قدرت ہے کہ ایک ہی سبب میں اسے اس قدر عطا کرے جس قدر اور دل کو متعدد اسباب میں دیتا ہے لہذا اسے اللہ سے ڈرنا چاہیئے اور طلب معاش میں اچھا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ یہ ان لوگوں کی کیفیت ہے جن کا تعلق اللہ سے ہوتا ہے۔

لیکن دوسرے لوگ جن کا تعلق اللہ سے نہیں ہوتا وہ سبب اختیار کرنے میں خدمت کرتے کرتے مر جھکتے ہیں اور جو ذریعہ معاش انہیں نظر آئے، خواہ جائز ہو یا ناجائز، اسے اختیار کر لیتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں روزی اپنی تدبیر اور چال بازی سے حاصل ہوگی چنانچہ اس قسم کے لوگوں کو اللہ سے مکمل بے تعلقی کی وجہ سے دنیوی امور میں تدبیر تکلیف اٹھانا اور اس کی تلاش میں مشقت برداشت کرنا اللہ کی فرمانبرداری اور عبادت کے مقابلہ میں شیریں معلوم ہوتا ہے۔

اسی سلسلہ میں آپ نے ایک مرتبہ یوں فرمایا کہ لوگوں کی مثال تو ان لوگوں کی سی ہے جن کی کمر میں رسی باندھ کر باندھ پھاڑ سے ہٹکا دیا جاتے اس طرح کہ آسمان اور زمین کے درمیان ٹھکے ہوں اور انہیں اسی طرح ہوا میں مدت دراز تک معلق رکھا جائے چنانچہ ان میں جو سمجھدار ہوں گے انہیں قرار نہ آئے گا اور نہ انہیں کسی اور کے پاس سکون حاصل ہوگا بلکہ ان کی نظر کبھی اس جگہ پر جائے گی جہاں ان کے پاؤں گریں کہ آیا یہ جگہ قریب ہے یا بعید اور کیا وہ جگہ نرم ہے یا سخت اور اگر گر پڑیں تو کیا حالت ہوگی یہ وہ منظر ہے جس سے جگہ بھٹ جاتے اور دل پارہ پارہ ہو جاتے اور کبھی ان کی نظر اس شخص پر پڑے گی جس کے ہاتھ میں وہ رسی ہے جس میں وہ ٹھکے ہوئے ہیں کہ کیا وہ ہاتھ سے رسی چھوڑنے کا ارادہ کر رہا ہے یا ابھی اور وقت باقی ہے اور ان کے درمیان دوستی اور شفقت قائم ہے تاکہ جب وہ چھوڑے تو ان پر رحم کھائے اور انہیں جہاں بھی گرائے، زمی سے گرائے یا اس کے اور ہمارے درمیان کسی قسم کی دوستی نہیں ہے اس لیے اسے پروا ہی نہ ہوگی کہ وہ انہیں کس طرح پھینکے۔ اس صورت میں وہ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے مگر ایسی حالت میں یہ کسی طرح بھی ممکن نہ ہوگا اس لیے

کہ وہ کوئی عمل کرنے کے قابل ہی نہیں سوائے اس کے کہ دل و زبان سے عاجزی و انکساری کریں اور اس کی طرف اس طرح دیکھیں گے جس طرح کہ ایک خائف اور رحم کا طالب دیکھتا ہے، پھر اس کے بعد اسے اختیار ہے چاہے رسم فرمائے اور چاہے مزا دے اس لیے ان کے دل اس کے ڈر اور عذاب کے خیال سے گویا آگ میں جل رہے ہوں گے۔

لیکن ان ٹکے جو دلوں میں سے جن کو عقل نہ ہوگی وہ نہ تو اس جگہ کی طرف دیکھیں گے جہاں وہ گریں گے اور نہ اس شخص کی طرف جس کے ہاتھ میں رسی ہے بلکہ ان پر نسیان غالب آجاتے گا اور وہ یہی خیال کریں گے کہ وہ جس جگہ اس وقت ہیں، ان کی قیام گاہ ہے لہذا وہ قیام کرنے کے اسباب کی تیاری میں مشغول ہوں گے اور وہاں گھر اور محل تعمیر کریں گے اور کھیتی باڑی اور تجارت میں مشغول ہو جائیں گے حالانکہ وہ ہوا میں ٹکے ہوئے ہیں اور انہیں رسی کے معاملے کا احساس ہی نہیں۔ جب وہ رسی کٹ جاتے گی اور جہاں گونا گاہے وہاں آپڑیں گے تب سمجھیں گے کہ بڑی کوتاہی ہوئی کہ اس کا کبھی خیال بھی نہ لاتے اور نہ کوئی ان کی اصلاح کا طریقہ اختیار کیا یہاں تک کہ دعا و زاری بھی نہ کی اور نہ اس جگہ کرنے کی تیاری کی اور نہ جس کے ہاتھ میں رسی تھی اُسے پہچانا، ورنہ کم از کم اس کے سامنے کڑا کڑاتے اور اس سے نجات اور سلامتی کی درخواست تو کرتے۔

فرمایا اللہ اور آخرت سے غافل اور اس کو یاد نہ رکھنے والے شخص کی یہی حالت ہے کہ رسی تو عمر ہے جو موت کے ساتھ ٹوٹ جاتی ہے اور جہاں گونا گاہے وہ یا جنت ہے یا دوزخ اور جس کے ہاتھ میں رسی ہے وہ خدا ہے۔ چنانچہ عارف لوگ ان چیزوں سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے اللہ انہیں قیامت کے دن آرام و راحت عطا کرے گا اور غافلوں کا حال یہ کس ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

رسولوں کے بھیجنے کا مقصد حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی طرف رسول بھیجے اور انہیں اطاعت کرنے کا حکم صرف ایک بات کے لیے دیا اور وہ یہ ہے کہ وہ اسے پہچان کر اسے ایک جانیں اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ بنائیں لہذا جب بندے سے یہ مقصد حاصل ہو جائے تو وہ اللہ کے نزدیک محبوب ہو جاتا ہے۔ آگے چل کر ہم بیان کریں گے کہ حضرت نے فرمایا کہ اطاعت صرف اس دروازے کا کھولنا ہے جس سے نور حق مطیع کی ذات پر داخل ہوا و مصیبت سے ممانعت اس لیے ہے کہ اس دروازہ کو بند کر دیا جائے جس سے مامک کی ذات پر باطل کی ظلمتیں داخل ہوتی ہیں لہذا جو شخص اطاعت گزار ہو اور اس نے منافقتوں سے پرہیز کیا تو اس نے اپنی ذات کے لیے نور حق کے دروازے کھول دیے اور باطل کی ظلمتوں کے دروازے

بند کر دیے اور جس نے اطاعت کو چھوڑا اور مخالفتوں کا ارتکاب کیا تو اس نے اپنے لیے ظلمتوں کے دروازے کھول دیے اور نور حق کے دروازے بند کر دیے اور جس نے اطاعت بھی کی اور معصیت کا ارتکاب بھی کیا اور بیک وقت دونوں کام کیے تو اس نے بیک وقت دونوں دروازے اپنے لیے کھول دیے لہذا بندہ کو قبل اس کے کہ پشیمان ہو اور پشیمانی نفع نہ دے، دیکھنا چاہیے کہ وہ کس مقام میں ہے اور اس نے اپنے نفس کے لیے کونسا دروازہ کھولا ہے لیکن اکثر لوگ یہی خیال کئے بیٹھے ہیں کہ ظاہر طور اطاعت کرنا ابواب حق کھولنے کے لیے کافی ہے جیسا کہ ظاہر میں مخالفت کرنا شر کا دروازہ کھولنے کے لیے کافی ہے حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے بلکہ ظاہر کا باطن کے موافق ہونا ضروری ہے لہذا لوگوں کی چار قسمیں ہوتی ہیں:-

۱- جن کا ظاہر و باطن دونوں اللہ کے ساتھ ہوں۔ ظاہر اس طرح کہ احکام خداوندی کی تعمیل کریں اور باطن کا مع اللہ ہونا اس طرح ہے کہ اطاعت کے وقت کسی قسم کی غفلت نہ ہو اور انھیں مراقبہ و مشاہدہ حاصل ہو۔ اس قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں۔
۲- جن سے ہمیں خدا پچائے، وہ لوگ ہیں جن کا ظاہر و باطن (دونوں غیر اللہ کی طرف لگے ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ ظاہر میں احکام خداوندی کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کا باطن غفلتوں میں ڈوبا ہوا ہے اس قسم کے لوگ اللہ کے ہاں مذموم ہیں۔

۳- جن کا ظاہر اللہ کے ساتھ ہے اور باطن غیر اللہ کے ساتھ چنانچہ ظاہر میں وہ عبادت کرتے ہیں اور ان کا باطن اللہ سے غافل ہوتا ہے اس کی وجہ کہ عبادت بھی انھیں اللہ کی طرف نہ لٹا سکی، یہ ہے کہ عبادت ان کی عادت بن چکی ہے اور ان کی ذات اس سے مانوس ہو چکی ہوتی ہے پس ایسا شخص طبیعت کے نگہ سے عبادت کرتا ہے نہ کہ بکرم شریعت۔ بعض اوقات اس کے ساتھ ایک اور وجہ بھی مل جاتی ہے، وہ یہ کہ وہ شخص لوگوں میں عبادت، زہد اور نیک سیرت ہونے میں مشہور ہوتا ہے لہذا اسے ڈر ہوتا ہے کہ اگر عبادت میں کمیں کو تاہی ہوگئی تو لوگوں کی نظروں میں گریہ جاؤں لہذا تو دیکھتا ہے کہ وہ دن رات اس لاپرواہی میں عبادت میں لگا رہتا ہے کہ لوگوں کی نظروں میں اس کی قدر و منزلت بڑھے۔ یہی وہ شخص ہے کہ جس قدر وہ عبادت کرتا ہے اسی قدر اللہ سے دور ہوتا جاتا ہے۔ بعض اوقات اس قسم کے لوگوں کی ملاقات پہلی قسم کے اکابرِ اولیاء کے ساتھ ہو جاتی ہے تو دل اس کی بیماری کو پہچان جاتا ہے اور اس کا علاج کرنا چاہتا ہے چنانچہ دل اسے بعض ظاہری عبادات کو جن کا وہ عادی بن چکا ہوتا ہے چھوڑ دینے کا حکم دیتا ہے لیکن چونکہ بیماری اللہ

میں گھر کر چکی ہوتی ہے اور عبادت کو نہیں چھوڑتا اور نیا ہوجاتا ہے۔

مؤلف کتاب کہتا ہے اسی قسم کا واقعہ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ کے ساتھ پیش آیا۔ انھوں نے ایک آدمی کو جس کی یہی حالت تھی نفلی روزے چھوڑنے کا حکم دیا، لیکن وہ نہ مانا۔ اس کے پیرو بھائیوں نے اس سے کہا بھی کہ تجھ پر انسوس کہ اپنے پیشوا کا کہنا بھی نہیں مانتا۔ ابو یزید نے فرمایا جو اللہ کی نظروں سے گرجا کہ اسے چھوڑ دو۔

۴۔ جس کا ظاہر غیر اللہ کے ساتھ ہو اور باطن اللہ کے ساتھ چنانچہ وہ ظاہر میں تو مخالفت احکام کرتا ہے اور اس کا باطن مراقب حق میں ہوتا ہے چنانچہ تم دیکھو گے کہ وہ معصیت تو کر رہا ہے مگر اس کا رب اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے اور اس کا خیال ہمیشہ اسی کی طرف لگا ہوتا ہے لہذا وہ معصیت کو بہت بڑی بات سمجھتا ہے گویا کہ پہاڑ سر پر گر پڑا اور وہ بہ دقت غمگین رہتا ہے اور اس قسم کے لوگ تیسری قسم کے لوگوں کے مقابلہ میں اللہ کے نزدیک بدرجہا افضل ہیں اس لیے کہ عبادت کا مقصد انکساری اور اللہ کے سامنے ذلت و عاجزی سے کھڑا ہونا ہے جو اس قسم کے لوگوں کو حاصل ہوتا ہے اور تیسری قسم کے لوگوں کو حاصل نہیں ہوتا۔

ذکر کے وقت چیخنا چلانا ایک شخص نے سوال کیا کہ بعض اوقات لوگ تڑپنے اور چیخنے لگ جاتے ہیں اور سائل نے خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ جب وہ ذکر اور

عبادت میں مشغول ہوتا ہے تو اس کی یہ کیفیت ہوجاتی ہے اور اسے ڈر ہے کہ کہیں یہ شیطان کی طرف سے زہر اور جب دنیا کی طرف متوجہ ہو کر اس کی طرف لگ جاتا ہے تو یہ کیفیت زائل ہوجاتی ہے۔

۵۔ ابو یزید بسطامیؒ: جنہیں بالعموم بایزید کہا جاتا ہے ان کا اصل نام طیفور بن عیسیٰ ہے۔ ان کے دادا اپنے بھوسے تھے پھر اسلام لائے۔ بایزید کا شمار بکابر صوفیہ میں ہوتا ہے، ان کی وفات ۳۶۱ھ بمطابق ۹۷۲ء میں ہوئی۔

۶۔ حضرت زبید بغدادیؒ سے کسی نے پوچھا کہ بعض لوگ وجد میں آکر بھونکنے لگ جاتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ حضرت نے فرمایا: انہیں چھوڑ دو کہ اللہ کے ساتھ خوش ہوئیں تمہیں مرث ان باتوں کو برا سمجھنا چاہیے جن کے متعلق شریعت نے ملاحظہ معصیت کا حکم دیا ہے راہ طریقت نے قرآن و لوگوں کے بلکہ کثا ڈالیے ہیں اور تمھان اور کون سے ان کی آخر دیاں پسنے کو ہیں اور ان کے دل تنگ ہو چکے ہیں لہذا اگر اپنی حالت کو درست کرنے کے لیے لوگ سانس میں تو کوئی حرج کی بات نہیں۔ بھائی اگر تو ان کی کیفیت کا مزہ چکھو تو انہیں کپڑے پھاڑنے اور چیخنے میں معذور سمجھو گے گا (لوائح الانوار ج ۱ ص ۱۵۱)

فرمایا کبھی روح اپنا نور ذات انسانی پر ڈالتی ہے جس کی وجہ سے ذات کو یہ اضطراب حاصل ہوتا ہے کبھی روح اس نور کو طاعت کی حالت میں ذات پر ڈالتی ہے اور کبھی معصیت کی حالت میں۔ چنانچہ ایک انسان اپنے رب کی نافرمانی میں مشغول ہوتا ہے اور خواہش نفس پر جما ہوا ہوتا ہے کہ یکایک روح ذات پر یہ نور ڈالتی ہے جس کی وجہ سے ذات انسانی پر خشوع طاری ہوتا ہے اور وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے پھر فرمایا کہ اگر کسی انسان کو یہ کیفیت طاعت کی حالت میں حاصل ہو تو اپنی طاعت اور عبادت کی طرف اسے منسوب نہیں کرنا چاہیئے ورنہ خود ستانی پیدا ہو جائے گی اور یہ نور جو ذات کو روح سے حاصل ہوتا ہے بمنزلہ گام کے ہے کیونکہ جب روح ذات کو راستہ سے بھٹکتی ہوئی دیکھتی ہے اور اس کی کجروی کا اندیشہ ہوتا ہے تو یہ نور ذات پر ظاہر ہوتا ہے تاکہ اسے راستہ کی طرف لے آئے۔ یہ کیفیت صرف ان لوگوں سے پیش آتی ہے جن کے لیے اللہ بھلائی چاہتا ہے اس لیے کہ یہ ہدایت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے اور جن لوگوں کے لیے اللہ بھلائی نہیں چاہتا ان کے لیے یہی کیفیت ظلمت بن جاتی ہے جو اسے راستہ سے روکتی اور طاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے باز رکھتی ہے۔ فرمایا: ہر ذات کی اپنی روشنی ہے جس میں وہ پہتی ہے چنانچہ اگر اس کی روشنی اسے صحیح راستہ پر لے جائے تو یہ توفیق یافتہ ذات ہے اور اگر اس کی روشنی اسے کجرونا دیتی ہے اور اسی کو ہم ظلمت کہتے ہیں تو توفیق الہی نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔

پھر فرمایا: روح میں ۳۶۶ راز ہیں منجہ ان کے ایک ستر ایسا ہے کہ اگر روح اس کو ذات پر ڈالے تو آدمی ہر دقت رہتا ہی رہے اور ایک ستر ایسا ہے کہ اگر روح اس کو ذات پر ڈالے تو ہر دقت ہنسٹ ہی رہے اور ایک ستر ایسا ہے کہ اگر ذات پر ڈالے تو ہر دقت چینٹا رہے مگر روح وہی اسرار ڈالتی ہے جو تقدیر میں پیٹے سے تجویز ہو چکے ہیں۔

ایک دن میں حضرت کے ساتھ ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آکر میرے پاس بیٹھ گیا حضرت کچھ بیان فرما رہے تھے کہ اس نے زور سے بڑی طرح چینٹنا شروع کر دیا اور دیر تک اس کی یہی حالت رہی۔ اس واقعہ کے بعد حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ یہ حالت بڑی چیز ہے بشریک شیطان اس کے ساتھ نہ کھینچتا ہو اور اس کی ناز کو فاسد نہ کرتا ہو۔

میں نے عرض کیا: حضرت یہ کیسے؟

فرمایا: دلوں کی توجہ کا خدا کی طرف ہونا ہی ان کی نماز ہے جیسا کہ بدن کا روج و سجود بدن کی نماز ہے نماز اور دیگر عبادات کا حکم صرف اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ توجہ حاصل ہو اور عبادات کا یہی دور

تجربہ اور فائدہ ہے جو جسد کے لیے نفع اور رحمت کا سبب بنتا ہے۔ پس جب شیطان کسی کو دیکھتے ہیں کہ وہ ذکر اللہ یا کوئی اور رقت آمیز وغیرہ بات سسکے یہ توجہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ اس بغض و حسد کی بنا پر جو انہیں بنی آدم کے ساتھ ہے اس کے دل میں گھس کر اس توجہ کو فائدہ کر دیتے ہیں جس سے چنچنے والے کے لیے کسی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اول یہ کہ وہ توجہ جو اس کے نفع کا سبب ہے، باقی رہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اسے کچھ حاصل ہو گیا ہے اور تیسرے یہ کہ اس میں اس بات کا خدشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ اللہ سے بے تعلق نہ ہو جاتے اس لیے کہ وہ اس چنچنے سے اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگتا ہے اور اسی طرح لوگ بھی یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ کچھ ہے اور اس کی طرف انگلیاں اٹھانے لگتے ہیں اور جس کی طرف انگلیاں اٹھیں وہ تباہ ہو جاتا ہے۔

موتلف کہتا ہے کہ اس حکایت کی تائید اس حکایت سے ہوتی ہے جس کا ذکر شیخ زروق رحمہ اللہ نے کیا ہے جس کا ماہی حاصل یہ ہے کہ فاس میں چند درویشوں کی ایک خانقاہ تھی۔ ایک دن انھوں نے ایک صادق الحال شیخ سے جو نابینا تھا، درخواست کی کہ ان کے ساتھ جاتے چنانچہ وہ ان کے ساتھ اس جگہ گئے جب وہ اپنے ذکر میں مشغول ہو گئے تو دفعۃً نابینا بزرگ نے کہا کہ دوستو! شیطان تم میں ایک سینگوں والے مینڈھے کی صورت میں گھس آیا ہے۔ پھر فرمایا کہ تم میں سے سرخ گڈری والا کون ہے؟ کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ شیطان اسے بری طرح سونگھ رہا ہے اس کے بعد شرچایا کہ اسے شیطان نے سینگ مار دیا اور سینگ اس کے اندر گھس گیا ابھی اس نے بات ختم نہ کی تھی کہ سرخ گڈری والے نے چیخ ماری اور اپنے حواس کھو بیٹھا۔ اس اندھے نے پھر کہا کہ تم میں فلاں لباس پہنے ہوئے کون ہے کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ شیطان اب اس کی طرف ہو رہا ہے اور اسے سونگھ رہا ہے پھر چلا کہ کما کہ شیطان نے اسے بری طرح سینگ مارا ہے چنانچہ جسے شیطان نے سونگھا تھا اس نے چیخ ماری اور حواس کھو بیٹھا۔ اس طرح باقی حکایت ہے چنانچہ وہ تمام کے تمام اس صادق الحال کی موجودگی کے سبب سو ہوئے حالانکہ اس سے پہلے وہ خیال کرتے تھے کہ وہ کچھ ہیں مگر یہ ان کا جہل مرکب تھا۔

شیخ زروق: شیخ شباب الدین ابوالفضل احمد بن محمد البرسی النحاسی المالکی جو شیخ زروق کے امام سے مشہور ہیں ان کی وفات ۷۹۵ھ سے ۸۹۳ھ میں ہوئی۔ ان کی کتاب قواعد الطریقۃ فی البیۃ بین الشریعۃ والحقیقۃ تصوف میں مشہور کتاب ہے انھوں نے "المقعد الاسفی فیما يتعلق بمقام الامام (کشف الظنون: ۲۷۳: ۲۷۴) اور التصحیح الکافی من خدع الشیطان فیما یسعی لہ (کشف الظنون: ۲۷۳: ۲۷۴) لکھے ہیں۔

حکایت

ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک عالم بزرگ کی موجودگی میں پیچ ماری تو اس بزرگ نے کہا کہ میں نے تمہاری پیچ کا پیچ کیا ہے تاکہ وہ فلاں قبرستان میں ایک قبر میں دفن ہو جائے۔ اس پر چغینے والے نے جواب دیا حالانکہ وہ اس بزرگ کے مریدوں میں سے نہ تھا، حضرت آپ نے دست فرمایا کیونکہ جب میں آپ کے پاس سے گزرا اور دیکھا کہ آپ اپنے محبوب کی یاد کو رہے ہیں تو مجھے اپنی غیور یاد کی جو میری چچا زاد بہن تھی اور اب مر چکی ہے اور وہ قبر اسی کی قبر ہے چنانچہ جب اس کی یاد آئی تو اس کے فراق کے درد کی وجہ سے میں پیچ اٹھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تبہ کو نوشی

حضرت نے فرمایا تبہ کو پینا حرام ہے کیونکہ اس سے بدن کو نقصان پہنچتا ہے اور دوسرے یہ کہ پینے والوں کو ایسی لت لگ جاتی ہے کہ اللہ کی عبادت سے غافل بنا دیتا ہے اور قطع تعلق کر دیتی ہے اور یہیں جب کسی چیز کے حرام یا حلال ہونے میں شک ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نص منقول نہیں ملتی تو ہم اہل دیوان اولیاء اللہ کو دیکھتے ہیں اور یہی لوگ اہل دائرہ اور اہل عدد بھی کہلاتے ہیں پس اگر ان کو اس کا استعمال کرتے دیکھتے ہیں تو ہم سمجھ جاتے ہیں کہ یہ چیز حلال ہے اور اگر دیکھیں کہ وہ اسے استعمال نہیں کرتے بلکہ اس سے پرہیز کرتے ہیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ وہ حرام ہے اور اگر بعض استعمال کرتے ہوں اور بعض نہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اکثریت کس طرف ہے کیونکہ حق اکثریت کے ساتھ ہے اور اہل دیوان تبہ کو استعمال نہیں کرتے۔ مزید برآں فرشتوں کو اس کی بو سے تکلیف پہنچتی ہے۔

اس کے بعد حضرت نے ایک متعفن شہر کا تعہد سنایا جہاں باوجود پانی کی قلت کے انسانوں کے فضلے اور جانوروں کے گوبر اس میں جمع ہو گئے تھے اور آپ نے شہر کی صفت، اس کی شکل اور مقام بھی بتایا، لیکن چونکہ ہمارا مقصد اتنے سے ہی حل ہو جاتا ہے اس لیے ہم نے اس کی صفت بیان نہیں کی، فرمایا کہ اس شہر میں اس قدر بدبو پھیلتی کہ بیان سے باہر ہے۔ پھر ایک دن آٹھ اہل تعریف اولیاء اس شہر میں آئے مگر جب وسط شہر میں پہنچے تو بڑی سرعت سے وہاں سے نکل گئے جس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی ذات کے فرشتوں کو اس بدبو سے نفرت ہوئی کیونکہ ذات سے ملائکہ کی وحشت اور نفرت سے جو خطرات پیدا ہوتے ہیں انہیں صاحب بصیرت لوگ بھی سمجھ سکتے ہیں، اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص کو دشمن اور چوروں کے ملک میں لایا جاتے اور پھر اس کے ہتھیار اس سے عیسہ کر دیے جاتیں اب وہ کس چیز سے دشمن کا مقابلہ کرے گا۔

میں نے کہا، بسن اور پایاز میں بھی تو بو ہے، لیکن یہ حرام نہیں ہیں؟

فرمایا: جب آدمی اور فرشتہ کے حقوق کا مقابلہ آ رہے تو آدمی کے حق کو مقدم سمجھا جاتا ہے اس لیے

کہ ہر چیز بنی آدم کے لیے پیدا کی گئی ہے لہذا جس میں بنی آدم کا فائدہ ہو گا وہ حرام نہ ہوگی خواہ اس سے
فرشتہ کو ضرر ہی کیوں نہ پہنچتا ہو اور بس اور پیاز کے منافع کسی سے پوشیدہ نہیں۔ برغلافِ تنباکو کے کہ اس
میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ اس کے پینے سے ذات کو نقصان پہنچتا ہے، لیکن بعد میں یہی تنباکو اس مسافر
کا دافع بن جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جسے کوئی خود کپڑا بچھاڑے اور پھر پیوند لگائے اور تنباکو
نہ پیتا تو نہ کپڑا بچھتا نہ پیوند کی ضرورت پڑتی۔ اس لیے حق پینے والے سمجھتے ہیں کہ اس میں نفع ہے حالانکہ
اس نفع کی حقیقت بس اسی قدر ہے۔

موتلف کہتا ہے کہ میں نے ایک حق پینے والے کو سنا کہ وہ بیان کر رہا تھا کہ ایک ماہر عیسائی طبیب
سے بھی اس نے یہی سنا تھا جو کچھ حضرت نے بیان فرمایا۔

حضرت نے یہ جو بیان فرمایا کہ ذاتِ انسانی سے فرشتوں کے نفرت کرنے میں بہت خطرے ہیں ایک مرتبہ
ننگے لوگوں کے ساتھ حمام میں داخل ہونے کے متعلق شیخِ خطاب اور شیخِ مواق کے اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے ہم
نے حضرت سے سوال کیا تو اسی قسم کا جواب دیا کہ شیخِ خطاب فرماتے ہیں کہ اگر ٹھنڈے پانی کے استعمال سے
خطرہ ہو تو وہ تیمم کرے اور حمام میں نہ جائے، لیکن شیخِ مواق فرماتے ہیں کہ حمام میں چلا جائے لیکن خود ستر
کرے اور اپنی آنکھیں نیچی رکھے تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ شیخِ خطاب کی رائے صحیح ہے اور شیخِ مواق کی رائے پر عمل کرنے میں خواہ وہ خود ستر
بھی کرے اور انتہائی درجہ پر ہمیز کرے اور دوسروں کی شرمگاہوں کی طرف بھی نہ دیکھے تب بھی اس میں آفت ہے
اور آفت یہ ہے کہ معاصی اور اللہ کے احکام کی مخالفت اسی صورت میں ہوتی ہے جب انسان میں وہ
ظلمتیں پائی جاتی ہیں جن کا جہنم کے ان ظلمتوں کے ساتھ اتصال ہے جن کی وجہ سے جہنم میں شقاوتِ حال
ہوگی اور فرشتوں سے بڑھکر اس کی شناخت کوئی نہیں کر سکتا چنانچہ مثال کے طور پر اگر کچھ لوگ خدا
کی نافرمانی کے لیے حمام کی چھت کے نیچے جمع ہو جائیں اور سب کے سب معصیت میں مبتلا ہوں تو ظلمت
اس تمام جگہ پر چھا جائے گی لہذا فرشتے ان سے نفرت کریں گے اور جب فرشتے بھاگ جائیں گے تو شیطان
اور اس کا لشکر آئے گا اور اس جگہ کو آکھیرے گا، اس لیے اس مبتلائے معصیت قوم کے انوارِ ایمان کی
ایسی حالت ہو جائے گی جیسے جلتے ہوئے چراغوں پر چاروں طرف سے تند ہوا کے جھونکے آویں اور چراغ

۱۔ شیخِ خطاب: عارف باللہ محمد بن محمد الکاتب الرضی مالک جنہوں نے شیخِ علیل بن اسحق جدی مالک متونی سے
کتابِ منہجہ شرح کی ہے۔ منہجہ مالک فقہ کی کتاب ہے (رکعت الطہون: ۲: ۲۲۲)

۲۔ شیخِ مواق: امام حافظ عبداللہ بن الرقاق جنہوں نے بغیۃ السقاوتی اصول الحدیث لکھی۔

کی لو کبھی ادھر جاتے کبھی اُدھر اور کبھی نیچے کے رخ پلے کھا دے سختی کو خیال ہوتا ہے کہ چراغ بجھ گیا۔ اسی وجہ سے معاصی کو کفر کا قاصد کہا جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔

لہذا جب حمام کے لوگ اس حالت میں ہوں گے جس کا ذکر ہو چکا اور فرض کر لیں کہ ایک فاضل دیندار اور پرہیزگار انسان داخل ہوا تو اس کے نور ایمان کو بھی ان غفلتوں کی وجہ سے جو حمام کے اندر ہو رہے ہیں، اضطراب لاحق ہو جائے گا اس لیے کہ یہ یقین ایمان کی ضد ہیں۔ اسی لیے اس کے فرشتے بھی مضطرب ہوں گے اور شیاطین کو اس کے متعلق امید بندھے گی اور اس کے پاس پہنچ کر اوروں کی شرمگاہوں کو دیکھنے کی خواہش دلائیں گے اور اسے گمراہ کریں گے غرض ان کے ساتھ ہر لمحہ اس کی جنگ رہے گی، شیاطین قوت پکڑتے جائیں گے اور وہ ان کے مقابل میں کمزور ہوتا جائے گا یہاں تک کہ یہ مغلوب ہو کر شہوت کو پسند کرنے لگ جائے گا اور اسے شرمگاہوں کو دیکھنے میں مزہ آنے لگے گا۔ نَسْأَلُ اللّٰهَ السَّلَامَةَ۔

بدکاروں کی مجلس پھر فرمایا کہ فرض کر دو کہ کچھ لوگ شراب پی رہے ہوں، اس سے لذت اٹھا رہے ہوں اور اس قسم کی معصیت کا اظہار کر رہے ہوں جو شراب کا لازمہ ہیں اور شراب کے نشے میں غرق ہو رہے ہوں۔ زکریٰ کا لحاظ کر رہے ہوں اور نہ انہیں

میں بیٹھنا منع ہے

کسی کا ڈر ہو۔ اسی اثنا میں ایک شخص ہاتھ میں دلائل الخیرات لے آ جاتے اور وہیں ان کے پاس بیٹھ کر "دلائل الخیرات" پڑھنے لگے اور دیر تک پڑھتا رہے یہاں تک کہ تمام دن گزر جائے اور دوسرا دن بھی ہو جائے اور دونوں اپنی اپنی حالت پر ہوں یعنی شرابی تو شراب پیتے جائیں اور معصیت کیے جائیں اور یہ دلائل الخیرات پڑھتا جائے، یقین جانو کہ تھوڑے ہی عرصہ بعد یہ شخص بھی پٹا کھا کر ان جیسا ہو جائیگا اس کی وجہ یہی ہے جو ہم نے ابھی بیان کی اس لیے شریعت میں بدکاروں کو گنہگاروں کی مجلس میں بیٹھنے سے روکا گیا ہے کیونکہ خون شہوت اور غفلت ہم میں اور ان میں سب پاتے جاتے ہیں۔ ہاں جس پر اللہ

لے دلائل الخیرات: پورا نام دلائل الخیرات و خوارق الاوارق ذکر الصلوٰۃ علی النبی الخیر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ ان کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هَدٰۤاَنَا لِیٰزِیْنٰ اَلْخَیْرِ شَہَادَۃً

محمد بن سیمان بن ابی بکر انجوزی اسماعیل الشریفی الحنفی متوفی ۷۸۵ھ کا تالیف ہے۔ ایک معجزہ نام کتاب ہے جس کا ورد مشرق و مغرب میں بالخصوص ممالک روم میں کیا جاتا ہے۔ چونکہ دلائل الخیرات کی روایت بہت سے لوگوں نے کی ہے اس لیے اس کے نسخوں میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے مگر معتبر نسخہ وہی ہے جس کی روایت ابو عبد اللہ محمد الصغیر السبیل نے کی ہے یہ حروف کے قابل اعتماد دریدوں میں سے تھے اور اس کی تصحیح انھوں نے ۷۸۵ھ میں اپنی وفات سے آٹھ سال پہلے اپنے شیخ سے کرائی تھی (کشف الغنوں: ۱: ۲۹۹)

رحم فرمائے (وہ محفوظ رہ سکتا ہے) مگر وہ بہت ہی کم ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جنم کا ذکر

ایک مرتبہ آپ نے دوزخ کی کیفیت بیان فرمائی اور ایسے اوصاف بیان کئے جو ناقابل برداشت ہیں حتیٰ کہ حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ یا حضرت، اگر لوگوں کو

جنم کی حقیقت کا علم ہو جائے تو وہ کھانا اور پینا بھی چھوڑ دیں۔ فرمایا جن لوگوں کا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہے وہ سب جنم سے واقف ہیں کیونکہ ان میں سے کسی ایک کی زبان پر جنم کا ذکر آتا ہے تو جس طرح

زبان سے ذکر جاری ہوتا ہے اسی طرح دل پر بھی جاری ہوتا ہے اور جب وہ کسی اور کو جنم کا ذکر کرتا ہوا سنے تو جس طرح کان سنتے ہیں اسی طرح دل بھی سنتا ہوتا ہے اسی طرح جنم پر ایمان رکھنے میں اس کا ظاہر

باطن برابر ہوتا ہے اور جنم باطن بھی اسی طرح حاضر ہوتا ہے جس طرح ظاہر میں ہوتا ہے لیکن خوبی تو اسی میں ہے کہ یہ حضوری دائمی ہونے کے وقتی لہذا جس نے اس حضوری کو دائمی کر لیا اس پر اللہ کی رحمت

ہوگئی۔ اس کی غفلت باقی رہی اور غیبت کم ہوگئی جس نے اسے دائمی نہیں کیا۔ اس کا معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔

میں نے عرض کیا کہ اس حضوری کے دائمی نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟

فرمایا: اس کا سبب وہ خون اور اس کے بخارات ہیں جو جسم انسانی کے اندر پائے جاتے ہیں اسی طرح کو جیب بندہ جنم کا ذکر کرتا ہے یا اس کا ذکر سنتا ہے تو یہ ذکر اس کے دل پر آتا ہے جیسا کہ بیان

ہو چکا تو اس وقت خون اور اس کے بخارات ہٹ جاتے ہیں۔

(مؤلف کہتا ہے) کو یہی وجہ ہے کہ خوفزدہ انسان کا چہرہ زرد ہوتا ہے۔ لہذا جب خون جھاک گیا تو غفلت جو اسی کی وجہ سے ہوتی ہے وہ بھی زائل ہو جاتی ہے اور جب یہ ذکر جو خون کے جھانکے کا سبب

ہے منقطع ہو جاتا ہے تو خون بھی اپنے جاری میں لوٹ آتا ہے اور غفلت غالب آجاتی ہے چنانچہ جب انسان پھر اس کا ذکر کرتا ہے تو خون پھر لوٹ جاتا ہے اور غفلت زائل ہو جاتی ہے اور اگر وہ اس کے ذکر

سے غافل ہو جائے تو خون اپنی جگہ پر لوٹ آتا ہے اور انسان پر غفلت طاری ہو جاتی ہے چنانچہ سلسلہ اسی طرح رہتا ہے کہ ذکر سے غفلت دور ہو جاتی ہے اور ذکر سے غافل ہونے سے غفلت آجاتی ہے ہاں

البتہ اللہ رحم فرمائے (تو پھر غفلت نہیں آتی)

پھر یاد اور غفلت کی درمیانی مدت کے اعتبار سے لوگوں کی مختلف حالتیں ہیں، بعض ایک گھنٹے میں لوٹ آتے ہیں اور بعض دو گھنٹوں میں اور بعض ایک دن میں لوٹ آتے ہیں اور بعض دو دن میں، لہذا

جہاں دیکھو تم کس قسم میں ہو۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔

میں نے عرض کیا جب ذات ذکر سنتی ہے تو اس سے غفلت کیوں زائل ہو جاتی ہے اور خون کیوں
 بجاگتا ہے اور ذات جب ذکر نہیں سنتی تو معاملہ اس کے برعکس کیوں ہوتا ہے ؟
 فرمایا کہ ذکر کے سننے سے ذات بیدار ہو جاتی ہے اور اسے غفلت سے افادہ حاصل ہوتا ہے یوں
 سمجھو جیسے کوئی بے ہوشی سے ہوش میں آگیا تو اس کے تمام افعال درست اور ہوش والوں کے سے ہوں گے
 اور جب سارے (ذکر) زائل ہو گیا تو ذات پھر خواب غفلت میں چلی جاتی ہے اس حالت میں اس کی
 مثال اس سونے والے کی ہے جو نیند میں اس کی اور میٹھی نیند سو رہا ہو تو اس حالت میں اگر کوئی اسے
 بلائے یا پکارے تو وہ بلانے والے کو گرائی اور ناگواری کے ساتھ جواب دیکھا اور جوں ہی کو اسے پکارنا
 بند کیا وہ پھر سو جائے گا کیونکہ نیند کا اس پر غلبہ ہے اور وہ اسے پکارتے سے پہلے اس پر مسلط ہو چکی ہے
 یہی حال غفلت کا ہے جو ذات انسانی پر پہلے ہی سے غالب اور مسلط ہے۔

کشف کا سبب القطاع القلب عن الحق ہوتا ہے میں نے حضرت سے کشف
 اور اس میں غور و فکر کے متعلق دریافت کیا کہ اس سے غیب کا علم کیونکہ حاصل ہوتا ہے۔

حضرت نے فرمایا کشف (حضور دل وغیرہ علوم) اور خط وغیرہ کا سبب دل کا تعلق اللہ سے ٹوٹ جانا
 اور باطن کا اللہ کی شاہانہ حکومت سے ویران ہونا ہے کیونکہ جب بندہ اللہ کو اپنے دل سے یاد کرتا ہے
 اور وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی یہ شان ہے کہ جو چاہے کرے اور جو چاہے حکم دے، اس کے سوا نہ جان
 کا کوئی اور تدبیر کرنے والا ہے اور نہ ہی اس کے ملک میں کوئی اس کا شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں پر بید
 مہربان ہے کہ ان کی تمنائوں سے زیادہ ان کو دیتا ہے اور ان کے دہم و گمان سے بڑھ کر ان پر رحم فرماتا ہے
 اس حالت میں انسان جو خشی اللہ تعالیٰ کو اپنا کار ساز بناتا ہے اور تمام کاموں میں اسے ہی رہنما قرار دیتا ہے
 اور ہر حق اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دل سے اسی کا ہر رہتا ہے اور اپنی ساری کنجیاں اور باگ ڈور
 اسی کے قبضہ میں دے دیتا ہے اور اپنے تمام امور میں اس کے سوا کسی اور پر اعتماد نہیں رکھتا، اس وقت
 اس کو اپنے آقا کے برتاؤ میں جو اس کے ساتھ ہوتا ہے وہ خوبیاں اور بھلائیوں دیکھنے میں آتی ہیں جنہیں
 نہ آنکھوں نے کبھی دیکھا اور نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل پر ان کا دہم و خیال گذرا۔ یہ شان تو اس
 شخص کی ہے جس کا دل اللہ تعالیٰ سے معمور ہو، لیکن جس کا دل اللہ سے خالی ہو اور غفلت اس پر غالب
 آچکی ہو اور اسے اپنی ذات کے سوا کچھ اور نظر نہ آتا ہو اور وہ یہ خیال کرتا ہو کہ تمام افعال خود اس سے
 صادر ہوتے ہیں تو اس قسم کا آدمی ان علوم مذکورہ میں مشغول ہوتا ہے اور اپنی اندھی راتے اور ایک تدبیر

کے موافق یوں چاہتا ہے کہ واقعات آئندہ کا علم حاصل کروں تاکہ بکثرت خوبیاں اور منافع حاصل کر سکوں
لہذا حق تعالیٰ اس کو اس کے نفس کے حوالہ کر دیتا ہے اور اس کی اپنی تدبیر ہی اس کی ہلاکت کا سبب بنتی
ہے اور اللہ تعالیٰ اسے طرح طرح کی بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا کرتا ہے اسے امیدوں میں ناکامی ہوتی
ہے اور مقصود ہاتھ سے جاتا رہتا ہے جیسا کہ ہم اس فن کے لوگوں کو دیکھتے ہیں۔ نَسْأَلُ اللہَ السَّلَامَةَ
بِمَسْئِدِهِ وَفَضْلِهِ اور ہر مزار اس شخص کے لیے جو اپنے آقا سے مُنہ موڑے اور اپنی تقدیر اور قسمت پر
راضی نہ ہو ٹھوڑی ہے۔

عجیب حکایت

پھر فرمایا کہ ایک عیسائی راہب کا عجیب و غریب قصہ ہے، وہ یوں ہے کہ یہ
شخص راہبوں کا سرور اور ان کا لیڈر سمجھا جاتا تھا۔ یہ جب بھی گر جائے نکلتا
تو صلیب کی طرف پیٹھ کر کے نہ نکلتا تھا تا آنکہ وہ گر جائے نکل جاتا۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ اس کا
بیٹا ایسے وقت میں سفر کر گیا جبکہ سمندر موجزن تھا۔ اس سے اسے اپنے بیٹے کے متعلق سخت خوف لاحق
ہوا اور وہ ہر وقت اس کی خیریت معلوم کرنے کے انتظار میں رہتا تا آنکہ اسے خبر ہوئی کہ وہ بغیریت واپس
آگیا۔ اس سے اسے اس قدر خوشی ہوئی کہ وہ گر جائے نکلتے وقت اپنی عادت کو بھول گیا۔ چنانچہ صلیب
کی طرف پیٹھ کر کے باہر نکل آیا مگر جب بیٹے سے ملا تو اسے یاد آیا کہ وہ تو صلیب کی طرف پیٹھ کر کے
باہر نکل آیا ہے لہذا وہ اسی وقت واپس آگیا اور راہبوں سے کہا کہ مجھے ایک ہزار کوڑے لگاؤ انھوں
نے جب اس کا سبب پوچھا تو بتایا کہ آج میری پیٹھ صلیب کی طرف ہو گئی ہے انھوں نے اس حرکت کو بہت
بڑا گناہ سمجھا اور انھوں نے اس کو کوڑے مارنے شروع کیے یہاں تک کہ ہزار کی تعداد پوری کر دی مگر اس
سزا کے باوجود صلیب کی محبت قائم رہی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ جو تکلیف اسے کوڑے لگنے سے ہوئی ہے
اس کی وجہ سے اس کی نیت صلیب کے متعلق بدل جائے گی اور وہ اپنا مذہب چھوڑ دے گا، لیکن اس
نے ٹھہری لے کر اپنے دونوں پاؤں کو ٹخنوں سے لگاٹ ڈالا اور کہا جو اپنے آقا سے مُنہ موڑے اس کی
یہ سزا ہے۔

حضرت نے فرمایا: جب اس قسم کی باتیں گمراہ لوگوں سے صادر ہوں تو ان لوگوں کا کیا حال ہونا چاہیے
ایر خرو نے اس قسم کی ایک برہمن کی حکایت بیان کی ہے جو سمناٹ کو زمین پر ریگتا ہوا بار اٹھا۔ ماستہ میں ایک
ماہی لگا اس نے برہمن سے کہا کہ اس طرح تو کب سمناٹ پہنچ سکتا ہے۔ برہمن نے جواب دیا کہ اگر میری جان
بھی بت کی راہ میں چل جائے تو کون مسافقت نہیں اس کے بعد امیر خسرو نتیجہ کے طور پر یہ شعر لکھتے ہیں:

اے کو ذیت طعنہ ہندو برہمن
ہم زود سے آئوڑ پرستش لگے

حق پر ہیں اور حق سبجاء کی عبادت کرتے ہیں، پھر فرمایا: کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی اور ارادہ ازلی میں یہ بات آپکی ہے کہ اس نے کچھ لوگوں کو پیدا کیا اور ان کو اپنی رحمت کا اہل بنایا ہے اور کچھ اور لوگوں کو پیدا کیا اور انہیں عذاب کا اہل بنایا اس لیے ان کی حرکات اور کوششیں بھی اسی کے مطابق ہوتی ہیں، لہذا اہل رحمت کے دلوں کو اپنے سے متعلق کر دیا اور ان کی ہمت کو اپنی طرف پھیر دیا، اسی لیے تو ان کی حرکات و سکنات اس کے تابع ہوتی ہیں چنانچہ ان کی نماز، ان کا روزہ، ان کا اٹھنا، ان کا بیٹھنا، ان کی بیداری اور ان کی محبت سب اللہ کے لیے ہی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ انہیں اپنی محبوب چیزوں کی تحریک کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تک پہنچ جاتے ہیں اور اس کی رحمت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اس طرح وہ رحمت کے اس حصہ کو پالیتے ہیں جو ازل سے ان کے لیے لکھا گیا تھا۔

لیکن اللہ نے اہل نعمت و عذاب کے دل اور دل کی طرف لگا رکھے ہیں اور ان کی ہمتیں ان اشیاء کی طرف پھیر دی ہیں جو کمڑی کے جانے سے بھی زیادہ کمزور ہیں جیسے کہ وہ امور جن کا ذکر ہو چکا علم جبر و رمل وغیرہ، لہذا ان کی تمام حرکات و سکنات انہی امور کے تابع ہوتی ہیں چنانچہ ان کا اٹھنا، ان کا بیٹھنا، ان کی بیداری اور ان کی تمام کوششیں غیر اللہ کے لیے ہوتی ہیں تا آنکہ ازلی و عید جو ان کے لیے مقرر ہو چکا ہے پورا ہو جائے اور وہ مقرر کردہ عذاب کا حصہ پالیں۔

ایک بزرگ نے مجھ سے یہ تصقل کیا کہ میں صبح سے زوال کے وقت تک دس سو رسیدہ آدمیوں کے پاس بیٹھا جن کی عمر تقریباً ستر سال کی ہو چکی تھی اور وہ اس تمام عرصہ میں دنیا کی باتیں کرتے رہے اور ان کی زبان پر نہ اللہ کا ذکر آیا اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا، میں اٹھا اور تازہ وضو کر کے دو لوگوں کے پاس آ بیٹھا جو روزہ رکھنے کے قابل ہونے والے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی صفات کے متعلق باتیں کرتے رہے اور میں نے ان سے عجیب و غریب باتیں سنیں۔ مجھے ان دونوں کی اس کیفیت کو دیکھ کر اسرار ان بوڑھوں کی حالت دیکھ کر تعجب ہوا۔ ذلک تقدیر العزیز العظیم۔

حضرت نے اس کی تائید میں کہا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل کو غیر سے متعلق کر دیتا ہے تو اس کو اس قدر ڈھیل دیتا ہے کہ اسے گمان بھی نہیں ہوتا اور ایسی چیزوں سے اسے مدد پہنچتا ہے جو اس کے لیے فتنہ بن جاتی ہیں حتیٰ کہ مغیبات وغیرہ اس کے لیے ظاہر ہونے لگتے جاتے ہیں اس پر آپ نے ایک حکایت بیان کی جس کے سننے سے دل دہل جاتے ہیں اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دل کا تمام مرتبہ سلب کر لیا اور اس کے دل سے فوراً حق منقطع ہو گیا، اس سلب سے پہلے اس سے کرامات ظاہر ہوتی تھیں اور سلب ہونے کے بعد اس سے عجیب و غریب لمبی باتیں ظاہر ہونے لگیں۔ درحقیقت یہ

امور اس کے لیے فتنہ کا سبب تھے تاکہ وہ سلب کے بعد بھی یہ سمجھتا رہے کہ وہ کچھ ہے۔ ہر جگہ کے لوگوں کو اس کی خبر ہوئی اور وہ بہت سوال لے کر اس کے پاس آنے لگے وہ مال جمع کرنے میں بڑا حریص تھا۔ چنانچہ تیرہ سال تک اس کی یہی حالت رہی اور اس عرصہ میں اس نے ستر ہزار دینار جمع کر لیے، لیکن جب مرا تو اس کا کوئی وارث نہ تھا۔ اس لیے تمام مال بیت المال میں داخل کر دیا گیا اور اس کا انجام خسران ہوا۔

نَسَّالَ اللّٰهُ السَّلَامَةَ وَالْعَافِيَةَ . وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ ۔

ولی کو کسی کے غضبی ہونے کا علم کیسے ہو جاتا ہے !

میں نے حضرت سے سوال کیا کہ اگر کسی شخص پر غسل کرنا فرض ہو گیا ہو، لیکن اس نے غسل نہ کیا ہو تو ولی کو اس کا علم کس طرح ہو جاتا ہے۔

فرمایا: اولیاء اللہ کے نزدیک جنابت کی کسی ایک قسم میں، لیکن غسل ایک ہی میں واجب ہوتا ہے پھر اولیاء کے نزدیک جنابت کے کسی ایک اسباب میں اور علماء کے نزدیک اس کا صرف ایک ہی سبب ہے چنانچہ اولیاء اللہ کے نزدیک ان تمام اسباب میں غسل واجب ہوتا ہے، لیکن علماء کے نزدیک صرف ایک سبب سے واجب ہوتا ہے۔

اس پر میں نے سوال کیا کہ وہ کونسا امر ہے جس کا علماء کے نزدیک تو ایک ہی سبب ہے اولیاء اللہ کے نزدیک اس کے متعدد اسباب ہیں۔

فرمایا: وہ یہ ہے کہ ذات اپنی نگاہ میں اللہ سے اس طرح منقطع ہو جائے کہ اس کی تمام نگاہیں اللہ کی طرف سے بند ہو جائیں اور اس کا ہر رگ وریشہ غیر اللہ کے ساتھ سرور سے لبریز ہو اور اس کی اور اس نے تمام اجزاء و جواہر کی سازی توجہ اس کی طرف ہو بشرطیکہ یہ غیر اس حالت میں اللہ سے تعلق منقطع کرنے والا ہو لہذا جب ذات اس طرح سے کلی طور پر اللہ سے منقطع ہو جاتی ہے تو ملائکہ اور محافظ فرشتے اس سے بھاگ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے بندہ کے تعلق کے ٹوٹ جانے کو بہت بڑا گناہ سمجھتے ہیں۔ لہذا صوفیہ کے نزدیک ہر وہ بات جس سے ذات اللہ سے کلی طور پر منقطع ہو جائے اس سے غسل واجب ہو جاتا ہے لیکن علماء کے نزدیک جماع یا اس قسم کی کسی اور بات سے غسل واجب ہو جاتا ہے پھر فرمایا کہ غسل کا راز یہ ہے کہ ذات کو اس انقطاع سے پاک کر دیا جائے کیونکہ یہ انقطاع بمنزلہ نجاست حسّیہ کے ہوتا ہے چنانچہ جب انسان غسل کرنے لگتا ہے تو فرشتے بھی واپس آنے لگ جاتے ہیں لہذا جب ولی فرشتوں کو اس ذات سے جو اللہ سے منقطع ہو چکی ہے ابگائتا ہوا دیکھتا ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ اس بھاگنے کا سبب یہی اللہ سے انقطاع ہے جو جنابت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

میں نے عرض کیا آپ کے فرمان کے مطابق اگر کوئی شخص جماع کے وقت اللہ کی طرف دھیان رکھے تو اس پر غسل واجب نہیں ہونا چاہیے۔

فرمایا: ایسا شخص شاذ و نادر ہی کوئی ہوگا اور نادر پر کوئی حکم نہیں لگایا جاتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

دل کامل انسان کو ایک لمحہ میں نے حضرت کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ دل میں یہ قدرت ہوتی ہے کہ وہ اگر کسی کے کان میں کوئی بات کہہ دے اور جب کہہ کر اٹھے تو وہ شخص اور وہ دل بغیر کسی قسم کے فرق کے معارف میں برابر

ہو جائیں ان سے مراد یہ تھی کہ دل کامل انسان کو ایک لمحہ کے اندر ماحول بالمشاہد بنا سکتا ہے۔

پھر فرمایا: لیکن اس کا سارا دار و مدار اس گوند پر ہے جس سے یہ راز چھپا کر دیا جاتا ہے، لیکن ذات انسانی میں گوند ہی نہ پائی جاتی ہو تو ستر اپنی اصل کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ہوا پر قمیص شلوار اور عمامہ پہنا دے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں ہوا پر قائم نہ رہ سکیں گی، میں نے حضرت سے اس کے متعلق مزید دریافت کرنا چاہا، لیکن اس وقت نہ پوچھ سکا اور عشا کے قریب مجلس ہرماست ہو گئی جب رات کو سویا تو حضرت خواب میں آتے تو میں نے وہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ گوند موتِ نفس ہے جب صبح کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے خواب والے جواب کا ذکر کیا تو فرمایا جواب درست ہے اس پر میں نے سوال کیا کہ موتِ نفس سے کیا مراد ہے؟ آپ نے اس کا جواب ایک بار تو یوں دیا کہ موتِ نفس کی یہ علامت ہے کہ بندہ کے تمام افعال خالص اللہ کے لیے ہوں اور اگر اعمال غیر اللہ کے لیے ہوں گے تو یہ نفس کے زندہ ہونے کی علامت ہے۔

پھر فرمایا: اس کی ایک اور علامت ہے وہ یہ ہے کہ جب بندہ کے دل میں دوساں پیدا ہو تو یہ نفس کے زندہ ہونے کی دلیل ہے اور جس قدر نفس زندہ ہوگا اسی قدر زیادہ دوساں ہوں گے۔ جس کے دل میں دوساں نہیں، اس کا نفس بھی نہیں اور جس کے دل میں دوساں آتیں اس کا نفس زندہ ہے اور جس کا نفس زندہ ہوگا اس کے اعمال اللہ کے لیے نہ ہوں گے بلکہ اپنے نفس کے لیے ہوں گے اسی کے لیے اس کی ساری دُور و صوب اور تدبیریں ہوں گی۔

اس پر میں نے عرض کیا پھر اس کا کیا تریاق ہے جسے اگر اس نفس پر ڈالا جائے تو نفس مرجائے اور اس طرح گچھل جائے جس طرح نمک پانی میں گچھل جاتا ہے آپ ہمیں بتلائیں تاکہ ہم اس پر وہ تریاق ڈالیں اور اس نفس سے نجات حاصل ہو۔ فرمایا: اس کا کوئی علاج نہیں، صرف ایک علاج ہے اور وہ یہ کہ اس پر بہت بڑا پاؤ گرنے میں نے عرض کیا وہ بڑا پاؤ کیا چیز ہے؟

فرمایا: وہ پہاڑ اللہ کی معرفت اور اس کا مشاہدہ ہے لہذا جب بندہ کامل اللہ کی معرفت سے معمور ہوگا اور اسے یقین ہوگا کہ اللہ اس کی باتوں کو دیکھ اور سُن رہا ہے اور یہ کہ اس کی ہر حرکت کا محرک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس پر جو انعامات چاہتا ہے کرتا ہے اور یہ کہ آخرت میں اسے اپنے رب کے ہاں جانا ہے اور وہ اسے جہاں چاہے گا ڈال دے گا۔ جب وہ ان باتوں کو سوچے گا تو اسے یقینی طور پر اس بات کا علم ہو جائے گا کہ وہ اپنے آپ کو اور نہ کسی اور کو نہ اس دنیا میں نہ آخرت میں کسی قسم کا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ عطا کرے تو اس وقت وہ اوروں کی طرف نظر اٹھا کے نہیں دیکھتا اور اس کا نفس مرجاتا ہے خدا اپنے فضل و کرم سے بھی نفس کو مارنے کے اسباب عطا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

میرا اگر کچھ لوگوں کے پاس سے ہوا جو ضامہ (ایک قسم کا کھیل) کھیل رہے تھے۔ اس پر میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ اس کھیل کے کھیلنے کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ حضرت نے فرمایا: یہ کھیل کھیلنا حرام ہے۔

میں نے سوال کیا: کیوں حرام ہے؟

فرمایا تمام محرمات کی وجہ تحریم ایک ہی امر ہے اور وہ انقطاع عن اللہ ہے لہذا ہر وہ چیز جو اللہ سے تعلق توڑے اور شارع کی اس میں کوئی غرض بھی نہیں پاتی جاتی تو اسے اللہ تعالیٰ حرام قرار دے دیتے ہیں پھر فرمایا کہ اس کھیل میں سوائے اس کے کہ اللہ سے غافل کر دے کوئی اور فائدہ تو پایا نہیں جاتا کیونکہ اس کھیل کے کھیلنے والے جب یہ کھیل کھیل رہے ہوتے ہیں تو دل و جان سے اس میں اس طرح مشغول ہو جاتے ہیں کہ ان کی ذات کی تمام نگاہیں اس گھڑی میں اللہ کی طرف سے مسدود ہو جاتی ہیں۔ میں نے اعتراض کیا کہ تیر اندازی سیکھنے اور گھوڑ دوڑ وغیرہ آلاتِ حرب میں بھی تو انسان کی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ وہ اس وقت اللہ سے منقطع ہو جاتا ہے۔

فرمایا: یہ چیزیں سلی کھیل کی سی نہیں ہیں اس لیے کہ اس کھیل میں شارع کی کوئی غرض موجود نہ تھی اور ان میں بندہ کئے لیے بھی کوئی فائدہ نہیں پایا جاتا بر خلاف تیر اندازی اور گھوڑ دوڑ وغیرہ آلاتِ حرب کے کہ ان کا سیکھنا اعداد و قوت کے تحت میں آجاتا ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے آیت وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ (کافروں سے جنگ کرنے کے لیے جس قدر قوت تم تیار کر سکو اور جس قدر گھوڑے تیار کر سکو رکھو) میں فرمایا ہے چنانچہ جو چیز بھی شارع کا مقصد ہو یا مقصد ہونے کی اس میں صلاحیت ہو وہ اللہ سے قاطع نہیں ہو سکتی۔ پھر فرمایا: یہی وجہ ہے کہ شرطی کی ہمت کے

بارے میں اکثر میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض (امام شافعی) نے تو اسے اس لیے مباح قرار دیدیا کہ اس میں کیفیت جنگ وغیرہ کی تعلیم پائی جاتی ہے اور اس کا مقصود شارع ہونا صحیح ہو سکتا ہے اور بعض نے اسے اس خیال سے حرام قرار دیا ہے کہ کیفیت جنگ وغیرہ کے سیکھنے میں شارع کی غرض صرف اسی خاص طریقہ پر موقوف نہیں ہو سکتی بلکہ یہ غرض کسی اور طریقہ سے بھی حاصل ہو سکتی ہے جو اس سے زیادہ آسان اور زیادہ واضح ہو۔ اسی لیے شریعت کی حرمت کا حکم عام سے کم درجہ کا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مومنین کی محبت تو بہ
نصوص کا سبب ہوتی ہے

حضرت نے صالحین میں سے ایک شخص کا قول نقل کیا کہ مجھ میں رجوع الی اللہ کے راسخ ہونے، اس کی شاخوں کے پھیلنے اور اس کی جڑوں کے مضبوط ہونے اور اس میں انتہا تک پہنچنے کا سبب بلا امتیاز تمام مومنین سے محبت اور بلا امتیاز تمام کافروں سے بغض رکھنا ہے۔

پھر فرمایا: جب بندے میں یہ محبت پائی جائے تو خواہ پسند کرے یا نہ اللہ کی طرف سے اس پر توبہ (توبۃ الی اللہ) کا نزول ہوتا ہے اور اگر وہ اسے دور بٹانے کا ارادہ کرے تب بھی اگر کرے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان مومنین کی محبت میں امتیاز اس طرح کرے کہ بعض سے محبت رکھے اور بعض سے بغض صرف اسی وقت رکھتا ہے جب اس کے دل میں حسد یا تکبر کی وجہ سے ٹھپا ہوا بغض پایا جائے لہذا اس کی نیت بد ہوگی اور توبہ نصوص تو اسی شخص کو نصیب ہوتی ہے جس کی زمین طیب اور ارادہ پاک ہو اور جب وہ تمام مومنین سے محبت رکھے گا تو تمام مکاریاں اس کے دل سے اٹھ جائیں گی اور اس وقت اس پر توبہ کا نزول ہوگا۔

حضرت نے ایک باریوں فرمایا کہ اس قسم کے آدمی کو (جس کے دل میں عامۃ المسلمین کی محبت پائی جائے) توبہ کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ یہ عام محبت تمام گناہوں کو مٹانے کے لیے کافی ہے اس لیے کہ یہ ان تمام مکاریوں کو جو گناہ کا موجب بنتی ہیں، دل سے محو کر دیتی ہے۔ نیز فرمایا، ان میں سب سے بڑا فریب حسد ہے جو اس محبت کے ہوتے ہوئے نہیں رہ سکتا۔ ہم نے حسد کو سب سے بڑا فریب اس لیے قرار دیا ہے کہ تمام معاصی اور گناہی سے نکلے ہیں اور یہ ان سب کا سبب ہے کیونکہ کسی شخص سے اس لیے بغض رکھنا کہ اس کا مال یا اولاد وغیرہ تم سے زیادہ ہے حسد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جب تو اس تکبر اور غرور کے ذریعہ سے اسے اس مرتبہ تک پہنچنے سے روکنا چاہے گا اور یہ اسی لیے ہوگا کہ تو یہ نہیں چاہتا کہ یہ مرتبہ اسے مل جائے اور اسی کا نام حسد ہے۔ اسی طرح تمام گناہوں کی اصل حسد نکل سکتی ہے۔

(مؤلف لکھا ہے) کہ حد کی نحوست کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ حد الایلام میں سے ایک باب ہے اور وہاں ہم نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا تھا۔ خدا ہمیں اپنے نفس کے شر اور ہر شر انگیز بات کے شر سے بچائے۔

اگر تمام مومنین سے محبت کی جاتے تو اس پر میں نے حضرت سے سوال کیا جب یہ شخص بلا امتیاز تمام مومنین سے محبت کرے تو حب فی اللہ اور حب فی اللہ اور بغض اللہ کہاں رہا! بغض فی اللہ جو ایمان کی شاخوں میں سے دو شاخیں

ہیں، کہاں رہا۔ اسی لیے کہ ہمیں معصیت کرنے والے سے بغض رکھنا چاہیئے چنانچہ جب ہم اس سے فی اللہ محبت رکھیں گے تو مقتضائے مشیت کے خلاف کریں گے۔

بغض معصیت سے ہونا | حضرت نے فرمایا ہمیں بغض گناہگار کے افعال سے ہونا چاہیئے ذکر اس کی مومن ذات اس کے ظاہر دل اور ایمان دائم سے جو امور اس کی محبت چاہیئے نہ کہ مومن سے کو لازم قرار دیتے ہیں وہ تو دائمی ہیں برعکس ان گناہوں کے جو اس سے

بغض رکھنے کو لازم قرار دیتے ہیں وہ عارضی اور وقتی ہوتے ہیں لہذا ہمارے دلوں میں مومن کی محبت جاگزین ہونا چاہیئے اور امور عارضہ سے بغض ہونا چاہیئے اور اپنے ذہن اور آنکھوں کے سامنے اس کے گناہوں کو

یوں سمجھنا چاہیئے جیسے اس کے کپڑوں سے پتھر بندھے ہوں چنانچہ اس کے کپڑوں سے بندھے ہوئے پتھروں سے تو بغض ہوگا، لیکن اس کی ذات سے محبت ہوگی، شریعت نے ہمیں معصیت کرنے والے سے اسی قدر بغض رکھنے کا حکم دیا ہے اس سے زیادہ کا نہیں۔ اکثر لوگ ذات سے خارج افعال کے بغض اور ذات

کے بغض میں فرق نہیں کرتے۔ وہ چاہتے تو یہ ہیں کہ افعال سے بغض رکھیں، لیکن انہیں اس کا طریقہ نہیں آتا لہذا وہ ذات سے بغض کرنے لگ جاتے ہیں حالانکہ ہمیں صرف کافر کی ذات سے بغض رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اسی لیے ان کی ذات اور جو کچھ ان کی ذات سے صادر ہوتا ہے سب سے بغض رکھتے ہیں، لیکن ہمیں معصیت کا مومن سے ایسا بغض رکھنے کا حکم نہیں دیا گیا جس سے اس کی ذات کی محبت اس کے

۱۔ حضرت ابو الدرداء و عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب تمہارا مسلمان بھائی خدا کی عزت کے لیے مرنے لے کر سے بغض رکھنا چاہیے کیونکہ جب وہ تک معصیت کرے گا تو پھر سچے کی طرف بھائی ہوگا (روایت الانوار: ۲۱:۱) پھر فرماتے ہیں اگر تمہارے (مومن) بھائی میں تغیر پیدا ہو جائے اور وہ کبر ہو جائے تو تو اس کی کبر کو دھ سے اس کو ترک نہ کر دے۔ اس لیے کہ بھائی کبھی راہِ راست پر اور کبھی کبڑا ہوتا ہے۔ پھر فرمایا: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ امام غنی اور دیگر بہت سے لوگوں کی یہی دستور تھا (روایت الانوار: ۲۱:۱)

ایمان باندھنے کی محبت، ایمان بالرسول کی محبت، تمام رسولوں پر ایمان لانے کی محبت، تمام انبیاء پر ایمان لانے کی محبت، تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کی محبت، یوم آخرت اور جو کچھ بھی آخرت میں ہوگا نیز حشر و نشر، جنت و دوزخ اور صراط و میزان کی محبت اور اس کے علاوہ پر ایمان رکھنے کی محبت اور خیر و شر کی تقدیر پر ایمان لانے کی محبت۔ سمجھ جاتے اس طرح ہم ہر قابل تعریف وصف پر اس سے محبت رکھیں گے لہذا جب ان پسندیدہ خصال کی وجہ سے اس کی محبت ہمارے دلوں میں سما چکی ہوگی تو اس کا بغض کبھی بھی ہمارے دلوں میں داخل نہ ہو سکے گا۔ ہم صرف اس کے افعال سے بغض رکھیں گے اور اس کے لیے دمار خیر کر کے بالعموم جب ہم اس کی طرف حقیقت کی نگاہ سے دیکھیں۔ اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب وہ معصیت کار سے بغض رکھنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ان کی توجہ اس کی ذات سے بغض رکھنے کی طرف جاتی ہے اور وہ ان خصلتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جن کی وجہ سے اس سے محبت کرنا واجب ہو جاتا ہے اسی لیے ان کے دلوں میں اس کا بغض جگہ کھڑا لیتا ہے اور وہ جوتے جوتے اس کی ذات سے بغض کرنے لگ جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کی نظروں میں اس کی ذات مبغوض ہو جاتی ہے حالانکہ یہ بات جائز درو انہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لوگوں کی توجہ اپنی طرف کرنے کی غرض سے عمدہ
بباس پہننا یا خوراک کھانا وغیرہ بُری بات ہے
میں نے حضرت کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو شخص
اپنی سواری، لباس، مکان اور خوراک
وغیرہ میں لوگوں سے امتیاز رکھتا ہے وہ بُرا

شخص ہے۔ میں نے عرض کیا: یہ کیوں کہ بُرا ہوا؟

فرمایا: یہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کر کے انہیں اللہ سے منقطع کر دیتا ہے۔ اسی لیے اس کا متنازع ہونا سے اللہ سے منقطع ہونے کا باعث بنا۔

اس پر میں نے عرض کیا کہ وہ لوگ جو اللہ سے پہلے ہی محبوب ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ تو پہلے سے ہی اللہ سے منقطع ہو چکے ہوتے ہیں، اسی لیے انہیں اس کی طرف متوجہ ہونے سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

فرمایا (کیوں نہیں) بے تسامی تو پہلے سے ہوتی ہے اس پر اگر دیر توجہ کا اضافہ ہو جاتا ہے نیز فرمایا کہ جو ذات اس امتیاز میں مشغول ہوتی ہے روح اس سے بھاگنے لگتی ہے۔

اس لیے کہ اس امتیاز سے روح کو ذات و خواری لاحق ہوتی ہے لہذا وہ ذات کے فعل کو بُرا سمجھ کر اس سے نفرت کرنے لگتی ہے اور اسے اپنے غالی کے ساتھ جو ہر تاز مناسب تھا اس کا راستہ نہیں دکھاتی

اور یہ بات اس کی ہلکت کا سبب بنتی ہے۔

(موتلف کتاب ہے) اس صورت میں اس امتیازی شان دکھانے میں اُنہیں پالی گئیں ایک اپنے لیے اور ایک اوروں کے لیے۔

ماضی میں سے ایک صاحب نے جو بڑے سخی اور کریم تھے عرض کیا کہ حضرت اگر کوئی شخص اس امتیازی شان سے صدقہ و خیرات کرے تو کیا وہ مضر ہے؟

فرمایا: ہاں جہاں تک ہو سکے اسے صدقہ چھپا کر کرنا چاہیے۔

نیز فرمایا: میں ایک شخص کو جانتا ہوں کہ اس نے مغرب اور عشاء کے درمیان پچیس مثقال سونا فقروں میں صدقہ کیا اور ان میں سے ایک بھی اسے نہ جانتا تھا۔

اس سخی نے سوال کیا: حضرت وہ صدقہ تو چھپا کر کرتا ہے، لیکن اگر اس کا دل اسی کی طرف گرا رہتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے۔

فرمایا: اگر اس کے دل کا صدقہ کی طرف گرا رہنا صدقہ سے خوش ہونے کی وجہ سے اور اسے اپنے خیال میں بڑی بات سمجھنے کی وجہ سے ہے جس کی وجہ سے اس کا دل خوش ہوتا ہے تو یہ بات مانع صدقہ نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ صدقہ کرنے والا کبھی اس نظر سے غافل ہو جائے اور صدقہ عیب سے سالم نکلے اور حق تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔

حضرت نے فرمایا کہ ہماری عمریں لمبی کرنے میں یہی فائدہ ہے۔ ہم ساٹھ ستر سال تک **طویل عمر میں حکمت** بھی زندہ رہتے ہیں تاکہ شاید یہیں اتنی لمبی عمریں کوئی قبولیت کی گھڑی ہاتھ آجائے

(اور ہم نجات پا جائیں) کیونکہ ہم پر شہوت اور نفس کا اتنا غلبہ و تسلط ہے کہ ہمارا کوئی عمل بھی پاک نہیں ہوتا اور نہ کوئی عمل (یا دعوہ) خالص ہوتا ہے۔ لہذا اس قسم کے اسباب بیک کام سے مانع نہیں ہو سکتے، لیکن اگر نفس کا صدقہ کو دیکھنا دیا، دعوہ کی غرض سے ہو یا اس شخص نے صدقہ محض لوگوں کی خاطر کیا ہو تو اس صورت میں یہ غفلت صدقہ سے مانع ہوگی اور اس فعل کو معصیت بنا دے گی اگرچہ بظاہر دیکھنے میں یہ ایک عبادت دکھائی دیتی ہے۔

(موتلف کتاب ہے) اس تفصیل سے حضرت کا اشارہ اُنہی کے اس زمان کی طرف ہے کہ غرور کے خون سے کوئی کام نہیں چھڑنا چاہیے، البتہ اگر دیا رہا جائے تو اسے ترک کرنا چاہیے خدا حضرت سے راضی ہو آپ کے علم کا دائرہ کس قدر وسیع ہے اور مجھے اس سے اکثر تعجب ہوتا ہے تعجب یہ تعجب کی بات یہ ہے کہ تمام نوافل کا یہ حکم ہے مگر ان نوافل میں انوار ضروری ہے

ایک عامی اور اُنی ہوتے ہوئے آپ سے ان علوم کا نمبر ہوتا جن کا ذکر شمار ہو سکتا ہے اور نہ کوئی ان کے مقمل ہونے کی طاقت رکھ سکتا ہے اور نہ ہی آپ کو ان کے ذکر کرنے میں سوچنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ پاک ہے وہ خدا جس نے حضرت کو یہ علوم لُٹائی اور معارف ربانی عطا کیے۔

اس کے بعد اس سخی نے پھر سوال کیا کہ حضرت فرمائیں کہ ہمارے اعمال خواہ وہ صدقہ ہو یا کوئی اور

عمل، خالص اللہ کیسے ہو سکتے ہیں؟

حضرت نے فرمایا: جو کام بھی تم اجر یا نیکی کی نیت سے کرو وہ اللہ کے لیے نہیں ہے۔ کسی اور کے لیے ہے اور اس میں دوسروں کا آنا بھی ضروری ہے چنانچہ جب تو اس نیت سے صدقہ کرے گا تو تجھے دل میں خیال پیدا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ جسے صدقہ دیا گیا وہ صدقہ کا اہل نہ ہو اور اگر اہل تھا تو ممکن ہے کہ کوئی اور شخص اس سے زیادہ حقدار اور اس کو دینے میں مقبولیت کا زیادہ امکان ہو اور میں نے اسے صدقہ نہیں دیا۔ حتیٰ کہ آخری دوسرے ہوگا کہ نہ معلوم میرا صدقہ اللہ نے قبول بھی کیا ہے یا نہیں اور جس عمل میں دوسرے کا دخل ہو گیا، اس میں اللہ کا کوئی حصہ نہیں کیونکہ دوسرے شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور جو کام اللہ کے لیے ہو، شیطان اس کے قریب نہیں پہنچ سکتا۔

ساتنے نے پھر سوال کیا: اگر میں اجر اور نیکی کی نیت سے صدقہ نہ کروں اور اللہ کے قرب حاصل کرنے

کی نیت سے کروں تو کیا یہ بھی نقصان دہ ہے یا نہیں؟

فرمایا: ہاں! یہ بھی منہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کی نیت بھی ایک غرض ہے، لہذا اس غرض سے عمل کرنا اسی غرض کی خاطر ہے۔

فرمایا: خالص اللہ کے لیے عمل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کے اوصاف جلال و کمال اور اس کی کبریائی اور عظمت کو معلوم کرے اور دیکھے کہ اللہ تعالیٰ کی کس قدر آن گنت اور بے شمار نعمتیں اسے حاصل ہیں چنانچہ وہ سمجھ لے کہ خدا ہی اس بات کا اہل ہے کہ اس کے سامنے سر جھکایا جائے اور اس کے سامنے عاجزی کی جائے اور اس کے دل میں حظوظ نفس میں سے قطعاً کسی حظ کا خیال نہیں آنا چاہیئے چہ جائیکہ اس کا عمل ہی اس حظ کی خاطر ہو۔ بلکہ اس کے ذہن میں یہ خیال ہونا چاہیئے کہ اگر وہ ابداً لا بد تک بھی اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور جس قدر بھی بھاری اور تکلیف دہ عبادت ہو سکتی ہو، اللہ کی ہمیشہ کے لیے اطاعت کرتے رہیں اور ان کی عسیر بھی لمبی اور وہ ان اعمال پر مداومت بھی کرتے رہیں تب بھی وہ اس حق کو ادا نہ کر سکیں گے جو اللہ کے بندہ پر واجب ہے۔ بندہ کو حظوظ نفس کے لیے عمل کرنے کا خیال تو اس وقت کرنا چاہیئے جب وہ اپنے رب کے حقوق کی ادائیگی سے فارغ ہو چکا ہو لہذا جب وہ اللہ کے ایک حق کو بھی ادا

کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اللہ کے تمام حقوق کی ادائیگی کا خیال اسے کیسے آسکتا ہے یا وہ جنتِ نفس کی طرف متوجہ ہونے کا کیسے خیال کر سکتا ہے؟ نیز فرمایا: جب اہل جنت جنت میں داخل ہو سکیں گے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی مزید معرفت حاصل ہوگی تو سب کے سب اللہ کی اطاعت میں کوتاہی کرنے سے نادم ہوں گے۔

حضرت نے فرمایا: جو کچھ میں نے کہا ہے اگر تو اس پر غور کرے تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ اجر کی خاطر عمل کرنا اللہ سے بے تعلقی اور اس کے حقوق کی ادائیگی سے دور کر دیتا ہے اسی وجہ سے اس قسم کا عمل کرنے والا اللہ سے دور ہو جاتا ہے اور اگر تو اس نیت سے اللہ کی عبادت کرے کہ وہی اس کا اہل ہے تو تمہاری عبادت میں کبھی بھی دوسرا نہیں آئے گا۔

(موتلف کتا ہے) میں نے عرض کیا: حضرت اگر صدقہ دینے والا صدقہ دیتے وقت یہ خیال کرے کہ مال بھی اللہ کا ہے اور اس کی ذات بھی اللہ ہی کے لیے ہے اور یہ مسکین بھی اللہ ہی کا ہے چنانچہ اس کے ذہن میں یہی بات ہو کہ ہر چیز اللہ ہی کے لیے ہے اور اسی نیت پر صدقہ نکالے اور یہ سمجھے کہ اس میں میرا تو کچھ بھی نہیں ہے تو اس شخص کا صدقہ کیا رہے گا؟ فرمایا اس شخص کا صدقہ بہترین صدقہ ہوگا۔

اس تاخیر کی حکمت بتا ہی چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک چالیس سال کو نہ پہنچے یہ مبعوث نہیں فرماتے گئے اور ہم اسے پھر ذکر کریں گے۔

اس کے بعد حضرت نے ایک واقعہ بیان کیا جو ایک مجذوب سے آپ کو پیش آیا تھا جس کا حکایت حاصل یہ ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ مجذوب سے جو صالحین میں سے تھے میری جان پہچان تھی۔ بارے کے ہرم میں سردی سے بچنے کے لیے ان کے پاس کوئی کپڑا نہ تھا۔ مجھے ان پر ترس آتا اور اکثر ان کا خیال رہتا۔ اکثر ایسا ہوا کہ کسی نے ان کو کپڑا دیا کہ سردی سے بچاؤ ہو مگر کوئی آیا جس کے دل میں اللہ کا خوف نہ ہوتا اور وہ کپڑا ان کے بدن سے اتار کر لے جاتا وہ ایک چکی میں جہاں آٹا پست تھا رہا کرتے تھے میں وہاں پہنچا۔ وہ وہاں موجود تھے۔ میں ان سے بات کرتا اور وہ جواب دیتے۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ میں آپ کے چہننے کے لیے کپڑا لایا ہوں اور میں یہ کپڑا اس نیت سے لایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس صدقہ کے عوض میری فلاں حاجت روا کرے اور اس کا اللہ کے سوا کسی کو علم نہ تھا۔ کہنے لگے میں نہ قبول کروں گا نہ پہنوں گا جب میں نے انکار سنا تو دوبارہ دوبارہ قبول فرمانے کی درخواست کی۔ اس پر فرمایا: میں ایسا کپڑا نہ پہنوں گا جسے تو اس غرض سے دے رہا ہے کہ تمہاری فلاں حاجت بر آئے اور بعینہ اس حاجت کا ذکر

کر دیا۔ میں تو وہ کپڑا پہنوں گا جو خاص اللہ کے لیے ہوگا۔ اس پر میں اس کپڑے کو ان کے پاس چھوڑ کر چلا آیا اور کچل والوں کو کہہ آیا کہ وہ انیس وہ کپڑا پہنائیں مگر وہ کپڑا کئی دن تک وہیں پڑا رہا اور انھوں نے اسے نہ پہنا۔ جب یہ مخلوق کا حال ہو کہ اس نے اس چیز کو جو غیر اللہ کے لیے ہے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو کیا پوچھنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا۔

ایک عابد کا واقعہ جس نے اپنے اعمال پر اعتماد کیا

حضرت نے فرمایا کہ ایک عابد کو عبادت میں فتح نصیب کی گئی اور وہ مرض استسقا میں مبتلا ہو گئے۔ جب انھوں نے محسوس کیا کہ موت کا وقت آگیا ہے اور ان کے ہوش و حواس قائم تھے کیونکہ مرض استسقا کے اکثر مریضوں کے ہوش قائم رہتے ہیں۔ چنانچہ جب انھوں نے نزع کی تکلیف محسوس کی اور محسوس کیا کہ اتنا تکلیف دہ وقت ان پر مسر بھر نہیں آیا تو اس سے ان پر خدا کا خوف طاری ہو گیا اور ان پر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا رعب چھا گیا۔ اس پر انھوں نے اپنی کثیر عبادت کا خیال کیا جو انھوں نے عسر بھر کی تھی اور انہیں خوشی ہوئی اور دل گرا گیا اور اس عبادت کو اس خوف کے مقابلہ میں رکھا اس لیے اس نے اپنے دل میں امن و راحت محسوس کی جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ اس نے اپنی عبادت پر اعتماد کیا ہے تو اس کی ساری عبادت سلب کر لی گئی اور وہ اسی حالت میں مر گیا۔ خدا اس سے بچائے۔

حضرت نے فرمایا: اس قسم کے کئی عابد اس لیے جہنم میں گئے کہ انھوں نے اپنے اعمال پر بھروسہ کیا تھا پھر فرمایا کہ یہ بات یقینی ہے کہ اپنی عبادت پر وہی شخص اعتماد کرے گا جس نے اجر کی خاطر عبادت کی ہوگی اگر یہ عبادت محض اللہ کے لیے ہوگی تو ان کو اس بڑے دن کام آئے گی۔

پھر فرمایا کہ عارفین کی عبادت محض اللہ تعالیٰ کی ذات کریم کے لیے ہوتی ہے اسی لیے تو نہایت تعظیم و اکرام کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے کہتے ہیں اور انہیں یقین ہے کہ اگر وہ عمر بھر بھی عمل کرتے رہیں اور اپنے ماتحتوں کو پیچروں سے ٹکراتے رہیں تب بھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا حق ادا نہیں کر سکیں گے چر جائیکہ اجر کا مطالبہ کریں۔ اس لیے کہ اجر کا مطالبہ تو وہی کرتا ہے جو جانتا ہو کہ اس نے حق ادا کر دیا اور عارفین کو تو یقین ہوتا ہے کہ انھوں نے عبادت کرنے میں کوتاہی کی ہے علاوہ بریں وہ یہ بھی دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ جو فعل ان سے صادر ہوا ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے، ان کی اپنی طرف سے نہیں لہذا ایسے فعل پر جس کا فاعل کوئی اور ہو، وہ کس طرح اجر کا مطالبہ کر سکتے ہیں؟

میں نے عرض کیا کہ اس عابد کی کوئی چیز سلب کی گئی۔ کیونکہ اگر کہیں کہ معرفت سلب کی گئی تو یہ تو

اسے حاصل ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے کہ اگر اُسے معرفت حاصل ہوتی تو اپنے اعمال پر بھرپور تکرار لکھتا سبب شدہ چیز یا تو ایمان ہے یا نیکیاں؟

حضرت نے فرمایا: سبب شدہ چیز نیکیاں ہیں جو اس نے کی تھیں اس لیے کہ اس نے چونکہ انہی پر نظر گارکھی تھی اور انہی پر اعتماد کر بیٹھا تھا۔ اس لیے اللہ نے ان تمام حقوق کو جو ان اعمال پر مترتب ہونے والی تھیں، زائل کر دیا جس کی وجہ سے تمام نیکیاں معاصی اور گناہوں میں بدل گئیں جن کا عذاب جہنم میں اسے ہو گا۔

میں نے عرض کیا کہ اس کو سزا دینے کے لیے جلیلہ اعمال ہی کافی تھا، پھر اس پر مزید یہ کہ ان اعمال کو گناہوں میں کیوں بدل دیا گیا۔

فرمایا: چونکہ اس نے انہی پر امید گارکھی تھی اس لیے وہ اعمال گناہوں میں بدل دیے گئے کیونکہ جب تو دیکھے کہ ایک نیزہ تیری طرف آ رہا ہے اور لا محالہ وہ تیرے سپرد کو گئے گا اور اگر تو ڈھال سے بچنا چاہے تو تجھے پہلے یقین ہونا چاہیے کہ وہ ڈھال نیزہ کی چوٹ کو بچا سکتی ہے لیکن اگر تجھے معلوم ہو کہ ڈھال نیزہ کے وار کو روک نہیں سکتی تو تو اس ڈھال کو اپنا بچاؤ نہ بنائے گا بلکہ تو کسی اور نیزہ والے کی پناہ میں جائے گا اور اس کی رضامندی طلب کرے گا تاکہ وہ تم پر رحم کھا کر اس کے نیزہ کو تم سے روکے۔ یہی حال اس عابد کا ہے کیونکہ اس نے اپنی عبادت کو اس خوف کے مقابلہ میں اسی بے رکھا اور اسی پر مطمئن اور بے خوف ہو بیٹھا کہ اس کے اعمال اللہ کے حقوق سے زیادہ قوی ہیں اور وہ اس کے خوف وغیرہ کو رد کر سکتے ہیں اور یہی اعتماد جو کہ گمراہی ہے۔

نیز فرمایا کہ جلد عبادات اور تمام کی تمام اطلاعات اور کل شریعتیں محض اس لیے قائم کی گئی ہیں کہ دنیا میں توجید کو قائم کیا جائے اور مخلوقات کو اپنے رب کی معرفت حاصل ہو لہذا جب یہ معرفت حاصل ہو گئی تو اصل مقصود حاصل ہو گیا، لیکن جب معرفت ہی حاصل نہ ہو اور اصل مقصود فوت ہو جائے تو پھر وسیلہ یعنی عبادات کا کیا اعتبار اور معصیت کو اس لیے حرام قرار دیا گیا کہ ان کی وجہ سے بندہ کا تعلق اللہ سے منقطع ہو جاتا ہے لہذا جب ملاحظت و عبادت سے بھی بندہ کا تعلق اللہ سے منقطع ہو جاتا ہے تو پھر ان کے معاصی ہونے میں کیا شبہہ واللہ تعالیٰ اعلم

میں نے حضرت کو فرماتے سنا کہ پوپس والوں میں بھی بعض لوگ مومن ہوتے ہیں جن کا دل اللہ سبحانہ کی طرف مائل رہتا ہے اور بعض لوگ اللہ سے منقطع ہوتے ہیں۔ اس کی علامت انقباض اور انبساط ہے جو ان میں سے منقبض اور اس کا رنگ بدلا ہوا ہو گا اسے معلوم ہو گا کہ وہ اپنے رب کے حکم کی مخالفت کر رہا ہے

اور کسی اور کے حکم کی اطاعت کر رہا ہے۔ اس کا دل مغموم اور اس کی حالت بدلی ہوئی ہے تو یہ سب کچھ قسم میں سے ہے اور آخرت میں یہ حساب عقاب، اہمیت اور عقاب کے بعد نجات پانے والوں میں سے ہوگا۔ البتہ اگر خدا معاف کر دے تو پھر حساب کے بغیر ہی جنت میں جائے گا۔ پھر ظلم کی حالت میں خوش ہو اور اسے کسی قسم کی فکر نہ ہو تو یہ شخص دوسری قسم میں سے ہے اور یہ شخص معصیت اور لوگوں پر ظلم کرنے میں مزہ پاتا ہے جس طرح گریبانِ نجات اور گندگی کھانے میں مزہ پاتا ہے۔

(موتلف کتاب ہے کہ) قیامت کے دن اس شخص کو سب سے سخت عذاب ہوگا۔

حضرت نے یہ بات ایک شخص کے جواب میں فرمائی جس نے آپ سے پولیس والوں سے اختلاط رکھنے کے متعلق دریافت کیا تھا کہ اگر وہ ان سے میل جول نہیں رکھتا تو اسے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ اس پر حضرت نے اسے نیکی کی راہ دکھائی اور اسے سکینوں سے بھلا کر نہ لے جانے کا حکم فرمایا اور پھر مذکورہ بالا کلمات فرماتے ہی اس کے بعد فرمایا کہ مومن کی مثال اس پرندہ کی سی ہے جو ایک نجس زمین پر اترے گا تو وہ متعقب ہوگا اور اپنے پیروں کو سمیٹے گا اور اگر پاک زمین پر اترے گا تو منبسط ہوگا اور اپنے پیروں کو پھیلاتے گا اور رزق کی تلاش میں سعی کرے گا۔

مزید برآں حضرت نے اس شخص کو فرمایا کہ جب وہ لوگ جو اللہ سے منقطع ہو چکے ہوتے ہیں خدا بھی اپنی پناہ میں رکھے جب کسی سے چند درہم غصب کر لیتے ہیں اور انہیں اپنا جیب میں ڈال لیتے ہیں اور ان درہموں پر اللہ تعالیٰ کا نام بھی کندہ ہو پھر کوئی ایسا شخص آئے جس کا دل اللہ کی طرف لگا رہتا ہے اور وہ ان درہموں کو کسی تدبیر سے مثلاً مانگ کر یا کسی اور حیلہ سے اس کے قبضے سے نکال لے تو اس نے اللہ کے محترم فرشتوں کو چھڑایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ہر حرف پر ایک فرشتہ ہوتا ہے اور ہر اسم الہی پر وہ فرشتہ تعینات ہوتا ہے جس میں ستر آدمیوں کی قوت پائی جاتی ہے لہذا جب تک یہ درہم اس منقطع من اللہ کے پاس رہتے ہیں تو اس فرشتہ کی حالت اس پرندہ کی سی ہوتی ہے جو گرفتار کر لیا گیا اور اس کے بازو باندھ دیے گئے ہوں اور اس کا سر اور جوڑ اس کے پیروں کے نیچے سے نکال دیے گئے ہوں چنانچہ جب کوئی ایسا بندہ آتا ہے جس کا دل اللہ سے لگا ہوتا ہے اور وہ اس درہم کو کسی نہ کسی حیلہ سے اس سے حاصل کر لیتا ہے تو اس فرشتہ کو خوشی ہوتی ہے اور اس کی تنگی دور ہو جاتی ہے اس لیے کہ فرشتے کو ان لوگوں سے جو اللہ سے بے تعلق ہو چکے ہوں کراہت ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت نے فرمایا اس کمزور بندہ کو گرفت صرف اس لیے ہوتی کہ اسی نے خود اپنی پاؤں سے اپنے آپ کو تباہ کیا اس طرح کہ اس نے اپنی ذات کو اللہ سے بے تعلق کر لیا اور اپنی تدبیر پر نظر رکھی اور اپنے مطالب کے

حصول کے لیے اس قدر تک ودو کی کو اس دوران میں کلیۃً اللہ سے غافل رہا لہذا اللہ تعالیٰ نے بھی اسے اسی ذات پر چھوڑ دیا اور جس طرح وہ غیر اللہ سے تعلق رکھنے لگا تھا اسی طرح وہ غیر اللہ کو محسوس کرنے لگا چنانچہ اسے نہ دیکھا اور نہ سمجھا کہ اسے تعلق رکھنے لگا اور زخم اور دیگر قسم کی اذیتوں سے اسے دکھ محسوس ہونے لگا لیکن اگر وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے بے تعلق نہ کر لیتا اور اپنی باگ ڈور اللہ پر چھوڑ دیتا اور غیر اللہ سے نظر ہٹا لیتا اور تمام اختیار کو دل سے نکال دیتا تو اسے خواہ وہ لوہے کے گوکھر واد لوہے کی سلاخوں پر رہی کیوں نہ چلتا، قطعاً کسی قسم کا درد محسوس نہ ہوتا۔

پھر فرمایا: اس غفلت ہی کی وجہ سے بندہ پر عبادی بوجھ ڈالا گیا اور اسے احکام کا مکلف بنایا گیا اور رسولوں کو شریعت دیکر انسانوں کی طرف بھیجا گیا تاکہ وہ اسے غفلت سے ہٹا کر اللہ کی طرف لوٹا دیں اور اگر یہ اللہ تعالیٰ سے غفلت نہ ہوتی تو انسان فرشتوں کی طرح ہوتے اور ان کو سخت تکالیف کے برداشت کرنے کی ضرورت نہ ہوتی نیز اگر غفلت نہ ہوتی تو جہنم بھی نہ ہوتا اور جب غفلت نہ ہوتی تو بندہ اللہ تعالیٰ کو اپنے افعال کا خالق سمجھتا اور اس کا وہ نفس ہی نہ ہوتا جس کی نظر ان افعال پر پڑتی چنانچہ ان کو اپنی طرف منسوب کرتا اور جب اس کی یہ حالت ہوتی تو وہ ہر وقت غافل ہوتا ایسے شخص کو پھر مکلف کیسے بنایا جاتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نیز فرمایا: سب سے بڑا حماقت وہ ہے جو پہلے جانے والی چیز یعنی دنیا سے غافل اور اس کے متعلقات کے لیے دوڑ دھوپ کرے اور سب سے عقلمند وہ ہے جو باقی یعنی حق سبحانہ کی خاطر دوڑ دھوپ کرے کیونکہ جب غافل غافل کی خاطر مرے تو کسی کو بھی فائدہ نہ ہوگا، لیکن اگر غافل غافل کی خاطر مرے تو غافل باقی بن گیا۔

پھر فرمایا: لوگ کہتے ہیں کہ موت کی کوئی دوا نہیں حالانکہ اس کی دوا موجود ہے اور اس کی دوا یہ ہے جو ہم نے بیان کی۔ جو اس کے اس کی اور کوئی دوا نہیں ہے اس کے بعد قسم کھائی اور بار بار قسم کھا کر یہی فرماتے رہے اور فرمایا جب بندہ اللہ سبحانہ میں ظاہر و باطن پوری دوڑ دھوپ کرتا ہے تو اس کو نہ فتنائے بے زور نہ فتنائے آتی ہے جسے لوگ موت سمجھتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ اکثر اہل دیوان جب مر جاتے ہیں تو اپنے آپ کو خود غسل دیتے ہیں۔ چنانچہ دیکھنے میں میت تختہ پر نظر آئے گا کہ وہ ایک مثال بھی نظر آئے گا حالانکہ دونوں ایک ہی ہوں گے، واللہ

اہل دیوان مرنے کے بعد اپنے آپ کو خود غسل دیتے ہیں

تعالیٰ اعلم۔

ہم اس باب کو ایک عجیب حکایت پر جو ہم نے حضرت سے سنی ختم کرتے ہیں۔ قصہ یوں ہوا کہ ایک روز میں آپ سے باتیں کر رہا تھا تو میں نے ذکر کیا کہ لوگ ان لوگوں کی جو غاروں یا سمندری جزیروں میں کن رہ کش ہو جاتے ہیں، تعظیم کرتے ہیں اور میں نے بھی ان کی بہت تعریف کی اور کہا کہ یہ لوگ حق سبحانہ کی عبادت کرنے کی غرض سے لوگوں سے کن رہ کش ہو جاتے اور لوگوں سے عیلمدگی اختیار کر لیتے ہیں اس پر حضرت نے فرمایا: میں ایک قصہ بیان کرتا ہوں، اسے سنو اور اگر میں اس میں ذرا بھی اپنی طرف سے اضافہ کروں تو اشد مجھ سے باز پرس فرماتے۔ میں نے عرض کیا معاذ اللہ اس کا ہمیں وہم و گمان بھی بھی نہیں ہو سکتا۔

فرمایا: ایک روز میں حضرت منصور قطب کے پاس باب الفتح میں نماز گاہ میں بیٹھا تھا کہ یکایک میں خیال آیا کہ سمندر کے اس جزیرہ میں جاتیں جس کے کنارے پر شہر واقع ہے چنانچہ ہم گئے اور دیکھا کہ تقریباً ایک میل رقبہ کا جزیرہ ہے جس میں میٹھے پانی کے دو چشمے جاری ہیں۔ وہاں ہمیں ایک شخص ملا جس کی عمر قریب چالیس سال کے ہوگی اور وہ اللہ کی عبادت کر رہا تھا اسی جزیرہ میں پتھر تراش کر گھر بناتے گئے تھے۔ ان گھروں کے وسط میں ایسی چھوٹی چھوٹی کھڑیاں تھیں جیسے حمام کے اندر ہوتی ہیں۔ معلوم نہیں انہیں کس نے تراشا تھا، اس لیے کہ یہ جگہ آبادی سے بہت ہی دور ہے اور وہاں کوئی پنہتا بھی نہیں۔ البتہ کبھی کوئی کشتی وہاں پہنچ جاتی ہے۔ وہاں دو قسم کے درخت تھے ایک قسم کے درخت کو بادام کا شکل کا پھل لگتا ہے مگر یہ بادام سے مختلف ہوتا ہے اور دوسری قسم کا درخت ایسا ہے جیسے ہمارے ہاں کا تھزار کا درخت مگر یہ درخت تو اس سے چھوٹا ہوتا ہے اور اس کے پتے چوڑے مگر ہمیشہ سبز رہتے تھے۔ انی دونوں درختوں کے پھل اس عابد کی خوراک تھی اور اس کے لباس کی طرف نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ اس نے تھزار کی تیلی تیلی ٹہنیوں کو باہم گوندھ کر کر بند سا بنالیا تھا اور ستر عورت کر لیا تھا اور باتی اندھ بدن کا حصہ لنگا تھا۔ پھر ہم نے اس سے باتیں شروع کر دیں اور پوچھا کہ تم اس مقام میں کب سے ہو؟ اس نے کہا: تقریباً چالیس برس سے۔ ہم نے کہا: تمہاری تو کل مسمری چالیس سال کے قریب معلوم ہوتی ہے پھر تم یہاں کب آئے؟ جواب دیا: کہ ابھی میں پانچ برس کا تھا کہ اپنے باپ کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ پھر قریب پچیس سال میں اپنے باپ کے ساتھ رہا۔ آخر ان کا انتقال ہو گیا اور میں نے ان کو یہیں دفن کر دیا، ہم نے کہا کہ ان کی قبر ہمیں دکھاؤ کہ زیارت کریں چنانچہ اس نے قبر دکھائی اور ہم نے مرحوم کے لیے دعائیں مغفرت کی۔ ہم پھر اس سے باتیں کرنے لگے۔ چونکہ اس کا لوگوں سے کم میل جول ہوتا تھا اور پھر ہمیں ہی سے یہاں آگیا تھا اس لیے اس کی زبان بہت ہماری تھی اور چونکہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو تونس کے قرب و جوار میں رہتے ہیں

اس لیے عربی زبان بولتا تھا پھر ہم نے اس سے ایمان کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اللہ کو پہچانتا ہے مگر حجت کا معتقد ہے (کہ آسمان پہلے اہم نے اسے اس خیال سے روکا اور صحیح عقیدہ بتا دیا نیز ہم نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی واقف پایا اور اس سے بھی کہ آپ سید الاولین والآخرین ہیں۔ وہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت فاطمہؓ بنت الرسولؐ سے بھی واقف تھا۔ ہم نے اس سے ان کے فرزند حضرت حسنؓ کی بابت سوال کیا تو معلوم ہوا ان سے واقف نہیں ہے پھر ہم نے ماہ رمضان کے متعلق دریافت کیا تو اس سے بھی ناواقف پایا لیکن اس نے بتایا کہ سال بھر میں متفرق طور پر تیس دن کے روز رکھتا ہے اس پر ہم نے اسے بتایا کہ رمضان کے روزے فرض ہیں اور سال میں ماہ رمضان کا مہینہ بھی متعین کر کے بتایا کہ نفل مہینہ رمضان کا ہوتا ہے۔ نیز ہم نے پوچھا کہ کیا کچھ قرآن مجید بھی یاد ہے تو اسے صرف **الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ - الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ - الَّذِي أَنْعَمْتَ عَلَيْهِ** اور اسی طرح غلط یاد تھا ہم نے کہا: عبادت کیسے کرتے ہو؟ کہنے لگا: اللہ کے لیے رکوع اور سجدہ کر لیتا ہوں۔ ہم نے پوچھا کیا سوئے بھی ہو؟ جواب دیا کہ ہاں سورج ڈوبنے کے وقت سے سوتا ہوں میان تک کو خوب اندھیرا ہو جاتے اور باقی رات رکوع و سجود میں گزار دیتا ہوں۔ پھر میں نے کہا کیا تم اسلامی ملک میں چلو گے تاکہ انکے ساتھ رہو کیونکہ تو مسلمان ہے اور ان کے نبی پر تمہارا ایمان ہے کہنے لگا ہاں میں بھی مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں مگر اپنی جگہ سے نکلنا نہیں چاہتا حتیٰ کہ یہیں موت آجائے اور چونکہ وہ انسانوں سے مانوس نہ تھا اسی لیے جب ہم باتیں کرتے کرتے اس کے قریب آ جاتے تھے تو وہ ہم سے بھاگ جاتا تھا اور وہ ہماری غذا بھی کھا نہ سکتا تھا اور نہ ہی اس کا وجود اسے برداشت کر سکتا تھا اس لیے کہ عرصہ سے دوسری غذا کا عادی تھا۔ ہم نے دیکھا کہ قریب ڈیڑھ پاؤ ذرا ریال (چاندی کا ایک سکہ ہے جو تقریباً دو روپے دس آن کے برابر ہوتا ہے) اس کے پاس ایک طرف پڑے ہیں جن میں چند طلائی مشقال بھی تھے۔ ہم نے پوچھا کہ یہ تمہارے پاس کہاں سے آئے؟ کہنے لگا بعض اوقات کشتی والے اس جزیرہ میں آ جاتے ہیں اور وہ مجھے دیکھ کر میری زیارت اور مجھ سے دعا کی غرض سے چند ریال یا دینار دے جاتے ہیں۔ میں ان کے لیے دعا کرتا ہوں اور وہ چلے جاتے ہیں۔ ہم نے کہا یہ دینار ہیں دے دے کیونکہ تجھے تو ان دیناروں اور ریالوں کی ضرورت ہے اور نہ ہی تو نے مکان بنانا ہے نہ شادی کرنا اور نہ کپڑے بنانا ہے اور میں ان کی ضرورت ہے لیکن اس نے وہ دینار دینے سے انکار کر دیا۔ غرض ہم دیر تک اس کے پاس رہے اور اسے احکام شریعت سکھاتے رہے۔ اس کے بعد رخصت ہوئے اور چل دیے۔ جب اس نے دیکھا کہ ہم سلع اکب پر پاؤں سے چل رہے ہیں۔ نہ پانی ہم پر پڑتا ہے اور نہ ہم ڈوبتے ہیں تو ہمارے متعلق یہ خیال کرنے لگا کہ ہم

شیاطین میں اور ہم سے اللہ کی پناہ مانگنے لگا۔

حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ وہ اب تک اسی جزیرہ میں بقید حیات ہے اور اس روز ۲۷ ذوالحجہ ۱۱۲۰ھ کی تاریخ تھی۔

موتف کتاب ہے کہ اس حکایت میں کئی ایک موعظ ہیں۔ اول اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو جانتا جو ہمیں مسلمانوں کے ساتھ ملنے جلنے سے حاصل ہوتی ہے اس لیے کہ اس سے ہیں اسلامی احکام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی زندگی اور سیرت کے حالات معلوم ہوتے ہیں اور یہ کہ آنحضرت اور صحابہ کا زمانہ کیا تھا وغیرہ امور جن سے ایمان بڑھتا ہے چنانچہ مسلمانوں سے اختلاف نہ رکھنے کی وجہ سے یہ شخص ان حالات سے واقف نہ ہو سکا یہاں تک کہ مجھے حضرت سے کہنا پڑا کہ اس کے باپ نے اسے بہت نقصان پہنچایا کہ اس جزیرہ میں اسے لے آیا اور اسے مسلمانوں سے منقطع کر دیا۔ اگر اسے وہیں رہنے دیتا تو اس کے لیے بہتر ہوتا۔ حضرت نے فرمایا تو ٹھیک کہتا ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی خواہ وہ اللہ کے نافرمان ہی کیوں نہ ہوں، کیا قدر و قیمت ہے کیونکہ دین اور احکام شریعت کی معرفت کے برابر کوئی چیز نہیں ہو سکتی لہذا اللہ کا شکر ہے کہ ہمارا اختلاف مسلمانوں سے ہے اور ہم بازاروں میں بھی انہی سے ملتے ہیں بالخصوص جبکہ ہم ان سے ایسے مقامات پر مل بیٹھیں جہاں نیک کام ہوتے ہوں۔ اسی لیے تو شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے چہروں کو دیکھنے سے بھی ایمان زیادہ ہوتا ہے۔

دوم: ان نعمتوں کی معرفت جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر کھانے، پینے، پہننے، سونے، آرام کرنے، شادی کرنے اور نسل پیدا کرنے وغیرہ میں کیا ہیں کہ یہ عابد ہیسا کہ ان نعمتوں کی معرفت سے محروم تھا۔ اسی طرح ان نعمتوں سے بھی محروم تھا۔ اگر وہ مسلمانوں میں رہتا تو ان نعمتوں سے حظ اٹھاتا اور ان پر اللہ کا شکر یہ ادا کرتا اور ان نعمتوں پر اس کا شکر کرنا اسی جزیرہ میں اس کی عمر بھر کی عبادت کے برابر ہوتا۔ سوم: اکثر لوگوں کو بن باسی فیقروں اور گوشہ نشینوں کے متعلق دھوکا ہوتا ہے اور وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ صاحب کمال لوگ ہیں اور یہ کہ جس مرتبہ کو یہ پہنچے ہوتے ہیں، وہاں وہ ادویہ، عمارتیں نہیں پہنچ سکتے جو لوگوں میں مل سکتی ہیں۔ حالانکہ میں نے اکثر حضرت کو فرماتے سنا کہ بعض اوقات ان انوارِ ایمان کو دیکھتا ہوں جو لوگوں کی ذات سے نکلتے ہیں تا آنکہ وہ انوارِ برزخ میں جا رہے ہیں اور یہ انوارِ برزخ رقت اور غلطی کے اعتبار سے الگ الگ ہوتے ہیں کیونکہ رقتِ ایمان کی کزوری کی علامت ہے اور غلط قوتِ ایمان کی مزید برآں ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ غاروں یا جنگلوں میں چلے جاتے ہیں تو چند آدمیوں کے سوا ان کے

نورایمان رقیق دکھائی دیتے ہیں اور جب عامۃ المؤمنین پر نظر دوڑاتے ہیں تو ان کے انوار ان بن بایسوں کے بہتر دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام کا اعتقاد اللہ سبحانہ کے فضل و کرم پر ہوتا ہے اور عبادت گزاروں کا اعتقاد اکثر اپنی عبادت پر ہوتا ہے۔

پھر فرمایا: عباد اپنی عبادت کے ذریعے نجات نہیں پاسکتا جب تک کہ باطن اس کو اپنے رب کی طرف سے نہ سمجھے اور اس کا یہ خیال و فکر دائمی ہونا چاہیے، لیکن اگر یہ خیال و فکر ذرا بھی ہٹ گیا تو وہ سلامتی کی نسبت ہلاکت کے زیادہ قریب ہوگا۔

(مولف لکھتا ہے) جب میں نے یہ قصہ حضرت سے سنا تو اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو پہچان کر جو اللہ نے ہم پر کی ہیں مگر ہم ان سے غافل ہیں، مجھ پر بہت رقت و خشوع طاری ہوا۔
اس کے بعد میں نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ اس کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے اسے نکال لاتے اور کسی اسلامی شہر میں آباد کر دیتے تاکہ وہ آرام پاتا اور اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرماتا۔
حضرت نے فرمایا: یہ وہ مقام ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقرر رکھا ہے۔ پاک ہے وہ خدا جس کی قدرت میں یہ تمام کائنات ہے۔

حضرت نے فرمایا: جو شخص سطح زمین کی عجائبات پر نظر کرے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت معلوم کرنے کے لیے یہی کافی ہے۔ کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ اسے سطح زمین پر کئی قسم کی مخلوقات اکٹھی نظر آتے گی چنانچہ ان میں بعض عاقل ہوں گے اور بعض غیر عاقل، کوئی خوشحال اور کوئی بد نصیب، کوئی کسی کو قتل کر رہا ہے اور کوئی کسی پر ترس کھا رہا ہے کوئی امور دنیا میں غور کر رہا ہے، کوئی امور تجارت میں اور کوئی پڑوسیوں کے معاملات میں کوئی علمی بحثوں میں لگا ہوا ہے اور کوئی امور آخرت میں۔

حضرت نے فرمایا: میرے شیخ عمر بن محمد اھواری نے ذکر فرمایا کہ وہ جمہورات کو بابِ محمدی میں بیٹھے ہوئے تھے اور دروازہ سے باہر نکلنے والوں کے باطن پر نظر ڈال رہے تھے چنانچہ ایک شخص نکلا اس کے باطن کو دیکھا تو اس کی تمام تر توجہ اپنی نفلِ محبوبہ کی طرف تھی کہ اس کو حاصل کرنے میں کیسے کامیاب ہو۔ یہ خیال اس پر اس طرح مسلط ہو چکا تھا کہ اس نے اسے باقی تمام چیزوں سے غافل کر رکھا تھا، پھر وہ نکلا۔ دیکھا تو اس کا دل بھی پلے شغف کی طرح تھا مگر اس کا تعلق رولکے سے تھا، پھر تیسرا نکلا تو اس کا دل دنیا سے لگا ہوا تھا اور دنیا کی فکر اس پر اس طرح مسلط ہو چکی تھی کہ کسی اور بات کا خیال ہی نہ گزرتا تھا۔ پھر چوتھا نکلا تو اس کا باطن شراب نوشی کی محبت میں چور تھا، صرف اسی کی اسے آرزو تھی اور اس کے

سوا کسی اور چیز کا اسے خیال نہ تھا۔ پھر پانچواں نکلا تو اس کے خیالات آخرت اور امور آخرت میں
 جولانی کرتے تھے۔ یہ خیالات اس طرح اس پر غالب آچکے تھے کہ ان کا اثر اس پر نمایاں تھا
 جیسا نکلا تو اس کا دل علم اور تحصیل علم کی محبت سے معمور تھا۔ اس کے سوا کسی چیز کا اسے خیال
 بھی نہ آتا تھا۔ پھر ساتواں نکلا تو اس کا تمام تر فکر گھوڑے کی سواری کی محبت میں غرق تھا اور یہ
 خیال اتنا غالب آگیا تھا کہ باقی سب کچھ بھلا دیا تھا۔ آٹھواں نکلا تو اس کے خیالات کھیتی کی محبت میں
 لگے ہوئے تھے کہ اس کے لیے کسی طرح دوڑ دھوپ کرے اور کسی اور بات کا خیال ہی نہ آتا تھا پھر نواں
 نکلا تو اس کا دل سید الوجود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں معمور تھا اور اس کا اتنا غلبہ تھا کہ احوال
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دوسری طرف اس کا خیال ہی نہ جاتا تھا۔ یہی سوچا کہ نبشت سے پہلے
 آپ کے کیا حالات تھے اور نبشت کے بعد کیا، پھر یہ سوچا کہ وحی اترنے کے بعد آپ کے کیا احوال تھے
 کہ میں آپ کیسے طرح رہے اور مدینہ میں کیسے طرح رہے۔ پھر دسواں نکلا تو اس کا دل اللہ رب العالمین
 کی محبت سے معمور تھا چنانچہ اس کے خیالات اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال اور تقدس میں اور اس کی
 صفات عالیہ میں دوڑتے تھے۔

حضرت عمر بن محمد فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اس امر باطن پر نظر ڈالی جو ان سب میں حاکم
 اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ان میں پیدا ہوا تھا تو میں نے ان کے باطن میں انہیں ایسا پایا کہ ایک رسی
 شیرتِ ایزدی کی طرف کھینچنے لیے جارہی ہے مگر وہ اس سے بے خبر ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ فعل ان کی
 اپنی طرف سے ہے اور اپنے اختیار سے ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ اس سے مجھے بہت عبرت حاصل ہوئی اور مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ کے سوا کوئی
 معبود نہیں اور اللہ کے ملک میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے فیصلہ
 کرتا ہے۔ اس کے فیصلہ کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور وہ بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔ نمازات تو بہت بڑی
 غفلت اور حجاب میں پڑی ہے۔

موت کتنا ہے کہ اسی قسم کی فکر عارفین کو ہی ہوتی ہے اور میں نے حضرت سے سنا کہ فرما رہے تھے کہ
 دو شخص کسی ایک جگہ سے گزرتے ہیں اور ابھی تھوڑا ہی پہلے ہوتے ہیں کہ ان میں سے ایک کو مغفرت حاصل
 ہو جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا یہ کیسے؟ فرمایا اس کی مغفرت کی وجہ سے کہ وہ اللہ کی مخلوق میں کسی طرح غور
 فکر کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ چلنے والا غافل اور بے خبر ہوتا ہے۔

خدا تجھے توفیق دے اس باب کے متعلق حضرت کا جو فرمان ہمیں معلوم ہو سکا وہ ہم نے لکھ دیا۔ اگر

اس کے ساتھ خواب کی تعبیر کے بیان میں جو ہمتوں کے دس درجے بیان کیے ہیں: شوکر وہ، شوکر ام، شوکر وہ، شوکر ام، عقیدہ خفیفہ میں جہل بسیط، عقیدہ خفیفہ میں جہل مرکب، عقیدہ ثقیلہ میں جہل بسیط اور اس میں جہل مرکب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے متعلق جہل بسیط اور اس میں جہل مرکب کے درجات کو بھی ملا دیا جائے اور دونوں میں جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے انسان واقف ہو جائے تو اسے بہت بڑی معرفت حاصل ہو جائے گی۔ خدام ہر کسی کو حضرت کی برکت سے فائدہ پہنچائے۔ آمین۔ والحمد للہ رب العالمین۔



چوتھا باب

دیوان صالحین رضی اللہ عنہم جنین

حضرت نے فرمایا کہ صالحین کا دیوان اسی غار حرا میں لکھا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت سے پہلے عبارت کیا کرتے تھے۔ غوث غار کے باہر اس طرح بیٹھتا ہے کہ مکہ اس کے دائیں شانہ کے پیچھے ہوتا ہے اور مدینہ اس کے دائیں گھٹنے کے سامنے اور چار قطب اس کی دائیں جانب ہوتے ہیں اور یہ باقی تینوں مذاہب نے لطف کی بات ہے کہ جو چیز مونیار کے ہاں تو ان کی حد تک پہنچی ہوئی ہے اور جو ایک حقیقت ہے، اس کے خلاف بھی کتاب لکھی گئی۔ چنانچہ شیخ عزالدین بن عبدالعزیز بن عبدالسلام الدمشقی متوفی ۶۶۰ھ نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام رسالۃ فی القطب والغوث والابدال الاربعین وغیرہم۔ اسی رسالہ میں انھوں نے قطب وغیرہ کے وجود کو باطل قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ان کے وجود کا کوئی جواز ہی نہیں پایا جاتا۔

(کشف الظنون: ۱: ۴۲۸)

میں یہاں اس کتاب کی تردید کے متعلق صرف ایک حدیث کی طرف اشارہ کر دیتا ہوں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَنَا الْقَائِمُ وَاللّٰهُ يُعْطِي دِينَہِ وَالْاَقْرَبُ مَعِہِ مِکْرٌ مِّنْ تَقْسِیمِ کَرَامِہِ۔

یاد رہے کہ عز بن عبدالسلام کو باہر علم و فضل ابتدا میں صوفیہ سے لگتی چنانچہ انھوں نے محض اللہ اللہ کا ذکر کرنے کو بدعت قرار دیا ہے جس کا وجہ ہے صوفیہ کہ اس کے روپی رسالے لکھے پڑے چنانچہ قطب قطبانی متوفی ۳۳۰ھ عارف باللہ مصنف متوفی ۳۳۰ھ اور شیخ عبدالکیم خلوقی نے اس کے روپی رسالے لکھے (مخاضی: ۱: ۲۸۱) خلاصہ یہ کہ حدیث میں صراحت ان کے وجود کا ذکر آیا ہے چنانچہ سیولی نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے (مخاضی: ۲: ۲۳۳) قطبانی کی کتاب کا نام کتاب الانوار فی الادبۃ والاذکار ہے (کشف الظنون: ۲: ۱۴۱) اور انہ

(بقیہ مانشیہ اگلے صفحہ پر)

میں سے ایک ایک ہوتا ہے۔ وکیل غوث کے سامنے ہوتا ہے جسے قاضی دیوان کہتے ہیں۔ آج کل یہ بھی مالکی مذہب کا ہے اور نبی خالد میں سے ہے جو بصرہ کی ایک جانب سکونت پذیر ہیں ان کا نام محمد بن عبد الکریم البصرادی ہے۔ غوث وکیل سے بات کرتا ہے اور اسے وکیل بھی اسی مناسبت سے کہلاتا ہے کہ یہ تمام اصحاب دیوان کی ترجمانی اور وکالت کرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ ساتوں قطب غوث کے حکم سے تعریف کرتے ہیں اور ہر قطب کے ماتحت امدادی جماعت ہوتی ہے اور اس کے حکم سے تعریف کرتے ہیں اور وکیل کے پیچھے چھ صفیں ہوتی ہیں جن کا حلقہ چوتھے قطب سے شروع ہو کر اس قطب پر ختم ہوتا ہے۔ جو تین قطبوں کی بائیں جانب ہے چنانچہ یہ سات قطب حلقہ کی ایک طرف کا کام دیتے ہیں یہ پہلی صف ہے اسی طرح اس کے پیچھے دوسری صف ہوتی ہے، اعلیٰ لہذا تقیاس چھٹی صف تک۔ پھر فرمایا کہ کچھ عورتیں بھی اس دیوان میں حاضر ہوتی ہیں مگر ان کی تعداد کم ہوتی ہے اور ان کی تین صفیں بائیں جانب کے قطب ثلث کی جانب اور صف اول کے دائرہ سے اوپر غوث اور اقطاب ثلث کے درمیان خالی جگہ میں ہوتی ہیں۔

بقیہ ماثیہ صفحہ سابقہ

ابو السعادات عبد اللہ بن اسحاق یافعی نے الارشاد والنظر میں فی فضل ذکر اللہ سبحانہ و تعالیٰ و تلاوة کتابہ العزیز لکھی۔

ترجمہ کتاب ہے کو علامہ جلال الدین السیوطی کے رسالہ کا نام الخیر المندال علی وجود القطب والاداء والنجباء والابدال ہے اس رسالہ کا ابتداء ہوتا ہے: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي نَادَتْ بَيْنَ خَلْقِهِ فِي الْمَوَاتِبِ (كشف الظنون: ۱: ۳۵۲) مصطفیٰ بن احمد الحالی شافعی نے ترک زبان میں ایک کتاب لکھی جس کا نام حلیۃ الرجال فی الاقطاب والنجباء والابدال رکھا (كشف الظنون: ۱: ۲۴۷) شیخ عالم بن السیامہ الرزنی نے بھی رجال الغیب کے متعلق ایک رسالہ لکھا جس کا نام شوق الجیب فی معرفۃ اهل الشفاء والغیب ہے (كشف الظنون: ۱: ۵۰۲) شیخ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بمبسی القسائی سنن اسلم نے نور الیقین فی شرح حدیث ادب الارشاد المتقین لکھی جس میں نقباء و نجباء اور بدلاء رجال المقامات کا ذکر کیا ہے (كشف الظنون: ۱: ۴۵۵) اور شیخ عبدالغفار بن عبدالحمید نے اپنی کتاب وحید فی سلوک اهل التوحید میں بھی برائیم کے اقطاب و اتمام کا ذکر کیا ہے یہ کتاب احمد نے سنہ ۸۰۰ میں اسکندریہ میں لکھی (كشف الظنون: ۱: ۴۱۳) عز بن عبد السلام نے بعد میں توبہ کر لی تھی۔

گزشتگان میں سے بعض کا ملین
بھی دیوان میں حاضر ہوتے ہیں

حضرت نے فرمایا کہ گزشتہ لوگوں میں سے بعض کا ملین بھی
دیوان میں حاضر ہوتے ہیں۔ صرف تین باتوں سے ان کی
شناخت ہوتی ہے، پہلی یہ کہ ان کا لباس اور ہیئت

نہیں بدلتی برخلاف زندہ کے کہ اس کی ہیئت اور لباس بدلتا رہتا ہے چنانچہ کبھی زندہ کے بال منڈے
ہوتے ہیں اور کبھی نئے کپڑے پہنے ہوتے ہیں وغیرہ مگر اموات اولیاء کی حالت نہیں بدلتی۔ چنانچہ اس
مجلس میں جب ایسے شخص کو دیکھو جس کی ہیئت بدلتی ہی نہیں مثلاً یہ کہ اس کے بال منڈے ہوں اور پھر
اگلیں ہی نہیں تو سمجھ لو کہ وہ اموات میں سے ہیں اور اسی حالت میں اس کی وفات ہوئی۔ اسی طرح اگر دیکھو
کہ اس کے سر کے بال نہ گھٹتے ہیں اور نہ بڑھتے ہیں تو اس سے بھی سمجھ لو کہ وہ اموات میں سے ہے اور اس کی
موت اسی حالت میں ہوئی ہے۔

دوسری علامت یہ ہے کہ زندہ لوگوں کے معاملات میں ان
لوگوں سے مشورہ نہیں لیا جاتا۔ اس لیے کہ انہیں زندوں
کے امور میں تصرف کرنے کا اختیار ہی نہیں ہے کیونکہ وہ

اموات اولیاء سے زندوں کے امور
کے بارے میں مشورہ نہیں کیا جاتا

تومتعلق ہو کر ایسے جہان میں جا چکے ہیں جو اس جہان سے بالکل مختلف ہے، صرف عالم اموات کے امور
کے متعلق ان سے مشورہ کیا جاتا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ زیارت قبور کے آداب میں سے
ہے کہ جب کسی مردہ کیلئے دعا کرنا چاہے اور قبولیت
دعا کے لیے کسی دل کا وسیلہ لائے تو فوت شدہ دل کا

مردوں کے لیے دعا و مغفرت کرتے وقت
فوت شدہ اولیاء میں سے کسی کا وسیلہ لانا چاہیے

وسیلہ لائے کیونکہ اس طرح مراد پوری اور دعا قبول ہونے کا زیادہ امکان ہے۔

تیسری علامت یہ ہے کہ اموات کا سایہ نہیں ہوتا چنانچہ اگر میت تمہارے اور سورج کے درمیان کھڑا
ہو تو اس کا سایہ نہ دیکھو گے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی روح حاضر مجلس ہوتی ہے نہ کہ اس کی ترائی ذات
فانیہ اور روح خفیف و شفاف ہوتی ہے اس میں نقل اور کثافت نہیں ہوتی۔

اس کی تائید شیخ ابوالحسن علی قزوینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے کہ اس قول سے ہوتا ہے "جب دل وفات پا جاتا ہے تو دنیا
سے اس کا تصرف فقہا کسی کہ مدد کرنا وغیرہ ختم ہو جاتا ہے لہذا اگر کسی زیارت کنندہ کو نیشان حاصل ہوا اس کی کوئی
 حاجت پوری ہو تو یہ صاحب وقت قطب کے ذریعہ سے ہوتی ہے جو زائر کو فوت شدہ دل کے مرتبہ کے مطابق

مدد پہنچاتا ہے (طبقات ج ۲ - صفحہ ۹۲)

آپ نے فرمایا: اکثر میں مجلس دیوان یا ادلیہ کے کسی مجمع میں جاتا ہوں اور سورج نکل چکا ہوتا ہے اور وہ مجھے دور ہی سے دیکھ کر استقبال کرتے ہیں جو اموات آتے ہیں وہ بزرخ سے اتر کر روح کی پرواز اڑتے ہوئے آتے ہیں مگر جب دیوان کے قریب پہنچتے ہیں تو زمین پر اتر کر پاؤں سے چلتے ہوئے مجلس میں آتے ہیں بوجہ احیاء کے ادب و احترام اور ان سے خوف و ہیبت کے اور یہی حال رجال غیب کا ہے کہ جب ایک دوسرے سے ملنے کو آتے ہیں تو روح سے چل کر آتے ہیں مگر اس جگہ کے قریب پہنچتے ہیں تو ادب اور ڈر کے مارے اپنی ذات ثقلید سے چلتے ہیں۔ فرمایا: دیوان میں فرشتے بھی حاضر ہوتے ہیں مگر وہ صفوں کے پیچھے ہوتے ہیں اور کامین جنات بھی آتے ہیں جن کا نام روحانیون ہے اور وہ سب کے پیچھے بیٹھتے ہیں مگر ان کی پوری ایک صف بھی نہیں ہوتی۔

دیوان میں جن و ملائکہ کے
حاضر ہونے کا سبب !
حضرت نے فرمایا: کہ ملائکہ اور جنوں کے حاضر ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ ادلیہ اللہ کا تصرف ان امور میں بھی ہوتا ہے جو ان کی قدرت میں ہوتے ہیں اور ان امور میں بھی جو ان کی قدرت سے باہر ہوں لہذا

جو امور ان کی قدرت سے باہر ہوتے ہیں ان میں وہ ملائکہ اور جنات سے مدد لیتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی فرمایا کہ کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی انی مجلس میں شرکت فرماتے ہیں اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے ہیں تو غوث کی جگہ پر تشریف رکھتے ہیں اور غوث

وکیل کی جگہ پر بیٹھتا ہے اور وکیل پیچھے ہٹ کر صف والوں سے جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف دیتے ہیں تو آپ کے ساتھ وہ انوار آتے ہیں جن کے برداشت کرنے کی کسی میں طاقت نہیں اور یہ انوار جلا دینے والے گھبرا دینے والے اور دم میں قتل کر دینے والے ہوتے ہیں اور یہ ہیبت و جلال و عظمت کے انوار ہیں یہاں تک کہ فرض کر دیا جائے کہ چالیس آدمی ہیں جو شہادت کے استہلال و جہر پر پہنچے ہوئے ہوں اور ہر ایک ایک یہ انوار ان کے سامنے آجائیں تو یقیناً وہ سب یکدم بیہوش ہو کر گر پڑیں گے مگر حق تعالیٰ اپنے ادلیہ کو ان انوار کو پالنے کی طاقت عطا فرمادیتا ہے لیکن اس کے باوجود بہت ہی کم اہل ہنس ہوتے ہیں جو ان امور کو محفوظ رکھ سکتے ہیں جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی کے وقت ملے پاتے ہوں فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غوث سے گفتگو فرماتے ہیں۔

۱۔ شیخ ابوالفضل عبدالقادر بن حسین بن علی شاذلی نے مشہدہ میں ایک کتاب لکھی جس کا نام الکواکب الزاهرة فان

اجتماع الاولیاء بسید الدنیاء والاخرۃ رکھا (کشف الظنون ۲۱: ۱۹۴)

اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دیوان میں تشریف فرما نہیں ہوتے تو غوث کے لیے خارق عادت انوار ہوتے ہیں کہ اہل مجلس غوث کے قریب بھی نہیں جاسکتے بلکہ دور بیٹھتے ہیں۔ پس جو امر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔ اس کی طاقت آنحضرت کی ذات کے سوا کسی میں نہیں اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ امر نکلتا ہے تو اس کی طاقت غوث کی ذات کے سوا کسی میں نہیں ہوتی اور پھر غوث کی طرف سے وہ امر ساتوں اقطاب پر پھیلتا ہے اور ساتوں اقطاب سے اہل مجلس پر۔

دیوان کا وقت جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا اس مجلس کا وقت وہی ساعت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اور رات کے آخری تیسرے حصہ کی یہی دو ساعت اجابت ہے جس کا احادیث میں ذکر آیا ہے کہ ہر رات اللہ تعالیٰ دنیا کے آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے جبکہ رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے اور فرماتا ہے کوئی ہے جو مجھ سے دعا مانگے پس میں قبول کروں۔ الحدیث

ساعت قبولیت پانے کا طریقہ مؤلف فرماتے ہیں کہ جو شخص اس نیک ساعت کو پانا چاہے تو وہ سوئے وقت سورہ کف کی آخری آیت

اِنَّ الْاٰدِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَاَمَتْ لَکُمْ جَنّٰتٌ اَلْفُزْدُوْا س نَزَّلْنَا الدِّیْنَ
بَیْنَهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا جَوْلًا قُلْ لَوْ کَانَ الْبَحْرُ مِیْۤا اِذَا الْکَلِمٰتُ رُبّیْ نَسْفَعُ الْبَحْرُ
قَبْلَ اَنْ تَنْفَعَ کَلِمٰتُ رَبّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدًّا لَہْلَ اِنَّا اَنَابَشْرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی
اِلَیْۤا اِنَّمَا الْکَلْمُ اِلَیَّ وَاجِدٌ۔ فَمَنْ کَانَ یُرْجُو لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَابِغًا
وَلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃٍ رَبِّہٖ اُحَدِّثْ اُڑے اور دعا کرے کہ یا اللہ مجھے وقت مذکور میں بیدار
کر دینا تو اس کی آنکھ میں اس وقت کھل جائے گی۔ یہ شیخ عبدالرحمن ثمالی کا بیان ہے ہم نے بھی بلا
اسے آزمایا ہے اور اردوں نے بھی اس کا تجربہ کیا ہے حتیٰ کہ اکثر ایسا ہوا کہ متعدد آدمیوں نے یہ آیت
پڑھ کر اس وقت پر جاگنے کی دعا مانگی اور کسی ایک کو دوسرے کی نیت کا علم نہ تھا مگر جب بیدار ہوئے
تو ایک ہی وقت میں۔

یہ شیخ عبدالرحمن ثمالی : عبدالرحمن بن محمد الثمالی الجزائری متوفی ۱۰۸۰ھ۔ انھوں نے العلوم الفاعورۃ
فی النظر فی امور الاخرۃ لکھی ہے۔

امتِ محمدیہ سے پہلے

اصحابِ دیوان ملا کرتے تھے!

میں نے حضرت سے سنا کہ قدیم زمانے میں اہل دیوان فرشتے ہو کرتے تھے لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو دیوان اس امت کے اولیاء سے معمور ہونے لگا اس سے یہ

معلوم ہوا کہ یہ فرشتے اس امت شریفہ کے اولیاء کے نائب تھے چنانچہ ہم نے دیکھا ہے کہ جب کوئی دل دینا میں آیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے فتح نصیب فرما کر اہل دیوان بنایا تو وہ اپنی مخصوص جگہ پر صرف اول میں ہو سکتی اور جگہ پر آکر بیٹھتا تو اس جگہ کا فرشتہ آسمان پر چڑھ جاتا پھر جب دوسرا دل آیا اور اپنی جگہ پر آ بیٹھا تو اس جگہ کا فرشتہ آسمان پر چڑھ جاتا، اس طرح دیوان کی ابتدا ہوتی تاکہ وہ مکمل ہو سکے و لہذا الحمد کہ جب ولی ظاہر ہوا تو فرشتہ اٹھ گیا۔ اب رہے وہ فرشتے جو ابھی تک باقی ہیں اور جمیوں و صلوٰۃ کے پیچھے بیٹھے ہیں۔ جیسا کہ ذکر ہوا وہ (اہل دیوان نہیں بلکہ) ذاتِ محمدی کے وہ فرشتے ہیں جو دنیا میں ذاتِ شریفہ کے محافظ تھے اور چونکہ ذاتِ محمدی کا نور اہل دیوان میں پھیلا ہوا ہے اس لیے نور شریف کے ساتھ ذاتِ شریفہ کے فرشتے موجود رہتے ہیں۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیوان میں تشریف لاتے ہیں اور آپ کے ساتھ ناقابلِ برداشت انوار آتے ہیں تو یہ فرشتے جو اہل دیوان کے ساتھ ہوتے ہیں بڑی تیزی سے نور محمدی میں سما جاتے ہیں اور جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیوان میں تشریف رکھتے ہیں ان میں سے کوئی فرشتہ نظر نہیں آتا مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے ہیں تو وہ فرشتے اپنی اپنی جگہ پر لوٹ آتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ہر شہر میں اولیاء کی مدد کے لیے

فرشتوں کی ایک جماعت ہوتی ہے

حضرت نے فرمایا کہ ہر شہر میں ان امور میں مدد کے لیے جو اہل تصرف اولیاء کی طاقت سے باہر ہوں فرشتوں کی ایک جماعت موجود رہتی ہے کسی جگہ ستر اور کہیں اس

سے کم اور کہیں زیادہ۔ یہ فرشتے انسانی شکل میں ہوتے ہیں چنانچہ کوئی خواجہ کی صورت میں ہوتا ہے اور کوئی فقیر کی صورت میں اور کوئی چھوٹے بچے کی صورت میں اغرض یہ ہے کہ ہر شہر میں مگر لوگوں کو ان کا پتہ نہیں چلتا۔ اس بارے میں حضرت نے کئی ایک حکایات بھی بیان فرمائی ہیں جن کے اسرار کی نہ کیفیت بیان ہو سکتی ہے نہ کوئی انکو برداشت کر سکتا ہے ان کے بیان کرنے کا سبب یہ ہوا کہ حضرت نے مجھے ایک شخص سے یہ کہتے ہوئے سنا یا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص بخاری شریف کا ایک پارہ لے کر کسی دل کے مزار پر جائے اور اسے کھول کر اس کے راویانِ حدیث اور اس دل کے وسیلہ سے دعا مانگے تو اس کی مراد پوری ہوتی ہے خصوصاً بخاری شریف کا آخری پارہ۔ اس پر میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟ آپ نے فرمایا

ہر شے میں ملائکہ کی خاص تعداد ہوتی ہے لہذا جب وہ کسی بندہ کو اللہ سے کوئی چیز مانگتے ہوئے دیکھتے ہیں اگر وہ دیکھیں کہ یہ چیز اس کی تقدیر میں لکھی جا چکی ہے تو اسے (دعا کرنے) میں صحیح طریقہ پر لے آتے ہیں اور (دعا کرنے میں) اس کا ساتھ دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ توفیق از دی اس کے شامل حال ہو جاتی ہے اور شیطان اس کے راستہ سے ہٹ جاتا ہے لیکن اگر وہ دیکھیں کہ وہ چیز اس کی تقدیر میں نہیں لکھی ہوئی تو وہ اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دیتے ہیں اور شیطان آ موجود ہوتا ہے لہذا جب وہ کسی کو دیکھتے ہیں کہ بخاری شریف کا پارہ لے کسی مزار پر جا رہا ہے اور پھر دیکھتے ہیں کہ اس کی حاجت (اللہ کے ہاں) حاجت روا ہوئے والی ہے تو وہ اس کو سیدھے طریقہ پر لے آتے ہیں اور اس کے دل میں دعا کرنے میں عجز و انکساری ڈال دیتے ہیں اور مزار تک اس کے ساتھ ہو جیتے ہیں۔ وہ شخص تو صرف پارہ اٹھائے ہوتا ہے اور یہ اس کے اسرار اٹھائے ہوتے ہیں اور جب وہ دعا مانگتا ہے تو یہ آمین کہتے ہیں لہذا اس کی دعا قبول ہوتی ہے لیکن اگر دیکھتے ہیں کہ اس کی حاجت (اللہ کے ہاں) پوری ہونے والی نہیں تو یہ کتاب کے اسرار کو نکال لیتے ہیں لہذا اس کی صرف جسم کتاب لے کر مزار پر جاتا ہے اور راستہ میں شیطان وسوسہ و تشویش لے جاتے ہیں لہذا اس کے جسم کتاب کے اسرار کی دعا میں حلاوت باقی نہیں رہتی۔

میں نے عرض کیا: وہ اسرار کیا ہیں جو جسم کتاب سے زائد ہوتے ہیں اور جنہیں فرشتے نکال لیتے ہیں؟

حضرت نے فرمایا: وہ کیا راز ہے جس کی وجہ سے شہد کا جسم رال کے جسم سے متاثر ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا: مثلاً۔

فرمایا: پھر جسم شہد کے علاوہ ایک صفت ہوتی۔

میں نے عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: اسی طرح ہر کتاب میں ایک راز ہوتا ہے جو جسم کتاب کے علاوہ ہوتا ہے چنانچہ جب شہد کی حلاوت زائل ہو جائے تو اس کا نفع جاتا رہتا ہے اسی طرح کتاب کا مال ہے جب اس کا ترکال کیا جائے۔

فرمایا کہ بہت سے کاغذ اور ورق زمین پر گرے پڑے پائے جاتے ہیں، جن پر اللہ تعالیٰ کے نام لکھے ہوئے ہیں اور لوگوں کے پاؤں کے نیچے آتے ہیں، اگر فرشتے ان اسرار کو نکال لیں تو اکثر لوگ ہلاک ہو جائیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی فَضْلِہِ وَرَحْمَہِ۔ واللہ اعلم

میں نے حضرت سے پوچھا کہ مہربانوں میں سیدنا ابراہیم سیدنا موسیٰ

کیا انبیاء علیہم السلام بھی دیوان میں شرکت فرماتے ہیں

علیہما السلام دو گرا نیار بھی تشریف لاتے ہیں :

فرمایا : سال بھر میں صرف ایک رات تشریف لاتے ہیں ، میں نے پوچھا وہ کونسی رات ہے ؟

فرمایا : شب قدر کیونکہ اس رات دیوان میں تمام انبیاء و مرسلین اور مقرب فرشتوں میں سے ملا علی وغیرہ بھی تشریف لاتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع ازواج مطہرات اور اکابر صحابہ کے تشریف فرما ہوتے ہیں ۔

حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ کے متعلق میں نے حضرت سے حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ کے متعلق ایک دوسرے پر تفصیلت دینے کے بارہ میں جو اختلاف ہے ، دریافت کیا ۔

عائشہؓ میں کون افضل ہے

فرمایا : میں نے شب قدر میں دونوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نور سے زیادہ تھا ۔

حضرت عائشہؓ کی افضلیت

اس کے بعد حضرت نے شب قدر کا سبب بیان فرمایا کہ سورج کی ٹہکی میں نور پیدا کئے جانے سے پہلے دنیا تاریک تھی اور تمام زمین ، آسمان ، غاروں ، میدانوں ،

پہاڑوں اور وادیوں میں فرشتے آباد تھے جب اللہ تعالیٰ نے سورج میں نور پیدا کیا اور دنیا کو اس سے روش

کر دیا تو آسمان اور زمین کے فرشتوں میں شور مچا ہو گیا اور انہیں دنیا کے تباہ ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا

اور یہ خیال کرنے لگے کہ شاید کوئی بڑی مصیبت ان پر نازل ہونے والی ہے ۔ چنانچہ آسمان کے فرشتے بھی زمین

پر اتر آئے اور زمین کے فرشتوں کے ساتھ مل کر روشنی کے سایہ کی طرف بھاگنے لگے یعنی دن کی روشنی سے

جس سے وہ ناواقف تھے رات کی تاریکی کی طرف جس سے وہ واقف تھے ، ڈرتے ، عاجزی کرتے اور سب

مل کر اللہ کی بارگاہ میں گر گراؤ اتے اور زاری کرتے اور ڈرتے ہوئے اللہ کی خوشنودی چاہتے تھے اور

دعا کرتے تھے کہ کہیں خدا ان پر ناراض نہ ہو جائے ۔ انہیں یہ خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدائ دینے

کا ارادہ کر لیا ہے لہٰذا وہ پھر پہلے کی طرح عاجزی کرنے اور اللہ کی بارگاہ میں گر گراؤ اتے لگے ۔ ہر گز انہیں

لے شکوہ و مبالغہ تھا کہ میں ابوموسیٰ اشعریؓ کا متفق علیہ حدیث مروی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ :
 نَعْلُ عَائِشَةَ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ كَعَفْصِلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ ۔ حضرت عائشہؓ کو دیگر عورتوں پر

تفصیلت اس طرح ہے جس طرح ثرید باقی کماؤں سے افضل ہے ۔

یہی خطرہ لاحق رہتا کہ انہی دنیا تو بالا ہوئی اور جس قدر روشنی بڑھتی جاتی وہ اسی قدر اسی سے سایہ کو بھاگنے چنانچہ ان کی یہی حالت رہی کہ روشنی سایہ کو کم کرتی جاتی اور وہ اس سے بھاگنے بیٹھی کہ ساری زمین کا پیکر لگایا اور جہاں سے پہلے تھے، پھر وہیں آگئے، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ جس بات خطرہ تھا وہ تو واقعہ ہوئی نہیں تو انہیں اطمینان ہو گیا اور وہ زمین اور آسمان میں اپنی اپنی جگہ پر لوٹ آئے اس کے بعد وہ ہر سال ایک رات میں باہم جمع ہونے لگے یہی لیلۃ القدر کی اصل ہے۔

میں نے عرض کیا: اس سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شب قدر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے سے چلی آتی ہے حالانکہ حدیث کے الفاظ سے یوں مستفاد ہوتا ہے کہ یہ رات خاص اُمت محمدیہ کے لیے بنائی گئی۔

فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے اس کا ثواب اور اس کی شناخت اس اُمت کے لیے مخصوص ہے کیونکہ گذشتہ امتوں کو اس کی واقفیت کی توفیق نہیں دی گئی تھی جس طرح جمعہ کی ساعت قبولیت کردہ بھی آدم علیہ السلام کی پیدائش کے دن سے موجود تھی مگر اس کو پانے کی توفیق صرف اسی اُمت شریفہ کو عطا کی گئی اس لیے کہ یہود پر پیش ہوئی تو انہوں نے سبقت کو اختیار کر لیا اور عیسائیوں پر پیش ہوئی تو انہوں نے التوا کو اختیار کر لیا۔ وَفَقْنَا اللَّهَ تَعَالٰی لَهَا بِمَبْنٰیہِ وَجُودِہَا (خدا اپنے فضل و کرم سے ہمیں یہ ساعت پانے کی توفیق دے) واللہ اعلم۔

میں نے حضرت سے جمعہ کی ساعت کا سبب پوچھا۔

ساعت جمعہ کی قبولیت کا سبب

فرمایا: اس کا سبب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اشیاء کو پیدا کر چکے اور اس وقت جمعہ کی آخری ساعت تھی تو تمام مخلوقات نے اللہ تعالیٰ سے دعا و گریہ و زاری کی کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی نعمتیں تمام کرے اور اپنی رضا کے ساتھ ساتھ وہ چیزیں عطا کرے جو ان کی بقا اور بہبود کا سبب ہوں، پھر فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ جمعہ کی ساعت پر مطلع فرمائے اور اسے توفیق بخشے اسے چاہیے کہ وہ اسی قسم کی دعا مانگے اور اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی بھلائی مانگے کیونکہ اس دن مخلوقات کے دل سے یہی دعا نکلی تھی اور انہوں نے محض آخرت کے لیے دعا نہ کی تھی۔ لہذا جس کی دعا اس ساعت مقبول سے موافقت پا جاتے گی اس کی مراد برائے گی، نیز فرمایا کہ یہ ساعت بہت ہی تھوڑی ہے۔ اس قدر ہے جس قدر کہ کوئی شخص اطمینان سے رکوع کو کہے ہر غصہ اپنی جگہ پر لوٹ آئے اور اس کے حقوق اور جوارج میں سکون آجائے۔ نیز فرمایا کہ یہ ساعت فتنل ہوتی رہتی ہے۔

(مستحبہ اچھے سفر پر)

لیکن ہوتی جمعہ کے دن ہی ہے چنانچہ کبھی زوال سے پہلے ہوتی ہے اور زوال سے پہلے کی گھڑیوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے اور کبھی زوال کے وقت اور زوال کے بعد ہوتی ہے اور غروب شمس تک کی سماعت میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ چھ ماہ تک قبل زوال ہوتی ہے اور چھ ماہ بعد از زوال۔ ایک مرتبہ یوں بھی فرمایا کہ انصرت علی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں یہ گھڑی اس وقت ہوتی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ یعنی زوال کے وقت

(عاشیہ صفحہ سابقہ)

۱۔ علامہ جلال الدین سیوطی (تواریخ لواءک ج ۱ صفحہ ۹۸-۱۰۰) فرماتے ہیں صحابہ اور تابعین کا اس کے متعلق اختلاف ہے اور اس کے متعلق تیس سے زائد اقوال پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ابن عبد البر نے ایک یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ سماعت اٹھالی گئی ہے مگر ابن عبد البر نے اسے غلط قرار دیا ہے و دراصل قول یہ ہے کہ یہ سال بھر میں ایک جمعہ ہی ہوتی ہے تیسرا قول یہ سماعت منفی ہے اور جمعہ کے دن کوئی سماعت ہوتی ہے جس طرح کہ لیلۃ القدر آخری عشرے میں غنیمت کی گئی اس طرح اسما حسنہ میں اسم غنیمت کو غنیمت رکھا گیا۔ رافعی وغیرہ کے کلام کا یہی مقصد ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کو اس کی تلاش میں کوشش کرنے کی ترغیب دی جاسے تاکہ وہ تمام وقت عبادت میں گذار دیں چوتھا قول: یہ جمعہ کے دن منتقل ہوتی رہتی ہے اور ہر جمعہ میں ایک ہی سماعت نہیں ہوتی۔ غزالی اور محب طبری نے اس کا اختیار کیا۔ پانچواں قول: بیچ کی نماز کے لیے اذان کے وقت یہ سماعت ہوتی ہے۔ چھٹا قول: طلوع فجر سے طلوع شمس تک ہوتی ہے۔ ساتواں قول: طلوع شمس کے وقت ہوتی ہے۔ آٹھواں قول: طلوع شمس کے فوراً بعد ہوتی ہے۔ نوواں قول: دن کے تیسرے پہر کی آخری سماعت۔ دسواں قول: زوال کا وقت۔ گیارہواں قول: جب مؤذن جمعہ کی نواں دے۔ بارھواں قول: زوال سے لے کر اس وقت تک کہ سایہ ایک ہاتھ بھر لبا ہو جائے۔ تیرھواں قول: اذان سے لیکر امام کے نکلنے تک۔ چودھواں قول: اذان سے لے کر نماز شروع ہونے تک۔ پندرھواں قول: زوال سے غروب شمس تک۔ سولھواں قول: امام کے نکلنے سے نماز شروع ہونے تک۔ سترھواں قول: امام کے نکلنے کے وقت۔ اٹھارھواں قول: امام کے نکلنے سے نماز شروع ہونے تک۔ انیسواں قول: بیچ کے حرام ہونے کے وقت سے بیچ جائز ہونے کے وقت تک۔ بیسواں قول: اذان سے نماز ختم ہونے تک۔ اکیسواں قول: امام کے منبر پر بیٹھنے سے نماز ختم ہونے تک۔ اسیسواں قول: جب تک امام خطبہ پڑھتا رہے۔ تیسراں قول: دونوں خطبوں کے درمیان۔ چوبیسواں قول: جب امام منبر سے اترتا ہے۔ پچیسواں قول: جب امام نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ چھبیسواں قول: اقامت سے نماز ختم ہونے تک۔ سترھواں قول: عصر کی نماز سے غروب شمس تک۔ اٹھاسواں قول: عصر کی نماز میں۔ اسیسواں قول: عصر کی نماز کے بعد سے لے کر جب تک نماز پڑھی جا سکے۔ تیسراں قول: سورج کے زور ہونے سے غروب

(بقیہ عاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں منقل ہو کر یہ گھڑی زوال کے بعد ہوتی تھی اور خطبہ کا وقت جبکہ لوگ نماز کے لیے جمع ہوتے تھے، اس ساعت سے خالی ہو گیا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ اور اجتماع کا حکم اسی ساعت کو پانے کے لیے دیا تھا، لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑا ہونا اور عجز و انکساری کے ساتھ خطبہ پڑھنا ایسا تھا جس کے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہو سکتی اس لیے آنحضرت کے قیام کے وقت گو بہت بڑا اثر اور زور کثیر حاصل ہوا اور یہ رقت بجز اس ساعت جمعہ بلکہ اس سے بھی افضل ہو گیا لہذا جس سے ساعت جمعہ چھوٹ گئی مگر اس نے وہ ساعت پالی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے لیے کھڑے ہوا کرتے تھے تو اس کو کوئی نقصان نہیں ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کی ساعت کو جمعہ کی طرف جوں جوں وہ منقل ہوتی جاتے، منقل ہوتی جاتے، منقل کرنے کا حکم نہیں دیا اسی لیے کہ آپ کی ساعت تو منقل نہیں ہوتی اسی لیے ہر یہی ہے کہ جمعہ کی ساعت کے مقابلہ میں اسی کا لحاظ رکھا جائے کیونکہ امت کے لیے سہولت اسی میں ہے۔ مزید براں ساعت جمعہ ایک امر غیب اور راز خداوندی ہے جس کا علم خواص کے سوا کسی کو نہیں ہوتا، اور آنحضرت کے خطبہ کا وقت ظاہر اور اس کی تعیین زوال کے وقت سے ہوتی ہے جو کہ کسی پر مخفی نہیں رہ سکتی اس لیے کہ اسی کا اعتبار کیا جاتے اس بنا پر اگر کوئی شخص زوال کے وقت جمعہ پڑھے اور جمعہ میں تاخیر کرنے کی اس کی عادت ہو تو سمجھ لو کہ اس نے بلاشبہ ساعت نبویہ کے پانے میں کوتاہی کی اور ساعت جمعہ پانے کا کسی کو یقینی نہیں اس طرح وہ شک کی خاطر یقینی بات کو ضائع کر بیٹھے ہیں اور یہ بڑی بھاری کوتاہی ہے۔ ہم خدا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلنے کی توفیق چاہتے ہیں۔

مشرق و مغرب کے اعتبار سے
اس ساعت کو کس طرح پایا جائے

میں نے عرض کیا ہم لوگ جو مغرب میں رہتے ہیں، اگر زوال کے وقت خطبہ پڑھیں اور ساعت نبویہ کو پانا چاہیں تو نہیں پاسکتے اس لیے کہ ہمارے ہاں زوال کا وقت اہل مدینہ کے زوال

(بقیہ ماضیہ منور سابقہ)

۱۔ اکثیریات قول: عمر کے بعد آخری ساعت، تیسرا قول: جب آدھا سورج غروب ہو جائے۔
یہ نہ تمام اقوال اس لیے دیے ہیں کہ حضرت دینا غرہ اللہ کے علم لدنی کا پتہ چل جائے۔ باقی بحث کے لیے دیکھیں ترمذی والواک حوالہ مذکور۔

شخص الدین محمد بن طوون دمشق نے جمعہ کی ساعت اجابت کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ارسال الامور فی بیان ساعت الاجابت یوم الجمعہ رکھا ہے (کشف الظنون ۱: ۱۶۶)

کے وقت سے بہت بعد میں ہوتا ہے لہذا اس ساعت کو پانے کے لیے زوال سے پہلے وقت میں تلاش کرنا پڑے گا جس سے یہ لازم آئے گا کہ نماز جمعہ زوال سے پہلے پڑھی جائے جو جائز نہیں، لہذا کیا چارہ دیا جائے؟

فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساعت کا ہر مطلق طور پر تمام زوال کے وقت میں جاری و ساری ہے لہذا خاص زوال کا اعتبار نہیں جیسا کہ طلوع و غروب میں کسی خاص جگہ کا اعتبار نہیں بلکہ ہر مطلقہ اور ہر جگہ کے اپنے طلوع کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اسی لیے تو ہم صبح کی نماز اپنی فجر کے طلوع پر پڑھیں گے نہ کہ مدینہ کی فجر کے طلوع پر اور روزہ افطار کریں گے اپنے غروب پر نہ کہ مدینہ کے غروب پر۔ یہی حال ان تمام احکامات کا ہے جن میں وقت کا اعتبار کیا جاتا ہے اور منجملہ ان کے زوال بھی ہے۔

ساعتِ جمعہ اور شربِ قدر کے پھر میں نے درخواست کی کہ ساعتِ جمعہ کے منقل ہونے کی کیفیت بیان فرماتیں اور اس کے بتدریج منقل ہونے کی کیا وجہ ہے اور کیا وجہ ہے کہ پہلے تو جمعہ کی آخری ساعت

منقل ہونے کا ایک سبب ہے

میں تھی، پھر آہستہ آہستہ سچے مٹتی گئی تا آنکہ زوال پر پہنچی، پھر آگے بڑھی تو قبل از زوال شروع دن پر جا پہنچی، پھر یہ کیسے منقل ہو کر اپنی پہلی حالت پر آخردن پر آجاتی ہے حالانکہ جو ستر تقدیر انبوی میں کھاجا چکا ہے اس کا تقاضا ہے کہ یہ منقل نہ ہو جیسے کہ رات کے آخر کا تمیز احستہ منقل نہیں ہوتا اور یہی وقت آنحضرت کی ولادت کا ہے۔ مزید برآں جمعہ کی ساعت تو بہت ہی چھوٹی ہے تو وہ غروب شمس سے لے کر زوال تک چھ سات کیسے پورے کر لیتی ہے اور دوسرے چھ سات میں زوال سے طلوع شمس تک یہ تو اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ بڑی ہو۔

حضرت نے فرمایا: جو بات تم نے پوچھی ہے اس کی تشریح سے ممانعت کر دی گئی ہے۔

مولف کہتا ہے کہ اب میں ان احادیث کا ذکر کرتا ہوں جن میں حضرت کے بیان کی تائید پائی جاتی ہے۔

احادیث سے حضرت کے بیان کی تائید

حضرت کا فرمان کہ صرف ائمہ محمدیہ کو ساعتِ جمعہ حاصل کرنے کی توفیق دی گئی اس کی دلیل مسلم شریف کی وہ حدیث ہے جس کے راوی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم وہ سب سے بعد میں آنے والے لوگ ہیں جو قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے۔ ہم تمام امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ انہیں ہم سے پہلے کتاب ملی اور ہمیں ان کے بعد، مگر انہوں نے اختلاف کیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس حق بات کی راہ بتا دی جس میں ان کا اختلاف تھا۔ چنانچہ ان

کے بارے میں ان اختلاف ہوا۔ اللہ نے ہماری رہنمائی کی اور جمعہ کا دن بتا دیا۔ جمعہ ہمارا ہے اور ہفتہ یہود کا اتوار نصاریٰ کا۔

حضرت کا یہ فرمان کہ یہ ساعت منتقل ہوتی رہتی ہے اور یہ بہت ہی چھوٹی ہوتی ہے، اس کی دلیل البوداؤد کی وہ حدیث جس کے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوا جو جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ اسی دن جنت سے نکلے گئے، اسی دن ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی دن وفات پائی اور اسی دن قیامت ہوگی۔ جمعہ کے دن قیامت کے پیاہونے کے ڈر سے جن وانس کے سوا تمام مخلوق چلا رہی ہوتی ہے۔ اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ جو مسلمان اس ساعت میں نماز پڑھ کر دعا مانگے اللہ اس کی دعا قبول فرماتا ہے مسلم شریف میں یوں ہے: اسی میں آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے، اسی میں جنت میں داخل ہوئے اور اسی میں نکالے گئے۔ مسلم نے اس ساعت کے متعلق لکھا ہے کہ ”ہی ساعة خفيفة“ مسلم بن حجاج نے ابوہریرہ کی روایت سے اس کے وقت کے متعلق لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ساعت امام کے بیٹھنے سے لے کر نماز ختم ہونے تک ہوتی ہے۔ عبدالحق لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف مخرم بن بکیر میں

ابوداؤد: سلیمان بن اشعث البوداؤد سجستانی مشہور محدث ہیں ان کی سنن الیاد اور صحاح ستہ میں شمار کی جاتی ہے ان کی وفات ۲۷۶ھ - ۸۸۹ھ میں ہوئی۔ انھوں نے پانچ لاکھ احادیث میں سے منتخب کر کے چار ہزار آٹھ احادیث اپنی سنن میں دی ہیں۔

مسلم بن حجاج مشہور محدث ہیں۔ ان کی کتاب صحیح مسلم کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے ان کی وفات ۲۶۱ھ - ۸۷۴ھ میں ہوئی۔

عبدالحق: عبدالحق بن عبد الرحمن اشبیل بن الخراط کا جاتا ہے ان کی متعدد تصانیف ہیں جن میں الجمع بین التعمین اور ایک بڑی تصنیف ہے جس میں انھوں نے صحاح ستہ کو جمع کر دیا ہے۔ یہ ۵۱۱ھ - ۱۱۱۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۸۱ھ - ۱۱۸۵ھ میں وفات پائی۔

مخرم بن بکیر: مخرم بن بکیر قرظی۔ انھوں نے اپنے باپ بکیر ازردوسر دس سے حدیث کی روایت کی ہے انہیں ثقہ کہا جاتا ہے انھوں نے اپنے باپ سے صرف ایک ہی حدیث سنی۔ باقی احادیث ان کی کتاب سے روایت کی ہیں۔ اسی لیے انہیں بعض نے دس شمار کیا ہے ان کی وفات ۲۷۶ھ - ۸۸۹ھ میں ہوئی۔

ابیر من ابی بردہ عن ابی موسیٰ الأشعریؓ کی سند سے ہوئی ہے، لیکن اکثر لوگوں نے صرف اس طرح روایت کی ہے: عن ابی بردہ عن ابی موسیٰ یعنی اسے ابو موسیٰ کا قول بتایا ہے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ یعنی یہ حدیث مرفوعہ نہیں بلکہ موقوف ہے عبدالحق فرماتے ہیں کہ مخبر نے خود اپنے باپ سے حدیث نہیں سنی وہ تو اپنے باپ کی کتابوں سے احادیث روایت کیا کرتا تھا۔

ابو داؤد میں جابر بن عبد اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جبکہ کی بارہ گھڑیاں میں اللہ کا جو مسلمان بندہ اس سے کچھ مانگے تو اللہ عطا فرماتا ہے۔ لہذا تم عصر کے بعد آخری ساعت کو تلاش کیا کرو۔

عبدالحق لکھتے ہیں: اس حدیث کی سند میں عبد العزیز بن مردان کا آزاد کردہ غلام بھی ہے۔ اسی حدیث کو ابو عمر بن عبد اللہ بن عبد السلام بن حفص کی روایت سے نقل کیا ہے۔ عبد السلام کو ابن معقب بھی

ابو بردہ: ابو موسیٰ اشعریؓ کے بیٹے ہیں۔ اپنے باپ سے حدیث کی روایت کی۔ یہ تابعی کوئی اور ثقہ تھے۔ شرح کے بعد کہ ذکر کے تابعی بنے مگر بعد میں حاج نے انہیں معزول کر دیا تھا۔ ان کی ولادت اس زمانہ میں ہوئی جب ان کے باپ ابو موسیٰ کو ذکر کے گورنر تھے۔ اسی برس سے اوپر عمر یا کم سنہ ۳۳ھ میں وفات پائی۔

ابو موسیٰ اشعریؓ: ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس بن سلیم الاشعریؓ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زبید، عدن اور ساحل میں کا حاکم مقرر کیا تھا اور حضرت عمرؓ نے ذکر کا۔ ان کی وفات ۳۳ھ میں ہوئی۔ ساحل سال سے اوپر عمر پائی۔

جابر بن عبد اللہ: صحابی ہیں، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نو جنگوں میں شرکت کی، بدر اور احد میں شرکت نہ کر کے ان کے باپ نے انہیں روک دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ البعیر میں پچیس بار دعا عن حضرت کی۔ مسجد نبوی میں ان کا مرقع درس ہوتا تھا۔ ان کی وفات ۳۹ھ میں ہوئی۔

عبد العزیز بن مردان: عبد العزیز بن مردان بن مکہ بن ابی العاص۔ عبد الملک بن مردان کے بھائی اور عمر ثانی کے باپ تھے۔ یہ مصر کے گورنر تھے۔ اپنے باپ ابو بردہ اور دوسروں سے حدیث کی روایت کی ہے، ثقہ اور متلیل الحدیث ہیں۔ ۳۳ھ میں وفات پائی۔

ابو عمر بن عبد البر: یوسف بن علی بن عبد البر مصنف کتاب التہذیب والا مستذکار یذاہب علماء الامصار وغیرہ تھے۔ انھوں نے اس کتاب میں مولانا امام مالک کے طرز و الابواب کے موافق انکی شرح کی اور فقہ میں کتاب الکافی وغیرہ بھی جو انکی صارت پر طاعت کرتے ہیں ۳۹ھ میں پیدا ہوئے اور پچانوے سال کی عمر میں ۳۳ھ میں وفات پائی۔

عبد السلام بن حفص: ابن معین انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ انہیں ابی المصعب بھی کہا جاتا ہے کتاب میں ابن معقب

کہتے ہیں علامہ ابن عبد الرحمن اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن دعا کرنے کے لیے جس ساعت کی تلاش ہوتی ہے وہ جمعہ کی آخری ساعت ہے۔ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ عبد السلام ثقہ اور مدنی ہے۔ اس کے متعلق ابن مثنیٰ کی بھی یہی رائے ہے شاید ابو عمر بن عبد البر نے اسی کا قول نقل کیا ہے ملاحظہ ہو عبد الحق کی کتاب الاحکام الکبریٰ اور ابن جریر کی تفسیر الباری جہاں انھوں نے اکتالیس اقوال نقل کیے ہیں مع دلائل اور ان کے رد کے۔ چنانچہ انھوں نے طویل بحث کرتے ہوئے ہر قول کے قائل کا بھی ذکر کیا ہے اور وہ احادیث پیش کی ہیں جو اس قول کی تائید کرتی ہیں۔ پھر بتایا ہے کہ ان احادیث میں کوئی صحیح، کوئی ضعیف اور کوئی موقوف وغیرہ ہیں۔ چونکہ مجھے یہ تمام اقوال یاد تھے اور ان کے دلائل کا بھی مجھے علم تھا اس لیے میں نے حضرت سے اس ساعت کے متعلق گفتگو کی اور آپ سے وہ اسرار سنے جن میں سے کچھ ذکر ہو چکے۔ خدا ان سے ہمیں فائدہ پہنچائے۔ آمین۔

اب میں پھر اس مضمون کی طرف آتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ اہل دیوان سریانی زبان میں گفتگو فرماتے ہیں، اس لیے کہ مختصر زبان ہے اور کم الفاظ میں بہت سے معنی ادا ہوتے ہیں۔ نیز اس لیے بھی کہ دیوان میں ارواح اور فرشتے بھی شریک ہوتے ہیں اور ان کی زبان سریانی ہے لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوتے ہیں تو آپ کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے عربی میں گفتگو کرتے ہیں۔

اہل دیوان میں سے ہر کوئی فرمایا: ضروری نہیں کہ ہر وہ ولی جو دیوان میں آتا ہے، لوح محفوظ کو دیکھ سکے بلکہ بعض دیکھ سکتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو اپنی بصیرت کے ذریعہ سے اس کی طرف توجہ کرتے ہیں، لیکن جو کچھ اس میں لکھا ہے، اسے معلوم نہیں کر سکتے اور بعض اس طرف اس لیے توجہ نہیں کرتے کہ انہیں علم ہوتا ہے کہ وہ اہل نظر میں سے نہیں۔ فرمایا: اس کی مثال پہلی رات کے چاند کی سی ہے کہ اس کے دیکھنے والوں کی حالت مختلف ہوتی ہے۔

۱۔ علامہ ابن عبد الرحمن: ان کا پتہ نہ چل سکا۔

۲۔ ابن مثنیٰ: ابو زکریا یحییٰ بن معین، انہیں سید الخفا کا جانا ہے۔ ۳۔ میں پیدا ہوتے اور ۴۔ میں مدینہ میں غریب الوطنی میں وفات پائی۔ فرماتے ہیں کہ میں نے دس لاکھ حدیث اپنے ہاتھ سے لکھی ہے انہیں محمد بن ضیل کا ہم پل شام کا جانا تھا۔

۵۔ الاحکام الکبریٰ: کشف النور میں عبد الحق بن عبد الرحمن ابن خراط اشبیلی ترمذی ۶۰۰ھ کی ایک کتاب الاحکام الکبریٰ فی الحدیث کا ذکر کیا ہے۔ یہ تین ضخیم جلدوں میں ہے ان کی ایک کتاب الاحکام الصغریٰ بھی ہے۔

فرمایا: جب اولیاء دیوان میں اکٹھے ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کو روحانی مدد دیتے ہیں چنانچہ انواران میں تیروں کی طرح ایک سے نکلنے میں اور دوسرے میں داخل ہوتے دکھائی دیتے ہیں لہذا جب مجلس برخواست ہوتی ہے تو پہلے سے زیادہ نورانیت کے ساتھ نکلنے میں۔

اولیاء کبار مختلف شکلیں فرمایا: چھوٹے ولی دیوان میں اپنی ذات سے حاضر ہوا کرتے ہیں مگر بڑے ولی پر کوئی پابندی نہیں۔ مطلب یہ کہ جب چھوٹا ولی دیوان میں آتا ہے تو اپنی جگہ اور گھر سے غائب ہو جاتا ہے اور وہ اپنے شہر میں موجود نہ لے گا کیونکہ

اختیار کر سکتے ہیں

وہ اپنی ذات کے ساتھ دیوان میں جایا کرتا ہے بر خلاف بڑے ولی کے کہ وہ دماغ و فکر سے کام لیتا ہے اور اپنے گھر سے غائب نہیں ہوتا کیونکہ بڑا ولی جو صورت چاہے اختیار کر سکتا ہے اور کامل روح کی وجہ سے میں سو جیسا سب مختلف صورتیں اختیار کر سکتا ہے، بلکہ میں نے ایک مرتبہ حضرت سے جب ہم فاس میں باب الحبشہ سے باہر تھے، یہ بھی سنا ہے کہ دیوان اور اہل دیوان کیا ہیں؟ وہ سب میرے سینہ کے اندر ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا: وہ مجلس میرے سینہ میں منعقد کی جاتی ہے۔

ایک اور بار فرمایا: تمام آسمان اور زمینیں میرے سامنے ایسے ہیں جیسے ایک موزونہ (بیسہ)

بیابان کے اندر۔

آپ اس قسم کی باتیں اس وقت کیا کرتے تھے جب آپ ترقی کر رہے ہوتے، انہیں بلکہ وہ تو ہر وقت ترقی پر تھے۔

ایک مرتبہ میں آپ کے ساتھ باب الفتوح سے باہر جا رہا تھا تو باوجود اُمتی ہونے کے آپ نے اکابر صالحین کا ذکر کیا۔ اس پر میں نے عرض کیا آپ کو ان لوگوں کا کیسے علم ہوا، فرمایا: جن لوگوں کو اللہ فتح کبریٰ عطا فرماتا ہے ان کی ارواح قبۃ برزخ میں رہتی ہیں۔ لہذا جسے ہم اس قبۃ میں دیکھتے ہیں، سمجھ لیتے ہیں کہ یہ اکابر ہیں سے ہے اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ و سبوتی کا تذکرہ ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا: وہ اکابر ہیں سے ہیں پھر میں ان کے قبۃ اور ان عجیب و غریب کرامات کا ذکر کرنے لگا جو ان سے صادر ہوئیں تو فرمایا: اگر حضرت ابراہیمؑ و سبوتی اپنے زمانہ سے اس زمانہ تک بھی زندہ رہتے تو (اس عرصہ میں بھی) وہ مقامات اور ترقی نہ پا سکتے جو تمہارے بھائی عبدالعزیزؑ نے کل سے آج تک (یعنی صرف ایک دن میں) حاصل کر لی ہے۔ واللہ میں یہ فخریہ طعن پر نہیں کرتا بلکہ صرف اظہار نصحت کی بنا پر کہہ رہا ہوں۔

ابراہیمؑ و سبوتی: ابراہیم بن ابی الحداد القرطبی، ہاشمی مشہور صوفی اور عالم ہوتے ہیں کتاب الجواہر جو ایک ضخیم کتاب ہے ان کی تالیفات میں سے ہے۔ انھوں نے تینتالیس سال کی عمر میں ۱۱۷۷ھ میں وفات پائی۔

ایک دن ہم باب الحبشہ سے شہر کے اندر آرہے تھے تو میری طرف دیکھ کر فرمایا: اس وقت مجھے تین خلعتیں عطا کی گئی ہیں۔ ان میں سے اگر ایک بھی شہر فاس پر ڈال دی جائے تو تمام باشندے بچل جائیں اور اس کی تفصیل، مکانات اور تمام باشندے قتل ہو جائیں۔

ایک روز ہم باب الفوج سے شہر کو آ رہے تھے تو میں نے آپ سے اسامہ حسنی اور ان کی تعداد کے متعلق دریافت کیا کیونکہ بعض علماء کا قول ہے وہ چار ہزار ہیں۔

فرمایا: میں ایک لحظہ میں یعنی آنکھ جھپکنے میں ایک لاکھ کے قریب اللہ تعالیٰ کے اسامہ کا مشاہدہ کرتا ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ اور یہ حال متواتر رہتا ہے۔

اب ہم پیر اصل موضوع کی طرف آتے ہیں کیونکہ وہ اتنا ہمدرد ہے اور ہم آرزو کے ساحل پر بیٹھے اپنے ارکان کے مطابق حضرت کے سمندر وں سے گھونٹ گھونٹ پیا رہے ہیں۔

فرمایا: کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ غوث دیوان میں تشریف نہیں لاتے دیوان کی غیر حاضری میں اہل دیوان میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے

اور وہ اس طرح کا تصرف کرتے ہیں جو ایک دوسرے کو قتل کرنے کا سبب بن جاتا ہے اگر ان کی اکثریت کسی معاملہ میں ایک طرف ہو اور کم ادید اس کی مخالفت کریں تو ان میں تصرف سابق واقع ہوتا ہے اور وہ سب کے سب مرجاتے ہیں۔ ایک روز ایک معاملہ میں ان کا اختلاف ہو گیا، کم جماعت نے کہا اگر ہماری مرضی کے مطابق ہوگا تو ہمیں مرجانا چاہیئے۔ کثیر جماعت نے کہا اگر تمہاری مرضی ہے تو مرجاؤ۔ چنانچہ کم جماعت مرجائی۔ پھر فرمایا: اگر دونوں جماعتیں برابر ہوں تو ان دونوں میں تصرف واقع ہوتا ہے۔

میں نے عرض کیا: یہ لوگ تو صاحب بصیرت و کشف ہوتے ہیں، پھر ان میں جھگڑا کیوں پیدا ہوتا ہے، حالانکہ وہ اپنی بصیرت سے مراد خداوندی کا مشاہدہ کر رہے ہوتے ہیں؟

فرمایا: اگر کم جماعت مخالف ہو تو انہیں مراد خداوندی سے محبوب کر دیا جاتا ہے تاکہ جو فیصلہ ان کے متعلق کیا جا چکا ہے، پورا ہو جائے اور اگر دونوں فریق برابر ہوں تو مراد حق دونوں سے مخفی رکھی جاتی ہے اس لیے کہ ادید و اصفیاء تقدیر خداوندی کے منظر ہوتے ہیں، لیکن جب ان میں برابر کا اختلاف پیدا ہو گیا تو سب سے تقدیر کو مخفی رکھا گیا۔

میں نے دریافت کیا کہ غوث کی غیر حاضری کا کیا سبب ہوتا ہے؟

فرمایا: اس کے صرف دو سبب ہوتے ہیں: اول وہ اس لیے غیر حاضر ہوتا ہے کہ وہ حق سبحانہ کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتا ہے اور تمام عوالم اس کی تغردوں میں فنا ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے وہ دیوان میں نہیں آتا یا اس لیے کہ

اس کا تعرا بھی ہو اے مثلاً یوں کہ ابھی ابھی غوث کی وفات ہوئی اور انہیں اس جگہ مقرر کیا گیا لہذا ابتدا میں وہ دیوان میں نہیں آتا حتیٰ کہ آہستہ آہستہ اس کی ذات مانوس ہو جاتی ہے۔

فرمایا: غوث کی غیر ماضی میں کبھی سید الوجود محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے ہیں تو اہل دیوان پر اس قدر خوف و اضطراب طاری ہوتا ہے کہ انہیں آپ کی موجودگی میں انجام کار ہی کا پتہ نہیں چلتا اور وہ اپنے حواس کھو بیٹھتے ہیں بیان تک کہ اگر یہ کیفیت کئی دن تک جاری رہے تو دنیا مند مہم جو جاتے فرمایا: غوث کی عدم موجودگی میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں تو آپ کے ساتھ ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، حسنؓ، حسینؓ اور ان کی والدہ فاطمہ الزہراءؓ بھی تشریف فرما ہوتے ہیں کبھی رب کے سب اور کبھی بعض ان میں سے اور حضرت فاطمہ الزہراءؓ ان عورتوں میں بیٹھتی ہیں جو دیوان میں بائیں جانب بیٹھتی ہیں اور حضرت فاطمہؓ ان کی امام ہوتی ہیں۔

فرمایا: میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک رات اپنے باپ پر اس طرح کا درود پڑھنے سنا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مَنْ رُوْحُهُ مَحْزَابُ الْاَرْوَاحِ وَالْمَلٰئِكَةُ وَالْكَوْنِ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مَنْ هُوَ اِمَامُ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مَنْ هُوَ اِمَامُ اَهْلِ الْجَنَّةِ عِبَادِ اللّٰهِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ آپ کے درود کے یہ الفاظ نہ تھے۔ میں نے ان کا مفہوم ادا کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

غوث کی موجودگی میں کسی کو مخالفت کی جرأت نہیں ہو سکتی میں کوئی مخالفت نہیں کر سکتا ہے؛ فرمایا: غوث کی موجودگی میں کوئی اپنا ٹپکا ہونٹ تک نہیں بلا سکتا چہ جائے کہ مخالفت کا لفظ منہ سے نکلے کیونکہ اور تو اور اس طرح اس کے ایمان کے سلب ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

فرمایا: جب اہل دیوان کا اجتماع ہوتا ہے تو اس وقت سے دوسرے دن کے اسی وقت تک جو کچھ ہونے والا ہوتا ہے اس پر اتفاق کرتے ہیں چنانچہ آئندہ دن اور آئندہ رات میں جو کچھ بظاہر الٰہی ہونے والا ہوتا ہے اس پر بحث کرتے ہیں۔ ان کا تصرف تمام عوالم میں ہوتا ہے خواہ وہ عالم علوی ہو خواہ سفلی، انہیں بلکہ ستر جاہوں میں بلکہ عالم ربّانی میں بھی جو کہ ستر جاہوں سے بھی اوپر ہے، ان کا تصرف ہوتا ہے۔ ان کا تصرف ان میں ان کے رہنے والوں میں، ان کے دلوں میں اور ان کے مافی السّمیر میں ہوتا ہے۔ اہل تصرف کے اذن کے سوا ان کے دل میں بھی کوئی خیال پیدا نہیں ہو سکتا۔ جب عالم ربّان کا جو ستر جاہوں سے بھی اوپر ہے وہ ستر جاہ جو عرض کے بھی اوپر ہیں، ان کا یہ حال ہے تو ان عوالم کا کیا حال ہو گا۔

ایک واقعہ

موتلف کتاب ہے کہ پولیس والوں نے میرے ایک دوست کا لڑکا گرفتار کر لیا۔ پولیس واسے اس کی تلاش میں تھے اور وہ ان سے بہت ڈرتا تھا جب وہ پکڑا گیا تو اس کے باپ کو

یقین ہو گیا کہ وہ اسے مار ڈالیں گے وہ میرے پاس آیا۔ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اس واقعے کے بارے میں تذکرہ کیا۔ حضرت نے فرمایا: کیا تمہارا خیال ہے کہ بنی میرے حکم کے بغیر چپے کو کھا سکتی ہے اور چیزوں کا تو ذکر ہی کیا لہذا بچے کو کوئی خوف نہیں۔ اس کے باپ کو کہہ دو کہ مطمئن رہے۔ اور ایسا ہی ہوا کیوں کہ جب وہ کو توالی پہنچا تو کو توال نے بغیر کسی وجہ کے اسے چھوڑ دیا۔

حضرت فرمایا کرتے تھے جب کوئی اپنی پاکسی اور کی حاجت ہو تو مجھ سے صرف اس کا ذکر کر دیا اور بس۔ آپ کی مراد یہ تھی کہ پھر اس کے پورا ہونے پر اصرار نہ کرو اور نہ اس کا غم کرو کیونکہ یہی امر اس حاجت کے پورا نہ ہونے کا باعث ہوتا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوتا کہ کوئی حاجت پیش آتی اور آپ سے اس کا ذکر کر کے خاموش ہو جاتے تو بہت کامیابی ہوتی، لیکن اگر زیادہ اہتمام کرتے اور زیادہ زور دیتے تو ناکامی ہوتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

میں نے عرض کیا کہ غارِ حرا کے علاوہ کہیں اور بھی دیوان لکھا ہے؟

فرمایا: ہاں مگر مذکورہ مقامات کے علاوہ کہیں بھی دس یا دس سے زائد اولیاء جمع نہیں ہوتے اس لیے کہ زمین ان کے انوار کو برداشت نہیں کر سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا منشایہ ہے کہ یہ لوگ زمین میں پھیلے رہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مجاذیب کا دیوان میں کوئی دخل نہیں
ان کا دخل تباہی کی علامت ہے۔
میں نے عرض کیا: کیا مجاذیب کا دیوان میں کوئی دخل ہوتا ہے اور کیا اوروں کی طرح وہ بھی تعریف کر سکتے ہیں؟

فرمایا: ان کا دیوان میں کوئی دخل نہیں اور نہ ہی ان کے اختیار میں کسی قسم کا تصرف ہے۔ جب ان کے پاس تعریف آجائے گا تو دنیا تباہ ہو جائے گی۔

خروج و جہال کے وقت تصرف
مجددوں کے ہاتھ میں ہوگا!
میں نے دریافت کیا: ان کے ہاتھوں میں کب تصرف آئے گا؟ فرمایا: خروج و جہال کے وقت ان کے قبضہ میں تصرف ہوگا چنانچہ دیوان کا رئیس انہی میں سے ہوگا اور چونکہ

اسے عقل ہوگی نہ تیز اس لیے تصرف میں خلل پیدا ہوگا اور یہی وجہ جہال کے نکلنے کا ہوگی۔

میں نے حضرت سے ایک فقرہ سنا جس میں مجددوں اور ان کے احوال کا ذکر تھا اور اس قصہ میں دیگر نو اند بھی

اس لیے میں اس تمام قصہ کا میاں ذکر کرتا ہوں۔ فرمایا: اہل مغرب میں سے حضرت حماد ایک مجذوب بزرگ تھے مصر کے بازاروں میں کھانے کو مانگتے پھرتے۔ یہ گراں سال کا زمانہ تھا چنانچہ ایک مرتبہ وہ ایک شخص کی دوکان پر روٹی مانگنے کے لیے جا رہے تھے کہ انھوں نے اپنی باطن کی نگاہ سے دیکھا کہ ایک منگہ میں جو اس شخص کی دوکان کے سامنے مدفون تھا، بہت ساسونا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ صاحب دوکان عارفین میں سے تھا۔ اس نے دیکھا کہ حضرت حماد اس کی طرف آرہے ہیں تو اس نے انہیں آزمانا چاہا جب حضرت حماد نے سوال کیا تو فرمایا: معاف کرو۔ حضرت حماد نے پھر سوال کیا۔ انھوں نے پھر کہا "معاف کرو" پھر کہا اگر تم حماد ہو تو میں تمہیں آزمانا چاہتا ہوں۔ تم لوگوں سے سوال کرتے پھرتے ہو حالانکہ جو کچھ تمہارے پاؤں کے نیچے ہے وہ تمہارے لیے کافی ہے۔ ان کی مراد اسی مدفون سونے سے تھی جس کے اوپر حضرت حماد کھڑے تھے۔ حضرت حماد نے جواب دیا۔ میرے پاؤں کے نیچے تو سونا ہے۔ میں تو روٹی کے لیے چاندی کا نصف سکہ مانگتا ہوں۔ اس سے اس شخص کو ان کا حال معلوم ہو گیا اور انہیں چاندی کے دس نصف سکے عطا کئے اور حماد چلے آئے۔

میں نے عرض کیا: حضرت حماد کو دیکھنے سے پہلے ہی وہ شخص ان کو کیسے پہچانتا تھا کہ اس نے انہیں آزمانا چاہا؟

فرمایا: دیکھنے سے پہلے ان کا حضرت حماد کو جاننا ایسا ہے جیسے ایک سویا ہوا شخص جاگنے والا ہی ہو اور وہ خواب میں کسی شخص کو دیکھے۔ اس کے بعد جب اس کی آنکھ کھل جائے تو اس شخص کو اپنے سامنے کھڑا پائے تو اسے وہ غور سے دیکھے گا کہ آیا یہ وہی شخص ہے جسے اس نے خواب میں دیکھا یا کوئی اور ہے تا آنکہ شک رفع ہو جائے کہ یہ وہی شخص ہے جسے اس نے خواب میں دیکھا تھا۔ ایسا خواب جو بمنزلہ بیداری کے ہے۔

میں نے عرض کیا: اس کی کیا وجہ ہے کہ اس شخص نے پہلے تو اسے کہا کہ "معاف کرو" لیکن جب معلوم ہوا کہ وہ دلی میں تو جو انھوں نے مانگا تھا بلکہ اس سے زیادہ عطا کیا۔ کیونکہ اگر کسی کو اللہ کے لیے کچھ دیا جائے تو اس میں دلی بغیر ولی کا لحاظ نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ دونوں کا رب تو ایک ہی ہے اور اگر وہ عطیہ بغیر اللہ ہو تو وہ عارفین کے حال کے مناسب نہیں۔ لہذا اگر پہل بار دینے سے انکار اللہ کے لیے تھا تو دوسری بار بھی انکار ہی ہونا چاہیے تھا مگر جب دوسری بار انہیں دیا تو بستر تھا کہ اللہ کی خاطر دینا تھا تو پہل بار ہی دے دیتے۔

فرمایا: مومن کا ایک حق ہوتا ہے یعنی ایمان کا حق اور ولی کے دو حق ہوتے ہیں ایک ایمان کا اور

ایک اللہ کی معرفت کا۔ انھوں نے پہلی بار اسے کہا کہ معاف کرو تو اس بنا پر کہما کہ وہ ایک عام مسلمان سائل ہے اس لیے اسے دینے سے انکار کیا کیونکہ اس وقت صرف حق ایمان کی وجہ سے اسے دینا ضروری نہ تھا لیکن آزمائے کے بعد جب معلوم ہو گیا کہ وہ عارفین میں سے ہیں تو ان کے سوال میں زور پیدا ہو گیا اور ان کا حق اور زیادہ ہو گیا اسی لیے اس کے مال میں سے انہیں حق پہنچتا تھا کیونکہ معرفت الہی میں دونوں مشترک ہیں اور معرفت خداوندی کی صفت ایسی ہے جیسے دو دینی بھائیوں کے درمیان عقد اخوت۔ لہذا پہلی مرتبہ دینے سے انکار بھی اللہ کے لیے تھا اور دوسری بار دینا بھی اللہ کے لیے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ کوئی شخص دروازے کے پیچھے سے سوال کرے اور وہ سائل کو کہہ دے کہ معاف کرو۔ پھر دروازہ کھولے پر معلوم ہو کہ وہ تو اس کا بھائی ہے لہذا مناسب ہو گا کہ جاننے کے بعد اس سے اجنبیوں کا سا برتاؤ نہ کرے کہ جاننے کے بعد بھی اسے انکار کر دے کیونکہ یہ اخوت اور صلاحی کے تقاضا کے منافی ہے۔

میں نے عرض کیا کہ مسئول عندہ کے مال میں سے معرفت الہی کی بنا پر کس قدر حصہ دینا ضروری ہوتا ہے فرمایا: اسی قدر جس قدر کہ دینی بھائی کے لیے واجب ہوتا ہے۔ لہذا اگر صرف ایک بھائی ہو تو نصف اور اگر نو بھائی ہوں تو ہر ایک کو مال کا دسواں حصہ۔

میں نے عرض کیا پھر انھوں نے کیوں چاندی کے صرف دس نصف کتے دیے اور اپنا آدھا مال نہیں دیا؟

فرمایا: صرف یہی ایک سائل عارف تو نہ تھا ہو سکتا ہے کہ اس کے جاننے کے بعد کوئی دوسرا عارف آجاتا۔ پھر تمسیرا پھر چوتھا علی ہذا النقیس۔ انسان اپنے نفس کو خود سمجھ سکتا ہے کہ دینی بھائیوں کے حقوق کس طرح ادا کرے۔

میں نے دریافت کیا کہ حضرت حماد کیا تھے؟

فرمایا: مجذوب تھے اور جن سے وہ مانگنے لگے تھے وہ حضرت ابراہیم تھے جو سالک تھے اور یہ دونوں عارفین میں سے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ سالک اور مجذوب میں کیا فرق ہے جبکہ معرفت میں دونوں شریک ہیں۔ فرمایا: مجذوب وہ ہوتا ہے جو ان چیزوں سے جنہیں وہ دیکھتا ہے متاثر ہوتا ہے اور اپنے مشاہدہ سے خوش ہو کر اپنے بدن سے اس کی نقل آتا رہتا ہے اور اسی طرح کی حرکات کرنے لگتا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی شخص پر رحم فرماتے ہیں اور اس کی چشم بیرت کھول دیتے ہیں تو وہ ہر وقت ملاحظہ اعلیٰ کی وہ عجیب و غریب باتیں مشاہدہ کرتا رہتا ہے جس کی کیفیت

بیان ہو سکتی ہے اور نہ انہیں کوئی برداشت کر سکتا ہے لہذا اگر عارف مجذوب ہے تو وہ اپنی بصیرت سے جن اشیاء کا مشاہدہ کرتا ہے اسی طرح اپنے بدن سے کرنے لگتا ہے اور بصیرت کے مشاہدات لا تعداد ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ ایک حالت پر قائم نہیں رہتا چنانچہ اگر کوئی مجذوب خوشی کے مارے جھومتا دکھائی دے تو سمجھ لو کہ وہ حور عین کے مشاہدہ میں کھویا ہوا ہے کیونکہ ان کی حرکات اسی قسم کی ہوتی ہیں۔ لہذا اس کا ظاہر بدن انہی حرکات کی نقل اتارتا ہے جنہیں وہ کر رہا ہوتا ہے لیکن سالک کا بدن نہ اپنے مشاہدہ سے متاثر ہوتا ہے اور نہ ہی وہ ان حرکات کی نقل اتارتا ہے جنہیں وہ مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے بلکہ اس کی مثال تو ساکن اتھاہ سمندر کی سی ہے جس پر کسی چیز کا اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ سالک مجذوب کے مقابلہ میں زیادہ کامل ہوتا ہے اور اس کا اجڑی مجذوب کے اجڑے مقابلہ میں تین گنا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سالک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر کسی چیز سے متاثر نہ ہوتا تھا اسی لیے سالک کے ہوش و حواس قائم ہوتے ہیں اور اکثر مجذوبوں کے قائم نہیں ہوتے کیونکہ جب ان کا بدن دوسروں کے ظاہری حرکات کی نقل کرنے لگ گیا تو فتح سے پہلے ان کا بدن جس پیدائشی حالت پر تھا وہ جاتی رہتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی عقل بھی جاتی رہتی ہے۔

ایک عارف اور ان کے بیٹے کا قصہ

فرمایا کہ اکابر میں سے ایک عارف دیوان میں حاضر ہوا کرتے تھے، ان کا ایک لڑکا تھا، ان کو معلوم تھا کہ وہ لڑکا ان کا روحانی وارث بھی ہوگا، لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ مجذوب ہوگا یا سالک۔ چنانچہ وہ اسے ایک بار گردن پر اٹھا کر مجلس دیوان میں لے آئے۔ اہل مجلس نے اعتراض کیا کہ تمہیں یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ جو شخص اس مرتبہ کا نہیں اسے یہاں لانا جائز نہیں، پھر تم اسے یہاں کیوں لے آئے۔ انھوں نے کہا میں آپ حضرات سے سمجھنا چاہتا ہوں اور چشم پوشی اور درگزر کی درخواست کرتا ہوں۔ اس کے بعد بچہ کو لے کر غوث کے سامنے آئے اور عرض کیا کہ حضرت میں اس متدس مجلس میں ایک درخواست کرتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ میرے اس بچے کے متعلق یہ ظاہر فرمادیجئے کہ آیا بچہ مجذوب ہوگا یا سالک؟ غوث نے فرمایا: یہ تو ایسی بات ہے جس کا علم تو نہیں کتنا کیونکہ جو نور ایمان سالک میں ہوتا ہے وہی مجذوب میں ہوتا ہے اور جو معرفت الہی اس میں ہوتی ہے وہی اس میں ہوتی ہے۔ سالکیوں اور درجوں کا فرق اس کا نہیں علم نہیں۔ اس کا علم آخرت ہی میں ہوگا۔ پس کس طرح معلوم ہو کہ تیرا بیٹا مجذوب ہوگا یا سالک۔ یہ تو نہیں کتنا۔ اس نے پھر غوث سے عرض کیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے غوث اسی لیے بنایا ہے کہ آپ کو اس کا اور اس سے بھی زیادہ کامل دیا ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جاء کا واسطہ دے کر کہا آپ ضرور بتلائیں کہ

یہ بچہ مجذوب ہو گیا سالک۔ اس پر غوث نے کہا ایک کلڑی لاؤ۔ کلڑی لائی گئی۔ پھر چھری منگوائی اور بچے کو بٹا کر اپنے سامنے بٹھالیا۔ پھر چھری سے کلڑی کو تراشا اور کاٹنا شروع کیا اور کہی وہ اپنی زبان دانتوں میں لیتے تھے اور کہی ہونٹوں کو اور ساتھ ساتھ بچہ کو بھی تار تے جاتے تھے تو کہا دیکھتے ہیں کہ جب غوث زبان دانتوں میں لیتے تو وہ بھی زبان دانتوں میں لیتا اور جب وہ اپنے ہونٹوں کو دانتوں میں لیتے وہ بھی اپنے ہونٹ دانتوں میں لیتا۔ پھر فرمایا: اپنے بچہ کو لے جاؤ۔ یہ مجذوب ہو گا۔ اس نے عرض کیا: حضرت یہ کیسے معلوم ہوا؟ تو فرمایا: اس کا ظاہر بدن ان چیزوں سے متاثر ہوتا ہے جنہیں یہ دیکھتا اور مشاہدہ کرتا ہے۔

سالک چند باتوں میں
مجذوب سے پرہیز کرتا ہے
 پھر فرمایا: سالک چند باتوں میں مجذوب سے پرہیز کرتا ہے ایک یہ کہ سالک مجذوب کے ساتھ کھانا نہیں کھاتا کیونکہ مجذوب کو پروا نہیں ہوتی کہ اس کی زبان سے کال خلتی ہے یا کچھ اور۔ اس لیے سالک کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ اسی وجہ سے مجذوب کا ہم سفر نہیں ہوتا۔ تیسرے یہ کہ سالک مجذوب کا لباس نہیں پہنتا کیونکہ مجذوب نجاست سے بچتا نہیں۔ چوتھے یہ کہ سالک کے لیے مجذوب عورت سے نکاح کرنا بھی درست نہیں اور نہ ہی مجذوب کو سالک سے نکاح کرنا صحیح ہے۔ رومی تربیت کو کہی سالک پر کار تربیت یافتہ مجذوب ہوتا ہے جیسا مذکورہ بالا پچھ کا قہقہہ کیونکہ وہ مجذوب تھا اور اس کا باپ سالک اور کہی مجذوب پر کار تربیت یافتہ سالک ہوتا ہے۔ جیسے حضرت یوسف ناسی کا قہقہہ ہے وہ سالک تھے اور ان کے پیر عبدالرحمن المجذوب مجذوب تھے۔

میں نے عرض کیا: یہ کیسے ہوتا ہے حالانکہ مجذوب کو تو اپنی خبر نہیں ہوتی، پھر دوسروں کی کیسے تربیت کرے گا؟

فرمایا: قوت اور ضعف کے اعتبار سے جذب کی مختلف مالئیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ بعض کا جذب کم ہوتا ہے اور بعض کا اس قدر زیادہ کہ کسی وقت بھی ہوش نہیں آتا۔ واللہ اعلم۔
اولیاء اللہ کے لیے اشتیاء کا مستحضر ہونا
اور ان کا حیرت انگیز امور کا کرنا
 فرمایا اولیاء اللہ بڑے بڑے کام جن پر اللہ نے ان کو مسلط کیا ہوتا ہے کہ جانتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو ان پر تعجب ہوتا ہے اگر حقیقت کی آنکھ سے دیکھا جائے تو ان کا کرنے والا خود اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور یہ لوگ اروں کی طرح محض آلہ کار ہوتے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اولیاء اللہ حق سبحانہ کے افعال کا مشاہدہ کر رہے ہوتے ہیں

اور جب حقیقت یہ ہے تو پھر وہ ان افعال کو اپنی ذات کی طرف سے کیے دیکھتے ہیں یا یہ کہ انہیں اپنی ذات کی طرف کیے منسوب کرتے ہیں ؟

فرمایا : ادیاء اللہ اور جن لوگوں پر اللہ کا لطف و کرم ہوتا ہے ۔ وہ افعال الہیہ کو دوسروں کی وساطت سے دیکھتے ہیں ۔ مخلوقات میں سے کسی کو بھی طاقت نہیں کہ افعال باری تعالیٰ کا مشاہدہ خود اس کی ذات میں کر سکے اور اگر وہ اس کا مشاہدہ خود ذات باری میں کرے تو فنا ہو جائے ۔ مخلوقات افعال حق کا مشاہدہ اوروں کی وساطت سے کر سکتی ہے اسی لیے تو واسطہ پیدا کیا اور فرشتوں کو اپنے افعال کا مظہر بنایا تاکہ مخلوقات فنا نہ ہو جائے ۔ فرشتوں کو اس کے حال ہونے کی طاقت اس لیے ہے کہ ان کی ذات صاف نور سے بنی ہے جسم ترابی سے نہیں ۔ یہ بھی یاد رکھو کہ ملائکہ کو ان افعال کا واسطہ بننے میں دیگر مخلوقات سے ممتاز کیا گیا ہے چنانچہ اگر تجھے اللہ تعالیٰ فتح نصیب کرے تو تو دیکھے گا کہ کائنات کی کوئی جگہ بھی ان سے خالی نہیں ۔ تو انہیں حجب میں ، ان کے نیچے ، عرش میں اور اس کے نیچے ، جنت میں ، دوزخ میں ، آسمان میں ، زمین میں ، پہاڑوں میں ، وادیوں میں اور تمام سمندروں میں دیکھے گا ۔

فرمایا : مخلوقات اور خالق کے درمیان ان کے واسطہ بننے سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے ، اسی کی وجہ سے دیگر بڑی مخلوقات مثلاً حجب وغیرہ کو چھوڑ کر ان پر ایمان لانا ضروری ہے ۔

امّت محمدیہ کے اولیاء کی فضیلت

ایک روز گفتگو کے دوران میں میں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جنوں انسانوں شیطانوں اور ہر ایک کو کسی طرح ان کے لیے مسخر کیا اور پھر حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اللہ نے انہیں لوہے کی صفت عطا کی اور لوہے کو ان کے ہاتھوں میں اس طرح نرم کر دیا جیسے گوندھا ہوا آٹا اور ان معجزات کا ذکر کیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے مثلاً مادر زاد اندھوں اور کوڑھیلوں کو شفا دینا اور مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ معجزات انبیاء کا ذکر کیا اور آپ سمجھ گئے کہ میری مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں مگر اس قسم کے معجزات آپ سے صادر نہیں ہوتے اور جو معجزات آپ سے صادر ہوئے ہیں وہ اور طرح کے ہیں ۔

فرمایا : حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنے ملک میں جو کچھ عطا ہوا اور جو کچھ بھی حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے مسخر کیا گیا اور جو عزت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دی گئی ہے ، امّت محمدیہ کے اہل تصرف اولیاء اللہ کو یہ تمام بلکہ اس سے بھی زیادہ طاقت دی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جن ، انس ، شیاطین ، ہوا اور

فرشتے تمام کو ان کے لیے مسخر کر دیا ہے بلکہ دنیا و مافیہا کی تمام اشیاء ان کی مسخر ہیں۔ انہیں مادر زاد اندھوں اور گڑھیوں کو تندرست کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت دی گئی ہے، لیکن چونکہ یہ ایک پوشیدہ امر ہے اس لیے یہ امر ان پر ظاہر نہیں ہوتے تاکہ کہیں لوگ ان کی طرف لگ کر اللہ کو بھول نہ جائیں۔ یہ سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے اہل تصرف کو حاصل ہوا ہے لہذا یہ سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں شمار ہوگا۔ اس کے بعد ایسے اسرار کا ذکر فرمایا جو انسانی عقول کی سمجھ سے باہر ہیں۔ واللہ اعلم۔

اہل تصرف اولیاء کفار کو ایک دن میں نے حضرت سے پوچھا کہ اہل تصرف اولیاء کو کفار کو ہلاک کرنے کی قدرت جوتی ہے یہاں کہیں بھی وہ ہوں۔ پھر کیا وجہ کہ ان کے کفر ہلاک کیوں نہیں کر دیتے اور غیر اللہ کی عبادت کے باوجود انہیں زندہ چھوڑ دیا جاتا ہے حالانکہ اس قسم کے لوگ کا ہلاک کرنا واجب ہے۔

پتھے کی طرف مڑا کر دیکھا پھر چہرہ سیدھا کر کے کہا کہ دل ایک لحظہ کے اندر تمام روی زمین کے لوگوں کو فنا کر دینے کی طاقت رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود جب مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ میں شریک ہوگا تو اسے اپنے ہتھیار کے ذریعہ سے کافروں میں تصرف کرنا منع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کرتے ہوئے اسے جنگ کے دستور کے مطابق تلوار اور نیزہ سے لڑنا ہوگا۔

ایک واقعہ مسلمانوں کی ایک کشتی کا جس میں دو دول تھے کافروں کی ایک کشتی سے مقابلہ ہو گیا۔ جب ان کی جنگ تیز ہو گئی تو ان میں سے ایک دول جو مرتب میں چھوٹا تھا اٹھا اور اپنے ہتھیار کے ذریعہ سے کافروں کی کشتی میں تصرف کیا اور ان کے دیکھتے دیکھتے کافروں کی کشتی میں آگ لگ گئی اور اس سے کوئی طاہر ہی سبب صادر نہ ہوا جس سے وہ اپنے تصرف کو چھپا سکے بلکہ کشتی خود بخود بغیر کسی سبب کے جل گئی۔ جب اس دول نے یہ کام کیا تو دوسرے دول نے جو اس سے بڑا تھا اس فعل کی سزائیں اس تصرف کو سلب کر دیا۔ فرمایا کافروں میں اس سزا باطنی کے ذریعہ سے تصرف کرنا اس لیے ناجائز ہے کہ صاحب تصرف اس حالت میں درحقیقت کافروں سے جنگ کرنے میں اہل تصرف عالم بشر سے خارج اور دوسرے عالم سے جا ملتا ہے اور جیسے دشنام ملا کہ کو جائز نہیں کہ اپنی قوتِ اصلیہ کے تصرف باطن کو استعمال نہیں کر سکتے مطابق کافروں میں تصرف کریں اسی طرح صاحب ہتھیار کو جائز نہیں کہ ان میں اپنے تصرف کی طاقت کو عمل میں لائے بلکہ صاحب تصرف کے ہاتھوں وہی امور جاری ہوں گے جو ان کی بقا و زندگی اور دوامِ عیش کا سبب ہونگے جیسا کہ نگہبان فرشتے ان کی پیدائش سے لے کر مرگنے تک

مک ان کے تمام امور کا انتظام کرتے ہیں۔ الحاصل چونکہ کفار عالم بشر میں سے ہیں اس لیے ان سے جنگ کرنے اور ان کو ہلاک کرنے کے لیے صرف وہی طریقے اختیار کئے جاتیں گے جو عالم بشر میں عادتاً اختیار کئے جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت نے فرمایا: ایک چھوٹی عیسائی بچی نے ایک دن چاند کو دیکھ کر باپ سے کہا کہ اس چاند کو کس نے پیدا کیا؟ اس کے باپ نے زمین میں گڑھی ہوئی صلیب کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس نے۔ اس پر بچی نے صلیب کو اٹھایا اور سر کے برابرے جا کر ہوا میں چھوڑ دیا اور وہ زمین پر آگری اور کہا تا جو چیز اتنی قریب جگہ میں اپنے آپ کو خود بخود قائم کی اس کو کس نے تھا تا کہ اس قدر بندی پر پہنچ کر وہ چاند کو پیدا کر آئی۔ اس پر اس کے باپ نے اسے برا بھلا کہا۔

میں نے حضرت سے پوچھا کیا وہ لڑکی مسلمان تھی؟ فرمایا: نہیں۔ میں نے پھر پوچھا کیا وہ بعد میں اسلام لاتی؟ فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا پھر اس نے ایسا صحیح اعتراض کیسے کیا اور ایسا واضح نور اسے کہاں سے عطا ہوا؟ فرمایا: ایک اہل حق وہاں موجود تھا اس نے لڑکی کی طرف دیکھا تھا جس کی وجہ سے اس نے یہ گفتگو کی۔ واللہ اعلم۔

موتف کہتا ہے کہ اس اہل حق سے جو وہاں موجود تھا مراد خود حضرت شیخ ہیں اور جو نظر اس لڑکی پر پڑی تھی وہ باطن کی نظر تھی جو لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہے واللہ اعلم۔

اگر دلی اپنے جسم کے سوا کسی اور جسم میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ جب دلی اپنی صورت چھوڑ کر کسی اور شکل میں ہو اور وہ اسی شکل میں قتل میں قتل ہو تو تکلیف کسے ہوگی !!

گویا اس کے اصلی جسم کو جس کی شکل اس نے اختیار کی ہے؟

فرمایا: ہمیں یہی عقیدہ رکھنا چاہیے کہ دونوں جہانوں میں تکلیف ایک ہی طرح کی ہے مگر لوگوں کو اس کا علم نہیں اس لیے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ تکلیف جسم کو ہوتی ہے حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں روح کو ہے اگر یہ بات ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جلیں دینے کی کیا ضرورت تھی۔ محض جسے ہی تمام کفار کو ہلاک کر دیتے اور میں۔ پھر اس قدر انبیاء جو قتل ہوتے ہیں، نہ ہوتے لہذا مومن و منافق میں تمیز بھی نہ ہو سکتی اور نہ مرتبہ شہادت رہتا۔ اسی طرح اگر ان اسرار خداوندی پر غور کیا جائے تو بات واضح ہوجاتی ہے کہ کفار کو ہلاک کرنے میں مرکا استعمال درست نہیں۔ ۱۷۔

تکلیف پہنچانا مقصود ہے۔ پھر کچھ اسرار کی باتیں بیان کر کے اس کی وضاحت کی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی ولی کو کسی ایسی جگہ پر متعین فرماتے ہیں جسے اس کی ذات تری یا سخت گرمی یا سخت سردی وغیرہ کی وجہ سے برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لیے اس کی روح اپنی ذات سے نکل کر اس دوسرے جسم میں داخل ہو جاتی ہے جو اس کی برداشت کی طاقت رکھتا ہو اور اس طرح جس کام پر وہ دل مامور ہوتا ہے۔ اسے پورا کرتا ہے اور اس نے جسم میں اگر اسے کوئی تکلیف ہوگی تو بعینہ اسی طرح اسے درد محسوس ہوگا جس طرح اپنی ذات میں۔

میں نے پوچھا: جن اجسام میں روح داخل ہوتی اور منتقل ہوتی ہے وہ کون سے ہیں؟
فرمایا: پہاڑ اور پیل وغیرہ جو ان موانع کو برداشت کر سکیں۔

میں نے عرض کیا: جب ان کی اپنی روح اپنی ذات میں موجود ہوتی ہے تو پھر ولی کی روح ان میں کیسے داخل ہو جاتی ہے؟

فرمایا: ان کی روح اگرچہ ان کی ذات میں موجود ہوتی ہے مگر وہ انسانوں کی روح کی طرح نہیں ہوتی کیونکہ بنائے ان کی عقل کی طرح (دکڑور) ہوتی ہے اور ان کی عقل ان کی روح کی طرح ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی روحیں ان کی ذات پر اس طرح حکم نہیں چلا سکتیں جس طرح بنی آدم کی روحیں ان کی ذات پر حکم چلا سکتی ہیں اسی لیے تو دل جب ایسے امر مقدّر کو (اللہ کے حکم سے) نافذ کرنا چاہتا ہے جو تبدیل جسم پر موقوف ہو تو چوپایوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور انسانوں کی شکل اختیار نہیں کرتا کہ ان میں ان کی روح موجود ہوتی ہے۔

میں نے کہا بعض اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ ایک روشنی غیر متحرک ہوتی ہے مگر پھر کوئی بات پیش آ جاتی ہے جس سے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کسی شخص کی طرف حرکت کرتی دکھائی دیتی ہے حتیٰ کہ اسے قتل کر دیتی ہے ہو سکتا ہے کہ دل نے اس امر مقدّر کو پورا کرنے کے لیے آگ کی شکل اختیار کر لی ہو۔
فرمایا: ممکن ہے ایسا ہی ہو بشرطیکہ مقتول کا فر ہو۔ اس لیے کہ نور کے لشکر اور ظلمت کے لشکر میں سخت جنگ رہتی ہے۔

میں نے کہا: ہاں اور کتوں کی شکل میں جو شیاطین متشکل ہوتے ہیں، ممکن ہے کہ اس کی بھی یہی نوعیت ہو؟

فرمایا: ہاں۔ شیاطین میں ظلمت اور باطل (کی قوت) ہے اور اولیاء اللہ میں حق اور نور کی اور ظلمت اور نور دو لشکر ہیں۔ تقدیر الہی کو نافذ کرنے کی غرض سے کبھی یہ لشکر چوپایوں کی صورت اختیار

کر لیتا ہے اور کبھی وہ۔

میں نے کہا: کیا دل سانپ کی صورت بھی لے لیتا ہے؟
فرمایا: ہاں۔ اگر اللہ کا حکم ہو کہ زہر سے قتل کیا جائے تو اس وقت اس کی روح سانپ کی
شکل اختیار کر لیتی ہے تاکہ تقدیر الہی نافذ ہو سکے۔

میں نے عرض کیا کہ دل کی روح میں تو زہر نہیں ہوتا۔

فرمایا: زہر کیا ہے؟ دل کی ہمت اور عزیمت سے تمام اشیاء اثر پذیر ہوتی ہیں۔ دل جس بات
کا ارادہ کرتا ہے ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد جب دل کی روح اس کی ذات سے نکل (کہ کسی اور ذات میں منتقل ہو) جاتی ہے تو
اس کی ذات کی کیا حالت رہ جاتی ہے؟

فرمایا: وہ روح کے بغیر رہ جاتی ہے۔ اگر وہ چھوٹا ولی ہو تو اس کی ذات مہسوت اور بے ہوش
رہ جاتی ہے اور وہ کوئی بات نہیں کر سکتا اور اگر بڑے بھی تو اس کی بات سمجھ نہیں آ سکتی لیکن اگر وہ
کبار اولیاء میں سے ہو تو اس کی ذات اسی حالت میں رہتی ہے چنانچہ وہ اس طرح باتیں بھی کرتا ہے
اور ہنستا بھی ہے۔

میں نے عرض کیا: جب ذات روح کے بغیر رہ گئی تو وہ مر گیا۔ پھر پہلے شخص کا مہسوت و مدہوش
کی صورت میں رہنے کا کیا مطلب؟ اور دوسرے کے اپنی حالت میں رہنے سے کیا مراد ہے جبکہ روح دونوں
کی نکل چکی ہے؟

فرمایا: جب روح نکل جاتی ہے تو اس کے آثار مثلاً حرارت وغیرہ باقی رہتے ہیں اور جب تک
آثار باقی ہوں ذات زندہ رہتی ہے اور یہ آثار چوبیس گھنٹوں کے بعد کہیں ناکمل ہوتے ہیں چنانچہ جس کی
روح چوبیس گھنٹے گزرنے سے پہلے ذات میں لوٹ آتی ہے وہ بدستور زندہ رہتا ہے اور جس پر چوبیس گھنٹے
گزر جاتیں اور روح واپس نہ آئے تو پھر وہ کبھی بھی بدن کی طرف لوٹ نہیں سکتی اور اس کا شمار مرنوں
میں ہوتا ہے بہت سے ولیوں کی روح اسی حالت میں قبض ہو گئی اور جن لوگوں کی روح اس حالت میں
قبض ہو جاتے ان پر اللہ کی بڑی غایت ہوتی ہے۔

اس پر میں نے سوال کیا کہ میں نے سنا ہے کہ بعض کو الیاء کی روح اپنی ذات سے تیس تین دن غائب
رہتی ہے اور پھر واپس آ جاتی ہے اس سے تو مذکورہ بالا تقریر کی تردید ہوتی ہے۔

فرمایا: تم نے جو کچھ سنا ہے سچ ہے۔ روح سترہ دن بلکہ اس سے بھی زیادہ روز تک غائب رہتی ہے

مگر اس حالت میں ذات کی طرف روح کی توجہ کاربہنا ضروری ہے۔ اسی توجہ کی بدولت تو ذات زندہ رہتی ہے۔ پھر اس کی مثال یوں بیان کی بد کوئی شخص ایسی جگہ پہنچے جہاں چوری وغیرہ کا خطرہ ہو پھر وہ اپنے کپڑے اتار کر ہڈی میں تیرنے لگے۔ وہ خود تو پانی میں ہو گا، لیکن اسے اپنے کپڑوں کا ڈر ہو گا چنانچہ تو دیکھے گا کہ کبھی تو وہ غوطہ لگا تا ہے اور کبھی وہ سر اٹھا کر کپڑوں کو دیکھتا ہے کہ کہیں کوئی شخص چرانے لے جائے یہی حال روح کا ہے جب یہ ذات سے نکل کر جاتی ہے تو اسی طرح اپنی ذات کی خبر گیری کرتی ہے جس طرح کہ یہ تیرنے والا اپنے کپڑوں کی کرتا ہے فرق اتنا ہے کہ تیرنے والا صرف نگاہ سے اپنے کپڑوں کا خیال رکھتا ہے اور روح خفیف ہونے کی وجہ سے ذات میں داخل ہو کر اس کی نگہانی کرتی ہے چنانچہ ذات کی طرف محض توجہ سے ہی روح کا اس میں دخول ہو جاتا ہے اس کے بعد جو کام اللہ نے اس کے سپرد کیا ہوتا ہے، اسے پورا کرنے کے لیے نکل جاتی ہے۔ پھر توجہ کرتی ہے اور داخل ہو جاتی ہے اور یہ معاملہ اسی طرح جاری رہتا ہے تا آنکہ وہ کام پورا ہو جاتا ہے خواہ اس میں تین یا اس سے بھی زیادہ دن گزر جائیں۔ لہذا ان دونوں بیانون میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

صاحب تعارف ولی جس کی جیب میں سے چاہے بدون فرمایا کہ صاحب تعارف جس کی جیب میں سے چاہے ہاتھ ڈاکر اس کے کو اسے پتہ چلے ہاتھ ڈال کر پیسے نکال سکتا ہے۔ اسے پتہ چلے کہ ہنر جتنے پیسے

چاہے نکال سکتا ہے۔ نہ تو کتا ہے کہ اس کی وجہ ہے کہ جس ہاتھ سے دل پیسے نکالتا ہے وہ باطن کا ہاتھ ہوتا ہے ظاہر کا نہیں۔

اس کے بعد آپ نے ایک دل کا ایک واقعہ ذکر کیا جو اسے پڑوسی کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اس پڑوسی کی بیوی کے پاس کسی شخص نے پانچ مشقال (سوئے کا سک) بطور امانت رکھے اور خود فیج کی طرف مسافرت میں چلا گیا اور کہ گیا کہ زندہ رہا تو پانچ مشقال خود لوں گا اور اگر مر گیا تو میری اولاد کو دے دینا۔ اس شخص کے بچے جانے کے بعد عورت کی موت کا وقت آگیا۔ اس نے اپنے خاوند سے وصیت کی کہ اگر ان مشقالوں کا مالک آگیا تو یہ اسے دیدینا۔ خاوند نے اس وقت تو اس سے ہاں کر لیا مگر اسے دفن کرنے کے بعد اس کا دل بے ایمان ہو گیا اور ان مشقالوں کو ہضم کر گیا۔ پھر جب ان کا مالک آیا تو اس نے دینے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد اس نے پیسہ جمع کرنا شروع کر دیا بیان تک کہ اس نے اسی قدر رقم لی پانچ مشقال جمع کر لیے اور اس پر بہت خوش ہو کر گھر سے نکلا اور اس وقت اس کا پڑوسی دل اپنے دردناک پر تھا۔ یہ دونوں فاس میں راس الجناس کے محل میں رہتے تھے اس نے شیخ فروش سے ایک شمع خریدی تاکہ حضرت

عبدالقادرفاسی کے مزار پر جا کر جلائے جب وہ اس طور کے پاس پہنچا جو سبع لویات میں ہے تو ولی نے راس الجنان سے (جہاں وہ اب تک کھڑا تھا) اس کی جیب میں ہاتھ ڈالکر امانت میں خیانت کرنے کی سزا میں پانچ شقال نکال لیے اور اسے کسی بات کا علم بھی نہ ہوا۔ یہاں تک کہ وہ اس مزار پر پہنچا اور وہاں شمع روشن کی۔ پھر راس الجنان کی طرف جھانک کر دیکھا۔ جب اس کی نگاہ اس دلی پر پڑی تو اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اپنی جیب تو دیکھ لوں۔ ہاتھ ڈالا تو جیب میں کچھ بھی نہ تھا۔ اس سے وہ بہت برہم ہوا اور ولی سے بات کرنے لگا مگر اسے اس کی ولایت کا علم نہ تھا کہ لگا خدا کی قسم اللہ کا کوئی ولی نہیں رہا نہ زندہ اور نہ مردہ۔ ولی کو اس قدر ہنسی آئی کہ ہنسی کے مارے کرنے کو تھا۔ پھر ولی نے پوچھا: چچا عبدالرحمن کیا بات ہے؟ کہنے لگا جب گھر سے نکلا تھا تو پانچ شقال جیب میں تھے ان کی خوشی میں میں نے ارادہ کیا کہ حضرت عبدالقادرفاسی کے مزار پر شمع جلائے کو لے جاؤں مگر اکپوں نے جیب تراش لی۔ اس سے ولی کو اور بھی ہنسی آئی۔ واللہ اعلم۔

موتلف کہتا ہے ولی مذکور خود حضرت شیخ تھے۔ اسی قسم کا واقعہ آپ کو فقیہ محمد بن علی تہجدی (مہم پڑ برادر جیم پر شد۔ تہجد وہ کی طرف نسبت ہے جو تہجدی کے رہنے والے ایک قبیلہ کا نام ہے) کے مریدوں کی ایک جماعت کی موجودگی میں پیش آیا کہ محمد بن علی تہجدی اپنے وطن سے حضرت کی زیارت کے لیے آئے حضرت گھر سے نکل آئے۔ اپنے گھر کے دروازہ کے قریب دیوار سے تکیہ لگا کر بیٹھ گئے اور محمد بن علی تہجدی بالمتقابل کے گھر کی دیوار کے ساتھ بیٹھ گئے۔ دونوں کے درمیان راستہ تھا جہاں سے لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی۔ حضرت نے فقیہ سے کہا (اور حضرت کو اُن سے بڑی الفت تھی) آپ کے پاس کچھ درہم ہیں۔ جواب دیا کہ میں آپ کو کچھ بھی نہیں۔ حضرت نے یہی سوال تین بار دہرایا اور فقیہ نے تینوں مرتبہ یہی جواب دیا۔ حضرت نے فرمایا ذرا دیکھو تو سہی۔ فقیہ کے پاس ایک کپڑے میں بندھے ہوئے اٹھارہ موزوں تھے لہذا انہیں اترار کرنے کے سوا کچھ بن نہ پڑا اور کہا ہاں اٹھارہ موزوں ہیں۔ حضرت نے فرمایا: لاؤ۔ تو فقیہ نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولا تو کچھ بھی نہ تھا اور وہ حیران رہ گئے۔ شیخ ہنسے اور اپنے نیچے سے کپڑے میں بندھے بندھائے نکال دیے اور فرمایا: اے محمد بن علی جس شخص کو اتنی قدرت ہو تو اس سے کیسے انہیں چھپا سکتا ہے۔

ہم نے اسی فقیہ کے ساتھ حضرت کی ایک اور کرامت دیکھی۔ اس طرح کہ فقیہ مذکور بڑے اعریس تھا اور اسے دنیا سے بہت محبت تھی اور اس نے دنیا کا بہت سا مال جمع کر رکھا تھا مگر اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ جب حضرت سے اس کی ملاقات ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت کی محبت اس کے دل میں ڈال دی تو

حضرت اسے اللہ کے لیے مال خرچ کرنے کو کہا کرتے اور فقیہ بھی بے دریغ خرچ کیا کرتا اور وہ خود بھی اس سے تعجب کرتا تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے اس قسم کی اس کی عادت نہ تھی۔ اس کے بعد حضرت نے صدقہ و خیرات میں اس کا روپیہ نکالنے میں اور بھی سختی شروع کر دی یہاں تک کہ میں اس پر رحم آتا تھا اور ہم کہا کرتے کہ حضرت نے اس پر بہت بوجھ ڈال دیا ہے مگر فقیہ مذکور اس سے بہت خوش تھا، میں تو اس کے انجام کا علم نہ تھا مگر شیخ کو اس کا پتہ تھا۔ اس لیے کہ فقیہ کی موت کا وقت قریب آچکا تھا اس لیے حضرت اس کے لیے جنت میں محل تیار کروا رہے تھے اور اس کے مال کو اس کے لیے پہلے سے ہی وہاں پہنچا رہے تھے جس کا ہمیں علم نہ تھا۔ جب فقیہ کا مال ختم ہونے کو آیا اور صرف اس قدر باقی رہ گیا جس کی اس کی بیوی وارث ہو سکے اور اپنا مال لے سکے تو فقیہ مذکور نے وفات پائی۔

حضرت نے اپنے ایک بزرگ و دوست علی بن عبد اللہ صباغی سے بھی جن کا ذکر ابتداء کتاب میں ہو چکا ہے کیا تھا کیونکہ حضرت نے ان سے پہچان ہونے کے دن سے ہی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے پر اصرار کیا تھا اور مال ختم ہو جانے پر ان کی وفات ہوئی اور وہ جو ارحمت میں جلیسے۔
خدا تمہیں توفیق دے۔ ذرا غور کرو کہ حضرت بیسے بزرگوں کی معرفت سے لوگوں کو کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

فرمایا: صاحب تعرف دل کے لوگوں کا مال نکالنے میں اور چور کے مال لینے میں ولی اور چور میں فرق مال نکالنے میں فرق صرف حجاب اور عدم حجاب کا ہے کہ ولی کو مشاہدہ حق نصیب ہوتا ہے اور اسی کی طرف سے وہ مال لینے پر مامور ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ مَا نَفَعْتُهُ عَنْ أَهْلِي (میں نے یہ کام اپنی مرضی سے نہیں کیا)

فرمایا: حضرت منصور قطب ایک مرتبہ مولانا اور میں کے مزار پر آئے وہاں حضرت ابو یزید بن ابوزریان بگاری بھی زیارت کو آئے ہوتے تھے۔ حضرت منصور ان کا زاد راہ لے کر چل دیے۔ میں نے حضرت سے اس کے متعلق عرض کیا (کہ یہ تو چوری ہے)

فرمایا: چور اور ولی کے لینے میں فرق حجاب اور عدم حجاب کا ہے حضرت منصور چونکہ قطب تھے انہیں وہ زاد راہ اپنا دکھائی دیتا تھا اور لوح محفوظ میں انہیں وہ اپنی قسمت میں دکھائی دیتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لینے کا حکم بھی سن لیا تھا اس لیے ان کے لیے اس کا لینا جائز تھا خواہ وہ کسی طریقہ میں ہو اور چور جو ہوتا ہے وہ محبوب اور رب سے غافل ہوتا ہے۔ پھر آپ نے حضرت عبدالرحمن مجذوب کا قصہ بیان کیا کہ ان کے مریدوں نے ایک بیل پکڑ لیا۔ حضرت عبدالرحمن نے انہیں اسے ذبح

کرنے اور کھانے کا حکم دیا، مگر حضرت یوسف ناسی نے جو بعد میں ان کے جانشین بنے ہاتھ پکھنچ لیا۔
آخر کار بیل کا مالک آیا اور اس نے بتایا کہ وہ بیل حضرت عبدالرحمن اور ان کے مریدوں کے لیے
مدت ہے۔

مؤلف کہتا ہے کہ یہ ایک مشہور واقعہ ہے۔ اسی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ذکر کا مال ہے کہ
ان کے لیے اگر یہ ممکن ہوتا کہ اپنا گوشت حضرت منصور کو کھانے کو دے سکیں تو وہ فردر کو گزرتے۔
خدا ہمیں کاملین کے متعلق بڑے عقیدے رکھنے سے بچاتے۔ اس باب میں ہمارا ارادہ صرف اتنا ہی لکھنے
کا تھا۔ خدا اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے۔ آمین۔



پانچواں باب

پیر پکڑنے اور مرید بننے کے بارے میں اور اس کے متعلق جو کچھ حضرت سے سننے میں آیا

پہلا سوال: کیا تربیت ایک فقیر نے حضرت سے دریافت کیا یہ جو کسی نے کہا ہے کہ تربیت منقطع ہو چکی کیا یہ درست ہے؟ اصل سوال کی عبارت اس طرح ہے: اے حضرت منقطع ہو گئی ہے؟ امام جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کی سی نعمات عنایت کیں اور انہیں مانند

نبوت کی نسبت سے سرفراز کیا۔ خدا اس صاحب نبوت پر بہترین درود اور پاکیزہ ترین سلام بھیجے۔ خدا آپ کو اپنے علوم لدنیہ عطا کرے۔ ہمیں اس طرح واضح طور پر بتلائیں کہ تمام شبہات زائل ہو جائیں اور عقول سے ہر قسم کا اشکال دور ہو کہ علوم دوحانیہ حاصل کر سکیں اور ساتھ ساتھ عبارت کی تشریح کر کے شاہین محمود کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وارد ہے کہ تمام مخلوق اللہ کا عیال ہے اور مخلوقات میں سے اللہ کو وہ لوگ زیادہ پیارے ہیں جو اس کے عیال کو زیادہ نفع پہنچاتیں۔ جناب عالی! ان شبہات میں سے ایک اس طرح ہے کہ حضرت زروق نے فرمایا ہے کہ اصطلاح مونیہ میں جسے تربیت کہتے ہیں وہ ختم ہو گئی۔ اب صرف ہمت اور حال کے ذریعے ہی تربیت رو گئی ہے لہذا تم بغیر کم و کاست کے کتاب و سنت پر عمل کیا کرو۔ کیا یہ انقطاع تربیت خالص آپ کے زمانہ کے لیے ہے یا نزول مینی مایہ السلام تک منقطع رہے گی۔ اگر واقعی منقطع ہو چکی ہے تو اس کا کیا سبب ہے؟ اور اگر باقی ہے تو وہ شیخ کون ہے جسے مرید کی روح دے دی جائے تاکہ علیحدگی میں جیسا چاہے وہ اس میں تعریف کرے۔ ہمیں بتلائیں وہ شیخ کس ملک اور کس شہر میں ہے جس کے ہاتھوں مخلوق کا یہاب ہوئی ہو یہ فقیر وہی ہیں جن کا ذکر حق کی تفسیر میں اور ان دو کتابوں والی حدیث کی تشریح میں آچکا ہے جن میں اہل جنت و اہل ناس کے نام ہیں۔

خیر القرون میں پیری مرید کی کیوں نہ تھی حضرت نے جواب دیا: تربیت کا مقصد ذات کی صفائے اور رعونت سے اسے پاک کرنا ہے تاکہ سر خداوندی

کی تحمل ہو سکے اور یہی صورت میں ہو سکتا ہے جب اس کی ملکیتیں دور ہو جائیں اور باطل سے اس کے تمام تعلقات منقطع ہو جائیں۔ پھر باطل سے اس کا نفع تعلق کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ اصل خلقت میں اسے پاک و صاف کیا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ بلا واسطہ اس کو پاک بنا دیتا ہے۔ یہ حالت تو قرونِ ثلثہ کی تھی جنہیں خیر القرون کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ کے لوگ بالبطع حق کے ساتھ متعلق اور اس کی تلاش میں لگے ہوتے تھے۔ سوتے تھے تب بھی اسی حال میں اور جاگتے تھے تب بھی اسی میں اور حرکت کرتے تھے تب بھی اس طلب تلاش میں۔ یہاں تک کہ جنہیں اللہ نے بصیرت دی ہے اور وہ ان کے باطن کی طرف دیکھے تو شاذ و نادر ہی ایسا شخص ملے گا جس کی عقل اللہ اور رسول کے ساتھ نہ لگی ہو اور وہ اللہ اور رسول کی رضا تک پہنچنے کی کوشش میں نہ لگا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں کثرت سے بھلائی پائی جاتی تھی اور ان میں نور حق چمکتا تھا اور ان میں اس قدر علم کا ظہور ہوا اور اس حد تک درجہ اجتناد کو پہنچے جس کی نہ کیفیت بیان ہو سکتی ہے اور نہ کسی کی وہاں تک پہنچنے کی طاقت ہے۔ اسی لیے اس زمانہ میں تربیت کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ صرف اتنا ہوتا کہ پیر کی ملاقات اپنے اس مرید سے ہوتی جو بعد میں اس کا صاحب سر اور نور کا وارث ہوتا۔ پیر مرید کے کان میں کوئی بات کہہ دیتا اور صرف اسی سے مرید کو نفع نصیب ہو جاتا اس لیے کہ ان کی ذات پاک ہوتی، ان کی عقلیں صاف ہوتیں اور وہ راہ ہدایت کی تاک میں لگی رہتی تھیں۔

کبھی تربیت شیخ کے ذریعہ سے ہوتی ہے کہ پیر کو مرید کی ذات سے تاریکی دور کرنی پڑتی ہے۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جو قرونِ ثلثہ کے بعد کا زمانہ ہے۔ جب فیتنیں فاسد ہو گئیں۔ ارادوں میں کھوٹ آگیا اور لوگوں کی عقلیں دنیا کی طرف لگ گئیں اور شہواتِ نفسانی تک پہنچنے اور لذات کو حاصل کرنے کی کوشش میں ہر وقت لگی رہتیں، پھر یہ ہوتا کہ صاحب بصیرت پیر کی ملاقات اپنے مرید سے ہوتی۔ وہ اسے پہچانتا اور دیکھتا کہ اس کی عقل باطل اور شہوات کے حصول کی طرف لگی ہوئی ہے اور اس کی ذات بھی عقل کی تقلید کر رہی ہے چنانچہ وہ بھی لہو و لعب کرنے والوں اور باطل لوگوں کی طرف مائل ہو جاتا ہے اس کے اعضاء کی حرکت بھی غیر محمود ہے۔ اس سبب کا سبب یہ ہوتا ہے کہ قتل جو ذات کی ملک ہے وہ خود باطل میں بکڑی ہوتی ہے۔ لہذا جب پیر مرید کو اس حالت میں دیکھتا ہے تو وہ اسے غلوت ذکر اور کم کھانے کا حکم دیتا ہے۔ غلوت کی وجہ سے وہ ان باطل لوگوں سے منقطع ہو جاتا ہے جن کا شمار

مردوں میں ہے۔ ذکر سے کلام باطل اور لغو باتیں دور ہو جاتی ہیں جو اس کی زبان پر چڑھی ہوتی ہیں اور کم کمانے سے وہ بخارات جو خون میں ہوتے ہیں کم ہو جاتے ہیں لہذا شہوات نفسانی بھی کم ہو جاتی ہیں اور عقل کا تعلق پھر اشد اور اس کے رسول کے ساتھ ہو جاتا ہے جب یہ اس حد تک پاک و صاف ہو جاتا ہے

کے قابل ہو جاتی ہے۔ شیخ کا اسے تربیت دینے اور خلوت میں لے جانے کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے۔ پھر ایک مدت یہ طریقہ جاری رہا یہاں تک کہ حق باطل سے اور نور ظلمت سے مخلوط ہو گیا چنانچہ اہل باطل ان لوگوں کی جوانی کے پاس آتے تھے تربیت کرتے کہ انہیں بری نیت اور باطل اغراض سے خلوت میں جانے کو کہتے اور اسماء الہیہ کی تلقین کرتے۔ پھر ان کے ساتھ تعویذات اور عملیات کا اضافہ کر دیتے جس کا انجام مکمل اللہ اور استدراج ہوتا۔ حضرت زروق اور ان کے شیوخ کے زمانہ میں چونکہ یہ رنگ عام پھیل گیا تھا اس لیے انھوں نے دینی خیر خواہی کی غرض سے یہ مشورہ دیا کہ اس طریق تربیت کو جس میں اہل باطل کی کثرت ہو گئی ہے ترک کر دیں اور وہ امن کا راستہ اختیار کریں جس میں نہ کوئی خطرہ ہے نہ پریشانی یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول کا اتباع۔ اور جس نے ان دونوں سے ہدایت پائی وہ پھر گمراہ نہیں ہو سکتا لہذا انھوں نے جو کچھ کہا ہے وہ از روئے نصیحت و احتیاط کہا ہے۔ ان کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ حقیقی تربیت بالکل ہی منقطع ہو چکی ہے اور وہ ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں جبکہ نور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم باقی ہے اور اس کی خیر و برکت امت کے شامل حال ہے اور یہ قیامت تک باقی رہے گا۔

اس بات کا جواب کہ کونسا شخص ہے جو پیر تربیت بن سکے اور جس کے حوالے مرید اپنے آپ کو کر دے یہ ہے کہ وہ شیخ جس کے حوالے مرید اپنے آپ کو کر دے وہ شخص ہو سکتا ہے جو احوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلتا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسے ایمان کامل اور صاف معرفت عطا کی ہو، پس ایسا شخص اس قابل ہے جس کے حوالے انسان اپنا آپ کو دے اور جو محبت کے لائق اور جس کی دوستی نفع رساں ہوتی ہے کیونکہ ایسا شخص بندہ کو رب سے ملا دیتا ہے اور جو سادس اللہ کی معرفت میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں ان کو دور کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ترقی دلاتا ہے۔

اب یہ سوال کہ اس کی تعیین کی جاسکے کہ وہ کس ملک اور شہر میں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا صفات کی مالک کئی ایک ہستی ہیں اور محمد اللہ شہروں اور ملکوں میں پھیلی ہوئی ہیں مگر

اہل سنت والجماعت سے باہر نہیں، ان کی تلاش میں رہو تمہیں مل جائیں گے۔ **يَا أَيُّهَا اللَّهُ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ** راہن لوگوں کے ساتھ ہے جو گناہ سے بچتے اور نیک کام کرتے ہیں۔ (۱)

دوسرا سوال: بیداری میں دیدارِ فقید نے اس شخص کے متعلق بھی سوال کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا دعویٰ کرتا ہو۔ سوال یوں کیا گیا کہ حضرت ایک سوال یہ ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہو کہ

وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھتا ہے اس کے متعلق عارفین کا قول ہے کہ اس کے دعویٰ کو دلیل کے بغیر قبول نہ کیا جائے اور وہ دلیل یہ ہے کہ وہ ایک کم تین ہزار مقام طے کر چکا ہو اور مدعی کو ان مقامات کے بیان کرنے کو کہا جائے۔ آپ سے ہماری یہ درخواست ہے کہ آپ ان مقامات کو گنیں خواہ رمز و اختصار کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو یا جس قدر بھی آپ بسہولت بیان کر سکیں۔

حضرت نے جواب دیا ہر شخص کے اندر تین سو چھیاسٹھ رنگیں ہیں۔ ہر رنگ ایک نہ ایک خاصیت کا حامل ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ صاحبِ بصیرت عارف ان رنگوں کو اپنی خاصیتوں میں روشن و مشتعل دیکھتا ہے چنانچہ ایک رگ جھوٹ کی ہے جو اس خاصیت سے چمک رہی ہوتی ہے۔ ایک رگ حد کی ہے جس سے وہ روشن ہے، ایک رگ ریا کی ہے اسی طرح ایک رگ غدر کی، ایک غرور کی اور ایک تکبر کی علیٰ ہذا القیاس باقی تمام رنگیں بھی اپنی اپنی خاصیت سے روشن ہوتی ہیں۔ عارف جب ذواتِ انسانی کو دیکھتا ہے تو وہ ہر ذات کو بمنزلہ ایک مجاڑ کے دیکھتا ہے جس میں تین سو چھیاسٹھ قسم کے رنگ دیے گئے ہوں اور ہر قسم کا جدا جدا رنگ ہو، پھر ان خواص میں سے ہر ایک کی مزید تفصیل و اتسام ہیں۔ چنانچہ مثال کے طور پر خاصیتِ شہوت کی کئی قسمیں ہیں۔ فرج کی طرف شہوت کو نسبت دی جائے تو شہوتِ فرج ایک قسم بن جائے گی اسی طرح شہوتِ جاہ ایک قسم ہے شہوتِ مال ایک قسم ہے اور طولِ اہل ایک قسم ہے۔ اسی طرح کتاب کی خاصیت ہے لہذا اگر کوئی شخص خود جھوٹ نہ بولتا ہو تو یہ ایک

۱۔ میں نے آگے چل کر چند ادبیاء اللہ کے نام دیے ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدارِ محال بیداری ہوتا تھا مثلاً ابوالہریرہؓ، ابراہیمؓ، سدیقؓ، محمد بن ابی حمزہؓ، عبداللہ بن ابی حمزہؓ وغیرہم۔ ان کے حالات واضح الآثار فی طبقات الانبیاء و الصحابة میں دیکھیں (نیز ملاحظہ فرمائیے)

قسم ہوگی اور اگر کوئی دوسرے کے متعلق یہ خیال رکھتا ہو کہ وہ سچ نہیں بولتا اور اسے اس کی باتوں میں شک گزرتا ہو اور اس کی تصدیق نہ کرتا ہو تو یہ ایک الگ قسم ہوگی۔ جب تک بندہ ان تمام مقامات کو طے نہ کرے اسے فتح نصیب نہیں ہوتی۔ لہذا جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے لیے نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور اسے فتح کا اہل بناتا ہے تو اسے ان خواص سے بدرجہ منقطع کرتا ہے۔ مثلاً جب کذب کی خاصیت منقطع ہوگئی تو مقام زہد میں پہنچ جاتا ہے اور شہوتِ معامی قطع ہوگی تو مقام توبہ میں پہنچ گیا۔ شہوتِ طول الاہل جاتی رہی تو اس دھوکے کی دنیا سے بے تعلق کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ یہی باقی مقامات کا حال ہے۔

اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ اسے فتح نصیب کرتا ہے اور اس کی ذات میں برتر رکھ دیا جاتا ہے تو بتدریج حوالہ کے مشاہدہ کے مقامات طے کرتا ہے سب سے پہلے اسے اجرامِ تراویہ کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ پھر اجرامِ طویہ کا پھر اجرامِ نورانیہ کا پھر وہ اس بات کا مشاہدہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال مخلوقات میں کس طرح جاری و ساری ہیں۔ اجرامِ تراویہ کا مشاہدہ بھی بتدریج ہوتا ہے۔ پہلے اپنی زمین کا مشاہدہ ہوتا ہے پھر اسے اپنے سمندروں کا پھر اس علاقہ کا جو اس کی زمین اور دوسری زمین کے درمیان واقع ہے اس طرح کہ اس کی نظر سمندروں کو چھڑک دوسری زمین میں چلی جاتی ہے۔ اسی طرح دوسری زمین میں پھر تیسری میان ملک کہ وہ ساتویں زمینوں کا مشاہدہ کر لیتی ہے۔ پھر وہ اس علاقہ کا مشاہدہ کرتا ہے جو اس کے اور پہلے آسمان کے درمیان ہے۔ پھر پہلے آسمان کا حتیٰ کہ ساتوں آسمانوں کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد برزخ اور ارواحِ برزخ کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ پھر ملائکہ کا، محافظ فرشتوں اور آخرت کے امور کا مشاہدہ کرتا ہے ان تمام مشاہدات میں سے ہر مشاہدہ میں بندہ پرانا تعالیٰ کا ایک حق ہے اور بندگی کے آداب میں سے ایک ادب (جن کا محاذ رکھنا ضروری ہے) ان مشاہدات کے دوران میں اسے ایسے امور پیش آتے ہیں جو اللہ سے منقطع کر دینے والے ہوتے ہیں اور بہت سی رکاوٹیں پیش آتی ہیں اور اسے بہت خونخوار اور ہلاک کرنے والے امور دکھائی دیتے ہیں۔ اگر بندہ ضعیف پر اللہ تعالیٰ کا فضل، اس کی رحمت اور توفیق شامل نہ ہو تو اس کا کم از کم نتیجہ یہ نکلے کہ وہ قتل و ہوش کو بیٹھے۔ پھر مقاماتِ مشاہدہ اور اس حوالہ کا قطع کرنا نفس کی غامضیتوں کے مقامات کو طے کرنے سے بھی زیادہ دشوار ہے اس لیے کہ مقاماتِ خواص کا قطع کرنا باطنی امر ہے جن کا شعور صرف فتح کے بعد ہوتا ہے اور مقاماتِ مشاہدہ کا قطع کرنا ظاہری امر ہے جس کا معائنہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے کیونکہ وہ فتح کے بعد اس میں مشغول ہوتا ہے لہذا جب اس کی نقصانات ہو جاتی ہے اور اس کی بصیرت کا نور مکمل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر ایسی رحمت

فرماتا ہے جس کے بندگی قسم کی بدبختی کا خطرہ نہیں رہتا تو اللہ تعالیٰ اسے سید الاولیٰین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار عطا کرتے ہیں چنانچہ وہ آپ کو آنکھوں سے دیکھتا اور بیداری میں آپ کا شاہدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے اس نعمت سے مالا مال فرماتے ہیں جسے دیکھی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا اور دیکھی بشر کے دل پر اس کا خیال بھی گزرا ہو۔ تب جا کر اسے آرام و سرور کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ خدا اسے یہ سعادت مبارک کرے۔ خواص نفوس کے اعداد اور ان کے اقسام کا اگر اعتبار کیا جائے اور ان مقامات کا بھی جو سابقہ شہادت سے حاصل ہوتے ہیں تو ان کی تعداد مذکورہ بالا تعداد (یعنی تین ہزار) سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ مزید برآں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک شہداء اُمت سے مخفی نہیں ہیں کیونکہ علماء نے آپ کے ظاہری اور باطنی اوصاف مخصوصہ کو کتابوں میں جمع کر دیا ہے لہذا جو شخص بیداری میں آپ کے دیدار کا دعویٰ کرے اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ حالات کے متعلق دریافت کرنا چاہیئے اور اس کا جواب سننا چاہیئے کہ آنکھوں سے دیکھ کر جواب دینے والا چھپ نہیں سکتا اور وہ نہ دیکھنے والے کے ساتھ مشتبہ نہیں ہو سکتا۔ والسلام۔

اگر اس جواب سے آپ کی تسلی ہوگئی ہو، فیما اور اگر مزید تشریح چاہتے ہیں تو یاد رکھو کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو فتح نصیب کرتے ہیں تو اس کی مدد انوار حق کے ساتھ فرماتے ہیں جو اس کی ذات میں تمام جہات سے داخل ہو جاتا ہے اور اس کے گوشت اور ہڈیوں کے اندر بھی جا گھستا ہے اور وہ اس کی ٹھنڈک اور جسم میں اس کے داخل ہونے کی اس قدر تکلیف محسوس کرتا ہے جس قدر کہ سکریات موت کی تکلیف ہوتی ہے۔ پھر اس نور کی شان یہ ہے کہ جس مخلوق کا اس بندہ کو حق تعالیٰ مشابہہ کرنا چاہتا ہے اسی کے اسرار اس پر وارد کرتا ہے کہ ذاتِ عہد پر یہ نور مخلوقات مذکورہ کے الوان سے مخلوق ہو کر مملو ہوتا ہے مثلاً جب حق تعالیٰ اس زمین کی مخلوقات کا مشابہہ کرنا چاہتا ہے تو یہ نور ایک دفعہ آتا ہے اور وہ اسرار جن سے بنی آدم کی تخلیق ہوتی ہے ساتھ ہی اس ذات میں گھس جاتا ہے پھر دوسری بار آتا ہے اور وہ اسرار ساتھ لے کر گھستا ہے جن سے جانم کی تخلیق ہوتی ہے اور کبھی ان اسرار کے ساتھ آتے ہیں جن سے جمادات کی تخلیق ہوتی ہے مثلاً پھل اور میوہ جات وغیرہ۔ چنانچہ جب تک ان کے اسرار اس میں سرشار نہ کر جائیں ان میں سے کسی کا بھی اسے مشابہہ نہیں کرایا جاتا اس کے باوجود اسے وہی چلنے کی طرح جان کنی کی تکلیف ہوتی ہے۔ سید الوجود اور علم الشہود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جملہ مخلوقات میں سے ہیں لہذا جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کا شاہدہ کرانے کا وعدہ فرماتا ہے تو یہ مشابہہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ آپ کی ذات مبارک کے اسرار

سے مرشد ہو جاتے۔ فرض کرو کہ صاحب فتح کی ذات فتح سے پہلے ایک تارکک و معظم شہی کی طرح تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف بمنزلہ ایک نور کے ہوجس کے متعدد شعبے ہوں، جن کی تعداد لاکھ یا لاکھ سے بھی زائد ہو۔ پس جب اللہ تعالیٰ اس تارکک ذات پر رحم فرما چاہتے ہیں تو یہ نور معدنی اس کی ذرات فرماتے گا اور اسے سیراب کرے گا چنانچہ ایک مرتبہ اگر ان نور کے شعبوں کے ذریعہ سے ایک ایک کر کے اس میں گھسے گا مثلاً شعبہ بصیر کے داخل ہونے سے اس کی ضد یعنی اضطراب و بے صبری کی غلظت زائل ہو جاتے گی۔ پھر یہ ایک اور شعبہ (شاخ) کو لے کر داخل ہو گا مثلاً رحمت تو اس سے بھی اس کی ضد یعنی عدم رحمت کی غلظت زائل ہو جائے گی، پھر ایک اور شعبہ کو لاتے گا مثلاً علم تو اس سے بھی ضد کی غلظت زائل ہو جائے گی، چنانچہ اسی طرح ذات مطہرہ کے نور کے تمام شعبے ایک ایک کر کے اس میں سرایت کریں گے اور ایک ایک کر کے اس تارکک ذات میں سے تاریکی کے تمام اوصاف زائل ہوتے جاتیں گے تب جا کر بندہ ذات شریف کا مشاہدہ کرنے کے قابل ہوتا ہے کیونکہ جب تک اس میں ذرہ بھر بھی سیاہی باقی رہے گی یہ اس کی ذات کے لیے تاریکی کا باعث ہوگی اور جب تک اس کی ذات میں سے تمام کی تمام سیاہی نکل نہ آئے اس وقت تک وہ ذات شریف کا مشاہدہ کرنے کے قابل نہیں ہو سکتی اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب ذات شریف کے انوار اس میں سرایت کر جاتے ہیں تو وہ پورے کے پورے اسی کمال سے اس میں داخل ہوتے ہیں جو کمال کو یہ ذات ان انوار سے اپنی ذات اور خلقت کی طاقت کے مطابق سیراب ہوتی ہے نہ ہی ہماری مراد یہ ہے کہ جب یہ ان شعبوں سے سیراب ہو جاتی ہے تو ذات شریف میں کوئی کئی پیدا ہو جاتی ہے یا یہ کہ ان کی جگہ ان انوار سے خالی رہ جاتی ہے کیونکہ انوار سے اخذ کرنے سے وہ اپنی جگہ سے زائل نہیں ہو جاتے اس سے یہ واضح ہو گیا کہ جب تک انوار شریف اور انوار لطیفہ کے وارد ہونے سے بندہ کے اپنے تمام اوصاف مومنین ہو جاتے اس وقت تک وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشاہدہ نہیں کر سکتا اور اس منزل تک پہنچنے کے لیے شمار مقامات طے کرنے پڑتے ہیں۔

۱۔ اصحاب فتح کے لیے بیداری میں مشاہدہ ذات نبوی اختیار نہ بات نہیں رہتی بلکہ اگر وہ اس سے غافل ہونا چاہیں تو نہیں ہو سکتے چنانچہ امام احمد ابوالعباس مرسی فرماتے ہیں کہ چالیس سال گزر گئے ہیں مگر اس عرصہ میں کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حجاب میں نہیں ہوا اور اگر ایک لحظہ کے لیے میں حجاب میں آ جاؤں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھوں تو میں اپنے آپ کو مسلمان ہی نہ خیال کروں گا۔ مگر اہل ظاہر اصحاب مشاہدہ پر اصرار فرماتے کرتے ہی رہتے ہیں چنانچہ جب شیخ محمد بن ابی جرحہ (یہ وہ عبداللہ بن ابی حمزہ ہیں جو امام احمد بن حنبل کے زمانہ میں تھے)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ثُمَّ فَضَّلَ رَسُولُ اللَّهِ لَيْسَ لَهُ حَدٌّ فَيُغْرَبُ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمٍ
(کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضل و کمال کی کوئی حد نہیں کہ کوئی انسان زبان سے
ان کی تشریح کر سکے)

جن لوگوں نے ان مقامات کی تعداد دو ہزار یا اس سے زیادہ بتائی ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے
اپنی حالت کا ذکر کیا کہ اس قدر فتح اسے عطا ہوئی ہے مگر ابھی بہت کچھ باقی ہے (جس کا شاہدہ اور جن
مقامات کو اس نے طے نہیں کیا) ہم نے جو یہ کہا کہ جو ذات ان تمام شعبوں سے سیراب نہ ہو وہ ذات شریفہ
کا شاہدہ نہیں کر سکتی اس سے ہماری راہ کا مکمل شاہدہ سے ہے کیونکہ اگر کسی کا کوئی شعبہ باقی رہ گیا ہو اور
اس کے باوجود اسے شاہدہ حاصل ہو جائے تو شاہدہ تو ہو جائے گا مگر کامل نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

تیسرا سوال: پیر کی موجودگی اور عدم موجودگی کی وجہ
سے مرید کی تربیت میں کمی و زیادتی کیوں ہوتی ہے

اور شیخ کا یہ دعویٰ ہو کہ وہ اپنی ہمت سے اس کی تربیت کرتا ہے۔ پھر جب شیخ موت یا سفر کی وجہ سے
موجود نہیں ہوتا تو مرید اپنے نفس میں حال، علم اور عمل تینوں میں ضعف پاتا ہے۔ سو باوجود اس کے کہ اسے
پیر کی عدم موجودگی کی وجہ سے نفع میں کمی واقع ہو جاتی ہے، حال اور ہمت سے تربیت لکھنا مطلب ہوا۔
زایا: شیخ کمال کی ہمت اس کا نور ایمان ہے اور اسی کے ذریعہ سے وہ مرید کی تربیت کرتا ہے اور ایک
حالت سے دوسری حالت تک ترقی دیتا ہے لہذا اگر مرید کو شیخ کے ساتھ محض نور ایمان کی وجہ سے
محبت ہو تو شیخ اس کو ہر حالت میں مدد پہنچاتا ہے خواہ شیخ موجود یا نہ بلکہ شیخ کی وفات کے بعد بھی ہزاروں
برس کیوں نہ گزر جائیں تب بھی فیض جاری رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ کے اولیاء آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے نور ایمان سے فیض حاصل کرتے رہے ہیں اور آنحضرت ان کو ترقی دے رہے ہیں اور ان کی
تربیت کرتے رہے ہیں اسی لیے کہ ان اولیاء کی محبت محض ان کے نور ایمان کی وجہ سے ہوتی تھی اور اگر
مرید کو شیخ کی محبت صرف اس کی ذات کی طرف سے ہو اور نور ایمان سے نہ ہو تو اسے پیر کی ماضی میں

(بقیہ ماضیہ صفحہ سابقہ)

نے بیداری میں آنحضرت کے دیدار کا دعویٰ کیا تو لوگوں نے اسی کا انکار کیا اور ان سے جھگڑنے کی غرض سے مجلس
تاکم کی جس کی وجہ سے انہیں گوشہ نشینی اختیار کرنی پڑی (طبقات ۱: ۱۵۸) امام شہرانی نے متعدد لوگوں کا ذکر
کیا ہے جنہیں سعادت نصیب تھی (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۵۸)

توفیق پہنچے گا مگر غیر ماضی میں فیضان منقطع ہو جائے گا۔ ذات کی محبت کی علامت یہ ہے کہ محبت
زیادہ یا اخروی نفع حاصل کرنے یا ماضی سے بچنے کی غرض سے ہو اور ایمان کی محبت کی علامت یہ ہے کہ محبت
محض اللہ کی خوشنودی کے لیے ہو اس میں کسی قسم کی غرض نہ ہو لہذا جب مرید شیخ کی غیر ماضی کی وجہ سے
اپنے اندر کی محسوس کرے تو تصور خود اس مرید کا بے شک شیخ کا۔ واللہ اعلم۔

چوتھا سوال: کیا طریقی شکر
افضل ہے یا طریقی مجاہدہ

فقیر نے ایک سوال یہ کیا کہ ولی عارف حضرت شاذلی اور ان کے
متبعین کے طریقے اور امام غزالی اور ان کے متبعین کے طریقے میں
کیا فرق ہے۔ پہلے گروہ کا مدار منعم بل جلال کے ساتھ فرح و شکر

پر ہے اور دوسرے گروہ کا مدار ریاضت، مشقت، بیداری اور بھوک وغیرہ پر۔ کیا دونوں بزرگ
ریاضت پر متفق ہیں۔ کیا حضرت شاذلی واصل باللہ ہونے کے بعد یا اس کے قریب شکر کا حکم کرتے ہیں
یا یہ کہ وہ ابتدا ہی سے شکر کا حکم کرتے ہیں اور کیا ایک شخص کے لیے دونوں طریقوں پر چلنا ممکن ہے یا
جب تک دوسرے سے کیونہ ہو جائے، نفع حاصل نہیں کر سکتا۔

فرمایا: اصل طریق تو شکر کا ہی طریقہ ہے اور انبیاء علیہم السلام اور صحابہ وغیرہ میں سے جس قدر تصویف
گزرے ہیں ان کے دل اسی طریقہ شکر پر کار بند تھے۔ طریقی شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت خالص
عبودیت سے ہو، انسان تمام مخلوق نفسانی سے متبرا ہو، اور یہ اعتراف کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت
لاحق ادا کرنے سے عاجز و قاصر ہوں اور یہ کیفیت ہر وقت دل پر طاری رہے خواہ اس پر کس قدر زمانہ
گزر جائے۔ جب حق تعالیٰ نے ان کو اس بات میں سچا پایا تو اپنے کرم کے مقتضائے مطابق انہیں نفع اور
امراہ ایمان عطا کئے، مگر جب اہل ریاضت نے دیکھا کہ انہیں تو نفع نصیب ہو گئی تو انہوں نے بھی اسی کو
اپنا مطلوب و مرغوب قرار دیا۔ لہذا وہ روزے رکھ کر، نمازیں پڑھ کر، راتوں کو جاگ کر اور مدتوں خلوت
میں رہ کر اس کی طلب میں لگ گئے یہاں تک کہ انہوں نے بھی جو کچھ حاصل کرنا تھا حاصل کر لیا، چنانچہ طریقی
شکر میں تو ہجرت شروع سے ہی اللہ اور رسول کی طرف ہوتی ہے نہ کہ نفع اور کشف حاصل کرنے کی طرف
اور طریقی ریاضت میں ہجرت نفع اور مراتب حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ پہلے طریقہ میں دل کی سیر
ہوتی ہے (کہ دل اللہ کی طرف کھینچے آتے ہیں) اور دوسرے میں بدن کی سیر ہوتی ہے (کہ جسم مولیٰ کی
علامت میں جھکتا ہے) پہلے طریقہ میں نفع و دستہ حاصل ہوتا ہے بندہ اس کا منتظر نہیں ہوتا اس لیے کہ
وہ نفع کی غرض سے کوئی عمل کر ہی نہیں رہا ہوتا محض بند کرتا ہے، اسی وجہ سے وہ توبہ طلب کرنے اور گناہوں کی
معافی مانگنے کے مقام پر ہی ہوتا ہے کہ اچانک اسے نفع نصیب ہو جاتا ہے۔ دونوں طریقے صحیح ہیں، لیکن

شکر کا طریقہ بہتر اور زیادہ انکسار کا حامل ہے۔

دونوں طریقے ریاضت پر متفق ہیں، یکس پہ طریقے میں دل کی ریاضت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ دل حق سبحانہ کے ساتھ لگے اور اسی کے آستانہ پر پڑے ہوتے ہیں۔ حرکات و سکنات میں اسی کی پناہ لیتے ہیں، پروردگار کی حضوری کے وقت کسی قسم کی غفلت ان کے پاس نہیں آتی۔ مختصر یہ کہ طریق شکر میں یہی ریاضت ہے کہ دل اللہ تعالیٰ سے لگا رہے اور اس پر مداومت کرے، خواہ ظاہر میں وہ کوئی بڑی عبادت نہ کرتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ طریق شکر اختیار کرنے والا روزہ رکھتا بھی ہے اور کبھی نہیں بھی رکھتا۔ رات کو نماز کے لیے اٹھتا بھی ہے اور سوتا بھی ہے۔ اپنی عورت کے پاس بھی جاتا ہے اور تمام شرعی وظائف کو ادا کرتا ہے جو ریاضت بدن کے خلاف ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت نے یہ فرمانے کے بعد کہ طریق ریاضت میں ہجرت نفع اور نیل مراتب کی غرض سے ہوتی ہے، فرمایا: نفع حاصل ہوجانے کے بعد ان میں سے بعض اپنی پہلی نیت پر قائم رہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا دل ان امور میں پھنس جاتا ہے جن کا وہ مشاہدہ کرتا ہے اور کشف پانی پر پڑتا اور زمین کا طے ہوجانا وغیرہ جب دیکھتے ہیں تو اس پر خوش ہوتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ میں شفیق ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے دل ابتداء سے لے کر آخر تک اللہ سے خالی ہوتے ہیں لہذا وہ ان لوگوں میں سے ہوتے ہیں جن کے متعلق باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: **الْأَخْسَرُونَ أَعْلَاءَ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُجْتَنِبُونَ** صَدْحًا (سودہ کہت آیت ۱۰۴، ۱۰۵) (جن کے اعمال بہت خسارہ میں ہیں جن کا کوشش دنیا کی زندگی میں ہی رائیگاں گئی مگر وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ نیک کام کرتے ہیں) اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن کی نیت نفع کے بعد بدل جاتی ہے اور ان پر اللہ رحم فرماتا ہے اور ان کا ہاتھ پکڑ بیٹھا ہے چنانچہ ان کا دل حق سبحانہ کی طرف لگ جاتا ہے اور فیرا اللہ سے منقطع ہوجاتا ہے اس شخص کو جو حالت نفع کے بعد نصیب ہوتی ہے طریق شکر میں اس سے ابتدا ہوتی ہے لہذا سمجھ لو کہ دونوں طریقوں میں کس قدر بعد ہے اور دونوں مقاصد میں کس قدر تفاوت ہے۔ الحاصل پہلے طریقہ میں سیر قلوب ہے اور دوسرے میں سیر ابدان۔ پہلے میں نیت میں خلوص پایا جاتا ہے اور دوسرے میں اغراض کی آمیزش ہوتی ہے۔ پہلے میں بندہ کی طرف سے کسی انتظار اور توقع کے بغیر کیا ایک نفع نصیب ہوتا ہے لہذا وہ نفع ربانی ہوتی ہے اور دوسرے میں حیلہ و سبب سے حاصل ہوتی ہے لہذا اس کی دو قسمیں ہوتیں: پہلی حالت میں نفع صرف مومن مارت اور عجیب حاصل کر سکتا ہے برخلاف

دوسری حالت کے کیونکہ تو نے سنا ہو گا کہ راہب اور سیدوں کے پادریوں نے ریاضت کی جس کے ذریعہ سے وہ استدراج تک پہنچ جاتے ہیں (کیونکہ ان سے خارق عادت امور بطور میں آنے لگ جاتے ہیں)۔

فرمایا: میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ مطلق ریاضت کے متعلق کہہ رہا ہوں خواہ وہ اہل حق کی ہو یا اہل باطل کی۔ خاص ابو حامد الغزالیؒ کے طریق ریاضت کی بحث نہیں کر رہا۔ وہ تو امام حق اور سچے دل تھے۔

اب رہا یہ سوال کہ آیا ایک ہی شخص کے لیے دونوں طریقوں پر چلنا ممکن ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں ممکن ہے اس لیے کہ یہ دونوں طریقے ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کا دل تمام حرکات و سکنات میں اللہ کی طرف بھی لگا ہوا ہو اور ظاہر میں بھی وہ مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۰۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ لا کوئی خاص فرقہ نہیں جو ان کی طرت منسوب ہو تا ہو۔ یہ طوس کے رہنے والے تھے مگر کچھ عرصہ بغداد میں بھی رہے۔ اہل مشرق میں انہی کا طریقہ زیارہ مقبول تھا اگر شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ مغرب کے رہنے والے تھے اور انھوں نے اسکندریہ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ ان کے متبعین کو شاذلیہ کہا جاتا ہے۔ شاذلیہ فرقہ مغرب میں کافی مشہور ہے۔ شاذلیہ قدیم افریقیہ میں ایک شہر کا نام ہے۔ حضرت عبدالعزیز ديباغ بھی مغرب کے رہنے والے تھے اس لیے انہیں بھی شاذلی رحمۃ اللہ کا طریقہ پسند تھا۔ چنانچہ شاذلی فرماتے ہیں (رسالۃ الانوار القدسیۃ فی بیان آداب العبودیۃ برواۃ شاذلیہ لواء الانوار، فی طبقات الاخیار ج ۲ صفحہ ۱۰۷)۔

بعض اہل اللہ کے نزدیک بدترین گناہ یہ ہے کہ وہ اللہ کا قرب وغیرہ حاصل کرنے کے لیے عبادات اور اراد کے ذریعہ سے چالو سی کرے۔ تقدیر کا قلم ہر ہونے والی بات لکھ کر ختم ہو چکا ہے لہذا نہ کسی متقی کا تقویٰ اس لکھت میں ممانہ کر سکتا ہے نہ کسی بدکار کی بدکاری تقدیر میں کچھ افادہ کر سکتی ہے۔ لہذا اللہ کی عبادت خالص اس کی اطاعت کی غرض سے کرو۔ یاد رکھو کہ اطاعت صرف اللہ کی ہے اور بس شیخ عبدالوہاب شترانی بھی چونکہ اہل مغرب میں سے ہیں۔ اس لیے ان کا میلان بھی شاذلی طریقہ کی طرف ہے چنانچہ وہ مذکورہ بالا کتاب ج ۱ صفحہ ۹۷ پر لکھتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ غلوٹ اور ریاضت کے ذریعہ سے طریق سلوک پر چلنا بشر شائع کا طریقہ ہے مگر ہمارے بزرگوں اور ساتھیوں کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ ہر اس حالت پر راضی اور قانع ہیں۔ جسے اللہ ان کے لیے پسند کرے۔ ان کی نگاہ اور توجہ نہ کسی مرتبہ اور نہ دنیا و آخرت میں کسی حالت کی طرف لگا ہوا ہے نہ کوئی بہت کدوہ اس کے مختل رہیں۔

پانچواں سوال : انسان کے لیے کیا یہ ممکن ہے کہ وہ یہ معلوم کر سکے کہ آیا وہ مرید بننے کے قابل ہے یا نہیں !

حضرت کیا یہ ہو سکتا ہے کہ انسان یہ معلوم کر سکے کہ آیا وہ ارادت اور مرید بننے کے قابل ہے یا نہیں ؟ اس

سے ہماری مراد خاص اہلیت سے ہے یا اس کا پتہ اور دل کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتا مثلاً شیخ صالح یا خیر خواہ برادر ؟

فرمایا : انسان اس بات کی اہلیت خود معلوم کر سکتا ہے اس طرح کہ دیکھیں کہ اس کے خیالات بالعموم کس قسم کے ہوتے ہیں لہذا جس قسم کے خیالات بالعموم اس کے دل میں آئیں گے اسی کے لیے اس کی ذات پیدا کی گئی ہوگی۔ ذات کے لیے اپنے تخیلات کی تابعداری کرنا لازمی ہے خواہ وہ اس میں ابتداء سے قائم ہوں یا نہ۔ چنانچہ جس کے خیال میں اللہ کی محبت اور اس کی ارگاہ کی طرف میلان غالب ہو اور اسے اللہ کی عظمت و جلال کا ہر وقت خیال رہتا ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے لیے خیر کا ہے خواہ اس کی ذات اپنے تخیلات کے موافق عمل کر رہی ہو خواہ مخالف۔ اس لیے کہ وہ مخالف اعمال میں پھنسا ہوا ہی کیوں نہ ہو پھر بھی اللہ تعالیٰ اسے بھلائی، نجات اور ہدایت کی طرف لے آئیں گے۔

پھر قوت و ضعف کے اعتبار سے مذکور قابلیت کے مختلف مراتب ہیں جس طرح چستی اور شجاعت کے مراتب مختلف ہیں۔ چنانچہ اگر بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھیں تو معلوم ہو جاتے گا کہ ان میں کون چست رفتار، کون سست رفتار اور کون متوسط رفتار والا ہے۔ یہی حال ارادت کی اہلیت رکھنے والوں کا ہے چنانچہ بعض اعلیٰ درجہ کی اہلیت کے مالک ہوتے ہیں کہ خداوندی جلال کا خیال ہر وقت انہیں لگا رہتا ہے اور بعض ایسے ہیں جنہیں یہ خیال کبھی آتا ہے اور بعض کی حالت متوسط درجہ کی ہوتی ہے۔ اس میں راز یہ ہے کہ انسان کے باطن میں فکر و تخیل عقل کا ایک نور ہے جس کا فیضان تقدیر الہی اور قسمتِ ازل کے مطابق ذاتِ انسانی پر ہوتا ہے۔ پس اگر ذات کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہو تو عقل اس میں اس کی فکر اور اس کے اسباب کا خیال دل میں ڈال دیتی ہے حتیٰ کہ وہ اسے پالیتی ہے۔ پھر خیر و شر دونوں میں مراتب فکر کے تیز و مذکورہ بالا درجے پاتے جاتے ہیں۔ پھر قابلیت کا اصول خیر و شر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ ہر اس امر سے تعلق رکھتا ہے جس کے متعلق تقدیر میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ ذات اسے پائے گی کیونکہ ان تمام امور میں قابلیت و اہلیت ظاہر ہوتی ہے لہذا اگر بچوں کی ایک جماعت کی طرف دیکھیں تو مثلاً اگر تقدیر میں یہ لکھا ہو کہ ایک منشی ہوگا

دوسرا حجام ہوگا اور تیسرا اسپاہی توپے کی پیمان اس طرح کی جائے گی کہ وہ قلم پکڑتا ہے اور اسے معمولی سی تنبیہ سے کھینچا جاتا ہے۔ لیکن اسے استرہ پکڑنا نہیں آئے تھا اور نہ ہی اسے تلوار لگانا آئے گا خواہ اسے تنبیہ کیوں نہ کی جائے۔ دوسرا بچہ استرہ پکڑنا جانتا ہوگا اور اسے قلم پکڑنا اور تلوار لگانا نہ آتا ہوگا اور تیسرے کو تلوار لگانا آتا ہوگا مگر قلم اور استرہ پکڑنا نہ آتا ہوگا۔ وَكُلُّ مُبْتَلًى
بِمَا خُلِقَ لَهُ ہر شخص کے لیے وہ کام جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہوتا ہے، آسان کر دیا جاتا ہے۔
یہی حال اس بچے کا ہے جس کا خیال ہر وقت کپڑے کی تجارت میں لگا ہو اور اس کا باپ اسے زراعت
میں لگانا چاہے تو اسے کامیابی نہ ہوگی اور اگر اسے تجارت میں لگائے گا تو اس سے بہت فائدہ ہوگا
اسی سے معلوم ہو گیا کہ ہر چیز کی قابلیت کا مدار اس کی نلکہ پر ہے اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ اس کے
خیالات کس طرف لگے رہتے ہیں۔ تو نبی عطا کرنے والا تو اللہ ہی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ قدیم زمانہ میں ایک عورت کے دو بڑے اور ایک لڑکی مٹی
ایک عورت کا قصہ جیب اس کے مرنے کا دنت آگیا تو کہا کہ میرا فلاں بیٹا تو صالحین میں سے
ہوگا دوسرا خاتم ہوگا اور بیٹی بڑی مالدار اور دنیا دار ہوگی لوگوں نے کہا کیا تجھے غیب کا علم ہے؟
کسے لگی میں غیب تو نہیں جانتی۔ لیکن میں نے پہلے کو دیکھا تو اسے اللہ سے بہت ڈرنے والا پایا۔ وہ
کسی بچہ پر ظلم نہیں کرتا۔ اس کا دل ہر وقت اللہ کی یاد میں رہتا ہے۔ اس سے میں سمجھ گئی کہ وہ
نیکی کی طرف جائے گا۔ دوسرے کو دیکھا تو اس کے برعکس پایا تو سمجھ گئی وہ شر کی طرف جائے گا۔ بچی
کو دیکھا حالانکہ وہ ابھی چھوٹی ہے۔ اسے بند پایہ کے صنعت بناتے دیکھا کہ وہ پازیب، ہار، بازوبند
اور دیگر زیورات بناتی ہے جو عورتوں کے پہننے اور زینت کے کام آتے ہیں اور وہ ہر وقت اسی میں
لگ رہی ہے یہاں سے سمجھ لیا کہ اسے بہت سی دنیا حاصل ہوگی۔

موت لگتا ہے کہ کسی نے مجھ بتایا کہ وہ یتیم رہ گیا تھا اور اس کی والدہ نے اسے ریشم کے کام
میں لگا دیا۔ میں نے اس پیشہ کو اختیار کر لیا مگر مجھے ہیئت بوجھل اور مشکل معلوم ہوتا جتنی کہ میں ایک
دن کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا جو چونے کے پست میں ٹھکانا رہی اور بیل بوٹے بنایا کرتے تھے۔ انہیں دیکھ
کر میرا دل اسی طرف لگ گیا۔ میں نے اسی دن سے ریشم کا کام چھوڑ دیا اور ان کے ساتھ کام کرنا
شروع کر دیا اور اس کام کو میں بڑی جیتی اور تیزی سے کرتا۔ میرے دل میں نشاط پیدا ہو گیا یوں
معلوم ہوتا تھا کہ میں قید سے چھوٹ کر آیا ہوں۔ چونہ کاری کا نام میں نے بہت آسانی سے سیکھ لیا
اور پھر ریشم کا کام کرنے کا نام بھی نہ لیا۔

ایک اور شخص نے بتایا کہ اس کا ایک گزور سا گدھا تھا اور وہ جنگل میں کچھ لوگوں کے پاس سکونت پذیر تھا۔ ان کا ایک چھوٹا تیمچہ تھا جس کا ہر وقت یہی کام تھا کہ میرے گدھے پر سواری کرتا رہے۔ سوار ہوتا تو اس طرح جس طرح گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے پاؤں میں کانٹوں کی میخیں بنا کر لگالیتا اور گول کے پٹھوں کی لگام بنالیتا اور گھوڑے کے درخت سے کاٹ کر نیرہ بنالیتا اور اس طرح گدھا دوڑاتا رہتا۔ میں اسے بھگا دیتا مگر جونہی ذرا سا غافل ہوا پھر گدھے پر آجاتا چنانچہ وہ بچہ بڑا ہو کر سلطان گھوڑ سواروں کی فوج کا سپاہ سالار بنا۔ وَكَلَّ مَيْسِرَيسًا خَلِقَ لَهٗ (جو شخص جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہ اس کے لیے آسان کر دیا جاتا ہے)۔

ایک معلم نے بچوں کا امتحان کرنا چاہا۔ ہر ایک کو ایک پرندہ دیا اور کہا ایک معلم کا واقعہ کہ اسے ایسی جگہ جاکر ذبح کر لادو جہاں تجھے کوئی نہ دیکھ رہا ہو۔ ایک کے سوا سب ذبح کر لائے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بچہ حضرت ابوالعباس سبکی تھے۔ وہ پرندہ کو زندہ ہاتھ میں لیے واپس آگیا اور کہا کہ جہاں کہیں میں اسے ذبح کرنا چاہتا تھا اللہ کو اپنے ساتھ پاتا۔ اس سے استاد کو معلوم ہو گیا کہ وہ مقام معرفت حاصل کر کے گا چنانچہ وہ اس کے بعد اس کا خاص خیال رکھتا رہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت نے فرمایا: جب کسی میں ولایت کی رگ ہوتی ہے اور کچھ عرصہ تک بدکاروں میں رہتا ہے، لیکن جب اس کے پاس سے کوئی ولی گزرتا ہے حالانکہ وہ انہی لوگوں میں ہوتا ہے پھر بھی اس کی ولایت کی رگ زندہ ہو جاتی ہے اور اسے خوشی حاصل ہوتی ہے اور اس کا سینہ جاری ہو جاتا ہے۔ یہ اثر محض ولی کے گزرنے کا ہوتا ہے خواہ وہ شخص اس ولی کو جانتا بھی نہ ہو اور نہ ہی ولی اس سے گفتگو کرے، لیکن اگر ان میں میل جول ہو جائے اور آپس میں جان پہچان ہو جائے تو پھر اس رگ کی زندگی کا کیا پوچھنا کہ ہر لحظہ خیر میں اسے کس قدر ترقی ہوگی۔

اور اگر کسی آدمی میں شر کی رگ ہو مثلاً چوری اور دہدہت تک دیوں میں رہے۔ ان کی خدمت کو آ رہے پھر جب کبھی کوئی چوران کے پاس سے گزرے تو جس شخص میں چوری کی رگ ہوگی وہ زندہ ہو جائے گی اور بدی کے لیے اس کا سینہ کھل جائے گا۔ محض چور کے پاس سے گزرنے سے اس کا یہ حال ہوگا بغیر اس کے کہ ان میں پہچان یا اختلاف ہو، لیکن اگر جان پہچان ہو جائے تو شر اپنے کمال کو پہنچ جائے گا۔ خدا بچائے۔ وَكَلَّ مَيْسِرَيسًا خَلِقَ لَهٗ۔

مؤلف کہتا ہے کہ یہ ایک بہت وسیع باب ہے اور مفید طریقہ ہے جس کا ان لوگوں کو علم ہے جو درس و تدریس میں ملے رہتے ہیں کیونکہ ان کے سامنے قابلیت کی بحث کو پیش کیا جاتے تو انہیں یوں معلوم ہو گا کہ یہ سب کچھ ان کے زمانہ تدریس کے تجربات کی نقل ہے۔ میں نے محمد اشد ستائیس سال درس و تدریس میں گزارے ہیں لہذا حضرت سے اہمیت کی بحث اور ان خیالات کی بحث کو سنا جن پر ذات کا انحصار ہوتا ہے تو میں نے اس کا مقابلہ ان واقعات سے کیا جو ہمیں بہت سے طلبہ سے پیش آئے اور میں نے اسے جامع اور مانع مضابطہ پایا جس کی وجہ سے بہت سا بوجھ اتر گیا جو میں ان کو تعلیم دینے میں برداشت کیا کرتا تھا۔ میں ان کی خیر خواہی اور مسائل کی تشریح میں بہت کوشش کرتا۔ ویلوں سے انہیں سمجھاتا۔ ان کو فائدہ پہنچانے کی آرزو رکھتا حتیٰ کہ اس غرض سے ان کے ساتھ کھاتا اور پیتا، لیکن بعد میں دیکھتا کہ انہیں اس سے کوئی نفع نہیں پہنچتا۔ جس چیز کی بنیاد سالہا سال سے رکھتا تھا وہ محض ایک اہل باطل کے میل جول سے منہدم ہو جاتی بلکہ صرف میری نفقت اور تنبیہ نہ کرنے سے جاتی رہتی۔ جیسے کہ جب تک چوبایہ کو مارتے رہو وہ چلتا رہے گا اور جونی کہ مارنا چھوڑ دیا ٹھہر جاتا ہے، مگر بہت سے لوگوں میں اس کے برعکس بھی واقع ہوا ہے کہ محض ہم سے مخالفت کرنے اور میل جول رکھنے سے جو کچھ ہم سے سنتے تھے وہ انہیں یاد ہو جاتا اس کے بعد جس مجلس میں ہمارے ساتھ بیٹھتے ان کا علم بڑھتا جاتا حالانکہ میں انہیں تعلیم دینے میں اس قدر کوشش نہ کرتا تھا جس قدر کہ پہلی قسم کے لوگوں کو تعلیم دینے میں کرتا تھا۔ میں اس میں ہمیشہ سوچتا رہا اور اس کا سبب تلاش کرتا رہا تا آنکہ میں نے حضرت سے قابلیت کی بحث سنی اور جو معاملہ مجھے پہلی قسم کے لوگوں سے پیش آتا تھا میں نے حضرت سے ذکر کیا۔ فرمایا: گے! اس قسم کے لوگوں کو تعلیم دینے کا خیال دل سے نکال دو کیونکہ اس کی مثال تو ٹھنڈے لوہے کو کوٹنے کی کا ہے (کہے گا۔ ہوتا ہے) وَإِنَّا لَمُنشِرُونَ لِمَا خَلَقْنَا الذَّ۔ ابتدا سے انتہا کا پہل جاتا ہے۔ ابتدا سے دیکھ کر ہر ایک کو اپنے اپنے مقام پر اتارا کر دے۔ اس دن سے میں نے آرام محسوس کیا اور مجھے محمد اشد ہر چیز میں لوگوں کی اہمیت کے متعلق بہت سی معلومات بہم پہنچ گئیں۔ واللہ اعلم۔ لہذا اگر تو سمجھ دار اور عقلمند ہے تو اس کلام کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھ۔ اس سے مختلف قسم کے لوگوں سے باوجود اس کے کہ ان کی لطائف مختلف ہوں یہ میل جول رکھنے میں بہت سہولت ہوگی۔

فقیر نے ایک سوال یہ بھی کیا کہ ابیس نعیم نے سلم بن عبد اشد تفسیری سے کہا کہ
چھٹا سوال اِنَّ لَهَا فِرَاتًا يٰسَ وَ دَحْمَتًا كَلَّ شَيْئًا (میں رحمت ہر چیز پر شامل ہے)

(ماشبہ اگلے صفحہ پر)

اور میں بھی ایک چیز ہوں۔ لہذا رحمت خداوندی سے باہر نہیں رہ سکتا اس کے جواب میں حضرت سہلؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی فرمایا ہے فَسَاكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ میں نے اس رحمت کو تقویٰ کے لیے لکھ رکھا ہے اور تو متقی نہیں رحمت کے نازل ہونے کی شرط تقویٰ ہے لہذا یہ آیت مطلق نہیں مقید ہے۔ ابلیس نے جواباً کہا کہ اس آیت کو تو نے مقید بنا دیا ہے ورنہ اللہ نے تو اسے مطلق ہی رکھا ہے لہذا تقویٰ کی قید تمہاری طرف سے ہوئی نہ کہ اللہ کی طرف سے۔ بندے کی کیا مجال کہ مقید بنا دے حالانکہ آیت میں قید موجود ہے مگر شیخ عارف محی الدین حاتمی فرماتے ہیں اس مسئلہ میں ابلیس یحییٰ سہل کا استاذ ہو گیا۔ لہذا گزارش ہے کہ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیے۔ اس حکایت کا ذکر امام شہرانیؒ نے بھی کیا ہے مگر سبکدست اختیار کیا ہے ان کے سکوت سے سائل کو خیال ہوا کہ ابلیس یحییٰ کی بات درست ہے۔ مسئلہ میں اشکال یہ ہے کہ تعقید تو خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے نہ سہل کی طرف سے۔

(ماشیہ منقولہ سابقہ)

ابو محمد سہلؒ بن عبد اللہ تسری کبار صوفیاء میں سے تھے اور یکدم روزگار تھے۔ ان کی کرامات مشہور ہیں جب حج کے لیے تشریف لے گئے تو ذوالحجہ ۳۵۰ھ میں ان کی ملاقات ہوئی۔ ۳۵۱ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کے اپنے بیان کے مطابق انھوں نے چھ یا سات برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ ابھی تین برس کی عمر ہی کا اپنے خالی محمد بن سوار سے ذکر کی تعلیم لیا اور آخر عمر تک کار بند رہے۔

سے موت نے کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ مجھے حوالہ کی تلاش میں امام عبد الوہاب شہرانیؒ کی تصنیفات کی طرف رجوع کرنا پڑا اور بہت خوشی کے بعد اس مناظرہ کا تذکرہ ان کی تصنیف الانوار القدسیہ فی بیان آداب العبودیہ روح ۲ منقولہ بر حاشیہ الواقع میں مل گیا۔ امام شہرانیؒ لکھتے ہیں:-

”میں چاہتا ہوں کہ یہاں پر حجتہ اللہ اور ولی کامل سہل بن عبد اللہ تسریؒ کے اس مناظرہ کا ذکر کروں جو ابلیس کے ساتھ ہوا تاکہ مجھے معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مخلوقات پر تسلط کی کس قدر قدرت عطا کی ہے اگر یہی بات نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ نہیں اس سے نہ ڈرتا۔ سہلؒ فرماتے ہیں مجھے شیطان غلام اور میں نے اسے پہچان لیا۔ اور شیطان کو بھی معلوم ہو گیا کہ میں نے اسے پہچان لیا ہے۔ اس کے بعد ہمارے درمیان مناظرہ ہوا۔ شیطان نے مجھے کہا اور میں نے اسے کہا چنانچہ بات بڑھ گئی اور بحث طویل پکڑ گئی یہاں تک کہ وہ بھی ٹھہر گیا اور میں بھی ٹھہر گیا وہ بھی پریشان تھا اور میں بھی پریشان۔ بالآخر شیطان نے کہا: اے سہل! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَخُضِعْتَ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت نے فرمایا: تعقید اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ سہل کی طرف سے نہیں۔ شیطان کا استدلال باطل ہے۔ حضرت سہل حق پر ہیں نہ کہ ابلیس۔ ابلیس کے کلام کی مدح کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مانتی اور حضرت سہل نے اس سے وہ مفہوم لیا ہے جو شیطان کے دہم و گمان میں آیا، نہ اس نے اسے سمجھا جس سے سہل کی خوابیدہ صفات بیدار ہو گئیں اور ان میں حرکت پیدا ہو گئی اور جن امور کو وہ خدا کی طرف سے جانتے تھے ان کا مشاہدہ کرنے لگے کیونکہ مونیہ نفع نصیب ہو جانے اور اللہ تعالیٰ کو جیسا کہ وہ درحقیقت ہے، پہچان لینے کے بعد جب وہ اپنی پہلی حالت پر نظر دوڑاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ انھوں نے حق تعالیٰ کی صفات کو بے شمار تیود میں مقید کر رکھا تھا اور انکی معرفت سے بے خبر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ امیری رحمت ہر چیز پر پھنائی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کا حکم عام ہے یعنی خاص نہیں کہ خاص لوگوں کے لیے ہی رحمت ہو اور تجھ سے غنی نہیں کو میں بھی شیک ایک چیز ہوں۔ اس لیے کہ کُلُّ کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ رحمت عام اور سب پر محیط ہے اور شئی کا لفظ مکرہ ہے (جس میں تمام اشیاء آجاتی ہیں) لہذا رحمت خداوندی میں میں بھی آگئی۔

سہل فرماتے ہیں: اللہ کی قسم اس نے تو مجھے گونگا کر دیا اور یہ آیت پڑھ کر اس نے مجھ پر غلبہ پالیا اور مجھے حیران کر دیا۔ اس لیے کہ اس آیت سے جو کچھ وہ سمجھ سکا تھا میں نہ سمجھ سکا اور حیوات اس کے علم میں آئی تھی میرے علم میں نہ آئی لہذا میں حیران اور شکر ہو کر دل ہی دل میں اس آیت کو پڑھنے لگا حتیٰ کہ ان الفاظ پر پہنچا نَسَاكْتُمْهَا لِذِيْنَ يَشْفَعُونَ وَيُؤْتُونَ الْمَرْكُوثَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِأَيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ۔ (میں اپنی رحمت کو ان لوگوں کے لیے کھوں گا جو متقی ہیں، مرکوۃ دیتے ہیں اور ہماری آیت پر ایمان لاتے ہیں) تو میں خوش ہوا کہ مجھے ایک دلیل مل گئی اور میں اب اس پر غائب آگیا چنانچہ میں نے کہا: اے مومن! اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے لیے خاص قید لگا رکھی ہے جس کی وجہ سے یہ عام حکم سے خارج ہو جاتا ہے چنانچہ میں نے آیت کا باقی حصہ پڑھا۔ اس پر ابلیس ہنسنا اور کہا: اے سہل! میرا خیال نہ تھا کہ تو اس حد تک جاہل ہے۔ اے سہل! یہ قید لگانا تو تمہاری صفت ہے نہ اللہ کی۔ سہل کہتے ہیں کہ میں سخت پریشان تھا مجھے کوئی جواب نہ سوجھا یہاں تک کہ میرے حلق میں تھوک بھی خشک ہو گیا اور میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے پھسلانے آیا ہے اس لیے میں بھی چلا آیا اور وہ بھی چلا گیا۔ سہل کہتے ہیں کہ اس پر میں نے اس سے معرفت کا طریقہ معلوم کرنا چاہا اگرچہ وہ خود اس سے نفع نہ حاصل کر سکتا تھا۔ کیونکہ بزرگ کا قول ہے اُنْظُرْ مَا قَالْ دَلَّ اَنْظُرْ اِلَى مَنْ تَالْ (یہ دیکھو کہ کس نے کیا کہا۔ یہ دیکھو کہ کس نے کہا)۔ ۱۲

تھے۔ چنانچہ جب ابلیس نے کہا کہ یہ قید تو تمہاری طرف سے رکائی گئی نہ اللہ کی طرف سے تو ان الفاظ کو سن کر سہل کی توجہ اپنی دونوں حالتوں کی طرف ہوئی تو ان پر تحیر و سکوت طاری ہو گیا، حالانکہ جس مفہوم کی طرف سہل کا خیال گیا وہ ابلیس نے مراد نہ بیان کیا اور نہ ہی اس کے دل پر اس کا خیال گزرا تھا۔ یہ بات صوفیہ کے سماع سے تعلق رکھتی ہے۔

ایک پیر اپنے مرید کے گھر آیا۔ دروازہ پر دستک دی۔ گھر میں مرید کے سوا کوئی نہ تھا۔ مرید نے جواب دیا۔ کون دستک دے رہا ہے۔ یہاں کوئی نہیں ہے (پچلے آؤ) پیر نے جب یہ لفظ سنے کہ "یہاں میرے سوا کوئی اور نہیں ہے" تو بیہوش ہو کر گر پڑے (انہیں مافی قلبی غیب اللہ کا مفہوم ذہن میں آ گیا) لیکن مرید کو اس کا علم بھی نہ ہوا۔ لہذا اگر کوئی یہ کہہ دے کہ یہاں مرید اپنے چیر کا استناد بن گیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

ایک بچی نے اپنے باپ سے کوئی کام کہا کہ باذرا سے نلاں چیز لا دو۔ باپ لانے کے لیے نکلا۔ والدہ نے بچی کو کہا تو نے اپنے (پوٹے) باپ کو کیوں تکلیف دی۔ بچی نے کہا "ابا کے سوا میرا کوئی اور بھی ہے" یہ الفاظ کسی صوفی نے سن لیے تو غش کھا کر گر پڑے۔

یہاں سے ابلیس کی بات کا بطلان اور صوفیہ کے اشارات و کمالات کا صحیح ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

فقیر نے ایک اور سوال کیا جس کا اس باب سے کوئی تعلق نہیں۔ سوال یہ ہے کہ بعض ساتواں سوال | مارتین کا قول ہے کہ مخالفت یعنی معصیت میں ایک "موج متیں پائی جاتی ہیں جو کائنات میں کائنات کا نفع مومن کو ہوتا ہے۔ یہ کوئی سورج متیں ہیں جن کی اصل اللہ کا غضب ہے اور اس غضب کے رحمت اور فضل میں بدل جانے کی کیا حقیقت ہے ؟

حضرت نے جواب دیا کہ اس معصیت سے مراد اس مومن کی معصیت ہے جو اپنے رب کے جلال و عظمت کا عارف ہو کیونکہ اس میں معرفت والے انسان سے معصیت کا صدور یکدم غلبہ تقدیر ہوگا۔ اس عارف سے ہماری مراد صاحبِ فتح نہیں ہے بلکہ وہ شخص ہے جس کے ایمان میں غم و اندام کا یقین صاف ہو کیونکہ جب اس کی یہ حالت ہوگی تو بحالت طاعت بھی ہر وقت خوف حق تعالیٰ اس کے دل میں رہے گا۔ معصیت کی حالت کا ذکر ہی کیا کیونکہ اس کے دل میں خوف طاری رہنے کا سبب اللہ تعالیٰ کی سلطنت کا جاننا ہے۔ جب ہم نے فرض کر لیا کہ یہ معرفت ہر وقت رہتی ہے اور اس کے منافی امور مثلاً غفلت وغیرہ معدوم ہوتے ہیں تو خوف بھی ہر وقت رہے گا اور کسی حالت میں بھی اس سے

جدا نہ ہوگا حتیٰ کہ طاعت کی حالت میں بھی اسے یہ خوف لگا رہے گا کہ کہیں میں نے اطاعت ایسے طریقہ پر نہ کی ہو جو مجھے اللہ سے بُد کا سبب بنے لہذا تو دیکھیے گا کہ وہ اس احتمال کے خیال سے اس قدر لرز رہا ہوگا کہ اس کا لرزہ تختے میں نہیں آتا۔ یہ خوف اسے عمل سے پہلے، عمل کے دوران میں اور عمل کے بعد بھی طاری رہتا ہے کہ کہیں مجھ پر عذاب نہ نازل ہو جائے۔ جب طاعت میں اس کی یہ حالت ہے تو معصیت کی حالت میں اس کا کیا حال ہوگا۔

ایک مومن معصیت کا مرتکب ہونے کے بعد جو بیس سال تک زندہ رہا۔ اس طویل عرصہ میں ایک لفظ بھی اس پر ایسا نہیں گزرتا تھا کہ اس معصیت کے ڈر سے اس کے آنسو نہ بہتے ہوں۔ اس معصیت کی وجہ سے جو خوف پیدا ہوا اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اسے اس طویل مدت میں گناہ کا مرتکب ہونے سے بچا دیا اور اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف لگے رہنے سے اس پر اپنا فضل و کرم کیا اور اس پر مسد بہ رحمتیں نازل ہوئیں۔ الحاصل رحمت الہیہ کا مدار اس خوف پر ہے جو ہر وقت دل میں قائم ہو اور اس کا سبب خداوندی مشیت کی معرفت ہے جو روح کی طرف سے حاصل ہوتا ہے، روح عالم بالا کی چیز ہے جسے ادروں کی نسبت اللہ کی معرفت زیادہ حاصل ہے لہذا جب ذات پاک ہوگی تو درج ہر حالت میں خواہ طاعت کی حالت ہو خواہ معصیت کی۔ اپنے معارف سے اسے مدد پہنچاتی رہتی ہے جس سے ذات کو فائدہ پہنچتا ہے اور جب ذات پاک نہ ہو تو روح اپنے معارف روک بیٹی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذات مشیت و لذات نفسانیہ میں لگ جاتی ہے اور یہ باتیں اس کے اندر گھر کو بیٹی ہیں اور حالت محمودہ اس کے لیے خواب و خیال بن جاتی ہے جو چیزیں اس کے اندر گھر کر چکی ہوتی ہیں انہی کا نسب ہوتا ہے اور انہی کا کم چلتا ہے لہذا اس کے تمام اعمال و افعال تحصیل مشیت کی غرض سے ہوتے ہیں اور اگر طاعت بھی کرتا ہے تو اس لیے نہیں کہ عبودیت اس بات کی مقتضی ہے کہ حق ربوبیت ادا کیا جائے بلکہ کسی ذاتی نفع کی غرض سے کرتا ہے اور اپنی لذات کو پورا کرنے کے لیے باپروا ہو کر نافرمانی کرتا ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ رحمت کا مدار طاعت و معصیت پر نہیں بلکہ خوف و عدم خوف پر ہے (اور اس پر بھی نہیں ہے) درحقیقت سارا مدار معرفت الہیہ اور عدم معرفت پر ہے۔ رحمت کے ساتھ تنہا بھی تخصیص نہیں اصل مقصد وہی ہے جو ہم نے بیان کر دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ماثرین کا قول ہے "مجھے ہر چیز میں خدا نظر آتا ہے" خدا قدیم ہے اور اشیاء حادث ہیں پھر قدیم حادث میں کیسے نظر آسکتا ہے؛ پھر یہ کہنا کہ "ہم اللہ کے ذمہ میں ہیں" غیر ذیہ تو ارتعاف تفسیقین ہوا جو خیال ہے۔

فرمایا: عارف کا یہ کہنا کہ "مجھے ہر چیز میں خدا نظر آتا ہے" اس سے مراد یہ ہے کہ ہر چیز میں مجھے انحالِ خداوندی نظر آتے ہیں اس لیے کہ عارف لوگ اپنی قوتِ عرفان کی وجہ سے تمام کائنات میں انحالِ باری تعالیٰ کا شاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ ہر مخلوق میں لامحالہ اللہ کے انحال پائے جاتے ہیں لہذا معلول و اتحاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس قول میں دیگر اسرار بھی پائے جاتے ہیں جن کا ناش کرنا مناسب نہیں اہل صل اس کا جواب تحقیقی طور پر بیان نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرا قول غیر واضح ہے اس لیے کہ تقدیم یقیناً حادث سے مبالغہ ہے اور مبالغہ بین قطعی طور پر عین شئی نہیں ہو سکتا، لہذا بلا شک و شبہ غیر ہوگا۔ لہذا جب حقیقت نہ ہو تو غیرت پائی گئی۔ واللہ الموفق۔

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت شریفہ کا ذہن میں استحضار و تشخص سالم **نوال سوال** اور اوح سے ہے یا عالم مثال سے یا عالم خیال سے؟ اور کیا وہ صورت ذہنیہ جس میں آنحضرت سے مکالمہ باتیں بھی ہوتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق کو جس نے مجھے دکھایا اس نے مجھ ہی کو دکھایا کیونکہ شیطان میری صورت نہیں لے سکتا؟ خواب کی طرح شیطانی اثر سے محفوظ ہے یا نہیں۔

فرمایا: یہ استحضار اس شخص کی روح اور عقل کا فعل ہے جس شخص نے اپنی توجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی اس کے ذہن میں آپ کی صورت شریفہ آجائے گی۔ اگر یہ شخص ان لوگوں میں سے ہوگا جو آپ کی صورت سے واقف ہیں مثلاً صحابی یا عالم جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کو تحقیق کرنے کے بعد حاصل کیا ہے تو یہ صورت واقعہ کے مطابق آپ کی اصل صورت ہوگی اور اگر کوئی اور ہوگا تو اسے ایک ایسے انسان کی صورت ذہن میں آئے گی جو خلق اور غایت دونوں اعتبار سے کامل ہوگا چنانچہ کبھی یہ صورت حقیقی صورت کے مطابق ہوتی ہے اور کبھی مخالف، مگر یہ ذہنی صورت آپ کی ذات مبارک کی صورت ہوتی ہے روح کی نہیں۔ کیونکہ جسے صواب نے دکھایا اور علما نے بیان کیا وہ آپ کی ذات تھی نہ روح اور انسان کے خیالات معلوم چیز کا ہی تصور کر سکتے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ کیا یہ عالم ارواح سے ہے، اگر اس سے تمہاری مراد استحضار ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا تعلق عالم ارواح سے ہے یعنی یہ فکر کنندہ کی روح کا فعل ہے اور اگر مراد صورتِ حاضر ہے کہ ہماری نگاہ میں جو صورت آتی ہے وہ عالم ارواح سے ہے یا نہیں۔ اس کا جواب ہو چکا کہ نہیں ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ وہ گفتگو شیطانی اثر سے محفوظ ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس فکر کنندہ کی ذات ظاہر ہے اور اس کی روح کو کبھی بھی

سے محبت ہے کہ اپنے اسرار سے اسے نازتی رہتی ہے اور ذات کے ساتھ اس کا ایسا تعلق ہے جیسا دوست کا دوست سے تو یہ گفتگو شیطان اثر سے محفوظ اور سچ (حق) ہوگی درز غیر محفوظ اور باطل ہوگی۔
واللہ العلیق۔ فقیر کے فو سوالوں کے جواب ختم ہوئے۔

ایک دن میں نے حضرت سے ذکر کیا کہ کوئی بزرگ اپنے مریدوں کے ساتھ بیٹھے ذکر میں مشغول تھے کہ ان میں سے ایک شخص کا رنگ بدل گیا اور حالت دگرگوں ہو گئی اور اس نے اپنی نشست کو بھی بدل لیا۔ کسی نے اس سے اس کا سبب پوچھا تو کہا "خبردار ہو جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں موجود ہیں۔" اس کی مراد یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت وہاں موجود تھے، اور اس نے اس کا شاہد کیا ہے۔ میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ کیا یہ مشاہدہ جو اسی شخص کو حاصل ہوا مشاہدہ فتح تھا یا مشاہدہ فکر؟ حضرت نے فرمایا: یہ مشاہدہ فتح نہ تھا بلکہ مشاہدہ فکر تھا اور اگرچہ مشاہدہ فکر کا درجہ مشاہدہ فتح سے کم ہے، لیکن اسی شخص کو نصیب ہوتا ہے جس کا ایمان خالص، پاک محبت اور سچی نیت ہو۔ مختصر یہ کہ مشاہدہ بھی انہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جن کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال کو پہنچا ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ اس مشاہدہ کو مشاہدہ فتح سمجھ بیٹھے ہیں حالانکہ یہ مشاہدہ فکر ہوتا ہے۔ اس قسم کے لوگ جو صاحب فتح نہ ہونے کے باوجود مشاہدہ کرتے ہیں اگر عامۃ المؤمنین کا ان سے مقابلہ کیا جائے تو وہ کالعدم ہوں گے اور ان کا ایمان اس کے ایمان کے مقابلہ میں لاشعری ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

توقف کرتا ہے کہ اس امر کا تاہید کہ مشاہدہ فکر یہ ان لوگوں کے لیے بھی ہوتا ہے جو صاحب فتح نہیں ہوتے اس بات سے ہوتی ہے کہ یہ مشاہدہ فکر یہ ان لوگوں کو بھی ہو جاتا ہے جنہیں کسی شخص سے خواہ وہ کوئی بھی ہو کمال محبت ہو جائے۔ ایک قصاب نے مجھے بتایا کہ اس کا ایک بیٹا جس سے اسے بہت ہی محبت تھی مر گیا اور اس کی ذات ہر وقت اس کے ذہن میں رہتی حتیٰ کہ اس کی عقل و اعضا بھی اسی بیٹے کی طرف لگے رہتے۔ دن رات اس کا یہی حال رہتا کہ ایک دن شرفاس کے باب الفتح کی طرف قصابوں کی عادت کے مطابق بکریاں خریدنے گیا۔ اس وقت بھی اس کے ذہن میں وہی مردہ بیٹا تھا چنانچہ جب اس کی نگر میں تھا، اس نے اسے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا یہاں تک کہ وہ اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ قصاب کہتا ہے کہ میں نے اس سے باتیں کیں اور کہا بیٹا یہ بکری جو میں نے خریدی ہے اسے کچلے رکھو تاکہ میں دوسری خرید لاؤں۔ اس وقت مجھ پر بے بسی کی کیفیت تھی۔ جب پاس کے لوگوں نے مجھے بیٹھے باتیں کرتے ہوئے سنا تو کہنے لگے کس سے! تمیں کر رہے ہو اس وقت میں ہرش میں آیا۔ اور بیٹا میری آنکھوں سے غائب ہو گیا۔ اس پر جو غم کی کیفیت مجھ پر طاری ہوئی اس کا علم اللہ

کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا۔

حضرت نے فرمایا: شیخ اور مرید کے درمیان اسی قسم کی محبت ہونی چاہیے کہ اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔

نیز فرمایا: اگر قسم کی محبت والے نفع و نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں جس طرح کہ اہل تعارف کر سکتے ہیں۔ جب محبت کی آگ مشتعل ہو جاتی ہے تو اسے کوئی چیز رو نہیں کر سکتی۔

نیز فرمایا: ایک شیخ کا ایک مرید تھا جسے شیخ سے بہت محبت تھی یہاں تک کہ اس مرید کے ذہن و فکر میں ہر وقت شیخ کا خیال رہتا چنانچہ جب شیخ اپنے گھر میں بیٹھا کوئی کام کرتا تو مرید اپنے گھر میں اس کی نقل آتا رہتا۔ جب شیخ اپنے گھر اپنی بیٹی ناظمہ کو بلا تا تو مرید بھی ناظمہ کو کر پکارتا۔ جب شیخ کتا کیوں کر تو مرید بھی اپنے گھر میں ہی کتا۔ جب شیخ اپنی بیکڑی سر پر لپیٹتا تو مرید بھی کوئی چیز لے کر سر پر لپیٹنے لگ جاتا۔ اپنے شیخ کے حالات کے ساتھ اس کا ہر وقت یہی حال تھا۔ اسی کمال محبت سے مرید شیخ کا وارث ہوتا ہے۔

فرمایا: ایک شخص کو ایک خوبصورت لڑکی سے عشق تھا۔ اس کا عشق اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ اگر کوئی شخص اس کا نام لے کر پکارتا کہ ناظمہ تو عاشق بے اختیار کتا: جی ہاں۔ فرمایا یہ نکتہ تم میری طرف سے لوگوں کو سننا کہ جو کیونکر میں نے خود اسے دیکھا ہے کہ جب اس کا نام پکارا جاتا تو وہ جی "کہہ کر جواب دیتا۔ جب امور بزرگی میں محبت کا یہ حال ہو تو اہل جد و حقیقت لوگوں کی محبت کا کیا حال ہوگا۔

حضرت نے فرمایا کہ میرے شیخ منصور فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ محبت عیسائی کی محبت کا واقعہ

محبت الیہ کے مدعی ہیں ان کے لیے ایک عیسائی کا نکتہ تازیانہ کا کلام دے گا۔ اسے ایک پادری کی لڑکی سے عشق ہو گیا۔ جب دونوں اکٹھے ہوئے اور ایک ہی بستر پر بیٹے تو اس کی محبت میں اسے محبت کا عالم طاری ہو گیا اس لڑکی کی نظر اس کے چہرہ پر پڑی تو اس میں ایک مشہ تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک زہریلی چھری تھی، لیکن اسے اس کے زہر کو دھونے کا علم نہ تھا اس نے وہ مشہ چھری سے کاٹ ڈالا اور زہر اس کے جسم میں سرایت کر گیا اور اسی محویت کے عالم میں اس کی روح پرواز کر گئی۔ یہ ایک کافر کا حال ہے جو اپنی شیطانی محبت میں اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ اس کی روح بھی نکل گئی مگر اسے پتہ نہ چلا۔ تو اپنے رب کی محبت میں ایک مومن کا کیا حال ہونا چاہیئے؟

جب تک مرید کو شیخ سے محبت نہ ہو محض شیخ کی محبت سے مرید کو فائدہ نہیں پہنچتا !

فرمایا: بڑے کی محبت سے خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو چھوٹے کو فائدہ نہیں پہنچتا جب تک کہ خود چھوٹے کو بڑے سے

محبت نہ ہو۔ تب جا کر اسے فائدہ ہوتا ہے۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو اسے فائدہ ہوتا ہے خواہ بندہ کتنا ہی کیوں نہ اعراض کرتا ہو کیونکہ جب چھوٹے کو بڑے سے محبت ہوتی ہے تو وہ بڑے کے اندر جو کچھ ہوتا ہے، سب کچھ کھینچ لیتا ہے مگر بڑا کسی چھوٹے سے محبت کرے تو وہ باذنب نہیں ہوتا۔ اس وقت حضرت کے سامنے ایک آلوچ رکھا تھا۔ فرمایا: مثلاً اگر اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ترش سیب کی محبت ڈال دے اور اس محبت کا اس پر غلبہ ہو جائے تو یہ سیب کے اندر سے سب کچھ جذب کر لے گا چنانچہ اگر ہم آلوچ کو چیریں تو اس میں سیب کی سی ترش پاستی کے گھر سیب کے اندر آلوچ کا ذائقہ قطعاً نہ ہوگا، مگر حق تعالیٰ (کا معاملہ کچھ اور ہے) کہ اگر بندہ اس سے محبت کرے تو جب تک اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت ذکر کریں وہ اپنے اندر اسرار الہیہ کو جذب نہیں کر سکتا۔ اس فرق کا راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اس وقت تک کسی بندے سے محبت نہیں کرتے جب تک کہ اسے اپنی معرفت عطا نہ کر دیں۔ اسی معرفت سے وہ اسرار الہیہ سے واقف ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کی طرف کھینچا جاتا ہے لیکن اگر بندہ کو معرفت الہیہ کے بغیر ہی اللہ سے محبت ہو تو اس سے کچھ نہیں ہوتا۔

میں نے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ شیخ اپنے مرید کے ساتھ اس کی ذات کے اندر سکونت پذیر ہوتا ہے۔

فرمایا: یہ صحیح ہے مگر یہ محبت مرید کی طرف سے ہوتی ہے کہ جب محبت تو ہی ہوتی ہے تو شیخ کو اس کی طرف اسی قدر کشش ہوتی ہے کہ اس کی حالت وہی ہو جاتی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا۔ اس طرح مرید کی ذات شیخ کا مسکن بن جاتی ہے اور ہر شخص اپنے مسکن کو خوبصورت بناتا ہے۔ ان الفاظ سے حضرت کا اشارہ مرید کی ذات میں شیخ کی تاثیر کی طرف تھا جب وہ اس میں متمکن ہو جاتے۔

حضرت کو میں نے یہ بھی فرماتے سنا کہ جب کسی مرید کو شیخ سے کامل محبت ہو جاتی ہے تو شیخ اس مرید کی ذات میں اس طرح سکونت پذیر ہوتا ہے جس طرح حاملہ کے پیٹ میں بچہ۔ چنانچہ کبھی حاملہ کا حمل پورے طور پر ٹھیک حالت پر ہوتا ہے تا آنکہ وضع حمل ہوتا ہے اور کبھی اسقاط حمل ہو کر کچھ بھی نہیں رہتا۔ کبھی بچہ سو جاتا ہے اور پھر بیدار ہوتا ہے۔ انا کہ ابھی مختلف حالتیں ہیں کہ کبھی ایک ماہ بعد انا فائدہ ہوتا ہے کبھی سال بعد اور کبھی اس سے بھی زیادہ عرصہ کے بعد۔ یہی حال مرید کا ہوتا ہے جب وہ شیخ کا حامل ہو۔

چنانچہ کبھی اس کی محبت کامل اور دائمی ہوتی ہے جس سے شیخ کے کمالات متواتر اس میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ اسے فتح نصیب ہو جاتی ہے اور کبھی مرید کی محبت صادق ہونے کے بعد کسی مانع کے پیش آنے کی وجہ سے منقطع ہو جاتی ہے جس سے شیخ کے بارے میں مرید کی نیت بدل جاتی ہے اور شیخ کے اسرار انہی شعا میں دینے کے بعد اس کی ذات سے منقطع ہو جاتے ہیں اور جب محبت لوٹ آتی ہے تو اسرار بھی لوٹ آتے ہیں۔ مرید کو چاہیے کہ اپنی حالت کا امتحان کرے کہ وہ ان تینوں قسموں میں سے کس قسم کا مرید ہے۔ اللہ تعالیٰ سے غور، عافیت اور توفیق ہدایت مانگنی چاہیے۔ "انہ سبیب قریب" مولف لکھتا ہے کہ تینوں قسمیں مریدوں میں موجود ہیں۔ مریدوں کو یہ کلام یاد رکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ بہت عمدہ بحث ہے۔ واللہ اعلم۔

بزرگ فرمایا: اگر مرید کو شیخ سے اس کی ولایت، سزا و کرم وغیرہ کی وجہ سے محبت ہو تو اس کو اس محبت سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا جب تک کہ یہ محبت بغیر کسی غرض کے ذات شیخ سے نہ ہو جس طرح بچوں کو ایک دوسرے سے محبت ہوتی ہے کہ اس میں کوئی غرض نہیں ہوتی بلکہ محض الفت ہوتی ہے۔ لہذا اسی قسم کی محبت مرید اور شیخ کے درمیان ہونی چاہیے تاکہ یہ محبت مرید کو اغراض کی طرف نہ لے جائے کہ اغراض کے آنے سے شیطانی دسادیں پیدا ہو جاتے ہیں جس سے کبھی تو محبت منقطع ہو جاتی ہے اور کبھی رک جاتی ہے جیسا مذکور بالا آخری دو قسموں میں ذکر ہو چکا۔ واللہ اعلم۔

شیخ کی ولایت اور سزا و کرم کی خاطر محبت کیوں فائدہ مند نہیں ہوتی ؟
یہی ہے کہ شیخ سے دریافت کیا کہ ولایت اور سزا و کرم کی خاطر مرید کو شیخ سے جو محبت ہوتی ہے اس سے مرید کو فائدہ کیوں نہیں پہنچتا ؟

فرمایا: یہ محبت اس لیے فائدہ مند نہیں پہنچتی کہ اسرار اور معارف وغیرہ سب اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور اللہ سے ہر ایک کو محبت ہوتی ہے لہذا اس نے ابھی شیخ سے محبت نہیں کی۔ صحیح طور پر شیخ کی محبت اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب وہ محض اس کی ذات کی خاطر اس سے محبت کرے نہ کہ اس کے اسرار کی خاطر۔

میں نے عرض کیا کہ شیخ کی ذات بھی تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے اور ہر چیز اللہ ہی کی طرف سے ہے لہذا کیا وجہ ہے کہ ایک کی محبت تو مفید ہے اور دوسرے کی نہیں ؟

فرمایا: تو غلط لکھتا ہے، لیکن ذات کی محبت سے ہماری غرض یہ ہے کہ محبت خالص اللہ کے لیے ہو، کیونکہ صرف ذات سے نفع ہو سکتا ہے نہ نقصان۔ چنانچہ جب ذات کے ساتھ ہوگا تو یہ بات اس

کی علامت ہوگی کہ محبت آتش سے پاک ہے۔

میں نے عرض کیا کہ انسان کے لیے اغراض کے بغیر چارہ ہی نہیں۔ لہذا جو شخص فعل حاصل کرنے کے ارادہ سے کھیتی باڑی کرے گا تو اسے کھیتی باڑی سے محبت فعل کی خاطر ہوگی۔ نہ کہ کھیتی باڑی سے؛ فرمایا: ہاں! لیکن جب اس نے ابتدا ہی سے فعل کا ارادہ کیا، پھر اپنا خیال دوسری طرف ہٹایا کہ اسے فعل کا خیال ہی نہ رہا تو اس شخص کو بہت فعل حاصل ہوگی۔ در بہت کچھ پائے گا، لیکن اگر اس کا خیال دن رات فعل کی طرف لگا رہے گا اور دل میں سوچتا اور اندازہ لگاتا رہے کہ فعل کیسی ہوگی اور جوئے کے بعد وہ اسے کیا کرے گا تو اس شخص کو فعل حاصل نہ ہوگی بلکہ اس پر فعل حاصل ہونے سے پہلے ہی دوسرا کنا غلبہ ہوجائے گا اور ہر وقت دل میں کتنا رہے گا کیا فعل پاک گئی ہے؟ کہیں اس پر فلاں آفت نہ آجائے یا فلاں لوگ اسے خواب نہ کر دیں اور اسی قسم کے اور دوسرے دل میں پیدا ہوتے رہیں گے برطان پہلے شخص کے اسے فعل اور دوسروں کی طرف سے اطمینان ہوگا۔ یہی حال ہے اس شخص کا جسے شیخ کی ذات کی خاطر محبت ہے اور اس شخص کا جو شیخ سے کسی غرض کی وجہ سے محبت رکھے۔

محبت شریک نہیں چاہتی

ایک روز میں آپ سے شرناس میں ابن عامر کے محلہ میں گفتگو کر رہا تھا کہ حضرت نے فرمایا: اس وقت حضرت منصور راس الدرب میں ہیں

کیا ان سے مانا جاتے ہو میں نے عرض کیا بسوچتہم کیجئے ہو سکتا ہے کہ میں قطب سے نہ ملوں؟

فرمایا: لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے اگر فرض کر لیا جائے کہ تمہارے والدین کے ہاں تمہاری شکل تمہارے جیسے صفت، تمہارے جیسے علم اور تمہارے جیسے تمام ظامری اور باطنی اوصاف والے سو اور بھی ہوں تو میں ان میں سے کسی ایک کی طرف بھی نہ دیکھوں گا۔ میرے لیے تم ہی ہو گے اور وہ میرے لیے عام لوگوں کی طرح ہونگے یہ الفاظ سن کر میں غفلت سے بیدار ہوا اور گویا میری آنکھ کھل گئی اور سمجھ گیا کہ میں نے ٹھیک بات نہیں کی اس لیے کہ محبت شریک کو قبول نہیں کرتی۔ واللہ اعلم۔

حضرت کو میں نے یہ بھی فرماتے ہوئے سنا کہ طالب اسرار مرید کی ذات ترا بیہ ہوتی ہے اور اسرار دینے والی بھی شیخ کی ترا بیہ خوات ہی ہوتی ہے۔ پس جب مرید کی ذات ترا بیہ شیخ کی ذات ترا بیہ ہی سے محبت رکھتی ہے تو وہ ذات اپنے اسرار و معارف سے اسے نوازتی ہے، لیکن اگر مرید کی ذات شیخ کی ذات کے اسرار سے محبت رکھتی ہو اور یہ محبت ذات کو چھوڑ کر اس کے اسرار و معارف کے ساتھ ہو جائے تب ذات ترا بیہ اپنے اسرار و معارف کو روک لیتی ہے۔ پھر نہ روح اور نہ کوئی اور چیز ان اسرار کو جاری رکھنے کی طاقت رکھتی ہے، لہذا مرید کو چاہیے کہ ہر قسم کے منافع سے قطع نظر کرتے ہوئے اپنی

پوری کوشش شیخ کی محبت میں صرف کر دے۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔
واللہ اعلم۔

کیا محبت کی کوئی علامت ہو سکتی ہے؟
میں نے حضرت سے سوال کیا: کیا محبت کی کوئی علامت
و نشان ہوتی ہے۔

فرمایا: محبت کی دو علامتیں ہیں: ایک یہ کہ مرید کی راحت ذات شیخ میں ہو کہ اسی کی نگر ہو۔ اسی کے لیے
زندہ ہو۔ اسی پر فریفتہ ہو، اسی سے خوش ہو اور اسی کا غم جو حسی کہ ظاہر و باطن میں موجود گی اور عدم
موجودگی میں اس کے تمام حرکات و سکنات ذات شیخ اور اس کے متعلقات کی خاطر ہوں اور وہ اپنی
ذات اور اس کی بہبود کی پروا نہ کرے۔

دوسری علامت شیخ کا ادب و تعظیم کرنا ہے یہاں تک کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ شیخ کو میں
میں ہے اور مرید پہاڑ کی چوٹی پر تو اس کے دل پر شیخ کی تعظیم کے کثرت غلبہ کی وجہ سے اسے یوں معلوم ہو کہ
وہ خود کونہیں میں ہے اور شیخ پہاڑ کی چوٹی پر۔

فرمایا: لوگوں کا خیال ہے کہ شیخ کا مرید پر احسان ہوتا ہے حالانکہ درحقیقت شیخ پر مرید کا
احسان ہوتا ہے اس لیے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بڑے کی محبت سودمند نہیں ہوتی، کشش مرید
کی محبت میں ہی ہوتی ہے لہذا اگر مرید کی ذات ظاہر اور اس کی عقل صاف اور اس کے نفس
میں بھلائی کی اہمیت اور جاذب محبت نہ ہو تو شیخ کچھ بھی نہ کر سکے اور اگر شیخ کی محبت ہی نفع رساں
ہوتی تو ان کا ہر مرید و اصل راشد اور کامل بن جایا کرتا۔

فرمایا: اس بات کی علامت کہ مرید کو شیخ سے سچی اور سودمند محبت
شیخ سے سچی محبت کی علامات

ہے یہ کہ فرض کر لیا جائے کہ وہ تمام اسرار اور خوبیاں خود ذات
شیخ میں پائی جاتی تھیں زائل ہو گئی ہیں اور شیخ کی ذات ان سے کایتہ خالی ہو کہ عامۃً انسان کی طرح ہو گئی ہے
پس اگر اب بھی مرید کو شیخ سے وہی پہلی سی محبت ہو تو یہ سچی محبت ہے، لیکن اگر یہ محبت ان اسرار
کے زائل ہو جانے سے دور اور زائل ہو جائے تو یہ محبت جھوٹی محبت ہوگی۔ واللہ اعلم۔

یہ بھی فرمایا کہ پاک اور خاص محبت کی علامت یہ ہے کہ مرید شیخ کو تو ناچھوڑ دے تاکہ مرید
کی نگاہ میں شیخ کے تمام انحال و احوال درست اور ٹھیک ہوں۔ اگر اسے ان انحال و احوال کی
وجہ سمجھ میں آجائے فیہا در نہ اگر اسے ان کا کوئی راز سمجھ میں نہ آئے تو اسے اللہ کے سپرد کر دے، لیکن
ساتھ ہی اسے یقین ہو کہ شیخ جو کچھ کر رہا ہے ٹھیک ہے اور اگر ان اعمال میں جو بظاہر ٹھیک نظر آ رہے

میں ایسے سمجھ لے کر ہو سکتا ہے کہ شیخ غلطی پر ہو تو وہ سر کے بل گرا اور اس کا شمار کا ذہین میں سے ہو گا۔

فرمایا: شیخ مرید سے مذکور کی ظاہری خدمت چاہتا ہے اور نہ روپیہ پیسہ کو مرید اس پر خرچ کرے اور نہ ہی کوئی بدنی عبادت چاہتا ہے۔ اگر چاہتا ہے تو صرف اتنا کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ اس کا شیخ کامل اور موافق من اللہ ہے۔ اسے معرفت بصیرت اور اللہ کا قرب حاصل ہے اور اسے اعتقاد پر خواہ دن گزریں، مینے گزریں، سال پر سال گزریں، قائم رہے، اگر اس میں یہ اعتقاد پایا گیا تو مرید کو اس سے اور ہر قسم کی خدمت سے فائدہ ہو گا اور اگر اس میں یہ اعتقاد نہ ہو گا یا اگر جو بھی تو پائیدار نہ ہو پس اگر اس میں دوسرے پیدا ہونے لگیں تو مرید کچھ بھی نہیں۔

ایک روز میں آپ کے ساتھ باب الہدیکہ کے پاس جو فاس کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے بیٹھا ہوا تھا اور ہمارے ساتھ ایک ایسا آدمی تھا جو حضرت کی بہت خدمت کیا کرتا تھا اور ہر بات میں آپ کا حکم ماننا تھا میاں تک کہ کوئی اور مرید اس حد تک آپ کی خدمت نہ کرتا تھا۔ حضرت نے اس سے پوچھا کیا تو مجھ سے خالص اللہ کے لیے محبت رکھتا ہے؟ اس نے جواب دیا "جی ہاں" ایسی محبت رکھتا ہوں کہ خالص اللہ کے لیے ہے جس میں نہ ریا ہے نہ شہرت طلبی۔ اس کے یہ الفاظ سن کر مجھے غیرت آگئی۔ حضرت نے کہا: اچھا اگر تو یہ سنے کہ مجھ سے سب کچھ سلب ہو گیا اور میری ذات کے تمام اسرار زائل ہو گئے ہیں کیا تو پھر بھی اس محبت پر قائم رہے گا؟ جواب دیا ہاں۔ پھر حضرت نے کہا کہ اگر لوگ کہیں کو میں بھیجی یا اسی طرح کا کچھ اور بن گیا ہوں تو کیا تو پھر بھی اپنی محبت پر قائم رہے گا۔ جواب دیا: ہاں۔ پھر فرمایا: اگر لوگ کہیں کہ میں خدا کا نافرمان اور بدکار ہو گیا ہوں پھر بھی تو مجھ سے محبت کرے گا۔ کہنے لگا: ہاں۔ فرمایا: خواہ مجھے اسی حالت پر سال دو سال اور بیس سال تک کہیں نہ گزر جائیں۔ تب بھی؟ کہا: جی ہاں مجھے کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو گا۔

مؤلف کہتا ہے کہ میں نے اسے کہا: بھائی تو یہ نہ کر کے گا۔

اس پر حضرت نے فرمایا: میں تمہارا امتحان کروں گا۔

(مؤلف کہتا ہے) میں نے اسے کہا: مجھے تو تمہارے حق میں ڈر لگنے لگا ہے۔ ایک اندھا کی مانند بصیر کے امتحان پر کیسے پورا اتر سکتا ہے۔ لہذا تو حضرت سے معافی مانگ اور اپنے عجز و کوتاہی کا اعتراف کرے اور میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ چنانچہ ہم نے عجز و انکساری کے ساتھ معافی کی درخواست کی، لیکن جوابات ہونی تھی وہ ہو چکی تھی اس لیے حضرت نے اسے کام کہا جس میں اس کی

بہتری تھی لیکن اسے اس کی ظاہری وجہ سمجھ میں نہ آئی اور وہ کام دیکھا اور حضرت کے متعلق اس کی نیت بدل گئی۔

موتلف کتاب ہے کہ اسرارِ خلوندی کا وہی شخص متعلق ہو سکتا ہے جس کی مٹی صحیح ہو، پختہ عقیدے اور نافذ عزم کا مالک ہو۔ شیخ کے سوا کسی کی بات پر کان نہ لگائے اور شیخ کے سوا سب کو مردود کا عدم سمجھے۔

اب میں یہاں اس کے متعلق چند حکایات نقل کروں گا تاکہ جو لوگ نفس کی بہتری چاہتے ہیں ان سے عبرت حاصل کریں۔ حکایات بیان کرنے سے پہلے تمہید کے طور پر حضرت کے چند فرمودے نقل کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا: فتح حاصل ہونے سے پہلے مجھے اونٹ کی شکل کی ایک سیاہ لمبی اور ڈراؤنی صورت دکھائی دیا کرتی تھی۔ صرف ایک بار ایسا ہوا لیکن جب حق تعالیٰ نے مجھے فتح نصیب کی اور جبرہ عوالم میری قسمت میں تھے میں نے دیکھ لے تو میں نے اس خوفناک صورت کی تلاش کی کو کیا اور کس دنیا کی ہے، لیکن مجھے اس کا پتہ نہ چل سکا۔ اس پر میں نے اس کا تذکرہ حضرت محمد بن عبدالکریم رحمہ اللہ سے کیا تو فرمایا: اس صورت کی جنس کا کہیں وجود نہیں ہے۔ میں نے پوچھا پھر میں نے کونسی چیز دیکھی ہے؟ فرمایا: یہ صرف تمہاری روح کا فعل تھا۔ میں نے پھر پوچھا: وہ کیسے؟ فرمایا: جب ذات کسی چیز کو اپنی آنکھوں کے سامنے لاتی ہے اور اسے اس کا یقین ہو جاتا ہے تو روح اس قسم کی صورت موجود کرنے میں اس کی مدد کرتی ہے خواہ اس میں ذات کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ ذات کے یقین کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی نہ خیر کی جانب میں، نہ شر کی جانب میں۔

حضرت محمد بن عبدالکریم فرماتے ہیں کہ فتح سے پہلے ایک حضرت محمد بن عبدالکریم کا پانی پر چلنا

مرد نہیں کیا جاسکتا تھا اور یہ سمندر اسی دنیا کا سمندر تھا۔ میرے دل میں پختہ یقین ہو گیا کہ میں اس سمندر پر دوڑنے اور کپڑے بھیجنے کے بغیر ہی چل سکوں گا۔ اس پر میں نے پانی کی سطح پر پاؤں رکھ کر چلنا شروع کیا اور میرا جزم بڑھتا گیا حتیٰ کہ میں اسے عبور کر کے دوسرے کنارے پر جا پہنچا۔ جب میں پھر اسی طرف آیا، لیکن وہ جزم جاتا رہا تھا، مجھے پانی پر چلنے میں شک ہونے لگا لہذا میں نے آزمانے کے لیے پاؤں ڈالا تو وہ ڈوب گیا لہذا میں نے پاؤں نکال لیا اور سمجھ گیا کہ میں اس پر چل نہیں سکوں گا۔

حضرت نے فرمایا: جب تک ذات کو کسی بات کا جزم حاصل ہوتا ہے تو شیطان اس کے قریب

نہیں آسکتا شیطان اسی وقت قریب آتا ہے جب جزم ہوتا رہتا ہے اور شیطان کو اس کے جانے کا علم ہوتا ہے اس لیے کہ شیطان خون کی طرح انسان کی رگوں میں پھرتا ہے چنانچہ جب وہ دیکھتا ہے کہ جزم جاتا رہا تو وہ اگر دوسرے ڈان شروع کر دیتا ہے حتیٰ کہ اس کے ہاتھ سے نیکی نکل جاتی ہے فرمایا: جزم کی مثال شرک مضبوط فیصل کی ہے۔ چنانچہ جب تک شہر کی فیصل موجود ہوتی ہے دشمن کو اس کے اندر داخل ہونے کی امید نہیں ہوتی، لیکن جب اس میں رختے پڑ جاتیں اور دروازے اور کشادہ جگہیں ظاہر ہو جاتیں تو دشمن فوراً اندر آ جاتا ہے اسی لیے شیطان کا عیب اور دوسرے ذات کی فیصل یعنی جزم کے عیب کا تابع ہے لہذا ہر عقلمند کو چاہیئے کہ وہ اپنی ذات کی فیصل کی اصلاح کرنے میں جلدی کرے تاکہ نہ شیطان قریب آ سکے اور نہ کوئی انسان بھگا سکے۔

اس قسم کی بات میں نے ایک اور بار حضرت سے سُنی کہ کوئی سچا آدمی کسی سے دنیا یا آخرت کی کسی بات کا وعدہ کرے تو اگر اس شخص کو وعدہ سننے کے وقت وعدہ کے سچا ہونے کے متعلق اطمینان اور بختہ یقین ہوگا تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ چیز اسے یقیناً مل جائے گی، لیکن اگر وعدہ سننے کے وقت وعدہ کی سچائی کے متعلق اسے شک و شبہ ہوگا تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ اسے حاصل نہیں کر سکے گا لہذا جزم اہل صدق و تحقیق کی نشانی ہے۔ خدا ہمیں اپنے فضل و کرم سے جزم کی علالت اور اسرار عطا کرے۔

شیخ عبدالعلی کا قصہ

فرمایا: بگزشتہ لوگوں میں سے ایک شخص کو جس پر اللہ نے اپنا کرم کرنا چاہا، صالحین سے محبت تھی۔ اللہ نے اس کے دل میں کچھ ایسا خیال ڈال دیا کہ اس نے اپنا مال بیچا اور روپیے کو ایک ایسے شخص کے پاس گیا جو لوگوں میں بزرگ مشہور تھا۔ اطراف و اکناف سے لوگ اس کے پاس آئے۔ یہ اللہ کی رحمت پانے والا شخص بھی اپنا سارا مال لے کر اس کی طرف چلا اور اس کے شہر میں آ پہنچا۔ اس کے گھر کا پتہ لگا کر آیا۔ دروازہ پر دستک دی تو نوکر نکلا۔ اس نے نام پوچھا تو اس نے اپنا نام عبدالعلی بتایا۔ یہ بزرگ جو لوگوں میں ولی مشہور تھے دراصل بہت ہی ناسق و ناجو تھا اس کا ایک ہم پیالہ دم نوالہ تھا جس کا نام بھی عبدالعلی تھا۔ نوکر نے باکر نام بتلایا تو اس نے اسے اپنا ہم پیالہ دم نوالہ سمجھا اور نوکر کو کہا کہ اسے آنے دو۔ جب یہ اندر گیا تو سلنے شراب دیکھی اور پاس ایک بدکار عورت بھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ان سب باتوں سے غفلت عطا فرمائی اور اس نے ران کی طرف توجہ کرنے کی بجائے اُس کے بڑھکر عرض کی کہ حضرت میں اپنے وطن سے آپ کی شہرت سنکر حاضر ہوا ہوں کہ آپ مجھے اللہ کی راہ بتائیں اور یہ میرا مال ہے جو خالصتہً اللہ آپ کو نذر کرنے کے لیے لایا ہوں، شیخ

نے وہ مال لے لیا اور کما خدا تمہاری خدمت قبول کرے۔ پھر خادمہ کو کہا کہ اسے ایک روٹی دیدو۔ اس نے لے لی اور ایک کھٹائی دے کر حکم دیا کہ فلاں باغ میں جا کر کام کرتے رہو۔ یہ شخص اسی وقت گیا۔ اس کا دل مطمئن اور خوش تھا کہ شیخ نے خدمت میں قبول فرمایا۔ چنانچہ وہ خوشی خوشی کام کرنے کے لیے روانہ ہو گیا حالانکہ اس سفر سے وہ چور ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود اس نے باغ میں پہنچ کر ہی دم لیا اور وہاں بڑی خوشی اور چستی سے کام کرنے لگا۔ اللہ کی تقدیر اور احسان اس شخص پر ایسا ہوا کہ میں اس وقت جب یہ اس مکار و بدکار بزرگ کے پاس پہنچا، اہل دیوان میں سے ایک بڑے عارف کے انتقال کا وقت آگیا اور اس وقت اس کے پاس فوت اور باقی ساتوں قلوب موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے کئی بار تم سے کہا ہے کہ کسی اسلامی شری میں جا کر اپنا وارث تلاش کرو، لیکن تم نے ہماری بات نہیں مانی۔ اب تمہاری وفات کا وقت آگیا ہے اور تمہارے امراء خاتع چلے جائیں گے اور تمہارا کوئی وارث نہ ہوگا کہنے لگا۔ بزرگو! اللہ نے میرا وارث یہیں بھیج دیا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ وہ کون شخص ہے؟ کہا وہ شخص عبدالعلی جو فلاں بدین کے پاس آیا ہے۔ ذرا اللہ کے ساتھ حسن باطن، کمالِ صدق، راسخ خیال، نیتہ ارادہ اور مٹھوس یقین کو تو دیکھو کہ اس نے سب کچھ دیکھا مگر اس کا ارادہ مترنزل نہیں ہوا اور نہ ہی اسے کوئی دوسرا پیش آیا۔ کیا تم نے اس قسم کی صفائی کبھی سنی بھی ہے؟ کیا تمہیں اتفاق ہے کہ اسے وارث بنا دیا جاتے۔ سب نے اس پر اتفاق کیا۔ اس کے بعد دل کی روح نکل گئی اور حضرت عبدالعلی کو برائے نام حاصل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی نیک نیتی کی وجہ سے بڑے انعامات سے نوازا اور اسے فتح عطا کی۔ اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ اللہ کی رحمت کہ جسے آئی اور یہ کہ جس بزرگ کے پاس وہ گیا تھا وہ مکار و بدکار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے محض اس کی نیک نیت کی وجہ سے اس پر رحم فرمایا۔ واللہ الموفق۔

فرمایا: ایک بزرگ کا ایک سچا مرید تھا۔ بزرگ نے ایک دن اس کے ایک اور مرید کا امتحان | صدق کا امتحان کرنا چاہا، پوچھا: کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے؟ اس نے عرض کیا ہاں ہے۔ پھر پوچھا: تمہیں کس سے زیادہ محبت ہے۔ مجھ سے یا اپنے باپ سے؟ عرض کیا کہ آپ سے زیادہ محبت ہے۔ بزرگ نے پھر کہا بھلا بتاؤ کہ اگر میں تمہیں کہوں اپنے باپ کا سر لاؤ تو کیا تعمیل کر دگے؟ عرض کیا کہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کا حکم نہ مانوں۔ اسی وقت دیکھ میں چنانچہ وہ اسی وقت گیا۔ اس وقت لوگ سوچتے تھے۔ وہ گھر کی دیوار بچاندر کھیت پر چڑھا۔ پھر نیچے اتار کر اس کمرے میں آیا جہاں اس کے والدین رہا کرتے تھے۔ دیکھا کہ باپ اس کی ماں سے ہمبستری کر رہا ہے اس نے اتنی ملت بھی نہ دی کہ وہ

فارغ ہو جائے، لیکن اسی حالت میں اس نے اس کے اوپر گھٹنا رکھ کر اس کا سر کاٹ لیا اور لاکر شیخ کے آگے پھینک دیا۔ شیخ نے کہا: ارے! اپنے باپ کا سر لے آیا ہے، عرض کیا: ہاں کیا یہ اسی کا سر نہیں ہے؟ شیخ نے کہا: میں تو ہنسی کر رہا تھا۔ مرید نے عرض کیا، لیکن میرے نزدیک تو آپ کی کسی بات میں ہنسی نہیں ہے۔ اس پر شیخ نے فرمایا: ذرا دیکھو تو سہی کیا یہ تمہارے والد کا سر ہے؟ مرید نے جو دیکھا تو یہ اس کا سر نہ تھا۔ شیخ نے پوچھا تو پھر یہ کس کا سر ہے؟ عرض کیا: فلاں عجبی کا سر ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس شہر کے لوگ بالعموم سوڈانی غلاموں کی بجائے عجبی کافروں کو گھروں میں خدمت کے لیے رکھتے تھے اور اس مرید کا باپ اس رات گھر میں نہ تھا اور اس کی بیوی نے خاندان سے خیانت کرتے ہوئے اس کا سر سے دھو کر لیا تھا اور اپنا نفس اس کے حوالہ کر دیا تھا۔ شیخ کو کشف کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا تو اس نے مرید کا استہان کرنے کی غرض سے اسے اسی حالت میں قتل کرنے کو بھیجا تو اسے چٹان کی طرح راسخ قدم پایا چنانچہ یہی مرید اس شیخ کے ترک کا وارث بنا اور ان کے بعد فتح پور تابع ہوا۔ واللہ الموفق۔

فرمایا: ایک مرید ایک شیخ عارف کے پاس آیا اور عرض کیا: حضرت ایک اور سچے مرید کا واقعہ

مجھے اپنی خدمت میں اللہ واسطے قبول فرما لیجئے۔ فرمایا: اچھا بھراے اپنے پاس رہنے اور خدمت کرنے کو کہا۔ پھر اسے ایک کدال دیا جس کے سرے پر ایک فالٹو لپٹے کا خول لگا ہوا تھا جس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ یہی مرید شیخ کا وارث بننے والا تھا بشرطیکہ مذکورہ بالا خول کا اسے خیال نہ آئے۔ اگر خیال آ جائے اور کہنے لگے کہ اس کا کیا فائدہ ہے اور یہ کس کام کے لیے ہے اور سوائے بوجھ کے اس کی کیا غرض ہے؟ تو یہ شیخ کا وارث نہ بنے گا۔ حضرت فرماتے ہیں: یہ مرید سات سال تک اس کدال سے شیخ کی خدمت کو تار ہوا، لیکن نہ تو اس کی دوسو اس کی رگ حرکت میں آئی اور نہ ہی شیطانوں کی تیز ہواؤں نے اسے حرکت دی اور اس کے نزدیک وہ خول بمنزلہ قیام کے تھا کہ نہ اس کی طرف وہ دیکھتا نہ کسی کی بات نہ آتی۔ یہ ان سچے لوگوں کی حالت ہوتی ہے۔ توفیق الہی جن کا ہاتھ پکڑتی ہے۔ واللہ الموفق۔

فرمایا: ایک عارف کا ایک سچا مرید تھا اور وہی اس کے ترک کا وارث بننے والا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے شیخ کی کئی ایک باتیں اسے دکھائیں مگر اس کے باوجود اس کے دل میں کوئی دوسرا پیدا نہ ہوا جب شیخ کی وفات ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اسے فتح نصیب کی تو اس نے انہی امور کا مشاہدہ کیا اور اسے معلوم ہو گیا کہ شیخ نے جو کچھ کیا تھا درحقیقت تھا اور ان میں کوئی غیر شرعی بات نہ تھی۔ اسے صرف شہر ہوا تھا ان امور میں ایک یہ بات تھی کہ شیخ کے پڑوس میں ایک بدکار عورت رہتی تھی۔ مرید اس عورت کو جانتا

تھا۔ شیخ کی بیوی کی بھی وہی شکل تھی مگر مرید اسے نہیں جانتا تھا۔ شیخ کی ایک خلوت گاہ تھی جو مگر کے دروازہ اور کمروں کے درمیان تھی۔ مرید وہاں تک نہ جایا کرتا تھا۔ صرف دروازے پر کھڑا رہتا تھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ بدکار عورت جبکہ مرید دروازہ پر تھا، مرید کے پاس سے ہوتی ہوئی شیخ کے گھر سے گزری۔ اس وقت اتفاق ایسا ہوا کہ شیخ کی بیوی اپنے کردہ سے نکل کر شیخ کے پاس اس کی خلوت گاہ میں چلی گئی۔ شیخ نے اسے ہمبستری کے لیے بلایا تھا۔ شیخ اس کے پاس گئے مرید نے جو خلوت میں نظر ڈالی تو شیخ کو اس سے ہمبستر پایا۔ اسے یقین تھا کہ یہ عورت وہی بدکار عورت ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو مضبوط رکھا اور وہ شیطان کے ترغیب میں نہ آیا۔ اس کے بعد عورت نکل کر چلی گئی۔ جب نماز کا وقت آگیا اور شیخ نے نکل کر تیمم کیا کیونکہ وہ بیماری کی وجہ سے غسل نہ کر سکتے تو مرید کو یقین ہو گیا کہ شیخ نے کسی شرعی عذر کے بغیر تیمم کیا ہے مگر پھر بھی اللہ نے مرید کے دل کو مضبوط رکھا۔ پھر ایک مرتبہ شیخ کو سو ہو مضمن کا مرض ہو گیا تو آپ کے لیے فلنیس کا پانی نیچوڑ کر لایا گیا۔ عین اس وقت وہی مرید آگیا اور آپ کو وہ پانی پیتا دیکھا اور سمجھا کہ شراب کا پانی پی رہے ہیں مگر اس پر بھی اللہ نے اس کے دل کو مضبوط رکھا اور اسے کوئی دوسرا پید نہ ہوا، مگر بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے اسے فتح نصیب کی تو معلوم ہوا کہ شیخ بدکار عورت سے ہمبستر نہیں ہوئے تھے بلکہ اپنی بیوی سے ہوئے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ نے جو تیمم کیا تھا وہ کسی جسمانی بیماری کی وجہ سے کیا تھا۔ نیز یہ کہ جو پانی شیخ نے پیا تھا وہ شراب کا پانی نہ تھا بلکہ فلنیس کا پانی تھا۔ واللہ الوفی۔

فرمایا: ایک مرید کا پیر بھائی تھا۔ اس کا انتقال ہو گیا اور مرید اکیلا رہ گیا اس کا دستور تھا کہ جو کچھ کاتا اس کے دو حصے کرتا۔ ایک حصہ اپنی اولاد کے لیے رکھتا اور دوسرا پیر بھائی کی اولاد کے لیے اس مرید کی اپنے بھائیوں کے ساتھ مشترکہ زمین تھی جسے حکومت نے ٹکھا فروخت کر ڈالا۔ جب انہیں اس کی قیمت ادا کی گئی تو مرید کے حصے میں چالیس مشقال آئے۔ بھائیوں نے کہا تو ان پیسوں کو بے کر کیا کر لیا گیا اس نے جواب دیا کہ میں انہیں اپنے اور اپنے پیر بھائی کی اولاد کے درمیان تقسیم کروں گا۔ انھوں نے اسے حق کہا کہ تیرے جیسا انھیں عقل شخص سمجھ نہیں دیکھا۔ ان دھموں سے کوئی ذریعہ مناش بناؤ۔ فلاں چیز خرید لویا فلاں کام کرو۔ اور اس حماقت کو جس میں تو لگا ہوا ہے چھوڑ دے اس کے نفس نے ان کی باتوں کی طرف مائل ہونا چاہا تو اس نے نفس سے کہا کل قیامت کو جب تو اللہ عزوجل کے سامنے کھڑا

ہو گا تو کیا کہے گا۔ اللہ تجھے کہے گا میں نے تجھے چاہیے شقائق عطا کئے مگر تو نے اپنے آپ کو ترجیح دیتے ہوئے حق اخوت کو کھو دیا لہذا جیسا تو نے حق اخوت کو ضائع کیا تھا، میں تجھے ضائع کر دوں گا۔ اس پر اللہ نے اسے توفیق دی تو اس نے ان بیسیوں کو اپنی اور اپنے پیرو بھائی کی اولاد میں تقسیم کر دیا۔ یہ مرید جب اپنے بھائیوں کے پاس سے چلا آیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے فتح نصیب کی اور اسے وہ چیزیں عطا کیں جنہیں زمکی کی آنکھوں نے دیکھا۔ نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی کے دل پران کا خیال آیا اور اس کی سچی نیت کے عزم اور نافرمانی کے بدولت اسے عارفین میں سے بنایا۔ واللہ الموفق۔

(مؤلف کہتا ہے کہ) میں نے کسی اور سے سنا کہ ایک بزرگ کے چند مرید تھے اور وہ ان میں سے صرف ایک میں شرافت کے آثار پاتا تھا ایک دن اس بزرگ نے ان کا امتحان کرنا چاہا۔ امتحان کرنے پر۔ اسی ایک کے سوا باقی سب بھاگ گئے۔ امتحان یہ تھا کہ مرید آتے گئے یہاں تک کہ وہ اس کے خلوت خانہ کے دروازہ پر سب اکٹھے ہو گئے۔ پھر اس نے ان کو ایک اور عورت کی صورت دکھائی جو اگر شیخ کے خلوت خانہ میں داخل ہو گئی۔ شیخ اٹھ کر اس عورت کے پاس چلا گیا۔ سب کو یہی خیال ہوا کہ شیخ نے اس سے بدکاری کی ہے۔ اس لیے اس ایک کے سوا باقی سب بھاگ گئے اور ان کی نیت بدل گئی۔ وہ مرید گیا۔ پانی لایا اور اس خیال سے کہ شیخ غسل کریں گے پانی کو گرم کرنے لگا۔ شیخ نے باہر آکر پوچھا: یہ کیا کر رہے ہو؟ عرض کیا: میں نے عورت کو اندر جاتے دیکھا تھا اس لیے خیال آیا کہ شاید آپ کو غسل کرنے کی ضرورت ہو اس لیے آپ کے لیے پانی گرم کر رہا ہوں۔ شیخ نے کہا: مجھے بدکاری کرتے ہوئے دیکھنے کے باوجود تو میری تابعداری کر رہا ہے؟ عرض کیا: کیسے تابعداری نہ کروں گا جبکہ آپ سے گناہ کا ارتکاب ناممکن نہیں ہے گناہ کا ارتکاب نبیوں سے ناممکن ہے اور میں نے آپ کی تابعداری اس لیے تو نہ کی تھی کہ آپ نبی ہیں جس سے گناہ کا ارتکاب نہ ہو گا۔ آپ سے ملاپ تو میں نے اسی خیال سے کیا تھا کہ آپ بشر ہیں اور طریق حق کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ طریق حق کی معرفت تو اب بھی آپ میں پانی ملتا ہے اور وہ وصف جس سے میں نے آپ کو پہچانا تھا۔ آپ میں بدستور موجود ہے اس لیے میری نیت کیوں بدلے گی اور دل میں دوسرے کیوں پیدا ہو گا۔ شیخ نے کہا: بیٹا یہ دنیا تھی جو عورت کی شکل میں آئی تھی اور میں نے عمداً ایسا کیا تھا تاکہ یہ لوگ مجھے چھوڑ کر چلے جاتیں۔ بیٹا اب میرے ساتھ خلوت خانہ میں چلو اور دیکھو کوئی عورت نظر آتی ہے؟ چنانچہ اس نے اندر جا کر دیکھا تو کوئی عورت نہ تھی۔ اس کی محبت میں اور اضافہ ہو گیا۔ واللہ الموفق۔

(موتلف کتا ہے کہ) میں نے تاج الدین ذاکر مصری کے شاگرد محمد الدین کی کتاب میں پڑھا ہے کہ ایک شخص ایک بزرگ کے پاس آیا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے وہ برعطا کریں جس کے ساتھ اللہ نے آپ کو نوازا ہے۔ شیخ نے کہا: تجھ میں اس کی طاقت نہیں۔ مرید نے کہا: مجھ میں طاقت اور قدرت ہے۔ شیخ نے ایسا امتحان کیا کہ سر کے بل گرا۔ خدا میں بچائے۔ امتحان یہ تھا کہ مرید کے پاس ایک نوجوان لڑکا تھا جس کا باپ اکابر شیوخ میں سے تھا۔ جب اس مرید نے دعویٰ کیا کہ میں ہر کام متحمل ہونے کی قدرت رکھتا ہوں تو شیخ نے کہا: اگر اللہ نے چاہا تو تجھے ہر عطا کر دوں گا۔ اس پر اسے اپنے پاس ٹھہرنے کا حکم دیا اور نوجوان کو ایسی جگہ چھپ جانے کو کہا جہاں سے کسی کو دکھائی نہ دے سکے۔ اس کے بعد اس نے اپنی خلوت گاہ میں ایک مینڈھا لا کر ذبح کیا اور اس کا خون اپنے کپڑوں پر لگا لیا۔ اس حالت میں جبکہ چھری اس کے ہاتھ میں تھی اور خون مانتھوں پر بہ رہا تھا وہ نکل کر مرید کے پاس آیا۔ اس کے چہرہ سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ غصہ میں ہے۔ مرید نے پوچھا: حضرت کیا بات ہے؟ شیخ نے کہا: اس نوجوان نے مجھے غصہ دلایا جس سے میں آپ سے باہر ہو گیا اور اس کو ذبح کر ڈالا اور اپنی خلوت گاہ کی طرف جہاں مینڈھا ذبح کیا تھا، اشارہ کر کے کہا کہ وہ یہاں ذبح کیا ہوا پڑا ہے بیٹا اگر تم ہر عطا کرتے ہو تو اے چھپائے رکھنا اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ اگر اس کا باپ مجھ سے پوچھے گا تو میں اسے کہہ دوں گا کہ تمہارا بیٹا بیمار ہو کر مر گیا اور وہ میری بات پر یقین کر لے گا۔ بیٹا اس معاملہ میں میری مدد کرنا اور اس پر پردہ ڈانا۔ اگر تو نے ایسا ہی کیا تو میں تجھے انشاء اللہ ہر دوں گا۔ مرید جس کا رنگ اڑا گیا تھا اور اس نے خیال کیا کہ اب شیخ اس کے قبضے میں ہے اس لیے اظہار غصہ کرتے ہوئے کہا کہ میں کروں گا اور اس کے طرز گفتگو سے اس کا جھوٹ ظاہر ہو رہا تھا۔ شیخ سے الگ ہوتے ہی وہ شخص سیدھا نوجوان کے باپ کے پاس گیا اور سارا قصہ سنایا اور کہا کہ وہ جھوٹا شیخ ہے آپ نیک سمجھتے ہیں اس نے آپ کے بیٹے کو ابھی قتل کیا ہے اور اس نے مجھے اس پر پردہ ڈالنے کو کہا ہے۔ اگر آپ کو اس میں شک ہو تو ابھی

لے تاج الدین ذاکر: ان کا چہرہ نور قلب سے روشن تھا۔ ان کے ہر رنگ دپے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ ولی ہیں۔ ان کے شاگرد بھی بہت صاحب جمال و کمال ہوتے ہیں۔ انہوں نے پچیس سال تک زمیں سے اپنی پیٹھ نہیں اٹھائی۔ وفات کے وقت دس شاگردوں کا نام دیا جنہیں خلافت دی گئی۔ خیرانی نے ان میں سے صرف تین کے نام دیے ہیں اختیاب الدین وغانی، شیخ ابراہیم اور شیخ عبدالباقی۔ ہو سکتا ہے کہ محمد الدین بن ذاکر کتاب میں لکھا گیا ہے بھی خلفاء میں سے ہوں، ان کی وفات ۸۱۲ھ سے کچھ سال بعد ہوئی۔

میرے ساتھ چلو۔ آپ کا بیٹا خون میں تڑپا ہوا ملے گا۔ لوگوں نے کہا، تمہارا بڑا ہو۔ حضرت سے ایسا فعل
سزا نہیں ہو سکتا، شاید تمہیں غلطی لگی ہے اس نے کہا: ابھی میرے ساتھ چلو تمہیں میرا جھوٹ اور سچ ظاہر
ہو جائے گا۔ لوگوں میں یہ بات پھیل گئی اور اباب حکومت نے بھی یہ قلعہ سنا اس پر لوگ دوڑتے ہوئے شیخ
کی طرف آئے۔ وہ مرید ان کے آگے آگے آ رہا تھا جتنی کہ وہ اگر شیخ کی غفلت گاہ کے پاس کھڑے ہو گئے
انہوں نے دستک دی تو شیخ نکل آئے۔ پوچھنے لگے کہ کیا بات ہے، تم لوگ کس لیے آتے ہو۔ انہوں
نے مرید کی طرف اشارہ کر کے کہا جو کچھ یہ کہہ رہا ہے کیا آپ سُن نہیں رہے ہیں؟ شیخ نے مرید سے کہا:
کیا بات ہوئی ہے؟ مرید نے جواب دیا: وہی بات ہوتی ہے جس کے چھپانے کو آپ مجھے کہہ رہے
تھے اور جس کا لاپلاٹ مجھے دے رہے تھے۔ شیخ نے کہا: میرے تمہارے درمیان تو کوئی بات نہیں ہوئی۔
اور میں نے تو تم سے کوئی بات ہی نہیں کی۔ پھر مرید نے کہا: جھوٹ بولنے سے تو بچ نہیں سکتا۔ تو نے لوگوں
کا بچہ قتل کیا ہے، اب ہم تجھے قتل کر ڈالیں گے۔ اسے دشمن خدا تو لوگوں کو اپنی عبادت اور غفلت کیساتھ
غریب دیتا ہے؟ شیخ نے کہا: آپ اس سے پوچھیں کہ اسے کیسے معلوم ہوا کہ میں نے بچہ کو قتل کر دیا
ہے؟ مرید نے کہا: جب آپ باہر نکلے تھے تو کیا خون کے نشان آپ کے ہاتھوں اور کپڑوں پر نہ تھے
شیخ نے کہا: تھے مگر میں نے تو بکری ذبیح کی تھی۔ مرید نے کہا اگر آپ سچے ہیں تو ہمیں غفلت گاہ میں
جانے دیں۔ چنانچہ جب وہ داخل ہوئے تو ایک بکری کو ذبح کیا ہوا پایا۔ مرید نے کہا: آپ نے مقتول کو
چھپا کر اس کی جگہ بکری رکھ دی ہے تاکہ اس کے قصاص میں آپ کو نہ قتل کر دیا جائے، شیخ نے کہا:
اگر نوجوان صبیح و سلامت نکل آئے تو پھر تو اقرار کر لے گا کہ تو ان جھوٹوں میں سے ہے جنہیں نجات
حاصل نہ ہوگی۔ مرید نے کہا: اگر آپ سچے ہیں تو اسے نکالیں۔ شیخ نے نوجوان کو بلا بھیجا۔ وہ آیا اور
اسے واقعہ کے متعلق کچھ علم نہ تھا۔ جب لوگوں نے نوجوان کو دکھیا تو انہوں نے شیخ کے سامنے عاجزی
کی اور اس جھوٹے مرید کو بُرا کہنے لگے۔ اس وقت شیخ نے اسے کہا: اسے جھوٹے کیا تجھے جس بات کا دعویٰ
نہ تھا کہ تو ہرگز متمثل ہونے کی قابلیت رکھتا ہے۔ جاؤ جو ہر تمہارے جیسے لوگوں کے مناسب ہے وہ ہم نے
تمہیں دے دیا۔ اس دن سے جو مرید کی حالت ہوئی وہ عبرتناک تھی اور مدعی کا ذب کے لیے ایک مذاہب
تھی۔ نَسْأَلُ اللہَ بِمَعْتَبَةِ السُّوْفِیِّ۔

ایک اور شخص سے عجیب واقعہ پیش آیا۔ یہ شخص حاجیوں کے قافلہ کا سردار اور بلادِ عرب کا باشندہ
تھا اور صالحین سے ملنے کی کوشش میں لگا رہتا اور اس کی کوشش میں رہتا کہ کوئی شخص مل جائے
جس کے ہاتھوں پر بیعت کرنے سے فائدہ ہو چنانچہ اُس کا مشرقی ممالک میں آنا جانا رہتا۔ وہ اسی طلب

جستجو میں رہتا۔ آخر مصر میں اُس کی ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے ایک امانت دے کر فرمایا کہ جو شخص تم سے یہ امانت مانگے بس اسی شخص سے تمہارا مطلب حاصل ہو گا۔ چنانچہ جتنے صالحین کو وہ جانتا تھا ایک ایک کر کے وہ ان کے پاس گیا۔ بالآخر اپنے شہر میں اگر گھر پہنچ گیا۔ کچھ دن گزرنے کے بعد اس کا پڑوسی اسے ملا اور کہا فلاں شخص نے مصر میں جو امانت تجھے دی تھی وہ کہاں ہے؟ اس وقت اس شخص کو علم ہوا کہ ہمسایہ ہی صاحبِ رقت ہے اس لیے ان کے پاؤں پر گر پڑا اور چونے لگا اور کہا حضرت آپ نے اپنے آپ کو کتنا چھپاتے رکھا، میں نے تو مشرق و مغرب کا کوئی بزرگ نہیں چھوڑا جس کے پاس میں نہیں پہنچا اور آپ میرے پڑوسی اور سب سے قریب ہیں (مگر مجھے پتہ نہ چلا) اس کے بعد ان سے رِزِ اِلهی طلب کیا۔ شیخ نے کہا: اس کی تم میں طاقت نہیں ہے۔ اس نے کہا: حضرت میں اس کی طاقت رکھتا ہوں۔ پڑوسی نے کہا: اگر تم اس کی طاقت رکھتے ہو تو ایک شرط ہے اور وہ بھی معمولی سی کہ اس میں تمہارا کوئی زیادہ نقصان بھی نہیں ہے۔ وہ یہ کہ اپنی اس بسی دائرہ کو منڈوا ڈالو۔ اس نے کہا: حضرت بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے اسی کی وجہ سے تو لوگ بلادِ مشرق میں مجھ سے ڈرتے اور میری تعظیم کرتے ہیں۔ شیخ نے کہا: اگر سزا جاتا ہے تو تجھے جو میں کہتا ہوں کرنا پڑے گا۔ کہنے لگا حضرت میں یہ نہیں کر سکتا۔ حضرت نے کہا: اب میرا کوئی تصور نہیں ہے کیونکہ تو میری شرط قبول ہی نہیں کرتا اور وہ اسے چھوڑ کر بچے گئے۔ شیخ کے مرنے پر جب اس نے دیکھا کہ میں کس قدر بڑی چیز کو بیٹھا ہوں تو اسے مذمت ہوئی اور کہنے لگا اگر جیسے مجھے آج عقل آئی ہے اسی طرح شیخ کی زندگی میں آئی تو جو کچھ انھوں نے کہا تھا اس پر عمل کرتا بلکہ اس سے بھی زیادہ کرتا۔

میں نے ایک معتبر آدمی سے سنا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدارِ بیداری میں کیا کرتا تھا اور فاس میں بیٹھے ہوئے مدینہ منورہ کی خوشبو سونگھتا کرتا تھا کہ انھوں نے شہر فاس میں جامع اندلس میں ایک ولی کے ساتھ رات گزاری۔ جب وہ مسجد کی نماز پڑھ چکے اور مسجد سے باہر آئے تو دیکھا کہ ایک شخص ولی کے ہاتھ چوم رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ حضرت مجھے آپ سے اللہ واسطے کی محبت ہے اس ولی نے اسے بُری طرح سے دیکھا اور کہا کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ رازِ بلکاس سے بھی زیادہ چھپی ہوئی باتیں جانتا ہے ان کا مطلب یہ تھا کہ تو نے اللہ کے علم اور اس کے حسنِ جزا پر اس معاملہ کو کیوں نہ چھوڑا۔ اس کے بعد ولی چلا گیا اور اس شخص نے ولی کے الفاظ سن کر رونا شروع کر دیا۔ انھوں نے آگے بڑھ کر اسے کہا تو نے تو ایک بہت بڑی چیز کا دعویٰ کیا ہے اب شیخ ضرور تمہارا امتحان کریں گے لہذا مردِ بنا ورنہ ہمیشہ کے لیے بدائی ہو جائیگی نہ ملے گا کہ وہ شخص ولی کے باغ کے پاس ہی رہتا تھا شیخ کے باغ کی مدد کے اندر ایک انجیر کا درخت

تھا۔ جس کا پھل ہر سال یہ شخص توڑ لیا کرتا تھا مگر شیخ پڑوس کا لٹا کر رکھتے ہوئے صبر کرتے اور اس سے درگزر کرتے۔ لیکن جب اس نے محبت کا دعویٰ کیا تو شیخ نے صبر و تحمل کو ترک کر کے کہا کہ یہ درخت تو میرا ہے اس میں تمہارا کوئی حق نہیں ہے۔ مدعی محبت نے انکار کیا اور کہا کہ درخت تو میرا ہے۔ اس پر شیخ نے سنجیدگی سے اس سے جھگڑنا شروع کر دیا یہاں تک کہ اس مدعی نے انکو گایاں بھی دیں۔

اسی بزرگ کو میں نے یہ کہتے سنا کہ ہم حج کے لیے گئے اور زیارتِ قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پہنچے تو فجر پر ایک حالت طاری ہو گئی اور میں نے کہا: یا رسول اللہ میرا لگان نہ تھا کہ آپ کے شہر میں پہنچ کر پھر فاس واپس چلا جاؤں گا۔ اس پر قبر شریف سے آواز آئی کہ اگر میں قبر کے اندر بند ہوں تب تو جو آئے وہ میں رہ پڑے اور اگر میں اپنی امت کے ساتھ ہوں جہاں کہیں بھی وہ ہو تو تمہیں اپنے وطن واپس چلا جانا چاہیئے یہ سنکر میں اپنے وطن کو لوٹ آیا۔ واللہ تعالیٰ الموفق۔

حضرت کو میں نے کہتے سنا کہ ایک مجذوب تھے جو قصداً مخالف شرع ایک مجذوب کا قصہ

کام کیا کرتے تاکہ لوگ ان سے بھاگ جاتیں، چنانچہ انھوں نے ایک دن اپنے کپڑوں پر شراب ڈال لی۔ لوگ شراب کی بو سونگھ کر ان سے بھاگ جاتے اور سوائے ایک شخص کے جو ان کے قمر کا وارث بنا سب بھاگ گئے۔ مجذوب نے کہا: میں نے قصداً ایسا کیا تھا تاکہ یہ چوٹیاں بھاگ جاتیں۔ چیرنیوں سے آپ کی مراد وہی لوگ تھے جو آپ کے پیچھے پیچھے آیا کرتے تھے مجھے ان لوگوں کا ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تو صرف تمہاری ضرورت ہے واللہ الموفق۔

حضرت نے فرمایا: ایک شخص ایک دل کے پاس آیا اور اس نے انہیں سر سے پاؤں تک خوب غور سے دیکھنا شروع کیا۔ دل نے کہا تمہارا اس سے کیا مطلب ہے؟ عرض کیا: حضرت مجھے بس یہی قیمت ہے۔ میرا مطلب یہ تھا کہ آپ کو اچھی طرح سے دیکھ لوں تاکہ کل کو اللہ کے دربار میں آپ میری سفارش فرمائیں پھر حضرت نے فرمایا کہ اس شخص کو اس سے بہت بڑا فائدہ ہوا۔ حضرت جب کہیں اس حکایت کا ذکر فرماتے تو کہا کرتے سجدہ اللہ ابھی اس امت میں لوگ باقی ہیں۔ واللہ الموفق۔

فسد مایا: ایک سچا طالب۔ ایک بزرگ کے پاس آیا اور کہا مجھے آپ سے بلند محبت ہے اس وقت صبح کی نماز کا وقت تھا۔ بزرگ نے کہا: اگر تو کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے تو گھر واپس نہ جاؤ۔ مشرقی ممالک کو پہلے جاؤ۔ اس شخص نے بزرگ کے کہنے پر عمل کیا اور دنیا و آخرت کا نفع پایا۔ واللہ الموفق۔

ادیار اللہ کے سوانح نگاروں
نے بہت نقصان پہنچایا ہے

حضرت نے فرمایا کہ جن لوگوں نے کراماتِ اولیاء کے متعلق کتابیں
تالیف کی ہیں اگرچہ انھوں نے لوگوں کو ادیاء کی پہچان بتانے
سے ان کو فائدہ پہنچایا ہے مگر انھوں نے بہت سا نقصان بھی

پہنچایا ہے اس لیے کہ انھوں نے ان کی صرف کرامات ہی کا ذکر کیا ہے اور ان امورِ فانیہ کا ذکر نہیں کیا
جو ان سے واقع ہوتے ہیں چنانچہ ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا جب کرامات و کرامات، تعریف و
تعرّف اور کشف و کھیتا ہے تو خیال کر لیتا ہے کہ وہی جس چیز کا بھی اس سے مطالبہ کیا جائے اسے
پورا کرنے سے عاجز نہیں ہوتا اور اس سے کوئی بھی مخالف شرع بات خواہ بظاہر ہی کیوں نہ ہو واقع
نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ بڑی جہالت میں پڑ جاتا ہے اس لیے وہ یہ گمان کرنے لگ جاتا ہے کہ وہی میں
ایک خداوندی وصف پایا جاتا ہے کہ وہ کسی چیز کے کرنے سے عاجز نہیں جو چاہے کرتا ہے اور ایک
وصف نبوت کا پایا جاتا ہے یعنی معصوم ہونے کا۔ حالانکہ پہلا وصف محض خدا کا وصف ہے جو
اولیاء کا تو ذکر ہی کیا بڑے بڑے نبیوں کو بھی عطا نہیں کیا گیا چنانچہ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے
فرمایا: لَنْ يَكُونَ مِنَ الْأَمْثَلِ أَنْ يَكُونَ عَلَيْهِمْ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ
(سورہ آل عمران آیت: ۱۷۸) اے محمد تمہارا اس میں کچھ اختیار نہیں، یا خدا انہیں معاف کر دے
یا عذاب دے اس لیے کہ وہ ظالم ہیں (سورہ آل عمران: رکوع ۱۳) پھر فرمایا: أَلَمْ يَكُنْ لَكَ تَقْدِيرٌ مِّنْ
أَجَلْتُمْ وَلَكِنْ اللَّهُ يُعْذِرُ مَنْ يَشَاءُ (آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے مگر اللہ جسے چاہے
ہدایت کرے) سورہ قصص آیت: ۵۶) مزید برآں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں نے اللہ
تعالیٰ سے دو چیزیں مانگیں جو مجھے عطا کر دی گئیں دو اور مانگیں مگر نہ دی گئیں۔ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ
فرماتے ہیں: تِلْكَ هِيَ الْقَادِرُ عَلَى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ شَيْءٍ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (سورہ انعام
آیت: ۶۵) اے نبی انہیں کہہ دے کہ اللہ تمہارے اوپر سے تم پر عذاب بھیجے پرتاؤ رہے) میں نے کہا:
اے اللہ میں تمہاری ذات کریمی سے پناہ کا طالب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے پناہ دے دی۔
پھر فرمایا: أَوْ مِّنْ حَتِّ أَزْجَلِكُمْ (یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے) میں نے پھر کہا: اللہ میں تمہاری
ذات کے ساتھ پناہ لیتا ہوں۔ اللہ نے فرمایا: میں نے دیدی پھر ارشاد ہوا: أَوْ يُلَاقِيَكُمْ مِّنْ عَذَابٍ
مِّنْ لَّدُنِّي (یا تمہیں فرقہ فرقہ کر دے) میں نے عرض کیا: خدا یا تمہاری ذات کی پناہ چاہتا ہوں۔ فرمایا: پہلے مقدر
ہو چکا اور فرمایا: وَيَذِيقُ بَعْضُكُم مِّنْ بَعْضٍ (تم کو ایک دوسرے کی ڈال کا مزہ کھاتے) میں نے
کہا: خدا تمہاری ذات کی پناہ چاہتا ہوں، فرمایا: پہلے مقدر ہو چکا۔ (ماخوذ لکھنؤ پریس)

جب نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو بچانے کی دعا کی تو حق تعالیٰ نے فرمایا: **يَا نُوحُ اِنَّكَ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّكَ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَتَسَالَلُنْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ طَرِيقُ اَعْطَلَفَ اَنْ يَكُوْنُ مِنَ النُّجَا عَلِيْنِ**۔ (سورہ ہود آیت: ۴۷) اے نوح وہ تمہارے اہل میں شامل نہیں ہے اس لیے کہ اس کے اعمال اچھے نہیں ہیں لہذا جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کے متعلق درخواست نہ کرو۔ میں نصیحت کرتا ہوں کہ تم جاہلوں میں سے نہ بنو) نیز فرمایا: **وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا بَلٰغًا كَثِيْرًا اَمْرًا نُّوحًا دَامِرًا لِّقَوْمٍ كَثُوْرًا حَتّٰى تَخْتَضِعَ لِعِبَادِنَا صَاعِدًا لِّجِبْنٍ زَحٰثًا مَّا نَسَمْنَا لَكُمْ يٰعَنْبِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا**۔ (سورہ تحریم آیت: ۱۲ تا ۱۴) اور اللہ تعالیٰ نے کافرین کے لیے نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویوں کی مثال بیان کی۔ یہ دونوں ہمارے دو نیک بندوں کی بیویاں تھیں مگر انہوں نے ان سے خیانت کی اور وہ دونوں نبی ان بیویوں کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے، لیکن آج لوگوں کا یہ حال ہے کہ اگر دیکھیں کہ کسی دل کی دعا قبول نہیں ہوتی یا دیکھیں کہ اس کا لڑکا کمیا اور طرقتی پر ہے یا اس کی بیوی متقی نہیں ہے تو کہتے ہیں کہ یہ دل نہیں ہے کیونکہ اگر دل ہوتا تو اللہ اس کی دعا قبول کرتا یا یہ کہ اگر دل ہوتا تو اپنے گھر والوں کی اصلاح کرتا۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ دل اور دل کی اصلاح کر سکتا ہے حالانکہ وہ تو اپنی بھی اصلاح نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **اَذَلُّوْا نَفْسُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ هَآذِكَا لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ اٰحَدٍ وَّلٰكِنْ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ**۔ (سورہ نور آیت: ۲۱)

دوسری بات معصوم ہونا ہے اور یہ وصف انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے، ولی معصوم نہیں ہوتا۔ ولایت کسی نبوت کے برابر نہیں ہو سکتی۔ ولی کے ہاتھ پر جو خیر و برکت ظاہر ہوتی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت ہی کی بدولت ہوتی ہے اس لیے کو ایمان جو اس (ماشیہ صفر سالقہ)

۱۔ سورہ انفاس پارہ ۲، آیت ۶۵) نیز لفظ ہوتے تفسیر معالمتنزیل اور خازن تحت آیت مذکورہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۹ مگر وہاں یہ آیا ہے کہ دو چیزیں دیں اور ایک نہ دیں۔

۲۔ امام عبدالحکیم قرطبی نے اپنے رسالہ (الرسالة القشیریہ: ۱۱۷) میں لکھا ہے۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ آیا ولی معصوم ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان کا معصوم ہونا ہی طرح کا ہو جس طرح انبیاء کا معصوم ہونا تو اس صورت میں ولی معصوم نہیں، ان ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ولی کو محفوظ رکھے تاکہ وہ گناہ پر معرض نہ رہے۔

خیر و برکت کا سبب ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے ہی اس تک پہنچا ہے
 ولی کی ذات تو عام لوگوں کی طرح ہوتی ہے برخلاف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذات کے کہ وہ
 پیدا نشی معصوم اور معرفت الہیہ اور تقویٰ پر پیدا کئے گئے ہوتے ہیں چنانچہ وہ نہ تو کسی شریعت
 اور نہ ہی کسی استاد کے محتاج ہوتے ہیں کہ اس سے استفادہ کریں۔ جو حق ان کی ذات میں سرایت کر چکا
 ہوتا ہے یعنی حرف نبوت جس پر ان کی تخلیق ہوئی ہوتی ہے انہیں سید سے راستہ پر چلانے رکھتا ہے
 اور اگر جن لوگوں نے کرامات اولیاء میں کتاب میں تالیف کی ہیں ۱۰ اس ولی کی حالت کی بھی تشریح کر دیتے
 جن کے متعلق وہ کتاب لکھی گئی ہے اور اس میں ان امور باقیہ صالحہ اور امور نافیہ کا بھی ذکر کر دیتے جو
 انہیں فتح کے بعد پیش آئے تو لوگ ان اولیاء کی حقیقت سمجھ جاتے اور ان کو معلوم ہو جاتا کہ کبھی
 ولی کی دعا مستجاب ہوتی ہے اور کبھی مستجاب نہیں ہوتی کبھی کسی بات کا ارادہ کرتا ہے تو وہ پوری
 ہو جاتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی جیسا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ پیش آیا۔ ولی میں ایک
 اور بات بھی ہوتی ہے کہ کبھی اس کے ظاہری اعضاء سے اطاعت کا ظہور ہوتا ہے اور کبھی مخالفت
 کا جس طرح کہ عام لوگوں کا حال ہے۔ البتہ ولی عوام سے ایک بات میں ممتاز ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ
 نے اسے معرفت علیا کی ہوتی ہے اور فتوحات نصیب فرماتے ہوتے ہیں۔ لہذا ان امور کے ہوتے
 ہوتے اگر اس سے مخالفت کا ظہور ہوتا ہے تو یہ محض ظاہری صورت میں ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ
 مخالفت نہیں ہوتی اس لیے کہ جو مشاہدہ اسے حاصل ہوتا ہے وہ مخالفت نہیں ہونے دیتا اور گناہ سے
 ایک حد تک روکتا ہے کہ یہ ولی معصومیت کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا، ورنہ نبوت اور ولایت کیساں
 ہو جاتیں۔ اس لیے کہ معصیت سے رکنا انبیاء کا ذاتی وصف ہے مگر اولیاء میں عارضی اور خارجی وصف
 ہے چنانچہ اولیاء میں اس کا زائل ہو جانا ممکن ہے اور انبیاء میں ممکن نہیں۔ اس کا راز وہی ہے
 جسے ہم بیان کر چکے کہ انبیاء کی خیر و خوبی ان کی اپنی ذات سے ہوتی ہے اور ولیوں کی خیر و خوبی ان کی اپنی
 ذات کی طرف سے نہیں ہوتی۔ اس لیے انبیاء کی عصمت ذاتی ہوتی اور اولیاء کی عصمت عارضی۔ لہذا
 اگر عارف کامل سے مخالفت ہوگی تو ظاہری صورت میں ہوگی۔ درحقیقت نہیں۔ اس کا مقصد
 مشاہدہ کرنے والوں کا امتحان ہوگا۔ ان ظاہری مخالفتوں میں بھی راز ہوتا ہے ہماری اللہ کی بارگاہ میں
 درخواست ہے کہ ہمیں اپنے ولیوں پر ایمان رکھنے کی توفیق دے جس طرح اپنے نبیوں پر ایمان رکھنے کی
 دی ہے۔

نیز فرمایا جس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے پینے، سونے، بیدار ہونے اور گھر کے تمام

حالات کی خبر ہو اور اسے جنگوں اور غزوات میں آپ کی حالت کا بھی علم ہو کہ کسی آپ کی فتح ہوتی تھی تو کبھی دوسرے فریق کی اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ کس طرح کافر لوگ آپ کے پاس یہ درخواست دیکر آئے کہ صابر کو ان کے ساتھ بھیجا جائے پھر کافر انہیں لے جا کر ان سے بدعہدی کرتے ہیں یہی فزودہ ذات الریح اور غزوہ بدر معونہ میں واقع ہوا اور پھر اسے یہ بھی معلوم ہو کہ واقعہ مدینہ میں کیا پیش آیا وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام امور میں خداوندی راز ہیں جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی تھی تو اس کے لیے اولیاء اللہ کی معرفت آسان ہو جائے گی اور جو امور فانیہ اور بشری اوصاف ان سے صادر ہوتے ہیں انہیں دیکھ کر اسے تعجب نہ ہو گا لہذا جو عقلمند نیکی اور نیک لوگوں سے محبت رکھتا ہے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرنا چاہیے کیونکہ اس سے اسے اولیاء کی معرفت حاصل ہوگی اور ان کی کسی بات کا سمجھنا اس کے لیے مشکل نہ ہو گا قلم کی اسی قدر طاقت تھی کہ بیان کر سکے۔ اس سے زائد احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ سجدار اور عقلمند کے لیے اشارہ ہی کافی ہے، واللہ الموفق۔

حضرت نے فرمایا: ایک شخص دور دراز علاقہ میں کسی دلی کے متعلق سنتا ہے اور اپنے دلی میں اس کی ایسی تصویر بنالیتا ہے جو ان کرامات کے مطابق ہوجنیں لوگ نقل کرتے ہیں، لیکن جب اس ذہنی تصویر کے مطابق اسے نہیں پاتا تو اسے شک گزرتا ہے کہ آیا یہ وہی دلی ہے یا کوئی اور اس کے بعد حضرت نے بیان کیا کہ الجزائر کے ایک شخص نے سنا کہ فاس میں ایک دلی ہے۔ لوگوں نے اس کی بہت سی کرامات بیان کیں۔ اس نے اپنے ذہن میں سمجھا کہ وہ ایک بڑا شیخ ہوگا جس کی بڑی ہیبت اور رعب ہوگا۔ اس سے فیضان حاصل کرنے کی غرض سے وہ گھر سے نکلا۔ فاس پہنچ کر اس نے اس دلی کا گھر دریافت کیا۔ لوگوں نے بتادیا، اس کا خیال تھا کہ دلی کے دروازے پر دربان کھڑے ہوں گے اس نے دستک دی تو خود دلی نکل کر آیا۔ اس نے اسے یہ سمجھ کر کہ یہ دربان ہوگا اسے کہا کہ جناب میری التجا ہے کہ آپ حضرت سے میرے متعلق مشورہ کریں کہ میں حاضر ہوں جاؤں، یا نہ۔ دلی نے کہا: میں ہی وہ شخص ہوں جس کے ارادے سے تو گھر سے نکلا ہے اور جس کے پاس تو ایک ماہ یا اس سے بھی زیادہ کی مسافت طے کر کے آیا ہے، لیکن جب اس نے دلی کو دیکھا اور اس میں ظاہری بزرگی کی کوئی علامت نہ پائی تو کہا: جناب میں ایک اجنبی شخص ہوں اور حضرت کے پاس بہت شوق ہے کہ آیا ہوں۔ آپ پر اند کی رحمت ہو مجھے حضرت تک پہنچا دو۔ اس پر دلی نے کہا: میں ہی تو ہوں جسے تو چاہتا ہے۔ طالب نے پھر کہا کہ میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ میں ایک اجنبی ہوں اور آپ سے

درخواست کی ہے کہ آپ مجھے حضرت تک پہنچا دیں مگر آپ مجھ سے مذاق کیے جاتے ہیں دلی نے کہا اگر میں تم سے مذاق کروں تو مجھ سے اللہ ہی سمجھے۔ طالب نے کہا اللہ تجھے سمجھے اور چونکہ اس نے اس شکل میں نہ پایا تھا جو اس کے ذہن میں تھی اس لیے وہ واپس چلا آیا۔

مؤلف لکھتا ہے: بہت سے لوگ اسی سب سے گر گئے کیونکہ جب وہ ان کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں جو ادبیات کی کرامات کے متعلق لکھی گئیں تو اپنے ذہن میں دلی کی وہ تصویر بنالیتے ہیں جو انہوں نے کتابوں میں پڑھی ہوتی ہے مگر جب اس صورت کا اپنے زمانہ کے ادبیات کے ساتھ موازنہ کرتا ہے اور ان میں وہ اوصاف پاتا ہے جن کا ذکر کتابوں میں نہیں کیا جاتا تو اسے ان سب کے متعلق شک گزرتا ہے۔ جن ادبیات کے متعلق یہ کتابیں لکھی گئیں اگر یہ انہیں ان کتابوں کی تدوین سے پہلے دیکھ لیتا تو ان میں بھی وہی اوصاف پاتا جنہیں اس نے اپنے زمانہ کے ادبیات میں ناپسند کیا ہے۔ بعض لوگوں میں جہالت اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ اس بات کا ہی انکار کر دیتے ہیں کہ اب کوئی دلی موجود ہی نہیں۔ اس لیے کہ وہ اپنے دل میں یہ بات بٹھائے ہوئے ہیں کہ ولایت کے لیے چند شرائط و ضوابط ہیں جس میں وہ نہ پاتے جاتے وہ دلی ہی نہیں۔ لہذا جب وہ ان ضوابط کو اپنے زمانہ کے دلی پر منطبق کرتے ہیں تو اسے ان کے مطابق نہیں پاتے اور وہ اسے دلی نہیں سمجھتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسے کلی دلی پر ایمان رکھتے ہیں جس کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا۔ حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ولایت کا مطلب صرف یہ ہے کہ فلاں بندے کو اللہ تعالیٰ نے منتخب کر لیا اور اس انتخاب خداوندی کے لیے کوئی انسان ضابطہ مقرر نہیں کر سکتا (اسی لیے تو ولایت بھی کسی نہیں۔ وہی چیز ہے۔) اللہ نے جس پر چاہا اپنی خایت کر دی۔

مؤلف کتاب کا ایک فقیہ کے ساتھ مناظرہ | مجھے اپنے ایک معاصر فقیہ کے ساتھ اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا۔ اس طرح کہ وہ کسی کی ایک کتاب لے کر میرے پاس آیا جس میں مصنف نے ولایت کی شرائط اور ضوابط لکھے تھے اور یہ بھی لکھا تھا کہ جو دلی لوگوں کا پیر بنے اسے کیے ہونا چاہیے۔ اس فقیہ نے مجھ سے کہا میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ اس کتاب میں ولایت اور دلی کی شرائط کے متعلق لکھا ہے آپ مجھ سے سنیں۔ میں اس کا اشارہ سمجھ گیا تھا کہ اس کا مقصد ان لوگوں کی ولایت سے انکار کرنا تھا جنہیں لوگ دلی کہتے ہیں۔ لہذا اس نے مجھے کتاب کا مضمون پڑھ کر سنا چاہا اور اس کے دل میں یہ خیال تھا کہ اگر میں ان شرائط کو تسلیم کروں تب وہ مجھ سے بات منوائے کہ اب کوئی دلی نہیں رہا، میں نے اسے کہا کہ کتاب پڑھ کر سنانے سے پہلے

مجھے اس کا جواب دو۔ جواب دینے کے بعد جو تمہارا دل چاہے سنا، کیا اس کتاب کے مؤلف نے تمام خزانوں، غنایات اور اللہ کے بڑے ملک کا احاطہ کر لیا ہے یا مؤلف کا یہی حال ہے جیسا کہ حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ میرے اور تمہارے علم نے اللہ حکم میں سے صرف آنکام کیا ہے جس قدر پریشانہ سمندر میں سے گھونٹ بھرنے سے۔ اگر آپ کہیں کہ مؤلف نے اللہ کے ملک اور خزانوں کا احاطہ کر لیا ہے تو پھر بڑھیں، میں سنوں گا۔

فقیر نے کہا: معاذ اللہ میں یہ کیسے کہہ سکتا ہوں؟

اور اگر آپ کہیں کہ مؤلف کا علم اتنا ہی ہے جس کا ذکر خضرؑ نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا تو اس کے لیے خاموش رہنا ہی بہتر ہے کیونکہ اس کی مثال ایک چیونٹی کی ہے جو ایک چھوٹے سے غار میں رہتی ہو اور جب باہر نکلے تو اسے گندم کا ایک دانہ مل جاتے جس سے اسے بہت خوشی ہو اور اسے اٹھا کر وہ اپنے گھر لے جاتے پھر خوشی کے مارے وہ شور مچانا شروع کر دے کہ پناہ ہے تو میرے پاس ہے اور میری حالت سے اچھی کوئی اور حالت نہیں ہو سکتی۔ پھر میں نے کہا: یہ چیونٹی تو اپنے حلق کو تھکاتے گی اور اپنے دماغ کو بے فائدہ تکلیف دے گی کیونکہ جس کا علم اللہ کے علم کے مقابلہ میں سمندر سے چیونٹی کے گھونٹ بھرنے جتنا ہو اس کے لیے کیونکہ مناسب ہو سکتا ہے کہ مولیٰ کریم پر قطعی حکم لگا دے اور کہے کہ وہ فلاں پر رحم نہیں کرے گا اور فلاں کو فتح نصیب نہیں کرے گا اور فلاں ولی نہیں اور فلاں ولایت کے مضابط پر پورا نہیں اترتا جب اللہ تعالیٰ ایک کافر پر رحم نہ کرے اسے ایمان مل سکتے اور پھر ایک لوط میں فتح نصیب کر سکتے ہیں۔ پھر بتاؤ کہ ولایت کا کونسا مضابط رو گیا؟ (کیونکہ اس کافر نے جو اجماعی ایمان لایا ہونہ ریاضت کی ہے اور نہ عبادت) اور کوئی شخص تجھے ذبیہی بادشاہ کے کے متعلق جو لوگوں کا مولیٰ بنا ہوا ہے کہے کہ اس نے اپنے فلاں غلام کو مال کر دیا اور فلاں شریف زادے کو کچھ نہیں دیا اور فلاں بیودی کو فلاں فلاں خلعت عطا کی تو تو اسے بعید از نیاس نہ سمجھے گا کیونکہ تو جانتا ہے کہ اس کے ملک میں اس پر کوئی اعتراض کرنے والا نہیں ہے۔ جب دنیاوی بادشاہ کے متعلق تمہارا یہ عقیدہ ہے تو پھر تو اپنے بنائے ہوئے قواعد و مضابط سے خدا سے قدیم کو کیسے روک سکتا ہے جبکہ تمہارا یہ عقیدہ بھی ہے کہ وہ فَخَالٌ لِّسَمَائِرِیْدٍ (جو چاہتا ہے ہر کرتا ہے) وَ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِیْرٌ (اسے اپنے اور پر پوری قدرت ہے)

یہ سب فقیر نے جواب دیا: جو کچھ آپ نے فرمایا درست ہے۔ خدا کی قسم یہ سچ ہے اور اپنی کتاب کو بند کر دیا اور کہا اگر ہم کہیں کہ ان مؤلفین کو اللہ کے علم پر پورا عبور ہے تو یہ ایک

کرتا ہوں، حق بات وہی ہے جو تو کہتا ہے۔ واللہ ہم تو فضول ہیں اور ہمارا بزرگوں کی ولایت سے انکار غلط تھا۔ واللہ الرئوف۔

صاحب فتح ولی حق بات کو جانتا ہے اور وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی کا متقید نہیں ہوتا

یاد رکھیں کہ وہ ولی جسے خدا نے فتح عطا کی ہو حتیٰ و صواب کو جانتا ہوتا ہے اور اس کے لیے مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک

کا پابند رہنا ضروری نہیں اور اگر تمام مذاہب معطل ہو جائیں تب بھی وہ شریعت کو زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں اور وہ ایک لحظہ کے لیے بھی حق بقل جلا کے مشاہدہ سے غالی نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام احکام تکلیفیتہ وغیرہ میں وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی مراد سے واقف ہوتا ہے اسی وجہ سے وہ اوروں کے لیے حجت ہے اور دوسرے لوگ اس کے لیے حجت نہیں بن سکتے اس لیے کہ اس شخص کے مقابلہ میں جسے حق سبحانہ نے فتح نصیب نہیں کی وہ اللہ کے زیادہ قریب ہوتا ہے جس کی یہ صفت ہو اس کی بات کا انکار کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات لوگ کہتے ہیں کہ اس ولی نے فلاں بات فلاں مذاہب کے خلاف کہی ہے جب

امام شرفی نے الانوار القدسیہ میں بھی اسی خیال کا اظہار کیا ہے (الانوار القدسیہ: ۱۰۵) چنانچہ فرماتے ہیں:

واعلم ان جميع مذاهب المجتهدين كلها عند اهل الحق مذهب واحد لا يشهدون فيها تفرقة لا تنافي نظروهم لانهم يشهدون العین التي استمد منها المجتهدون كانها واحدة في شريعة واحدة فهم كلهم داخلون في السیاح۔ وقد ذقنا ذلك والحمد لله۔ نلا یومر اهل الحق بالتقید بمذہب معین من المذاهب المشهورة لان جميع المذاهب من باطنهم وهذا امر قد ذقه الفقراء فیصیر ذوقهم یعادل ذوق جميع المجتهدین من غیر تحصیل الات الاجتهاد۔ (ترجمہ) یاد رہے کہ اہل حق کے نزدیک تمام مجتہدین کے مذاہب ایک جیسے ہیں اور وہ اپنی وصعت نظیر کے باعث ان میں کوئی فرق نہیں پاتے اس لیے کہ وہ سرچشمہ ان کی نظر میں ہوتا ہے جس سے تمام مجتہدین نے فیض حاصل کیا ہے لہذا ان کے لیے ایک ہی چشمہ اور ایک سیڑھی لکھا ہے لہذا وہ سب کے سب ایک باڑ کے اندر محض ہیں الحمد للہ ہم نے اس کا مزہ چکھا ہے لہذا کسی اہل حق کو ایک خاص مذاہب کا متقید نہیں کیا جاسکتا کیونکہ تمام مذاہب تران کے باطن میں پائے جاتے ہیں اور اس کا مزہ صرف فقراء ہی چکھ سکتے ہیں اس طرح ان کا ذوق آتات تحصیل حاصل کیے بغیر تمام مجتہدین کے ذوق کے برابر ہوتا ہے۔

یہ بات سنو تو سمجھ لو کہ مفتوح علیہ ولی کا منکر دو حالتوں سے باہر نہیں ہو سکتا یا تو وہ منکر شریعت سے ناواقف ہے جیسا کہ اکثر منکرین کا حال ہے حالانکہ ایسے آدمی کے لیے انکار کرنا مناسب ہی نہیں کیونکہ اندھا بینا کی باتوں کا کیسے انکار کر سکتا ہے اس لیے اس شخص کے لیے بہتر یہی ہے کہ اپنی جہالت کو دور کرنے کی طرف توجہ دے یا وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب سے واقف ہو گا اور دیگر مذاہب سے ناواقف۔ اس حالت میں بھی اسی وقت اس کے لیے انکار کرنا درست ہو گا جب وہ سمجھتا ہو کہ حق بات اس مذہب کے سوا دوسرے مذاہب میں پائی ہی نہیں جاتی حالانکہ یہ اعتقاد مستحب اور مخطئہ

دونوں کے عقیدہ میں نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ مستحب کا عقیدہ تو یہ ہے کہ (مذاہب اربعہ میں سے) ہر مذہب حق پر ہے اور ان کے نزدیک اللہ کا حکم مجتہد کے نفل کے مطابق متعدد ہوتا ہے چنانچہ کسی نازل شدہ حکم میں اگر کوئی مجتہد حرمت کا حکم سمجھے تو اس کے حق میں اللہ کے حکم سے حرمت ہی مراد ہوگی اور اگر کوئی حلت (حلال) وجائز ہونے کا حکم سمجھے تو اس کے حق میں یہی اللہ کا حکم ہوگا اور مخطئہ کے نزدیک اللہ کا مقصد (کسی حکم کے نازل کرنے سے) صرف ایک ہوتا ہے اور اس کو درست اور صحیح سمجھنے والا بھی ایک مذہب ہی ہو سکتا ہے، لیکن وہ بھی حق کو ایک مذہب کے اندر بند نہیں کر دیتے بلکہ ایک حکم شرعی میں ایک مذہب کا قول حق ہوگا اور دوسرے حکم میں دوسرے کا۔ لہذا اس منکر کے لیے بہتر ہے کہ وہ اس باطل اعتقاد کو دور کرنے میں مشغول ہو یا وہ منکر مذاہب اربعہ سے واقف ہو گا ایسا شخص انکار نہیں کر سکتا۔ انکار تو اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب وہ یہ عقیدہ رکھے کہ دیگر علماء کے مذاہب حق پر نہیں مثلاً ثوری، اوزاعی، عطاء، ابن جریج، عکرمہ، مجاہد، معمر، عبد الرزاق، بخاری، مسلم، ابن جریر، ابن خزيمة، ابن المنذر، طاووس، نفعی اور قتادہ اور دیگر تابعین اور تبع تابعین، یہاں تک کہ صحابہ کے

۱۔ اوزاعی: عبد الرحمن بن عمرو الازماعی۔ اوزاعی یعنی قبیلہ ذی الکلاع کی ایک شاخ ہے بلکہ میں مشہور مشنہ میں پیدا ہوئے، بڑے پایہ کے محدث تھے۔ عطاء بن ابی رباح اور زمری اور ان کے طبقہ کے لوگوں سے روایت کی ۳۵۵ھ - ۴۳ھ میں وفات پائی۔

۲۔ عطاء: عطاء بن ابی رباح مولیٰ قریش: حضرت عمر کے عہد خلافت میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت عائشہؓ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے حدیث سنی، یہ مشنی قلام تھے مگر اپنے زمانہ کے بڑے بڑے لوگوں کو علم سکھایا، ایک سو سال کی عمر میں ۳۵۵ھ - ۴۳ھ میں وفات پائی۔

۳۔ ابن جریج: عبد الملك بن عبد العزيز بن جریج الکلبی بکارتا بنین میں ہے تھے۔ انہوں نے ابن ابی لیلیہ اور عطاء سے روایت کی (بقیہ صفحہ ص ۵۹۷ پر)

مذاہب۔ یہ اعتقاد بھی باطل ہے۔ لہذا اس شخص کے لیے بھی مغفوت علیہ اولیاء اللہ کے ملکہ ہونے سے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنا علاج کرنے میں دھیان دے۔ ان سب باتوں کو جاننے کے بعد تجھے معلوم ہو گیا ہوگا کہ صاحب فتح ولی کا وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو تمام احکام شریعت سے واقف ہو اور تمام احکام شریعت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہر زمانہ میں آپ کے وارثین میں سے کامل لوگوں مثلاً اغوات کے سوا کوئی شخص واقف نہیں ہو سکتا اور ان کے لیے اگر انہیں سمجھ جوتو سکوت ہی بہتر ہے دلوں سے انکار کے متعلق جو کچھ ہم نے کہا ہے وہ صرف اہل حق لوگوں میں سے صاحب فتح کے متعلق کہا ہے۔ البتہ غفلت والے اور گمراہ لوگوں کے اقوال تجربہ کار لوگوں سے مخفی نہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

روایت کی۔ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھ جیسی کسی نے علم کی تدوین نہیں کی۔ سنہ ۱۰۰۰ میں وفات پائی۔

۱۰۰۰ مکرّم: مولیٰ ابن عباس۔ حضرت ابن عباس سے فقہ کی تعلیم پائی۔ امام شعبی فرماتے ہیں کہ مکرّم سے زیادہ کتاب اللہ کا عالم کوئی نہیں رہا۔ ان پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ وہ خارجیوں کے ہمراہ تھے یہاں جو ہے کہ امام مالک اور مسلم نے ان سے روایت حدیث نہیں کی۔ ان کی وفات سنہ ۱۰۰۰ میں ہوئی۔

۱۰۰۰ مجاہد: مجاہد بن جنین: حضرت ابن عباس کی خدمت میں مدت تک رہے اور ان سے قرآن پڑھا۔ وہ علم کے غرور میں سے ایک طرف ہیں۔ خود ان کا قول ہے کہ میں نے ابن عباس کو تین بار قرآن سنایا اور ان کے سامنے ہر آیت پر ٹھہرتا تھا اور پوچھتا تھا کہ وہ کس بارے میں نازل ہوا اور اس کا کیا واقعہ ہے۔ تباہ کا قول ہے کہ جو علماء رہ گئے ہیں ان میں تفسیر کے سب سے بڑے عالم مجاہد ہیں۔ سنہ ۱۰۰۰ میں تراسی برس کی عمر میں وفات پائی۔

۱۰۰۰ معمر: ابو عمرو معمر بن راشد الاندلسی: انہیں عالم میں کہا جاتا ہے۔ انھوں نے زہری اور ہمام سے روایت کی اور ڈری اور ابی عیینہ نے ان سے روایت کی۔ عبدالرزاق کہتے ہیں کہ میں نے ان سے ستر ہزار حدیث سنی، اٹھاون برس کی عمر میں سنہ ۱۰۰۰ میں وفات پائی۔

۱۰۰۰ عبدالرزاق بن ہمام: ابوبکر کنیت: کبار تابعین میں سے ہیں۔ ابن جریر، اور معمر دفرہ سے روایت کی کہ پچاسی برس کی عمر میں سنہ ۱۰۰۰ میں وفات پائی۔

۱۰۰۰ ابن خزیمہ: محمد بن خزیمہ: شیخ الاسلام ابوبکر محمد بن اسماعیل بن خزیمہ نیشاپوری سنہ ۱۰۰۰ میں پیدا ہوئے حافظ حدیث تھے۔ نہایت عابد و زاہد تھے ان کی وفات سنہ ۱۰۰۰ میں ہوئی دس ہزار تفصیل کے لیے دیکھیں تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۵۹ تا ۲۶۸

(بقیہ حاشیہ لکھ صفحہ پر)

ایک شخص نے اپنے پیر سے اہل حق میں سے صاحب فتح دل کے اتوال کا انکار کرنے کی اجازت مانگی اور کہا حضرت میں شریعت کی ترازو سے پرکھ کر ہی ان کا انکار کروں گا۔ جسے درست پاؤں گا اسے تسلیم کروں گا اور جسے کجرو پاؤں اس کی بات زد کروں گا۔ اس کے پیر نے کہا: مجھے خدشہ ہے کہ وہ تمام اوزان جن سے وزن کیا جاتا ہے۔ تمہارے پاس نہ ہوں گے۔ لہذا جب بعض اوزان تمہارے پاس ہوئے اور بعض نہ ہوئے تو تم انہیں کیسے صحیح طور پر وزن کر سکتے ہو۔ آپ کی مراد وہی تھی جس کا ہم نے اوپر ذکر کر دیا کہ وہ باوجود جاہل ہونے کے منکر ہو رہا ہے۔

میں ایک سمجھدار اور عقلمند آدمی کے پاس تھا کہ اس نے ایک شخص کو ایک مفتوح علیہ دل سے یہ سوال کرتے ہوئے سنا کہ اگر کوئی شخص نماز میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ پڑھنا بھول جاتے اور اس پر سجدہ سہو واجب ہو جائے مگر وہ سجدہ کرنا بھی بھول جاتے یہاں تک کہ وہ سلام پھیر دے۔ اب سجدہ سہو نہ کرنے کی وجہ سے اس کی نماز اس بنا پر کہ سورہ پڑھنے میں تین سنتیں ہیں، باطل ہوگی یا نہیں ہوگی۔ اس بنا پر کہ اس میں تین سنتیں نہیں ہیں؟ شیخ خطابؒ اور دیگر مجتہدین اس طرف گئے ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ در سابقہ)

۹ ابن المنذر: حافظ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر مشاہیر ی۔ یکثیر تصانیف ہیں: مثلاً مبطل کتاب الاشراف وغیرہ یہ خود مجتہد تھے کسی کی تقلید نہ کرتے تھے۔ انہیں شیخ الحرم کہا جاتا ہے ۳۲۰ھ میں مکہ میں وفات پائی۔

۱۰ طحاوی: ملائی بن کیسان النہانی: وہ جنگ میں گرفتار شدہ لوگوں کے دل کے تھے۔ حضرت زبیر بن ثابتؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابیرہؓ وغیرہ حدیث سنی۔ علم و عمل میں منتخب روزگار تھے۔ عروہ بن زید کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو طحاوی کے مثل نہیں دیکھا۔ انھوں نے چالیس ج کیے اور ۳۲۰ھ میں وفات پائی۔

۱۱ نعیمی: ابراہیم بن یزید نعیمی۔ طبرستان، مسروق وغیرہ سے روایت کی۔ فاضل علماء میں سے تھے شہرت سے پہلے تھے۔ حضرت سعید بن جبیر کے پاس کوئی شخص فتویٰ لینے آیا تو کہتے تم لوگ مجھ سے فتویٰ لینے ہو حالانکہ تم ہی نعیمی ہو چکے ہو۔ ۳۲۰ھ میں وفات پائی۔

۱۲ قتادہ: قتادہ بن دمار السدوسی: حضرت انسؓ اور حضرت سعید بن السیب وغیرہ سے روایت کی کہ انہوں نے اور قتادہؓ نے لافظ تھے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ قتادہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے حافظ تھے اس خطبہ کے ساتھ وہ عربیت، لغت، ایام العرب اور انساب کے بھی بہت بڑے عالم تھے۔ ۳۲۰ھ میں وفات پائی۔

۱۳ شیخ خطاب: عارف باشر محمد بن محمد الخطاب الرضی مکی جنہوں نے شیخ خلیل بن اسحق جندی مکی متوفی ۳۲۰ھ کی کتاب منکر شرع کی ہے مختصر مکی فقہ کی کتاب ہے (کشف الخوف: ۱: ۲۴۲)

کو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور شارعیین رسالہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ نماز باطل نہ ہوگی۔ اسی سائل نے صاحب فتح ولی سے درخواست کی کہ بتائیں کہ اللہ کے نزدیک حق بات کیا ہے؟

ول نے فوجا جواب دیا کہ اللہ کے ہاں حق بات یہی ہے کہ بھول کر سورۃ کے نہ پڑھنے سے سجدہ سوہرگ لازم نہیں آتا اور اگر کوئی اس صورت میں سجدہ کرے گا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ سائل کو معلوم تھا کہ ولی ایک عالمی اور ان پڑھ شخص ہے اور ولایت میں اس کے بلند درجہ ہونے کا بھی اسے علم تھا۔ جواب سُنکر اسے یقین ہو گیا کہ یہی بات حق ہے جس میں کسی قسم کا شک نہیں ہونا چاہیے مگر اس عقلمند آدمی کے دل میں شک و شبہ پیدا ہو گیا اور اس نے وہاں سے اٹھ جانے کے بعد سوال کرنے والے سے کہا کہ یہ ولی تو جاہل ہے۔ اسے کسی بات کا پتہ نہیں۔ دیکھو اس صاف مستند کا بھی اسے پتہ نہیں اور کہتا ہے کہ سورۃ کے ترک کرنے والے پر سجدہ سوہرگ لازم نہیں۔ مالا نکہ ابن رشدؒ نے سورہ پڑھنے کو جبر اور ہرگز کی طرح منہ پر لٹکا دیا۔

سائل نے جواب دیا: صاحب فتح کے لیے کسی مذہب کی قید نہیں ہوتی بلکہ وہ تو حق کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں وہ ہو۔
عقلمند نے کہا: اور وہ ایک طالب علم تھا۔ ہم تو اپنے امام مالک کے قول کے سوا کسی اور کا قول تسلیم نہیں کرتے۔

۱۔ شیخ نزال الدین علی بن عبداللہ السمودی المتوفی ۸۵۰ھ نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام مواہب الکریم للفتاح فی المسبوق المستقل بالاستفتاء ہے۔ اس کے بعد خود انہوں نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام احوال المواہب لکھا۔ اس میں انہوں نے صرف اسی مسئلہ پر بحث کی ہے کہ یہ رسالہ انہوں نے اس وقت لکھا جب ایک مرتبہ مالکؒ کی نماز میں خود ان سے دعا پیش آیا۔ (کشف الظنون: ۲: ۲۰۳-۲۰۵)
یہاں جس رسالہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مجھے معلوم ہے کہ وہ کہنا رسالہ ہے۔ ابو محمد عبداللہ ابن ابی زید مالکی قروانی متوفی ۳۶۵ھ نے فقہ مالکی میں ایک رسالہ لکھا جو مالکی میں بہت مشہور ہے۔ شاید یہی رسالہ مراد ہو (کشف: ۱۱: ۴۱۱) اس رسالہ پر بہت سی شرحیں بھی لکھی گئیں۔ ۱۰

۲۔ ابن رشدؒ: ابن الولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد القرطبی۔ اندلس اور مغرب میں اپنے وقت کے فقہائے سرور تھے اور صحت فکر و جرات تالیف اور وقت فقہ میں ان کا مزار کیا جاتا تھا۔ ان پر روایت سے زیادہ روایت غالب تھی کتاب البیان والتفہیل لبیان المستخرج من الشرح جہ فی التعلیل اور کتاب القواعد والامال کتب المدونہ لکھی۔ انہوں نے ۵۵۰ھ و ۵۵۱ھ میں وفات پائی۔

سائل نے پھر جواب دیا: ولی نے جو بیان کیا ہے اسے امام مالکؒ سے اشعثؒ نے روایت کیا ہے جیسا کہ التوضیح میں دیا ہے چنانچہ اس نے امام مالکؒ سے روایت کیا ہے کہ سورۃ کا پڑھنا مستحب ہے سنت نہیں، پھر امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے، ان کے نزدیک سورت ایک بیئۃ تحمید ہے اور سنتوں میں سے نہیں ہے لہذا جو اس کے ترک کرنے کی وجہ سے سجدہ کرے گا اس کی نماز باطل ہو جائیگی۔ مزید برآں میں نے تولی سے صرف اتنا سوال کیا تھا کہ بغیر کسی قید کے دو حق بات کو متعین کر دیں، ہمارا سوال بالخصوص امام مالکؒ کے مشہور مذہب کے متعلق نہ تھا۔ آپ نے ہمارے سوال کرنے پر اس کی تعیین کر دی ہے اور اتفاق سے یہ جواب امام مالکؒ کی ایک روایت سے مطابقت رکھتا ہے اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب تھا۔ اب ولی کے جواب میں کوئی بات قابل گرفت ہے جب سائل کا یہ جواب عقلمند نے سنا تو بند ہو گیا اور کچھ جواب نہ دے سکا۔

مؤلف کہتا ہے: منکرین کا یہی طریقہ اور یہی مادہ پل آتی ہے۔ ان کے پاس تو مکمل کوتاہی ملے گی اسی سلسلہ میں میرے ایک استاد نے جو بہت بڑے فقیہ میں مجھ سے بات کی اور ایک روز مجھے کہنے لگے کہ اس محبت کی بنا پر جو مجھے تم سے ہے میں تمہیں ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں، میں نے کہا: بسر و چشم انھوں نے فرمایا: دیکھو ایک شخص کے بارے میں جسے تم تولی اور صاحب کشف جانتے ہو سب لوگ ایک طرف ہیں اور تم ایک طرف ہو۔ لوگ تو اس پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور تمہیں ان میں اعتقاد دے رہے ہیں تو جو نہیں سکتا کہ تم ایسے حق پر ہو۔ اسی قسم کی اور باتیں کہیں جن کا خلاصہ میں نے ذکر کر دیا ہے۔ میں نے عرض کیا: جناب آپ کی نصیحت تب مکمل ہوگی اگر میری بات کا جواب دیں۔ اگر آپ نے جواب دیدیا تو نصیحت مکمل ہوگئی اور خدا آپ کو اس کا اجر دے گا۔

فرمایا: پوچھو کیا پوچھتے ہو؟

میں نے عرض کیا: کیا آپ کی ان سے ملاقات ہوئی ہے اور آپ نے ان کی باتیں سنی ہیں؟ اور کیا آپ نے کبھی کسی بات میں بحث کی ہے کہ آپ کو لوگوں کی تنقید صحیح معلوم ہوتی ہے؟ فرمایا: میں نہ کبھی ان سے ملا ہوں نہ کبھی انہیں دیکھا ہے۔

لے اشعث: ان کا حال نہ معلوم ہو سکا۔

لے التوضیح: یہ کتاب تنقیح الاصول مستشفی قاضی ملا محمد صمد الشریعہ عبید اللہ بن مسعود المحمڈی البھاری حنفی متون ۱۳۷۷ھ و ۱۳۷۸ھ کی شرح ہے۔ شرح کا پورا نام التوضیح فی حل غوامض التفتیح ہے۔ متن اور شرح دونوں ایک ہی مصنف کی ہیں۔

میں نے حیا اور لغت و محبت کے احترام کو بلائے طاق رکھتے ہوئے کہا: مجھے تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ آپ نے معاملہ کو بالکل الٹ ہی دیا ہے اور غلطی جس میں یقین کا ہونا ناممکن ہے اسی میں آپ یقین کو تلاش کر رہے ہیں اور جہاں یقین ہے وہاں آپ نے شک بلکہ ہمتان و خرافات پر اکتفا کر لی ہے۔

اس پر انہوں نے کہا: آپ وضاحت سے بیان کریں کہ آپ کی کیا مراد ہے؟ میں نے عرض کی: جب آپ فقہ کا درس دیتے ہیں اور کوئی شخص مدونہ یا تبصرہ لکھی یا ابن رشد کی بیان یا ابن شامس کی جواہر وغیرہ فقہ کی کتابوں کا حوالہ دے اور آپ ان کتابوں کی طرف مراجعت کر سکتے ہوں تو آپ نقل کرنے والے کی بات اس وقت تک نہ مانیں گے جب تک خود آپ نہ دیکھ لیں خواہ واسطہ ابن مرزوق حطاب اور توضیح وغیرہ کا ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک تو غلطی ہوتا ہے اور آپ حد یقین تک پہنچنا چاہتے ہیں اسی لیے تو آپ عدول و ثقات لوگوں کی بھی نقل پر اکتفا نہیں کرتے جب تک کہ خود اس کی تحقیق نہ کریں۔ حالانکہ اس میں کبھی یقین حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ نے غلطی تو کیا کا مقابلہ اس سے بھی کمزور غلطی کے ساتھ کیا ہے اسی لیے کہ پہلے واسطہ کی روایت اقرب الی القواب ہے

۱۔ مدونہ: فقہ مالکی کی کتاب ہے، پر نام مدونہ فی ترویج المالکیہ ہے۔ ابو عبد اللہ عبدالرحمن بن قاسم مالکی کی تصنیف ہے انہوں نے ۳۱۷ھ میں وفات پائی۔

۲۔ ابن رشد: ابوالولید محمد بن محمد بن رشد قرطبی۔ اندلس اور مغرب کے فقہاء کے سردار تھے اور صحت و نفوذ و تالیفات اور وقت فقہ میں ان کا احترام کیا جاتا تھا۔ ان پر روایت سے زیادہ روایت غالب تھی۔ ان کی کتاب کا پرانہ نام کتاب بیان و التعمیل لانی المتخرج من التوحید ہے۔

۳۔ ابن شامس: ابو محمد عبد اللہ بن نجم بن شامس الجذالی السعیدی۔ انہوں نے امام غزالی کی وجیزہ کی ترتیب پر امام مالک کے مذہب میں ایک عمدہ کتاب لکھی جس کا نام انہوں نے الجواہر المبینہ فی مذہب عالم الدین رکھا۔ اس کی خوبی اور کثرت فوائد کی بنا پر مصر میں تمام مالکی اس کی طرف سخت مائل تھے۔ انہوں نے ۳۷۲ھ میں وفات پائی۔

۴۔ ابن مرزوق: حافظ ابوالحسن عبد اللہ بن مرزوق مروی مولیٰ شیخ الاسلام ابوالفضل انصاری۔ ان کی پیدائش ۳۴۵ھ ۳۷۲ھ میں ہوئی۔ حافظ اور حسن سیرت کے لحاظ سے مشہور تھے۔ کچھ اونچا سنتے تھے اور آخر عمر میں ہر اپنی زیادہ ہو گئی۔ ان کی وفات ۳۷۵ھ میں ہوئی۔

۵۔ علامہ صدر الشریعہ عبد اللہ بن مسعود الجبالی البغدادی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ کی کتاب کا نام ہے انہوں نے پہلے تحقیق اصول پھر خود ہی اس کی شرح تو لکھی تھی۔

اس لیے کہ ان کا زمانہ سابقہ کتب کے مؤلفین کے زیادہ قریب ہے کیونکہ وہ لوگ ہمارے مقابل میں بلاشبہ زیادہ قریب ہیں اور اس لحاظ سے بھی کہ ان کتابوں کے جو نسخے واسطہ کے پاس ہیں وہ کسی نہ کسی طریق روائے سے مروی ہیں اور ہم ہیں کہ ہمارے پاس ان کے متعلق نہ کوئی روایت ہے اور نہ کوئی صحیح نسخہ ہو سکتا ہے کہ جو نسخہ آپ کے پاس ہے اس میں کمی یا بیشی کی گئی ہو لہذا اس میں ان دونوں احتمالات کے باوجود حساباً کی نقل کو کیسے وثوق سے رد کر سکتے ہیں۔ یا یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اس بات کے متعلق جس کا یقینی ہونے کا احتمال ہے، منہ پر ہی اکتفا کر لیں اس لیے کہ یہ شخص جس کے متعلق جو کچھ لوگوں نے آپ کو کہا ہے، زندہ ہے اور آپ کے اسی شہر میں موجود ہے اور اس کے اور آپ کے درمیان کوئی مسافت بھی زیادہ نہیں ہے اگر اشد ان کی محبت اور ان کی اطاعت کرنے کی توفیق دے تو ان کے ساتھ جان پہچان ہی سہاکتا ہے۔ آپ ان تک پہنچ سکتے ہیں اور ان کی معیت حاصل کر کے سعادت مند ہو سکتے ہیں یا ان پر تنقید کر کے واپس آ سکتے ہیں۔ اس طرح آپ کو ایک بات کا تو یقین ہو سکتا ہے اور آپ کے دل سے شک کی غلٹ دور ہو سکتی ہے اس پر طرہ یہ آپ اس سود مند بات اور نیکی کے متعلق جس کا سود مند ایک امر مخفی ہے بدکاروں اور کذاب لوگوں کی باتوں پر لگ گئے ہیں حالانکہ آپ کی عادت تو یہ تھی کہ غیر محقق امر کے متعلق آپ معتبر اور ثقہ لوگوں کی بات بھی اس وقت تک نہ مانتے تھے جب تک کہ خود اس کی تحقیق نہ کر لیتے۔ اس معاملہ میں بھی جو کہ ایک یقینی امر ہے اور جس کا نفع باعث سعادت ہے۔ آپ نے یہی طریقہ کیوں نہ اختیار کیا۔ جناب والا! یہ صمیم بات کے متعلق اٹھی سمجھ نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

انھوں نے فرمایا کہ تو نے دلائل سے مجھے خاموش کر دیا ہے۔ خدا کی قسم میں ان کا ہرگز جواب نہیں دے سکتا تو گواہ رہنا کہ میں ان باتوں سے توبہ کرتا ہوں۔

اس کے بعد میں نے استاد سے عرض کیا کہ اگر آپ لوگوں کی تقلید ہی کرنا چاہتے ہیں تو وہ باتوں کی وجہ سے میری تقلید کریں۔ ایک اس لیے کہ آپ جانتے ہیں کہ مجھے امور شریعت میں بصیرت حاصل ہے، دوسرے اس لیے کہ آپ معلوم ہے کہ کئی سالوں سے میرا ان کے پاس آنا جانا ہے اور جتنا ان کے متعلق مجھے علم ہے کسی اور کو نہیں۔ ان بدکار اور کذاب لوگوں میں۔ سے آپ کی طرح کسی ایک کی بھی حضرت سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ان کی باتوں کا تمام تر مدار سنی ساتھی ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں اور جو درحقیقت محرومیت اور رسوائی کا سبب ہیں۔ ہم اشد کے فضل و کرم سے توفیق کے خواہاں ہیں۔

اس پر حضرت نے فرمایا: اب کوئی اور بات تو باقی نہیں رہی؟

اس کے بعد ایک اور فقیر سے جو فقیر مذکور کا استاد تھا میری ملاقات ہوئی کہنے لگے: میرے

فلاں شاگرد نے مجھ سے آپ کے قاطع دلائل کا ذکر کیا تھا پھر پہلے فقیر کی طرف متوجہ ہو کر کہا: تم ہی سے
تو مجھ سے ذکر کیا تھا کہ اس نے یہ دلائل دیے ہیں۔ اس نے کہا: جی ہاں۔ اس پر دونوں نے یک زبان ہو کر
کہا: تم نے ہماری کڑو دی ہے۔

موتف کتا ہے: یہ ان دونوں فقیہوں کا حال ہے جو اپنے زمانہ کے فقہار کے سردار سمجھے جاتے
ہیں اور جو اپنے وقت کے کیتا عالم شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ جتنے بھی منکر ہیں ان میں سے اکثر لوگ
جیسا کہ مذکور ہو چکا سنی سنائی باتوں پر جن کی کوئی حقیقت نہیں الگ جلتے ہیں اور جو سمجھ دار ہیں ان کے
انکار کی یہ دلیل ہے کہ ہم فلاں بزرگ کو جانتے ہیں مگر وہ تو ایسے نہ تھے اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ
حضرت ان بزرگ جیسے نہیں ہیں۔ حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ پھول مختلف رنگوں کے ہوتے ہیں اور
کھجور کے درخت ایک ہی جڑ سے نکلے ہوتے ہیں اور بعض الگ جڑوں سے۔ یہ سیراب تو ایک ہی پانی
سے ہوتے ہیں مگر ذائقہ میں ہم ایک کو دوسرے پر فضیلت دے دیتے ہیں۔ اس میں عقلمندوں کے
یہ نشانیاں ہیں ۱۱ سورہ رعد آیت ۴۱

میں ایک مرتبہ حضرت کے ساتھ مبارک موسم میں ایک باغ میں گیا۔ آپ کچھ دیر تک ان چھوٹوں
اور کٹیوں کے مختلف رنگوں کو دیکھتے رہے پھر سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور کہا: جو شخص باوجود اس کے
کہ ادیار سب کے سب ہدایت اور حق پر ہوتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ہوتی ہے
پھر بھی مقامات اور احوال میں ان کے اختلاف کو دیکھنا چاہے تو وہ ان کٹیوں اور پھولوں کے
مختلف رنگوں کو دیکھے کہ سب ہی لوگوں کے دل پسند ہیں۔

چنانچہ جو شخص یہ کتا ہے کہ فلاں بزرگ جسے ہم جانتے ہیں، وہ تو ایسے نہ تھے اس کا مطلب
یہ ہو گا کہ اس شخص نے اللہ کی رحمت کو اسی شخص تک محدود کر کے ایک وسیع چیز کو تنگ کر دیا ہے
جنانچہ جب اس بدوی نے جس نے مسجد میں پیشاب کیا تھا، یہ الفاظ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ وَارْحَمْ
نَحْمَدُكَ وَلَا تُرْحَمْ مَعَنَا أَحَدًا (یا اللہ صرف مجھ پر اور محمد پر رحم کرنا، کسی اور پر نہ کرنا) تو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَقَدْ خَجَرْتُ وَاسِعًا بِأَعْدَائِیْ (مے بدوی تو نے ایک وسیع چیز کو تنگ
کر دیا) اور اگر اس کا قول اس خیال سے ہو کہ صاحبِ فتح اسی دل کا سا ہونا چاہیے جسے یہ جانتا ہے تو
اس کے متعلق ہم بیان کر چکے ہیں کہ ان کی مختلف قسمیں ہیں۔ مزید برآں اس پر میری ہی اعتراضِ واقع ہے
کیونکہ وہ بزرگ بھی تو اپنے سے پہلے بزرگ سا ہو گا۔

میں نے یہ بحث اس لیے لپی کڑی اور ان مناظروں کا ذکر جو فقہاء سے ہوتے اس لیے کر دیا ہے کہ

یہ خیر فقہاء کی جماعت اور طالب علموں کو بھی حاصل ہو جائے یہ سب ان کی محبت اور خیر خواہی کی بنا پر کیا گیا ہے اس لیے کہ لوگ ہر وادی، ہر بستی اور شہر میں اور ہر زمانہ میں نیک لوگوں کے انکار کرنے میں مبتلا رہے ہیں، ان کے انکار کی وجہ صرف وہی ہوتی ہے جو ہم نے بیان کر دی۔ اگر یہ لوگ انصاف سے ہمارے بیان کا مطالعہ کریں تو یہ انکار سے باز آئیں اور ان پر حق بات واضح ہو جائے۔ اکثر ایسا ہوا کہ میں نے ان فقہاء سے اس خیال سے مناظرہ کیا کہ یہ لوگ محض ظن کی بنا پر انکار کر رہے تھے

وَاللّٰهُ اَعْلٰی اِلٰی الصَّوَابِ لَا رِبَّ غَیْرُكَ وَلَا خَیْرٌ اِلَّا خَیْرٌ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اَلِیْہِ اُنِیْبُ۔

حضرت نے فرمایا: دل کے ظاہر کی طرف دیکھ کر اس کے مطابق اُس کا وزن نہیں کرنا چاہیے ورنہ وزن کرنے والا دنیا اور آخرت کا شمارہ پانے والا ہو گا۔ کیونکہ دل کے باطن میں عجائب و غرائب پائے جاتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے گاڑھا کپڑا جس کے اندر شیم لگا ہوا ہو جس کا گھور راجرت ہی میں ہو گا اور جو دل نہ ہو اس کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے کہ شیم کے کپڑے کے اندر گاڑھا کپڑا لگا ہوا ہو۔ والعیاذ باللہ۔

دلی سے ظاہر کی مخالفت کے اسباب دلی سے ظاہر کی مخالفت کے بہت سے اسباب ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔ ہم نے انہیں حضرت سے مختلف مواقع پر سنا تھا، لیکن ہم ان کو یہاں اکٹھا کر دیتے ہیں۔

فرمایا: ایک دلی صدیق کا ایک سچا مرید تھا جسے اپنے پیر سے محبت تھی اور جب حق تعالیٰ نے اسے اس پیر کے اسرار پر مطلع فرمایا تب تو اس کی محبت حد سے بڑھ گئی اور قریب تھا کہ وہ اپنے پیر کو مقام نبوت سے بھی آگے بڑھا دے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مرید پر لطف و کرم کی غرض سے معصیت زمانہ کی صورت کا اظہار کیا۔ (یعنی درحقیقت وہ زمانہ تھا مگر مرید کو یوں معلوم ہوا کہ پیر زمانہ کا مرتکب ہوا ہے) جب یہ دیکھا تو غلو عقیدت سے باز آگیا اور پیر کو اپنے مرتبہ پر لا اتارا۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اسے فتح نصیب کی۔ فرمایا: اگر وہ اپنے پہلے عقیدہ پر قائم رہتا تو کافر ہوتا۔ نسائی اللہ السلامتہ۔

تائیر خیل کا واقعہ جو امیر انصاری علیہ السلام کے دست مبارک پر ظاہر ہوا کرتے تھے، ان میں منجھ اور امیر کے ایک راز بھی ہے مثلاً کجور کو بیوند لگانے کے قصہ میں آپ کا فرمانا: اگر تم ایسا نہ بھی کرو تب بھی اچھی کجوریں لگیں۔ پھر جب صحابہ نے کجور کو بیوند لگانا ترک کر دیا

تو ناقص کمجوریں آئیں۔

یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ہم مسجد حرام میں امن و امان سے داخل ہوئے اور پھر کوئی سرمنڈا رہا ہے اور کوئی بال کترا رہا ہے۔ اس کے بعد آپ اپنے صحابہ کے ساتھ نکلے تو مشرکوں نے انہیں روک دیا اور دوسرے سال جا کر مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ اسی قسم کے اور واقعات اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ اپنے نبی سے اس لیے کیا کہ میں صحابہ آپ میں الوہیت کا اعتقاد نہ کر لیں۔ اسی لیے یہ بھی فرمایا: اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَجَبْتَ ذٰلِكَ اللهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ رَآبِ جِے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے مگر اللہ جسے چاہے ہدایت کر دے اور فرمایا: لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاُمُورِ شَيْءٌ رَآبِ کو اس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں (غیر دوسری آیات) اس لیے کہ ان سب امور کا مقصد لوگوں کو توحید پر جمع کرنا تھا۔ واللہ اعلم۔

فرمایا: ولی کامل ان لوگوں کے لیے جو ان کے پاس آتے ہیں، ان کی نیتوں کے مطابق رنگ بتاتا رہتا ہے۔ چنانچہ جس طالب کی نیت صاف ہوگی وہ ولی کو عین کمال میں دیکھے گا اور اسے ولی سے خارجی عادت اور ایسی باتیں ظہور میں آئیں گی جن سے اسے خوشی ہوگی اور جس کی نیت بد ہوگی اس کا حال اس کے برعکس ہوگا۔ درحقیقت ہر شخص کو وہی نظر آتا ہے جو اس کے اپنے باطن میں ہو اور ولی بمنزلہ ایک آئینہ کے ہے جس میں اچھی اور بری صورتیں سب دکھائی دیتی ہیں لہذا جس شخص کو ولی کا کمال اور اللہ کی طرف رہنمائی دکھائی دے اسے اللہ کا شکر یہ ادا کرنا چاہیئے اور جسے کچھ اور دکھائی دے اسے اپنے نفس کا محاسبہ کرنا چاہیئے۔

فرمایا: جب اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتے ہیں کہ فلاں لوگ بد بخت ہوں اور وہ ولی سے ناکام و محمل ذکر کہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو جس برائی اور مخالفت میں وہ پڑے ہوئے ہیں بختہ کر دیتا ہے لہذا وہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ ولی بھی انہی کی طرح کا آدمی ہے حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ ولی کے متعلق اپنے تصور میں خیال کرتا ہے کہ ولی شرابیوں کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا ہے حالانکہ یہ اس کی اپنی روح ہوتی ہے جس نے یہ صورت اختیار کی ہوتی ہے اور حقیقت میں کچھ بھی نہیں تھا یہ اس کی اپنی ذات کا سایہ تھا جس نے اسی طرح کی حرکات کہ جس طرح کو شرابیوں نے کیں۔ بعینہ اسی طرح جس طرح آئینہ میں اپنی ہی شکل دکھائی دیتی ہے چنانچہ آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر کلام کر دو تو آئینہ کی صورت بھی کلام کرے گی۔ کھاؤ تو وہ بھی کھائے گی۔ پیو تو پیے گی۔ ہنس تو ہنسنے لگی، حرکت کر دو تو حرکت کریگی اگر من جو کام بھی کر دو وہ اسی طرح کرے گی حالانکہ اس میں نہ کھانا ہے نہ کچھ اور اس لیے کہ وہ تو تمہاری

ذات کا سایہ ہے اصل ذات نہیں ہے۔ لہذا جب اللہ تعالیٰ کسی کو بد بخت بنانے کا ارادہ کرتا ہے تو
 ولی کی ذات کا سایہ انکے ساتھ ظاہر ہوتا ہے اور وہ نکل ان ہی امور کا مرکب ہوتا ہے جس کے وہ خود
 مرکب ہوتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

نیز فرمایا: جو لوگ ولی کے پاس آتے ہیں وہ صرف ان کے باطن کو دیکھتا ہے۔ اس کے نزدیک
 ان کے ظاہر کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ آنے والوں کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی قسم تو وہ ہے جن کا ظاہر و باطن دل
 میں اعتقاد رکھنے میں ایک جیسا ہوتا ہے۔ یہ سب سے زیادہ خوش بخت ہوتے ہیں۔ دوسری قسم ان لوگوں کی
 ہے جن کا ظاہر و باطن ولی پر تنقید کے لحاظ سے ایک جیسا ہوتا ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جو ظاہر میں تو معتقد
 ہوتے ہیں مگر باطن میں معترض۔ چوتھی قسم یہ لوگ ولی کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ ہوتے ہیں۔ جس طرح
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے منافق تھے اس سے کہ جب ولی ان کے ظاہر کو دیکھ کر انہیں فائدہ
 پہنچانا چاہتا ہے تو ان کا باطن اسے اس بات سے روک دیتا ہے اور اگر ان کے باطن کو دیکھ کر ان سے
 دور رہنا چاہے تو ظاہر ان کی طرف راغب کرتا ہے۔

پھر فرمایا کہ ولی جس طرح ظاہر کا کلام سنتا ہے اسی طرح باطن کا کلام بھی سنتا ہے چنانچہ اس
 کے نزدیک یہ شخص ایسا ہوتا ہے جیسے ولی کے پاس دو شخص اس طرح بیٹھے ہوں کہ ایک دوسرے کے
 پیٹ میں ہو۔ باہر والا آدمی تو یہ کہہ رہا ہو کہ آپ میرے آقا ہیں اور میں آپ کا مطیع و فرمانبردار ہوں،
 لیکن اندر والا شخص کہے تو ولی نہیں ہے اور لوگوں کا جو خیال تمہارے متعلق ہے غلط ہے اور مجھے
 آپ کے بارے میں اور جو کچھ لوگ کہتے ہیں اس میں بھی شک ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ لہذا جس شخص کو باطن
 کا علم نہیں وہ اس قسم کو اور پہلی قسم کو ایک جیسا سمجھے گا۔ لہذا جب وہ پہلی قسم کو دیکھتا ہے کہ اسے ولی
 سے بہت برکت حاصل ہوئی ہے اور اسے بہت فائدہ ہوا ہے تو اپنے دل میں کہتا ہے کہ تیسری قسم کو فائدہ
 کیوں نہیں ہوا حالانکہ وہ بھی تو پہلے کی طرح ولی کا بہت ادب کرتا ہے اس کی خدمت کرتا ہے اور ان کے
 حکم کو مانتا ہے لہذا دل میں سوچتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کسی ولی کی طرف سے جو جس سے دیوں پر نکتہ چینی
 اور دوسرے پیدا ہونے کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اب رہی چوتھی قسم جو باطن میں تو معتقد ہوتے ہیں مگر ظاہر
 میں معترض۔ اس کا عجب محض حسد ہوتا ہے۔ نَسْأَلُ اللہَ السَّلَامَةَ وَالْعَافِيَةَ بِسْمِہِ وَ
 کَرِہِم۔ آمین۔

ایک روز میں نے حضرت سے عرض کی کہ یہ معارف جن کا غور آپ سے ہوتا ہے اور جن کے متعلق
 آپ گفتگو فرماتے ہیں کیا اس میں آپ کو قصد و ارادہ سے کلام دینا پڑتا ہے یا نہیں؟

فرمایا: ولی کامل ہر لحظہ مشاہدہ حق سبحانہ میں مستغرق ہوتا ہے مگر اس کا ظاہر مخلوقات کے ساتھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو آنے والے کی قسمت کے مطابق ان کی طرف لگا دیتا ہے چنانچہ جس کی قسمت میں رحمت لکھی ہو اللہ تعالیٰ ولی کے ظاہر کو اس کے لیے چھوڑ دیتا ہے اور اس کی زبان سے علوم نکلنے لگتے ہیں اور اس سے وہ یکیاں ظہور میں آتی ہیں جن کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی اور جس کی قسمت میں اس کے ہاتھوں کچھ ملنا نہیں لکھا ہوتا تو خدا ولی کو روک دیتا ہے اور معارف بیان کرنے سے وہ حجاب میں ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ ولی کی مثال آنے والوں کے لیے بنی اسرائیل کے پتھر کی طرح ہے۔ جب وہ پتھر اور یاہرا اللہ کے سامنے ہوا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور دشمنوں کے سامنے آیا تو اس سے ایک قطرہ بھی نہ نکلا۔

مواف کتاب کتاب ہے کہ واقعی میں نے بارہا اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ جب آپ کے سامنے غیر معتقد شخص ہوتا تو آپ سے ایک مفید بات بھی نہ نکلتی تھی اور نہ ہی آپ علوم لدنیہ اور معارف ربانیہ کی کوئی بات منہ سے نکالتے یہاں تک کہ وہ شخص اٹھ جاتا اور ہمیں نصیحت فرماتے کہ جب اس قسم کا آدمی آئے تو جب تک وہ موجود رہے مجھ سے کچھ نہ پوچھا کرو اس حکم سے پہلے ہم اس بات سے ناواقف تھے اور حضرت سے سوال کیا کرتے تھے اور ہمارا مقصد یہ ہوتا کہ آپ کے ذہن سے نفائس اور اسرار ربانیہ نکلیں تاکہ آنے والا ان کو سن کر تائب ہو جائے اور جب سوال کرتے تو آپ کو کوئی اور بھی شخص پاتے جسے نہ ہم جانتے ہیں اور نہ وہ ہمیں جانتے ہیں اور گویا وہ علوم جن کا ظہور آپ سے ہوا کرتا تھا آپ کو کبھی آتے ہی نہ تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے اس کا سبب بیان کیا اور ہم اس راز کو سمجھ گئے۔
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

نیز فرمایا کہ دلی کبیر ظاہر میں لوگوں کو معصیت کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے مگر دراصل وہ عاصی نہیں ہوتا صرف اتنا ہوتا ہے کہ روح اس کی ذات کو محبوب کر دیتی ہے تو وہ اپنی اصل صورت میں ظاہر ہو جاتی ہے چنانچہ اگر وہ معصیت کا کام کرے تو وہ درحقیقت نہیں ہوتا مثلاً اگر وہ حرام چیز کو کھائے تو صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ اس نے منہ میں ڈال لی ہوتی ہے ورنہ وہ جہاں چاہے اسے پھینک دیتا ہے۔ اس ظاہری معصیت کا سبب حاضریں کی بدبختی ہوتی ہے۔ خدا اپنی پناہ میں رکھے اور جب تو کیجے کہ وہ کبیرے کرامت کا ظہور ہوا ہے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے حاضریں کے لیے خیر کا ارادہ کیا ہے اور معصیت کا ظہور ہوتا تو بدبختی کا اور بھی ان لوگوں کی ارواح کرامت کی والی ہوتی ہیں اسی طرح اے

نمازی معاصی کی بھی والی ہوتی ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ کبھی دل پر شہود کا غلبہ ہوتا ہے تو اسے خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہ کہیں اس کی ترائی ذات فنا نہ ہو جائے اس لیے وہ ایسے امور کو عمل میں لاتا ہے جو اسے حس و شعور کی طرف لوٹا دیں اگرچہ وہ کام معیوب ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ اس اصول پر عمل کرتے ہوئے ہوگا کہ کرب و نقصان وہ امر بیش از جا میں سے کم نقصان وہ کو اختیار کر لو دیا بفتحوای اذا بلیت بسلکتین فنا ختواھونھا (الحديث) لہذا جب کوئی شخص اسے یہ کام کرتے دیکھتا ہے اور اسے اس کام کے مرتکب ہونے کی وجہ معلوم نہیں ہوتی تو وہ فوراً ولی پر اعتراض کرنے لگ جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس دل کی برکت سے محروم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ شریعت میں یہ ایک مستحکم امر ہے کہ جب کسی عضو کو مرض آکھ لاحق ہو جائے جس سے ہلاکت کا خطرہ ہو تو ذات کو بچانے کی غرض سے اس عضو کو کاٹ دینا جائز ہے حالانکہ وہ عضو بے گناہ ہے۔ اسی طرح جب کسی شخص کو بھوک کی وجہ سے جان کا خطرہ ہو تو اسے مردار پیٹ بھر رکھنا جائز ہے اسی طرح کے دیگر مسائل ہیں جو اسی قاعدہ کے ماتحت آتے ہیں۔ یہ امور جو دل کو اپنے حس و شعور کی طرف واپس لے آتے ہیں وہی امور ہوتے ہیں جن کی نفع سے پہلے اسے عادت پڑی جوتی ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ لوگوں میں مشہور ہے العادة فی الموت۔ بس اتنے اشارہ کو سمجھ جاؤ۔ تفصیل اور تصریح میں خطرہ ہے۔ واللہ اعلم۔

نیز فرمایا کہ جب غیر دل کی شرمگاہ کھل جائے تو اس سے فرشتے بھاگ جاتے ہیں کیونکہ ملائکہ پر حیا کا غلبہ ہے۔ یہ حکم حتی شرمگاہ کا ہے، لیکن اگر دل کی شرمگاہ کھل جائے تو اس سے فرشتے نہیں بھاگتے اس لیے کہ وہ اگر شرمگاہ کو کھولتا ہے تو کسی صمیم اور جائز مقصد کے لیے کھولتا ہے لہذا اس کو کشف عورت پر بھی ستر عورت کا ثواب ملتا ہے کیونکہ اس نے واجب پر عمل کیا ہے، اگر وہ اگر مصلحت نہ ہوتی تو کبھی ستر نہ کھولتا۔

۱۔ امام شہرانی نے ابوالواہب شاذلی سے اسی قسم کی تشریح نقل کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ بعض بزرگوں کے متعلق جو یہ سننے میں آیا ہے کہ لوگوں سے چھپنے کی غرض سے وہ عورت کے مرتکب ہوتے تو اس کا قیاس اس شخص سے کرنا چاہیے جس کے حق میں قدر تک گیا ہو اور شراب کے بغیر وہ اسے شغل نہ سکتا ہو۔ یہی امام غزالی کا قول ہے۔ پھر فرمایا کہ جب دنیوی زندگی بچانے کی خاطر یہ جائز قرار دیا گیا تو آخری زندگی بچانے کی خاطر تو اور بھی ستر ہوگا۔

میں نے پوچھا: وہ اتنی مصلحت کیا ہے جس کی بنا پر اس نے ستر عورت چھوڑ دیا کوئی ناشائستہ
لفظ زبان سے نکالا ہے؟

فرمایا: بروہ چیز جو ذات کو اس کے حستی عالم کی طرف لائے اور اس پر اس کے ہوش و حواس کو
واپس کرے۔ پس اگر کسی ایک شخص کے لیے کثیف عورت اس کو واپس لانے کا موجب ہوگا تو یہ اس
کا ارتکاب کرے گا اور اگر کسی اور شخص کے لیے بیودہ گوئی اس کی موجب ہوگی تو بھی اس کا ارتکاب
کرے گا اور اگر کوئی امر دنیاوی کسی تمیز شخص کے لیے اس کا موجب ہو تو بھی اس کا مرتکب ہوگا۔
علیٰ ہذا القیاس۔

میں نے سوال کیا کہ ذات کو ان امور کی جو اسے عالم حواس کی طرف لے آئیں، کیوں ضرورت پڑتی ہے
اور کیا یہ ذات عالم حسی سے غائب ہو جاتی ہے۔

حضرت نے فرمایا: ہاں غائب ہو جاتی ہے۔ پھر اس کی ایک مثال بیان فرمائی کہ جس طرح ایک
آدمی کے پاس چھ سو قطار ہوں (چھ لاکھ رطل) اور وہ بوڑھا ہو چکا ہو، اس کی بیٹائی جاتی رہی ہو اور
اپنے مال کا قطعاً انتظام نہ کر سکتا ہو۔ اس پر طرزیہ کہ اس کی بہت سی اولاد ہو اور ہوں بھی سب کے
سب چھوٹی عمر کے کہ کوئی کام کرنے کے قابل نہ ہو۔ پھر اس شخص نے اپنا مال تجارت کی غرض سے ایسے
لوگوں کو دیا ہو جو سمندر کے سفر پر ایسے وقت میں نکلیں کہ ہلاکت کا خطرہ اور بچاؤ کی امید کم ہو اور اس
نے اپنے اور اپنی اولاد کے لیے ایک پیسہ بھی نہ رکھا۔ بس مت پوچھو کہ اس کی عقل کیا حال ہوگا اس
لیے کہ اس کی عقل تو کشتی والوں کے ساتھ ہوگی اور ذات سے اس کا تعلق بالکل منقطع ہو جائے گا
اس وقت اسے دو آفتوں کا سامنا ہوگا۔ ایک یہ کہ اس کی ان لوگوں کا منہ بند ہو جائے گا جن سے جسم
کو غذا پہنچتی ہے۔ اس لیے کہ جب نگر کی توجہ کشتی کی طرف ہوگی تو اس سے حرارت میں جو جوش پیدا
ہوگا اس سے رگیں جل جائیں گی۔

(موتف کہتا ہے اگر میں نے ایک حافظ قرآن اور عالم کو دیکھا ہے کہ اس کی عقل میں فتور آگیا تھا وہ
مدیرِ کیمیا اور خزانوں کی تلاش میں تھا۔ یہی حال اس کی عقل و فکر میں گھر چکا تھا۔ اس نے لوگوں سے ملنا جلتا
کم کر دیا اور اس کا رنگ زرد ہوتا جاتا تھا اور کھانا بھی بہت کم کھاتا تھا اس کی حالت دن بدن خراب
ہوتی گئی اور بالآخر وہ مر گیا۔ سَأَلْتُ اللَّهَ اسَلَامًا مَّۃً۔ اس کی وجہ وہی ہے جس کا ذکر حضرت نے کیا ہے کہ
جسم کی غذا دالی رگوں کے منہ بند ہو جاتے ہیں جس سے جسم کو تکلیف پہنچتی ہے اور اس کی تروتازگی اور
نراکت زائل ہو جاتی ہے جس سے رنگ زرد پڑ جاتا ہے اور چہرہ سرخا جاتا ہے، حتیٰ کہ فنا و ہلاک

ہو جاتا ہے۔ دوسری آفت یہ ہوتی ہے کہ جب عقل کشتی والوں کے ساتھ چلی جاتی ہے اور ذات سے منقطع ہو جاتی ہے اور پھر دیر تک ذات سے غائب رہتی ہے تو روح بھی ذات سے نکل جاتی ہے اور واپس نہیں آتی کیونکہ ابتداء میں فتح کے وقت وہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ مجبور ہو کر داخل ہوئی تھی لہذا جب اسے نکلنے کا موقع ملا اور نکل گئی تو پھر مرکز واپس نہیں آتی۔ پس اگر ذات سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ اس کی مدت عمر ختم کرنے کا ہے تو یہ اس کے مرض کی اور بیماریوں کے ظاہر ہونے کی ابتدا ہوگی یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو جائے گا اور اگر اللہ کا وعدہ یہ ہو کہ اسے کچھ مدت اور زندہ رہنے دیا جائے تو روح اس عقل کے ساتھ ہی نکل جائے گی جو ذات کا راز ہوتی ہے اور ذات کا انتظام کرتی ہے اور یہ پاگل ہے کی ابتدا ہوتی ہے اور اگر اس شخص کو کوئی ایسا سبب مل جائے جو اسے پہلی حالت پر لے آئے اور کشتی والوں کو اس کی عقل سے نکال دے کہ ان کا خیال بالکل ذہن سے نکل جائے، تو وہ ان دونوں آفتوں سے سلامت رہ سکتا ہے۔ فرمایا: یہی اولیاء اللہ کا حال ہے کہ ان پر غیبت اور محویت کا عالم طاری ہوتا ہے لہذا اگر تم انہیں دیکھو کہ وہ ہنسی اور بیہودہ باتیں کر رہے ہیں جن سے ان کی عقل واپس آجائے اور ان کی ذات پرچ جائے تو ان پر اعتراض کرنے میں جلدی نہ کرنا اس لیے کہ وہ اس بیہودہ گوئی وغیرہ کو ایک صحیح غرض کے لیے اختیار کر رہے ہیں چنانچہ جب تک ان کی ذات کا بقا ہوتا ہے، لوگ ان سے فیضان حاصل کرتے ہیں۔

مؤلف کہتا ہے کہ بے اذات ایسا ہوا کہ ہم حضرت کے پاس ہوتے تو فرماتے، خوب شور مچاؤ کیونکہ اس سے تمہیں بہت فائدہ ہوگا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ فرمایا کہ صاحب مشاہدہ کی مثال ایک گدھ کی سی ہے جو ہوا میں اڑ رہا ہو اور بہت اونچا چلا گیا ہو۔ فرض کر لو کہ اس وقت تمام فضا میں تیز ہوا چل رہی ہو اور ایک شخص کے ہاتھ میں پتلی سی ڈور ہو جس سے یہ گدھ بندھا ہوا ہو چنانچہ جب یہ شخص دیکھتا ہے کہ گدھ بہت اونچا چلا گیا ہے اور اسے ڈور ہوجائے کہ کہیں ہوا اسے اتنی دور نہ لے جائے کہ یہ واپس ہی۔ اس کے تو یہ شخص ڈور کو آہستہ آہستہ کھینچے گا، مگر اس کے ساتھ ہی اسے ڈور کے ٹوٹنے کا بھی ڈر ہوتا ہے۔ گدھ بھی آہستہ آہستہ نیچے اترتا چلا آ رہا ہوتا ہے، یہاں تک کہ مالک کے ہاتھ میں واپس آجاتا ہے۔ اسی طرح جن امور فانیہ کی ذات ترقی کو عادت ہوتی ہے۔ اسے عالم حواس کی طرف واپس لے آتے ہیں۔

(مؤلف کہتا ہے) اس قسم کے جو واقعات عارفین سے پیش آتے ہیں اگر ہم ان کا ذکر کرنے لگیں تو اصل مقصد سے نکل جائیں گے۔

حضرت نے فرمایا کہ دل سے بیعت کرنے کا مقصد اللہ کی
دلی سے بیعت کا مقصد طرف رہنمائی، ماسوائے رغبت ہٹا لینا ہے لہذا جب

طالب ولی سے اس بات کا مطالبہ کرے گا تو اسے بہت فائدہ ہوگا، لیکن اگر دنیوی حاجات اور
 اغراض کو چاہے اور رب کے متعلق کوئی سوال ہی نہ کرے اور نہ یہ پوچھے کہ اللہ کی معرفت کیسے حاصل
 ہو تو ولی اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر کسی مصیبت کے نازل ہونے سے بچ جائے
 (توفیق سمجھے) اس کے کئی وجوہ ہیں۔ اول: یہ کہ ولی سے اس کو محبت اللہ کے لیے نہیں ہوتی محض
 اوپر اوپر سے ہوتی ہے اور اوپر اوپر کی محبت واضح خسارہ کی بات ہے۔ ایسے شخص پر نور حق نازل نہیں
 ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہ جب ولی اس کا تعلق ماسوائے دیکھتا ہے تو اسے اللہ سے بے تعلق پاکر اس
 سے نہایت دلانا چاہتا ہے مگر طالب اس کے برعکس یہی چاہتا ہے کہ اس بے تعلق کو بڑھائے۔ ولی
 یہ دیکھ رہا ہوتا ہے کہ اس نے کھجور کو چھوڑ کر انگار کو منہ میں لے لیا ہے۔ کھجور کیا ہے۔ اللہ کی معرفت
 اور اسی کا بولینا اور اس سے بے تعلق اور ماسوائے تعلق، دنیا کی رغبت اور اس کی زیب و زینت
 کی طرف میلان انگار ہے۔ تیسرے یہ ہے کہ جب ولی اس کی بعض حاجات کو پورا کرنے میں اس کی
 موافقت کرتا ہے اور کشف کا غور ہوتا ہے تو بالعموم ایسا ہوتا ہے کہ طالب یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اسی
 کا نام معرفت ہے اور اسی کی لوگوں کو رغبت ہوا کرتی ہے۔ اس کے سوا ان کی کوئی اور غرض نہیں
 ہوتی۔ یہ تمام باتیں گمراہی اور ولی کی ناراضگی کا سبب ہوتی ہیں۔

(مؤلف کہتا ہے کہ) ناراضگی کا ایک طرز یہ ہوتا ہے کہ ولی اپنی ذات میں اسے کوئی معصیت کی بات
 دکھا دیتا ہے یا کسی بات کے متعلق کہہ دیتا ہے کہ یوں ہوگی حالانکہ وہ ہونے والی نہیں ہوتی تاکہ وہ شخص
 اس کے پاس سے چلا جائے۔ واللہ اعلم۔

نیز فرمایا کہ عارفوں کے سماع کی بنا مشاہدہ حق پر ہوتی ہے اور جو بول وہ سنتے ہیں، وہ ان کے لیے
 بمنزلہ ایک کشتی کے ہوتے ہیں جس کے ذریعہ سے وہ مشاہدہ کے سمندر میں گم ہو سکتے ہیں۔ لہذا وہ ان امور پر
 اعتماد کرے اس قسم کا مشاہدہ حاصل کرتے ہیں جس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ
 جس کا مشاہدہ ہوتا ہے وہ ذات حق و قیوم ہے جس کی نہ کوئی مثال اور نہ نظیر اس لیے اس کی ذات ترائی
 کے لیے بجز حادثہ الفاظ کے اور ہے کیا۔ جس کا سہارا کپڑے کے ذات ترائی اسی کی عادی ہے اور اسی
 پر پیدا کی گئی ہے پھر فرمایا: جب ان کا مشاہدہ وسیع ہو جاتا ہے اور وہ کبار اربابانہ میں سے ہو جاتا تو
 ان کا عشق ظاہری صورت میں مجازی عشق کے قریب آ جاتا ہے جس کی وجہ سرور اور طرب ہے جو انہیں

مخلوقات میں حق تعالیٰ کے فعل کے مشابہہ کے وقت حاصل ہوتا ہے چنانچہ جب وہ مشابہہ کرتے ہیں تو ان کی روح کو اس قدر سرور حاصل ہوتا ہے جس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔ بیان تک کہ ایک دل نے بتی کو دیکھا کہ اپنے بچے اپنی گردن کھجا رہی ہے تو دل پر گریہ طاری ہو گیا اور آنسو بہنے لگے اور اس نے بتی کے سامنے سجدہ کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ اس کے سامنے کی زمین تر ہو گئی۔

میں نے عرض کیا: اس میں کیا راز ہے؟

فرمایا: روح نے اس بات کا مشاہدہ کیا کہ حق سبحانہ اس حرکت کے فاعل ہیں۔ اس لیے اس نے اللہ کے سامنے سجدہ کرنا اور ردنا شروع کر دیا اور ذات نے بھی روح کی موافقت کی اور اسی کی طرح تمام حرکات کرتے لگی۔ لوگوں کو تو یہی دکھائی دیتا ہے کہ وہ بتی کو سجدہ کر رہا ہے حالانکہ وہ دل رستے اور سجدہ کرتے وقت سوائے حق سبحانہ کے کسی چیز کا مشاہدہ نہیں کر رہا ہوتا لہذا اس کا ردنا گریہ و زاری اور انکساری حق سبحانہ کے لیے ہی ہوتی ہے۔

نیز فرمایا: کہ یہ کیفیت اولیاء کو حاصل تو ہر وقت ہوتی ہے مگر اتنا فرق ہے کہ ذات جب اپنی عقل سے غائب ہو تو وہ اپنی روح کی موافقت کرتی ہے اور جب عقل سے غائب نہیں ہوتی تو عقل اسے اس سے روکتی ہے تاکہ ظاہر محفوظ رہے۔ چنانچہ تو دل کو دیکھے گا کہ وہ درخت کی ٹہنی کو جھومتے دیکھ کر خود بھی جھومنے لگ جاتا ہے۔ اسی لیے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر مولیٰ تجھ بھی مارے تو وہ ہمارے لیے پھولوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں اس لیے کہ انہیں اللہ عزوجل کے فعل کے مشابہہ سے سرور حاصل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

نیز فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو فتح نصیب فرماتا ہے تو اس وقت جس حالت میں بھی وہ ہوتا ہے، اسی پر قائم رہتا ہے خواہ وہ کسی قسم کی حالت میں ہو۔ اچھی ہو یا بُری۔ مثلاً قصاب وغیرہ کا پیشہ ہو، وہ اسی پر قائم رہے گا اور اس سے منتقل نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اس میں تصنع پایا جاتا ہے اور صاحبِ فتح آدمی کے نزدیک تصنع کرنا شراب پینے اور اسی قسم کے دیگر گناہوں سے بھی بدتر ہے۔

نیز فرمایا کہ شام کے علاقہ میں ریل کے آدمی کو جانتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسے فتح نصیب کی تو اس وقت لوگ اس کی ہنسی اڑا رہے تھے جس طرح کہ فاس میں مُعَیْز و نامی شخص کی اڑاتے ہیں اور فتح کے بعد بھی وہ اسی حالت میں رہا۔

(موت کے بعد بھی وہ اسی حالت میں رہا۔)

ہنسی اڑاتے تھے۔

نیز فرمایا: میں ایک اور شخص کو بتاتا ہوں جسے اللہ نے فتح نصیب کی ہے اور فتح نصیب ہونے سے پہلے وصول بجایا کرتا تھا۔ فتح کے بعد بھی اس نے یہ پیشہ نہیں چھوڑا۔
 (مؤلف لکھتے ہیں کہ) اس باب میں میں نے حضرت سے بہت سے اسرار سنے جن کا کتاب میں درج کرنا مناسب نہیں۔ واللہ اعلم۔



چھٹا باب

شیخ تربیت کا بیان۔ اس میں ضمناً ان شیوخ کا بھی ذکر کیا گیا ہے جنکے حضرت وارث ہوئے۔ تلقین ذکر۔ اسماء حسنیٰ اور حلقہ درویشان

مولف کتاب ہے کہ قصیدہ رائے کے مصنف نے شیخ تربیت کی بحث کی ہے اور حضرت نے ان کے کچھ کلام کی تشریح فرمائی ہے اور چونکہ کتاب کا موضوع حضرت کے کلام کو جمع کرنا ہے اس لیے میں نے چاہا کہ وہ شرح میں لکھ دوں۔ چنانچہ مصنف رائے کتاب ہے۔

۱۔ وَبَشِّرِ بِآيَاتِ اِذْ اَنۡهٰ تَكُنْ لَكَ ۙ سَمَآءُوۡلًا ۙ اِنۡۢيَآلِیَ الصَّوۡۤیۡ کِیۡسَرِی
(ترجمہ: شیخ کی چند علامات ہیں اگر وہ علامات اس میں پائی نہ جائیں تو (سمجھ لو کہ) وہ خواہشات نفسانی میں بکے پھر رہا ہے۔)

حضرت نے فرمایا کہ شیخ تربیت کی علامات واضح ہیں اور وہ یہ ہیں کہ لوگوں کی طرف سے وہ سلیم اللہ ہو اور وہ سمجھا ہو کہ امن محمدؐ میں کوئی بھی اس کا دشمن نہیں ہے۔ سنی جو۔ اگر اس سے کوئی چیز مانگی جائے تو دینے میں بخل نہ کرے اور اگر اس سے کوئی برائی کرے تو یہ اس سے محبت کرے اور مریدوں کی غلطیوں سے متاثر نہ رہے۔ جس میں یہ علامات نہ پائی جائیں، وہ شیخ تربیت نہیں ہو سکتا۔

۲۔ اِذْ اَنۡهٰ یَكُنْ عِلۡمُہٗ بِظَآہِرٍ ۙ وَلَا یَاۡبِطُنَ فَاَضْرِبْ بِہٖ ۙ مُخۡجَ البَحْرِ
(ترجمہ: اگر اسے ظاہری اور باطنی علم نہ ہو تو اسے سند کی موجوں میں پھینک دو۔)

حضرت نے فرمایا: علم ظاہر سے مراد علم فقہ اور علم توحید ہے یعنی اسے ان دونوں کا اس قدر علم ہو جس قدر کہ ایک مکلف کو ہونا چاہیئے اور علم باطن سے مراد معرفت حق ہے۔

۳۔ وَرَأَى كَأَنَّهُ إِتَّهَ عَنِيَرٌ جَامِعٌ يَوْضَعُهُمَا جَمْعًا عَلَى الْكَمَلِ الْأَمْرِ

۴۔ فَأَتَرَبَّ أَحْوَالُ الْعَلِيلِ إِلَى الْمَوْتِ إِذَا تَهَكَّيْنِ مِنْهُ الطَّبِيبُ عَلَى خُبْرٍ

(ترجمہ: اور اگر شیخ کو ملے مگر وہ ان دونوں علموں کا بطریق کمال جامع نہ ہو تو سمجھ لو کہ اس سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا اس لیے کہ) جب طبیب کو مریض کے مرض کا علم نہ ہو تو مریض کی حالت ہلاکت کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔

حضرت نے فرمایا: اگر پیر تو ہو مگر اس میں کمال طور پر علم ظاہر اور علم باطن نہ ہو تو مرید کی حالت اس کے ساتھ ہوتی ہوئے بھی ہلاکت سے زیادہ قریب ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ پیر جو اپنے علم کے ناقص ہونے کی وجہ سے یہ نہیں جانتا کہ مرید کے لیے کونسی بات نقصان دہ ہوگی تو اس بات کا زیادہ احتمال ہے کہ مرید ہلاکت سے زیادہ قریب ہو جائے۔

حضرت منصور قطب فرمایا کرتے تھے جب تجھے پیر کمال کی صحبت نصیب ہو جائے تو تجھے اپنی مرضی کو اس کی مرضی میں فنا کر دینا چاہیے اور تمہاری یہی خواہش ہو کہ ان کی زندگی ہی میں مر جاؤ۔ دوسرے کے ساتھ تندرست رہنا ہی عجیب بات ہے اور تمہارا اصل سبب سے زیادہ عجیب و غریب ہے۔

۵۔ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ إِلَّا الْوَجُودُ أَتَاهَا وَأُظْهِرَ مُشْهُدُ الرِّيَّةِ النَّصْبِ

۶۔ فَأَقْبَلَ أَرْبَابَ الْإِرَادَةِ بَحْوَ بَصِيقِ نَحْلِ الْعُسْرِ فِي حَلْمَةِ الصَّخْرِ

۷۔ وَأَيْتَهُ أَنْ لَا يَمِيلَ إِلَى الْهَوَىٰ وَدُنْيَاهُ فِي طَبْعِي وَآخِرَاهُ فِي نَشْرِ

(ترجمہ: اور جبے صرف اس کے اپنے وجود نے منصب پیری پر کھڑا کر دیا ہو اور تائبی ازدی کے پھیلے ہوئے جھنڈوں نے اسے ظاہر کر دیا ہو جس کی وجہ سے مرید بننے والے اس کے پاس ایسے صدق دل سے آنے جادیں کہ سخت سے سخت تجھ بھی چھٹ جائے اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ خواہشات نفس کی طرف مائل نہ ہو اور دنیا کی بجائے اسے آخرت سے

رغبت ہو)

حضرت نے فرمایا: جس شخص کو کسی پیر نے اجازت دے کر منصب پیری پر کھڑا کر دیا ہو کیونکہ اس کے کمال کو پہنچنے سے پہلے ہی اس کی وفات ہوگئی ہو مگر لوگوں نے اسے لاکھڑا کیا ہو اور اسے اس طرح ظاہر کر دیا ہو جس طرح فتح و نصرت کی جھنڈیاں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مریدوں کے نفوس و خواہشات اور دنیا میں کے خلاف فتح کی جھنڈیاں پھیلا دی ہوں جس کی وجہ سے وہ مرید جنہیں قرب الہی کی خواہش ہوتی ہے ایسی صدق دل سے اس کے پاس آنے لگیں کہ تجھ بھی چھٹ جائیں تو ایسا پیر بھی اللہ کے ہاں مقبول ہوگا نکاح

مطلب یہ ہے کہ جو کتاب ہے کہ اس نے رجال الغیب کے ہاتھوں تکمیل کر لی ہو یا یہ کہ حضرت احمد خضر کے ہاتھوں پر جمع ہوا ہو تو اس کی ظاہری علامت کو دیکھ کر جو کہ اس سے کہیں زیادہ تربیت کرنے میں خواہشات نفسانیہ کی طرف مائل نہ ہو۔ اسے دنیا سے اعراض ہو اور آخرت کی طرف توجہ۔

۸۔ وَإِنْ كَانَ ذَا جُمِعَ لِذَلِكَ طَعَامُهُ مُرِيدًا فَلَا تَصْحَبُهُ يَوْمَاجِنِ الدَّاهِرِ
(ترجمہ:۔۔۔ اسے مرید اگر یہ لوگوں کو اپنے پاس کھانا کھلانے کی غرض سے جمع کرے تو ایک دن بھی اس کی صحبت اختیار نہ کر دے۔)

فرمایا: اگر شیخ تربیت لوگوں کو اپنے پاس کھانا کھلانے کی نیت سے جمع کرے تو تو اس کے پیچھے لگا اور نہ اس کی صحبت اختیار کر۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ لوگوں کو اپنے کھانے پر جمع کرے مگر ان میں

احمد خضرؒ ان کے نام میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ صوفیاء میں ان کی کنیت ابوالعباس اور احمد نام مشہور ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے ایک صحیح حدیث میں ہے کہ ان کو خضر اس لیے لکھا گیا ہے کہ یہ خبر میں پریشانی نہ ہو تو وہ بری بھری ہو گئے اس لیے ان کا نام خضر چڑھا۔ علامہ ابن حجر نے (فتح الباری ج ۶ ص ۴۴ تا ۴۵) ان کے نام اور زمانہ کے متعلق مختلف

اقوال نقل کیے ہیں۔ پھر ان کے نبی یا ولی ہونے کے متعلق علماء کا اختلاف نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اکثر ابن علم کا یہی خیال ہے کہ وہ نبی تھے اور ایک ضعیف حدیث میں خضرؒ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا بھی ذکر ہے۔

صوفیاء کے ہاں ادویاء اللہ کی خضر سے ملاقات کے بہت سے واقعات پائے جاتے ہیں۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مجھے اچھی سند کہ ایک ہی اثر ملی ہے جس کی روایت یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں کی ہے کہ رباح بن

عبیدہ نے ایک شخص کو عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ ماقہ پیلے دیکھا جب عمر واپس آئے تو لوگوں نے پوچھا یہ کون شخص تھا۔ حضرت عمرؓ نے لکھا تو اسے دیکھ لیا ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا تو مجھے نیک آدمی معلوم ہوا ہے

(اس لیے میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ) یہ شخص خضر تھے اس نے مجھے اس بات کی خوش خبری دی ہے کہ میں عنقریب غنیف ہوں گا اور عدل کروں۔ شیخ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابام الکاملہ متوفی ۳۵۰ھ نے ایک رسالہ

الخضر علیہ السلام وحوالہ لکھا ہے (کشف الظنون ج ۱ ص ۴۵) ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن الجوزی متوفی ۵۹۸ھ نے عجائب النظر بشرح حال الخضر لکھی جس میں انھوں نے خضر کے زندہ ہونے کی تردید کی ہے (خفا ج ۲: ۲۰ ص ۲۰۰) اور

کشف الظنون ج ۲: ۲۰ (۱۸۰) نیز امام محمد بن محمد بن الخضر متوفی ۴۹۳ھ نے (روض النفری احوال الخضر لکھی (خفا ج ۲: ۲۰) اور کشف الظنون ج ۲: ۴۴) اس پر کسی میں کو فتنہ آیا تو اس نے اس کے رد میں (الاعتراض فی وضع الاعتراض

لکھی (کشف الظنون ج ۱: ۴۴) شوال (الانوار القدسیہ ج ۱ ص ۴۱) کہتے ہیں خضر زندہ ہیں۔ مرے نہیں۔ شیخ حسن عراقی کی ان سے ملاقات ہوئی۔

فتح کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو لوگوں کا یہ اجتماع محض کھانے کے لیے ہوگا اللہ کے لیے نہیں۔ البتہ اگر وہ لوگوں کو اللہ کی طرف لانے کی غرض سے جمع کرتا ہے اور کھانا بھی کھلاتا ہے تو اس شخص کے پیروں میں کوئی حرج نہیں۔

۹۔ وَلَا تَأْتِيَنَّ عَنْهُ سَبْوٌ ذِي بُصَيْرَةٍ خَلَجِي مِنَ الْآهَوِاِ لَيْسَ بِمُعْتَرٍ
(ترجمہ: شیخ کا اگر پتہ پوچھنا ہو (کہ کہاں لے گا) تو صاحب بصیرت، تعصب سے پاک اور اس شخص کے سوا جو دھوکا نہ کھائے ہوئے ہو کسی اور سے نہ پوچھو)

حضرت نے فرمایا کہ شیخ تربیت کی نسبت صرف اس شخص سے دریافت کرو جس میں تین شرطیں پائی جائیں۔ (اول یہ کہ) صاحب بصیرت ہو (دوسرے یہ کہ) خواہش نفس سے خالی ہو (اور تیسرے یہ کہ) دھوکے میں نہ ہو۔ صاحب بصیرت کی شرط اس لیے لگائی تاکہ پیر سالک محض نہ ہو کہ اسے دلوں کے معاملہ کا پتہ نہیں ہوتا اس لیے اگر اس سے شیخ تربیت کے متعلق دریافت کیا جائے گا تو وہ ایسے شیخ کا پتہ بتائے گا جو اس سے زیادہ مجاہدہ کرنے والا زیادہ اور ادب پڑھنے والا اور جسے ظلمات زیادہ یاد ہوں گے۔ اس لیے کہ اس کے نزدیک یہی سلوک کا انتہائی مقصد ہے اور سالکوں میں فرق کا مدار اوراد کی کمی اور بیشی پر ہے سالک محض پیر بننے کا اہل نہیں ہے اور نہ اس درجہ تک پہنچ سکتا ہے متعصب نہ ہونے کی شرط اس لیے لگائی کہ خواہ وہ صاحب بصیرت ہی کیوں نہ ہو، اگر اس میں کسی شیخ کی طرف میلان پایا جاتا ہے تو اسی کا پتہ دے گا اور دھوکے میں پڑا نہ ہو اس لیے کہا کہ وہ ایسا شخص نہ ہو جسے شیخ تربیت کے اوصاف کا علم ہی نہ ہو لہذا اگر ایسے شخص سے شیخ تربیت کی نسبت پوچھا جائے گا تو وہ مجذوب محض کا پتہ دیگا اس لیے کہ اس کے نزدیک معرفت الہیہ میں قوت اور فنائیت اسی کو حاصل ہے اور درحقیقت مجذوب محض نہ پیر ہونے کا اہل ہے اور نہ اس درجہ تک پہنچ سکتا ہے۔

۱۰۔ نَسْتَصْنِفُ مِرَاةَ قَلْبِهِ ۱۱۔ اَرَّشَهُ بِوَجْهِ الشَّمْسِ مِنْ كَلَفِ الْبَدَنِ

۱۲۔ دَمْنُ لَمْ يَكُنْ يَدْرِي الْغُرُوضُ فَرَسِيًّا يَبْرِي الْقَبْضَ فِي التَّلَاطُلِ مِنَ اتَّجَاعِ الْكَبْرِ

(ترجمہ: جس کی فہم کا آئینہ نگ آلود ہو جائے تو اسے سورج کے چہرہ پر بھی چاندن جیسی چھتیاں دکھائی دیں گی اور جسے علم غرض نہ آتا ہو وہ بحر طویل میں قبض پڑنے سے پانچویں حرف کے گرنے کو

۱۳۔ دسویں شعر کا پہلا مصرعہ وزن سے خارج ہے۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ اسے نوزد کر دیا جائے مگر نہ ہو سکا۔ ۱۲

۱۴۔ قبض پانچویں مکان کو گرنے کو قبض کہتے ہیں۔ جیسے معائن سے پانچواں حرف کی گرا کہ معائن رو گیا اور یہ بحر طویل میں اکثر ہوتا ہے مگر جسے غرض کا علم نہ ہو گا وہ اسے بہت بڑا عیب سمجھ گا۔ ۱۳

بہت ہی قبیح سمجھے گا۔

حضرت نے فرمایا: جس کی فہم کا آمیزہ رنگ آلود ہو جائے تو اسے سورج کے چہرہ پر بھی اسی قسم کی سیاہی دکھائی دے گی جس قسم کی چاند کے چہرہ پر جوتی ہے اس لیے کہ اس کو حقائق بالکل معکوس دکھائی دیں گے۔ ان کی مراد یہ ہے کہ جو شخص اہل بصیرت نہ ہو گا اسے شیخ کامل میں بھی عیب نظر آئیں گے لہذا وہ اس سے دور بھاگے گا اور اسے سالک محض میں کمال دکھائی دے گا۔ اس لیے اس کا ہی پتہ دے گا کہ جو اوزان شعرے ناواقف ہو گا وہ بھی سمجھے گا کہ بحر طویل میں پانچویں حرف کا گرنا بہت ہی قبیح عیب ہے۔ اسی طرح جسے اوصاف شیخ تربیت کے متعلق صونیاہل اصطلاح کا علم نہ ہو وہ شیخ کامل کو بھی مبتدی سمجھے گا اس لیے اس سے بھاگ کر مجذوب کا پتہ دے گا حالانکہ وہ شیخ ہونے کا اہل ہی نہیں ہے (موتلف کتاب ہے کہ) شاعر کا مقصد یہ ہے کہ جب شیخ علم ظاہر اور علم باطن سے ماری ہو یا اگر جانتا ہو مگر ان میں کامل نہ ہو تو اس کی صحبت اختیار کرنے میں کوئی فائدہ نہیں، لیکن اگر ان علوم کو بدرجہ کمال جانتا ہو اور اس میں مذکورہ بالا علامات بھی پائی جاتی ہوں تو وہ شیخ بن سکتا ہے۔ یہ اس صورت میں کہ اس کا پیرائے اپنی زندگی ہی میں اس کام کے لیے اجازت دے جائے، لیکن اگر پیرائے سے پہلے ہی وفات پا جائے اور وہ اپنے پیر کی زندگی ہی میں کامل نہ ہو تو پھر اگر اس پر فتح کی علامات اور لوگوں کو فیض رسانی کے آثار ظاہر ہوں۔ دنیا سے اسے نفرت اور آخرت کی طرف توجہ ہو اور اس کے ہاتھوں مریدوں کو بھی فتح نصیب ہو تو یہ شخص بھی شیخ بن سکتا ہے ورنہ اگر اس کے کھانے پر محض لوگوں کا اجتماع ہوتا ہو تو اس قسم کے شخص سے واقفیت سے کوئی فائدہ نہیں۔ اگر کوئی شخص شیخ تربیت کے متعلق دریافت کرنا چاہے تو اسے صرف انہی لوگوں سے دریافت کرنا چاہیے جن میں مذکورہ بالا تین صفات موجود ہوں۔ اس لیے کہ دوسرا شخص الٹا نات یاتے گا۔

اس کے بن مصنف قصیدہ ان آداب کا ذکر کرتا ہے جن کا مرید کو پیر کی صحبت میں خیال رکھنا

چاہیے۔

۱۱۔ وَلَا تَقْدُ مِنْ تَبَلٍ اِمْتِدَادِكَ اَنْتَ مُرَبٌّ وَلَا اَوَّلِي بِمَا مِنْهُ فِي الْعَصْرِ
نَابٌ وَتَبِيبٌ اِلَّا لَيْتَ فَاَتَ بَعِيْرٌ يَقُوْلُ لِمَحْبُوْبٍ اِسْرَآئِيَّةٍ لَا تَسْرُ

ترجمہ: جب تک تمہارا یہ اعتقاد نہ ہو کہ پیر مرہب ہے اور یہ کہ نماز بھر میں اس سے بہتر تربیت کرنے والا موجود نہیں۔ اس وقت تک تو پیر کی طرف قدم نہ بڑھاؤ کہ جب پیر اور لوگوں کی طرف مرید کی توجہ دیکھتا ہے تو اس شخص کو جس کا ارادہ طریقت پر اپنانا اسے محبوب ہوتا ہے۔ اسے

بھی وہی کہہ دیتا ہے کہ نہ پیل)

حضرت نے فرمایا: شیخ کی صحبت میں آنے کی غرض سے اس وقت تک آگے نہ بڑھ جب تک تیرا عقیدہ نہ ہو کہ وہ تربیت کرنے کا اہل ہے اور اس زمانہ میں اس سے بہتر تربیت کرنے والا نہیں پایا جاتا۔ اس لیے کہ اگر شیخ کو معلوم ہو جاتے کہ مرید کی توجہ کسی اور کی طرف ہے تو وہ مادہ کو اس سے منقطع کر لیتا ہے اور وہ مرید جو شیخ کی صحبت میں داخل ہونے کے بعد بھی یہ خیال رکھے کہ دنیا میں کوئی ایسا اور پیر موجود ہے جو اس کے پیر سے زیادہ کامل ہے تو اس کی نگاہ اسی کی طرف لگی رہے گی جس کو وہ زیادہ کامل سمجھتا ہے لہذا اس کا پیر مادہ کو اس سے منقطع کر دے گا۔ اس طرح مرید نہ پہلے سے فیض یاب ہو سکے گا، نہ دوسرے سے۔ فرمایا: ہم نے اپنے زمانہ میں اکثر ایسا ہوتے دیکھا ہے۔ خدا ہمارا والی اور مددگار ہو۔

۱۴۔ وَ مِنْ بَعْدِهِ الشَّيْخُ الْإِسْخَانِيُّ هُوَ قَدْ دَوَّ "يَلْقَى مَرَادًا لِحَقِّ فِي السِّرِّ وَالْجَهْرِ" (ترجمہ: اس کے بعد وہ شیخ آتا ہے جو پیشوا ہے اور ظاہر اور باطن میں مراد حق کی تائید کرتا ہے)

حضرت نے فرمایا: مقام تربیت حاصل کرنے کے بعد ایسے شیخ کی تلاش کر جو مرید ہو اس لیے کہ وہ طریق احوال میں نفس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوگا اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ ظاہر اور باطن میں بندے کو مراد حق بتائے گا۔ پھر فرمایا: ایسے شخص کا ہونا ضروری ہے جو تجھے شیخ کا پتہ دے گا اور تجھے بتائے گا کہ تو شیخ سے کس طرح ملے اور کس طرح اس کے پاس بیٹھے اور اگر وہ ایسا نہ ہوگا تو جان لو کہ تو ایسا مرید نہیں جس کے لیے کوئی طبیب نہیں خواہ تو جو چاہے کرے۔

۱۵۔ فَكُنْ وَاجْتَنِبْ مَا ذَمُّهُ الْإِسْلَامُ وَاجْتَنِبْ لِمَا خَصَّ بِهِ الْمَدْحُ فَهُوَ حَقُّ الدُّنَا (ترجمہ: پس اٹھو اور ان امور سے پرہیز کرو جن کی مذمت کرے اور جس کی علم مدح کرے اے طلب کردہ کیونکہ یہی پسنے کے قابل موقی ہے۔)

فرمایا: جب تجھے اللہ تعالیٰ ایسا شیخ عطا کر دے جو تمہاری تربیت کرے تو اس کی خدمت کے لیے اٹھ کھڑا ہو اور اس کی صحبت کا حق پہچان اور اسے اللہ کی معرفت حاصل کرنے کا وسیلہ بنا ہو سکتا ہے کہ تو بھی معرفت الہی حاصل کرے لیکن اس کے ساتھ ساتھ جن افعال مذمومہ کو شرع میسب قرار دے انہیں چھوڑ دے اور جن کی شہادت نے تعریف کی انہیں حاصل کر اور یہی معنی موقی پسنے کا ہے۔ مطلب یہ کہ شرعاً مذموم امور سے پرہیز کرنے اور ممدوح امور کو حاصل کرنے کا نام تقویٰ ہے اور اسی پر تمہارے تمام احوال و مقامات کی بنیاد رکھی جاتے گی۔

۱۶- وَابْنُ تَسْوِیْمٍ وَابْنُ تَسْوِیْمٍ نَفْسُكَ نَاطِرُ عَ مَوَاهِدَ جَانِبُهُ مُجَانِبَةُ الشَّرِّ

(ترجمہ: اگر فخر کی طرف تمہارا نفس اٹھے تو نفس کی خواہشات کو پھینک دے اور ان سے اس طرح پرہیز کر جس طرح شر سے پرہیز کیا جاتا ہے۔)

فرمایا: اگر تمہاری ہمت طہریتی فقر یعنی تصوف کی طرف بلند ہو تو ان عبادات اور قربت کے امور کو جنہیں نفس نے شیخ کے حکم کے بغیر اختیار کر رکھا ہے ترک کر دے اور اس بارے میں ہوائے نفس سے اس طرح دور رہ جس طرح شر سے رہا جاتا ہے (کیونکہ نفس تو اسے بظاہر عبادت سمجھتا ہے اور چھوڑنا نہیں چاہتا مگر چونکہ یہ شیخ کے حکم کے بغیر کی گئی ہے اس لیے اسے چھوڑ دینا چاہیے) مقصد یہ ہے کہ مرید کی فلاح انہی اعمال میں ہے جنہیں شیخ کرنے کو کہے نہ کہ ان امور میں جنہیں وہ خود اپنے لیے اختیار کر لے اور اگر اختیار کر لے گا تو تباہ ہو جائے گا۔

(مؤلف کتاب کہتا ہے) اگلی ایک مرید اسی وجہ سے تباہ ہو گئے۔ کیونکہ مرید نور بصیرت حاصل ہونے سے پہلے اگر خود بخود نوافل پڑھنے اور روزے رکھنے لگ جائے تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ شہرت اور دیا کی خاطر کیا گیا ہوتا ہے تو یہ عمل ماسوا کے لیے ہو جاتا ہے لیکن اگر مرید کو شیخ مرتب مل جائے تو وہ پہچان جاتا ہے کہ یہی اس کا مرض ہے اس لیے وہ ان امور سے اسے ہٹانا چاہتا ہے اگر مرید مان جائے اور اللہ کی عنایت بھی شامل حال ہو تو پیر وہ اعمال کرنے کو کہتا ہے جو اس کے مناسب ہوتے ہیں اور اسی کی ایسی حالت کر دیتا ہے جو اللہ کے ہاں پسندیدہ ہو، لیکن اگر مرید نہ مانے اور کہے دیکھو ہم تو شیخ کے پاس اس لیے آئے تھے کہ ہمیں شیخ اور عبادت کرنے کو کہیں گے اور یہ لگے کرنے لگی اور اس کی نیت شیخ مرتب کے متعلق ناسا ہو جاتی ہے یہ وہ شخص ہے جس پر شیطان کا قبضہ ہو چکا ہوتا ہے اور دیا کی بیماری اس میں جڑ پکڑ چکی ہوتی ہے۔ نَسْأَلُ اللہَ السَّلاَمَ وَالْعَافِیَةَ بِسْمَتِهِ وَكُورِہِ الْجَمْعِیْنَ۔

میاں ہم صحابہ رضوان اللہ علیہم کی ایک جماعت کا قلعہ نقل کرتے ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت اشعب بیداری اور روزوں کے متعلق ازواج مطہرات سے دریافت کیا۔ انہوں نے آنحضرت کی عبادت کا ذکر کیا تو انہوں نے اسے بہت کم خیال کیا اور کہنے لگے ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسے نبی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے چھپلے تمام گناہ معاف کر دیے ہیں۔ پھر ایک نے کہا کہ میں تو ہمیشہ روزے رکھا کروں گا اور دوسرے نے کہا کہ میں تو رات بھر عبادت کرتا رہوں گا اور ہرگز نہ سوؤں گا اور تیسرے نے کہا میں رات کے پاس خوابوں لگاؤں گا ان کے بمانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو حضرت عائشہؓ نے بتلادیا جو کچھ ان تینوں نے کہا تھا۔ اس پر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا اور فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں۔ زیادہ پرہیزگار ہوں اور تم سے زیادہ اللہ کو جانتا ہوں۔ میں روزِ درگھٹا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ شبِ بیداری بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورت کے پاس بھی جاتا ہوں۔ لہذا جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور یہ آیت نازل ہوئی: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْتَوُوا طَبِيبَاتٍ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ** (مسلمانو! اللہ نے جو پاک چیزیں تمہارے لیے حلال قرار دی ہیں، انہیں حرام نہ بناؤ اور نہ ہی حد سے تجاوز کرو کیونکہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ سورۃ مائدہ آیت: ۸۷)

راویوں میں اختلاف ہے کہ یہ لوگ کون تھے۔ بعض نے حضرت عثمان بن مظعون، عبداللہ بن مسعود اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کو بتایا ہے۔ بعض نے سعد بن ابی وقاص کو ان میں شمار کیا ہے۔ بعض نے علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن عمرو بن العاص کو اور بعض نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم کو۔ خدا تجھے توفیق دے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نوازل زیادہ پڑھنے میں ہوائے نفس سے ہٹا کر کیسے اس عمل پر لوٹا دیا جو اللہ کے ہاں محبوب ہے اور متوسط طریقہ کو ان کے لیے کیسے اختیار کیا شیوخ اپنے توفیق یافتہ مریدوں کے ساتھ جو کچھ کیا کرتے ہیں یہ اس کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اور ان کے متعلق ہم بحث نہیں کر رہے۔

عثمان بن مظعون، مشہور صحابی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں میں یہ چودھویں ایمان لانے والے تھے۔ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مدینہ کی طرف۔ انھوں نے جاہلیت میں ہی اپنے اوپر شرابِ حرام کر رکھی تھی۔ ہجرت کے بعد مسلمانوں میں یہ پہلے شخص ہیں جو فوت ہوئے اسی وقت ہجرت کو اڑھائی سال گزر چکے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کے بعد ان کے چہرہ کو کوبہ دیا۔ ۱۷

عبداللہ بن مسعود: ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارتقم کے گھر نہیں گئے تھے کہ یہ ایمان لائے۔ بعض کا خیال ہے کہ ایمان لانے والوں میں یہ چھٹے تھے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص صحابہ میں سے تھے۔ حضرت کی تعلیم، مہیاک اور روزِ کپانی کا انتظام انہی کے سپرد تھا۔ ۱۸

سعد بن ابی وقاص: ابوالحسن سعد بن ابی وقاص مشہور صحابی ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ پہلے شمس میں جنہوں نے اللہ کی راہ میں شہید ہو کر جلائی۔ اصحابِ شہداء کے چھ آدمیوں میں سے تھے نیز ان چھ میں سے ہیں جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک راضی رہے۔ ان کی دعا مقبول ہوئی تھی۔ دینے سے قبل کے فائدہ پر عقیقہ میں تراوی برسی کی عیسوی ۶۳۵ء بمطابق ۱۱ھ میں وفات پائی۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص: ان کا ذکر پہلے آچکا ہے

میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایک شیخ کے پاس بغرض بیعت آیا۔ یہ شخص بہت ہی عبادت کیا کرتا تھا، یہاں تک کہ ایک رات میں ایک قرآن ختم کیا کرتا اور دن میں کئی بار دلائل الخیرات کا ورد کرتا اور ہمیشہ روزے رکھتا چنانچہ اس کا رنگ زرد پڑ گیا اور اس کی حالت مردوں کی سی ہو گئی۔ شیخ نے اسے آہستہ آہستہ نیچے اتارنا اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ وہ اسے اقبال پر لے آئے اس کے بعد حضرت نے اسے ایک دن کہا اسے تجھے اللہ نے کس قدر تمکانات سے آرام و راحت بخشا ہے، مرید کہنے لگا حضرت اللہ آپ کو جزاء خیر دے۔ ہمارے اعمال تو معصیہ ریا کی غرض سے تھے اور ہم غیر اللہ کے لیے عبادت کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے اس سے راحت بخش دی۔

ایک مرتبہ مجھ سے حضرت نے کہا: اگر کوئی انسان نوافل نہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس پر آخرت میں گرفت نہ کرے گا، لیکن اگر اس نیت سے نوافل پڑھے کہ لوگ اسے دیکھ کر اس کی تعریف کریں تو اس پر اسے قیامت میں سزا ملے گی کیونکہ ریا معصیت ہے۔

نیز فرمایا: جو شخص اللہ سے محبوب ہوتا ہے وہ ریا اور شہرت طلبی سے خالی نہیں ہوتا۔ البتہ اگر ہر لحاظ سے یہ نظر آ رہا ہو کہ اس کے تمام افعال کا خالق اللہ ہے اور یہ تصور ہر کام کے کرتے وقت اس کی آنکھوں کے سامنے ہو اور پھر کوئی حرج نہیں لیکن جو منی کہ یہ صورت آنکھوں سے غائب ہوتی ہے خواہ ایک لمحہ کے لیے کیوں نہ ہو تو وہ ریا اور شہرت طلبی اور غرور میں مبتلا ہو جائے گا۔

۱۷۔ وَصَّعَهَا بِحَبْرٍ الشَّيْخِ طِفْلاً فَصَالَهَا حُرُودٌ يَبْلَا نَظِيمٍ عَنِ النَّجْوَى وَالْحَبْرِ
(ترجمہ: اس نفس کو شیخ کی گود میں بچہ کی طرح رکھ دے لہذا یہ نفس شیخ کی گود اور رک ٹوک سے دودھ چھڑانے کے بغیر نہیں نکل سکتا۔)

حضرت نے فرمایا: اپنے نفس کو شیخ کی گود میں رکھ تاکہ وہ اس کی اس طرح تربیت کرے جس طرح بچہ اپنی ماں کی گود میں تربیت پاتا ہے چنانچہ جس طرح بچہ چھڑانے سے پلے ماں کی گود سے نہیں نکلتا اسی طرح شیخ بھی اس کی تربیت مکمل ہونے سے پہلے اسے اپنی گود اور رک ٹوک سے الگ نہیں کرے گا یعنی شیخ ایک طرف تو اس کی پرورش کرے گا اور دوسری طرف اسے نامناسب کاموں سے روکے گا۔

۱۸۔ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ سَلْبُ الْإِرَادَةِ وَصَفَهُ فَلَا يَطْمَعُنْ فِي شَيْءٍ وَانْحَاةُ الْفَقْرِ
(ترجمہ: جس مرید میں سلب ارادہ کا وصف نہ پایا جائے اسے فقر کی بوسٹو گھنے کی امید نہ رکھنی چاہیے۔)

حضرت نے فرمایا: جو مرید اپنے شیخ کے سامنے اس طرح رہے کہ اس نے اپنے ارادہ کو سلب کر دیا، تو اسے فقر کی بوسونگھنے کی خواہش رکھنی چاہیے۔

۱۹۔ هَذَا اِنْ كَانَ الْعَزِيزُ وَجُودًا وَلَكِنَّهُ فِي الْعَزْمِ خَالٍ مِنَ الْعُسْرِ

ترجمہ: اگرچہ یہ وصف کیاب ہے، لیکن پختہ ارادہ کے ہوتے ہوئے یہ کوئی مشکل بات نہیں ہوتی۔

فرمایا: فقر کی بوسونگھنے کی شرط یہ ہے کہ مرید مصلوب الارادہ جو ارادہ یہ وصف بہت کم پایا جاتا ہے، لیکن اگر کوئی اس پر عزم کرے تو پھر مشکل نہیں ہوتا۔

۲۰۔ وَلَا تَعْتَزُّ يَوْمًا عَلَيْهِ فَإِنَّهُ كَفِيلٌ بِتَشْتِيتِ الْعَرِيدِ عَلَى جَعْفَرٍ

(ترجمہ: اپنے شیخ پر کبھی بھی اعتراف نہ کر کیونکہ یہ مرید کی پریشانی کے علاوہ ہر سے جہاد کا سبب بنتا ہے)

حضرت نے فرمایا: کو اپنے شیخ پر ہرگز اعتراف نہ کرنا کیونکہ شیخ پر اعتراف مرید کو اپنے رب سے الگ ہونے کے علاوہ ہر سے بجا جدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔

مؤلف لکھتا ہے کہ یہاں تک تو حضرت کے اپنے دست مبارک سے لکھی ہوئی تشریح نقل کی ہے میری خواہش تھی کہ تمام کا تمام قصیدہ حضرت سے پڑھتا کہ حضرت کی عادت کے مطابق ہم ان سے اسرار و معانی ربانہ حاصل کرتے۔ بقید اشعار کی شرح حضرت نے نہیں فرمائی۔ پہلے خیال آیا کہ بغیر شرح کے ان لکھ دوں مگر پھر خیال کیا کہ شرح کو زیادہ طول دینے کے بغیر اس کی شرح کر دوں۔

۲۱۔ وَهَنْ يَعْزُوبُ وَالْبَعْلُ عَنْهُ بَعْدَ الْعَزْلِ يَرَى النِّقْصَ فِي عَيْنِ الْكَسَالِ وَلَا يَدْرِي

(ترجمہ: اور جو شخص باوجود اس کے کہ اسے کوئی مرید کو نہیں شیخ پر اعتراف کرتا ہے وہ کمال کو ناقص سمجھتا ہے حالانکہ وہ خود کچھ نہیں جانتا)

یعنی جو شخص اپنے شیخ یا کسی اور اہل طریقت پر اعتراف کرے گا، حالانکہ وہ خود جاہل ہے تو وہ کمال کو ناقص سمجھے گا اور معاملات کو نہ سمجھتے ہوئے الٹ دیکھا۔ اس شعر کا مضمون دراصل شیخ شہاب الدین

۱۔ شیخ شہاب الدین صہروردی :- شہاب الدین ابو حفص عمر صہروردی مشہور صوفی ہوتے ہیں، جن کی طرف صہروردی فرقہ

موسمیت ہے یا ابو النجیب عبدالقادر صہروردی جن کی وفات ۷۵۰ھ میں ہوئی۔ کے مرید تھے، ان کی بہت سی

تصانیف ہیں جن میں سے عوارف المعارف زیادہ مشہور ہے یہاں پر اسی کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے یا دوسرے کہ

(بقیہ ماضیہ اگلے صفحہ پر)

سروردی کی کتاب عوارف المعارف سے لیا گیا ہے جہاں وہ فرماتے ہیں کہ جب مرید کو شیخ کی کوئی حالت سمجھ میں نہ آئے تو موسیٰ علیہ السلام اور خضرؑ کے قصہ کو یاد کرے کہ خضرؑ کس طرح کوئی کام کرتے تھے اور موسیٰ اس پر اعتراض کرتے تھے اور جب خضرؑ اس کا راز بتا دیتے تھے تو موسیٰ علیہ السلام اپنے اعتراض کو واپس لے لیتے تھے۔ ان امور کی حقیقت کو جو شیخ سے سرزد ہوتے ہیں انہ جانتے ہوئے مرید جب اعتراض کرتا ہے تو بیکے علم و حکمت کی زبان اس کا عذر پیش کر دیتی ہے۔ یہ راۓ نظم عوارف کا اختصار ہے چنانچہ عوارف راۓ کی اصل ہے۔

شیخ کی باتوں پر اعتراض
نہیں کرنا چاہیے

ابوالحسن شمسؒ فرماتے ہیں مشائخ کی باتوں پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ وہ جو تصرف کرتے ہیں وہ بصیرت اور اللہ کے حکم سے کرتے ہیں اور وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو عالم حجاب کے تحت میں آسکیں اور جو عالم ملکوت کی طرف نگاہ رکھتے ہیں اور ان کی عقلیں صرف ظاہر پر فریفتہ ہوتی ہیں بلکہ وہ تو ان میں سے ہوتے ہوئے بھی ان سے الگ ہوتے ہیں۔ حرکات، سکناات، اجسام، اقوال، زبان اور جو حرف وہ بولتے ہیں وہ ان تمام امور میں عام لوگوں کے ہم جنس ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ایک اور لحاظ سے بھی ان سے محبوب ہوتے ہیں اس لیے ان لوگوں کے سوا جو انہی میں سے ہوتے ہیں کوئی شخص ان کی حالت کو معلوم نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم۔

۷۷۔ وَمَنْ لَمْ يُؤَافِقْ شَيْخَهُ فِي اعْتِقَادِهِ يَظُلُّ مِنَ الْاِنْكَارِ فِي لَهَبِ الْجَمْرِ
(ترجمہ: جو شخص اپنے اعتقاد میں اپنے شیخ کی موافقت نہ کرے گا تو اپنے انکار کی وجہ سے وہ انگاروں کے شعلوں میں جھلے گا)

مطلب یہ ہے کہ شیخ جو کام کرتا ہے سہرست کرتا ہے لہذا مرید کو بھی یہی اعتقاد رکھنا چاہیے لہذا اگر مرید کا یہی اعتقاد ہو گا تو ناغہ اٹھائے گا، لیکن اگر اپنے شیخ کے اعتقاد کی مخالفت کرے گا اور بغتہ شدہ ہو گا کہ شیخ نے فلاں کام کرنے میں غلطی کی تو شیخ اسے اپنے سے جدا کر دینا اور یہ جدا ان کے لیے انگاروں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

ابو حفص شہاب الدین سروردی ایک اور بزرگ بھی ہوتے ہیں وہ بھی موسیٰ تھے اور ان کی بھی بہت سی تصانیف ہیں۔ انہیں ۵۵۶ھ و ۵۵۷ھ میں قتل کر دیا گیا تھا اس لیے انہیں مقتول کے نام سے پکارا جاتا ہے مگر یہاں سروردی سے مراد حضرت عوارف المعارف ہے جن کی وفات ۶۳۶ھ و ۶۳۷ھ میں ہوئی۔

ابوالحسن شمسؒ: ان کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

کی طرح ہوگی۔

محمد الدین بن العربی فرماتے ہیں کہ مرید بننے کی ایک شرط یہ ہے کہ اس کا یہ عقیدہ ہو کہ شیخ اپنے رب کی شریعت اور ہدایت پر چل رہا ہے اور وہ شیخ کے احوال کو اپنے ترازو میں نہ تولے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شیخ سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوتا ہے جو بظاہر مذموم ہوتا ہے مگر درحقیقت محمود ہوتا ہے اس لیے مرید کے لیے تسلیم و رضا ہی ضروری ہے کئی ایک شیخ ہم نے دیکھے جن کے ہاتھ میں شراب تھی جسے انھوں نے منہ کی طرف اٹھایا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے شدید بدل دیا اور دیکھنے والوں کو یہی خیال ہوتا ہے کہ اس نے شراب پی ہے حالانکہ اس نے شدید پیا ہوتا ہے۔ اسی قسم کے بہت سے واقعات ہیں۔ ہم نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے جو اپنی روحانیت کو ایک صورت میں پاتے ہیں اور وہ اسی صورت میں اسے ایک کام پر لگاتے ہیں۔ حاضرین اسے وہ کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے خود فلاں شیخ کو فلاں کام کرتے ہوئے دیکھا ہے حالانکہ ان کا اس کام میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ابو عبد اللہ المصلیٰ جو قاضی ابان کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا یہی حال تھا اور ہم نے خود یہ بات کئی ایک لوگوں میں مشاہدہ کی ہے۔

۱۔ محمد الدین العربی: محمد بن علی بن عبد اللہ مُرْسَبِی میں ۵۶۰ھ ۱۱۶۵ھ میں پیدا ہوئے ۶۹۹ھ ۱۱۷۳ھ ۱۱۷۳ھ ۱۱۷۳ھ وہ اشبیلیہ میں رہے مگر پھر انھوں نے مصر شام اور حجاز کا طویل سفر کیا اور بالآخر دمشق میں رہائش اختیار کر لی۔ اس کی وفات دمشق میں ۶۳۸ھ ۱۲۴۰ھ میں ہوئی۔ امام شرف الدین نے ان کے حالات کے لیے ایک الگ کتاب لکھی ہے جس کا نام تنبیہ الاغیاء علی قَطْرَةٍ مِنْ بَحْرِ عُلُومِ الْأَوْیَاءِ ہے۔

۲۔ ابو عبد اللہ قاضی ابان: شیخ ابو عبد اللہ عبدالقادر بن محمد المصلیٰ المعروف بہ قاضی ابان ۱۰۳۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ انھوں نے اسما۔ اللہ الحسنی کی شرح کی ہے۔ عبد اللہ نے ۱۶۶ھ ۱۷۸۳ھ میں وفات پائی۔ اس نے مدح نبی میں ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے۔

اعلا بنشر من مہذب زرود اُحْیٰی قِوَادِ الْعَاشِقِ الْمُنْجُوْدِ

اس قصیدہ کی شرح شیخ عثمان الکلبی بن عبد اللہ نے کی جو مدینہ میں آباد ہو گئے تھے خود قاضی ابان نے حدیث اور معین کی بھی شرح کی ہے جس کا نام کوکب الفہرہ لکھا ہے رکشت الفنون: ۱: ۲۶۲) قاضی ابان نے ۱۱۹۹ھ میں کوکب الفہرہ کی شرح الا حادیث الفہرہ لکھی رکشت الفنون: ۲: ۱۶۹) مقاصد القضاۃ البانیہ بھی انہی کی تالیف ہے رکشت الفنون: ۲: ۱۳۱)

۲۲۔ فَذَا الْعَقْلُ لَا يُدْرِي سِوَاهُ وَارِنَ نَائِي عَنِ الْحَقِّ نَائِي اللَّيْلِ عَنْ وَاضِحِ الْفَجْرِ

ترجمہ: عقلمند مرید اپنے شیخ کے سوا کسی پر راضی نہ ہوگا خواہ شیخ بظاہر حق سے اتنا ہی دور کیوں نہ ہو جائے جتنی کہ تاریک رات روز روشن سے

یعنی جس شخص کی عقل سلیم اور طبع مستقیم ہوگی، اپنے شیخ کے سوا کسی اور سے خوش نہ ہوگا اور وہ اسی کے ساتھ رہے گا خواہ وہ حق سے بظاہر اس قدر دور کیوں نہ ہو جائے جس قدر رات اور دن کا بعد ہے۔ چنانچہ وہ دل میں کہے گا کہ ہو سکتا ہے کہ اس کی کوئی وجہ ہو جس کی اطلاع حضرت مجھے دے دیں گے۔

میں نے حضرت سے سنا کہ جب مرید کو شیخ کی کسی ایسے فعل کی اطلاع ہو جو اس سے سرزد ہوا ہو اور وہ فعل بظاہر شریعت کے مخالف ہو، لیکن وہ اپنے شیخ کے متعلق حسن ظن رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ جب اسے فتح نصیب کرے گا تو ان کے اسرار بھی بتا دے گا۔

۲۳۔ وَلَا تَعْرِفْنِي حَضْرَةَ الشَّيْخِ عَزِيدًا وَلَا تَمْلَأْنِي عَيْنًا مِنَ النَّظَرِ الشَّرِبِ

ترجمہ: شیخ کے آستانہ پر آکھنی اور سے جان پہچان نہ رکھ اور نہ ہی اپنے شیخ کی طرف ترجیحی نگاہ سے دیکھ

اس قسم کے ادب کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مرید کو شیخ کے ساتھ استغراق حاصل ہو جائے گا اور مرید اسی کا ہونے کا اور شیخ کے اسرار حاصل کرنے کے لیے وہ اپنی ذات سے غائب ہو جائے گا لہذا اس کے ادب بجالانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ کے ہاں بھی اسے اس کا اچھا پھل ملے گا۔

یاد رکھیں کہ اس قسم کا ادب مرید اسی وقت کر سکتا ہے جب کہ شیخ کی طرف سے بھی باطنی کشش پائی جائے کیونکہ جب شیخ کی محبت کی شعاعیں مرید پر پڑتی ہیں تو اسے گھیر کر شیخ کی طرف لے آتی ہیں اور اسے ہر ایسی بات سے بچا لیتی ہیں جس سے قطع تعلق پیدا ہو جائے۔ لہذا جب یہ قائم رہیں گی، اتصال بھی قائم رہے گا اور اگر منقطع ہو گئیں تو تعلق بھی منقطع ہو جائے گا۔

ایک شیخ کا ایک مرید تھا۔ جو ہر وقت ان کے ساتھ رہتا تھا۔ پانچوں نمازیں ان کے ساتھ پڑھتا تھا اور کسی وقت بھی غائب نہ ہوتا تھا مگر ساتھ ہی اس کا خیال یہ تھا کہ یہ اس کی اپنی محبت کی وجہ سے ہے جو اسے شیخ سے ہے نہ کہ شیخ کی اس سے محبت کی وجہ سے۔ چنانچہ ایک مرتبہ شیخ نے کہا: کیا تجھے مجھ سے محبت ہے؟ مرید نے جواب دیا: حضرت میری محبت کی وجہ سے ہی تو یہ اتصال ہوا ہے۔ شیخ نے فرمایا: تجھے معلوم ہو جائے گا۔ اس دن سے وہ شیخ کے پاس نہ جاسکا، یہاں تک کہ پورا ایک سال گزر گیا اور شیخ کی

حضرت میں رہتا تو درکنار وہ ان کو دیکھ بھی نہ سکا۔ تاکہ شیخ نے اسے معاف کر دیا۔

ایک پیر نے اپنے مریدوں سے کہا: کیا تم کو مجھ سے محبت ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: حضرت آپ سے بڑھ کر ہمیں کون عزیز ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا: کیا میں تم سے محبت کرتا ہوں؟ مریدوں نے جواب دیا: ہمیں معلوم نہیں، فرمایا: تم نے کوئی کام کی بات نہیں کی۔ پہلے تو مجھے ہی تم سے محبت ہوتی اور جب اس کے انوار کی روشنی تم پر پڑی تو تمہیں بھی مجھ سے محبت ہو گئی۔

حضرت عبدالعزیز دہلوی نے جب سے آپ کو دیکھا ہے، ان کے دل اور دلوں سے جان پہچان کرنے اور ان کی زیارت کرنے سے ٹھنڈے پڑ گئے اور بعض تو ایسا محسوس کرتے ہیں کہ انہیں اور ان کے پاس جانا منع ہے۔

ایک شخص نے بیان کیا کہ وہ حضرت کی زیارت کے لیے آ رہا تھا کہ راستہ میں کچھ لوگ اسے مل گئے اور اسے دلِ صالح حضرت قاسم ابو عمریہ جو ایک مشہور ولی گزرے ہیں کے مزار کی زیارت کے لیے جانے کو کہا، میں حیا کے سبب انہیں انکار نہ کر سکا اور ان کے ساتھ ہوا حالانکہ مجھے وہاں جانے کی خواہش نہ تھی، لیکن جب مزار پر پہنچا تو بیٹھ میں درود ہونے لگا اور رات بھر توتا رہا یہاں تک کہ میں زیارت بھی نہ کر سکا۔ جب دن کے وقت وہاں سے باہر آتے تو درود جاتا رہا گویا کبھی تھا ہی نہیں۔ اسی شخص نے بتایا کہ مجھ سے بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا، تو میں سمجھ گیا کہ یہ حضرت کی طرف سے توجہ کی وجہ سے ہے۔

(مؤلف لکھتا ہے کہ) حضرت کی عادت تھی کہ جب آپ کے مرید آپ کے پاس آتے تو جو کچھ بھی ان سے راستہ میں پیش آیا ہوتا تھا ان سے بیان کر دیتے یہاں تک وہ باتیں بھی بیان فرما دیتے جو ان کی آپس میں ہوتی ہوتیں اور جو کچھ ان کے دل میں ہوتا وہ بھی کہہ دیتے۔ ایک شخص سے تو اس سے بھی زیادہ عجیب واقعہ پیش آیا اس طرح کہ حضرت کے پاس آنے سے تقریباً سات سال پہلے سے اسے یوں محسوس ہوا کہ اُسے صالحین کی زیارت سے روک دیا گیا ہے۔ اس سے وہ بڑا مایوس ہو گیا اور سمجھنے لگا کہ یہ بد بختی اور شقاوتِ قلبی کی علامت ہے چنانچہ وہ ایک شخص کے پاس گیا جسے وہ ایک سال کرتا تھا اور عرض کیا کہ صالحین کی زیارت مجھے بوجھل معلوم ہوتی ہے۔ اس شخص نے جواب دیا بلکہ تو انہیں بوجھل معلوم ہوتا ہے۔ یہ جواب سن کر وہ اور بھی مایوس ہوا پھر ایک اور نیک آدمی سے پاس گیا اور اپنی اس حالت کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے جواب دیا: کبھی وہ روح بارگاہِ خداوندی میں نہیں ہوتی تو اس وقت قبریں موجود ہوتی ہیں، ہو سکتا ہے کہ جب تو مزار پر جاتا ہو اس وقت اس کی روح بارگاہِ ایزدی میں ہوتی ہو اور قبر میں نہ ہوتی ہو جس کی وجہ سے تجھے اُس حاصل نہ ہوتا ہو اور وحشت سی ہو جاتی ہو، یہ کلام سن کر اسے قدرے تسلی ہوئی مگر پھر بھی کہنے لگا کہ جب بھی

زیارت کے لیے آؤں دل تبر میں نہ ہو تو یہ بھی تو ایک قسم کی بدبختی ہے، لیکن جب وہ حضرت کی خدمت میں آیا تو سب سے اہم و ضروری سوال اس نے یہی کیا کہ حضرت صالحین کی زیارت مجھے بوجہ معلوم ہوتی ہے۔ میں نے فلاں بزرگ سے بھی اس کی شریکیت کی اور انھوں نے یہ جواب دیا۔ پھر فلاں سے شکایت کی تو انھوں نے یوں کہا۔ اب آپ کیا فرماتے ہیں؟ حضرت نے ایک دکان میں گلاب کا پھول کھلتا ہوا دیکھ کر فرمایا: اگر یہ دکاندار ہر ایک کو اس پھول کو کپڑے دے اور ہاتھ لگانے دے تو یہ کھلا کر خشک ہو جائے لہذا مانا سب یہی ہے کہ وہ اسے ہر ایک کے ہاتھوں سے بچائے۔ اس سے میں سمجھ گئی کہ حضرت سے ملاقات کرنے کی خاطر کئی سال پہلے سے ہی مجھے اوروں کی زیارت سے روک دیا گیا ہے۔

حضرت کے مریدوں میں سے ایک شخص کو ایک بزرگ میں بہت اعتقاد اور محبت تھی اور مرید کا واقعہ | حتیٰ اور وہ اکثر ان کی زیارت کو جایا کرتا اس طرح ان کی صحبت میں اپنے سات سال گزر گئے یہاں تک کہ ان کی محبت اس کی رگ و پے میں سراپت کر گئی اور اس نے عند کر رکھا تھا کہ ان کی وفات کے بعد وہ کسی اور سے ملاقات نہ کرے گا اس لیے کہ اس کا خیال یہی تھا کہ کوئی اور ان جیسا ہو ہی نہیں سکتا، لیکن جب وہ حضرت کی خدمت میں آیا اور ابھی تھوڑی دیر ہی آپ کے پاس بیٹھا تھا کہ وہ اس دل کی زیارت کے لیے ہی نہ جا سکا۔ اس نے حضرت سے کہا میں نے عجیب بات دیکھی ہے۔ مجھے فلاں بزرگ سے بے حد محبت تھی اور مجھے یقین تھا کہ کوئی اور ان کی جگہ نہیں لے سکتا لیکن آپ کے پاس ابھی ایک گھڑی بیٹھا ہوں کہ یہ سب کچھ زائل ہو گیا حالانکہ ان کا ذکر ہوا اور نہ کوئی ایسی بات ہوئی جس کی وجہ سے ان کی محبت جاتی رہے۔

حضرت نے فرمایا بزرگ دل تھا اور تیری محبت بھی سچی تھی، لیکن اس محبت کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ اس کے بعد حضرت نے داستان بیان فرمائی کہ ایک چھوٹا بچہ جو اپنے باپ سے جدا ہو گیا بولے ایک شخص نے اپنی تربیت میں لایا ہو چنانچہ یہ بچہ اسے بھی ابا کہہ کر پکارتا ہوا اور اس سے اپنے باپ کی طرح محبت کرتا ہوتا آنکہ بچہ بڑا ہو جاتے اور اس پر تقریباً سات سال کا عرصہ گزر جاتے۔ اس کے بعد اس کا حقیقی باپ آ جاتے اور اپنے بیٹے کو اس پائے والے باپ کے گھر کے صحن میں بیٹھا دیکھے اور کچھ دیر سامنے کھڑا رہنے کے بعد گزر جاتے تو صرف اتنی بات سے ہی بچے کا تمام میلان اپنے حقیقی باپ کی طرف ہو جائے گا اور اپنے تربیت کرنے والے باپ سے اسے قطعاً محبت نہ رہے گی۔ لہذا کوئی شخص اس کے دل میں اس کے حقیقی باپ کی جگہ نہ لے سکے گا۔ حالانکہ اس سے پہلے اسے یہی خیال تھا کہ اس کی تربیت کرنے والا شخص ہی اس کا باپ ہے۔

وہ شخص کہتا ہے کہ حضرت کی اس مثال سے اس محبت میں سے جو کچھ تھوڑا سا بھی باقی رہا تھا، وہ بھی جاتا رہا۔

بزرگوں کا یہی حال ہے یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ مرید تو حمام کے کوزوں کی طرح ہیں جن کے ہاتھ اگتے اسی کے ہو گئے۔ لہذا وہ شیخ جو اپنے مریدوں پر اس لیے ناراض ہوتا ہے کہ مرید اسے چھوڑ کر کسی اور کے پاس چلا گیا ہے یا تو گز رہے یا بے فیض۔ اس کی کڑوری اور بے فیض ہونے کی وجہ سے تو مرید کسی اور کے پاس چلا گیا ہے۔

کئی بار ایسا ہوا کہ حضرت کسی بزرگ کے مزار پر زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ آپ کے مریدوں کی ایک جماعت بھی ہوتی جو کہتی کہ حضرت ہم تو آپ ہی کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور آپ ہی ہمارا مقصود ہیں خواہ آپ کہیں تشریف لے چلیں۔ چنانچہ جب آپ مزار پر پہنچتے تو آپ یا تو کیلے اندر جاتے یا کسی ایک کو اپنے ساتھ لے لیتے اور باقی باہر رہتے اس اعتقاد پر کہ کوئی اور ان کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا زندہ دنیا میں سے زمرہ میں سے۔ صرف صحابہ رضوان اللہ علیہم کو ان پر فضیلت دیتے اس لیے حضرت کے سوا ان کی زندگی میں اور بعد بھی۔ ان کی موجودگی اور ان کی غیر حاضری میں کسی اور کو نہ جانتے۔

جب حضرت کی وفات ہو گئی تو میں اکثر ان کی زیارت کے لیے جاتا۔ ایک مرتبہ مجھے خواب میں آئے اور فرمایا کہ قبر میں بھی میری ذات حجاب میں نہیں ہے بلکہ تمام دنیا میں پھرتی پھرتی رہتی ہے جس جگہ بھی تو مجھے تلاش کرے تو مجھے وہیں پائے گا، مگر خبردار کہیں یہ خیال تمہارے دل میں آجائے کہ میں تیرا رب ہوں۔ اس لیے کہ پروردگار دنیا کے اندر محصور نہیں ہے اور میں تو محصور ہوں۔ حضرت نے یہ الفاظ خواہ میں فرمائے۔ اسی طرح زندگی میں بھی فرمایا کرتے تھے کہ بعض اوقات تمام جہاں میرے پیٹ کے اندر ہوتا ہے ایک اور مرتبہ فرمایا کہ مومن بندہ کی نگاہ میں ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اس حلقہ کی مانند ہوتی ہیں جو جگہ میں پڑا ہو۔ لہذا اس شعر میں

لَا تَعْرِضْنِي خَضِرَةَ الشَّيْخِ غَيْرِهِ

”حضرت سے مراد اپنے اپنے مراتب کے اعتبار سے مختلف ہوگا چنانچہ ہمارے پیر کی بارگاہ تمام جہاں ہے۔ واللہ اعلم۔“

۲۰۔ وَلَا تَنْطِقُنَّ كَيْفَ مَا لَدَيْهِ فَإِنَّ دَعَا إِلَيْهِ فَلَا تَعْدِلُ عَلَى الْكَلِمَةِ الْغُزْبِ

”اے کتاب میں اس طرح ”کی“ بھی ہے مگر مرید خیال میں یہاں ”کی“ کے بجائے ”من“ ہونا چاہیے تھا۔ ۱۲

(ترجمہ: شیخ کی موجودگی میں خاموش رہو اور اگر وہ کوئی بات پوچھیں تو مختصر جواب دو۔)

اپنے شیخ کے سامنے خاموش رہو اور اگر وہ کوئی بات پوچھیں تو زیادہ باتیں نہ کرو کیونکہ اس طرح پیر کے رعب میں فرق آتا ہے۔ ہاں البتہ خود شیخ بات لمبی کہنے کو فرمائیں تو ان کے حکم کی رعایت رکھتے ہوئے لمبی بات کر دی جائے مگر جب ان کی تسلی ہو جائے تو پھر اسی ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے خاموشی اختیار کرنی چاہیئے۔ چنانچہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ جب حضرت مشاہدہ میں غائب ہوتے تھے تو فرمایا کرتے: خوب شور مچاؤ۔ اللہ تمہیں اس کا اجر دے گا۔ اس لیے کہ حضرت اس شور مچانے سے اپنے حواس کی طرف لوٹ آتے تھے۔

اس شعر کا مضمون عوارف المعارف (سرور دی کی کتاب) سے لیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فرمان لَا تُفْقِدُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ کی تاویلات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ بعض کا قول ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں تری جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں آیا کرتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی بات پوچھتے تو اس پر بحث کرنے لگ جاتے اور آپ کے فرمانے سے پہلے ہی اپنا فیصلہ دے دیتے اس لیے اس آیت میں انہیں اس بات سے منع کر دیا گیا شیخ کی مجلس میں مرید کی بھی یہی حالت ہونی چاہیئے۔ اسے خاموش رہنا چاہیئے اور اس کی موجودگی میں کوئی اچھی بات بھی نہیں کہنی چاہیئے۔ البتہ شیخ پوچھیں تو کہیں۔ شیخ کی حاضری میں مرید کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ساحل پر بیٹھا اس رزق کا منتظر ہو جو اس کی طرف آیا جا رہا ہے لہذا شوق سے شیخ کا کلام سننا اور شیخ کے کلام سے جو کچھ اسے فیضان حاصل ہوگا اس کے مقام ارادت، طلب اور اللہ کے فضل کا زیادہ ہونا اس کے لیے معق ہو جائے گا مگر خود باتیں کرنا اسے مقام طلب سے لٹا کر ایسے مقام پر لاکھڑا کرے گا جہاں وہ اپنے نفس کے لیے کسی بات کا ثبوت دے رہا ہو اور مرید کے لیے یہ گناہ کے برابر ہے۔

ایک سچے مرید کو شیخ کے دربار میں زبان سے سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ شیخ خود ہی اس کی خواہش کے مطابق بات شروع کریں گے اس لیے کہ شیخ خدا سے باتیں سن کر بات کرتا ہے اور وہ مدتیقین کی موجودگی میں اپنے دل کو اللہ کی طرف مبذول کرتا ہے اور ان کے لیے بارش و سیراب کی درخواست کرتا ہے اس طرح اس کا دل و زبان قول و فعل میں ان طالبوں کے حالات کو سمجھنے میں لگا ہوتا ہے جو اس کی فتوح کے محتاج ہوتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ ان باتوں میں جو خفی سبحانہ اس کی ذات پر جاری کرتے ہیں وہ بھی اور دل کی طرح کا ایک سننے والا ہے۔

شیخ ابوالسعود رحمۃ اللہ جو باتیں انہیں القار ہوتیں اپنے مریدوں سے ذکر کرتے اور فرماتے ہیں بھی تمہاری طرح ان باتوں کا سننے والا ہوں۔ حاضرین میں سے ایک صاحب اس کا مطلب نہ سمجھ سکے اور کہنے لگے کہ جب کہنے والا جانتے ہوئے کوئی بات کر رہا ہو وہ سننے والے کی طرح کیسے ہو سکتا ہے۔ مگر پہنچے تو خواب میں دیکھا کہ کوئی اسے کہہ رہا ہے۔ غوطہ زن سمندر میں موتیوں کی تلاش میں غوطہ لگا رہا ہے اور تجیلے میں سیپ بھر کر لاتا ہے اور موتی اس کے پاس جوتے ہیں مگر ان موتیوں کو تب ہی دیکھ سکتا ہے جب سمندر سے نکلتا ہے اور ساحل کے لوگ ان موتیوں کو دیکھنے میں اس کے برابر کے شریک ہوتے ہیں اس طرح وہ خواب میں شیخ کا اشارہ سمجھا۔ لہذا شیخ کی موجودگی میں مرید کے لیے یہی بہتر ہے کہ جب تک شیخ خود نہ بات شروع کریں وہ خاموشی کرے۔

۷۸۔ وَلَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِهِ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ الْبَظَائِرُ هُوَ فِي قَفْرِ (ترجمہ: شیخ کی آواز سے اپنی آواز کو زیادہ بلند نہ کرو اور نہ ہی اس طرح بات کرو جس طرح گنواڑ لوگ کیا کرتے ہیں۔)

فرمایا: مرید! شیخ کی آواز سے اپنی آواز اونچی نہ ہونے دو کیونکہ یہ سورۃ ادب ہے اور نہ ہی اس طرح بات کرو جس طرح بادیہ نشین اور اُجد لوگ باتیں کرتے ہیں، لیکن ان کی تعظیم کیا کرو اور یا سیدی یا استاذی یا ولی اللہ وغیرہ الفاظ استعمال کرو۔ اس شعر کا مضمون یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ۔ (سورۃ حجرات آیت ۲) (مسلمانو! اپنی آواز نبی کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ ہی انہیں اس طرح پکارا کرو جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو) کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں محسوس ہی نہ ہو) سے لیا گیا ہے۔

حضرت شامی کا واقعہ | سرورِ دی عارف معارف میں سرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو یہ فرما کر کہ ”اپنی آواز کو نبی کی آواز سے زیادہ بلند نہ کیا کرو۔“

ابوالسعود جارحی: شیخ شہاب الدین المرحوم کے غلیظ تھے۔ مصر میں ان کے بہت سے شاگرد اور بہت سی کرامات مشہور ہیں۔ انہوں نے اپنے مریدوں کی بہت سخت آزمائشیں کیں۔ اکثر گوشہ نشین رہتے اور منقذات سے بھاگتے تھے۔ اکثر کچے کمرے کو نہ پرید بناؤ نہ کتاب لکھو۔ نہ کوئی نیکو بلکہ لوگوں سے بھاگو کیونکہ یہ بھاگنے کا زمانہ ہے ان کی وفات ۸۴۳ھ کے کچھ سال بعد ہوئی۔

انہیں ادب سکھایا ہے ثابت بن قیس بن شماس اونچا سنتے تھے اور ان کی آواز بھی بلند تھی۔ جب بولتے تو بلند آواز سے۔ بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرتے تو آپ کو اس سے تکلیف ہوتی۔ اس پر یہ آیت اتری اور انہیں اور دوسروں کو ادب سکھایا گیا۔ اس آیت کا شان نزول بیان کرنے کے بعد سہروردی فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس جھگڑے کے بارے میں نازل ہوئی جو آنحضرت کی موجودگی میں ابوبکرؓ اور عمرؓ کے درمیان ہوا۔ چنانچہ اس آیت کے اترنے کے بعد حضرت عمرؓ جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بات کرتے تو اس قدر آہستہ بولتے کہ بات سنی بھی نہ جاتی تھی، یہاں تک کہ دوبارہ پوچھنا پڑتا کہتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری تو ابوبکرؓ نے قسم کھائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں نہایت ہی آہستہ بات کیا کریں گے۔ لہذا شیخ کی بارگاہ میں مرید کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے کہ نہ آواز بلند کرے اور نہ زیادہ ہنسے نہ زیادہ باتیں کرے ہاں اگر شیخ اس سے کھل جاتے تو آواز بلند کر سکتا ہے کیونکہ جب وقار دل میں گھر کر لیتا ہے تو زبان کو بندھ دیتا ہے۔ بعض اوقات مرید کے دل میں شیخ کا اس قدر احترام و وقار پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ شیخ کی طرف آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔ ابن عثماؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ میں تھوڑی بات پر ڈانٹ دیا گئی ہے تاکہ کوئی اس سے اُگے نہ جاسکے۔

سئل کہتے ہیں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ نبی سے خطاب صرف اس وقت کیا کرو جب تمہیں کوئی بات ہو چھینی ہو۔

ثابت بن قیس بن شماس انصاری خزرجی صحابی ہیں۔ انہیں خطیب انصار کہا جاتا تھا۔ اُمّہ اور یہد کی جنگوں میں شریک ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جتنی ہونے کی گواہی دی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں جنگ یدار میں ۳۲ھ میں شہید ہوئے۔

ابن عطارؒ: ایک ابن عطا ابوالعباس احمد بن محمد بن ہمل بن عطا الادبی ہوتے ہیں جنہیں نیم درکن میں خاص مہارت تھی۔ علماء صوفیہ میں سے تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ ان کے پیرو تھے۔ ان کی وفات ۳۲۹ھ، ۳۳۰ھ میں ہوئی یہاں غالباً یہی ابن عطار مراد ہیں۔

دوسرے ابن عطارؒ ابوعبداللہ احمد بن عطار بن احمد اردوبادی ہیں یہ ابوعلی اردوبادی کے بھانجے تھے اور اپنے وقت میں شام کے شیخ مانے جاتے تھے۔ یہ بھی علوم شریعت اور قرآن میں مشہور تھے۔ ان کی وفات ۳۶۹ھ میں ہوئی۔

سئل: شاید یہ ہسل بن عبد اللہ تسری ہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

ابوبکرؓ بن ظاہر کہتے ہیں کہ آپ سے خطاب کرنے میں پہل نہ کرو اور جواب دو تو احترام کا لحاظ رکھتے ہوئے اور اسی سے اسی طرح آواز بلند کر کے نہ بلو جس طرح تم ایک دوسرے سے کلام کیا کرتے ہو یعنی ان سے سخت لہجی بات نہ کرو اور نہ ہی ان کا نام لے کر پکارو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو بلکہ ان کی تعظیم و تکریم کرو اور یا نبی اللہ اور یا رسول اللہ کہہ کر پکارا کرو۔

شیخ سے مرید کا طرزِ خطاب بھی اسی طرح کا ہونا چاہیے کیونکہ جب کسی کا وقار و دل میں گھر کر جائے تو کیفیتِ خطاب زبان پر ظاہر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جب لوگوں کے دلوں میں اولاد اور ازواج کی محبت ہوتی ہے اور یہ نفس کی خواہشات اور طبیعت پر غالب آجاتی ہے تو زبان سے ایسے ایسے عجیب الفاظ نکلتے ہیں جنہیں محبت و کلفت اسی وقت گھر دیتی ہے۔ اسی طرح جب دل میں کسی کا وقار و احترام آجائے تو زبان اسی قسم کی عبارت سیکھ لیتی ہے۔

پھر ثابت بن قیس کا نفل ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں۔ جب اس کے اپنے آپ کو قید کرنے کے بارے میں آیت نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی سعادت مند زندگی، شہادت کی برکت اور جنت میں جانے کی گواہی دی اور بالآخر اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ يُفُتُّونَ اخْضَعُوا لَكُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ فَلَهُمْ أَجْرٌ كَثِيرٌ** (سورہ حجرات آیت ۲) (جو لوگ رسول اللہ کے سامنے آواز کو پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے آزمایا ہے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے) اور موت کے بعد وصیت کرنا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اسے جائز قرار دینا یہ سب حضرت ثابت کی کرامات تھیں جو ان کے تقویٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کرنے کی وجہ سے انہیں عطا ہوئیں۔ لہذا مرید کو ان سے عبرت حاصل کرنی چاہیے اور اسے جانتا چاہیے کہ شیخ اللہ اور اس کے رسولؐ کی یاد دلانے والا ہوتا ہے اور شیخ کے ساتھ جن امور کا اسے خیال رکھنا چاہیے بعینہ وہی امور ہیں اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا تو اسے ان کا خیال رکھنا پڑتا لہذا جب لوگوں نے ادب کا حق ادا کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے حال کی خبر لوگوں کو دیدی۔ اور ان کی تعریف کی چنانچہ فرمایا: **أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ فَلَهُمْ أَجْرٌ كَثِيرٌ**۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے خالص کر دیا ہے جس طرح سونا آگ میں ڈالنے سے خالص ہو جاتا

۱۔ ابوبکر بن ظاہر: ابوبکر عبداللہ بن ظاہر الجبل کے کبار مرفیہ میں سے تھے اور مشہور کے ساتھیوں میں سے تھے ان کی وفات ۱۳۰ھ میں ہوئی۔

ہے۔ اب چونکہ زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے اس لیے جب دل خالص ہو گیا تو الفاظ میں بھی شائستگی آگئی۔ مرید کو شیخ کے سامنے ایسا ہی چاہیے۔

ابو عثمانؒ کہتے ہیں بزرگوں سے ادب سے پیش آنا اور بڑے بڑے اولیاء کی مجلس میں ادب کا لحاظ رکھنا انسان کو بلند درجوں تک پہنچاتا اور دنیا اور آخرت میں بہت فائدہ پہنچاتا ہے چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا: **لَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ** (سورہ حجر: ۵) (اگر یہ لوگ آپ کے خود باہر آنے تک صبر کرتے تو ان کے لیے بہتر تھا) پھر اس کے بعد فرمایا: **إِنَّ الْأَشْيَاقَ يَنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ** (سورہ حجر: ۴) (جو لوگ آپ کو حجروں کے سامنے کھڑے ہو کر پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں) اس آیت میں مرید کو شیخ کے پاس آنے اور شیخ کے خود بخود نکلنے تک صبر کرنے کا ادب سکھایا گیا ہے۔

۲۷۔ **وَلَا تَرْفَعَنَّ بِالضُّحَىٰ صَوْتَكَ عِنْدَهُ ۖ فَلَا تُبْعَثُ إِلَّا دُونَ ذَلِكَ نَاسْتَعِظُ**
ترجمہ: شیخ کے پاس بیٹھ کر تقعدہ لگا کر مت ہنسو۔ یہ تمام باتوں سے بڑھ کر برائی ہے۔
تلاش کر کے دیکھ لو کہ آیا یہ بہت بڑی برائی ہے یا نہیں)

کثرت سے ہنسنے سے دل مروہ ہو جاتا ہے اور شیخ کی موجودگی میں تقعدہ لگا کر ہنسا بہت ہی سخت ہے اولیٰ ہے اور بہت ہنسنا رعوت کی علامت سمجھا گیا ہے جسے تو امام ابو حنیفہؒ نے تقعدہ کو گناہ شمار کیا ہے اور اس سے وضو ٹوٹ جانے کا حکم لگایا ہے۔

۲۸۔ **وَلَا تَقْعُدُوا نَدَاهُ مُتَرَبِّعًا ۖ وَلَا بَادِيًا رَجُلًا نَبَا دِرَالِي السُّبُرِ**
ترجمہ: شیخ کے سامنے پوچھنی مار کر یا پاؤں پھیلا کر مت بیٹھ (اگر پاؤں پھیل جلتے تو) فوراً اسے سمیٹ لو۔

ابو طالبؒ کی فرماتے ہیں علماء کے بیٹھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں گھٹنوں کو کھڑے کر کے بیٹھے اور

۱۔ ابو عثمانؒ: ابو عثمانؒ الحیري: یہ دراصل ری کے رہنے والے تھے۔ پہلے یحییٰ بن سہاذ رازی اور شاہ بن ثناء کرمانی کی صحبت میں رہے پھر کوچ کر کے نیشاپور چلے گئے اور ابو حفص بن حدر دکی صحبت اختیار کی۔ عیسٰی انکی شادی ابو حفص کی بیٹی سے ہوئی۔ ان کی وفات ۲۵۰ھ میں ہوئی۔

۲۔ ابو طالبؒ کی: محمد بن علی بن عطیہ الجعفی ثم الکلی مشہور صوفی ہوتے ہیں۔ ان کی کتاب قوت القلوب صوفیہ کے اہل بڑی مقبول ہے انکی وفات ۲۵۰ھ میں ہوئی

یعنی فرجیہ شائع کا لباس ہے۔ اسی قسم کا اور لباس جو شیخ سے مخصوص ہو، اس کا بھی یہی حکم ہے۔

۳۲۔ وَلَا تَرَيْنَ فِي الْأَرْضِ دُونَكَ مُؤْمِنًا وَلَا كَانُوا أَحْسَنَ تَغْيِبٍ فِي الْقَبْرِ

ترجمہ: جب تک ہر زندہ ہے دنیا میں کسی مومن یا کافر کو اپنے سے کم نہ سمجھو۔

فرماتے ہیں کہ اسے مرید کی مومن یا کافر کو اللہ کے نزدیک اپنے سے کم مرتبہ نہ سمجھو بلکہ اس کے برکت

سمجھ لو اور اپنے آپ کو ہر ایک سے کم درجہ سمجھو اور مرتے دم تک اس بات پر قائم رہو۔

ابو یزید بسطامیؒ فرماتے ہیں: وہ شخص متکبر ہے جو کسی ایک شخص کو بھی اپنے سے بذات سمجھتا ہو۔ کسی

نے پوچھا کہ انسان تواضع کب ہوتا ہے۔ فرمایا: جب وہ اپنے آپ کو کسی مقام یا حال پر خیال نہ کرتا

ہو اور جس قدر اسے اپنے رب اور اپنے نفس کی معرفت حاصل ہے۔ اسی قدر ہر کسی سے تواضع سے

پیش آتا ہو۔

سہروردی عوارف میں تحریر فرماتے ہیں: کسی نے یوسفؑ بن اسباط سے پوچھا کہ تواضع کی غایت کیا

ہے؟ فرمایا جب مجھے نیکے تو جے بھی دیکھو اسے اپنے سے بہتر سمجھو۔ اور میں نے اپنے شیخ ضیاء الدین ابو نجیب کو

(بقیہ حاشیہ منظر سابقہ)

ایکے والد کا نام کتاب میں لکھا ہے مگر اس کا بیٹا یا آن اسلام میں انجیلین دیا ہے، اپنے نام ابن مجید سے تعلیم پائی اور ابوالفتح

نعمانی سے فرقہ حاصل کیا۔ ان کی وفات ۳۸۰ھ میں ہوئی۔ انہوں نے قرآن مجید کی ایک تفسیر بھی لکھی جس کا نام

حقائق التفسیر لکھا۔ حاجی غلیظ نے اس میں عبد الرحمن حسین بن محمد السیسی انیشا پوری لکھا ہے (کشف الظنون: ۱۰۱)

ان کی دیگر تصانیف آداب الصوفیہ، آداب العجوبہ، آداب التفاضل، اربعین ازل الفقر، من الصوفیہ، کتاب

الآداب، کتاب الفتوة، طبقات الصوفیہ اور مقامات الادبیات ہیں۔

۳۔ ابو یزید بسطامیؒ: ابو یزید طیفور بن علیؒ بسطامی مشہور صوفی گزرے ہیں۔ ان کی وفات ۳۸۰ھ میں ہوئی

ان کا جو قول بیان دیا ہے وہ شمران کی طبقات کبریٰ ج ۱ صفحہ ۶۵ پر دیا ہے۔

یوسفؑ بن اسباطؒ: بکرا صوفیہ میں سے تھے کسی نے حضرت عبداللہ بن ہارک کے پاس ان کی عبادت کا ذکر کیا تو کہنے لگے

تم تو ایسے لوگوں کا ذکر کر رہے ہو جن کے ذکر سے لوگوں کو شفا حاصل ہوتی ہے۔ ان کا جو قول بیان نقل کیا گیا ہے وہ

شمران نے اپنی طبقات کبریٰ میں دیا ہے۔ ان کی وفات ۳۸۰ھ کے چند سال بعد ہوئی۔

شیخ ضیاء الدین ابو النجیبؒ: ابو النجیب عبدالقادر بن عبداللہ سروردی، ضیاء الدین اور نجیب الدین ان کے

لقب تھے۔ یہ ابوبکر الشافعیؒ کی اولاد میں سے تھے اور شیخ شہاب الدین سروردی مصنف عوارف المعارف کے پریتھے۔ ان کی وفات

۳۸۰ھ میں بغداد میں ہوئی۔ آداب المریدین ان کی تصنیف ہے۔

دیکھا اور میں شام کے سفر میں ان کے ساتھ تھا کہ ایک دنیا دار نے فرنگی قیدیوں کے سردن پر خوان رکھا آپ کے لیے کھانا بھیجا۔ قیدیوں کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ جب دسترخوان بچھا دیا گیا اور قیدی برتنوں کے خالی ہونے کے منتظر تھے تو آپ نے خادم سے کہا کہ قیدیوں کو بلاؤ کہ وہ بھی ہم فقیروں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ جائیں، ان کو لایا گیا اور دسترخوان پر ایک ہی صف میں ان کو بھی بٹھا دیا گیا۔ شیخ اپنے سجادہ سے اٹھے اور ان کے پاس جا کر ان کے درمیان بیٹھ گئے گویا کہ آپ بھی ان میں ایک ہیں اور سب نے مل کر کھانا کھایا۔ اس وقت آپ کے باطن سے جو تواضع آپ کے چہرہ پر ظاہر ہو رہی تھی وہ ہم محسوس کر رہے تھے۔

شیخ ابوالحسن علی بن عتیق بن مومن القرطبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن بن مقید کو ایک روز جب کو سخت سردی، بارش اور کھچڑ تھی۔ پیدل جاتے ہوئے دیکھا راستہ میں انہیں اسی سڑک پر ایک کتا جاتے ہوئے ملا۔ آپ خود دیوار کے ساتھ لگ گئے اور کتے کے لیے راستہ چھوڑ کر اس کے گزر جانے کے منتظر رہے۔ جب کتا قریب آیا تو جس جگہ پر آپ تھے اسے چھوڑ کر نچلی جگہ پر آگئے اور کتے کے لیے اوپر والی جگہ چھوڑ دی۔ جب کتا گزر گیا تو میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرہ پر غم کے آثار تھے۔ میں نے عرض کیا: میں نے ابھی ایک عجیب بات آپ سے دیکھی ہے کہ آپ نے خود تو کھچڑ میں چٹنا شروع کر دیا اور کتے کے لیے صاف جگہ چھوڑ دی۔ فرمایا: جب میں نے اس کتے کے لیے چٹنا حصہ چھوڑا تو میں نے دل میں سوچا کہ میں نے تو کتے سے اپنے نفس کو بڑا سمجھا ہے، اسی لیے تو میں نے کتے سے ادنیٰ جگہ لی ہے بلکہ وہ مجھ سے بہتر و بلند ہے اور عزت کا حقدار ہے اس لیے کہ میں نے کئی بار اللہ کی نافرمانی کی اور مجھ میں بہت زیادہ گناہ ہیں اور کتے میں تو کوئی گناہ نہیں۔ اس لیے میں نے اپنی جگہ اس کے لیے چھوڑ دی۔ اب مجھے اللہ کی نافرمانی کا ڈر ہے ہاں اگر معاف کر دے تو پرہیزگاریوں۔ اس لیے کہ میں نے اپنے سے بہتر چیز سے اپنے کو بلند رکھا ہے۔

ذوالنونؒ فرماتے ہیں: جو شخص تواضع کرنا چاہے اسے اللہ تعالیٰ کی عظمت کی طرف دھیان کرنا چاہیے کیونکہ اس طرح اس کا اپنا نفس اسے حقیر دکھائی دے گا اور جو شخص اللہ کی عظمت و بدمہ کی طرف دیکھے گا۔ اس کا اپنا بدمہ مٹ جائے گا اس لیے کہ اللہ کی محبت کو دیکھ کر تمام نفوس حقیر و ذلیل ہو جاتے ہیں۔ لہذا جب کوئی انسان تواضع کے اس مفہوم کو سمجھ جائے تو وہ مخلوقات کے سامنے یقیناً

ذوالنون مصری: ابوالفیض ذوالنون مصری۔ ان کا اصلی نام ثوبان بن ابراہیم ہے۔ دراصل ثوبی تھے

۱۴۵۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

تواضع کر لیا۔ کیونکہ وہ دیکھ رہا ہوتا ہے کہ مخلوقات کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا نسبت ہے اسی لیے تو سروردی نے عوارف میں کہا ہے: جب تک صوفی بساطِ قرب پر بیٹھ کر خاص طور پر متواضع نہ ہوگا اس وقت تک وہ ورے طور پر مخلوق خدا کے سامنے تواضع نہیں کر سکتا۔

۳۳۔ فَإِنْ يَخْتَأَمَ الْأَمْرُ عَنْكَ مُعَرِّبٌ وَمَنْ لَيْسَ دَاخِسٌ بِخَاتٍ مِنَ الْمَكْرِ
ترجمہ: کیونکہ تمہیں اپنے خاتمہ کا علم نہیں۔ خوش بخت آدمی وہی ہے جو فکرِ خداوندی سے
پرہیز کرتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب خاتمہ کا علم نہیں ہے تو اس کا تقاضا یہی ہے کہ انسان کسی کو بھی اپنے سے کم درجہ کا خیال نہ کرے۔ اللہ کے کورسے بے خوف ہونا بد بختوں کا کام ہے۔ نیک آدمی اللہ کے کورسے بے خوف نہیں ہوتے۔

ابن العربیؒ کا تعلق فرماتے ہیں کہ ایک صوفی کے لیے خدا کا ادب کرنے میں یہی حال ہونا چاہیے البتہ اس قسم کا ادب کرنے والے بہت کم لوگ ہیں کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہر لحظہ اپنے بندوں کے دلوں پر نگاہ رکھتے ہیں اور انہیں جس قدر چاہیں اپنے معارف اور لطف عنایت فرماتے رہتے ہیں لہذا اگر کوئی شخص اگر صوفی کے پاس تھوڑا عرصہ بیٹھ کر اٹھ جائے اور پھر واپس آجائے تو صوفی اس کی خدمت اور تعظیم کے لیے تیار ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سمجھ سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی نظرِ بکرم ہوگئی ہو جس سے یہ مالا مال ہو گیا ہو چنانچہ اگر معاملہ ایسا ہی ہو تو اس صورت میں اس نے ادب کا حق ادا کر دیا لیکن اگر اس پر نظرِ کرم نہ بھی ہوئی ہو تو اس صورت میں بھی اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ادب کیا ہو گا کیونکہ اس نے اس سے مرتبہ الہیہ کے مطابق برتاؤ کیا ہے اور یہ بہت ہی کمیاب منزل ہے جس کے صاحبِ ذوق شاذ و نادر ہی ملیں گے۔ اسی طرح جب صوفی لوگ کسی کو معصیت کرتے ہوئے دیکھ لیتے ہیں اور پھر وہ معصیت چھوڑ دیتا ہے تو وہ اسے معصیت پر اصرار نہیں خیال کرتے اور دل میں کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اس شخص نے پوشیدہ طور پر توبہ کر لی ہو یا یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انجام کار اس پر مہربانی فرمادیں اور اسے اس معصیت سے کوئی نقصان نہ پہنچے اور جو شخص اپنے آپ کو دوسرے سے بہتر سمجھے حالانکہ نہ اسے اپنا انجام معلوم ہے نہ اس کا تو یہ شخص خدا سے جا بھل ہے۔ دھوکہ میں پڑا ہے اور وہ کچھ بھی نہیں بے خزاں اسے کس قدر معارف ہی کیوں نہ حاصل ہوں۔

الطالب کی فرماتے ہیں: عارفین کے خوف کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ انہیں علم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے

الطالب محمد بن علي بن عبد الله التستري الكوفي المتوفى سنة ١٠٨٥ هـ - ان كتابه كان قوت القلوب في معاملة المحبوب وصف طريق المريدين لتمامهم

بندوں میں سے جسے چاہے ڈر آتا رہتا ہے اس طرح کو بڑے اہل مرتبہ لوگوں کو عذاب و سزا دیکر ادنیٰ
 مرتبہ کے لوگوں کے لیے باعث عبرت بنا دیتا ہے اور اپنے خاص بندوں کو کسی خاص حکمت کی بنا پر سزا
 دیکر عام مخلوق کو ڈر آتا رہتا ہے لہذا ان ڈرنے والوں کو علم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صالحین کی جماعت
 میں سے کچھ لوگوں کو سزا کے طور پر نکال دیا اور اس طرح مومنین کو خوف زدہ کر دیا اور بعض شہداء
 کو سزا دے کر صالحین کو خوفزدہ کر دیا۔ اسی طرح صدیقین کی ایک جماعت کو صدیقین میں سے
 نکال کر شہداء کو خوفزدہ کر دیا ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس کی تہیں کیا بارز ہوتا ہے۔ اسی طرح
 ہر مقام والے اپنے سے کم درجہ لوگوں کے لیے عبرت کا باعث بنتے ہیں اور اوپر والوں کے لیے نصیحت
 کا اور اپنے ساتھیوں کے لیے ڈر اور دھمکی کا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک وصف ہے کہ وہ لوگوں کے ظاہری
 علوم و اعمال کی پروا نہیں کرتا لہذا صاحب مقام لوگوں کو کسی ایک مقام پر بسکون و اطمینان نہیں
 ہوتا اور نہ ہی کوئی صاحب حال اپنی حالت کی طرف دیکھتا ہے اور جن لوگوں کو اللہ کی معرفت حاصل
 ہے وہ کسی حالت میں بھی اللہ کے کمرے بے خوف نہیں ہوتے۔

ابو حامد غزالی فرماتے ہیں۔ اللہ کی مشیت کے ساتھ تمام امور کا تعلق اس حد تک ہے کہ کوئی
 بھی اس کو سمجھ نہیں سکتا اور یقینی اور حقیقی طور پر اس کا جانتا تو درکنار قیاس اور گمان سے بھی اس کا
 علم نہیں ہو سکتا اسی بات نے تو عارفین کے ٹکڑے کر دیے ہیں کیونکہ سب سے بڑی مصیبت تو یہی ہے کہ
 تمہارے معاملات اس ذات پاک کی مرضی پر منحصر ہیں جسے تمہاری قطعاً پروا نہیں ہے۔

پھر بڑی لمبی بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ایک عارف کا قول ہے کہ اگر کسی شخص کو میں
 پچاس سال سے جانتا ہوں کہ وہ توحید پر قائم ہے اور پھر میرے اور اس کے درمیان ایک ستون حال ہو جائے
 اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہو جائے تو میں یقینی طور پر اس کی توحید کی شہادت نہیں دے سکتا
 اس لیے کہ مجھے معلوم ہی نہیں کہ اس میں کیا تغیر واقع ہوا۔

ایک اور عارف فرماتے ہیں کہ اگر درجہ شہادت میرے گھر کے دروازے پر ہو اور اسلام پر مرنے پر میرے
 حجرہ کے در پر تو میں اسلام پر مرنے پر تامل کروں گا کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ حجرہ کے دروازے سے لیکر گھر
 کے دروازے تک میرے دل کو کیا پیش آئے گا۔

حضرت شہلؒ فرمایا کرتے تھے۔ صدیقین کو ہر خیال اور ہر حرکت پر سوئے خاتمہ کا ڈر لگا رہتا ہے۔ ان ہی
 نے ابو محمد مسلم بن عبد اللہ قسریؒ: جنہی سال حج کے لیے گئے، اسی سال ان کی ملاقات ذوالنون مصریؒ سے کی
 میں ہوئی۔ میں ان کی وفات ہوئی۔

لوگوں کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَ قُلُوْا بَعْدَ وَجْهَةِ اُنْ كے دل خوفزدہ رہتے ہیں نیز فرمایا کرتے تھے کہ مرید کو مصیبت کا ڈر ہوتا ہے مگر عارف کو تو اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ میں وہ کفر میں مبتلا نہ ہو جائے۔

ابو یزید فرمایا کرتے تھے: جب مسجد کی طرف جاتا ہوں تو میری کمر پر زناں ہوتا ہے اور مجھے ڈر ہوتا ہے کہ میں مجھے یہ گر بایا آتش کو نہ کونے جائے حتیٰ کہ جب مسجد میں پہنچ جاتا ہوں تو یہ زناں ٹوٹ جاتا ہے۔ ہر روز پانچ مرتبہ یہی حال ہوتا ہے۔

ابو الحسن ہندی کی حالت | اسی سلسلہ میں میں نے حضرت سے ایک عجیب حکایت سنی۔ فرماتے تھے کہ مکہ میں میری ملاقات ابو الحسن علی الصمد غار الہندی سے ہوئی

تو میں نے انہیں عجیب حالت میں پایا۔ اس طرح کہ وہ جب بھی چلنے کے لیے قدم اٹھاتے تو وہ لرزتا تھا پھر واپس ٹوٹتے تو بھی لرزتا تھا۔ پھر قدم بڑھانے کے لیے اٹھاتے تو بھی لرزتا تھا۔ چنانچہ دیکھنے والا یہی خیال کرتا کہ یہ دیوانہ ہے۔ ہر قدم پر ان کا یہی حال ہوتا تھا کھانا کھاتے وقت بھی ان کا یہی حال تھا کہ لقمہ منہ کی طرف لے جاتے تو ہاتھ لرزتا تھا۔ لیٹنے لگتے تب بھی یہی حال ہوتا اور ان کی یہ حالت ہو گئی کہ ہر حرکت ارادہ پر ان پر یہی کیفیت طاری ہو جاتی یہاں تک کہ آنکھ کھولنے اور بند کرنے پر بھی یہی حال ہوتا تھا۔ میں نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو مجھے سخت رنج ہوا اور ان پر رحم آگیا، میں نے پوچھا: ابو الحسن یہ تمہاری کیا حالت ہے؟ حالانکہ تم تو اللہ کے خاص اور برگزیدہ اولیاء و عارفین اور اہل دیوان میں سے ہو اور تمہارا جسم بھی صحیح و سلامت ہے اور تمہیں کوئی بیماری نہیں۔ کہنے لگا آپ کے سوا میں نے اپنی اس حالت کا کسی سے ذکر نہیں کیا۔ آپ سے ذکر کرتا ہوں۔ الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں مجھے اپنے انحال کا مشاہدہ عطا فرمایا ہے چنانچہ میں اللہ کے فضل کو تمام مخلوقات میں جلدی و ساری دیکھتا ہوں، ایک چیز بھی مجھ پر پوشیدہ نہیں ہے۔ مزید برآں بحمد اللہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فعل اور قضا و قدر کے اسرار پر بھی مطلع فرمایا ہے چنانچہ میں انحال الہیہ کا مشاہدہ کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ یہ فعل کیوں ہوا اور اس کی تقدیر کے اسرار کو اس طرح سمجھتا ہوں کہ ان کا سر بھی مجھ سے مخفی نہیں رہتا۔ اس کے بعد میں نے اپنی ذات میں اللہ کے فعل کو دیکھا تو اپنے آپ کو ان انحال اور اسرار کے مشاہدہ سے محبوب پایا لہذا مجھے خیال ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فعل کے مشاہدہ سے محروم کیا ہے، ہو سکتا ہے یہ مجھے سزا دینے کے لیے ہو کہ اللہ تعالیٰ میرے فعل سے ناراض ہو گئے ہوں اس لیے مجھے اس تمام مشاہدہ

لے ابو الحسن علی الصمد غار الہندی: ان کے حالات معلوم ہو سکے۔

سے محروم کر دیا گیا ہے تاکہ میں جس کام میں میری ہلاکت مضر ہے اسے دیکھ کر اس سے بچنے کی کوشش نہ کروں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اپنے برا اختیار کی فعل سے ڈرتا ہوں اور اپنے برا اختیار کی فعل میں اپنی ہلاکت سمجھتا ہوں۔ لہذا میں اپنے ہر فعل سے خائف ہوں۔ اسی لیے تو میں ظاہر و باطن میں اللہ کی طرف عاجزی کرتا ہوں اور جس فعل کی طرف قدم اٹھاتا ہوں تو خوف کو سامنے لے آتا ہوں اور اللہ سے درخواست کرتا ہوں کہ یہ فعل میری ہلاکت کا سبب نہ بنے چونکہ قدم اٹھانا یہ بھی ایک فعل اختیار ہی ہے لہذا میں کانپ اٹھتا ہوں اور قدم واپس کرنا بھی ایک اختیار ہی فعل ہے اس لیے پھر لرز جاتا ہوں۔ اسی طرح ہر فعل میں ہوتا ہے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ میں اس سے اللہ کی دست رحمت کا ذکر کرتا رہا اور اس حدیث قدسی کا بھی ذکر کیا۔ اَنَا عَبْدٌ لِقُدِّسٍ عَزِيزٍ لِيْ فَلْيُعْصِمْنِيْ مَا شَاءَ فَإِنَّ قَلْبِيْ خَيْرٌ اَوْ غَلِيْظُهُ خَيْرٌ۔ میں دیا ہی ہوں جیسا میرا بندہ میرے متعلق ظن رکھے۔ لہذا اب جیسا ظن چاہے رکھے اگر وہ خیر کا ظن رکھے گا تو میں اسے خیر ہی دوں گا۔ وہ میری باتوں کو سن رہا بیان تک کہ مجھے خیال آیا کہ اب وہ اپنی اس حالت سے اصلی حالت کی طرف لوٹ آئے گا، لیکن اس کا ظن پھر لوٹ آیا اور وہ اپنی اسی حالت پر رہا جو شخص بھی اسے دیکھتا اس پر رحم کھاتا اور دعا کرتا کہ اللہ تعالیٰ اسے جلدی آرام دے ادھر یا ادھر حضرت فرماتے ہیں کہ میری تنہائی تھی کہ اہل حجاب اسے دیکھ لیں اور اس کی حالت کے شر کو معلوم کر لیں کہ اسے کس قدر اللہ کا خوف ہے اور ہر حرکت و سکون میں اسے کس طرح اللہ کا دھیان رہتا ہے تاکہ انہیں اپنے شہواتِ نفسانی میں انہماک اور اللہ سے منقطع ہونے کا پتہ چل جائے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فعل کو اس سے کسی رحمت کے ارادہ پر مخفی رکھا تھا۔ اگر وہ اس پر مطلع ہو جاتا اور اس فعل کا مشاہدہ کرنے لگ جاتا تو اس کی ذات پگھل کر فنا ہو جاتی اور چونکہ اللہ کا ارادہ اسے ابھی زندہ رکھنے اور ایک مدت مقررہ تک اس کو جاری رکھنے کا تھا اس لیے اپنے فعل کو پرشیدہ رکھا۔ رب سبحانہ کے افعال کا مشاہدہ جیسا اسے حاصل ہوا دیگر اولیاء کو بھی ہوا بلکہ تمام انبیاء کو حاصل ہوا اور حادثہ خواہ کوئی ہو اپنی ذات کے متعلق فعل رب کے مشاہدہ کی طاقت نہیں رکھ سکتا ورنہ اگر مشاہدہ کرے تو پگھل جائے۔ حادثہ اور لوگوں میں فعل حق کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۴۔ وَلَا تَنْظُرُنَّ يَوْمًا اِلَّا تَخْلُقِيْنَ اَشْيَءَ يَخْلُقُ طَلِيقُ الصَّفْوٰتِ اِسْرَافِلُكَدَر
ترجمہ: مخلوق کی طرف ہرگز نگاہ نہ کر کیونکہ یہ صاف اور آزاد کو مکرر و متعید بنا چھوڑے گی۔

۱۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ ص ۱۳۹ باب ذکر اللہ والتقرب الیہ۔

پہلے شعر میں مرید کو مخلوق سے کمتر سے پیش آنے اور ان کو حقارت سے دیکھنے سے منع کیا گیا تھا۔ اب انہیں اس کے دوسرے پہلو یعنی افراط کے پہلو سے اجتناب کرنے کو کہا گیا ہے تاکہ کہیں انہیں تلبہ نہ بنائے اور اپنے افعال احوال اور اقوال میں انہی کا خیال نہ رکھے اس لیے فرمایا لَا تَنْظُرُونَ یَا ہا کہ ایک لحظہ کے لیے بھی ان کی طرف نہ دیکھ سنا کہ تو اپنے احوال، اقوال اور افعال میں خواہ وہ عبارات ہوں یا عادات، ان کا خیال نہ رکھے اس لیے کہ ان کی طرف نگاہ رکھنے میں اپنے صفات اعمال کو کم کر دینا ہے اس لیے کہ جب اپنے افعال و اقوال میں تمہاری نگاہ ہر مخلوق پر پڑے گی تو تم میں ریاہ و تصنع پیدا ہو جائے گا۔ اسی لیے شیخ ابو عبد اللہ قرشی فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے اقوال و افعال میں اللہ تعالیٰ کے سننے اور دیکھنے پر کفایت کی تو اس شخص میں لامحالہ ریا پایا جائے گا۔

بشر حافی فرماتے ہیں: جس شخص نے یہ چاہا کہ وہ لوگوں میں مشہور و معروف ہو جائے وہ رسوا ہوا۔ نیز فرمایا: جس شخص نے یہ خواہش کی کہ وہ لوگوں میں معروف ہو وہ آخرت کی عداوت نہ پا سکے گا۔ کسی عارف کا توں ہے اگر تم اللہ کے ہاں منزلت چاہتے ہو تو لوگوں میں منزلت کا خیال ترک کر دو۔

مصنف عوارف فرماتے ہیں کہ یہ ایک ایسا اصول ہے کہ جس نے اسے ملحوظ نہ رکھا، اس کے اکثر اعمال فاسد ہو گئے اور جس نے اس کو ملحوظ رکھا اس کے بہت سے احوال کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ صاحب قصیدہ کے اس شعر کا ماخذ سہروردی کی یہی عبارت ہے۔

ایک روز میں حضرت کے ساتھ باب الحدید میں تھا کہ حضرت نے میری طرف دیکھا اور فرمایا کہ جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت حاصل نہ ہو وہ اللہ کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا اور مجھے اپنے شیخ کی معرفت حاصل نہ ہو وہ رسول اللہ کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا اور جس شخص نے لوگوں پر نماز جنازہ نہ پڑھی ہو وہ شیخ کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا۔ لہذا جب لوگ اس کی نظروں سے آتر جائیں اور وہ اپنے تمام

نے ابو عبد اللہ قرشی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابراہیم قرشی، ابو عبد اللہ قرشی حلیل القدیر مونیار میں سے گزرے ہیں۔ خضر علیہ السلام سے ان کی اکثر ملاقات ہوئی رہتی تھی۔ یہ اندسے اور کوڑی تھے زعفران سے پیپ ہر وقت بہتی رہتی تھی۔ صاحب کرامات کثیر ہیں۔ دشوان ج ۱: ۱۸۸، ان کی وفات شام میں پچپن برس کا ۹۹۵ھ میں ہوئی۔ ان کی نماز جنازہ مسجد اقصیٰ میں پڑھی گئی (ابو نعلان ج ۲: ۲۷۲)

بشر حافی: ابوالحسن بن الخراث، اصل میں مرو کے تھے مگر بغداد میں رہائش اختیار کر لی تھی اور وہی ذات پاؤں، علی بن مشریم کے بھائی تھے ۳۳۰ھ، ۳۳۵ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

اقوال، افعال اور حالات میں ان کی پروا نہ کرتا جو اسے اللہ کی رحمت ایسے آئے گی کہ اسے پتہ بھی نہ چلے کہ کہاں سے آئے ہیں۔ شیخ کو بھی وہی شخص پسند ہے جو لوگوں کی نظروں کی پروا نہ کرے۔ اس سلسلہ میں بہت سے نفیس اسرار نقل کئے گئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۲۰۔ ذَانِ نَظْمٍ الْحَقِّ الْكِرَامَاتِ اسْطُورًا فَلَا تُبْدِيَنَّ خَوْفًا يَغْيِرُكَ مِنْ سَطْرِ

۲۱۔ سَوَى الشَّيْخِ لَا تَكَلِّمْتُمُوهُ سِرًّا يَا نَهْ بِسَاحَةِ كَشْفِ السِّرِّ يَجْعَلُنِي عَلَى بَحْرِ

ترجمہ: اگر حق تعالیٰ کرامات کی سطروں نظم کر دے تو اپنے شیخ کے سوا ان سطروں کا ایک حرف بھی غیر سے ذکر نہ کر، شیخ سے کوئی راز کی بات بھی چھپائے نہ رکھ اس لیے کہ وہ کشف سرائے کے میدان میں ایسا ہے جیسے وہ سمندر کے اوپر چل رہا ہے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب مرید لوگوں پر نماز جنازہ پڑھ چکے گا اور وہ اس کی نظروں سے نکل جائیں گے تو اللہ کی رحمت اس پر وہاں سے آئے گی جہاں سے اسے اس کے آنے کا لگان بھی نہ ہوگا۔ لہذا کہا "ذَانِ نَظْمٍ الْحَقِّ الْكِرَامَاتِ" یعنی جب تمہاری نگاہ خدا کے سوا کسی اور پر نہیں جاتی تو اگر اللہ تم پر رحم فرمائے اور تم سے کثرت سے کرامات ظاہر ہونے لگیں تو تمہیں ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کا شیخ کے سوا کسی سے اظہار نہیں کرنا چاہیے اور شیخ سے کوئی بات پوشیدہ بھی نہیں رکھنی چاہیے کیونکہ وہ تمہارا مہربان ہے جسے ان بیماریوں کا علم ہے جو تجھے اللہ سے منقطع کر دیں لہذا جس شیخ کا یہ حال ہو اس سے اسرار کو کیوں چھپایا جاتے۔

سردردی عوارف میں فرماتے ہیں یہ بھی آداب میں شامل ہے کہ مرید شیخ سے اپنی حالت اور اللہ تعالیٰ کی عنایات کی کوئی بات نہ چھپائے رکھے اور نہ اپنی کرامات اور اجابت دعا کو چھپائے اور جن باتوں کے اظہار سے شرم آتی ہو انہیں اشاروں اور کنایوں میں کہہ دے کیونکہ اگر مرید کسی بات کو اپنے دل میں چھپائے رکھے گا اور شیخ سے تصریح یا تلمیذ یا اس کا ذکر نہیں کرے گا تو وہ اس کے باطن پر براہِ طریقت میں مشکل بن جائے گی اور شیخ سے ذکر کر دینے سے گڑھ مل اور زائل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں ایک ضروری بات یہ بھی ہے کہ شیخ مریدوں کے کشف اور اللہ کے انعامات جن کا ذکر وہ شیخ سے کرتے ہیں راز ہی میں رکھے اس لیے کہ مرید کے راز کا علم اللہ اور شیخ کے سوا کسی اور کو نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے بعد شیخ ان امور کو جنہیں مرید اپنی خلوت میں پاتا ہے مثلاً کشف، مخاطبہ اور کرامات حاضر کر کے اسے سمجھاتے کہ یہ امور اللہ سے غافل کر دینے کا سبب ہوتے ہیں۔

(مؤلف کہتا ہے) ایک روز حضرت سے آیت اُنْشَأْ بِرَبِّكُمْ تَالِوَابِلِیٰ کا تذکرہ کر رہا تھا حضرت

نے بہت اچھی باتیں فرمائیں جن کی میں نے تاویل کر لی۔ اس کے بعد نماز میں آپ میرے سامنے حاضر ہو جاتے تھے اس سے بڑی خوشی ہوتی۔ حضرت سے اس کا تذکرہ کیا تو شروع شروع تو آپ نے میری موافقت کی پھر چند دنوں کے بعد فرمایا اسے چھوڑ دو۔ میں اس کا راز نہ سمجھ سکا۔ آپ مجھے برابر زجر کرتے رہے تاکہ یہ بات مجھ پر واضح ہوگئی کہ اگر یہ بات دیر تک جاری رہتی تو مجھے بے امور کی طرف لے جاتی۔ اس پر میں نے اللہ کا شکر کیا اور سمجھ گیا کہ یہ آپ ہی کی بدولت ہے۔

ایک مرتبہ میں نے حضرت سے کسی بات کی شکایت کی تو فرمایا آئندہ کبھی ایسا نہ ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا یوں معلوم ہوتا تھا کہ حضرت نے میرے اور اس کے درمیان ایک دیوار مائل کر دی ہے۔

ایک اور مرتبہ میں نے حضرت سے ایک ایسے معاملہ کی شکایت کی جو دین و دنیا دونوں کیلئے نقصان دہ تھا اور جس کی آفت سے بچنا مشکل تھا۔ فرمایا: دنیا میں تو اس سے ہرگز نہ ڈر۔ اس سے تجھے قطعاً کوئی ضرر نہ پہنچے گا اب رہا آخرت کا معاملہ تو میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے اس کا نہ سوال کریں گے نہ حساب لو پھیں گے۔ چنانچہ دنیا میں تو جیسا حضرت نے فرمایا تھا، ویسا ہی ہوا اور امید ہے کہ آخرت میں بھی ویسا ہی ہوگا جیسا کہ حضرت نے فرمایا:

حضرت یہیں فرمایا کرتے تھے: دنیا یا دین کا کوئی معاملہ بھی پیش آئے مجھ سے چھپایا نہ کرو بلکہ مجھ سے ذکر کرو دیکھائیں تک کہ جو کچھ بھی تم سے سرزد ہو جائے اس کا بھی ذکر کرو دیکھو اور اگر تم مجھ سے اس کا ذکر نہ کرو گے تو میں اس کا تم سے ذکر کروں گا اس لیے کہ ایسی مصاحبت کا کیا فائدہ جس میں مصاحبوں کی کوئی بات بھی پوشیدہ رہ جاتے۔ نیز فرماتے تھے میں تو اپنی کوئی بات تم سے نہیں چھپاتا۔ پھر آپ نے اس وقت تک کے اپنے حالات بیان کئے اور اپنی عادتوں کا بھی ذکر فرمادیا، پھر کہا: اگر میں تمہیں اپنے حالات کی اطلاع نہ دوں تو اللہ مجھے سزا دیگا اس لیے کہ تم مجھ سے حسن ظن رکھتے ہو۔ ذرا ٹھہراؤ میں تمہیں باطن کا وہ حال بتاؤں جس کی تمہیں خبر نہیں۔ اس کے بعد جس کا دل چاہے میرے ساتھ رہے، وہ رہ جائے تب جا کر میرے لیے اس کا کھانا اور اس کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہوگا اور جو جانا چاہے چلا جائے کیونکہ ان امور سے میری خاموشی تم سے بے وفائی ہوگی۔ حالانکہ حضرت اپنے مریدوں کے لیے خاص رحمت تھے۔ ان کی لغزشوں پر سفارش کرتے اور مصیبت میں ان کے ضامن ہوتے اور جس چیز کا انہیں ڈر ہوتا اس کا خود ذمہ لیتے اور ان کے امور کا اس قدر اہتمام کرتے جتنا اپنے امور کا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ مجھے فرمایا: جو شخص برائیوں میں اپنے ساتھیوں کا شریک نہیں ہوتا وہ ساتھی نہیں کہلاتا

نیز فرمایا: اگر مصاحبت نیکوئیں تک ہی محدود ہو تو وہ مصاحبت نہیں کلا سکتی۔ حاصل یہ کہ آپ اپنے مریدوں کے لیے اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی رحمت تھے۔ ایسے ہی بزرگوں پر لوگ روتے ہیں اگر ہم ان تمام جزئیات کی انجیل دینا چاہیں تو بات بہت لمبی ہو جائے۔
اس تمام بحث سے سرور دہی کے اس قول کا مطلب کہ شیخ کی معیت میں عقدے حل ہوجاتے ہیں۔ واضح ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

وَنُفِصِلُ بَيْنَ الْكُفِّ وَالْكَشْفِ إِنَّهُ لَتَوْضِيحٌ مَّا كُوشِفَتْ مُبْتَسِمٌ الشَّعْرُ
اور اگر تجھے کشف ہو تو اس میں بھی شیخ کی طرف رجوع کر اس لیے کہ وہ بخوشی تمہارے کشف کی وضاحت کر دے گا۔

سرور دہی فرماتے ہیں: ڈاکر کے لیے بعض اوقات حقائق بغیر صورتِ مثالیہ کے ظاہر ہو جاتے ہیں جسے کشف کہتے ہیں۔ کبھی یہ چیز آنکھوں سے دکھائی جاتی ہے اور کبھی سماع کے ذریعہ سے اور کبھی اپنے باطن سے سن لیتا ہے اور کبھی باطن سے نہیں بلکہ ہواسے اسے آواز سنائی دیتی ہے جیسے ہوائے جن سے وہ سمجھ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے یا کسی اور سے کیا معاملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے اطلاع ہوتی ہے تاکہ اس کا یقین نچوڑ ہو جائے۔ اس سے بھی بڑھ کر وہ شغف ہے جسے خالص یقین کا ماسخ فہم بر خلاف مذکورہ بالا کشف کے کہ اس میں کشف یقین کا سبب ہوتا ہے، کیونکہ کشف تو برہمنوں، فلاسفہ اور دہریہ اور راہبوں وغیرہ کو بھی حاصل ہو سکتا ہے، حالانکہ یہ رسوائی اور ہلاکت کا طریقہ ہے۔ یہ کشف ان لوگوں کے لیے مکر و استدراج کا سبب ہوتا ہے تاکہ یہ لوگ اپنی حالت کو اچھا سمجھ کر گمراہی اور ہلاکت کی راہ پر ہی قائم رہیں اور سالک اس سے دھوکا نہیں کھاتا اور وہ جانتا ہے کہ خواہ وہ ہوا اور پانی پر بھی کیوں نہ چلنے لگ جاتے تب بھی اسے یہ کچھ فائدہ نہیں دے سکتا جب تک کہ وہ زہد و تقویٰ کا حق ادا نہ کرے۔ اسی لیے کشف میں شیخ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہوتی کیونکہ اس کے خطرات سے بچنا مشکل ہے۔

وَلَا تُشْفَرُ عَنْهُ بِوَاقِعَةٍ حَبْرَتْ لَفِي غَشَاءٍ عَيْنَاكَ وَالسَّمْعُ فِي دُثْرٍ

مد۔ اس قصیدہ میں اولیٰ نما سے کوئی ایک سقم پائے جاتے ہیں چنانچہ شعر نمبر ۱۰ خارج از وزن ہے۔ قصیدہ بحرِ طویل میں ہے مگر ابشہ کا پند مصرعہ غیر موزوں ہے۔ پھر پند ۲ میں شعر میں حَبْرَتْ الدَّارِ کہا ہے مگر کہ جنی کا لفظ جملہ باشد کے لیے استعمال ہوتا ہے جنی الدار کی ترکیب شاعر کے اپنے ذہن کی اختراع ہے اس کے بعد اکسیر ان بقید ماسخہ آگئے مگر یہ

سہروردی فرماتے ہیں کہ صورت مثالی میں حقائق کے ظاہر ہونے کو "واقعہ" کہتے ہیں اور غیر صورت مثالی میں حقائق کے ظاہر ہونے کا نام "کشف" ہے۔ مثلاً یہ کہ کوئی خواب میں دیکھے کہ وہ دشمن پر غالب آگیا ہے پھر اس کے بعد اگر وہ دشمن پر غالب آگیا تو اس خواب کی تعبیر کی ضرورت نہیں اور کبھی دشمن پر غلبہ مثالی صورت میں دکھایا جاتا ہے مثلاً یہ خواب میں دیکھا کہ ایک سانپ کو مارا ہے پھر بیدار ہونے پر دشمن پر غلبہ پایا۔ اس صورت میں غلبہ کی حقیقت مثالی صورت میں دکھائی گئی ہے اس لیے خواب کی تعبیر کرنے کی ضرورت ہوگی۔ پہلی قسم میں یہ حقیقت اسے صورت کے بغیر ظاہر ہوئی۔ لہذا انسان کو جو مکاشفہ بھائی بیداری غیر صورت مثالی میں جو اسے "کشف" کہیں گے اور جو صورت مثالی میں ہوگا اسے "واقعہ" کہیں گے۔ بعض اوقات صورتہ مثالی بھی نافذ سے خالی ہوتی ہے۔ ناس کا کوئی مطلب ہوتا ہے اور نہ کوئی نتیجہ بعینہ اسی طرح جس طرح کہ پریشان خواب ہوتے ہیں اس لیے اسے "واقعہ" نہ کہیں گے کیونکہ "واقعہ" کے درست ہونے کی شرط یہ ہے کہ ذکر میں پہلے اخلاص پایا جائے پھر استغراق اور استغراق کی علامت دنیا سے بے رنجی اور تقویٰ کی پابندی ہے لہذا اب شعر کے معنی یوں ہوئے کہ جو "واقعہ" تم سے پیش آئے اس میں شیخ سے علیحدہ مت دھوس لیے کہ تمہارے کان اور آنکھیں کزور میں اور شیخ ان کا پرکھنے والا اور نافذ کرنے والا ہے۔

سہروردی عوارف میں فرماتے ہیں۔ آداب مرید میں سے یہ بھی ہے کہ شیخ سے رجوع کیے بغیر مرید کسی "واقعہ" یا "کشف" میں اپنے آپ کو مستقل نہ سمجھے۔ اس لیے کہ شیخ کا عمل وسیع اور اس کا دروازہ جو اللہ کی طرف ہر وقت کھلا رہتا ہے بہت بڑا ہے۔ چنانچہ اگر "واقعہ" سمجھ ہوگا تو شیخ اسے نافذ کر دیگا اور اگر اس میں کوئی شبہ ہوگا تو شیخ اسے زائل کر دیگا۔ اس کے بعد سہروردی نے لمبی بحث کی ہے پھر فرماتے

(بعینہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

شعر پھر خارج از وزن ہے۔ پہلے مصرع میں تشبیہ کی داکو اگر مشدود پڑھا جائے تب باکر وزن پورا ہوتا ہے حالانکہ صریحہ کی راہ مخفی ہے۔ غالباً شاعر نے یہ شعر سن رکھا ہے۔

چو تشدید در شعر ضرورت افتد تشدید صحیح چو تشدید باشد !!

اور اس پر عمل کیا ہے۔ پھر اسی شعر میں مستحضرہ کی ہمزہ کو وزن اور قافیہ کی خاطر حذف کیا ہے اور اس قسم کا حذف نہایت قبیح ہوتا ہے اسی طرح اس شعر کے دوسرے مصرع میں اصل نقفا خشا ہے جو مدد دہے شاعر کو وزن نے مجبور کیا اور بجائے نقشا کے غشا پڑھا۔ ضرورت شری کے لیے مدد کو مقصور پڑنا جاتا ہے مگر کیا تو شاعر نے مقصود نہیں کیا بلکہ ہمزہ کو جو کہ سب کو اسے مہموز بنا دیا ہے حالانکہ یہ لفظ ناقص ہے۔

میں ان عجیب و غریب واقعات سے جو میں نے اپنے شیخ کے مریدوں سے سنے ہیں یہ بھی ہے کہ انہوں نے ایک دن اپنے مریدوں سے فرمایا۔ میں کسی قدر علم کی ضرورت ہے لہذا تم اپنی اپنی غلوت گاد میں پلے جاؤ اور جو فتح تمہیں نصیب ہو اسے میرے پاس لاؤ۔ انہوں نے ایسا کیا اس کے بعد ان میں سے ایک شخص جس کا نام اسماعیل بٹالچی تھا آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جس پر تین دائرے کھینچے ہوئے تھے اس نے کہا حضرت مجھے تو واقعہ میں یہی چیز حاصل ہوئی ہے۔ شیخ نے کاغذ لیا اور ابھی ایک گھڑی نہ گزری تھی کہ ایک شخص آیا جس کے پاس سونا تھا اور اسے شیخ کے سامنے رکھ دیا۔ شیخ نے کاغذ کھولا تو ٹھیک تین تھے اور ہر ایک اپنے اپنے دائرہ پر درست آیا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ یہ شیخ اسماعیل کی فتوح ہے یا اسی قسم کے اور الفاظ کے۔

نیز فرماتے ہیں (یعنی سرور دہی) کہ کبھی حقائق خیال باس میں یا مثالی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں جس طرح سوئے ہوئے شخص کے لیے حقائق خیال باس میں آتے ہیں مثلاً کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ اس نے سانپ مارا تو تعبیر کنندہ کہے گا کہ تو دشمن پر غالب آئے گا۔ اس کے بعد طویل بحث کی ہے اور "واقعہ" اور "کشف" اور "واقعہ صمیم" اور "خیال محض" میں فرق بیان کیا ہے اور یہ بحث ایک بڑی تطبیق کے ورق پر آئی ہے۔ میں نے اس شعر اور پہلے شعر کی تشریح میں اس کا حاصل بیان کر دیا ہے۔
واللہ اعلم۔

۶۰۔ وَفَرَّائِيهِ فِي الْمُهَيَّمَاتِ كُلِّهَا فَأَنْتَ تَلْقَى النَّصْرَ فِي ذَلِكَ الْغَبْرِ
(ترجمہ: تمام مہمات میں اسی کی طرف بھاگ کر جا کیونکہ تجھے اسی بھاگنے میں کامیابی حاصل ہوگی)

سرور دہی فرماتے ہیں: مرید کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ شیخ ایک ایسا دروازہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہِ کریمی کی طرف کھول رکھا ہے۔ اسی دروازہ سے اللہ کی بارگاہِ کریمی میں داخل ہو سکتے ہیں اسی سے نکل سکتے ہیں اور اسی دروازہ کی طرف ہم رجوع کرتے ہیں اور مرید کو چاہیئے کہ اپنی دینی اور دنیاوی ضروریات شیخ کے سامنے پیش کرے۔ شیخ انہیں اللہ کے حضور میں پیش کرے گا اور جس طرح مرید شیخ کی طرف رجوع کرتا ہے اسی طرح مرید کی خاطر شیخ اللہ کی طرف رجوع کرے گا۔ شیخ کے لیے بیداری اور خواب میں مکالمہ اور محادثہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ اسی لیے شیخ مرید میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہیں کرتا کیونکہ مرید اس کے پاس اللہ کی امانت ہے شیخ مرید کی حاجتوں کے لیے اللہ کی بارگاہ میں اسی طرح فریاد کرتا ہے جس طرح اپنی ذاتی ضروریات اور دنیاوی اور اخروی مہمات کے لیے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں: دَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا
(سورہ شوریٰ آیت ۱۵) کسی انسان کی طاقت نہیں کہ اللہ اس سے باتیں کرے مگر بذریعہ وحی یا پس پردہ
یا اس طرح کہ اس کے پاس فرشتہ بھیج دے چنانچہ فرشتہ کا آنا اور وحی تو انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے
اور پس پردہ کلام بذریعہ الہام یا بذریعہ ہوائی یا خواب وغیرہ میں یہ شیخ کے لیے ہے۔

سہروردی نیز فرماتے ہیں: شیخ کے آداب میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جب مرید شیخ سے
کوئی بات دنیا یا دین کے متعلق کرنا چاہے تو جب تک اسے معلوم نہ ہو جائے کہ شیخ اس کی بات
سننے کے لیے آمادہ ہیں شیخ سے گفتگو کرنے میں جلدی نہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ جس طرح دعا کے آداب اور
شرائط میں اس لیے کہ دعا میں اللہ سے ہم کلامی ہوتی ہے اسی طرح شیخ سے بات کرنے کے بھی آداب و
شرائط ہیں اس لیے کہ یہ اللہ سے معاملہ کرنا ہوتا ہے مرید کو شیخ سے کلام کرنے سے پہلے اللہ سے دعا کرنی
چاہیے کہ اسے یہ کام مناسب ادب بجالانے کی توفیق دے۔

میں نے حضرت سے سنا کہ شیخ کا مرید کے لیے وہی درجہ ہوتا ہے جولاَ اللہ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ
وَسُوْنُ اللہ کا ہے۔ چنانچہ مرید کے ایمان کا تعلق شیخ سے ہوتا ہے اسی طرح اس کے تمام دینی اور دنیوی
امور کا بھی۔ ارباب بصیرت اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

جب مجھے حضرت کے مرتبہ کا علم نہ تھا میں اکثر حضرت کے ساتھ باہر جاتا تھا تو اکثر فرماتے کہ تمہاری
مثال ایسی ہے جیسے کوئی شہر کی بند فیصل پر چل رہا ہو کہ چلنے کی جگہ تو بہت تنگ ہے اور گرسے تو دور
جاگرسے۔ میں اس کلام کا مطلب کچھ مدت کے بعد سمجھا۔ لہذا اس کے بعد جب حضرت کے الفاظ
میرے ذہن میں آتے تو مجھ پر سخت خوف طاری ہو جاتا۔

ایک دن میں نے عرض کیا کہ مجھے اپنے چند اعمال کی وجہ سے اللہ سے ڈر لگتا ہے۔ آپ نے
پوچھا وہ کیا ہیں؟ میں نے جتنے یاد آئے کہہ دیئے۔ فرمائیے گئے: ان باتوں سے مت ڈرو، لیکن تمہارے
بجائے سب سے بڑا گناہ تو یہ ہے کہ ایک گھڑی گزر جائے اور میرا خیال تمہارے ذہن میں نہ آئے۔ یہ وہ معصیت
ہے جو دین و دنیا میں نقصان دے گی۔

ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نیکی سے بہت دور ہوں۔ فرمایا: یہ خیال ذہن سے نکال دو۔ میرے
نزدیک جو تمہاری قدر و منزلت ہے اسے دیکھو۔ اسی پر تمہیں محمول کیا جائے گا ہمارے حضرت سے ایسے مراسم
تھے کہ شاذ و نادر ہی ایسے سننے میں آتے کہ جو معاملہ بھی ہمیں پیش آتا خواہ چھوٹا ہو یا خواہ بڑا، ہم اس کا
ذکر آپ سے کر دیتے تھے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے آپ اس کا ذمہ لیتے اور غصہ ذکر کرنے سے ہی ہمیں اس

سے بے فکر دیتے۔ آپ ہم سے بھی دوزخ بھی کرتے تھے، حیار کا پردہ اٹھا دیتے اور ہمارے سوال کرنے سے پیشتر ہی بات شروع کر دیتے۔ اور فرماتے مجھے شیخ کے مقام پر منت بکھا کرو۔ میں تو تمہارے بھائی کی طرح ہوں۔ تم میں مقام شیخ کے آداب بجالانے کی طاقت نہیں۔ لہذا میں تم سے مصالحت کرتا ہوں اور تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم مجھے بمنزلہ بھائی کے سمجھو تاکہ بھائی اور تمہاری صحبت دائمی ہو۔ خدا حضرت کو جزا بخیر دے۔ واللہ اعلم۔

۴۔ وَلَا تَكُ مِمَّنْ يَتَّقُونَ الْفِعْلَ عِنْدَكَ فَيَقْسُدُونَ أَنَّهُ لَيَقُولَنَّ إِنْ الْكُسْبِ
ترجمہ: تو ان لوگوں میں سے نہ بن جنہیں اپنے اعمال اچھے معلوم دیتے ہیں تاکہ کہیں یہ
اعمال فاسد نہ ہو جائیں ہاں البتہ اگر کسب نفسی کی طرف بھاگ کر پناہ لے تو عمل فاسد
نہیں ہوتے۔

اس شعر میں اپنے اعمال پر گھمڈ کرنے سے پرہیز کرنے کو کہا گیا ہے کیونکہ گھمڈ سے اعمال کو نقصان پہنچتا
ہے اور دوسرے مصرع کا مطلب یہ ہے کہ جب تو اس غور سے بھاگ کر اللہ کی طرف رجوع کرے تو تمہارے
اعمال فاسد نہ ہوں گے اس لیے کہ جب تو نے اللہ کی طرف رجوع کیا تو تو اسی کو توفیق کرنے والا اور ان اعمال
کا جاری کرنے والا پائے گا اور یہ سمجھے گا کہ تو تو ایک طرف عمل ہے تجھ میں اور دوسروں میں کوئی فرق
نہیں اور جو نیک اعمال تجھ سے صادر ہوں گے ان میں اپنے آپ کو ایسا پائے گا جیسے کوئی دوسرے
کے فعل پر فخر کرے گا۔ جو اس طرح تیرا گھمڈ اللہ سے حیا و شرم اس کی ناراضگی سے ڈرے اور اس کے
انعامات پر شکوکہ کرنے میں تبدیل ہو جائے گا۔ گھمڈ اس بات کی علامت ہے کہ تیرا عمل قبول نہیں ہوا چنانچہ
ایک عارف کا قول ہے کہ تیرے عمل کی مقبولیت کی علامت یہ ہے کہ تو اسے بھول جاتے اور تو اپنی نگاہ کو
اس طرف سے لگی طور پر مٹا لے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ اللہ تعالیٰ عمل
سالح کو اوپر اٹھایا ہے چنانچہ اس بات کی علامت کہ حق تعالیٰ نے اس عمل کو اٹھایا ہے یہ ہے کہ اس
میں کچھ بھی تمہارے پاس باقی نہ رہے لہذا اگر تمہاری نظریں کچھ بھی باقی نہ رہے تو سمجھو کہ یہ عمل
اللہ کی طرف نہیں اٹھا

زین العابدین علی بن الحسین رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگر تمہارے کسی ایک فعل کی طرف نگاہ لگی

۵۔ زین العابدین علی بن الحسین رضی اللہ عنہما علی اصغر بھی ہیں کیونکہ علی اکبر امام حسین علیہ السلام کے ساتھ

شہید ہوئے تھے۔ تمام حسین ان بحال اولاد میں سے ہیں۔ ان کی وفات اٹھادس برس کی عمر میں

۱۱۔ رسول اللہ میں ہوئی۔

رہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مقبول نہیں ہو کیونکہ جو عمل مقبول ہوتا ہے وہ اٹھایا جاتا ہے اور انسان سے غائب ہو جاتا ہے اور جس سے تمہاری نگاہ منقطع ہو گئی، وہی قبولیت کی دلیل ہے۔

۴۱۔ وَمَنْ حَلَّ مِنْ صَلَاتِي إِلَّا نَابَهُ مَثْرًا يَزِي الْعَيْبُ فِيْ اَفْعَالِهِ وَهُوَ مُسْتَبْرِي

ترجمہ: جو شخص اللہ کی طرف صدق دل سے رجوع کرنے میں کسی مرتبہ کو پہنچ جائے وہ اپنے افعال میں عیب ہی عیب دیکھتا ہے حالانکہ وہ بے عیب دیکھا جاتا ہے یعنی جو شخص اللہ کی طرف مکی طور پر رجوع کر چکا ہو تو باوجود اس کے کہ اس نے افعال ظاہر و باطن میں شریعت اور حقیقت کے مطابق ادائیگے ہوں پھر بھی وہ ان میں عیب ہی دیکھتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں کوئی بات اس سے مخفی نہ رہ گئی ہو۔

ابو یعقوب اسحق بن محمد نرجوری فرماتے ہیں: جس کے تمام احوال کا وال خدا ہو اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ میرے اخلاص میں کوتاہی، میرے انکار میں غفلت، میرے صدق میں کمی، میرے مشاہدہ میں سستی اور میرے فقر میں بداحتیاطی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے تمام احوال کو ناپسندیدہ خیال کرتا ہے اور اپنے ارادہ اور سیرت میں اللہ کی طرف اس کا احتیاج اور بڑھ جاتی ہے۔

ابو عمر اسماعیل بن نجید فرماتے ہیں: عبودیت میں تم میں سے کسی کا قدم صاف و پاک نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے نزدیک اس کے تمام افعال ریاکاری اور تمام احوال محض دعویٰ ہی دعویٰ نہ ہوں کیونکہ نفس تو خیر کی مخالفت پر ہی مجبور معلوم ہوتا ہے اگر اللہ کا فضل و رحمت نہ ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَقُلْنَا فَضَّلَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةً خَازَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا (سورہ نور) اگر تم پر اللہ کا فضل و رحمت نہ ہو تو تم میں کوئی بھی کبھی پاک و صاف نہیں ہو سکتا۔ نیز فرمایا مَا أَتَيْنِيْ نَفْسِيْ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمْتُ رَبِّيْ۔ (سورہ یوسف) پارہ تیرہ کی ابتدا میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دینا۔ نفس تو برائی کا حکم دیتا ہے مگر اللہ رحم کر دے تو۔

ایک بزرگ کا قول ہے: وہاں تو اللہ کے فضل کے سوا کچھ نہیں ہے اور ہم تو اسی کی پردہ پوشی

۱۔ ابو یعقوب اسحق بن محمد نرجوری: یہ ابو عمرو کی ابو یعقوب سہمی اور بنید رحمہم اللہ کی صحبت میں رہے ان کی وفات کو تین سو و پچاس سال بعد ہوئی۔

۲۔ ابو عمرو اسماعیل بن نجید: ابو عمرو اسماعیل بن احمد بن یوسف اٹمی: یہ ابو عثمان کی کے مرید تھے۔ حضرت بنید بغدادی سے بھی ان کی ملاقات ہوئی اور اپنے وقت کے بڑے شاعر میں تھے۔ ان کی وفات ۳۵۰ھ میں ہوئی۔ ان کا قول جو بیان دیا ہے شہان کی حقیقت اکبر کی ۱۱ صفحہ ۱۱ پر دیا ہے۔

پر زندہ ہیں اور اگر پردہ اٹھ جائے تو ہماری نہایت بُری حالت ظاہر ہو جائے۔ میں وجہ ہے کہ بڑے بزرگ اپنے صحیح اعمال سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں، دوسرے اعمال کا کتنا ہی کیا۔ یہاں تک کہ ابو یزید فرماتے ہیں اگر ایک بار بھی کلمہ طیبہ پاک و صاف طور پر ادا ہو جائے تو میں پھر کسی بات کی بھی بردار نہ کروں۔ ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں: میں نے اپنے کسی عمل کو بغیر استحسان نہیں دیکھا کہ میں اسکو اعمال میں شمار کر سکوں۔

ناظم قصیدہ اس قصیدہ کے ناظم امام ابو العباس احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن خلف الترمذی البکری الصدیقی ہیں۔ شہر سلاطین ۸۵۸ھ ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ مراکش میں نشوونما پایا اور مصر میں الفیوم میں رہائش اختیار کی اور وہیں ۹۳۸ھ ۱۵۳۰ء میں وفات پائی۔ وہاں لوگ انہیں تاج الدین کہتے تھے۔ یہ علم ادب اور بیان کے عالم تھے، شاعر تھے اور علم فقہ کے ماہر تھے تصوف میں انکا بڑا پایہ ہے چنانچہ ان کی تصنیفات اور نظمیں تصوف کے متعلق ہیں چنانچہ جو نظم میاں دی گئی ہے اس کا نام انوار السرائر و سرانوالانوار ہے اور چار دانگ عالم میں مشہور ہے مصنف اشدا العینین اسے اہل طریقت کے نزدیک حجت قرار دیتے ہیں۔ مشائخ اپنے مریدوں کو اس قصیدہ کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے رہے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ ابو عبد اللہ محمد ابن عمر بنی الدین اپنے مریدوں اور شاگردوں کو باعموم اس کی ترغیب دلاتے رہتے اور فرمانے کہ جو شخص اسے ہمیشہ پڑھتا رہے اسے یقیناً فیض حاصل ہوگا اور اس کے بعض مقامات کی خود تشریح فرماتے تھے۔

ناظم نے پہلے مراکش میں تحصیل علم کی۔ پھر طلب علم میں نکلا اور ناس میں اپنے زمانہ کے امام، اصولی، عابد و زاہد ابو عبد اللہ محمد بن علی بن عبد اللہ کرمی جو ابن الکسانی العبدلوی کے نام سے مشہور ہیں۔ شیخ امام نحوی البرز بن الامام النحوی ابی عبد اللہ محمد بن مسعود بن ابی رجب النشئی الاشبیلی، ابو العباس ابن ابی القاسم بن القفال سے علم حاصل کیا انھنشی مذکور مشہور صحابی الوشاحیہ النشئی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ پھر اندلس گئے اور وہاں کے اہل علم سے تحقیق کی۔ اس کے بعد بلاد مشرق کو گئے اور حج کیا اور بغداد پہنچے۔

ابو سلیمان دارانی ابو سلیمان عبد الرحمن بن علیہ و آلہ واران و شقی کی بستیوں میں سے ایک بستی سے ان کی وفات ۳۸۰ھ و ۹۹۰ء میں ہوئی۔

ابو ثعلبہ غسانی ابو ثعلبہ جرثوم بن نضر غسانی صحابی ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت آئے جب آنحضرت غزوہ خینہ کی عید یوم النحر میں آئے تھے اور انہیں اس وقت سے کہ آپ نے انہیں مال غنیمت میں سے حصہ دیا ۳۸۰ھ میں وفات پائی۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے بیٹے امام ابو محمد عبدالرزاق، محدث ابو الحسن محمد بن احمد بن عمران ^{تقطع} اور شیخ ابو محمد فیض بن قیروز بن عبداللہ الحنبلی سے اخذ علم کیا۔ امام تقی الدین ابو العزیز ظفر بن عبداللہ بن علی بن الحسین الازدی الشافعی سے جو المنشرح کے نام سے مشہور ہیں علم پڑھا۔ علم فقہ اسکندریہ میں امام شمس الدین ابو الحسن علی بن اسماعیل بن حسن بن عطیہ الایبیری المالکی سے پڑھا۔ علم تصوف شہاب الدین سہروردی مصنف عوارف المعارف سے حاصل کیا۔ ناظم کے قصیدہ کی اصل بھی یہی عوارف المعارف ہی ہے۔ علم طب ابویان سے پڑھا ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم السلاوی نے ان سے روایت علوم کی ہے۔

ابو محمد عبدالرزاق: ۳۵۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے اپنے تعلقین کی محدث، حافظہ عابد، زاہد اور ثقہ تھے۔ انہوں نے ۳۵۶ھ میں وفات پائی (تذکرۃ الحفاظ ج ۴: ۱۷۰)

حضرت عبدالعزیز دباغ کے مشائخ

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ مجھے دس دلیوں کی وراثت ملی ہے جن کے نام یہ ہیں۔ عرب بن محمد اھلوازی جو علی بن حزم کے مزار کے متولی و عبادہ نشین تھے۔ عبداللہ بن نادی جو اقطاب میں تھے۔ شیخ سے ان کی ملاقات کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ حضرت کو میں نے یہ فرماتے سنا کہ حضرت عبداللہ بن نادی اسما حسنی میں سے سترے زائد اسماء کے انوار سے سیراب کیے گئے تھے۔ حضرت یحییٰ صاحب الجریہ۔ یہ بھی اقطاب میں سے تھے اور خاھر دباغن میں شریعت محمدیہ کے بڑی سختی سے پابند تھے۔ جو لوگ صالحین کے مزاروں پر آتے ہیں، ان کی حاجات ان کے تصرف میں ہیں۔ یہ ان حاجتوں پر غور کرتے ہیں اور جن حاجتوں کا پورا ہونا تقدیر میں لکھا ہوتا ہے انہیں پورا کرتے ہیں۔ یہ حضرت نے اس وقت فرمایا جب میں نے ان سے ذکر کیا کہ لوگ اولیاء اموات کے مزاروں پر آتے ہیں اور ان کو فائدہ ہوتا ہے۔ نیز فرمایا کہ امت محمدیہ کے دلوں کی اللہ کے ہاں عجیب شان ہے۔ اگر لوگوں کا اجتماع کسی ایسی جگہ پر ہو جائے جہاں کوئی شخص صبی مدنون نہ ہو اور وہ یہ خیال کرنے لگ جائیں کہ یہاں کوئی ولی مدنون ہے پھر اس جگہ پر آکر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں تو اللہ تعالیٰ فوراً ان کی دعا قبول کر لیتا ہے اور آج کل حضرت یحییٰ اس تصرف پر مامور ہیں۔ یہ قبولیت دعا زندہ اولیاء کے بارے میں بھی ہوجاتی ہے۔ چنانچہ کہیں ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص لوگوں میں ولی مشہور ہوتا ہے اور اس کے توسل سے لوگوں کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ حالانکہ درحقیقت اس شخص کا ولایت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے اور متوسلین کی دعائیں نور واصل اہل تصرف کے ہاتھوں پوری ہوتی ہیں اور انہی نے اس شخص کو ولی کی صورت میں لا کھڑا کیا ہوتا ہے تاکہ اس جیسے اہل نعمت لوگ اس کے پاس آیا کریں۔ مگر اہل تصرف بھی تقدیر کے مطابق تصرف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ ولی بمنزلہ اس ڈھانچے کے ہوتا ہے جسے کسان اپنے کھیت میں پینڈوں کو دوڑ رکھنے کی غرض سے کھڑا کر دیتا ہے۔ پرندے اس صورت کو انسان سمجھ کر اس سے جھاگ جاتے ہیں حالانکہ انہیں جھگانا درحقیقت کھیت کے مالک کا کام ہوتا ہے، ڈھانچے کا نہیں۔ اسی طرح اہل تصرف اس آدمی کو کھڑا کر کے اس جیسے اہل نعمت لوگوں کو اس کے پاس جمع کر دیتے ہیں اور تصرف کرنے والا ان سے چھپا ہوتا ہے اس لیے کہ وہ اہل حق ہوتا ہے اور لوگوں میں اہل حق کے سمجھنے کی طاقت نہیں۔

حضرت نے فرمایا: ایک شخص کسی خطرناک راستہ پر مغرب کے بعد گیا جہاں دو آدمی اس کے لیے گھات میں بیٹھے ہوئے تھے۔ پہلا گھاتی کے شروع میں اور دوسرا درمیان میں۔ جب وہ گھاتی میں داخل ہونے لگا اور وہ ایک ایسے شخص کا رہید تھا جس کے پاس درحقیقت کچھ بھی نہ تھا۔ کھنے لگا اسے میرے نال پر۔ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جاہ کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اس گھاتی سے نجات دلایں اور میں نذرانہ کا وعدہ کرتا ہوں۔ ایک اہل تصرف نے یہ دعا سن لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم مبارک کی تعلیم کی خاطر اس کی دعا کو پورا کرنا پڑا۔ لہذا وہ اس مسافر کے ساتھ ہوئے۔ اس کے دل کو تسلی دی بیان تک کہ اس نے گھاتی کو عبور کر لیا۔ مگر مسافر اس صاحب تصرف کو دیکھ نہ سکتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان ڈاکوؤں کی نگاہوں پر پردہ ڈال دیا اور وہ اسے کچھ بھی نہ کہہ سکے۔ اس جہد کو یقین ہو گیا کہ اس کے پیرے اس کی حاجت پوری کی ہے چنانچہ وہ پیرے کے پاس پہنچا تو اسے اپنے وعدہ کے مطابق چار مثقال دیئے۔ واللہ اعلم۔

چوتھے حضرت منصور بن احمد ہیں۔ یہ جبل حبیب کے رہنے والے تھے۔ یہ بھی قطب
 ۴۔ منصور بن احمد | تھے امیر بحران کے تصرف میں تھے۔ حضرت نے ایک بار فرمایا۔ تو نے دیکھا ہوگا کہ جب گوشت کو گوشت سے کاٹا جاتے تو بعض اوقات گوشت پھر کا کر تا ہے۔ میں نے عرض کیا: جی ان دیکھا ہے، فرمایا: جب حضرت منصور کو فتح نصیب ہوئی تو ان کا بھی یہی حال تھا۔ اللہ کے جلال و عظیم کی وجہ سے ان کے تمام اعضاء لرزتے تھے اور ایک مدت تک ان کا یہی حال رہا۔ نیز فرمایا کہ میں نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو دیکھا کہ حضرت منصور سے دعا: خیر کے طلبگار تھے۔ حضرت نے ان دونوں قبول کے متعلق بہت سے علمی اور عرفانی فوائد بیان فرمائے۔

پانچویں حضرت محمد سراج ہیں جو فصیح کے ضلع میں انجرا کے رہنے والے تھے۔ یہ بھی قطب
 ۵۔ محمد سراج | تھے۔ ان سے حضرت کی ملاقات کا واقعہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ حضرت نے انکے زیادہ واقعات بیان نہیں فرمائے۔ صرف تین بتاتے ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔

چھٹے حضرت احمد بن عبد اللہ مصری ہیں۔ یہ غوث وقت تھے ابتداء
 ۶۔ احمد بن عبد اللہ مصری | کتاب میں ان کی اس حکایت کا ذکر ہو چکا ہے جس میں انھوں نے حضرت کو نصیحت فرمائی تھی۔

ساتویں علی بن عیسیٰ مغربی ہیں۔ یہ بھی قطب تھے۔ ان کا مسکن شام کے علاقہ
 ۷۔ علی بن عیسیٰ مغربی | میں دروز کے پناہ میں تھا۔ حضرت نے ان کی کئی بیان فرمائی جس میں بیان کیا

ہے کہ یکس طرح مغرب سے شام کی طرف چلے گئے۔

۸۔ محمد بن علی اکیمونی۔ ۹۔ محمد مغربی۔ ۱۰۔ عبداللہ جراز اور دشوہیں عبداللہ جراز ہیں حضرت جراز

دیر مراکش کے رہنے والے تھے۔

۱۲۰۰ھ کے آخر میں حضرت نے ابراہیم ملکن کی وراثت حاصل کر لی تھی۔ حضرت نے مجھ سے ان کا نام ذکر کیا تھا اور فرمایا: سمجھ لو۔ پھر گھوڑے عرصہ کے بعد مجھ سے پوچھا تو میں ان کا نام بھول گیا تھا۔ آپ نے پھر ذکر کیا اور پھر نصیحت کی کہ میں پھر بھول گیا۔ تیسری مرتبہ پھر ذکر کیا اور مجھے ڈانٹا تو میں نے یہ نام کھ لیا اور یاد بھی رکھا۔ حضرت نے فرمایا: یہ الجوزائے کے رہنے والے ہیں۔ اس کے بعد ہم نے ڈر کے مارے پوچھا ہی نہیں کہ ان کے علاوہ آپ نے کن کی وراثت حال کی۔

پھر میں نے حضرت سے عرض کیا کہ ان بزرگوں سے جو وراثت آپ نے حاصل کی ہے وہ مختلف قسم کی ہے۔

فرمایا: نو بزرگوں سے معرفت حق سبحانہ کی وراثت پائی اور پہلے سے بھی یہی معرفت حاصل کی، اس کے بعد آپ نے ایک گھوڑ سوار کی مثال دی کہ کسی نے چاہا کہ اس سوار کی تعریف کی جائے تو ایک شخص نے گھوڑے کی ٹانگوں، رنگ، رفتار، گردن کی لمبائی، غرضیکہ گھوڑے کے تمام اوصاف بیان کر دیے اور یہ بھی بتایا کہ سوار اسے کیسے پلارہا ہے مگر اس نے سوار کا قطعاً ذکر نہ کیا ہو۔ یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ جو تعریف اس نے گھوڑے کی کی ہے، وہ محض تعریف ہی نہیں بلکہ بیان کرنے والے کی تعریف اسی ہو کہ گویا کہ ہم اپنی آنکھوں سے گھوڑے کو دیکھتے اور شاہدہ کر رہے ہیں۔ اس کے بعد کوئی اور شخص آئے اور وہ سوار کی اسی تعریف کرے کہ وہ تباری آنکھوں کے سامنے آجائے اور ہر قسم کا حجاب اٹھ جائے۔

ایک اور بار حضرت نے اس طرح مثال دی اور فرمایا: جو کچھ مجھے حضرت عمر سے حاصل ہوا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی کو کہے میرے ساتھ اس راستے پر چلو تو ہمیں اس راستہ پر پانی مل جائے گا، لیکن یہ نہ بتائے کہ پانی کہاں ہے چنانچہ شخص بغیر جانے کہ پانی کہاں ہے روانہ ہو جائے یہاں تک کہ کوئی شخص اگر ہم نہیں پانی کی جگہ متعین کر کے بتا دے کہ یہاں پانی ہے۔

ایک اور مرتبہ فرمایا کہ میرا اور حضرت عمر کا معاملہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص دوسرے کے لیے شکار کر کے اس کے سامنے شکار کو چھوڑ کر چلا جائے مگر اس شخص کو معلوم نہ ہو کہ اس شکار کو کس طرح استعمال میں لاؤں۔ پھر ایک اور شخص اگر آگ اور ایندھن لاکر ملائے۔ پھر یہ لاتے اور کہے یہ چھری لے اور اس سے جس قدر

پاہر گوشت کا ٹوا رکھا۔

میں نے پوچھا: کیا حضرت عمر دوسری قسم کے مفتوحہ علیہ تھے۔

فرمایا: ہاں۔ لیکن ان کی فتح کمزور تھی۔

میں نے پوچھا: کیا وہ دیوان میں بھی حاضر ہوتے ہیں؟

فرمایا: ہاں، مگر ہر شخص جو دیوان میں آتا ہے، اسے دیوان کی باتوں کا علم نہیں ہوتا کہ کیا داخل ہوا

اور کیا نکلا اور کیا کم ہوا اور کیا زیادہ ہوا۔

میں نے کہا دیوان بھی نجاس علم کی طرح ہوا کہ ہر شخص جو اس مجلس میں آئے اسے مجلس کی باتوں کا

علم ہونا ضروری نہیں۔

اس کے بعد میں نے حضرت سے پوچھا کہ آپ کی ملاقات حضرت عمر سے کیسے ہوئی؟

فرمایا کہ میں نے بہت سے ایسے لوگوں کو اپنا شیخ بنایا جن کے پاس کوئی سزا نہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ

نے میرے دل کو حضرت عمر کی طرف مائل کر دیا۔ ہم دونوں حضرت علی بن حرزیم کے مزار پر اکٹھے ہوتے تھے

عمرؓ وہاں کے سجادہ نشین تھے اور ہم وہاں کا تبرک لیا کرتے تھے، میں نے فوراً انہیں دیکھا تو مجھے آپ کی

حالت بہت پسند آئی۔ میں آپ کے ورد کے متعلق پوچھتا مگر آپ مجھ سے تعاضل سے پیش آتے۔ اس سے میرا

شق اور بڑھ جاتا۔ بالآخر ہم ایک رات علی بن حرزیم کے روضہ پر سوئے تھے کہ تلقین ورد اور خضر سے ان کی

ملاقات کا واقعہ جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، پیش آیا۔

ایک مرتبہ میں آپ کے پاس بیٹھا تھا کہ کسی نے آپ سے اس ورد کے بارے میں سوال کیا جو شیخ مرید

کو عطا کرتا ہے،

آپ نے فرمایا: صادقین کے متعلق دریافت کر رہے ہو یا کاذبین کے متعلق؟

سائل نے جواب دیا: صادقین کے متعلق؟

فرمایا: اللہ تعالیٰ اس امت کے دین کی حفاظت اسی پاک شریعت کے ذریعہ سے فرماتے ہیں کہ اگر

اس پر ظاہر میں عمل کیا جائے تو یہ باطن میں ایمان کی حفاظت کرتی ہے اور صریح شیخ کا باطن حق سبحانہ کے

مشاہدہ سے معمور ہوتا ہے چنانچہ شیخ کامل کی ملاقات سے پہلے حب مرید لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو صرف زبان سے

کہتا ہے۔ اس کا دل اس سے غافل ہوتا ہے مگر شیخ اپنے مشاہدہ کی بدولت دل سے لا الہ الا اللہ کہتا ہے لہذا

جب وہ مرید کو اس کی تلقین کرتا ہے تو اس کی حالت مرید میں بھی سرایت کر جاتی ہے اس کے بعد وہ ترقی

کرتا رہتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی قسمت میں لکھا ہو تو شیخ کے مرتبہ تک بھی پہنچ جاتا ہے۔

اس کے بعد حضرت نے مثال کے طور پر ایک مشہور حکایت بیان کی کہ ایک بادشاہ کا ایک بیٹا تھا جس سے اسے بہت محبت تھی۔ بیٹا سخت بیمار ہو گیا۔ بادشاہ نے علاج کے لیے طبیبوں کو بلایا اور کہا کہ اگر یہ بچہ صحت یاب نہ ہوا تو تمہیں سخت سزا دی جائے گی۔ سب طبیب اس بات پر متفق تھے کہ اگر بچہ گوشت کھانا چھوڑے تو تندرست ہو جائے گا۔ بیٹے کو جب یہ کہا گیا تو اس نے زمانا اور کہا خواہ ابھی جان نکل جائے مگر گوشت کھانا نہ چھوڑوں گا۔ طبیبوں کو بڑی پریشانی ہوئی۔ اور سخت مصیبت میں مبتلا تھے کیونکہ بیٹے نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ جس قدر اسے کہتے اسی قدر اسے نفرت ہوتی۔ پھر ان میں سے ایک نے اٹھ کر غسل کیا بارگاہِ خداوندی میں گریہ و زاری کی اور نصیحت کر لی کہ جب تک مریض گوشت نہ کھائے گا وہ بھی نہ کھائے گا۔ اس کے بعد مریض کے پاس آکر کہا اگر گوشت نہ کھانا چنانچہ اس نے اس کی بات مان لی اور اسی وقت اسے آرام آ گیا۔ اس پر جب باقی تمام طبیبوں کو حیرت ہوئی تو اس نے اس کی وجہ بتادی۔

نیز فرمایا کہ جن اولیاء اللہ کو معرفتِ خداوندی حاصل ہوتی ہے وہ جب مجبورین کو دیکھتے ہیں کہ ان میں ایک شخص کا وجود پاک ہے اور اس میں سر کے متحمل ہونے کی صلاحیت اور طاقت ہے تو وہ اس شخص کو متعین ذکر وغیرہ کرتے رہتے ہیں۔ یہی شخص جسے سر کے برداشت کرنے کی طاقت ہوتی ہے، ان کا مقصد ہوتا ہے۔ اگر شیخ کے پاس دوسرے لوگ آئیں جو سر کو برداشت کرنے کے قابل نہیں ہوتے تو شیخ انہیں بھی ذکر کی تلقین کر دیتا ہے اس لیے کہ وہ متعین ذکر سے کسی کو محروم کرنا نہیں چاہتا خواہ وہ اہل ہویا نہ ہو۔ اس کا ایک اور فائدہ ہوتا ہے جو قیامت کے دن ظاہر ہوگا کیونکہ قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں میں لارہم ہوگا اور یہ فرمایا ہوگا۔ دیگر تمام مخلوقات خواہ آپ کی امت میں سے ہوں یا دیگر انبیاء کی مع اپنے انبیاء کے سب آپ کے پیچھے ہوں گے۔ ہر امت اپنے نبی کے جھنڈے تلے ہوگی اور انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے امداد حاصل ہوگی۔ تمام انبیاء اپنی امتوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کندے کی امت مطہر ہوگی جس میں اولیاء کی تعداد انبیاء جتنی ہوگی اور وہ انبیاء کی طرح ہاتھوں میں جھنڈے لیے ہوں گے۔ انبیاء کی طرح ان کے متبعین ہوں گے۔ انبیاء کی طرح انہیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد پہنچے گی اور ان کے متبعین کو ان سے۔ لہذا جس مرید میں سر کے متحمل ہونے کی طاقت نہ ہوگی اسے اس شیخ سے جس نے اسے تلقین ذکر کی ہوگی، نفع ہوگا۔

حضرت نے فرمایا کہ محض متعین اور ذکر کے کلمات منہ سے نکالنے سے کوئی فائدہ نہیں جب تک کہ اسے تعلیم نہ دی جائے کہ اللہ ملائکہ الہامی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانے کی کیا حقیقت ہے اور اسے کچھ نہ کچھ باطنی فائدہ بھی ہو۔

میں نے کسی اور سے طبیعوں کے قلعے کی طرح اور قلعے بھی سنے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ایک غلام نے ایک بزرگ سے درخواست کی کہ وہ اس کے آٹا کے پاس اسے رہا کر دینے کی سفارش کریں۔ ایک سال تک اس بزرگ نے اس کی بات نہ مانی۔ پھر وہ اسے لے کر اس کے آٹا کے پاس گئے اور اسے اس کو آزاد کرنے کو کہا۔ اس کے آٹا نے بات مان لی اور اسے آزاد کر دیا۔ غلام اس سے بہت خوش ہوا اور بزرگ سے کہا اگر آپ پہلے دن ہی سفارش کر دیتے تو مجھے اتنی مدت غلامی میں نہ رہنا پڑتا اور اس مدت کا اجر بھی آپ کی نیکیوں میں کھاتا۔ آپ نے اس قدر تاخیر کیوں کی۔ بزرگ نے جواب دیا میں کسی کو اس وقت تک کسی کام کے کرنے کا حکم نہیں کر دیتا جب تک کہ میں خود نہ کروں اور جب تو نے مجھے کہا تھا کہ میں تمہارے آٹا کو تمہیں آزاد کرنے کو کہوں اس وقت میرے پاس کوئی غلام نہ تھا جسے میں آزاد کرنا اس لیے اس سال کے عرصہ میں میں روپیہ کتنا رہا بیان تک کہ ایک غلام کی قیمت میرے پاس جمع ہو گئی۔ پھر جب میں نے اسے خرید کر آزاد کر دیا تب جا کر تمہارے آٹا سے بات کی اور اس نے میری بات مان لی اور اگر میں غلام آزاد کرنے سے پہلے اس سے بات کرتا تو میرا خیال نہیں کہ میری بات مان لیتا۔ واللہ اعلم۔

اہم اعظم

حضرت نے فرمایا کہ اہم اعظم ننانوے ناموں میں سے نہیں ہے بلکہ وہ سوال نامہ ہے مگر اہم اعظم کے بیشتر معانی ننانوے اسماء حسنہ میں پائے جاتے ہیں اور وہ ذات کا ذکر ہے زبان کا ذکر نہیں ہے لہذا جب یہ ذکر ذات سے لکھتا ہے تو اس سے اس طرح آواز نکلتی ہے جس طرح پیل کی آواز ہوتی ہے۔ یہ ذکر ذات کے لیے بڑا ثقیل معلوم ہوتا ہے چنانچہ ذات دن بھر میں ایک یا دو بار سے زیادہ اس کا ذکر نہیں کر سکتی۔

میں نے عرض کیا: یہ کیوں؟

فرمایا: اس لیے کہ یہ ذکر بغیر مشاہدہ نامہ کے نہیں ہو سکتا اور یہ اس ذات کے لیے ثقیل ہوتا ہے چنانچہ جب ذات اس کا ذکر کرتی ہے تو اس کے لیے ہیبت اور خوف کے مارے تمام عالم مغفود ہو جاتا ہے۔ نیز فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں اس اہم اعظم کا ذکر کرنے کی طاقت تھی۔ چنانچہ وہ دن میں چودہ مرتبہ اس کا ذکر کیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

اسماء حسنہ

حضرت نے فرمایا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مشاہدات کے ذریعہ اسماء حسنہ کے معانی حاصل ہوتے تھے۔ چنانچہ جس قسم کے معانی کا وہ مشاہدہ فرماتے اس کے مطابق ایک نام وضع کر لیتے لہذا اللہ تعالیٰ مشاہدات کے مطابق ان پر یہ معانی ظاہر کرتے تھے اور اسی کے مطابق ان سے اسماء کا ظہور ہوتا چنانچہ تمام اسماء حسنہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وضع کئے ہوئے ہیں۔ حضرت

اور میں علیہ السلام پہلے نبی میں جنہوں نے علیم، قوی، عظیم اور متان کے اسماء وضع کیے۔ اسی طرح ہر نبی نے کوئی نہ کوئی نام وضع کیا ہے مگر انہوں نے یہ نام اپنی اپنی زبان میں وضع کئے تھے۔ قرآن کی خصوصیت ہے کہ اس نے ان تمام اسماء کو جمع کر دیا ہے اور انہیں انبیاء متقدمین کی زبان میں نہیں عسری زبان میں دیا ہے۔

نیز فرمایا کہ سب سے پہلے اسم جلالت (اللہ) حضرت آدم علیہ السلام نے خود وضع فرمایا: اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان میں روح پھونکی تو آپ فوراً اٹھ کر ایک ٹانگ پر کھڑے ہوئے اور دوسری ٹانگ کے گھٹنے کے بل بیٹھ گئے اسی حالت میں انہیں حق سبحانہ کا مشاہدہ عظیم ہوا چنانچہ ان کی زبان سے ایسا لفظ نکلا جو ان اسرار کا مفہوم ادا کر رہا تھا جن کا انہوں نے ذات خداوندی سے مشاہدہ کیا چنانچہ کہا "اللہ" خدا کے علم ازل میں یہ بات تھی کہ اس کے یہ نام رکھے جائیں گے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان ناموں کو انبیاء واصفیاء کی زبان پر جاری کیا۔

حضرت نے فرمایا: اگر سید الوجود صلی اللہ علیہ وسلم ان معانی کے لیے اسماء وضع فرماتے جو آپ کو اس مشاہدہ میں حاصل ہوتے جس کے متعلق ہونے کی کسی میں طاقت نہیں تو تمام سنتے والے فنا ہو جاتے مگر اللہ سبحانہ اپنے بندوں پر بہت لطف و کرم فرماتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

موت کتنے ہیں کوئی یہ خیال نہ کر بیٹھے کہ مذکورہ بالا بیان اہل سنت ایک اعتراض اور اس کا جواب کے عقیدہ کے خلاف ہے اس لیے کہ ان کے ہاں تو اسماء

حسنی قدیم ہیں (اور مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اسماء حادث ہیں) اس لیے کہ ان کے قدیم ہونے سے مراد ان کے معانی و صفات کا قدیم ہونا ہے نہ کہ الفاظ کا۔ کیونکہ ہر لفظ عرض ہے اور ہر عرض حادث ہوتا ہے خاص طور جب وہ الفاظ اور اصوات کی طرح سیال ہو۔ واللہ اعلم۔

فرمایا: اسم جلالت (اللہ) میں تین اسرار ہیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کی کوئی حد نہیں اور مخلوق تین قسموں پر منقسم ہے، انش، جن، حیوان وغیرہ جن کا علم اکثر لوگوں کو نہیں ہے۔ اس کثرت کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے ملک میں اکیلے ہیں نہ آپ کے ساتھ کوئی مدبر ہے نہ کوئی وزیر۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ متنان تمام میں تعریف کرتے ہیں کوئی ایک چیز بھی اس تعریف سے باہر نہیں رہ سکتی۔ اللہ تعالیٰ سب پر غالب اور سب کو گھیرے ہوئے ہیں جیسا کہ فرمایا اللہ من وراءہ لہیخبط۔

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات میں جیسے چاہتے ہیں تصرف فرماتے ہیں جے چاہیں غنی کر دیں جے چاہیں فقیر کر دیں۔ جے چاہیں عزت دیں جے چاہیں ذلت دیں۔ ایک کو سفید اور دوسرے کو کالا بنا دیتے

میں۔ ایک کی دعا قبول فرماتے ہیں اور دوسرے کی رد فرماتے ہیں اور دونوں میں زمان اور مکان کا اختلاف پیدا کر دیتے ہیں۔ ہر روز اس کی نرالی شان ہوتی ہے اور ایک حالت دوسری سے مانع نہیں ہو سکتی، اختیار اسی ذات کا ہے نہ مخلوقات کا جیسا چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہاں ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ مقدس ومنزہ ہیں۔ اس کی کیفیت بیان کی جاسکتی ہے نہ کسی مخلوق سے تشبیہ دی جاسکتی ہے اس کے باوجود وہ بڑا کاغذ اسی کا ہے حسی کہ اگر مخلوقات اور اس کے درمیان حجاب سائل نہ ہوتا، تو اللہ تعالیٰ کی تہیٰ سے سب ریزہ ریزہ ہو جاتے بلکہ ان کو کوئی نشان تک باقی نہ رہتا حسی کہ کہا جاتا ہے کہ اس دنیا میں کبھی کسی مخلوق کا وجود ہی نہ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے سابق قضا و قدر کی بنا پر محض اپنی رحمت و حکمت سے طے فرمایا تھا کہ وہ مقام بنائے جائیں اور ہر ایک کے اہل کو اس کے مقام پر پہنچایا جائے۔ اس لیے جب کسی مخلوق کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے پیدا کرنے سے پہلے پردہ و حجاب پیدا کر دیا۔

فرمایا: ارباب بصیرت بغیر اس کے کہ انہیں کسی مخلوق کے مشاہدہ کی ضرورت ہو محض اسم جلال کے ہونے سے ہی ان اسرار کو جان لیتے ہیں۔
میں نے عرض کیا: یہ کیسے؟

اس پر حضرت نے ایک مثال بیان فرمائی جس کے مفہوم سے ہم سمجھ گئے کہ یہ لفظ جلال (اللہ کے تمام اسماء کو جامع ہونے کی وجہ سے ہے۔

نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مقدس ومنزہ ہے کسی مخلوق سے اس کی مشابہت نہیں ہو سکتی۔ بہر صورت جبکہ ہم تصور کریں۔ اللہ تعالیٰ کچھ اور بھی ہے اس لیے کہ ہر صورت جو ہمارے فکر میں آئے گی وہ اللہ سبحانہ کی مخلوقات میں موجود ہوگی کیونکہ فکر میں صرف مخلوق اشیاء ہی آسکتی ہیں لہذا ہر چیز جو فکر میں آئے گی اس کی مثال ہوگی اور اللہ کی کوئی مثال نہیں۔

میں نے عرض کیا کہ کیا انسانی فکر میں ایک ایسے انسان کا تصور آ سکتا ہے جو سر کے بل چلتا ہے؟
حضرت نے فرمایا: قسم ہے خدا کی میں نے ایسے انسان کو اسی طرح چلتے دیکھا ہے جس طرح فکر نے اس کا تصور کیا۔ وہ ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو چھپا رہا تھا۔ یہ ہاتھ ہی پردہ کا کام دے رہا تھا۔ اسے صرف اسی وقت ہٹا تھا جب اسے تقاضا حاجت یا جماع کی خواہش ہوتی۔

حضرت نے بتلایا کہ ایک مرتبہ وہ اپنے شیخ محمد بن عبدالحکیم بغدادی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے تو

اعضوں نے فرمایا کہ انہم اپنے مکرو تخیل میں عجیب ترین صورت کا تصور کریں پھر دیکھیں کہ آیا یہ صورت اللہ کی مخلوقات میں وجود بھی ہے یا نہیں۔ میں نے کہا بہت اچھا جو صورت آپ کا دل چاہے وہ گھڑ لیجے۔ فرمایا: اچھا ہم ایک چوہا پر کی صورت لیتے ہیں جس کی شکل اونٹ کی سی ہو، پیٹھ گردن و شکم کی طرح تمام منہ ہی منہ ہوں۔ پیٹھ پر پھاڑ ہو جس کا رنگ اس کے پانے رنگ سے مختلف ہو اور اوپر کو بلند ہو پھر اس کی چوٹی پر گلگڑے بنے ہوئے ہوں جن میں سے ایک میں سے وہ پشیا پانہا کرتا ہو، ایک سے پانی پیتا ہو ان گلگڑوں کے درمیان انسان کی کسی شکل ہو جس کا سر جہرہ اور اعضا تمام انسان کے سے ہوں۔ ابھی آپ اپنے ذہن میں اس کا تصور ہی کر رہے تھے کہ ہم نے اس قسم کی کثیر استعداد مخلوق دیکھی۔ پھر دیکھا کہ اس کا نرودہ سے جفتی کر رہا ہے اور وہ حاملہ ہو جاتی ہے، لیکن دوسرے سال مادہ نرین باقی ہے اور نر جو مادہ بن جاتا ہے اس سے جفتی کرتا ہے فرمایا: یہ عجیب ترین بات ہے جو ہم نے سنی۔ واللہ اعلم۔

حضرت ایک مرتبہ شاہدہ کا ذکر فرما رہے تھے اور کہتے تھے کہ ایک بہت بڑی چیز ہے جسے اکثر مخلوق حاصل نہیں کر سکتی۔ آپ نے اس کا سبب بھی بیان فرماتے ہوئے اپنا قصہ بیان کیا کہ ^{۱۱۷} اس کے آخر میں میری ملاقات ایک ولی سے ہوئی جن سے میں نے درخواست کی کہ میرے لیے دعا کریں کہ خدا مجھے شاہدہ عطا فرمائے۔ اس ولی نے فرمایا کہ اس کا خیال چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی درخواست نہ کرو حتیٰ کہ وہ خود تمہیں بغیر درخواست کے شاہدہ عطا کرے کیونکہ جب تمہاری درخواست کے بغیر تمہیں شاہدہ عطا کیا جائے گا تو تمہاری اللہ تعالیٰ مدد فرما کر اس کے تم پر نازل ہونے سے پہلے اس کے برداشت کی قوت بھی عطا فرمائیں گے، لیکن اگر تو اس کی درخواست کرتا رہے اور کثرت سے دعا کرتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ تمہیں مایوس تو کرنے کے نہیں مگر ڈر اس بات کا ہے کہ اللہ تمہیں تمہاری ذات پر نہ چھوڑ دیں اور تو اسے برداشت نہ کر سکیں گے پھر کامیر سے لیے درخواست کریں کیونکہ میں اس کی طاقت رکھتا ہوں اس پر انھوں نے فرمایا: انسانی دنیا کی طرف دیکھو اور ان سب کو اپنی آنکھوں کے سامنے جمع کر دیر مانگ کہ وہ انگوٹھی کے حلقہ کا مانند ہو جائے۔ میں نے کہا میں نے کیا ہے۔ پھر فرمایا: جنوں کی دنیا کی طرف دیکھو اور ان سے بھی یہی کرو۔ میں نے کہا کہ میں نے کیا ہے اس طرح ایک ایک کر کے آپ نے کئی عالم گن دیے چنانچہ جنات و مانیہا کی دنیا اور دوزخوں و مانیہا کی دنیا کا بھی ذکر کیا اور انہیں اپنی آنکھوں کے سامنے جمع کرنے کو کہتے گئے اور میں ایسا کرتا گیا اور کتا گیا کہ میں نے کیا ہے پھر فرمایا ان تمام کے مجھ کی طرف ایک ہی نگاہ سے دیکھو اور کوشش کر کے دیکھو کہ آیا تم ان تمام کو اس ایک نظر میں آنکھوں کے سامنے حاضر کر سکتے ہو۔ میں نے کوشش کی مگر نہ کر سکا۔ اس پر فرمایا کہ تم اس مخلوق کا شاہدہ تو کو نہیں سکتے اور ان کو اپنی نظر میں حاضر

کرنے سے عاجز ہو گئے پھر خالق سبحانہ کا شاہدہ کیے کر سکتے ہو۔ یہ سنکر میں حق بات کو سمجھ گیا اور دل کے آنسوؤں سے رویا کر میں نے ایسی چیز کی خواہش کی جس کی مجھ میں طاقت نہیں۔

حضرت نے فرمایا: کہ تمام مخلوقات کو ایک نگاہ میں اپنی آنکھوں کے سامنے لانے کی کسی بشر میں طاقت نہیں۔

نیز فرمایا: یہی حال ان اولیاء اللہ کا ہے جو بیداری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے ہیں کیونکہ جب تک وہ ان تمام عوالم کو نہ دیکھ لیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھ سکتے۔ مگر پھر بھی ایک نظر میں نہیں دیکھ سکتے۔

روح کا احاطہ جب حضرت سے میری پہلی ملاقات ہوئی اور میں نے آپ سے روح کے متعلق گفتگو کی تو فرمایا کہ کوئی مائل اس کا احاطہ نہیں کر سکتا اور اس کے جاننے سے پہلے جب تک اس پر تمام عوالم کا کاشف نہ ہو جاتے وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا لیکن اگر کچھ عوالم کا تو اس پر مکاشفہ ہو جاتے اور کچھ کا بھی باقی رہتا ہو اور روح کا مکاشفہ ہو جاتے تو وہ شخص فتنہ میں مبتلا ہو جائے گا۔

نیز فرمایا کہ خواہ کس قدر بڑا عالم کیوں نہ ہو اور وہ مجھ سے روح کا سمجھنا مشکل امر ہے | کے متعلق گفتگو کرنے لگے اور میں جواب دیتا جاؤں تو چار سال تک بھی گزر جائیں پھر بھی اس کے اعتراضات ختم نہ ہوں گے اس لیے کہ اس کا سمجھنا بہت مشکل اور اس کا معاملہ بہت ہی پوشیدہ ہے۔ واللہ اعلم۔

انسان حق سبحانہ کی معرفت | اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا باہمہ کبرائی و عظمت کے کسی بندے کی طاقت میں نہیں ہے۔ اس کی مثال آپ نے یوں دی کہ فرض کرو کہار کے کسی برتن کو اللہ تعالیٰ عقل عطا فرما دے اور کوئی شخص اس برتن سے اس کے بنانے والے کی کیفیت، لمبائی، رنگ، اس کی عقل، اس کی ادراک، اس کے کان اس کی آنکھوں، دنیا میں اس کی مدت حیات اور ان تمام برتنوں کے متعلق سوال کرے جو اس کے بنانے والے نے بنائے ہوں تو وہ برتن یہ تمام باتیں معلوم نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کی ذات ان معارف کے متحمل ہونے کی طاقت رکھتی ہے اور درحقیقت کوئی مصنوع چیز اپنے مانع کی حقیقت کو معلوم نہیں کر سکتی۔

پھر فرمایا کہ جب ایک حادثہ دوسرے حادثہ کی معرفت حاصل کرنے میں اس قدر عاجز ہو تو پھر

ساختہ قدیم سبانت و تعالیٰ کی معرفت کیسے حاصل ہو سکتی ہے لہذا مخلوق خواہ وہ کوئی بھی نہ ہو اس دنیا میں اور آخرت میں اس کی معرفت ہرگز حاصل نہیں کر سکتی۔

فرمایا کہ ذکر ذات انسانی پر عبادت سے زیادہ جوصل ہوتا ہے اور یہاں پر ذات خبیثہ ہے جو غفلت سے سیراب

ہوئی ہے اور ذکر اسے نور سے سیراب کرنا چاہتا ہے مگر یہ ذات اپنی غفلت کی وجہ سے اسے قبول نہیں کر سکتی۔ ذکر کرنے والا اس کی حقیقت بدلنا چاہتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عورت میں مرد کی یا مرد میں عورت کی طبیعت ڈالنا چاہے۔ یا جیسے کوئی یہ چاہے کہ گندم کا ذائقہ اور مٹھاس دوسری قسم کے غلام میں ڈال دے۔ بس سمجھ لو کہ اسے اس میں کس قدر حیرت و ناکامی ہوگی۔ برخلاف عبادت کے کہ یہ ظاہری جسم کا کام ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کلمہ ٹیڑھی سے کام کرتا رہے تو اس کام کا بوجھ صرف اسی لیے ہوگا کہ اس میں بدن تحکان پایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت نے فرمایا کہ اسماء حسنیٰ میں ایک ایسا اسم ہے کہ اگر کوئی بندہ اس کے نور سے سیراب

ہو جائے تو ہر وقت روتا رہے۔ میں نے دریافت کیا کہ وہ کونسا اسم ہے فرمایا: قَرِيبٌ میں نے کہا شاید اس کا رونا اس لیے ہے کہ اس کا اپنے رب کی طرف اپنی غفلت سے رجوع کرنا ایسا ہے جیسے کوئی سفر سے اپنی والدہ کے پاس واپس آئے فرمایا: اپنی والدہ کے پاس پہنچ کر اس کا رونا محض خوشی کی وجہ سے ہوتا ہے مگر اپنے رب کے سرور کے ساتھ وہ شرم و حیا بھی پایا جاتا ہے جو اسے غفلت اور رب کے احکام کی مخالفت کے زمانہ کی یاد دلاتے ہیں۔

فرمایا: اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم ایسا ہے کہ اگر کوئی بندہ اس کے نور سے سیراب ہو جائے

تو ہمیشہ ہنستا رہے اس کی یوں مثال سمجھو کہ ایک شخص کے پاس ساٹھ آدمی آکر اس کے کپڑے اتار دیں اور اسے اس کے جسم کے ایسے حصوں پر گاندی کرنا شروع کر دیں جہاں گندگی کرنے سے ہنسی آتی ہے اور ان سے خلاصی نہ پا سکتا ہو۔ میں نے دریافت کیا کہ وہ کونسا اسم ہے فرمایا: اَلْمُسْتَعَالِی۔ میرا زادہ تو یہ تھا کہ حضرت نے تمام اسماء حسنیٰ کے انوار کے متعلق سوال کروں مگر مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی جس کی وجہ سے میں رک گیا۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: سُبْحَانَكَ مَا عْبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ۔ سُبْحَانَكَ مَا مَعُونَتَكَ حَقَّ مَعُونَتِكَ لَا تُخْصِي شَيْئًا عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَنْتَ عَلَى نَفْسِكَ ہرگز تو انہیں رکے تو ایسا ہی ہے جیسے تو نے خود اپنا شباہ کیا ہے۔ اے چنانچہ قرآن مجید میں ہے: وَلَوْلَا كُرْهُنَّ أَكْبَرُ

فرمایا: ولی کے لیے اس زمانے سے بڑھکر کوئی سخت زمانہ نہیں ہوتا جب کہ وہ اسماء حسنیٰ کے انوار سے سیراب ہو رہا ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسماء کے مقتضیات مختلف ہیں کہ ایک کا اقتضا کچھ ہے اور دوسرے نام کا کچھ اور۔

فرمایا: بعض اولیاء صرف ایک ہی نام سے سیراب ہوتے اور اسی کا اثر ان پر ہمیشہ رہتا ہے مثلاً یہ کہ وہ ہمیشہ ہنستا رہتا ہے یا ہمیشہ روتا رہتا ہے۔ بعض دوسرے اور بعض زیادہ سے سیراب ہوتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کتنے اسماء کے انوار سے سیراب ہیں؟

فرمایا: ستانوے اسماء کے انوار سے۔

میں نے عرض کیا کہ اسماء حسنیٰ تو تینانوے ہیں۔

فرمایا: سوال نام ان میں شمار نہیں کیا گیا اسی لیے کہ لوگوں میں اس کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے اور وہ سوال نام اہم اعظم ہے جس سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

بیز فرمایا کہ اتنے اسماء کے انوار سے صرف ایک دل سیراب ہوتا ہے اور آپ کی اس سے مراد غوث سے ہے۔ آپ کا یہ فرمان کہ آپ ستانوے اسماء کے انوار سے سیراب ہیں۔ یہ ابتدا میں تھا لیکن آخر کار جیسا کہ آپ نے خود بتا دیا تھا آپ تمام اسماء حسنیٰ یعنی سو کے سو اسماء کے انوار سے سیراب ہو گئے تھے۔

پھر یہ سیرابی دو طرح سے ہوتی ہے۔ ایک سیرابی مرتبہ روح میں ہوتی ہے چنانچہ کسی ولی کو ایک نام کی نصیب ہوتی ہے کسی کو دو کی اور کسی کو اس سے زیادہ کی اور پورے سو اسماء کی سیرابی بجز غوث کے کسی کو نصیب نہیں ہوتی اور دوسری سیرابی ہے مقام ترقی باطن کی۔ چنانچہ اسی سیرابی میں سوائے سید الوجود صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی بھی مکمل سو کی سیرابی حاصل نہیں کر سکتا اس کلام کے تحت بہت سے اسرار و انوار ہیں جنہیں اسرارِ دالے لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں خدا ہمیں ان کی خوشنودی عطا فرمائے۔ واللہ اعلم۔

اسماء حسنیٰ کے ورود کے لیے کسی عارف سے تلقین لینا ضروری ہے عارف سے یا ہے تو کسی قسم کی معرفت نہ ہوگی اور اگر غیر عارف سے یا ہوگا تو نقصان اٹھائیں گے۔

میں نے عرض کیا: اس کی کیا وجہ ہے؟

فرمایا: اسماء حسنیٰ میں حق سبحانہ کے انوار پاتے جاتے ہیں لہذا جب تو کسی نام کا ذکر کرنے لگے اور اس کا نور اس کے ساتھ ہو تو تجھے کسی قسم کی معرفت نہ پہنچے گا اور اس کے ساتھ اس کا نور نہ ہوگا جو بندے کو شیطان

سے بچائے رکھتا ہے تو شیطان ماضی ہو کر بندے کو ضرر پہنچانے کا سبب بنتا ہے، لیکن جب شیخ عارف ہوگا جو کہ ہر دم بارگاہ رب العزت میں ماضی ہوتا ہے اور وہ اپنے مرید کو اسما حسنی میں سے کوئی نام دینا چاہے تو اسے وہ نام اس کے نور کے مطابق لگا جو اسے شیطان سے بچائے رکھے گا لہذا جب مرید اس کا درو کرے گا تو اسے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ پھر اس کا نفع اس نیت کے مطابق ہوگا جس نیت سے شیخ نے اسے دیا ہے اگر دنیا کے حصول کے لیے دیا ہوگا تو دنیا مل جائے گی اور اگر آخرت کے لیے دیا ہے تو آخرت مل جائے گی یا معرفت خداوندی کے لیے دیا ہوگا تو معرفت خداوندی مل جائے گی، لیکن اسم کی تعین کرنے والا شیخ ہی اگر محبوب و غیر عارف ہے تو وہ مرید کو محض نام دے گا جس کے ساتھ حفاظت کرنے والا نور نہ ہوگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مرید ہلک ہو جائے گا۔ سائل اللہ العالیٰ۔

میں نے دریافت کیا کہ قرآن عزیز میں اسما حسنی موجود ہیں اور حافظ قرآن اسے پڑھتے ہیں اور اس کے ساتھ اسما حسنی کی بھی تلاوت کرتے رہتے ہیں، لیکن انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچتا حالانکہ کسی عارف نے انہیں اس کی تعین نہیں کی ہوتی۔ اس کا سبب کیا ہے؟

فرمایا: سیدنا ونبینا دھولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ان تمام لوگوں کے لیے جو آپ کے زمانہ سے یکے کی قیامت تک ہوں گے قرآن دے کر بھیجا لہذا جو شخص بھی تلاوت قرآن مجید فرماتا ہے اس کا شیخ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں۔ یہی سبب حاملین قرآن کے بچاؤ کا ہوتا ہے مزید برآں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو قرآن شریف کا اسی قدر حقت عطا فرمایا ہے جس کی ان میں طاقت سے یا جس قدر کہ وہ قرآن مجید کے ظاہری احکام کو سمجھ سکتے ہیں آپ نے قرآن مجید کو مع تمام اسرار و انوار کے نہیں دیا۔ اگر آپ اُنت کو مع انوار کے قرآن عطا فرماتے تو امت شریفہ میں سے کوئی شخص بھی نافرمان نہ ہوتا اور سب کے سب قلب ہوتے اور کسی کو اسما حسنی سے ضرر نہ پہنچتا۔

فرمایا: سورۃ ملک میں اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ دَھوً
اَللّٰطِیْفُ اَلْخَبِیْرُ آیا ہے اور اس کا ورد ان لوگوں کے لیے مفید ہے جو محتاج ہوں یا مصیبت کا درو فقر و مصیبت کے لیے مفید ہے

میں بتلا ہوں۔ جو شخص اس کا کثرت سے ورد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مشکل حل کر دے گا۔

موت کے وقت کہتا ہے کہ ایک شخص کو پیش کے دانے نکل آئے اور یہ ایک لا علاج مرض ہوتا ہے وہ حضرت کے پاس آیا اور آپ سے اس کی شکایت کی۔ وہ اس مرض سے ڈر رہا تھا۔ حضرت نے اسے یہ آیت پڑھنے کو کہا تو یہ بیماری اس طرح جاتی رہی کہ پتہ بھی نہ چلا۔

حضرت ایک مرتبہ بیان فرما رہے تھے کہ حفرۃ کارواج نہ قرن اول میں یعنی عہد صحابہ میں تھا، نہ قرن ثانی یعنی عہد تابعین میں اور نہ ہی تیسرے قرن یعنی عہد تبع تابعین میں۔ یہی تینوں عہد بہترین کہلاتے ہیں جس کی شہادت حدیث سے حتیٰ ہے آپ کے اس بیان کا سبب یہ تھا کہ ایک شخص نے آپ سے حفرۃ کے متعلق سوال کیا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے صاف اور سچی بات کنا پسند نہ کیا اس خیال سے کہ میں ایک عالمی ہوں اور وہ میری بات قبول نہ کرے گا اس لیے میں نے اسے کہا کہ اس مسئلہ کے متعلق تو علماء سے پوچھنا چاہیے کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا تھا یا نہیں۔ اگر وہ جواب دیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا تو پوچھیں کیا حضرت ابوبکر صدیق نے ایسا کیا تھا یا نہیں۔ اگر کہیں کہ ابوبکر نے ایسا نہیں کیا تو پوچھیں کیا عمرؓ نے ایسا کیا تھا یا نہیں اگر کہیں کہ عمرؓ نے بھی نہیں کیا تو پوچھیں کیا عثمانؓ نے ایسا کیا تھا یا نہیں۔ اگر کہیں نہیں تو پوچھیں کیا علیؓ نے ایسا کیا تھا یا نہیں اگر کہیں کہ نہیں کیا تو پوچھیں کیا صحابہ میں سے کسی نے ایسا کیا تھا یا نہیں اگر کہیں نہیں تو پوچھیں کیا تابعین میں سے کسی نے ایسا کیا تھا یا نہیں۔ اگر کہیں نہیں تو پوچھیں کیا تابعین کے تابعین میں سے کسی نے ایسا کیا تھا یا نہیں۔ اگر کہیں نہیں تو معلوم ہوگا کہ جس بات کو ان تینوں عہدوں کے بزرگوں نے نہیں کیا اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

حضرت کعب سے شروع ہوا | پھر فرمایا کہ حفرۃ کارواج چوتھی صدی میں ہوا۔ اس طرح کہ چار یا پانچ صاحب فتح ادویا بستے اور ان کے چند مرید تھے بعض اوقات یہ لوگ

لاکھ وغیرہ کو اللہ کا ذکر کرتے ہوئے مشاہدہ کرتے۔ حضرت نے فرمایا کہ بعض ملائکہ اللہ کا ذکر زبان سے کرتے ہیں اور بعض تمام جسم سے چنانچہ ان کے اجسام ذاتیں باتیں آگے اور پیچھے جھومتے ہوئے دکھائی دیں گے چنانچہ ان پانچوں میں سے جب کوئی ولی کسی فرشتہ کو اس حالت پر دیکھتا تو اسے یہ حالت بہت پسند آتی اور وہ اس سے اثر پذیر ہو کر اسی طرح جھومتے لگ جاتا اور مشاہدہ حتیٰ میں غائب ہونے کی وجہ سے اسے یہ نہ ہوتا کہ وہ کیا کر رہا ہے اور بس شخص کی ایسی حالت ہو اس کے ضعف اور عدم قوت کے متعلق کوئی شک ہی نہیں ہو سکتا۔ لہذا جب اس کے مرید اسے اس طرح حرکت کرتے دیکھتے تو وہ بھی اسی طرح کرنے لگ جاتے۔ شیخ تو فرشتہ کی حرکت کی وجہ سے متحرک ہوتے اور مرید شیخ کی حرکت کی وجہ سے اور وہ اپنے شیخ کی کسی ظاہری صورت بنالیتے اس کے بعد وہ پانچوں شیخ جو اہل باطن اور اہل صدق تھے وفات پاگئے اور ان کے اہل ظاہر مرید حفرۃ میں مشغول ہو گئے اور انہوں نے دیگر حرکات کا اس میں اضافہ کر دیا اور اس کے لیے آلات بنالے اور پھر نسوں تک یہ بات جاری رہی۔ حالانکہ اس کا سبب ان اشیاخ کی کمزوری

۱۰ | حفرۃ لفظ کتاب میں اس طرح دیات میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ سچا کلمہ کوئی چیز ہے۔

تھی ہوا اپنے وجود ظاہری پر تابو نہ پانے کی وجہ سے پیدا ہوئی اور یہ بات قرونِ ثلاثہ میں نہ تھی نہ کہیں سننے میں آئی ہے۔ واللہ اعلم۔

فرمایا کہ نظرِ بصیرت کے تین لاکھ چھیاسٹھ ہزار اجزاء ہیں۔ ان میں سے ایک جزو آنکھ کی نگاہ میں آیا ہے اور باقی تمام اجزاء وارثِ کاملِ عارف کی ذات میں ہیں چنانچہ وہ اپنی ذات سے اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح ہم اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں مگر اس کی نظر تمام کے تمام اجزاء ہوئی ہے اور یہ مرتبہ صرف ایک شخص کو یعنی غوثِ کرام حاصل ہوتا ہے جس کے ماتحت اقطابِ سبعہ ہوتے ہیں۔

اس وقت ہم شہرِ تطاؤن میں حضرت کے گھر بیٹھے ہوئے تھے کہ حاضرین میں سے ایک شخص نے مجھے آپ کے مرتبہ کا علم تھا کہا کہ امام عبدالوہاب شہرانی نے لکھا ہے کہ سید عبدالقادر جیلانی اور حضرت احمد بن حنبل رحمہ اللہ

سید احمد کبیر نام ابو العباس کنیت اور محی الدین لقب تھا آپ ۱۵ رجب المرجب ۳۵۰ھ بمطابق ۹۶۱ء کو مقامِ حنبل میں پیدا ہوئے آپ نبیِ حسینی سید ہیں۔ ابو محضیا۔ الدین احمد تری نے کتابِ روضۃ انظرین میں آپ کا سلسلہ نسب دیا ہے آپ کی روحانی و جہانی تربیت آپ کے ماموں منصور بطاحی نے کی اور اپنے انتقال سے ایک سال پہلے ۴۲۰ھ بمطابق ۱۰۲۹ء خلافتِ علما کے خرقہ پہنایا۔ شیخ منصور کا انتقال ۴۲۰ھ بمطابق ۱۰۲۹ء میں ہوا۔ آپ کے مناقب و حالات میں بہت سی کتابیں تصنیف کی گئیں جیسے رہنِ عاشقین، تریاقِ البعین، نفوسِ المسکین، ام البر، اشفاء الاستقام اور روضۃ العارفین وغیرہ۔ آپ کے ملفوظات اور مرواظ کو ان کے مریدوں نے جمع کیا ہے مثلاً عباس الامدی، کتاب الکلم، شمارانہ، الکلم الساطع اور البرهان المزیہ۔ آپ کی مشہور ترین کرامت یہ ہے کہ ۴۵۰ھ بمطابق ۱۰۵۸ء میں حج بیتِ اللہ سے فارغ ہو کر روضۃ مقدس کی زیارت کے لیے گئے۔ گنبدِ خضر کے قریب پہنچ کر آپ نے باذانہ کہا اَسْلَمَ عَلَیْکَ یَا خَدِیجَی۔ نا نا مان اسلام سلیم۔ فوراً روضۃ اعلیٰ سے ندا آئی وَ عَلَیْکَ السَّلَامُ یا وَلَدِی اِس ناکو سن کر آپ پر دیدِ ظاہری ہو گیا۔ آپ کے ملاوہ جتنے آدمی وہاں موجود تھے سب نے آواز کو سنا۔ تھوڑی دیر کے بعد حالتِ گریہ آپ نے یہ دو شعر پڑھے۔

فَإِلَاحَ الْبَعْدِ رَوْحِیْ کُنْتُ أَرْسِلُهَا
تَقْبَلُ الْأَرْضُ عَنِّی وَ هِیَ مَا شِئْتُ
وَهَذَا الشَّبَابُ قَدْ خَضِرْتُ
نَا مَدَا دِیْنِیْکَ کَا تَحْفَلُ بِعَاشِیْ

اسی وقت روضۃ مطہرہ دستِ مبارک نکلا اور آپ نے اس کو بوسہ دیا۔ اسی وقت روضۃ مقدس پر تقریباً نوے ہزار عاشقانِ جمالِ نبوی کا مجمع تھا۔ انہیں میں حضرت محبوبِ سبحانی قلبِ ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ عدی بن مسافرانی اور شیخ عبدالرزاق حسینی واسطی بھی تھے۔ آپ نے ۹۹ برس کی عمر میں ۴۵۰ھ بمطابق ۱۰۵۸ء میں وفات پائی۔ شہرانی نے ان کی تاریخِ وفات ۴۵۰ھ دی ہے۔

اور حضرت ابراہیمؑ و اسحاقؑ کا عالم ملکوت میں اجتماع ہوا اور وہاں ان سے ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا جس کا ذکر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چند مریدوں سے کر دیا۔ مریدوں نے کہا، اس بات کا کون گواہ ہے۔ حضرت و اسحاقؑ اس وقت اپنے مریدوں کے ساتھ مصر میں تھے اور دیگر دونوں بزرگ عراق میں تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے یہی لوگ گواہی دیں گے۔ چنانچہ وہ دونوں اسی وقت موجود ہوئے اور انہوں نے گواہی دی۔ پھر اس شخص نے کہا کہ تینوں شخص ایک جیسے ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ اس قسم کی بات تو معمولی ولی بھی کر سکتا ہے۔ میں نے ایک ایسے ولی کو دیکھا جو بہت بڑے مرتبہ تک پہنچا ہوا تھا چنانچہ اسے تمام مخلوقات باندھ کر بے جان فحوش وحشرات، آسمان، تارے، زمینیں اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔ سب کا شاہدہ حاصل تھا اور تمام کرمہ عالم اس سے مدد لیتا تھا اور وہ ایک ہی لحظہ میں تمام کرمہ عالم کی آواز اور کلام کو سن لیتا تھا اور ہر ایک کو اس کی ضرورت اور صحت کی چیز حکم کرتا بدون اس کے کہ کوئی ایک اسے دوسرے سے روک رکھے بلکہ جہان کا اوپر کا حصہ اور نچلا اس کے لیے ایک جیسے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس ولی پر رحم فرماتے اور جب وہ دیکھتے تو اسے معلوم ہوتا کہ یہ تمام مدد اسے کسی اور کی طرف سے حاصل ہوتی ہے یعنی اس کی اپنی ذاتی نہیں اور وہ غیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ دیکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مدد حق سبحانہ کی طرف سے آرہی ہے چنانچہ وہ دیکھتا کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کی جانب سے ہے۔

پھر فرمایا کہ میں نے اس ولی کو دیکھا کہ ہوتے سنا ہے کہ جب میں اس مدد کو کسی اور کی طرف سے دیکھتا ہوں تو میں اپنے آپ کو ایک فنڈک کی طرح پاتا ہوں اور یہ کہ تمام مخلوق مجھ سے زیادہ طاقت ور اور زیادہ قدرت والی ہے۔

مولف لکھتا ہے کہ یہ صفات خود حضرت میں جو کہ غوث وقت تھے اور ان کے ماتحت ساتوں قطبوں میں پائی جاتی تھیں۔

ایک مرتبہ یوں فرمایا کہ میں ساتوں آسمانوں، ساتوں زمینوں اور عرش کو اپنی ذات میں دیکھتا ہوں ایسی طرح عرش کے اوپر جو ستر حجاب ہیں اور ہر حجاب میں ستر ہزار عالم ہے اور ہر ہر حجابوں کے درمیان ساتھ ہزار سال کا عرصہ ہے جو تمام کا تمام حکمہ کرام سے معمور ہے اور اسی طرح ستر ہزاروں سے اوپر

شق قرش: بہت جلیل القدر صوفیہ میں سے تھے ان کی کرامات مشہور ہیں۔ تینتالیس برس کی عمر میں

وفات پائی۔

جو عالم زُنا ہے اس تمام مخلوقات کے ذہن میں جو ارجح کا تو ذکر ہی کیا ایک آدمی کی اجازت کے بغیر کوئی چیز نہیں آسکتی۔

موت کتنا ہے کہ ان تمام باتوں کی تشریح ادا کیا۔ اللہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔

حضرت کا یہ فرمانا کہ "ایک معمولی دل بھی ایسا کر سکتا ہے" سچ ہے کیونکہ میں نے ایسے لوگوں کو اس طرح کرتا دیکھا جو ابھی ابتداء فتح و کشف میں ہی تھے حالانکہ انہیں ابھی تک صوفیاء کا ایمان نصیب نہ ہوا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ آپ سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی میراث ایک لاکھ چوبیس ہزار میں منقسم ہے پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ یہ تمام ورثہ غوث کو نہیں ملا؟

فرمایا: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جتنی طاقت تھی وہ کسی شخص میں بھی نہیں ہے غوث کے وارث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے غوث جتنا سیر نہیں ہوتا۔

واللہ اعلم۔



ساتواں باب

وہ تشریح جو حضرت نے اولیاء اللہ کے مشکل کلام کی فرمائی

۱۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مَنْ جِئَهُ

اِنْشَقَّتِ الْاَسْرَارُ کی تشریح

حضرت نے قطب کمال عبدالسلام بن شیش کے درود

شریف اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مَنْ مِنْهُ اِنْشَقَّتِ الْاَسْرَارُ

کی تشریح محمد بن عبدالکریم بھراوی سے نقل کرتے ہوئے یوں

فرمائی کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کی برکات و اسرار کو ظاہر کرنے کا ارادہ فرمایا مثلاً پتے، کنوئیں، دریا، درخت

پہل اور پھول تو ستر ہزار فرشتے بھیجے۔ پھر ستر ہزار فرشتے بھیجے۔ پھر ستر ہزار فرشتے بھیجے۔ زمین پر اتر کر انھوں

نے طواف کرنا شروع کیا۔ ستر ہزار کی پہلی جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کا ذکر کرنے لگی اور یہاں

اسم سے مراد اسم غانی ہے جیسا کہ دستورات علوم آدم کی شرح میں آئے گا۔ دوسری جماعت اللہ

سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب و مرتبہ کا ذکر کرنے لگی اور تیسری جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے ناموں کے ذکر کی برکت ہے اور آپ کی ان کے درمیان موجودگی اور ملائکہ کے اس مشاہدہ کی برکت

سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ سے کس قدر قرب حاصل ہے تمام کائنات وجود میں آئی۔ فرماتے ہیں:

پھر فرشتوں نے آپ کے اسم مبارک کا ذکر زمین پر کیا اور زمین کو قرار لیا۔ آسمانوں پر کیا تو وہ بند ہو گئے۔

ابناء آدم کے جوڑوں پر کیا تو وہ اللہ کے حکم سے نرم ہو گئے۔ انسان کی آنکھوں کی جگہ پر کیا تو وہ مع اپنے

انوار کے کل گئیں۔ اِنْشَقَّتِ الْاَسْرَارُ کی یہی معنی ہیں۔

مولف کتاب ہے کہ کیا دلائل الخیرات کی اس عبارت کا بھی یہی مطلب ہے؟

۲۔ محمد بن عبدالکریم بھراوی: ان کے حالات معلوم نہ ہو گئے۔ یہ حضرت وبنائے شیوخ میں سے تھے۔

۳۔ دلائل الخیرات: کتاب کا پورا نام دلائل الخیرات و شوارق الانوار فی ذکر الصلوۃ علی النبی المختار علیہ الصلوۃ والسلام

ہے۔ اس کا مصنف شیخ ابو عبد اللہ محمد بن سلیمان بن ابی بکر الخزرجی دلسلانی الشریف الحنفی متوفی ۵۵۵ھ ۵۵۵ھ

ہے۔ صاحب کشف القون کتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں یہ کتاب مجزہ کا کام کرتی ہے اور

اس کی برکت کو اکثر لوگوں نے مشرق و مغرب میں آزمایا ہے۔

وَبِالْإِسْمِ الَّذِي وَضَعْتَهُ عَلَى اللَّيْلِ
نَاطِلُمْ وَعَلَى النَّهَارِ فَاسْتَنَارُوا عَلَى
السَّمَوَاتِ فَاسْتَقَلَّتْ وَعَلَى الْأَرْضِ
فَاسْتَقَرَّتْ وَعَلَى الْجِبَالِ قَرَسَتْ وَعَلَى
الْبَحَارِ تَفَجَّرَتْ وَعَلَى الْغُيُوبِ قَنَبَعَتْ
رَفَعَى السَّمَوَاتِ فَأَمْطَرَتْ -

اسے خدا اس نام کا واسطہ جسے تم نے رات
پر رکھا تو وہ تاریک ہو گئی۔ دن پر رکھا تو وہ
روشن ہو گیا۔ زمین پر رکھا تو اسے قرار آ گیا
پہاڑوں پر رکھا تو وہ گرا گئے سمندروں پر
ڈالا تو وہ بہنے لگے چشموں پر ڈالا تو وہ پھوٹ
پڑے اور آسمانوں پر ڈالا تو وہ بہنے لگے۔

حضرت نے فرمایا: ہاں اور یہ نام ہمارے نبی اور اقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ آپ ہی کی
برکت سے تمام کائنات پیدا ہوئی۔ واللہ اعلم۔

مؤلف کہتا ہے کہ حضرت احمد بن عبد اللہ غوثِ رقت کا قول جو انھوں نے اپنے مرید کو کہا چلے کر
چلے جہاں وہ فرماتے ہیں: بیٹا اگر نور محمدی نہ ہوتا تو زمین کا کوئی راز ظاہر نہ ہوتا اور اگر آپ نہ ہوتے تو نہ
کوئی چشمہ پھوٹتا اور نہ کوئی دریا بہتا۔ بیٹا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مارچ کے مہینے میں تین بار تمام
یہجوں پر اپنی خوشبو پھیلاتا ہے تو آپ کی برکت سے ان میں پھل آتا ہے۔ اگر آپ کا نور نہ ہوتا تو
ان میں پھل نہ آتا۔ بیٹا! سب سے کم ایمان والا شخص بھی اپنی ذات پر ایمان پھاڑ جتنا بلکہ اس سے بھی
بڑا دیکھتا ہے۔ زیادہ ایمان والوں کی بات ہی چھوڑو۔ بعض اوقات ذات اس ایمان کے اٹھانے سے
بوجھ محسوس کرتی ہے تو اسے چینک دینے کا ارادہ کرتی ہے اس وقت نور محمدی اس پر مکتا ہے اور
اسے ایمان کے اٹھانے میں مدد دیتا ہے تو وہ شخص ایمان کی علادت اور مزہ محسوس کرتا ہے۔ اس قول
کو کتاب کی ابتدا میں دیکھیے۔

دوسری تشریح | حضرت نے ایک بار مِنْ مِنْهُ اُنْشَقَّتِ السَّمَاوَاتُ کی تشریح یوں کی کہ اگر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود نہ ہوتا تو دوزخ و جنت میں لوگوں کا تفاوت

معلوم ہی نہ ہوتا اور لوگ جنت و دوزخ میں ایک ہی مرتبہ کے ہوتے اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ
نے آپ کا نور پیدا کیا اور تقدیر الہی میں یہ پہلے لکھا جا چکا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول
کرنے اور ان کی طرف مائل ہونے میں لوگوں کی حالت مختلف ہوگی لہذا جب آپ کا نور پیدا
ہوا تو یہ تفاوت مخلوقات میں ظاہر ہو گیا لہذا وہاں سے معلوم ہو گیا کہ ان میں بعض لوگ اس درجہ تک
خشوع کرنے والے ہوں گے اور بعض معرفت میں اس درجہ کے ہوں گے اور بعض خوف میں اور نفلان
زنگ نفلان قسم کا ہے اور نفلان نے اس سے ایک قسم لی ہے۔ یہ سب کچھ ان کے ظاہر ہونے سے پہلے

ہو جب کہ وہ اجماع عدم العدم میں ہی تھے۔ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسرار کئے نکلنے سے مراد یہی مخلوق ہے مراتب کا اختلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

تیسری تشریح | ایک اور مرتبہ حضرت نے اس کی تشریح یوں فرمائی کہ تمام انبیاء اولیاء وغیرہ کے اسرار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنر سے لیے گئے ہیں۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کے دو ہنر ہیں۔ ایک مشاہدہ میں جو وہی چیز ہے اور دوسرا ستر اسی ستر سے حاصل ہوتا ہے اور وہ کسی یا کتنا ہی ہے۔ فرض کرو مشاہدہ ایک کپڑا ہے۔ ہر پیشہ ور نے اپنے پیشہ اور کاریگری کے مطابق اس میں اپنی صنعت دکھائی ہو، اور صاحب مشاہدہ کو یوں فرض کریں کہ اس نے اس کپڑے کو تمام کا تمام پی لیا ہو لہذا جب وہ اس دھاگے کو پی لے گا جسے ریشم بات نے تیار کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ریشم کی صنعت اور ان تمام چیزوں کا علم حاصل ہو جائے گا جن کی اس صنعت میں ضرورت ہوتی ہے اور اگر باقندسے کے ساختہ دھاگے کو پیے گا تو اسے باقندسے کے تمام متعلقات کا علم حاصل ہو جائے گا۔ اسی طرح ان تمام دیگر صنائع کو جان لے گا جن کا علم ہمیں ہے اور جن کا علم نہیں بھی ہے۔ یہی حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ کا ہے کہ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ یہ مشاہدہ ان تمام معارف پر مشتمل ہے جو حق سبحانہ کے ارادہ میں پہلے سے ہیں۔

مؤلف کہتا ہے کہ مشاہدہ اور مذکورہ بالا کپڑے میں وجہ شبہ صرف اختلاف امور ہے۔ کپڑے میں صنائع اور پیشے مختلف تھے اور آنحضرت کے مشاہدہ میں مختلف قسم کے اسماء حسنیٰ ہیں اور اس اسماء کے انوار و اسرار بھی ہیں۔ اس کی ایک وجہ شبہ یہ بھی ہے کہ مذکورہ بالا کپڑے میں مختلف صنائع اکٹھے ہو گئے ہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ میں تمام اسماء حسنیٰ کے انوار جمع ہو گئے ہیں تیسری وجہ شبہ یہ ہے کہ جس قدر ان مختلف صنائع کا علم ہو گا اسی قدر کپڑوں کی ساخت میں تصرف پایا جائے گا۔ یہی حال اسماء حسنیٰ کا ہے کہ ان کے انوار سے سیراب ہو کر اس عالم میں تصرف ہوتا ہے لہذا وجہ شبہ ان تینوں چیزوں سے مرکب ہوتی یعنی کسی چیز میں امور کا تباین مع استیفاء کا اور اس کے ساتھ تصرف کا اضافہ بھی ہو۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا: اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ان تمام امور پر مشتمل ہو جاتی ہے جو اس مشاہدہ کے لیے لازم ہیں اور آپ کی ذات کو اس کے تمام اسرار سے مدد حاصل ہوتی ہے جیسے رحمت خلق اور ان کی محبت، انہیں معاف و درگزر کرنا۔ ان سے علم سے پیش آنا اور ان کے لیے نیک و مکارنا کہ شاہد اللہ تعالیٰ انہیں اللہ عز و جل پر ایمان رکھنے میں تقویت دے گا۔

پھر فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے یہی دعا فرمایا کرتے تھے، مگر آج لوگوں کو اس دعا کی قدر معلوم نہیں۔

موتف کتا ہے کہ جب ہم فرض کر میں کہ مشاہدہ تمام اسماء حسنیٰ پر مشتمل ہے اور یہ بھی فرض کر میں کہ یہ مشاہدہ کرنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مذکورہ بالا کپڑے کے پینے والے ہیں تو اس سے قطعی طور پر لازم آئے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مطہرہ تمام اسماء حسنیٰ کے انوار سے سیراب ہو اور ان کے اسرار سے مستفیض ہو چکی ہو لہذا آپ کی ذات میں نور صبر، نور رحمت، نور علم، نور عفو، نور مغفرت، نور علم، نور قدرت، نور سمیع، نور بصیر، نور کلام الغرض تمام اسماء حسنیٰ کے انوار ہوں گے اور یہ انوار آپ کی ذات میں بدرجہ کمال ہوں گے پھر فرمایا: اس کے بعد ہم دیگر انبیاء ملائکہ اور اولیاء کی طرف دیکھتے ہیں تو باوجود اس کے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے سیراب ہوتے ہیں پھر بھی آنحضرت کی ذات کے چند اسرار ہم ان سب میں پھیلے ہوئے پاتے ہیں۔ لہذا جو اسرار ان کی ذاتوں میں پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب آنحضرت کی ذات سے مشعب ہوتے ہیں یہاں تک کہ فرمایا: کہ اگر ذات کے اندر خون گوشت اور رنگیں نہ ہوتیں جو حقائق امور کی معرفت سے مانع آتی ہیں تو تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی پیدائش سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طور تک آنحضرت کے حکم کے بغیر کلام تک نہ کر سکتے۔ چنانچہ ان انبیاء کا اشارہ اور لوگوں کی رہنمائی آنحضرت کی طرف ہی ہوتی یہاں تک کہ وہ اپنے امتیوں کو صراحتہ کہتے کہ انہیں جو مدد اور فیض بھی پہنچا ہے وہ آنحضرت کی ذات سے پہنچا ہے اور وہ درحقیقت مستقل نہیں بلکہ آنحضرت کے نائب ہیں۔ وہ بمنزلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے ہیں اور آپ ان کے باپ۔ چنانچہ تمام مخلوق اس میں برابر ہوتی اور سب کی دعوت مستمدہ طور پر آپ کی طرف ہوتی۔ کیونکہ دراصل یہی واقع ہونے والا ہے اور گزشتہ امتیں جو یہ کہ انہیں موت آتی ہے اور اس دنیا سے چلی جاتی ہیں اسے یقینی طور پر جان بیتی ہیں اور آخرت میں تو وہ اسے آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور جنت میں داخل ہونے کے وقت ان میں اور جنتیوں میں امتیاز پیدا ہو جائے گا کیونکہ وہ ان سے متنفرد و متفقیض ہو گئے اور کہے گی میں تمہیں نہیں پہچانتی کیونکہ تم نور محمدی میں سے نہیں ہو لہذا یہ امتیاز اس طرح ہو گا کہ اگرچہ یہ امتیں آپ سے پہلے گزر چکی ہوں گی، انہیں مدد اپنے انبیاء سے حاصل ہو گی اور ان کے انبیاء کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح سب امتوں کو آنحضرت سے مدد ملی۔ فرمایا: اگر خون اور ارادہ انہی کا پہلے سے فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو یہ دنیا میں ہی واقع ہو جاتا۔

میں نے عرض کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ خون معرفت حق سے مانع آتا ہے؟
 فرمایا: اس لیے کہ خون ذات کو اپنی ترابی حقیقت کی کھینچتا ہے اور اسے فانی امور کی طرف
 مائل کرتا ہے چنانچہ ذات عبادتوں، باغات اور مال جمع کرنے کی طرف لگ جاتی ہے اور ہر لحظہ اپنی کل طرف
 مائل رکھتی ہے حالانکہ درحقیقت یہ میدان غفلت اور اللہ تعالیٰ سے حجاب میں رہنے کا سبب ہے
 لیکن اگر خون نہ ہوتا تو ذات ان امور فانیہ میں سے کسی چیز کی طرف متوجہ نہ ہوتی۔

مؤلف کہتا ہے کہ یہ حجاب بھی مختلف قسم کا ہے عوام کے حق میں کشیف اور خواص کے حق
 میں کمزور ہے اور انبیاء کے حق میں تقریباً نفی کے برابر ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
 حق میں بالکل ہی نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

نور محمدی کی آفرینش | نیز فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نور محمدی کو پیدا کیا۔ پھر
 اس نور سے قلم، شمشیر، باب اور ان کے فرشتے پیدا کئے۔ پھر روح کو

پیدا کیا۔ پھر اس کے کمال اور انعقاد سے پہلے ہی عرش، ارجح، جنت اور برزخ کو پیدا کیا۔
 عرش کو نور سے پیدا کیا اور اس نور کو نور مکرم یعنی نور محمدی سے پیدا کیا۔ اس کی خلقت ایک نہایت
 ہی عظیم یا قوت کی شکل میں بنائی جس کے وسط میں ایک گویا ہے چنانچہ یا قوت اور گویا ہر دونوں ملکر
 ایک اندے کی مانند ہیں کہ جس کی سفیدی یا قوت ہے اور زردی گویا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس گویا
 کو مدد دی تو اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے سیراب کیا۔ چنانچہ یہ نور یا قوت کو چھا کر گویا
 کو سیراب کرنے لگا یہاں تک کہ ایک مرتبہ نہیں بلکہ اسے سات مرتبہ سیراب کیا۔ جس سے گویا ہر سیناں
 بن کر یا قوت کی تہ میں بیٹھ گیا اور یہی عرش ہے۔ پھر یہی نور جس نے گویا کو چھا کر اسے سیال بنادیا
 تھا۔ اس سے اللہ نے آٹھ فرشتے پیدا کیے جو حاملین عرش کہلاتے ہیں پھر اس کے چوک سے ہوا
 پیدا کی گئی اور اسے بہت قوت و زور دیا گیا اور اسے پانی کے نیچے چل جانے کا حکم دیا چنانچہ ہوا
 نے پانی کے نیچے جا کر اسے اٹھایا اور اپنی خدمت بجا لائی شروع کر دی۔ سرودی کے زور پکڑنے سے
 پانی اپنی اصلیت کی طرف لوٹ کر پھر چھنے لگا مگر ہواؤں نے اس کے جسے ہوتے ٹکڑوں کو توڑ کر اسے
 ایسا نہ ہونے دیا، ان ٹکڑوں میں تعفن و بدبو پیدا ہونے لگی اور ٹکڑے بڑھتے گئے۔ پھر بڑے ہو کر
 ساتوں جہتوں میں پھیل گئے اور ان سے اللہ تعالیٰ نے سات زمینوں کو پیدا کیا۔ ان زمینوں اور سمندروں
 کے درمیان پانی داخل ہو گیا اور ہوا کی شدت کی وجہ سے پانی دھند بن کر اٹھا اور تر تر ہو گیا اس طرح
 ساتوں آسمان پیدا ہوئے اس کے بعد ہوا اپنی عادت کے مطابق بڑی خدمت کرنے لگی اور چونکہ

ہوا پانی اور فضا کو بڑی شدت سے چھاڑ رہی تھی اس لیے ہوا میں آگ بڑھتی گئی جس قدر آگ بھڑکتی جاتی۔ فرشتے اسے لے جا کر وہاں رکھ دیتے جہاں اب دوزخ ہے۔ یہی دوزخ کی اصلیت ہے جن ٹکڑوں سے زمین بنی تھی انہیں اپنی حالت پر ہی چھوڑ دیا گیا اور جس کمرے آسمان بنا تھا، اسے بھی ویسا ہی چھوڑ دیا گیا اور جو آگ رگڑ سے پیدا ہوئی تھی اسے منتقل کر کے کہیں اور لے جایا گیا اس لیے کہ اگر اسے وہیں چھوڑ دیا جاتا تو یہ ان ٹکڑوں کو جہنم سے ساتوں زمینیں بنی ہیں۔ نیز اس کمرے کو جس سے ساتوں آسمان بنے ہیں۔ سب کو کھا جاتی بلکہ ہوا کی تیزی کی وجہ سے پانی کو بھی کلینہ منجم کر جاتی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کے نور سے زمین کے فرشتے پیدا کئے اور انہیں زمین پر اللہ کی عبادت کرنے کو کہا۔ اس طرح آسمانوں کے فرشتوں کو بھی آنحضرت کے نور سے پیدا کیا اور انہیں بھی آسمان پر اللہ کی عبادت کرنے کو کہا۔

ارواح اور جنت بھی ماسوا چند مگہوں کے نور سے پیدا ہوئے اور یہ نور نور محمدی سے پیدا ہوا۔ دوزخ کا نصف اور چار حصہ بھی آنحضرت کے نور سے پیدا ہوا۔ یہاں سے معلوم ہو گیا کہ قلم، الروح، نصف دوزخ، شتر حجاب اور ان کے فرشتے اور آسمانوں اور زمینوں کے تمام فرشتے سب آنحضرت کے نور سے بلا واسطہ پیدا ہوئے اور عرش، پانی، جنت اور ارواح اس نور سے پیدا ہوئے جو آنحضرت کے نور سے پیدا کیا گیا۔ یہ مخلوقات اس کے بعد بھی آنحضرت کے نور سے سیراب ہوئی۔ قلم سات بار اس نور سے خوب اچھی طرح سیراب ہوا اور یہ تمام مخلوقات سے بڑا ہے چنانچہ اگر نور کریم جہنم زمین پر پڑے تو اسے ریزہ ریزہ کر دے۔ اسی طرح پانی بھی سات بار سیراب ہوا، لیکن قلم سے کم۔ حجاب تو ہر وقت سیراب ہوتے رہتے ہیں طرش دو بار سیراب ہوا۔ ایک ابتداء آفریش کے وقت اور دوسرا تمام آفریش کے وقت تاکہ اپنی ذات کو نابو میں رکھ سکے۔ اسی طرح جنت بھی دو مرتبہ سیراب ہوئی۔ ایک ابتداء میں اور دوسرے تکمیل خلقت کے وقت تاکہ اپنی ذات پر قابو رہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ اور تمام مومن خواہ وہ گزشتہ امتوں میں سے ہوں خواہ اس امت میں سے آٹھ بار سیراب ہوئے، پہلی بار عالم ارواح میں جب اللہ نے تمام ارواح کا نور پیدا کیا اور دوسری مرتبہ جب اس سے ارواح کو صورت و شکل دی گئی چنانچہ ہر روح کو صورت و شکل دیتے وقت اسے آنحضرت کے نور سے سیراب کیا گیا۔ تیسری بار اس دن جب اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کہا گیا تھا کیونکہ مومنین اور انبیاء کی تمام دہرہ میں جنہوں نے اللہ کے اس سوال کا جواب دیا انہیں آنحضرت کے نور سے سیراب کیا گیا، لیکن کسی کو زیادہ اور کسی کو کم۔ اس لیے مومنین

تفاوت پیدا ہوا کوئی عامی رہا اور کوئی دلی بن گیا۔

کفار کی روجوں نے اس نور سے سیراب نہ ہونا چاہا لہذا نہ ہوتے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ جو رو میں اس نور سے سیراب ہوئی ہیں، ان کو کیا کیا ابدی سعادتیں اور ارتقا حاصل ہوا ہے تو انہیں مذمت ہوئی اور سیر ہونے کی درخواست کی مگر اب انہیں ظلمتوں سے سیراب کیا گیا۔ خدا محفوظ رکھے۔ چوتھی سیرانی اس وقت ہوتی ہے جب ماں کے پیٹ میں بچے کی شکل بنتی ہے۔ اس کے اعضاء کو ترکیب دی جاتی ہے اور آنکھیں کھولی جاتی ہیں۔ اس وقت بھی اس کی ذات کو آنحضرت کے نور سے سیراب کیا جاتا ہے تاکہ اس کے جوڑ نرم اور کان اور آنکھیں کھل جائیں اور اگر انہیں اس نور سے سیراب نہ کیا جاتا تو ان کے جوڑ نرم نہ ہوتے۔ پانچواں جب ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے اس وقت اسے نور کریم سے سیراب کیا جاتا ہے تاکہ مزے کے ذریعے سے کھانا کھانا اس کے ذہن میں ڈال دیا جائے، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ مزے کے ذریعے سے کبھی نہ کھاتا۔ چھٹا جب ماں کا دودھ پیلی بار پیتا ہے۔ ساتواں جب اس میں روح پھونکی جاتی ہے کیونکہ اگر نور کریم سے سیراب نہ ہوتا تو اس میں روح کبھی داخل نہ ہوتی مگر اس کے باوجود روح جسم کے اندر بہت مشقت اور تکلیف سے داخل ہوتی ہے اور اگر روح کو اللہ کا حکم نہ ہوتا تو فرشتہ اس کو جسم میں کبھی داخل نہ کر سکتا۔

ایک بار حضرت نے فرمایا کہ جو فرشتے روح کو جسم میں داخل کرنا چاہتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنے ادنیٰ سے غلاموں کو ایک بہت بڑے عمدہ دار کو قید خانہ میں ڈالنے کا حکم دے۔ جب ہم ان ادنیٰ غلاموں اور اس بڑے عمدہ دار کی طرف دیکھتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ وہ اس عمدہ دار سے نمٹ نہ سکیں گے، مگر جب ہم اس بادشاہ کی طرف نظر کرتے ہیں جس نے ان غلاموں کو بھیجا ہے اور خیال کرتے ہیں کہ بادشاہ کا حکم سب میں جاری و ساری ہے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ وہ عمدہ دار ان کے سامنے عاجزی کرے گا اور جب وہ روح کو جسم میں داخل کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو روح سخت بے چین ہوتی ہے اور زور کی آواز نکالتی ہے اور جو اس پر گزرتی ہے اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم۔

آٹھویں قیامت کے دن جب قبر سے اٹھا کر اس کو شکل دی جائے گی اس وقت بھی اسے آنحضرت کے نور سے سیراب کیا جائے گا تاکہ اپنی ذات کو پکڑ سکے۔

فرمایا: اس آٹھ بلکی سیرانی میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ اور مرثیہ خواہ پللی امتوں کے ہوں خواہ اس اُمرت کے سب شریک ہیں مگر ان میں فرق موجود ہے کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ کو جس قدر سیرانی ہوئی

دوسرے لوگوں کو اس کی برداشت نہیں ہو سکتی تھی وجہ ہے کہ انہیں تو درجہ نبوت و رسالت مل گیا اور دوسروں کو لازمی طاقت کے مطابق سیراب کیا گیا۔ امت محمدیہ اور دوسری امتوں کی اس نور سے سیرابی میں فرق یہ ہے کہ امت محمدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اس نور کے داخل ہونے کے بعد اس سے سیراب ہوئی ہے اسی لیے تو اس نور کو اس قدر کمال حاصل ہوا جس کی بدکسی میں طاقت ہے اور اس کی کیفیت بیان کی جا سکتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نور نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک اور ذات پاک دونوں کا ستر حاصل کیا ہے برخلاف دیگر ائمہ کے کہ اس وقت وہ نور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کا ستر لیے ہوئے تھا۔ اسی وجہ سے تو اس امت کے مومنین کامل، عادل اور افضل ہیں اور یہ امت ان تمام امتوں سے افضل ہے جو لوگوں کے لیے بھیجی گئیں۔
الحمد والشکر۔

حضرت نے فرمایا: اس طرح باقی تمام مخلوق بھی آنحضرت کے نور سے سیراب ہوئی اور اگر اس میں یہ نور نہ ہوتا تو کوئی شخص دنیا کی کسی چیز سے فائدہ نہ اٹھا سکتا۔

فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اترے اس وقت درختوں کے پھل شروع ہی میں گر جاتے تھے چنانچہ جب اللہ نے چاہا کہ انہیں پھل لگیں تو انہیں آنحضرت کے نور سے سیراب کیا تب جا کر پھل گرنے لگے اور اگر کافروں میں آپ کا وہ نور جس سے انہیں ان کے پیٹ میں شکل بننے، پھر روح پھونکنے، پھر پیٹ سے نکلنے اور رضع کے وقت سیراب کیا گیا تھا، نہ ہوتا تو دوزخ نکل کر ان کی طرف آتی اور انہیں کھا لیتی۔ آخرت میں جپ تک یہ نور ان کی ذات سے نکال دیا جائیگا اس وقت تک دوزخ انہیں نہ کھائے گی۔ واللہ اعلم۔

نیز فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے نورِ کرم کو پیدا اور اس کے بعد قلم، عرش، لوح، برزخ، جنت اور عرشِ جنت اور جہنم کے فرشتوں کو پیدا کیا تو عرش نے عرض کیا اے اللہ تو نے مجھے کیوں پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ تجھے میں نے تمہارے اوپر کے جو سات حجاب ہیں ان کے نور سے اپنے محبوبوں کو حجاب میں رکھنے کیلئے پیدا کیا ہے کیونکہ وہ ان انوار کی طاقت نہیں رکھتے اس لیے کہ انہیں مٹی سے پیدا کیا جائے گا۔ اس وقت نہ اعداد تھے نہ اعداد کا کھر یعنی جہنم اس سے ملائکہ کو خیال ہوا کہ اللہ کے وہ محبوب جنہیں مٹی سے پیدا کرے گا جنت میں پیدا کیے جاتے گے اور وہیں رہیں گے اور عرش کی وجہ سے وہ حجاب میں ہوں گے اس کے بعد اللہ نے تمام ارواح کا نور پیدا کیا اور اسے نورِ کرم سے سیراب کیا اور پھر اس کے ایک ایک ٹکڑے میں امتیاز پیدا کیا اور

ہڑکڑ سے ایک روح نکالی اور اس کو بھی شکل دیتے وقت نورِ کرم سے سیراب کیا۔ اس کے بعد ارواح ایک مدت اسی حالت میں رہیں بعض کو اس سیرابی سے مزہ آیا اور بعض کو نہیں آیا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے دوست اور دشمن میں امتیاز کرنا چاہا اور دشمنوں کے لیے دوزخ بنائی چاہی تو تمام ارواح کو جمع کر کے کہا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) تو جن روحوں نے اس نور سے مزہ حاصل کیا تھا انہیں اس نور کی طرف میل و محبت تھی، انہوں نے محبت و خوشی سے جواب دیا اور جنہوں نے اس سے کچھ مزہ حاصل نہ کیا تھا۔ انہوں نے بجز خوف جواب دیا۔ اس طرح وہ غلطیوں جو جہنم کی اصل ہیں ظاہر ہوئیں۔ پھر ہر لحظہ غلطیوں اور نور دونوں بڑھتے گئے۔ انہیں نورِ کرم کی قدر اس وقت معلوم ہوئی جب انہوں نے دیکھا کہ جنہوں نے نورِ کرم سے مزہ حاصل کیا تھا وہ غضبِ خداوندی کے مستوجب ہوئے اور ان کے لیے جہنم پیدا کی گئی۔ واللہ اعلم۔

ایک اور بار یون فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے سیراب کئے گئے ہیں مگر یہ نور سے طور پر اس سے سیر نہیں ہوتے۔ ہر نبی اس نور سے اسی قدر مستفیض ہوا ہے جس قدر کہ اس کے لیے مناسب اور کھنکھایا گیا تھا۔ اس لیے کہ نورِ کرم کے مختلف رنگ اور احوال ہیں اور اس کی کئی ایک قسمیں ہیں۔ ہر نبی نے اس نور میں سے ایک خاص رنگ اور خاص قسم پی ہے۔

پھر فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس نور میں سے کچھ حصہ پایا تو انہیں غریب الوطن ہونے کا مقام حاصل ہوا۔ یہ ایک ایسا مقام ہے جو صاحبِ مقام کو ایک جگہ پر قرار نہیں لینے دیتا اور اسے سیاحت پر مجبور کرتا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اس نورِ کرم میں سے کچھ نور پایا تو آپ کو بمع مشابہہ کاملہ کے مقامِ رحمت اور مقامِ تواضع ملا چنانچہ اگر آپ کو کسی سے نرمی اور تواضع سے باتیں کرتے دیکھیں تو تسلیم یوں سمجھے گا کہ آپ اس سے تواضع کر رہے ہیں حالانکہ آپ اپنے قوتِ مشاہدہ کے سبب سے اللہ کے سامنے تواضع کر رہے ہوتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی نورِ کرم میں سے کچھ نور پایا تو انہیں اپنی تمام نعمتوں، عطیوں اور نیکیوں کے ساتھ مقامِ مشاہدہ حق حاصل ہوا۔ یہی حال باقی تمام انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کرام کا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت نے فرمایا کہ اہلِ خیر میں خیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ظاہر ہوا اور اہلِ خیر ملائکہ، انبیاء، اولیاء اور عامۃ المؤمنین ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ ان میں فرق کیسے معلوم ہو؟

فرمایا: فرشتوں کا وجود تو نور کی مٹی سے ہے اور ان کی ارواح نور سے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی ذات تو مٹی سے ہے اور روح نور سے اور روح اور ذات کے درمیان ایک اور نور ہے جس سے ان کی ذات سیراب ہوتی ہے۔ یہی حال اولیاء اللہ کا ہے مگر انبیاء درجہ نبوت کی وجہ سے ان پر فوقیت رکھتے ہیں۔ اولیاء درجہ نبوت کی طاقت نہیں رکھ سکتے۔ عام مومنین کی ذات تو مٹی سے بنی ہے اور ان کی ارواح نورانی ہیں اور ان کی ذات کو اس نور سے جو انبیاء اولیاء کو حاصل ہوا کچھ حصہ ملا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ ان انوار کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے کیا نسبت ہے اور یہ اس نور سے کیسے مستفیض ہوتے ہیں۔

اس پر حضرت نے ایک عام فہم مثال بیان کی اور فرمایا جیسے کوئی بہت سیوں کو کچھ مدت تک جھوکار رکھے یہاں تک کہ انہیں کھانے کی سخت خواہش پیدا ہو جائے اس کے بعد وہ شخص ان کے سامنے ایک روٹی ڈال دے اور وہ اسے جلدی جلدی کھانے لگ جائیں اور روٹی میں سے ذرہ بھر بھی کمی واقع نہ ہو۔ یہی حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کا ہے۔ تمام جہان اس سے مستفیض ہوتا ہے مگر اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ حق سبحانہ اسے ہر دم زیادہ کرتے رہتے ہیں۔ اس نور میں یہ زیادتی اس طرح نہیں ہوتی کہ یہ اور پھیل جائے بلکہ یہ زیادتی باطن ہی باطن میں ہوتی ہے ظاہر میں نہیں ہوتی جیسے کہ نقص بھی ظاہر نہیں ہوتا اسی نور سے مملوکہ انبیاء اولیاء اور عامۃ المؤمنین مستفیض ہوتے ہیں اور جیسا کہ بیان کیا گیا، ہر ایک کا فیضان مختلف ہوتا ہے۔

پھر فرمایا کہ سورج، چاند اور ستاروں کا نور نورِ برزخ سے لیا گیا ہے اور نورِ برزخ نورِ کرم اور ان ارواح کے نور سے لیا گیا جو اس میں ہیں اور نورِ ارواح آنحضرت کے نور سے لیا گیا ہے۔

فرمایا کہ ان میں نور کا نام حضرت آدم کی پیدائش کے قریب اور زمینوں اور
لیلة القدر کی اصل پٹاروں کی پیدائش کے بعد ہوا چنانچہ فرشتے اور روحیں اللہ کی عبادت کیا کرتی تھیں کہ اپنا مک سورج، چاند اور ستاروں میں روشنی ظاہر ہوگی تو زمین کے فرشتے سورج کی روشنی سے بھاگ کر رات کے سایہ میں چلے گئے۔ سورج رات کی تاریکی کو منسوخ کر تا گیا اور فرشتے سایہ کے ساتھ چلتے گئے یہاں تک کہ پھر اسی مقام پر آپہنچے جہاں سے چلے تھے۔ اس پر انہیں سخت خوف طاری ہوا اور انہیں خیال پیدا ہوا کہ یہ کسی بڑے معاملہ کے لیے واقع ہوا ہے تب تمام

زمینوں کے فرشتے اکٹھے ہوئے اور انھوں نے پھر پہلے کی طرح کیا، لیکن آسمانوں کے فرشتوں اور
برزخ کی روجوں نے جب زمین کے فرشتوں کو اس طرح کرتے دیکھا تو وہ بھی زمین پر اتر آئے مگر
بنی آدم کی روجیں زمین کے فرشتوں کی پہلی جماعت کے ساتھ ٹھہری رہیں اور اس رات زمین اور
آسمان کے تمام فرشتے اور روجیں سب کی سب اکٹھی ہوئیں، لیکن جب سورج اپنی اعلیٰ جگہ کو لوٹ
آیا اور کوئی حادثہ واقع نہ ہوا تو ان فرشتوں کو اطمینان ہو گیا اور اپنی اپنی جگہ پر واپس چلے گئے پھر
ہر سال فرشتے اسی طرح کرنے لگ گئے۔ عیلتہ القدر کا یہی سبب ہے۔ واللہ اعلم۔

وَفِيهِ ارْتَفَعَتِ الْحَقَائِقُ
کی تشریح

حضرت نے شیخ عبدالسلام بن شیش کے فرمان وَفِيهِ ارْتَفَعَتِ
الْحَقَائِقُ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں حقائق سے مراد وہ
اسرار حق ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں پھیلانے

رکھا ہے۔ ان اسرار کی تعداد ۳۶۶ ہے اور حیوانات و جمادات میں ان کا ظہور اللہ کی مرضی کے
مطابق ہوتا ہے اور اسی طرح باقی مخلوقات میں بھی۔ مثال کے طور پر نباتات میں بھی بڑھ پھل جاتا ہے اور
یہ نفع ہے جو ہم ان سے حاصل کرتے ہیں اور نفع بھی ایک حقیقت ہے جس کا تعلق حق سبحانہ کے ساتھ
ہے اس لیے کہ ہر حقیقت کا تعلق اللہ کے ساتھ ہے جیسا کہ آگے چل کر بیان کیا جائے گا پھر یہ نفع
رسانی کا مادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اس قدر بلند تھا کہ کوئی اور اس حد تک پہنچ ہی نہیں سکتا
چنانچہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ تمام کائنات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے کس طرح فیضیاب ہوئی اور
یہ مرتبہ کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہوا۔

پھر فرمایا کہ زمین میں بھی مرتبہ ہے اور وہ یہ ہے کہ زمین ان تمام چیزوں کو اٹھائے ہوئے ہے جو
اس میں پائی جاتی ہیں اور یہ بھی حقائق الہیہ میں سے ایک حقیقت ہے۔ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
میں حد سے زیادہ پائی جاتی تھی یہاں تک اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسرار و معارف تمام مخلوقات
پر ڈال دیے جائیں تو اس کی طاقت نہ رکھتے ہوئے ایک دوسرے پر گر پڑیں۔ اہل مشاہدہ میں بھی ایک
مرتبہ پایا جاتا ہے یعنی یہ کہ وہ ایک لحظہ کے لیے بھی اللہ سے غافل نہیں رہتے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم اس حد تک بلند تھے کہ کسی اور میں اس کی طاقت برداشت نہیں پائی جاتی جیسا کہ مشاہدہ
شریف میں اس کا بیان ہو چکا۔

صدیقین میں بھی اسرار حق میں سے صدق کا راز ہے، اس میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچے
ہوئے تھے، اہل کشف میں جو راز حق ہے وہ معرفت الہیہ ہے، اور اس میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو اس قدر کمال حاصل تھا کہ کوئی اس کی تمسک نہیں پہنچ سکتا۔ لہذا معلوم ہوا کہ حقائق کا ارتقا اسی حد تک ہوتا ہے جس حد تک کوئی نور حق سے فیض یاب ہوا اور چونکہ آنحضرت میں حقائق کا ارتقا آپ کے نور کے مطابق ہوا اور آپ کے نور کی طاقت کسی میں نہیں لہذا جہاں تک حقائق کا ارتقا آپ میں ہوا کسی اور میں وہاں پہنچنے کی طاقت نہیں۔ واللہ اعلم

وَتَنَزَّلَتْ عَلُونَا اَدَمَ
حضرت نے عبد السلام بن مشیش کے فرمان وَتَنَزَّلَتْ عَلُونَا
اذن کی تشریح فرماتے ہوئے کہا کہ علوم آدم سے مراد ان اسماء کا علم ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کو دیا گیا اور جن کی طرف آیت

کی تشریح

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا (سورہ بقرہ آیت ۳۱) میں اشارہ کیا گیا ہے اور اسماء سے اسماء عالیہ مراد ہیں نہ کہ اسماء نازلہ کیونکہ ہر مخلوق کے دو نام ہیں۔ ایک اسم عالی اور ایک اسم نازل۔ اسم نازل تو مسمیٰ کا پتہ بتاتا ہے اور اسم عالی مسمیٰ کی اصل کا پتہ بتاتا ہے اور یہ کہ وہ کس چیز سے ہے اور اس کا کیا فائدہ ہے اور یہ کہ کلاماڑی کس کام آتی ہے۔ لہذا اسے کیسے جانتا ہے چنانچہ اس اسم عالی کے محض سننے سے وہ تمام علوم و معارف سمجھ میں آجاتے ہیں جن کا تعلق کلاماڑی سے ہے اسی طرح ہر مخلوق میں۔ اور الْاَسْمَاءُ كُلَّهَا سے مراد وہ اسماء ہیں جن کی حضرت آدم میں طاقت تھی اور تمام انسانوں کو ان کی احتیاج ہے یا انہیں ان سے تعلق ہے اور یہ عرش کے نیچے سے لے کر زمین کے نیچے تک کی ہر مخلوق کے نام ہیں چنانچہ اس میں جنت، دوزخ، سات آسمان اور جو کچھ ان کے اندر یا ان کے درمیان ہے اور جو کچھ آسمان اور زمین کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کے اندر ہے مثلاً جنگل، چٹیل میدان، وادیاں، سمندر، درخت، صوبہ اس میں شامل ہیں۔ چنانچہ ہر مخلوق خواہ وہ ناطق ہو خواہ جاد حضرت آدم ان کے اسماء ہی سے ان کی اصل، ان کے فائدہ، ان کی کیفیت، ترتیب اور شکل کی وضع کو جان جاتے تھے۔ چنانچہ وہ جنت کا نام سن کر ہی معلوم کر لیتے تھے کہ اس کی پیدائش کہاں سے ہوئی، کیوں ہوئی، اس کے مراتب کی ترتیب کیا تھی اور اس کے اندر کتنی حوریں ہیں اور حشر و نشر کے بعد اس میں کتنے لوگ بسیں گے۔ اسی طرح دوزخ کے لفظ سے بھی سمجھ جاتے اور اسی طرح آسمان کے لفظ سے۔ نیز یہ کہ پہلا آسمان اپنی جگہ پر کیوں ہے اسی طرح دوسرا اور باقی آسمان اپنی اپنی جگہ پر کیوں ہیں۔ فرشتوں کے نفا سے بھی سمجھ جاتے کہ وہ کس چیز سے پیدا کئے گئے اور کیوں پیدا کئے گئے ہیں ان کی پیدائش کی کیفیت کیا ہے ان کے مراتب کی ترتیب کیا ہے اور یہ کہ فلاں فرشتہ فلاں مقام کا کیوں مستحق ہوا اور دوسرے کا دوسرا مقام کیوں تھا۔ اسی طرح عرش سے لے کر زمین کے نیچے تک کے

ہر شے کے مقام کا پتہ تھا۔ آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور
 کامیں ادیار کے یہی علوم تھے۔ آدم علیہ السلام کا خاص طور پر اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ انہیں سب
 سے پہلے یہ علوم حاصل ہوئے اور ان کی اولاد میں سے جنہیں یہ علوم حاصل ہوتے ہیں وہ ان کے
 بعد ہوئے ہیں علوم آدم سے یہ قطعاً مراد نہیں کہ آدم کے سوا ان علوم کا کسی کو علم نہ تھا اور ہم
 نے علوم آدم کے ساتھ جو یہ تخصیص کر دی ہے کہ ان سے مراد صرف وہ علوم ہیں جن کی آدم اور
 ان کی اولاد کو ضرورت تھی اور جن کے برداشت کرنے کی ان میں طاقت تھی وہ اس لیے ہے کہ کہیں
 کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ اس سے مراد تمام معلومات خداوندی کا علم ہے اور سَوَّلَتْ کالفظ اس لیے
 استعمال کیا تاکہ ان علوم کے متعلق آنحضرت کے علم اور حضرت آدم اور دیگر انبیاء کے علم میں فرق
 سام ہو جائے کیونکہ جب انبیاء علیہم السلام ان علوم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو آپ کو مشاہدہ تمام
 حاصل ہوتا ہے مگر ساتھ ہی ان علوم وغیرہ کا بھی مشاہدہ ہوتا ہے جن کی اوروں کو طاقت نہیں ہو سکتی
 اور جب ان علوم کی طرف توجہ فرماتے ہیں تو یہ علوم حق سبحانہ کے مشاہدہ کے ساتھ ساتھ حاصل
 ہوتے ہیں اس طرح نہ مشاہدہ حق مشاہدہ خلق سے مانع آتا ہے اور نہ مشاہدہ خلق مشاہدہ حق
 سے چنانچہ ان علوم کا نزول و رسوخ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوا ہے اور وہ میں نہیں
 اس لیے کہ دیگر انبیاء جب حق سبحانہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو یہ علوم زائل ہو جاتے ہیں۔ اسی
 لیے تو تمام مخلوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتی اور ان کی عقلیں آپ
 کے مرتبہ کو سمجھنے سے قاصر ہیں چنانچہ نہ گزشتہ انبیاء میں سے کوئی آپ کی گردنک پہنچ سکا ہے
 اور نہ آئندہ آنے والے اولیاء اللہ میں سے پہنچ سکے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح آنحضرت کی
 روح مطہر کمالات بالینہ میں کامل ہے اسی طرح آپ کی ذات بھی کمالات ذاتیہ میں کامل ہے
 کہ ملکوت کے باغات آپ ہی کے جمال کی بدولت خوشنما معلوم ہوتے ہیں اور عالم جبروت کے
 حوض آپ ہی کے نور کے فیض سے چھلک رہے ہیں۔

یاد رکھیں کہ عالم علوی کو مختلف اعتبار سے عالم الملک و عالم
 عالم ملکوت و جبروت | الملکوت و عالم جبروت کہا جاتا ہے اسے عالم الملکوت یہاں کے
 باشندگان خواہ نامتق ہوں، خواہ صامت، خواہ باندہ ہوں خواہ عامل، سب کے اتفاق کے اعتبار
 سے کہا جاتا ہے اس لیے کہ ان کا اتفاق ایک ہی نگاہ، ایک ہی توجہ اور ایک ہی معبود یعنی حق
 سبحانہ پر ہے چنانچہ وہ اللہ کی حرمت اور شاہدہ پر متفق ہیں اور اس میں ان کا کوئی اختیار نہیں ہے

برخلاف عالم سفلی میں سے زمین کے باشندوں کے کہ ان میں سورج پرست، چاند پرست، کوکب پرست، صلیب پرست اور بت پرست وغیرہ سبھی قسم کے گمراہ لوگ پائے جاتے ہیں، لہذا عالم علوی کے برعکس ان کی نگاہ میں اختلاف ہے۔ حاصل یہ کہ ہر وہ عالم جہاں کے لوگ حق بات پر متفق ہوں عالم الملک کہلاتا ہے اور اسی کو عالم علوی کہتے ہیں اور عالم ملکوت اسے یہاں کے باشندوں کے نور کے اختلافات اور ان کے مقامات اور احوال کے تباین کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور اسے عالم جبروت ان انوار کے اعتبار سے کہا جاتا ہے جو ان پر اس طرح چلتے ہیں جس طرح ہم پر ہوا چلتی ہے لہذا ان کی ذات، ان کی ارواح اور معارف کو سیراب کرنے اور ان کے مقامات کو برقرار رکھنے کے لیے یہ نور ان پر چلتے ہیں چنانچہ یہ انوار ان کے مذکورہ بالا تمام حالات کے محافظ ہوتے ہیں۔

عالم الملک کی ایک اور تعریف

مؤلف کتاب کہتا ہے کہ حضرت نے بہت خوب بیان فرمایا ہے مگر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عالم الملک وہ عالم ہے جس کا ادراک حواس سے ہو سکے اور عالم ملکوت وہ ہے جس کا ادراک عقل سے ہو سکے اور عالم جبروت وہ ہے جس کا ادراک مواہب اللہ سے ہو۔

دوسری تعریف

بعض کا قول ہے کہ عالم ظاہر اور محسوس کو عالم الملک کہتے ہیں اور جو عالم باطن اور عقل میں ہے وہ عالم ملکوت ہے اور عالم جبروت ان دونوں کے درمیان ہے یعنی ہر وہ عالموں میں سے کچھ کچھ لیے ہوئے ہے محسوس بھی اور معقول بھی۔

تیسری تعریف

ایک اور قول یہ ہے کہ عالم جبروت میں اسماء ہیں اور عالم ملکوت میں صفات کیونکہ صفات اسماء اور افعال میں تصرف کرنے کا ذریعہ ہیں جیسے لطف اور قہر جو لطیف اور ظہور اور مقہور کے درمیان واسطہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

ایک اور تشریح

نیز فرمایا کہ "ریاض الملکوت" میں ریاض کا لفظ وہی معنی دیتا ہے جو محاسن کا لفظ محاسن الملکوت میں دیتا ہے اور ملکوت عالم علوی کو کہتے ہیں مگر یہاں اس سے مراد لوح محفوظ مع قلم، برزخ اور عرش کے لیے ہے۔ اس لیے کہ لوح محفوظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، انبیاء، اولیاء، صلحاء اور تمام مومنین کے نام درج ہیں اور لوح محفوظ کے الفاظ سے نور چمکتا ہے یہ نور ان ناموں والوں کے اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق چمکتا ہے۔ لوح محفوظ میں حروف اسماء سے متعلق جو انوار ہیں ان میں بہت ہی اختلاف پایا جاتا ہے اسی طرح ان انوار میں بھی بہت

سخت اختلاف پایا جاتا ہے جو ظلم سے نکلتے ہیں۔ رہا برزخ سو جو انوار اس سے نکلتے ہیں۔ ان کے رنگوں کا کوئی شمار ہی نہیں کر سکتا۔ یہ انوار انبیاء، اولیاء، صلحاء اور مومنین کی روحوں کے انوار ہیں یہی حال عرش کے انوار کا ہے کہ اس میں سے بھی اہل جنت کے اختلاف مراتب کے مطابق مختلف قسم کے نور نکلتے ہیں چنانچہ ہر منزل کا ایک خاص نور ہے۔ لہذا جب ان تمام اشیاء کے انوار مختلف مٹھرے تو بات کے ساتھ ان کو تشبیہ دینا جہاں مختلف قسم کے پھول ہوتے ہیں، ایک عمدہ تشبیہ ہے۔ اسی لیے ”ریاض الملکوت“ فرمایا ہے۔

مزید برآں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مذکورہ بالا اشیاء میں پایا جاتا ہے اس لیے کہ آپ کا اسم مبارک لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے نیز آپ کے نور کی چمک اسرارِ قلم میں بھی پائی جاتی ہے اور برزخ میں آپ کی روح مطہرہ کا ایک خاص مقام ہے اور جنت میں آپ کے مقام سے بالا کوئی مقام نہیں ہے لہذا لازم آیا کہ آنحضرت کا نور ان تمام مذکورہ بالا اشیاء میں موجود ہے اور آپ کے نور کی بدولت انہیں حسن و خوبی اور عجیب قسم کی رونق حاصل ہوئی ہے جس کی وجہ سے ذہرِ جمالہ (آپ کے جمال کے پھول) کا لفظ استعمال کیا۔

اللَّهُمَّ الْحَقِّقْنِي بِحَسَبِهِ ذِ
حَقِّقْنِي بِحَسَبِهِ كِتَابِهِ
حضرت عبدالسلام بن مشیخ کے قول اللّٰهُمَّ الْحَقِّقْنِي بِحَسَبِهِ
وَحَقِّقْنِي بِحَسَبِهِ کی تشریح فرماتے ہوئے حضرت نے فرمایا
کہ حسب سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن کا وہ

مشاہدہ ہے جسے حاصل کرنے کی کسی اور میں طاقت نہیں ہے۔ حضرت عبدالسلام ایک جامع قطب تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل وارث تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ سے فیض یاب ہوتے تھے۔

نیز فرمایا کہ حسب سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات ہیں مثلاً رحمت، علم، حلم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر اخلاق پاک اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ حاصل کرنے کی کسی میں طاقت نہیں اس لیے وہاں ”الحَقِّقْنِي“ کا لفظ کما دیعنی مجھے اس کے قریب پہنچا دے اور صفات کے لیے حَقِّقْنِي کما کہ صفات کا حاصل کرنا کسی قدر ممکن ہے۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا: خبردار یہ ہرگز خیال نہ کرنا کہ پیر کی حریت نظر اس کا ارادہ اور انتہائی عزم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریفہ کو چھوڑ کر کسی اور چیز کی طرف ہوتا ہے مثلاً کشف یا تہذیب یا ولایت بلکہ شیخ کی توجہ محض ذاتِ نبوی کی طرف ہوتی ہے۔

دوسری تشریح

ایک اور بار فرمایا کہ سب سے مراد جہد و قوت ہے اور حسب سے مراد

وہ بارگراں ہے جس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم متحمل ہوئے۔ اس کی آپ نے یوں مثال دی کہ ایک شخص کے لاتعداد اونٹ ہوں اور کچھ مدت تک ان کی نسل بڑھتی رہے اور وہ شخص نہایت عمدہ اور خوبصورت لباس بناتا رہے پھر دیکھے کہ ان اونٹوں میں سے ان تمام کے اٹھانے کی کسی اونٹ میں طاقت ہے یا نہیں تو ان میں سے صرف ایک اونٹ ایسا نظر آیا جس پر وہ تمام بار لا دیا جائے اور وہ اسے بغیر مشقت اٹھائے۔ واللہ اعلم۔

نَیْسَ مِنْ اَکْرَمِ اَنْ لَا تُحْسِنَ حضرت نے شیخ ابوالحسن شاذلی کے قول نَیْسَ مِنْ اَکْرَمِ اَنْ لَا تُحْسِنَ اِلَّا لِمَنْ اَحْسَنَ اَیْثُکَ (یہ بھی کوئی کرم ہے کہ صرف احسان کرنے والوں سے احسان کیا جائے) کی تشریح

یوں فرمائی کہ شیخ ابوالحسن شاذلی نے یہ الفاظ اس وقت فرمائے جب آپ نے اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کا مشاہدہ کیا۔ لہذا جب روح نے یہ مشاہدہ کیا تو ذات کی کمزوری کی وجہ سے اس سے بے ساختہ یہ الفاظ نکل گئے اور اس نے جیسا کہ ادب ملحوظ رکھنا چاہیے تھا، نہیں رکھا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی جانتا ہو کہ نوح و داؤد کو ناسخ ہے مگر پھر اس کی حرمت کو جانتے ہوئے اپنی کمزوری کی وجہ سے جب کوئی مصیبت نازل ہو جائے تو اس کا مرتکب ہو۔

شیخ شاذلیؒ کے یہ الفاظ حزب کبیرہ میں پائے جاتے ہیں اور لوگوں کو ان کے سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے یہاں تک کہ شیخ ابن عبادؒ نے الفاظ کو ساٹھ کر دینے کا حکم دیا ہے مگر شاذلیؒ کے الفاظ بدلنے کی کسی کو اجازت نہیں اس لیے کہ وہ تو نور ولایت سے ان امور کا مشاہدہ کرتے ہیں جن کا دوسرے مشاہدہ نہیں کر سکتے۔

حزب کبیرہ: مختلف بزرگوں نے حزب کبیرہ ہے چنانچہ ابوالحسن شاذلیؒ کی ایک حزب کا نام حزب کبیرہ ہے جس میں نبات و عافیرہ ہے ان کی ایک حزب حزب البحر کے نام سے مشہور ہے جسے حزب صغیر بھی کہتے ہیں اس کا اکثر لوگ در درکتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اس میں اسم اعظم ہے (کشف الظنون ج ۱ ص ۳۳)

ابن عباد محمد بن ابراہیم بن عباد النفری الرندی الشاذلی انہوں نے شیخ تاج الدین ابوالفضل احمد بن محمد بن عبدالمکرم المعروف عطار اللہ الاسکندرانی شاذلی متوفی ۷۹۵ھ کی انکم العطایہ کی شرح کی اور اس کا نام فیض المواہب علیہ رکھا (کشف الظنون ج ۱ ص ۲۳۳)

ابن فارض کے شرعی تشریح | ہم نے حضرت سے ابن فارض کے اس شعر کی تشریح پوچھی:

شَرِبْنَا عَلَى ذِكْرِ الْحَبِيبِ مَدَامَةً سَكِرْنَا بِهَا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُخْلَقَ الْكَوْمُ
ترجمہ: ہم نے محبوب کے ذکر کی شراب پی اور ہم اس وقت سے مست ہو چکے ہیں کہ ابھی
انگور کی بیل پیدا ہی نہ ہوئی تھی۔

حضرت نے فرمایا یہ عالم ارجح کی طرف اشارہ ہے اور حبیب سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس دنیا میں آپ کا ذکر شاہدہ تائید حاصل کرنے کا سبب ہے لہذا روح اس مشاہدہ کی بدولت ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو جاتی ہے اور ایسی حالت میں اس کی تمام عادات اور معارف میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے جس سے اسے انوار کے اندر گھس جانے اور انوار سے منقطع ہو جانے کی بہت بڑی طاقت ہو جاتی ہے اور پہلی حالت سے اس کا تعلق اس طرح منقطع ہو جاتا ہے جیسے کہ وہ اسے کبھی جانتا بھی نہ تھا۔ اسی لیے اس مشاہدہ کی مدامتہ (شراب) سے تشبیہ تین وجہ سے اچھی معلوم ہوتی ہے اول اس لیے کہ شراب ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے کا سبب بنتی ہے۔ یہی حال مشاہدہ کا ہے۔ دوسری یہ کہ شراب پہلی حالت سے منقطع ہونے کا سبب بنتی ہے اور مشاہدہ میں بھی یہی بات پائی جاتی ہے۔ تیسری یہ کہ شراب کی وجہ سے انسان شجاع اور دلیر بن جاتا ہے اس لیے کہ جب کسی کے سر میں شراب چڑھ جاتی ہے تو اس کی نگاہ میں ہر چیز حقیر معلوم ہونے لگ جاتی ہے اسی طرح مشاہدہ میں بھی صاحب مشاہدہ تمام انوار کی طرف تدم اٹھانے ان میں داخل ہونے اور انہیں غبار کو ترک کرنے کی جرأت کرتا ہے۔

شَرِبْنَا عَلَى ذِكْرِ الْحَبِيبِ مَدَامَةً

کامیابی مطلب ہے کہ حق سبحانہ کے مشاہدہ میں ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی جرأت کی اور سکرنا پنا کا مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ سے منقطع ہو کر اللہ ہی کے ہو لیے ہیں اور مِنْ قَبْلِ أَنْ يُخْلَقَ الْكَوْمُ کا مطلب یہ ہے کہ یہ تو عالم ارجح کی بات ہے اور کرم عالم اشباح میں پیدا ہوں۔ پھر مشاہدہ جس سے رنج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی وجہ سے سیراب ہوتی ہے قائم رہتا ہے یہاں تک کہ

ابن الفارض: شرف الدین عمر بن الفارض عربی زبان کے واحد صوفی شاعر ہیں۔ انکی پیدائش قاہرہ میں ۷۳۵ھ میں ہوئی اور وہیں ۸۰۵ھ میں وفات پائی۔ ان کے دیوان کو ان کے پوتے علی نے طبع کیا۔

ان کے اشاران کے صوفیانہ خیالات سے ہمیں بہت بہت باتیں ملتی ہیں۔

ذات کے اندر گھس جاتا ہے اور ذات کے شہادت میں گئے رہنے کی وجہ سے اسے غفلت حاصل ہوتی ہے پس جب کوئی شخص حبیب کا ذکر کرنے لگتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کا ذکر کرتے ہوئے سنتا ہے تو وہ مشاہدہ جو روح کے اندر ہوتا ہے ذات کے اندر آہستہ آہستہ گھسنا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ذات کو وہی تین امور حاصل ہو جاتے ہیں جو روح کے۔ مل ہوئے تھے اور وہ ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو کر پہلی حالت سے منقطع ہو جاتی ہے۔ پھر اس کا غیر اللہ سے تعلق کٹ جاتا ہے اور حق سبحانہ سے تعلق ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت نے فرمایا: مجھے اس ولی پر تعجب آتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ میں کون درمکان میں مسایا ہوں اس لیے کہ کون درمکان میں دخول ایک دروازہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور وہ دروازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اور کسی مخلوق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور برداشت کرنے کی طاقت نہیں اور جب باب ہی کی طاقت نہیں تو آگے کی بات ہی کیا۔ البتہ اگر دروازہ سے داخل نہ ہوا ہو یعنی اس کی فتح شیطانی ہو تو ایسا شخص تو ایک کرہ کہ پُر نہیں کر سکتا چہ جائے کہ گھر یا کسی اور چیز کو۔ یاد رکھیں کہ تمام کائنات کا نور تنویر عرش و فرش، سموت، ارضیں، جنات، حبیب وغیرہ سب مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا ایک جزو حاصل کر کے ہیں اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا نور عرش پر رکھا جائے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں اور اگر تمام مخلوقات بھی اکٹھی ہو جائیں اور اس پر یہ نور رکھا جائے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی یہ شان ٹھہری تو کوئی یہ کہے کہ سکتا ہے کہ وہ کون کو پڑ کر سکتا ہے۔ مدینہ منورہ اور قبر شریف کے قریب پہنچ کر اس شخص کی ذات ہوگئی یا برزخ کی طرف چڑھ کر جب اس جگہ کے قریب پہنچے گی جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کا نور ہے تو اس وقت اس کی کیا حالت ہوگی۔ کیا اس کی ذات اس نور کی حامل ہوگی حالانکہ تمام مخلوق اس کے حامل ہونے سے عاجز ہے یا اس جگہ کو چھوڑ کر آگے نکل جائیگی اور کون کو پڑ کر سکے گی۔ ہو سکتا ہے کہ کون سے اس شخص کی مراد آسمان و زمین کے درمیان کی تمام نشا ہو ماسوا برزخ کی جگہ کے جہاں نور معظم ہے۔

میں نے عرض کیا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ کون کو اپنی ذات سے نہیں بلکہ اپنے نور سے بھر سکتا ہو جیسے کہ سورج آسمان اور زمین پر اپنی روشنی پھیلاتا ہے۔

حضرت نے فرمایا: اس کی مراد تو یہی ہے کہ وہ اسے اپنے نور سے بھرتا ہے یہ نہیں کہ وہ اسے اپنی ذات سے بھرتا ہے مگر کہا اس کا نور اور کہا نور مصطفویٰ۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے

مقابلہ میں اس کا نور ایسا ہے جیسے دوپہر کے وقت ایک بتی۔ کیا یہ کتنا درست ہوگا کہ اس بتی نے نور شمس کو ماند کر دیا ہے؟

میں نے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے مقابلہ میں نور شمس ایسا ہے جیسے ایک بتی مگر بھر بھی وہ دنیا پر پھیلا ہوتا ہے۔

حضرت نے فرمایا: سورج کے نور کا کون کو بھرنے سے یہ مراد نہیں کہ نور مکرم اس کی وجہ سے غائب یا ماند پڑ گیا ہے اور یہ جو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ نور شمس اور اوج مومنین کے نور سے اخذ کیا گیا اور ازواج مومنین کا نور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے مقابلہ میں ایسا ہی ہوگا جیسے دوپہر کے وقت بتی اور سورج وغیرہ کا نور بھی اسی بتی کی طرح معلوم ہوگا جو دوپہر کو جل رہی ہو۔

حضرت نے فرمایا کہ میں نے صبح کی نماز سے لے کر چاشت تک انتہائی کوشش کی کہ دیکھوں کہ کیا "باب" کو برداشت کرنے کی طاقت رکھ سکتا ہوں مگر نہ رکھ سکا اور اسے اپنے لیے نہایت مشکل پایا۔ واللہ الموفق۔

میں نے حضرت سے اس حکایت کے متعلق دریافت کیا کہ ایک شخص سمندر میں اترا اور پھر ایک گھنٹے کے بعد نکل آیا۔ اس کا ساتھی جو کنارے پر اس کا انتظار کر رہا تھا، اسے کہنے لگا تو نے اس قدر دیر کر دی کہ مجھے ڈر ہوا کہ میں جمعہ کی نماز نہ جاتی رہے۔ غلط زن نے جواب دیا کہ میں تو مصر سے آیا ہوں اور وہاں اتنے مہینے رہا ہوں، میں نے وہاں شادی کی اور میرا بیٹا بھی وہاں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کیونکہ ان دونوں پر درحقیقت ایک ہی وقت گزرا تھا لہذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک کے لیے تو وہ ایک گھڑی ہو اور دوسرے کے لیے کئی مہینے۔ کیونکہ سورج سے تو گھنٹے اور مہینے ایک ہی طرح کے بنتے ہیں۔ اگر یہ غلط زن کے لیے کئی ماہ کا وقت ہو تو اہل مصر کے لیے کیسا ہوگا۔ اگر وہاں بھی کئی ماہ کا وقت ہو، میان تک کہ اس نے وہاں شادی بھی کی اور اس کے ہاں اولاد بھی ہوئی تو یہ ایک محال بات ہوگی کیونکہ اہل مصر اور مدینہ کے طلوع و غروب میں اس حد تک اختلاف نہیں ہو سکتا۔ لہذا جب یہ وقت اہل مصر کے لیے بھی ایک گھڑی ہو تو کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اس نے اس قلیل مدت کے اندر شادی بھی کر لی ہو اور اس کے ہاں بچہ بھی پیدا ہو گیا ہو، ادباً رائے اللہ علیہ السلام شرانے نے اوراق الانوار میں فرمایا کہ یہ حالات میں جمال الدین یوسف کا اسی قسم کا واقعہ دیا ہے۔ پھر لکھا ہے کہ تیسرے دو سو سال کی مسائی میں جہاں اور یہ تیسرے بیسویں اسی قسم کا ہے جو جوہری کے ساتھ پیش آیا تھا اور پھر مختصر طور پر یہی قصہ بیان کیا ہے جو کتاب میں دیا ہے۔

کی اس کرامت کا حل ہمیں سمجھ میں نہیں آتا۔ مزید براں مٹی زمان مٹی مکان کی طرح نہیں ہے۔ مٹی زمان میں تو مذکورہ بالا محال لازم آتا ہے مگر مٹی مکان کی کرامت میں کوئی محال بات نہیں ہوتی، حالانکہ اس حکایت کو کئی ایک لوگوں نے نقل کیا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کا استدلال روزِ قیامت سے کیا ہے کہ اس کی مقدار ہزار سال ہوگی مگر مومنین کے لیے روزِ قیامت ایک گھڑی کے برابر ہوگا لیکن یہ استدلال درست نہیں۔ اس لیے کہ روزِ قیامت کی لمبائی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ لمبائی اس روز کی سختی کی دجہ سے معلوم دے گی نہ کہ درحقیقت وہ دن اتنا لمبا ہوگا اور میرا غالب گمان ہے کہ ابن جریر نے فتح الباری میں بھی اسی پر اکتفا کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ صاحبِ حکایت کے لیے جب کہ وہ سمندر میں ہو ایک اور زمانہ اور ایک قوم بنادے اور وہ سمندر کو باوجود اس کے اندر ہونے کے نہ دیکھ سکے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو باوجود اس کے کہ وہ ہمیشہ فرشتوں کے پاس ہوتے ہیں، ان کا مشاہدہ کرنے سے روک رکھا ہے لہذا جب وہ سمندر کے مشاہدہ سے حجاب میں آگیا تو اسے اس زمانہ اور اس قوم کا مشاہدہ ہو گیا پھر اس قوم کو اہل مصر وغیرہ کی صورت میں پیش کر دیا تاکہ اس حکایت کا مقصد پورا ہو جائے اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس قوم اور اس زمانہ دونوں کو فنا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کا واقعہ کسی حکمت کی بنا پر صاحبِ حکایت کے درپیش کیا ہے۔ میں نے عرض کیا: جناب نے سچ فرمایا، اس لیے کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شخص باوجود اس کے کہ اس کی نشست و برخاست کثرت سے درویشوں کے ساتھ تھی، پھر بھی ان کی کرامات کا انکار کیا کرتا تھا۔

حضرت نے فرمایا: میں نے اس سے بھی عجیب تر واقعہ دیکھا ہے کہ میں نے ایک شخص دیکھا کہ چاشت کے وقت وہ ناکندہ تھا لیکن جب نھر کے وقت واپس آیا تو دیکھا کہ وہ شخص مرچکا ہے اور اس کے بیٹے نے اس کے پیشہ میں اس کی جگہ لی ہے۔ مزید برآں بیٹا بالغ بھی ہو چکا ہے حالانکہ چاشت کے وقت تک اس کے باپ کی شادی بھی نہ ہوئی تھی پھر شادی ہوئی، اولاد ہوئی اور نھر سے پہلے بالغ بھی ہو گئی۔

میں نے دریافت کیا کیا یہ لوگ جنوں میں سے ہیں یا انسانوں میں سے۔

فرمایا: نہ جنوں میں سے ہیں نہ انسانوں میں سے، اللہ کی مخلوق کا شمار نہیں ہو سکتا وَمَا يَفْلَهُ جُنُودٌ رَبِّكَ اِذْ هُوَ اَوْتَرَهُ رَبُّكَ فَوْجًا كَمَا سَوَّاهُ خُودَ اس کے کسی کو علم نہیں۔

پھر فرمایا کہ السلام علی میری والدہ کی وفات کے بعد ایک عجیب واقعہ مجھ سے پیش آیا کہ میرے والد نے ایک اور عورت سے شادی کر لی اور ایک لونڈی بھی رکھ لی۔ اس لونڈی نے مجھے مارا۔ میں نے کہا کون کونسا غم برداشت کر دوں، لونڈی کا یا اس عورت کا۔ اس پر وہ اور بھی بگڑ گئی اس کے بعد ایک سال گزر گیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے میری وفات تک جو واقعات مجھ سے پیش آنے والے تھے سب دکھا دیے۔ چنانچہ میں نے ان ادبیار کو دیکھا جس سے میری ملاقات ہونے والی تھی۔ اس عورت کو دیکھا جس سے میری شادی ہونے والی تھی، پھر کچھ مدت گزرنے کے بعد بیٹے عمر کی ولادت کو دیکھا جس کا میں نے عقیدہ کیا۔ پھر عمر کی ولادت کے بعد بیٹے اور اس کی ولادت تک جو کچھ ہونے والا تھا۔ اس کا عقیدہ کرنا پھر وہ واقعات دیکھے جو بیٹی فاطمہ کی ولادت تک ہونے والے تھے۔ اس کے بعد وہ فتح بھی دیکھی جو مجھے فاطمہ کی ولادت کے بعد عطا ہوئی اسی طرح تمام وہ امور دیکھے جنہیں میں نے بعد میں حاصل کیا ان میں سے کوئی ایک چیز بھی مجھ سے غائب نہ تھی اور یہ سب کچھ ایک گھنٹہ کے اندر اندر ہوا اور میں سویا ہوا بھی نہ تھا کہ اسے خواب کہا جاتے۔

مولف کہتا ہے کہ یہ مشاہدہ روح کو حاصل ہوا تھا جیسا کہ خود حضرت نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ جب بچہ ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے، عارف کامل اس وقت کی حالت سے لے کر اس کی آخری عمر تک کی حالت کے تمام واقعات کو دیکھ لیتا ہے چنانچہ اگر کوئی اس مشاہدہ کو تحریر میں لے آئے اور اس تحریر کو اپنے پاس رکھ چھوڑے، پھر جو کچھ اس کو پیش آتا جاتے اس سے متقابل کرے تو اس میں قطعاً کوئی فرق نہ پائے گا۔ واللہ اعلم۔

اس قسم کی مخلوقات کی پیدائش کے متعلق حضرت نے فرمایا کہ ایک عارف ایک مقام سے گزرا، اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں شہر، جو جس میں اللہ کی عبادت ہوتی ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا چنانچہ وہ انسانی صورت میں وہاں آئے۔ شہر کو حکم دیا تو وہ موجود ہو گیا۔ اس کے بعد عارف کا ادھر سے گزر ہوا تو اس نے شہر اور شہر والوں کو اللہ کی عبادت کرتے ہوئے پایا۔ عارف نے اللہ کی تعریف کی۔ اس عارف کی وفات تک وہ شہر قائم رہا اور وہاں کے باشندے اللہ کی عبادت کرتے رہے، مگر جب وہ مر گیا تو ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹ گئی۔ فرشتے اپنے اپنے مرکز کو لوٹے اور شہر ایسا معدوم ہوا گویا کہ وہاں کبھی کوئی آباد نہ تھا۔

کسی شخص نے حضرت ماتمی کا کلام حضرت سے ذکر کیا تو آپ نے اسی قسم کا جواب دیا کہ ماتمی نے اپنے کسی مشاہدہ کے متعلق فرمایا ہے کہ انھوں نے جنت کو فلاں مقام میں دیکھا ہے یعنی جنت کی اپنی جگہ پر نہیں،

کسی اور جگہ پر۔

حضرت نے جواب دیا کہ عارف کے نزدیک جس مقام میں اسے مشاہدہ حاصل ہوتا ہے، اس سے اعلیٰ و افضل کوئی اور مکان یا زمان نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس مشاہدہ کو برقرار رکھنے کے لیے اس جنت میں جنت پیدا کر دیتے ہیں تو وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس نے جنت کو دیکھا ہے مالاںکہ یہ کوئی اور ہی چیز ہوتی ہے جو اس کے ثواب کی خاطر پیدا کر دی گئی ہوتی ہے۔ جس شخص نے حضرت سے ابن عربی کا کلام بیان کیا تھا اس نے جب یہ جواب سنا تو خوشی سے اچھلنے لگا۔ واللہ اعلم۔

حضرت نے اس شخص کی نگاہ میں اس تمام مخلوق کی پیدائش کو یوں بیان فرماتے ہوئے کہا کہ یہ ہوا جو مرے اور تمہارے درمیان ہے، اسے دیکھو۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے دیکھ لیا۔ پھر اس میں سے ایک انگلی کے برابر کی جگہ کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ اس مقدار کو حکم کر کے اس قدر وسیع بنا سکتا ہے کہ یہ میرے اور تمہارے درمیان کی تمام ہوا کی برابر ہو جاتے پھر اللہ اس میں مختلف رنگ پیدا کر دے، مثلاً زرد، سرخ، سبز اور سیاہ اور پھلی ہو کر اس دوسری ہوا سے حجاب میں ڈال دے پھر پھلی ہو کر اس کا ایک جزو لے کر اسے بھی پھلی ہو جائے محبوب کر کے دوسری ہوا کے اندر داخل کر دے اور اسے اس کے تمام عبات اور رنگ دغیرہ دکھائے۔ پھر اس جزو کو دوبارہ پھلی ہو جائے لوٹا کر پھلی ہو کر ناپید کر دے پھر فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ اس پر جگہ اس سے بھی زیادہ پر قادر نہیں؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں وہ تو ہر شئی پر قادر ہے۔ واللہ اعلم۔

امام غزالی کے ایک قول پر بحث !

جبریل آنحضرت سے زیادہ عالم نہ تھے !

حضرت نے فرمایا کہ حضرت جبریل ایک لاکھ سال، پھر ایک لاکھ سال، یہاں تک کہ لاکھ سال تک زندہ رہیں تب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھائی برابر معرفت نہیں حاصل کر سکتے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے متعلق ان کے علم کے برابر ان کا علم ہو سکتا ہے۔ حضرت جبریل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ علم والے کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ ان کی پیدائش ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہوئی ہے اور وہ اور تمام ملائکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا ایک جزو ہیں اور تمام ملائکہ اور مخلوقات کو معرفت کا فیضان آنحضرت سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب ہوتے ہوئے اپنے

حبیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس مقام پر تھے جہاں نہ جبرئیل تھے۔ نہ کوئی اور اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے وہ انعامات حاصل کیے جو صاحب عظمت و جلال والے رب کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے حبیب کے لائق و مناسب ہو سکتے تھے اس کے بہت ہی عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے جبرئیل و دیگر ملائکہ کو پیدا کیا۔

حضرت نے فرمایا کہ خود جبرئیل تمام ملائکہ اور تمام صاحب فتح ادویاء اللہ یہاں تک کہ جنوں کو بھی معلوم ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کو معرفت و غیرہ میں جو مقامات حاصل ہوئے وہ تمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے حاصل ہوئے۔ چنانچہ جبرئیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل کیے بغیر اگر عمر بھر ان مقامات کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہتے تو ان میں سے ایک مقام بھی حاصل نہ کر سکتے لہذا جو نفع جبرئیل کو پہنچا ہے اس کا علم یا خود جبرئیل کو ہے یا صاحب فتح ادویاء اللہ کو ہے۔

پھر فرمایا کہ حضرت جبرئیل تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے پیدا کئے گئے تھے تاکہ وہ آپ کی ذات کے منافقین میں سے ہوں اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام موجودات میں سے سزا اللہ ہیں اور تمام موجودات آپ کی ذات میں سے مستفیض ہوتی ہیں۔ اس لیے آپ کو ان کے مشاہدہ کی ضرورت پڑتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم دیگر اجسام کی طرح مٹی سے پیدا ہوا ہے اور یہ اپنے ہم شکلوں کے سوا دوسروں سے مانوس نہیں ہوتا لہذا جب آنحضرت غیر جنس کی اشیاء کا مشاہدہ فرماتے ہیں تو جبرئیل آپ کو اس سے مانوس کر دیتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ فرشتوں کی صورتوں کو دیکھ کر ان اجسام کو بدشت طاری ہو جاتی ہے کیونکہ ان کی شکل غیر معروف اور ان کے کئی ہاتھ کئی پاؤں اور کئی چہرے ہوتے ہیں۔ مزید برآں ان کا پھیلاؤ اس قدر ہوتا ہے کہ تمام دنیا کو پرکھنے ہوتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اس کا علم صرف صاحب فتح کو ہوتا ہے اور جبرئیل بھی صرف آپ کی ذات تراویہ کے محافظ تھے لیکن آپ کی روح کو چونکہ ان تمام صور کا علم ہے اس لیے وہ کسی سے نہیں ڈرتی۔

میں نے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک محافظ کا کام کیوں نہیں کر لیتی؟ فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ ذات روح کو اپنے سے جدا نہیں سمجھتی اور وحدانیت اللہ کی ذات کے سوا کہیں بھی برقرار نہیں رہ سکتی۔ اللہ کے سوا ہر چیز کا جوڑا ہے اپنے جوڑے کو پسند کرتی ہے اور اس کی طرف مائل ہوتی ہے۔

نیز فرمایا کہ جبرئیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ صرف انہی امور میں ہیں جو ان کی قدرت

کے اندر میں اور سدرۃ المنتہی کے نیچے کے ان امور میں جن کا علم انہیں ہے مگر سدرۃ المنتہی کے اوپر جو ستر حجاب اور ملائکہ ہیں، ان میں جبرئیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انیس نہیں ہو سکتا اس لیے کہ سدرہ کے اوپر کے احوال کا مشاہدہ ان کے انوار کی قوت کے سبب جبرئیل کی طاقت سے باہر ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (شب معراج) حجابوں کو اکیلے لے کیا اور جبرئیل ساتھ نہ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کو ساتھ چلنے کو کہا بھی مگر جبرئیل نے کہا کہ مجھ میں طاقت نہیں۔ آپ کو چونکہ اللہ نے اس کی قوت عطا کی ہے اس لیے آپ یہ کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد میں نے حضرت سے وحی کے بارے میں اور اس بات کے متعلق کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کیسے حاصل کی، سوال کیا، آپ نے جبرئیل کی دسالت سے وحی حاصل کی جیسا کہ بہت سی آیتوں سے ظاہر ہے، یا بغیر واسطہ کے، اس پر آپ نے ایسا جواب دیا جو احاطہ عقل سے باہر ہے اس لیے اس کا تحریر کرنا مناسب نہیں۔ واللہ اعلم۔

نماز عید میں پہلی رکعت میں سات بار اور دوسری میں چھ بار کیوں تکبیر کی جاتی ہے

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ نماز عید میں پہلی رکعت میں کیوں سات بار اور دوسری رکعت میں چھ بار تکبیر کہتے ہیں اور میں نے

اس کے متعلق فقہاء کے اقوال بھی بیان کئے۔

حضرت نے جواب دیا کہ تکبیر کہنے والا بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں پہلی زمیں پہلے آسمان کی تمام موجودات اور ان تمام کے پیدا کرنے والے کا مشاہدہ کر لیتا ہے اسی طرح ساتوں تکبیروں سے وہ ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں اور حق تعالیٰ جو ان کا پیدا کرنے والا ہے، کے افعال کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ اس کے بعد دوسری رکعت میں پہلی تکبیر میں پہلے دن یعنی اتوار کو جو مخلوق پیدا ہوئی اس کا اور اس کے پیدا کرنے والے کا مشاہدہ کرتا ہے، علیٰ ہذا القیاس باقی پانچ تکبیروں میں باقی پانچ دنوں کی مخلوقات اور ان کے خالق کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ یہ مخلوقات جو ان چھ دنوں میں پیدا ہوئی کیا وہی مخلوقات ہیں جو سات آسمانوں اور سات زمینوں میں پائی جاتی ہے؟

امام ابوبکر رحمہ اللہ کے نزدیک عید کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری میں چھ تکبیریں کی جاتی ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک پہلی رکعت میں پانچ گراخان کے ہاں چھ تکبیریں زائد ہیں۔ تین پہلی رکعت میں اور تین دوسری رکعت میں۔

فرمایا کہ جب بندہ ایام کو دیکھتا ہے تو اسے وہ اصل مخلوقات دکھائی دیتی ہے جو ابتداء از فرشتہ کے وقت پیدا ہوئی تھی، لیکن جب اس کی نظر آسمانوں اور زمینوں کی طرف جاتی ہے تو اسے وہ مخلوقات دکھائی دیتی ہے جو رستے زمین اور رستے آسمان پر پائی جاتی ہیں۔

میں نے عرض کیا: یہ سات تکبیریں تو ہر مکلف پر فرض ہیں مگر ہر مکلف کو یہ مشاہدہ کہاں نصیب ہو سکتا ہے؟

فرمایا: ارباب فتح کے مشاہدہ میں تو کلام نہیں، اوروں کو چاہیے کہ وہ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے حاضر کریں خواہ اجمالی طور پر ہی کیوں نہ ہو اور اللہ تعالیٰ تو سخی اور کریم ہے لہذا اگر کوئی بندہ اس عید میں اور اس سے اگلی عید میں، پھر اس سے اگلی میں ان امور کو مستحضر کرے اور اپنے رب سے خوش ہو اور اس پر قائم رہے تو اللہ تعالیٰ اسے کبھی ناکام نہ کرے گا اور جب تک اللہ تعالیٰ ان تمام امور کا اسے مشاہدہ نہ کرے گا اس کی روح جسم سے نہ نکلے گی۔ اس لیے کہ اللہ ہر بات پر قادر ہے اور یہ انقطاع بندہ کی طرف سے ہوتا ہے اللہ سبحانہ کی طرف سے نہیں ہوتا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهَبَنَّ لَهُمْ سُبُلَنَا وَرَأَىٰ اللَّهُ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ**۔ (سورہ عبکوت آیت ۶۹) جو لوگ ہماری طرف رائے کی کوشش کرتے ہیں ہم انہیں ضرور اپنی راہ دکھا دیں گے اور اللہ اچھے کام کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

میں نے عرض کیا حضرت یوم نحر (قرآنی کے دن) سے یکسر چوتھے دن تک پندرہ فراتس کے بعد جو تین تکبیریں کی جاتی ہیں، ان کی تشریح فرمائی۔

فرمایا: پہلی تکبیر میں انسانی وجود کا مشاہدہ ہوتا ہے، پہلے لطف کی صورت میں پھر علقہ رجاء ہونے اور پھر مصلحت (گوشت کا ہوتھڑا) کی صورت میں۔ دوسری تکبیر میں انسانی شکل کی تکمیل، حسن خلق، اس میں روح کا چھونکا جانا اور اس کا ایک اور خلق بن جانا دکھایا جاتا ہے **فَدَبَّارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ** انجاء لبقین۔ اور تیسری تکبیر میں صورت کا خراب ہونا اور قبر میں اس کا دوبارہ مٹی بن جانا دکھایا جاتا ہے یہ امور اس لیے دکھائے جاتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت کے نمونے ہیں۔ صوفیہ کے نزدیک یہ تکبیر محض انہی مواقع کے لیے مخصوص نہیں جیسا کہ فقہاء نے بیان کیا ہے بلکہ صوفیاء ہر نماز کے بعد مگر سلام سے پہلے یہ تکبیریں استعمال کرتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ جسے اللہ نے فتح نصیب کی ہو وہ ان احوال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے چنانچہ اللہ کی ظاہر قدرت کے وہ مناظر دیکھتا ہے جن کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ کی

مخلوقات میں اللہ کی قدرت کے عجیب و غریب کرشمے پائے جاتے ہیں۔ جب کسی صاحبِ فتح انسان کو ایسے امور پیش آتے ہیں جن سے فتح میں تغیر یا قبض و غیرہ پیدا ہو جاتی ہے تو ان عجائبِ قدرت کو دیکھ کر اسے وہ عبرت حاصل ہوتی ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔

نیز فرمایا کہ ایسی زمین پر اس قدر عجائبات پائے جاتے ہیں کہ اگر دلائل و براہین کے طالب انہیں دیکھ لیں تو انہیں دلائل کی ضرورت ہی نہ رہے۔ پھر ان عجائب میں بعض امور ایسے ہیں کہ اگر بندہ ان کا مشاہدہ کرے تو بغیر دلیل کے وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھ جائے۔ اس کے لیے یہ مشاہدہ ہی کافی ہوگا اور بعض ایسے امور ہیں کہ ان کے مشاہدہ سے بغیر کسی دلیل پیش کرنے کے اسے ان کے وجود کا علم ہو جائے گا۔ اسی طرح بعض ایسے امور ہیں کہ ان کے مشاہدہ سے بندہ کو جہنم کے وجود کا علم ہو جائے گا اور کسی دلیل کی ضرورت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

خُصْنَا بِمُحَمَّدٍ وَتَفَتِ الْأَنْبِيَاءُ
بِسَوِّ جِلْمَا كِي تَشْرِيح

میں نے حضرت سے بائزید بسطامی کے اس قول کی تشریح پوچھی
خُصْنَا بِمُحَمَّدٍ وَتَفَتِ الْأَنْبِيَاءُ بِسَوِّ جِلْمَا
سمندروں میں گئے کہ انبیاء ان کے ساحلوں پر ہی کھڑے رہے
حضرت نے فرمایا کہ نبوت کا بڑا مرتبہ اور بڑی قدر و منزلت ہے اور صاحبِ نبوت کریم، بلند مرتبہ والا ہوتا ہے کوئی اور اس حد کو نہیں پہنچ سکتا۔ کسی دل کے لیے وہاں تک پہنچنا ممکن نہیں مگر بائزید بسطامی کو معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء والمرسلین اور تمام مخلوقات میں سے برگزیدہ انسان ہیں اور کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا لباس اپنی امت کے کسی کامل انسان کو بطور رعایت دے دیتے ہیں جسے پہن کر اس کی وہی کیفیت ہو جاتی ہے جیسا کہ بائزید بسطامی نے ذکر کیا ہے مگر درحقیقت یہ کیفیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے اور وہی ان بچوں میں گئے والے اور تمام

بائزید کے اسی قول کے متعلق استاذ علی ولدہ رحمۃ اللہ سے بھی سوال کیا گیا تو فرمایا:
انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مکلف ہونے کے سمندر کو عبور کر کے سلامتی کے ساحل پر جا چکے ہیں اور وہاں پہنچ کر اس لیے ٹھہر گئے تاکہ جو کوئی بھی چاہے وہاں پہنچ جائے اسے سنبھال لیں۔ انہیں اللہ کی طرف سے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور اسی لیے بھیجا بھی گیا ہے کیونکہ کشتی تو اسی روز غرق ہو گئی تھی جب آدم علیہ السلام نے شجر ممنوعہ کا پھل کھایا تھا۔ (لوائح الانوار: ۲: ۲۶)

اس تشریح کے مطابق منیٰ رہو کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ان بچوں کو عبور کر چکے ہیں اور پار جا کر سمندر کے تیراکن کو حوصلہ دینے اور انہیں اپنی طرف بلانے کے لیے ان کی آمد کے منظر بچوں کے ساحل پر کھڑے ہیں۔

انبیاء کے سردار ہیں۔

کوئی ولی مقام نبوت
یک نہیں پہنچ سکتا

فرمایا بعض اولیاء غلطی سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ عارف، کبیر ولی کبھی معرفت میں مقام نبوت تک پہنچ جاتا ہے، اگرچہ مرتبہ کے لحاظ سے وہ ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ فرمایا ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے اور نفس الامر کے مخالف ہے درست بات یہی ہے کہ ولی خواہ معرفت میں کسی درجہ تک کیوں نہ پہنچ جائے، مقام نبوت تک پہنچنا تو درکنار اس کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتا۔

میں نے حضرت سے امام غزالی کے قول لَئِيسَ فِي الْاِمْكَانِ لَئِيسَ فِي الْاِمْكَانِ اَبَدًا عَمَّا كَانَ (جو کچھ ہو چکا ہے اس سے زیادہ عجیب و غریب امور کا ہونا ناممکن ہے) کے متعلق دریافت کیا۔

حضرت نے فرمایا: کوئی شخص قدرت الہی کو محصور نہیں کر سکتا اور نہ حق سبحانہ کسی کام کے کرنے سے عاجز ہیں۔

(مؤلف کہتا ہے کہ) حضرت کا کلام معرفت سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے کئی بار استخارہ کیا ہے کہ اس مسئلہ میں کچھ لکھوں تاکہ اردوں کو نصیحت حاصل ہو اول تو اس لیے کہ یہ عقیدہ کی بات ہے اور اس کے علاوہ یہ ضروریات دین میں سے ہے، لیکن چونکہ اس مسئلہ میں بہت بحث ہو چکی ہے اور لوگوں نے اس کے مختلف جواب دیے ہیں اس لیے یہ ایک بہت ہی اوق نظر یہ سمجھا جانے لگا ہے۔

چنانچہ میں اللہ کی مدد سے کتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اس مسئلہ میں امام غزالی رحمہ اللہ نے ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جن سے شرعی گرفت ہوتی ہے اس لیے کہ اس طرح تو اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے سے انکار لازم آتا ہے اسی لیے لوگوں نے اس پر گرفت کی ہے چنانچہ امام عبدالوہاب شرفی کتاب الانوار اللہ سیر فی بیان آداب السویرۃ ص ۲۷۸ پر فرماتے ہیں: یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور کرنے سے کوئی بھی بچ نہیں سکا۔ چنانچہ اس بارے میں جو کچھ امام غزالی نے لکھا ہے لوگوں نے اسے غلط قرار دیا ہے لہذا امام غزالی نے اس کی باز پرس ہوگی۔ اس لیے کہ انھوں نے اپنی عقل کو اپنے ایمان پر ترجیح دی ہے اور اپنی نظر کو اپنے رب کے علم پر حاکم بنایا ہے حالانکہ عارفین بھی ذات باری تعالیٰ میں غور کرنے سے حیرت زدہ ہیں۔ اسی طرح علماء نے امام غزالی کا یہ قول بھی غلط قرار دیا ہے اِنَّ اللّٰهَ يُعْرِضُ مِنْ غَيْرِ نَظَرٍ اَلْحَکَمِ دُنْیَا میں غور کرنے کے بغیر بھی اللہ کا پہچانا جا سکتا ہے۔

(بقیہ ماشیہ الگ صفحہ پر)

۱۔ عَسَىٰ رَبُّهُ اِنْ طَلَّقَكُنْ اَنْ يُبَدِّلَهٗ
اَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكَ مُسْلِمًا
مُؤْمِنًا تَابَتِ تَابَاتِ عَائِدَاتِ
سَامِعَاتِ تَنِيَّاتِ ذَوَا اَبْكَارِ
(سورہ تحریم آیت ۵)

ہو سکتا ہے کہ اگر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں
طلاق دے دیں تو آنحضرت کا رب تمہارے بدلے
میں انہیں تم سے بہتر یوں دے دے جو مسلمان
مومن، مطیع، توبہ کرنے والی، عبادت گزار،
روزہ گزار، خاندان دہی یا کنواریاں ہوں۔

۲۔ نیز فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا
الرَّسُولَ وَلَا تَبْغُوا أَعْمَالَكُمْ

مسلمانو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے
اعمال کو ضائع نہ کرو۔

پھر آخر میں فرمایا:

وَإِنْ تَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ دُونَكُمْ غَيْرُكُمْ
شَعْرًا لَّيَكُونُوا أَعْمَالُكُمْ

اور اگر تم پیٹھ دے جاؤ۔ تو اللہ تمہاری بجائے
اور لوگوں کو لے آئے گا۔ جو پھر تمہارے جیسے نہ
ہوں گے۔

(سورہ محمد آیت ۳۲)

۳۔ فَلَا تَتَّبِعُوا فِي الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ
وَالْأَنفَادِ دُونَ عَلَىٰ أَنْ تُبَدَّلَ خَيْرًا
مِّمَّكُمْ وَمَا تَحْنُ بِمُسْتَوْبِينَ

(ایسا ہرگز نہیں) قسم ہے مشرقوں اور مغربوں کے
رب کی کہ ہم اس بات پر قادر ہیں کہ ان کے
بدلے ان سے بہتر لوگوں کو لے آئیں اور ہم سے بچ
کر کوئی نکل نہیں سکتا۔

(سورہ صافات آیت ۱۷۱)

۴۔ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ اِنْ يَشَاءْ
يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ
مَا يَشَاءُ كَمَا اَنْشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ
قَوْمٍ آخَرِينَ

اور تمہارا رب غنی اور رحمت والا ہے۔ اگر چاہے
تو تمہیں فنا کر دے اور جس طرح تمہیں اور لوگوں کی
اولادیں سے پیدا کیا ہے۔ اسی طرح جنہیں چاہے
تمہارے بعد تمہارا جانشین بنا دے۔

(سورہ النعام آیت ۲۴)

(بقیہ حاشیہ منفرستہ)

۵۔ موقوف نے اب جو بحث چھیڑی ہے وہ نہایت بے ربط ہے۔ موقوف اپنے فانی الضمیر کو وضاحت سے بیان نہیں
کر سکا جو آیات اس نے پیش کی ہیں ان کا اصل مسئلہ کوئی تعلق نہیں۔ اس طرح بحث کو اتنا طول دیا ہے کہ پڑھنے
والا اکتا جاتے۔ یہ بات چند مسلمانوں میں لڑا ہو سکتی تھی۔ ۱۲

۵۔ كُوشَاَ اللّٰهُ لَجَمْعَهُمْ عَلَى الْهَدٰى
(سورۃ انعام آیت ۱۱۳)
اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر لکھا
کر دیتا۔

۶۔ كُنْ لِلّٰهِ الْحُجَّةُ اُبَالِغَةُ فُلُوشَاَ
لَهُمْ كُمْ اَجْمَعِيْنَ
آپ کہہ دیں کہ اللہ کے پاس واضح دلائل ہیں، اگر
چاہتا تو تم سب کو ہدایت کر دیتا۔

(سورۃ انعام آیت ۱۰۵)
۷۔ وَكُوشِيْنَا لِبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ
نَذِيرًا (سورۃ فرقان آیت : ۵۱)
اگر ہم چاہیں تو ہر بستی میں نذیر بھیج دیں۔

۸۔ اِنْ تَشَاؤْ نُنْزِلْ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ
اَيَّةً فَظَلَّتْ اَعْمَانُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ
(سورۃ شعراء آیت : ۴)
اگر چاہیں تو ہم ان پر آسمان سے ایک نشان بھیج
دیں جس کے سامنے ان کی گردنیں جھک جائیں۔

۹۔ كُوشَاَ رَبُّكَ لَا مَنَ مِنْ فِى
الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا
اور اگر تمہارا رب چاہتا تو وہی زمین کے سب
لوگ ایمان لے آتے۔

(سورۃ یونس آیت : ۹۹)
۱۰۔ اِنِّيْهَا اِنَّا سَ اُنْصُرُ الْفُقَرَاءَ اِلٰى
اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَمِيْدُ - اِنْ
يَشَايْدُ هَبْكُمْ وَاَيَّتْ يَخْلُقْ جَدِيْدًا
وَمَا دَالِكُ عَلَى اللّٰهِ يَعْزِيْزُ -
لوگو تم اللہ کے محتاج ہو۔ اللہ تم سے مستغنی
ہے اور قابل تعریف ہے۔ اگر چاہے تمہیں
تباہ کر دے اور ایک نئی مخلوق لے آئے اور
یہ اللہ کے لیے مشکل کام نہیں ہے۔

(سورۃ محمد آیت :)
۱۱۔ وَكُوشِيْنَا لَا تَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ
هٰذَا هَا - (سورۃ سجدہ آیت ۱۳)
اگر ہم چاہیں تو ہر نفس کو ہدایت دے
دیں۔

۱۲۔ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاؤُ - اِنَّ اللّٰهَ عَلَى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ
اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اللہ ہر چیز
پر قادر ہے۔

(سورۃ زور آیت : ۳۵)
۱۳۔ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ -
(سورۃ نحل آیت : ۵)
اللہ ایسی ایسی مخلوق کاغالبی ہے جن کا تمہیں علم
نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں روایت ہے کہ آپ نے مرض موت میں فرمایا اؤ میں تمہیں
 کچھ لکھ دوں جس کے لکھنے کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے مگر حضرت عمرؓ نے کہا میں کتاب اللہ کا ہی ہے۔
 حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بڑی مصیبت تو یہ تھی کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چٹھی لکھنے
 میں حائل ہو گئے ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو بلیۃ القدر کے متعلق بتانے
 کو نکلے مگر جب وہ شخص آپس میں جھگڑا پڑے تو اس رات کا علم اٹھا لیا گیا۔ یہ دونوں حدیثیں صحیح بخاری
 میں ہیں۔

امام سیوطی اپنی کتاب الباہر فی حکم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالباطن والظاہر
 میں لکھتے ہیں چوتھی حدیث۔ ابوبکرؓ بن ابی شیبہؓ نے اپنی منہ میں حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ ہم میں
 ایک نوجوان بڑا عابد و زاہد تھا۔ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا مگر آپ اسے نہ جانتے
 تھے۔ ہم نے اس کا حلیہ بیان کیا پھر بھی آپ اسے نہ پہچان سکے۔ ابھی ہم اس کا ذکر ہی کر رہے تھے کہ وہ
 آگیا اور ہم نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہی وہ نوجوان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تو انکے
 چہرے پر شیطان کے سیاہ دان دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ آیا اور اس نے سلام کیا۔ آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم دل میں یہ خیال جمائے ہوئے ہو کہ قوم میں تم سے بہتر کوئی شخص نہیں ہے۔

جواب دیا۔ ہاں۔ پھر وہ واپس چلا گیا اور مسجد میں داخل ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے کون
 قتل کرے گا۔ ابوبکرؓ کہنے لگے میں قتل کروں گا۔ جب ابوبکرؓ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہ نماز
 پڑھ رہا ہے۔ کہا کسی شخص کو نماز پڑھتے ہوئے کیسے قتل کروں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی
 نمازی کے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: اس شخص کو کون قتل
 کرے گا۔ عمرؓ نے کہا میں یا رسول اللہؐ! چنانچہ وہ جب مسجد میں گئے تو دیکھا کہ وہ سجدے میں
 پڑا ہے اور انھوں نے بھی وہی الفاظ کہے جو ابوبکرؓ نے کہے تھے۔ نیز کہا کہ میں واپس چلا جاتا ہوں
 کیونکہ مجھ سے بہتر شخص واپس جا چکا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمرؓ کیا بات ہے۔
 عمرؓ نے بات عرض کر دی۔ آنحضرت نے پھر فرمایا: ابے کون قتل کر گیا۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا: میں۔ آنحضرت
 نے اس حدیث اور اس کے بعد کی دوسری احادیث کا زیر بحث مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ
 مولف ان سے کیا استدلال کرنا چاہتا ہے۔

ابوبکرؓ بن ابی شیبہؓ، ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن القاضی ابی شیبہؓ، متوفی ۳۳۵ھ۔ ۹۴۶ھ۔ ان کی منہ
 مستور ہے۔

نے فرمایا: اگر تجھ کی توتو اسے قتل کرے گا۔ حضرت علیؓ جب مسجد میں داخل ہوئے تو وہ جا چکا تھا آنحضرتؐ نے فرمایا: اللہ کی قسم اگر تو اسے قتل کر دیتا تو یہ اس قسم کے لوگوں میں سے پہلا اور آخری شخص ہوتا اور اگر یہ قتل ہو جاتا تو میری امت میں کبھی اختلاف پیدا نہ ہوتا۔

سیوطی نے اس حدیث کی روایت چھ مختلف طریقوں سے پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ تعدد طرق سے حدیث کا صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے۔

جو آیات و احادیث ہم نے پیش کی ہیں ان سے حق اور صحیح بات واضح ہو جاتی ہے۔ میں نے عام لوگوں سے جن کے دل شک و شبہ سے خالی ہوتے ہیں اور حق بات کو جلدی قبول کر لیتے ہیں، پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اسی قسم کا ایک اور جہان پیدا کر دے تو کہنے لگے اس میں تو تف کیسے ہو سکتا ہے جبکہ ہمارا رب ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی قدرت ہر چیز میں جاری ہے کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی میں نے ایک مرتبہ ایک شخص سے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ اس جہان سے بہتر جہان پیدا کر سکتا ہے تو اس نے جواب دیا کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی اِنْ يَشَاءْ يُدْخِلْكُمْ فِيْهَا يَتَبَدَّلُ الْاَلْوَانُ (اگر اللہ چاہے تو تمہیں فنا کر دے اور نئی مخلوق کو لے آوے) اللہ تعالیٰ نے لفظ "تبدیل" میں اس بات کی تائید نہیں لگائی کہ وہ ہم سے کم درجہ کے ہوں گے ہو سکتا ہے کہ وہ ہم سے افضل یا ہمارے برابر ہوں۔ مجھے اس کی یہ بات بہت پسند آئی۔ اس کے برخلاف میں نے ایک فقیہ سے کہا کہ ابو جابر غزالی کے اس قول کے متعلق کہ لَيْسَ فِي الْاَلْمَكَانِ اِلَّا مَا كَانَ مِثْلًا لَّكَانَ تمہارا کیا خیال ہے اس نے جواب دیا کہ شیخ شرنوبی اور دوسرے لوگوں نے اس پر بحث کی ہے۔ میں نے کہا میں تو تمہاری رائے پوچھ رہا ہوں۔ جواب دیا کہ میری رائے کیا ہو سکتی ہے؟ میں نے کہا بہت انوس ہے یہ تو عقیدہ کی بات ہے۔ جہاں اگر کوئی شخص تجھ سے ذیو چھپے کہ آیا ہمارا پروردگار اس جہان سے بہتر جہان پیدا کر سکتا ہے تو کیا کہو گے۔ کہنے لگا میں کہوں گا کہ اللہ کی قدرت کا کوئی شمار نہیں لہذا وہ اس جہان سے ہزار درجہ بہتر بلکہ اس سے بھی زیادہ بہتر جہان پیدا کر سکتا ہے۔ اس پر میں نے کہا امام غزالی کا قول کہ لَيْسَ فِي الْاَلْمَكَانِ اِلَّا مَا كَانَ مِثْلًا لَّكَانَ اس کے منافی ہے تب جا کر ابو جابر کے قول کا مطلب سمجھا۔ اس طرح کئی اور فقہاء سے مجھے واسطہ پڑا۔ جب ان سے ابو جابر کی عبارت کے متعلق سوال کرتا تو امام کی قدر و منزلت کو مد نظر رکھتے ہوئے توقف کرتے، لیکن جب میں عبارت بدل کر سوال کرتا تو وہ اللہ کی قدرت کا اقرار کرتے اور کہتے کہ اللہ کی قدرت کا کوئی شمار نہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۔ چونکہ مولف نے کسی ایک حدیث کو بار بار مختلف راویوں سے نقل کیا ہے اس لیے میں نے صرف ایک ہی روایت کو

فصل

میں مسند ارکان کے متعلق جو کچھ امام غزالی نے لکھا ہے اسے پہلے یہاں درج کرتا ہوں اس کے بعد جو کچھ اور لوگوں نے اس بارے میں لکھا ہے، اُسے لکھوں گا تاکہ لوگ اس سے مستفید ہوں۔ چنانچہ الغزالیؒ اَحیاء میں ان امور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جن سے توکل پیدا ہو سکتے ہیں:

توکل یہ ہے کہ انسان ایسے یقین کے ساتھ تصدیق کرے کہ اس میں کسی قسم کی کمزوری نہ پائی جاتے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو غفلتہ ترین انسان کی سی عقل اور بہترین عالم کا ساطع ویدے اور انہیں اس قدر علم عطا کر دے کہ ان کے نفس اسے برداشت نہ کر سکیں اور انہیں اتنی حکمت عطا کرے کہ خارج از بیان ہو۔ اس کے بعد تمام امور کے انجام ان پر کھول دے اور انہیں اسرار ملکوت پر مطلع کر دے اور انہیں بہت دقیق باتیں اور چھپے ہوئے انجام کا علم دے چنانچہ انہیں ہر قسم کی خیر اور شر کا، نفع اور نقصان کا علم ہو جاتے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں علم دے کہ اللہ کے عطا کئے ہوئے علم اور حکمت سے دنیا کی حکومت چلاتی تو باوجود ان کے باہمی تعاون کے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں تدبیر کر رکھی ہے، اس میں نہ پھرکے پُر کے برابر اضافہ کر سکیں گے اور نہ کم کر سکیں گے اور نہ ہی کسی مرض یا عیب یا نقص یا کسی کے دل کو دد کر سکیں گے اور نہ صاحبِ صحت کی صحت میں۔ نہ صاحبِ مال کے مال میں اور نہ صاحبِ کمال کے کمال میں اضافہ کر سکیں گے بلکہ اگر وہ ہر اس چیز میں غور کریں جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے مثلاً آسمان وزمین، تو اس میں نہ انہیں کوئی فرق اور نہ کوئی رخنہ دکھائی دے گا اور تمام وہ امور جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں تقسیم کر رکھا ہے مثلاً رزق، موت، خوشی و غمی، کمزوری و طاقت، ایمان و کفر اور اطاعت و نافرمانی تمام کے تمام عدل ہیں۔ ان میں کوئی راہِ حق سے عدول نہیں پایا جاتا اور خالص حق میں جن میں ظلم نہیں پایا جاتا بلکہ یہ سب حق و واجبی ترتیب پر عیاں کر انہیں ہونا چاہیے تھا اور جس انداز سے ہونا چاہیے تھا۔ ہیں۔ ان سے زیادہ تمام کے زیادہ بہتر و زیادہ کمال ہونے کا امکان ہی نہیں۔ اگر ایسا ممکن ہوتا اور قدرت رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتا تو یہ بخل ہوتا جو مخلوق کے شافی ہے اور ظلم ہوتا جو عدل کے خلاف ہے اور اگر ایسا کرنے پر قادر نہ ہوتا تو عاجز ہوتا اور

عجزِ انبیت کے منافی ہے بلکہ دنیا کی ہر محتاجی اور دکھ دنیا میں نقص کا باعث ہے مگر آخرت میں زیادتی کا اور آخرت کا نقص جو ایک شخص کے متعلق ہو کسی دوسرے شخص کے لیے نعمت ہو گا کیونکہ اگر رات نہ ہوتی تو دن کی قدر معلوم نہ ہوتی اور اگر مرض نہ ہوتا تو تندرست لوگ تندرستی سے بہرہ اندوز نہ ہو سکتے اگر دوزخ نہ ہوتی تو اہل جنت کو اللہ کی نعمتوں کی قدر معلوم نہ ہوتی۔ جیسا کہ چوپاؤں کی روحوں کو انسانی پر خدا کر دیا جاتا ہے اور انسانوں کو انہیں ذبح کرنے پر مسلط کر دیا جاتا ہے مگر اسے ظلم نہیں کہا جاتا بلکہ کامل کو ناقص پر مقدم رکھنا عینِ عدل ہے۔ اسی طرح دوزخیوں کو زیادہ سزا دے کر اہل جنت کی نعمت میں اضافہ ہوتا ہے لہذا اگر ناقص نہ ہوتا تو کامل کی سپہان نہ ہو سکتی اور اگر حیوان نہ پیدا ہوتے تو انسان کا شرف ظاہر نہ ہوتا اس لیے کہ کمال اور نقص مقابلہ سے ہی ظاہر ہوتے ہیں لہذا جو دو حکمت کا یہی تقاضا ہے کہ کامل اور ناقص دونوں کو پیدا کیا جائے چنانچہ جب ہاتھ میں ناسور ہو جانے سے انسان کو بچانے کی غرض سے ہاتھ کاٹ دینا عینِ عدل ہے کیونکہ اس میں ناقص کو کامل پر فدا کر دینے کا اصول پایا جاتا ہے۔ یہی حال اس تفاوت کا ہے جو دنیا و آخرت میں مخلوقات کے درمیان تقسیم میں پایا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ عدل ہے جس میں کوئی ظلم و جور نہیں۔ حق ہے جس میں کوئی لہو و لعب نہیں اور اب یہ مسئلہ بہت مشکل مسئلہ بن چکا ہے جسے اکثر لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ اس میں تقدیر کا وہ راز ہے جس میں اکثر لوگ متحیر ہو چکے ہیں اور جنہیں اس کا علم ہے وہ اس کا انشاء نہیں کرنے دیتے۔ مختصر یہ کہ خیر ہو یا شر سب کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ مشیتِ ایزدی کا حکم چل جانے کے بعد جس چیز کا بھی فیصلہ ہو گیا، وہ پہنچ کر رہے گی، نہ تو کوئی اس کے فیصلہ پر اعتراض کر سکتا ہے بلکہ ہر چھوٹی بڑی چیز تحریر میں آچکی ہے اور تقدیر الہی سے اس کے حصول کا انتظار ہے۔ جو چیز پہنچنے والی ہے وہ پہنچ کر رہے گی اور جو نہیں پہنچنے کی اسے تو کسی صورت میں حاصل نہیں کر سکتا۔

مذکورہ بالا عبارت احیاء کی عبارت ہے جسے سموڈی نے اسی مسئلہ کے بارے میں اپنی تالیف *ایضاح النبیان* میں *أَرَادَ الْحُجَّةُ مِنْ لَيْسَ فِي الْإِمْكَانِ أَيْدَاعٌ مِمَّا كَانَ* میں نقل کیا ہے۔ برہان الدین بقاعی نے بھی اسی مسئلہ کے متعلق اپنی تالیف *دلالة النبوة* میں علی

سید سموڈی: نور الدین علی بن احمد سموڈی متوفی ۹۱۱ھ ان کے متعدد تالیفات ہیں۔ مثلاً کتاب الفکر

تاریخ الدین البکیر مثنوی بالوفاء۔ امر المصطفیٰ۔ الوفاء۔ بایکوب بحفرة المصطفیٰ (کشف الظنون: ج ۲: ۱۹۴)

۱۹۴) اور آخرت علی اللہ علیہ السلام پر سلام بھیجنے کے متعلق ایک تالیف ہے۔ (خفاجی: ۲: ۴۹۴)

۲۔ برہان الدین بقاعی: برہان الدین ابراہیم بن عمر بقاعی متوفی ۸۵۰ھ رقبہ مشرقی اگے صفحہ ۱۰۱

أَنْ لَيْسَ فِي الْأَمْكَانِ أَبَدًا مِمَّا كَانَ فِي أَسَى طَرَحٍ نَقْلٌ كَيْفَ هُوَ بِمَسْمُودٍ كَمَا هُوَ فِي الْوَحْدَةِ
 نے اسی قسم کی عبارت جو اہل القرآن اور الْأَجُوبَةُ الْمُسَكَّتَةُ میں دی ہے انزال نے الاجوبۃ المسکتہ
 ان اعتراضات کے جوابات میں بھی جو ان کی حیات میں الاحیاء پر کہے گئے۔ مؤلف کہتا ہے کہ انزال نے
 اسی قسم کی عبارت مقاصد الفلاسفہ میں بھی لکھی ہے۔

اس مسئلہ کے بارے میں جو امام غزالی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے علماء تین گروہوں میں منقسم ہو گئے
 ہیں۔ چنانچہ پہلے گروہ نے اس مسئلہ کو قبول نہ کرتے ہوئے اس کا رد کیا ہے۔ دوسرے گروہ نے اس کی تائید کرنے
 کا کوشش کی ہے اور تیسرے نے اس مسئلہ کو انزال کی طرف منسوب کرنے سے انکار کر دیا ہے اور انزال
 کو اس قسم کے اعتقاد سے بری قرار دیا ہے۔

پہلا گروہ - مغیر ضمیمہ امام غزالی کے یا تو محصر تھے یا ان کے بعد آنے والے متعقین تھے۔ امام
 ابو بکر ابن العربی کہتے ہیں حبیب اللہ عبداللہ شریفی نے شرح اسماء اللہ الحسنى میں نقل کیا ہے کہ ابو حامد انزال
 نے ایک بہت بڑی بات کہہ دی ہے جس پر اہل عراق نے خوب جرح کی ہے اور اللہ گواہ ہے کہ یہ
 بات جرح ہی کے قابل تھی۔ کیونکہ انزال کہتے ہیں کہ "اللہ کی قدرت میں یہ بات نہیں کہ مضبوطی اور
 حکمت کے لحاظ سے اس سے بہتر جہان پیدا کر سکے اور اگر اس سے بہتر جہان ممکن ہوتا اور پھر اللہ نے
 اسے نہ بنایا ہوتا تو یہ جو کہ منافی ہے؟ اس کے بعد ابن عربی نے اس کا رد کرنا شروع کیا ہے چنانچہ
 کہتے ہیں کہ ہم اگرچہ انزال کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے سمندر کے مقابلہ میں قطرہ پھر بھی ہم خود انزال
 کے اقوال سے ہی اس کا رد کریں گے۔ تعجب اس بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قدر بلند صفات
 عطا کئے پھر وہ کس طرح اس قدر واضح مسئلہ میں راہ راست سے بھٹک گئے۔ ابو العباس ناصر الدین

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

انھوں نے یہ رسالہ دمشق میں مشتمہ میں لکھا تھا۔ اس مسئلہ میں ان کا ایک اور رسالہ ہے جس کا نام تنذیم الارکان
 من لیس فی الامکان ابدًا ماکان۔ انھوں نے یہ رسالہ مشتمہ میں لکھا ہے قرآن مجید کی آیات کے تناسب کے بارے
 میں بھی ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام انھوں نے نظم الدرر فی تناسب الآی والسور لکھا ہے۔

۱۔ اس کتاب کا پورا نام الاجوبۃ المسکتۃ عن الاسئله المنبتہ ہے اس کتاب کا دوسرا نام الاطہ علی مشکل الاحیاء بھی ہے۔
 ۲۔ ابو عبد اللہ قرطبی: ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی الاندلسی ستونی مشتمہ ۲۰۰۰۔ اس کتاب کا نام الاسئله فی شرح احمد
 ابن الحسن ہے یہ ایک ضخیم کتاب ہے جس میں معبر اور اصحاب تشبیہ کا رد کیا ہے (کشف الغنوں ۵۱۴۴)

بن النیر اسکندری المالکی نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے چنانچہ اس نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام
 انبیاء المتلانی فی تعقیب الاحیاء بلعترائی نے مذکورہ بالا رسالہ اسی رسالہ کے رو میں لکھا ہے
 جس میں غزالی کی حمایت اور ابن النیر پر اعتراض کیا ہے۔ اگلے چل کر ہم اس کے مطلق اور مکمل کے
 کمال الدین بن ابی الشریف شرح مسایرہ میں یہ لکھنے کے بعد کہ اللہ کو قدرت ہے کہ وہ اس
 جہان سے بھی بہتر جہان پیدا کر دے کہتے ہیں کہ الٰہیہ کے ایک باب میں مثلاً کتاب التوکل میں اس
 کے خلاف لکھا ہے اور یہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام غزالی سے غفلت ہو گئی اور فلاسفہ کے طرز میں
 یہ بات کہہ گئے امام غزالی کے زمانہ اور بعد میں بھی علماء نے اس کا رد کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے بھی
 تاریخ الاسام میں علماء کے اس رد کا ذکر کیا ہے۔

بدر الدین الزرکشی کہتے ہیں کہ اس جہان کی صورت سے بہتر جہان نہیں ہو سکتا اور اگر ممکن
 ہوتا اور اللہ نے نہ بنایا ہوتا تو یہ بخل ہے جو جو کہ منافی ہے یا عجز ہے جو قدرت کے منافی ہے۔
 بدر الدین کہتے ہیں کہ یہ وہ مغل الغایہ ہیں جن کا حق تعالیٰ کے لیے استعمال کرنا مناسب نہیں ہو سکتا
 ہے کہ غزالی کہ مراد اللہ تعالیٰ کی صنعت کی غفلت بیان کرنا جو اس لیے کہ حق تعالیٰ سبحانہ قادر مطلق
 ہیں جن کے حق میں ظلم یا بخل یا عجز کا اطلاق نہیں ہو سکتا لہذا امام غزالی کا یہ کہنا کہ اگر اس عالم سے
 بہتر عالم ممکن ہوتا، پھر اللہ نے باوجود قدرت کے اسے عدم میں رکھ چھوڑا ہوتا تو یہ بخل ہے اور ظلم ہے

۱۔ کمال الدین بن ابی الشریف: کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف القدسی الشافعی۔ شرح کا نام
 المسایرۃ فی شرح المسایرۃ ہے۔ ان کی وفات ۷۳۹ھ میں ہوئی۔ انہوں نے تاج الدین کی ک
 مجموعہ کے شرح بھی لکھے ہیں جس کا نام الدرر والمغانی فی تحریر معجم الجوامع ہے۔

مسایرۃ: اس کتاب کا پر نام مسایرۃ فی العقائد المنجیۃ فی الآخرة ہے۔ کمال الدین محمد بن عبدالواحد
 المعروف بابن تمام کی تصنیف ہے۔

۲۔ حافظ ذہبی: شمس الدین ابو عبد اللہ ذہبی۔ حافظ حدیث۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں مثلاً تاریخ الاسلام
 تذکرۃ الحفاظ وغیرہ۔ ان کی وفات ۷۴۸ھ میں ہوئی۔

۳۔ بدر الدین زرکشی: بدر الدین محمد بن جادریں عبداللہ زرکشی شافعی ترمذی ۷۴۹ھ تا ۸۱۹ھ۔ انہوں نے
 متعدد کتابیں لکھیں مثلاً التفتیح فی شرح الجامع الصغیر لبخاری اور شرح معجم الجوامع جس کا نام انہوں نے
 تشییف المسامع رکھا۔ ان کی ایک اور کتاب فتاویٰ زرکشی بھی ہے ملاحظہ ہو کشف الکون: ج: ۱ ص: ۲۷۳

دع: ص: القواعد فی الفروع (کشف ج: ۲ ص: ۱۲۲)

قدرت مطلقہ کے مخالف ہے چنانچہ امام غزالی نے خود اپنی کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد میں بیان کیا ہے کہ حق تعالیٰ کے بارے میں ایسے حقائق محال ہیں۔ لہذا اگر اس عالم سے بھی بہتر کوئی عالم ہوتا مگر اللہ نے اسے پیدا نہیں کیا تو یہ اللہ کے کمال اختیار اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و عظمت کی دلیل ہے، نہ اس بات کی جیسا کہ امام غزالی نے وہاں لکھا ہے کہ یہ نخل، عجز اور ظلم کی دلیل ہے خدا اس قسم کی باتوں سے بلند و بالا ہے۔

خدا ابن عربی پر رحمت کرے، وہ کہتے ہیں کہ ہم اگر چاہیں کہ سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ میں مگر ہم ان کے قول کی تردید انہی کے قول سے کرتے ہیں، لہذا اگر تو خود غزالی کے قول سے اس کی تردید چاہتا ہے تو کتاب الاقتصاد جس کا ذکر ہو چکا دیکھیں، نیز دیکھیں اسی کی کتاب انفسطاس المستقیم اور الاحیاء کے تحت سے مقامات جہاں اس نے صراحتہ بیان کیا ہے کہ حق تعالیٰ کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہیے۔

دوسرا گروہ | دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو ابو حامد الغزالی کی حمایت کرتے ہیں اور اس کے کلام کی صمیم تائید کرتے ہیں، ان میں سے پہلا شخص خود الغزالی ہے کیونکہ انہیں ان کے زمانہ میں ہی اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کا جواب الاجوبۃ المسکتہ میں دیا چنانچہ وہاں پہلے مذکورہ بالا قائل اعتراض عبادت کو نقل کیا ہے پھر خود ہی سوال کیا ہے کہ اس عبارت کا کیا مطلب ہے پھر اس کا جواب دیتے ہیں کہ دنیا کو عدم سے وجود میں لانے میں جو تاخیر ہوئی وہ سب اختیار کلی کے تحت میں آتی ہے اس لیے کہ اللہ مختار کل ہوتے ہوئے چاہے کسی بات کو کریں چاہے نہ کریں اور جب نہ کریں گے تو ممکن نہیں کہ ایسا کریں جو حکمت کے انتہائی تقاضا کے مطابق نہ ہو، وغیرہ مگر یہ جواب قطعاً غیر تسلی بخش ہے۔

موتلف کتاب کہتا ہے کہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ فعل سے پہلے فعل کے دوران میں اللہ فعل کے بعد مختار کل ہیں لہذا ہم پوچھتے ہیں کہ کیا یہی اختیار وجود عالم کی تاخیر کا باعث بنا۔ اگر ایسا ہے تو اس سے بہتر جہان کے وجود کی تاخیر کا سبب بھی یہی اختیار ہو گا لہذا یہ کہنا کہ جب اللہ کرے گا تو ممکن نہیں کہ وہ فعل حکمت کے انتہائی تقاضا کے مطابق نہ ہو اس بات کا متقاضی ہے کہ فعل کے وقت اسے اختیار نہ تھا۔ حالانکہ اللہ اس سے بالا و بلند ہے۔

شعرانی کا بیان | شعرانی اپنی کتاب الاجوبۃ المرضیۃ عن ساداتنا الفقہاء والصوفیہ میں کہتے ہیں علماء نے غزالی کے اس قول کو کہ "جو جہان وجود میں آچکا ہے اس سے بہتر کا

ہونا ممکن نہیں: برا مانا ہے۔ ان کا اعتراض یہ ہے کہ اس سے جناب باری تعالیٰ کا عجز ظاہر ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے جیسا کہ محی الدین ابن العربی نے فتوحات میں دیا ہے کہ غزالی کا کلام نہایت محققانہ کلام ہے جسے بڑا مابنا درست نہیں کیونکہ مرتبے صرف دو ہیں۔ مرتبہ قدیم اور مرتبہ جدید۔ پہلا مرتبہ صرف اللہ کے لیے ہے اور دوسرا مخلوق کے لیے۔ چنانچہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اگر اسے (روزِ اول) سے ہی پیدا کر دیا ہوتا پھر بھی یہ جہان حادث کا حادث ہی رہتا۔ (اسے قدیم نہ کہا جاسکتا) لہذا یہ کہنا کہ ”کیا“ حق سبحانہ ایسا قدیم پیدا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں جو قدیم ہونے میں اللہ کے مساوی ہو“ درست نہ ہوگا کیونکہ یہ تو انتہائی محل سوال ہے۔

مؤلف کتاب ہے کہ یہ جواب بھی کچھ نہیں اور مسئلہ سے اسے کوئی تعلق ہی نہیں۔ یہ جواب تو اس وقت صحیح ہو سکتا تھا اگر غزالی نے یہ کہا ہوتا کہ ”قدیم سے بہتر کا امکان نہیں“ اور معترضین کا یہ دعویٰ ہوتا کہ ”قدیم سے بہتر کا امکان ہے“ اس صورت میں جواب میں ہم کہہ سکتے تھے کہ حادث قدیم کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا مگر چونکہ غزالی کا دعویٰ مرتبہ حادث میں ہے کہ موجودہ حادث اشیاء سے بہتر حادث چیز نہیں ہو سکتی اور معترضین کا دعویٰ یہ ہے کہ اس سے بہتر چیز ہو سکتی ہے ورنہ یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت محدود ہے اور قدرت کا محدود ہونا عجز کو ثابت کرتا ہے لہذا ان کا یہ جواب درست نہیں ہے۔

اس کے بعد شہرانی نے عبدالکریم جلی کا ایک اور جواب نقل کیا ہے کہ ہر موجود چیز پہلے سے ہی

۱۔ ابن الوہاب شہرانی متوفی ۳۹۵ھ۔

۲۔ عبدالکریم جلی: قطب الدین عبدالکریم بن ابراہیم سبط الشیخ عبدالقادر جیلانی یہ شیخ شرف الدین اسماعیل بن ابراہیم الجرقی کے مرید تھے ان سے ان کی ملاقات ان کی مسجد میں ۷۹۹ھ میں ہوئی اور اپنے پیر بحالی عماد الدین عینی بن ابی القاسم اتونی المغربي سبط الحسین بن علی کی درخواست پر الکھف والرقیم فی شرح بیسۃ اللہ الرحمن الرحیم لکھی (کشف الظنون: ۲: ۱۹۵) انہوں نے الدرة العینیة فی الشواہد افیة بھی لکھی ہے (کشف الظنون: ۱: ۲۷۱) ان کا بیٹا صابن الدین عبدالعزیز المعروف بالمعیر ہے جنہوں نے شیخ ابراہیم بن علی الفقیہ شیرازی الشافعی متوفی ۸۴۷ھ کی تنبیہ فی فروع الشافعیہ کی شرح لکھی ہے (کشف الظنون: ۱: ۲۵۵) ایک اور کتاب لوامع المبرق السمرقانی فی معنی ما وسعنی ارضی ولا سبائی دوسعتی

قلب عیدی المؤمن (کشف الظنون: ۲: ۲۱۵) عبدالکریم نے انا موسیٰ الاعظم والقاموس

الاقدم چالیس جلدوں میں لکھی (کشف الظنون: ۲: ۳۷۷)

اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی لہذا یہ نہیں ہو سکتا کہ موجودات اس درجہ سے جو عظیم قدیم میں تھا زیادہ یا کم ہو جائے۔ لہذا امام غزالی کا قول درست ہوا۔

مؤلف کہتا ہے یہ جواب بھی درست نہیں اس لیے کہ ہم یہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ ہر وجود میں آنے والی چیز علم الہی کے مرتبہ سے نہ کم ہو سکتی ہے نہ زیادہ اور اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ اس سے بہتر ممکن ہی نہ ہو یہ جواب اس صورت میں درست ہو سکتا ہے کہ اگر امام غزالی نے یوں کہا ہو کہ یہ ممکن نہیں کہ حادث علم الہی کے مرتبہ سے زیادہ یا کم ہو۔

اس کے بعد شمرانی ایک اور جواب نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں جلال الدین سیوطی کے پیر طریقت شیخ محمد مغربی شاذلی نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ غزالی کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ جہاں تک ہماری عقل کام کر سکتی ہے اس جہان سے بہتر جہان نہیں ہو سکتا ہاں البتہ اللہ کے علم اور ادراک میں اس سے بہتر

جہان ہو سکتا ہے کیونکہ اگر اس جہان میں نقص ہوتا تو اس سے خالق کا ناقص

ہونا لازم آتا حالانکہ تمام مذاہب اس پر متفق ہیں کہ کامل جو بات کرتا ہے کامل ہی ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَالشَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدِيهِمْ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ وَالْأَرْضَ فَزَعْنَاهَا نَعْبُدُكُمْ هَذِهِ (سورہ ذاریات آیت ۴۷) ہم نے آسمان کو قوت سے بنایا اور ہم ہی اسے وسیع کرنے والے ہیں اور زمین کو بچھایا اور اچھے بچھانے والے ہیں اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ احسان جتنا اور اپنی تعریف کرنا اسی بات میں ہو سکتا ہے جس کے اوصاف کمال تک پہنچ چکے ہوں لہذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ احسان جتناے اور مخلوق کے سامنے ایسی بات کی تعریف کرے جس سے بہتر اور چیز ہو۔ ۱۶

مؤلف کہتا ہے اس جواب میں تصحیف نہیں تو یہ کوئی جواب نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تناقض پایا ہے کیونکہ اس کا پہلا حصہ تو اس بات کا مقتضی ہے کہ صرف ہماری عقل کے مطابق اس جہان سے بہتر جہان کا کوئی امکان نہیں مگر اللہ کے علم کے مطابق امکان ہو سکتا ہے اور جواب کا آخری

شیخ مغربی شاذلی: یہ راہنمیں فی العلم میں سے تھے۔ محمد الحنفی کے شاگرد اور شیخ ابو العباس السمری سے متعین طریقتی۔ اصل میں ترک تھے لیکن چونکہ ان کی والدہ کی شادی ایک مغربی سے ہوئی اس لیے مغربی کہلاتے۔ ان کی وفات قراقرم علاقہ کے چند سال بعد ہوئی، امام شمرانی نے بھی ان کی تاویل لواقع الاولیاء فی البعثات

ہے جیسا کہ ہم شروع میں بیان کر چکے ہیں، دوسرے یہ کہ کتاب وسنت سے صرف ان امور نقلیہ کے بابے میں استدلال کیا جاسکتا ہے جن میں عقل کا کوئی دخل نہیں رہے خالص عقل کے احکام جنہیں نفس عقل کہا جاتا ہے، وجود واجب امور کے وجوب اجازت امور کے جواز اور ناممکن امور کے علم امکان کا علم ہے۔ سو یہ وہ ضروری امور ہیں جن کے لیے نقلی دلیل کی کوئی ضرورت نہیں۔ تیسرے یہ کہ ہم اس کا رد ہر علم بدیہی سے کر سکتے ہیں مثلاً یہ کہ چار جفت عدد ہے اور آٹھ کا نصف ہے اور یہ کہ ایک دو کا نصف ہے چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کا ذکر قرآن وحدیث میں نہیں آیا لہذا یہ بھی ناممکن ہونا چاہیے اس لیے کہ آپ کے اصول کے مطابق تو ہر وہ بات جو کتاب وسنت میں نہیں ناممکن ہے۔ واللہ اعلم۔

زرکشی کا جواب

بدرالدین زرکشی کہتے ہیں کہ غزالی کا یہ کہنا کہ ”موجودہ عالم سے بہتر عالم کا امکان نہیں“ میری روشنی ہمارے عقول کے اعتبار سے کہا ہے نہ کہ اس پوشیدہ اور کامل عالم کے اعتبار سے جس کے مذکور احکام کی کوئی انتہا ہے اور نہ عجائب وغرائب کا کوئی شمار لہذا غزالی کے قول کا یہ مطلب ہوا کہ بہتر عالم کا وجود ہماری عقول کے اعتبار سے ممکن نہیں نہ کہ اللہ کے علم غیب کے اعتبار سے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ۔ خدا وہ چیزیں پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں۔ لہذا عارف کا کسی بات کے متعلق حکم لگانا اس کے اپنے ادراک کے مطابق ہوتا ہے نہ کہ حق سبحانہ کے احکام کے مطابق کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز سے باخبر ہیں اور کسی کو بھی کسی ایک کے نوع کے متعلق پورا علم نہیں۔ اس لیے کہ ہر نوع کے بے شمار احکام ہیں جن میں سے بعض کی اطلاع تو اپنے بعض بندوں کو کر دی ہے اور بعض کا علم خاص اپنے لیے رکھا۔

مؤلف کہتا ہے کہ اس پر بھی اعتراض وارد ہوتا ہے کیونکہ عقول تیرہ ابتداء نظریہ میں بہتر جہان کے وجود کے جواز کو سمجھ جاتی ہیں اور اس کے لیے فکر یا سوچ، پکار کی ضرورت نہیں ہوتی اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ اس کا تعلق امور ضروریہ کے ساتھ ہے۔

ان کا یہ کہنا کہ عارف کا حکم اپنے ادراک کے مطابق ہوتا ہے ”میں کہتا ہوں کہ یہ صرف ان امور میں ہو سکتا ہے جو دقیق اور عام لوگوں کی عقل سے معنی ہوں مگر جہاں تک ظاہر اور ضروری امور کا تعلق ہے اس میں عارف اور غیر عارف میں کوئی فرق نہیں۔ چنانچہ میں نے ایک عالمی شخص سے اسی مسئلہ کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کیا قدرت الہی ہر ممکن چیز کو کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی، میں نے کہا کیوں نہیں؟ اس نے پھر کہا اگر یوں کہا جائے کہ قدرت خداوندی بعض ممکنات کو کر سکتی ہے اور بعض کو نہیں

تو کیا یہ خدا میں نقص اور عجز کا اقرار نہ ہوگا؟ میں نے کہا کیوں نہیں؟ اس کے بعد کہا کیا اللہ تعالیٰ کے لیے عاجز ہونا محال ہے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں۔ پھر کہنے لگا اب مسئلہ ظاہر ہے۔ کون سی بات مخفی رہ گئی۔

احمد زروقؒ کی کتاب قواعد العقائد کی شرح میں غزالی کا یہ قول نقل کر کے کہ اللہ کے سوا جو کچھ بھی موجود ہے وہ اللہ کے فعل سے پیدا ہوا

احمد زروق کا جواب

ہے اور اس کا فیضان اللہ کے عدل سے خوبصورت اور کامل ترین طریقے پر ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کا ظہور قدرت الہیہ سے ہوا ہو اور علم الہی کے مطابق اسے مددگی سے بنایا گیا ہو۔ اس کا وجود ناقص نہیں ہو سکتا ہے اس لیے کہ جن اوصاف سے وہ چیز وجود میں آئی ہے وہ کامل ہیں اور یہ چیز انہی اوصاف کا نتیجہ ہے لہذا اس چیز کو ناقص کہنے سے لازم آئے گا کہ جن اوصاف نے اسے پیدا کیا ہے وہ بھی ناقص ہوں۔ مزید برآں کسی چیز کو عقلی طور پر یا عادت یا شرعی طور پر اچھا یا برا کہنا ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر ہے اس لیے کہ جو کچھ ذکر کیا گیا وہ حکمت کے اعتبار سے ہے اور نسبت کا ظہور ہمارے اعتبار سے ہے اور امام غزالی نے لَيْسَ فِي الْإِمْكَانِ اِبْتَدَءَ مِمَّا كَانَ (موجودہ جہان سے بہتر جہان کا امکان نہیں) جو کہا ہے وہ اللہ کے اعتبار سے کہا ہے امام غزالی کی مراد یہ ہے کہ جو کچھ بھی موجود یا ابتداء تک موجود ہونے والا ہے جب وہ وجود میں آگیا تو پھر اس سے بہتر کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی اس لیے کہ اسے علم ارادہ اور قدرت الہیہ نے مددگی سے بنایا ہے جن میں کوئی نقص نہیں ہو سکتا لہذا اس کا ظہور سبب ترین اور کامل ترین صورت میں ہوا۔ غزالی کے اس قول کا یہی مطلب سمجھنا چاہیے۔ اگر یہ مفہوم نہ لیا گیا تو اس سے اللہ کی قدرت کو ناقص ماننا پڑے گا جو باطل ہے۔ عقلمند تو عقلمند رہے احمق کا بھی یہ اعتقاد نہیں ہو سکتا۔ وبادئ التوفیق۔

مولف کہتا ہے کہ اس جواب کی غامی بھی واضح ہے کیونکہ اگر اثر کے ناقص ہونے سے متاثر اور اس کے اوصاف کا ناقص ہونا لازم آئے تو غیر ابتداء کا وجود محال ہوگا اور ابتداء کا وجود ضروری ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ کے اختیار کی نفی ہو جاتی ہے لہذا صحیح بات یہی ہے کہ یہ لزوم ممنوع ہے اور

۱۔ احمد زروقؒ؛ شیخ شہاب الدین ابی الفضل احمد بن محمد البرسی القاسمی المالکی الشہرہ شیخ زروق متوفی ۷۹۹ھ

۲۔ انھوں نے تذاویل کی حزب البحر سے حزب صغیر بھی کہتے ہیں کہ شرح بھی کہ ہے اکتف النون ج ۱:

۳۔ ۱۲۳۲ھ کی ایک اور کتاب قواعد الطریقۃ فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقۃ ہے اور تاج الدین ابن مطا اللہ او

سکندرانی اشادہ کی احکم المعانی کی شرح بھی کہ ہے۔

"ابدع" اور "غیر ابداع" کا وجود جائز ہے جو اللہ کے اختیار اور قدرت کے اندر ہے۔ واللہ اعلم۔

برہان الدین بن ابی کمال الدین جن کا ذکر پہلے کردہ میں کیا جا چکا ہے ان کے چھوٹے بھائی
 الشریف کا بیان

زیدہ رہے، کہتے ہیں "امام غزالی کے بیان میں نہ کسی بات کا ثبوت ہے نہ
 اللہ کی قدرت کو محدود کیا ہے اور نہ ہی خدا کے اس جہان سے بہتر جہان بنانے پر قادر ہونے کی نفی ہے
 بلکہ اللہ تو لاتعداد جہانوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے لیکن چونکہ علم قدیم کا تعلق اور اس جہان کو پیدا کرنے
 کے لیے اللہ کا اختیار اور ارادہ واقع ہوا ہے لہذا اسے "ابدع" کے نام سے موصوف کیا گیا اس لیے کہ یہ
 جہان ان اوصاف پر دلالت کرتا ہے جو صفات حق سبحانہ کے مقتضا کے مطابق تھیں۔ لہذا امام غزالی
 کا کہنا کہ "موجودہ جہان سے بہتر جہان ممکن نہیں۔ اس سے یہی مراد ہے کہ جہاں تک قدرت الہیہ کا
 تعلق ہے اور جن ممکنات کے متعلق علم و ارادہ الہی پہلے ہو چکا ہے، ان میں سے کوئی بھی موجودہ چیز یا
 سے بہتر نہیں ہو سکتی۔" ۱۶

موتلف کتاب ہے کہ اس پر بھی دو اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں اللہ کے علم و ارادہ سابق
 کو اس بات کی دلیل قرار دیا ہے کہ جو کچھ دنیا میں موجود ہے یہی بہتر ہے حالانکہ یہ اس بات کی دلیل
 نہیں۔ اس سے تو صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ بھی وجود میں آیا ہے اللہ کے علم و ارادہ
 سے آیا ہے۔ بہتر ہونے یا نہ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔ دوسرے یہ کہ تجھے معلوم ہے کہ بہتر اشیاء کے
 افراد لاتعداد ہیں اس لیے کہ یہ مقدور الہی کے تحت آتا ہے اور مقدور الہی کی کوئی انتہا نہیں لہذا
 جب "ابدع" کی کوئی انتہا نہ رہی تو یہ جان کر کہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف قدیم کا تعلق اس کے ایک فرد
 کے وجود کے ساتھ ہے، اس کے لانتہا افراد وائرہ امکان میں رہ جاتے ہیں مگر جواب دینے والے کا
 خیال ہے کہ "ابدع" ایک شخص جزئی ہے جو فرد واحد میں منحصر ہوتی ہے لہذا اگر فرض کریں کہ علم و شخصیت
 کا تعلق اسی فرد کے ساتھ ہے تو کسی اور کا وجود محال ہوگا ورنہ علم جہل ہوگا اور اگر "ابدع" ایسی کلی
 فرض کریں گے جس کے لاتعداد افراد ہوں تو اس کے ایک فرد کے وجود سے دوسروں کا دائرہ امکان سے
 خارج ہونا لازم نہ آئے گا۔ واللہ اعلم۔

۱۷۔ برہان الدین ابراہیم بن ابی الشریف القدسی الترمذی ۵۹۲ھ۔ انھوں نے عقیدہ ابن دینق العبد کی شرح لکھی
 ہے جس کا نام العقد النضید رکھا ہے۔

ابوالمواہبؒ تونسلی کا جواب

امکان مراد نہیں۔ حجۃ الاسلام کے کلام کا یہی مفہوم لینا مناسب ہے۔ الخ

مولف لکھتا ہے کہ ہم تسلیم ہی نہیں کرتے کہ حکمت الہیہ میں اس جہان سے بہتر جہان کا ہونا ممکن نہیں کیونکہ جن امور سے قدرت الہیہ کا تعلق ہے ان کی انتہا نہیں تو حکمت الہیہ کی بھی انتہا نہیں اس لیے کہ حکمت متعلقات علم کے تابع ہے اور متعلقات علم لاناہیت ہیں لہذا حکمت الہیہ کا قطعی طور پر لانا انتہا ہونا لازم آیا۔ کسی کو جرأت ہو سکتی ہے کہ کہے کہ حکمت الہیہ محدود و محصور ہے آگے چلکر ہم بیان کریں گے کہ خود غزالی کے نزدیک حکمت کا اطلاق کس پر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

شیخ الاسلام زکریا الانصاری

شیخ الاسلام زکریا الانصاری شافعی اس کے جواب میں یہ فرماتے ہیں کہ کسی کے لیے روا نہیں کہ وہ امام غزالی کی طرف یہ بات منسوب کرے کہ اللہ تعالیٰ اس جہان سے بہتر جہان پیدا کرنے سے عاجز

الشافعی کا جواب

ہیں کیونکہ یہ مفہوم صرف اسی صورت میں نکلتا ہے اگر ہم غزالی کی عبارت میں امکان سے قدرت مراد لیں اور منہی یہ ہو جائے کہ اللہ کی قدرت میں نہیں کہ اس سے بہتر جہان پیدا کر سکیں حالانکہ یہ معنی مراد نہیں ہیں بلکہ وہاں امکان اپنے مشہور معنوں میں استعمال ہوا ہے جو محال اور ضروری کے مقابلہ میں آتا ہے، لیکن حذف مضاف کے ساتھ یا ہم امکان کو ممکن کے معنوں میں لیں۔ اس طرح غزالی کی عبارت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جن امور سے اللہ کی قدرت کا تعلق ہے ان سے بہتر کا ہونا جانب امکان میں نہیں یا یہ کہ ممکن نہیں ہے اور یہ مفہوم ٹھیک ہے اس لیے کہ وجود عدم سے بہتر ہوتا ہے اور معتزلہ کی عبارت کا مفہوم جسے انھوں نے صراحتہ بیان کیا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال سے بہتر کو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہیں اور یہ مفہوم جیسا کہ تمام اہل سنت کے نزدیک باطل ہے۔ غزالی کے نزدیک بھی باطل ہے اس لیے کہ یہ مفہوم اس بنا پر لیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بہتر کام کا کرنا واجب ہے جو ایک باطل اصل ہے لہذا

۱۔ محمد ابوالمواہبؒ: علماء راسخین اور ابراہیم سے تھے۔ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بکثرت مشاہدہ ہوتا تھا۔ نعتیہ مرثعات لکھ کر پڑھتے رہتے اور یہ مرثعات لوگوں میں خوب مقبول ہوئے ان کی کتاب القاف تصور میں بڑے پایہ کی کتاب سمجھی جاتی ہے۔

۲۔ شیخ الاسلام زکریا الانصاری: کبار صوفیاء اور نقباء میں سے تھے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں، انکی وفات ۹۲۶ھ ۱۵۱۹ء میں ہوئی اور امام شافعی کے چڑوس میں دفن کیے گئے۔

معلوم ہو گیا کہ غزالیؒ نے امکان سے قدرت مراد نہیں لی اس لیے کہ اس صورت میں اس کا مفہوم وہی ہوتا ہے جو معتزلہ کا عقیدہ ہے لہذا معلوم ہو گیا کہ اس لفظ کو کسی اور معنوی پر محمول نہیں کر سکتے اور نہ ہی اسے غزالیؒ کی لغزش قرار دے سکتے ہیں۔ الخ

موقف کتاب ہے کہ اس پر جو اشکال وارد ہوتا ہے وہ بھی مخفی نہیں۔ اس نے امکان سے وجوب اور امتناع کا بالمقابل مراد سے کہ غزالیؒ پر اعتراض دور کرنے کی بے سود کوشش کی ہے اس لیے کہ اعتراض ثواب بھی اسی طرح قائم ہے کیونکہ اس صورت میں معنی ہوں گے کہ جو کچھ وجود میں آچکا۔ اس سے بہتر جانب امکان میں نہیں یا یہ کہ ممکن نہیں۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جس "ابدع" کو ہم نے فرض کیا ہے وہ جانب امتناع میں ہوا اور یہ باطل ہے کیوں کہ ممکن چیز محال نہیں ہو سکتی اور جب محال ہوگی تو اس پر قدرت نہیں ہو سکتی لہذا یہی مطلب نکلا کہ اللہ "ابدع" کے پیدا کرنے پر قادر نہیں اور اعتراض قائم رہا۔ واللہ اعلم۔

حافظ جلال الدین سیوطیؒ غزالیؒ کے حامیوں میں سے ہیں انہوں نے اسی سلسلہ پر ایک سیوطی کا جواب کتاب لکھی ہے جس کا نام تَشْبِيهُ الْأَدْوَانِ لِمَسْئَلَةِ كَيْفَ فِي الْأَمْكَانِ اَبْدَعَ وَمَا كَانَ رُكَّاهُ ہے۔ اس میں وہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے اس بارے میں توقف اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ الفاظ اہل سنت کے اصول کے مناسب نہیں ہیں۔ یہ تو معتزلہ کے اصول کے مطابق ہے اہل سنت کے نزدیک یہ عدل کے کیسے منافی ہو سکتا ہے حالانکہ ان کے ہاں اللہ کی طرف سے بہتر کام کا کرنا اللہ کے فضل میں سے ہے اور معتزلہ اللہ پر یہ واجب قرار دیتے ہیں کہ وہ بہتر کام کرے اور ان کی بنا پر حسن و قبح عقلی ہے۔ پھر سیوطی فرماتے ہیں کہ بیشک اس معاملہ میں اشکال پایا جاتا ہے۔ میں خود کچھ دنوں تک اس میں توقف کرتا رہا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے مجھے یہ بات سمجھا دی کہ اس قول میں امام غزالیؒ نے اپنے دعوئے کے ثبوت میں اہل سنت اور معتزلہ دونوں مذہبوں کے مطابق دلیل پیش کرنا چاہی ہے بالفاظ دیگر انھوں نے یوں کہا ہے کہ دونوں مذہبوں کے نزدیک یہ محال ہے اہل سنت

جلال الدین سیوطیؒ: معرین ۵۴۵ھ۔ ۵۴۶ھ میں پیدا ہوئے۔ آٹھ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ ۵۹۵ھ میں روضہ میں جنرل میں ایک جزیرہ ہے۔ ان کی وفات ہوئی۔ انہیں غامۃ المؤمنین کہا جاتا ہے۔ انھوں نے پانچ سو کے قریب کتابیں اور رسالے لکھے۔

کتاب میں اسی طرح دیا ہے مگر کشف الغنوں (ج: ۱: ۲۱۹) میں ایک جگہ تشدید اور دوسری جگہ تشدید دیا ہے اور میرے خیال میں کتاب میں دیا ہوا نام بہتر معلوم ہوتا ہے۔

کے ہاں تو اس لیے کہ بہتر جہاں کا نہ پیدا کرنا فضل اور مہربانی کے منافی ہے جسے جو خداوندی سے تعبیر کیا ہے اور معتزلہ کے نزدیک اس لیے کہ یہ ظلم ہے جو عدل کے منافی ہے

موتلف کہتا ہے کہ اگر امام غزالیؒ نے اسی طرح عبارت کو ادا کیا ہوتا تو بات آسان ہو جاتی مگر غزالیؒ تو کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے باوجود قدرت کے بہتر جہاں پیدا نہ کیا ہوتا تو یہ بخل ہوتا جو سخاوت کے منافی ہے اور اہل سنت اللہ تعالیٰ کو بخل کے وصف سے منزہ سمجھتے ہیں۔ لہذا پہلی عبارت اہل سنت کے مذہب پر پوری نہیں اترتی۔

شرف الدین تلمسانی شرف الدین بن تلمسانی شرح المصالح میں رعایت المصلح کے واجب ہونے کے متعلق بغداد کے معتزلہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان لوگوں کے مذہب کا ماخذ فلاسفہ میں جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سخی ہے اور جو چیز وجود میں آئی ہے وہ انتہائی ممکن چیز ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو خدا سخی نہ کہلاتا۔

مسایرہ میں لکھتے ہیں کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ مصلح کی رعایت نہ کرنا بخل ہے ابن ہمام کا بیان جس سے اللہ کو منزہ سمجھنا چاہیے لہذا غیر مصلح کے وجود کا محال ہونا واجب آیا لہذا جیسے دوسری شق معتزلہ کے اصول پر ہے۔ اسی طرح شق اول بھی۔ واللہ اعلم۔

سید سمہودی کا جواب محدث اعظم شریف سید سمہودیؒ نے بھی مذکورہ بالا رسالہ میں اس کا جواب دیا ہے انھوں نے تینتیس درتوں میں بہت طویل بحث کرتے ہوئے غزالیؒ کی حمایت کی ہے اور ناصر الدین بن المیر کے مذکورہ بالا رسالہ کی تردید کی ہے۔ سید سمہودی کا بیان تین باتوں پر مبنی ہے پہلا یہ کہ اس نے اصل موضوع سے گریز کیا ہے، دوسرے یہ کہ اسے تبحر عقلی اور حسن عقلی کے سمجھنے میں غلطی لگی ہے اور تیسرے یہ کہ اس نے ابن میر کے کلام کو صحیح طور پر سمجھا ہی نہیں۔

شرف الدین بن تلمسانی : شرف الدین عبد اللہ بن محمد القفری التلمسانی۔ انھوں نے مختصر سی شرح لکھا تھا۔ انھوں نے تنبیہ فی نردج الشافعیۃ کی بھی شرح لکھی ہے (کشف الظنون: ۱: ۲۵۵)

المصالح : المصالح کا پورا نام لمع الادلۃ ہے جو امام عبد الملک بن عبد اللہ جوینی المعروف امام الحرمین کی تالیف ہے۔ امام الحرمین نے شمس میں وفات پائی۔

ابن ہمام : کمال الدین محمد بن ہمام الدین عبد الواحد المعروف بابن الہمام۔ کتاب کا پورا نام مسایرۃ فی العقاید المتبحیۃ فی الآئمتہ پہلے انھوں نے امام غزالیؒ کے رسالہ قدسیہ کی شرح کی مگر بعد میں دل میں اس کا اضافہ کرنے کا خیال پیدا ہو گیا اور اضافہ کرنے لگے یہ ایک مستقل کتاب بن گئی۔

تفسیر اگر وہ

تفسیر اگر وہ ان لوگوں کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ الغزالی نے یہ بات کہی ہی نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ہم نے اس کلام کا مقابلہ الغزالی کی دوسری کتابوں کے بیانات سے کیا اور اس کلام کو ان کے بالکل مخالف پایا ہے اور متضاد باتوں پر کوئی عقلمند انسان اعتقاد نہیں رکھ سکتا چ جائے کہ غزالی۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ غزالی نے ایسے الفاظ کہے ہوں چنانچہ غزالی نے کئی ایک مقام پر اس کے خلاف لکھا ہے۔

پہلی عبارت

پہلی عبارت مستغنی کی عبارت ہے جہاں غزالی کہتے ہیں کہ فلاسفہ کا یہ کہنا کہ اللہ نے ہمیں جھوٹ رکھا ہے تاکہ وہ خود بخود باز آجائیں اور ثواب کے مستحق ہوں محض خام خیال ہے اس لیے کہ اللہ کو معلوم ہے کہ یہ لوگ خود باز نہ آئیں گے لہذا انہیں جبراً رد کیا جائیگا۔ چنانچہ بہت سے لوگ اپنے عجز کے سبب فواحش سے باز رہتے ہیں اور یہ بہتر ہے نسبت اس کے کہ انہیں فواحش کے کرنے کی قدرت دی جائے، باوجود اس کے کہ اللہ کو علم ہے کہ یہ باز نہ آئیں گے۔ یہاں پر غزالی نے "حسن" کا لفظ استعمال کیا جو "ابدع" کا مترادف ہے لہذا اس بیان کے مطابق موجود جہان سے بہتر جہان ممکن ہوا۔ یہ مستغنی کی عبارت ہے جو غزالی نے سیاحت و گوشہ نشینی کے بعد آخر عمر میں لکھی اور احیا۔ اس سے پہلے لکھی گئی تھی جیسا کہ مستغنی کے خطبہ میں خود غزالی نے لکھا ہے۔ امام غزالی نے درس و تدریس شروع کر دیا تھا۔ ان کی گوشہ نشینی گیارہ سال تک رہی۔ غزالی نے خود اپنی گوشہ نشینی کا سبب اور علم کی طرف رجوع وغیرہ تمام پر طویل بحث کی ہے اور اس کا ذکر المتقنذ میں الصلال میں کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسری عبارت

امام غزالی الاقنناد میں فرماتے ہیں۔ جہاں تک موجودہ فنون کا تعلق ہے تمام عقلمندوں نے اس کے عدم کی تمنا کی ہے چنانچہ کسی نے کہا "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ كُنْتُ نَسِيًا مُنْسِيًا" (راکش میں ایک بھول ہوئی چیز ہوتا) دوسرے نے کہا "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ كُنْ هَذَا شَيْئًا" (راکش میں کچھ بھی نہ ہوتا) اور تیسرے نے کہا "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ كُنْ بَنِيَّةً دُفِعَتْ مِنَ الْأَرْضِ" (راکش کی میڈم سے اٹھایا ہوا تنکا ہوتا) یہ تو انبیاء و اولیاء کے اقوال ہیں جو عقلمند ہوتے ہیں چنانچہ ایک کی یہ تمنا تھی کہ وہ پیدا ہی نہ ہوتا اور دوسرے کی یہ تمنا تھی کہ وہ جمادات ہوتا اور مکلف نہ قرار دیا جاتا تھے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ عقلمند یہ کہنا کیسے روا سمجھ سکتا ہے کہ فنون کا کوئی مکلف ہونے میں فائدہ ہے۔

۱۔ یہ حضرت مریم لائق ہے۔ قرآن مجید۔ سورہ مریم آیت ۲۲

۲۔ یہ قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہے۔ خطبہ ہولاء جمع الاولیاء فی طبقات الخیار ج ۱: ۱۷۱

سالانہ فائدہ تو کلفت کی نفی میں ہے اور اگر ثواب جو اس کلفت کا فائدہ ہے کی طرف دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ تو بغیر تکلیف کے ہی مخلوق کو ثواب پہنچانے پر قادر ہے۔

اگر کوئی کہے کہ ثواب اگر استحقاق سے حاصل کیا جائے تو اس میں زیادہ لذت اور بندی پائی جاتی ہے۔ نسبت اس کے کہ یہ بطور احسان حاصل ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ تکبر کرتا ہو اور اللہ کے احسانات اٹھانے سے اپنے آپ کو بلند سمجھتا ہو اور جو اللہ کے احسان سے باہر رہنے کو لذت سمجھتا ہو اس کی عقل سے اللہ کے ساتھ پناہ لینا، شیطان سے پناہ مانگنے سے بدرجہا بہتر ہے۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ شخص کیسے عقلمند سمجھا جاسکتا ہے جس کے دل میں اس قسم کے دوسرے پیدا ہوتے ہوں اور جو شخص تھکان اور تکلیف برداشت کیے بغیر جنت میں ابد الابد رہنے کو بارِ خاطر سمجھتا ہو، اس سے کلام بھی کیا جائے۔

غزالیؒ احیاء کے باب قواعد العقائد میں کہتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے مخلوق اور ان کے تمیزی عبارت اعمال کو پیدا کیا۔ ان کے رزق اور عمر کو مقرر کیا۔ اس کی قدرت سے کوئی چیز بھی باہر نہیں رہ سکتی اور نہ ہی اس کے علم سے امور کا تصرف مخفی رہ سکتا ہے نہ اللہ کے مقدرات کا کچھ شمار ہے، نہ اس کے معلومات کی انتہا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: "اسی کا فضل و احسان ہے اور اسی کی نعمتیں اور انعامات ہیں وہ مخلوق پر مختلف قسم کے عذاب نازل کرنے پر انہیں قسم قسم کے آلام و امراض میں مبتلا کرنے پر قادر ہے چنانچہ جب اللہ تعالیٰ ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کی طرف سے عدل ہے۔ نہ اس میں کسی قسم کی قباحت ہے نہ ظلم۔ اس لیے کہ اللہ پر کوئی فعل واجب نہیں نہ اس سے ظلم کا تصور بھی ہو سکتا ہے اور نہ اس پر کسی کا حق لازم آتا ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی اصلاح کرنے پر قادر ہے مگر اس نے پھر بھی ان پر عذاب کے اسباب مسلط کر رکھے ہیں تو یہ ایک قبیح بات ٹھہری جو حکمت کے شایان نہیں ہے۔

اس کے جواب کے دوران میں غزالیؒ فرماتے ہیں: جیسے اللہ سے ظلم کا تصور نہیں ہو سکتا کیونکہ وہاں تو ملک غیر میں تصرف کا تصور ہی نہیں آ سکتا۔ پھر آگے چل کر فرماتے ہیں کہ حکیم کا مطلب یہ ہے کہ وہ حقائق و اشیا سے واقف اور اپنے ارادہ کے مطابق انہیں اچھی طرح سے کر سکتا ہو۔ اس عبارت سے رعایتِ اصل کے معنی کہاں سے نکلتے ہیں۔ یا یہ معنی کیسے نکلتے ہیں کہ حکیم وہ ہے جو

اپنی ذات کو مد نظر رکھتے ہوئے صلح کا خیال رکھے تاکہ اس سے دنیا میں تعریف اور آخرت میں ثواب حاصل کر سکے یا اپنے نفس سے ضرر یا عذاب کو دور رکھ سکے حالانکہ یہ تمام چیزیں اللہ پر محال ہیں۔ اسی قسم کی کئی ایک اور عبارتیں احیاء میں موجود ہیں جن کا مطالعہ احیاء سے کر لینا چاہیے۔ برہان الدین بقاعی نے ان تمام عبارتوں کو اپنے مذکورہ بالا رسالہ میں جمع کر دیا ہے۔ ان عبارتوں کا باہم مقابلہ کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ دونوں عبارتوں میں تضاد پایا جاتا ہے اس لیے یہ عبارت غزالی کی نہیں ہو سکتی۔

اگر کہیں کیر غزالی پر انتہام کیے ہو سکتا ہے کہ اس نے ایسی بات کہی ہے حالانکہ اس کی متعدد کتابوں میں یہ عبارت موجود ہے بالخصوص الاجوبۃ المسکتہ میں جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کیونکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ غزالی کو جب اس عبارت کا اشکال معلوم ہوا تو اس کے جواب کی طرف توجہ کی اور اگر یہ محض انتہام ہوتا تو غزالی فرما اس کا انکار کر دیتے اور اس قسم کے قول سے بیزاری کا اظہار کرتے۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ غزالی پر دوبار انتہام لگایا گیا ہو، ایک بار اس مسئلہ کو اس کی طرف منسوب کرنے میں اور دوسری بار جواب کو اس کی طرف منسوب کرنے میں چنانچہ قاضی ابوبکرؒ ابابکرؒ کتاب الانتصار میں کہتے ہیں کہ کسی مسئلہ کا ایک ہزار ایسی کتابوں میں جو کسی امام کی طرف منسوب ہوں پایا جانا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ اس نے وہ بات کہی ہے جب تک کہ وہ مسئلہ اتارے اس سے منقول نہ ہو اور جس کے طریق اور واسطہ دونوں ایک جیسے نہ ہوں اور یہ بات اس مسئلہ میں مفقود ہے اسی لیے ہم نے فیصلہ دیا ہے کہ غزالی نے یہ بات کہی ہی نہیں ہے کیونکہ ہم اسے اہلسنت کے عقیدہ اور خود دیگر کتابوں میں غزالی کے عقیدہ کے مخالف پاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

مؤلف کہتا ہے کہ میں نے اس بحث کو اس قدر لمبا اس لیے کر دیا اور اس کے رد کرنے کی طرف اس لیے توجہ دی ہے کہ میں نے اکثر لوگوں کو اس سے جاہل پایا اور وہ اس عقیدہ کو اس لیے صحیح سمجھتے ہیں کہ اس کا تعلق غزالی سے چنانچہ غزالی خود المنقذ من الضلال میں کہتے ہیں کہ یہ توقف لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کے اعتبار سے حق بات کی شناخت کہتے ہیں اور بات سے حق لوگوں کو نہیں پہچانتے مگر عقلمند امیر المؤمنین علیؑ بن ابی طالب کے فرمان کی پیروی کرتا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: لوگوں کے اقتدار سے حق بات کی شناخت نہ کرو بلکہ حق بات کو پہچانو، اہل حق تمہیں خود بخود معلوم ہو جائیں گے۔ لہذا عقلمند پہلے حق کی شناخت کرتا ہے۔ پھر نفسِ قویٰ میں غور کرتا ہے، اگر حق ہو تو قبول کر لیتا ہے، خواہ کہنے والا اہل حق میں سے ہو خواہ اہل باطل میں سے۔ چنانچہ آگے چل کر فرماتے ہیں: اکثر لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اگر تو کسی کلام کو

کسی ایسے شخص سے منسوب کرے جس کے متعلق ان کا اعتقاد اچھا ہو تو وہ اس کلام کو قبول کر لیتے ہیں خواہ وہ باطل ہی کیوں نہ ہو اور اگر تو کسی کلام کو ایسے شخص سے منسوب کرے جس میں ان کا اعتقاد اچھا نہ ہو تو وہ اسے رد کر دیں گے خواہ وہ بات حق ہی کیوں نہ ہو، وہ ہمیشہ حق بات کو آدمیوں کے ذریعہ سے پہچانتے ہیں اور یہ انتہا درجہ کی گراہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے ابو حامد الغزالی کے بارے میں گستاخی کرنے سے بچا لیا۔ اس طرح کہ جب میں نے اس مسئلہ کا رد کرنا چاہا تو حضرت کو اس بات کی اطلاع ہو گئی چنانچہ انھوں نے میرے دل میں الغزالی کی تعظیم ڈال دی چنانچہ میرے رد کی تمام تر توجہ مسئلہ کی طرف رہی اور الغزالی کے متعلق میں نے ایک کلمہ تک بھی نہ کہا بلکہ سوائے ان کی تعظیم کے ان کا ذکر تک نہیں کیا۔ یہ سب حضرت کی برکت تھی۔

حضرت کی توجہ وفات کے بعد بھی ہماری طرف رہی چنانچہ وفات کے بعد نیم خواب میں تھا کہ میں نے انہیں دیکھا اور حضرت مجھ سے دیر تک باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ آپ مجھے لے کر الغزالی کے پاس پہنچے اور فرمایا یہ قطب ہیں، ان کی بہت تعظیم کرو۔ نیز فرمایا: اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا لباس پہنا دیا ہے کہ میں اسے دیکھ کر اپنے آپ کو حقیر سمجھنے لگ جاتا ہوں حالانکہ میں اولیاء کبار میں سے ہوں۔ پھر اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کر کے فرمایا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مہد ہے۔ یاد رکھو کہ غزالی دلی کبیر ہیں اور وہ میرے ساتھ ہوتے ہیں اور مجھ سے اکثر علوم کے متعلق جن کی انہیں آخرت میں ضرورت ہے دریافت کرتے رہتے ہیں۔

یہ سب کچھ خواب میں تھا جب اٹھا تو میرے دل میں غزالی کی محبت گھر چکی تھی اسی وجہ سے میں نے اسی کے حق میں کوئی کرنٹ عبارت استعمال نہیں کیا بلکہ حضرت کی برکت سے میں نے ان کا ادب ملحوظ رکھا ہے۔ خدا کرے کہ میرے یہ کلمات خاص اللہ کی رضا مندی کے لیے ہوں۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنُثْنِيَهُ اِذْ نُوَلِّا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاَوْحٰى عَلٰى اِلَهٍ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ تَلِيْمًا كَثِيْرًا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اظہارِ باب

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور ان کا مختلف مدارج میں سے
گزرنا اور اس بات کا بیان کہ انسانی شکل و صورت افضل ترین
شکل و صورت ہے

حضرت نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا چاہا تو دس دن میں ان کی مٹی کو
جمع کیا اور بیس دن تک اسے پانی میں چھوڑے رکھا۔ چالیس دن میں ان کی صورت بنائی اور اس کے بعد
بیس دن تک اسے چھوڑے رکھا یہاں تک کہ وہ مٹی سے منتقل ہو کر جسمیت کی طرف آگئے یہ تمام تین
ماہ ہوتے ہیں۔ یعنی رجب، شعبان و رمضان اس کے بعد اللہ نے انہیں جنت کی طرف اٹھایا اور
جنت ہی میں ان کی روح پھونکی گئی اور جنت ہی میں مائے حواء ان سے پیدا کی گئیں۔ جب مائے حواء
کی عمر دو ماہ کی ہوئی تو دونوں میں شہوانی مادہ پیدا کیا گیا چنانچہ آدم علیہ السلام نے جماعت کی اور وہ
حامل ہو گئیں اور حمل کے تین ماہ بعد زمین پر اتر کر ان کا وضع حمل ہوا پھر اس دنیا میں جو حمل ہوا اس
سے نو ماہ بعد وضع حمل ہوا اور یہی عادت آج تک قائم رہی۔

میں نے دریافت کیا کہ وہ کونسی مٹی تھی جس سے آدم کی پیدائش ہوئی؟
فرمایا یہ تمام کانوں کی مٹی تھی۔ سونے کی کان کی، چاندی کی کان کی، تانبے کی کان کی اور
دیگر معدنیات کی چنانچہ ان سب میں سے آپ کی مٹی لی گئی اور اسے ایک جگہ اکٹھا کر کے آدم کو
پیدا کیا گیا۔

میں نے دریافت کیا کہ اس مٹی کو کس نے جمع کیا؟

فرمایا: فرشتوں نے اور جن سے اکٹھا کرنا اللہ نے چاہا مگر سب سے زیادہ مٹی جبریل علیہ السلام
نے اٹھائی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے وعدہ فرمایا تھا کہ مٹی کی ایک مخلوق ہوگی جس سے بڑھ کر
اللہ کے ہاں کوئی مخلوق نہ ہوگی اور جبریل اس کے ساتھی اور رفیق ہوں گے اور اس سے جبریل کو

بہت برکت ہوگی اور وہ مخلوق سیدالوجود محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ لہذا جبریل اس امید پر کہ یہ مٹی اس مخلوق کے لیے جمع کی جارہی ہے جس کا انہیں وعدہ دیا گیا ہے، مٹی جمع کرتے تھے۔

میں نے دریافت کیا: اس مٹی کی مقدار کتنی تھی؟
فرمایا: اتنی تھی کہ ایک میل یا کچھ کم زمین آباد ہو جائے۔ یعنی اس قدر کثیر مقدار میں مٹی جمع کی گئی۔

میں نے عرض کیا کہ اسے جمع کرنے میں دس دن کی کیوں ضرورت ہوتی حالانکہ اللہ تعالیٰ اسے ایک لمحہ میں جمع کر سکتے ہیں؟

فرمایا: اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کو بھی تو ایک لمحہ میں پیدا کر سکتے تھے، انہیں پیدا کرنے میں چھ دن کیوں لگائے اور آدم کو مٹی کے سوا بھی پیدا کر سکتے تھے۔ مٹی سے کیوں بنایا، لیکن بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اشیاء کو پیدا کرتے ہیں۔ اور ان کی پیدائش کو چند دنوں میں ترتیب دیتے ہیں اور اسے تصور اتموار کر کے چلاتے ہیں جس سے ملا اعلیٰ کو توحید عظیم حاصل ہوتی ہے اس لیے کہ اس مخلوق کے ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونے اور اس کے آہستہ آہستہ ظاہر ہونے میں ملا اعلیٰ کی توجہ اس حادثہ مخلوق میں امر الہی پر تعجب کے ساتھ پڑتی رہتی ہے اور اس بارہ میں غور و فکر رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کیسے پیدا کر رہا ہے اور اس سے کیا نتیجہ برآمد ہوگا اور اس کا انجام کیا ہوگا لہذا جس حالت پر اس مخلوق کا خدوچ ہونا ہے اسے ملا اعلیٰ دیکھتے رہتے ہیں اور اس سے انہیں بیمہ توحید حاصل ہوتی ہے لہذا اس زمانہ میں جبکہ وہ اس کی پیدائش کو دیکھتے رہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی معرفت اور اس کی قدرت کا مد کا علم اور اشیاء مخلوقہ میں اس کے سرایان و جریان کا بہت بڑا علم حاصل ہو جاتا ہے اس لیے اس مخلوق کے پیدا کرنے کا کوئی راز ان سے مخفی نہیں رہتا اور انہیں مکمل فہم حاصل ہو جاتی ہے لہذا یہ تدریجی تخلیق اسی حکمت کے لیے ہے۔ اس تدریجی تخلیق میں ایک اور حکمت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس تدریجی اور حادث کے نکلنے کے انتظار اور شوق میں دیگر مخلوقات وجود میں آتی ہیں جو اسی مرتبہ کی یا اس سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے لہذا اللہ تعالیٰ کی ہر چیز میں اسرار و حکمتیں پائی جاتی ہیں۔

میں نے دریافت کیا کہ وہ پانی کو نسا پانی تھا جس میں یہ مٹی ڈالی گئی اور جس دن اسی میں پڑی رہی؟

فرمایا: یہ ایک خاص پانی تھا جس میں آدم اور اس کی ذریت کا نفع تھا کیونکہ یہ پانی اسی زمین کا پانی تھا جس کی طرف درحقیقت آدم کو نسبت دی جاتی تھی لہذا یہ ذات آدم کے مناسب و موافق تھا۔

میں نے دریافت کیا: کیا یہ پانی زمین کی جڑ سے تھا یا کوئی اور؟

فرمایا: یہ زمین کی جڑ میں سے تھا مگر اس کا گڑا کثیر اجزاء ارض پر ہو چکا تھا اس کی صورت یوں ہے کہ زمین پر سے گزرنے والے بعض پانی زمین کے کچھ حصہ پر سے گزرتے ہیں لہذا وہ اتنے ہی حصہ کا ستر حاصل کر سکتے ہیں اور بعض کثیر یا کمل اجزاء سے گزرتے ہیں لہذا وہ اتنے ہی حصہ کا ستر حاصل کر سکتے ہیں اور بعض کثیر یا کمل اجزاء سے گزرتے ہیں اور ان کا ستر حاصل کر لیتے ہیں اور یہ پانی ان چشموں میں سے ایک چشمے کا پانی ہے جو شام کی زمین میں سے نکلتا ہے اور وہیں حضرت آدم کی مٹی ایک پست زمین میں جمع کی گئی جس کی مسافت کا ذکر ہو چکا ہے اور اس پانی سے اس مٹی کو ترکیب کیا کیونکہ اسے اطراف زمین کے پانیوں سے مدد پہنچتی ہے چنانچہ یہ پانی تیز زمین کے اجزاء کو بچھاڑتا ہوا نکل جاتا ہے یہاں تک کہ اس چشمے تک پہنچ جاتا ہے اور یہ چشمہ اب تک موجود ہے جس کا پانی روئی زمین کے دیگر پانیوں کے مقابلہ میں ذات انسان کے زیادہ موافق ہے یہ مٹی پانی میں بیس دن تک پڑی رہی تب جا کر آدم کی شکل بننے لگی جبکہ ابھی تک وہ مٹی میں تھی۔ ان کی شکل آہستہ آہستہ بنتی رہی تا آنکہ چالیس دن میں مٹی کے اندر ہی شکل مکمل ہو گئی مگر کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے مٹی سے جسم کی طرف منتقل کرنے کا ارادہ کیا تو آدم کی انگلیوں میں پھنسی سی ظاہر ہوئی جو بھر کر پھٹ گئی اور اس کا مادہ انگلی پر جم کر ایسا سفید ہو گیا جیسے درخت کھجور کی چھال اتارنے کے بعد اندر کا گودا ہوتا ہے جسے شحم النخاع کہتے ہیں۔ اس کے بعد ایک ایک عضو اور ہر جزو میں سرایت کرتا رہا حتیٰ کہ تمام کا تمام صفائی اور رطوبت کے اعتبار سے شحم النخاع بن گیا۔ یا ایسا جیسے خالص گھوٹ کے آنے کا گندھا ہوا صاف پیڑا ہوتا ہے پس اس سے آدم کی شکل بنی پھر اس میں تھوڑا تھوڑا خون مادہ پیدا ہوا۔ گارہ پھٹ کر جدا ہو گیا اور اس میں خشکی نمودار ہو گئی۔ اس کے بعد اس پر ہوا تیں چلتی رہیں اور اجزا خشک ہوتے رہے اور اللہ کے حکم سے ہڈیاں بن گئیں۔ جب بیس دن میں آدم کی تخلیق مکمل ہو گئی اور اللہ نے اس میں روح پھونکنے کا ارادہ کیا تو انہیں اٹھا کر جنت میں منتقل کر دیا۔

میں نے پوچھا کہ یہ جنت کون سی تھی ؟

فرمایا: پہلی جنت۔ جب وہاں آگئے تو اس میں روح داخل ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ عقل و علم کا دخول ہوا اور ان کو خدا کی معرفت حاصل ہوئی۔ اس وقت حضرت آدم نے کھڑا ہونا چاہا مگر انہیں روزہ آیا اور گر پڑے۔ پھر کھڑا ہونا چاہا مگر پھر گر پڑے جس طرح کہ بچے اٹھنے لگتے ہیں تو گر پڑتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ مشاہدہ عطا کیا جس کا ذکر اسماء حسنیٰ میں کیا جا چکا ہے۔ یہ مشاہدہ انہیں اس حالت میں نصیب ہوا جبکہ آپ ایک پاؤں زمین پر رکھے اور دوسرے پاؤں کا گھٹنا زمین پر لیگے ہوتے تھے۔

جب آپ کو یہ مشاہدہ حاصل ہوا تو آپ کی زبان سے اللہ اللہ اللہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نکلا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت عطا فرمائی جس سے آپ سیدے کھڑے ہو کر جنت میں چلنے لگے۔ جہاں چاہتے جاتے۔ اس کے بعد آپ کی پسلی میں درد ہوا جس سے آدمی کے سر جتنا ایک بڑا پھوڑا بن گیا جس میں پھٹ کر ایک چھوٹا سا ڈھانچہ نکلا اور زمین پر گر گیا۔ حضرت آدم نے اسے دیکھا تو اسے اپنی شکل کا پایا اور اسے ویسا ہی پھوڑا دیا۔ جنت کی ہوا اور جھونکے اس ڈھانچے کو لگتے رہے جس سے اس میں بہت جلد نشوونما ہوا۔ حضرت آدم بھی اس کی دیکھ بھال کرتے رہتے اور دیکھتے کہ یہ ڈھانچہ بہت بڑا ہو رہا ہے لہذا آپ اس سے مانوس ہونے لگ گئے اور اس کے پاس بیٹھتے۔ اللہ نے اس ڈھانچے میں عقل ڈال دی اور اس نے حضرت آدم سے کلام کرنا شروع کر دیا۔ ابھی دونوں کو جنت میں دو ماہ بھی گزرے تھے کہ ان میں مادہ شہوت ڈالا گیا۔ حضرت آدم نے اس ڈھانچے (حواء) سے مباشرت کی چنانچہ وہ حاملہ ہو گئیں اور مذکورہ بالادت میں وضع حمل ہوا۔

فرمایا کہ حضرت آدم کو جنت کے انوار سے سیراب کرنے کی غرض سے جنت کی طرف اٹھایا گیا تھا تاکہ آپ کی اولاد روزِ اکسرت کے عند کو بھولی نہ جاسے۔ نیز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی خاطر اور اس کو اہل بعیرت خوب جانتے ہیں۔

میں نے عرض کیا جس درخت کے کھانے سے حضرت آدم کو منع کیا گیا تھا وہ کونسا درخت تھا؟ فرمایا: بلا شک استعجودہ اخیر کا درخت تھا اور اس کے کھانے کی ممانعت صرف اس لیے فرمائی تھی کہ یہ درخت اور اس کے علاوہ دیگر انواع اشجار جنت اسماء لاتی ہیں لہذا اس کے کھانے سے ممانعت فرمادی کہ درخت آنے لگیں گے تو پھر جنت میں نہ رہ سکیں گے۔

میں نے عرض کیا کہ جنت کا کھانا جنت کے پھل اور نعمتیں اگرچہ ان کا جسم ہے مگر خالص انوار ہیں جن میں ثقل نام کو بھی نہیں۔ جیسا کہ بہت سی حدیثوں میں آیا ہے اور جس میں ثقل نہ ہوگا۔ اس کے کھانے سے دست نہ آئیں گے؟

حضرت نے فرمایا: تم صحیح کہہ رہے ہو مگر اہل جنت جب قیامت کے دن جنت میں جائیں گے تو ان کی بنیاد درست ہوگا اور ان میں اس قدر قدرت ہوگی کہ کسی پر مغنی نہیں مگر جب حضرت آدم جنت میں داخل ہوتے تھے تو ان کی ذات ایسی نہ تھی چنانچہ جب اہل جنت کے پیٹ میں نعمتیں ازلیں گی تو وہ اپنی ذات کی قوت کے سبب انہیں برداشت کر لیں گے۔ نیز اس لیے بھی کہ ان کی ذوات اس وقت نعمتوں کی طرح انوار ہی انوار ہو گئی اور انوار انوار میں مل جاتیں گے۔ بر خلاف اس وقت کے

جب آدم جنت میں داخل ہوئے تھے اس وقت ان کی ذات تباری اور کزور تھی اس لیے اس درخت کے کھانے کو برداشت نہ کر کی۔

میں نے عرض کیا کہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اس وقت آدم کی ذات نہ اس درخت اور نہ کسی اور درخت کے کھانے کی طاقت رکھتی تھی (پھر کھاتے کیا تھے؟)

فرمایا: جنت کے درخت اور جنت کی نعمتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک تو وہ قسم ہے جو خالص انوار ہیں اور دنیا کی کسی نعمت کے مشابہ نہیں اور نہ ان میں ثقل ہے اور اسی کی وہاں کثرت ہے۔ حضرت آدم کی ذات اس کے کھانے کی طاقت رکھتی تھی اور اسی کے کھانے کا اللہ نے حکم بھی فرمایا تھا اور دوسری قسم جو کم ہے وہ ہے جو دنیاوی نعمتوں کی ہم شکل ہے اور ان میں ثقل بھی پایا جاتا ہے۔ حضرت آدم جب جنت میں تھے تو اس کے کھانے کی طاقت نہ رکھتے تھے اسی لیے اللہ نے اس کے کھانے سے ممانعت کر دی تاکہ انہیں جنت سے نکلنا نہ پڑے اور جنت کی نعمتوں کے دو قسم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے علم قدیم میں یہ بات تھی کہ اہل جنت کی دو حالتیں ہوں گی۔ ایک حالت جو کم غالب اور کثیر ہوگی وہ یہ ہوگی کہ جنت میں دنیا کے فانی کا خیال تک اہل جنت کو نہ آئے گا لہذا دنیا، امور دنیا اور دنیا کی تمام نعمتیں ان کے ذہن و عقل سے غائب ہوں گی۔ اس حالت میں حق تعالیٰ انہیں پہلی قسم کی نعمتیں عطا فرمائے گا اور وہ انہیں کھاتیں گے اور دوسری حالت جو شان و نادر اور کبھی کبھی ہوگی وہ یہ ہوگی کہ دنیا کے فانی کا ان کو خیال آئے گا اور جن حالات میں یہاں تھے وہ ان کے سامنے آجائیں گے لہذا ان کی تمنا کریں گے اور اسی وقت انہیں موجود پائیں گے۔ یہ دوسری قسم کی اشیاء ہوں گی۔ پہلی حالت بلحاظ فکر کے بہر صورت اکل ہے کیونکہ اس حالت میں جنتیوں کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی اپنے رب کے ساتھ آؤز غیر کا اسے احساس ہی نہ ہو اور بلحاظ نعمتوں کے بھی اکل ہیں کیونکہ دراصل یہی نعمتیں ان کے لیے مخصوص کی گئی ہیں اور یہ اہل جنت کے تقاضا کے مطابق بھی ہیں اور بلحاظ دوام کے بھی اکل ہیں کیونکہ اہل جنت کی اکثر اور غالب حالت یہی ہوگی اور دوسری حالت ان تمام اعتبارات سے اس سے کمتر ہے فکر کے اعتبار سے تو اس لیے کہ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو مشاہدہ حق سے غائب ہیں اسی لیے انہیں اپنی ذات کا احساس پیدا ہوا اور اسی احساس کی وجہ سے انہیں امور دنیا کی فکر ہوئی اور انہوں نے اس کی نعمتوں کی خواہش کی۔

فرمایا: چونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ بعض اوقات اہل جنت کی توجہ دار دنیا کی طرف ہوگی اس لیے بعض چیزوں کو توابل جنت کی طبیعت کے مطابق پیدا کیا ان میں قلعہ کوئی ثقل نہیں اور اس توجہ کی خاطر کچھ نعمتیں ایسی پیدا کیں کہ اہل جنت کی طبیعت کے مطابق نہیں ہیں اور ان میں ثقل اور اہل دنیا کی نعمتوں

مشابہت پائی جاتی ہے، لیکن چونکہ جنت میں ان کی ذات و طبائع جسم انوار اقویٰ ترین ہونگے اس لیے انہیں ثقل معلوم نہ ہوگا مگر جب حضرت آدمؑ کی ذات جنت میں گئی تھی تو چونکہ اہل جنت کی ذات کے مقابلہ میں کمزور تھی اس لیے ان ثقیل نعمتوں میں انہیں ثقل محسوس ہوا۔ اسی لیے قسم ثانی کا ثقل صرف کمزور اجسام میں ظاہر ہوتا ہے اور اس وقت یہ کمزور جسم حضرت آدمؑ کے سوا کوئی اور نہ تھا۔

فرمایا: کہ اس درخت کو کھانے سے پہلے حضرت آدمؑ کی عقل کا تعلق اپنے رب کے ساتھ تھا اور وہ اپنے ذاتی مصالح سے بالکل غافل تھے، لیکن اس درخت کا پھل کھانے کے بعد معاملہ برعکس ہو گیا اور ان کی عقل اپنے ذاتی مصالح کی طرف لگ گئی۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس درخت کا پھل کھانے سے پہلے ان کا کھانا پینا محض تنعم و تفکر کے درجہ میں تھا۔ انہیں اس سے نہ بھوک لگتی تھی نہ پیاس۔ اس لیے انہیں بھوک اور تدبیر معاش کی فکر ہی نہ تھی اور ان کی عقل اپنے رب کی طرف لگی رہتی تھی، مگر جب انہوں نے درخت کا پھل کھایا اور اس کے بعد اس سال ہوا اور بھوک لگی تو عقل ذات کی طرف لگ گئی اور خیال کرنے لگے کہ جب پیٹ خالی ہو تو اسے کس چیز سے بھرا جائے اور انہیں تدبیر معاش کی فکر ہوئی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں مشقت و معصیت کے گھر میں اتار دیا اور چونکہ یہ بات پہلے ہی سے علم الہی میں تھی کہ آدمؑ کا نزول زمین کی طرف ہوگا اس لیے حتیٰ سبباً نے ان کے لیے اسباب معاش مرتب کر دیے اور جنت سے اترنے سے پہلے ہی ذرائع معاش متینا فرما دیے تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مٹی سے آدمؑ کی صورت بنائی۔ اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ مٹی بہت مقدار میں تھی اس لیے اس مٹی سے حتیٰ تعالیٰ نے وہ حیوانات پیدا فرما دیے جن کی حضرت آدمؑ کو اپنی معاش کے لیے ضرورت پیش آنے والی تھی۔ ان تمام کی پیدائش بھی اسی مذکورہ بالا مٹی سے ہوئی۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ علیہ السلام کو جنت کی طرف اٹھایا تو عام حیوانات اس مٹی میں کیڑوں کی شکل میں ظاہر ہوئے اور ہر نوع میں سے دس دس یعنی پانچ نر اور پانچ مادہ پیدا کئے۔ شیر، چیتا، تیندو وغیرہ ایک قسم ہوئی۔ حضرت آدمؑ کے جنت میں اٹھائے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قدر زور کی بارش برساتی جس کی مثال کبھی سننے میں نہ آئی ہو چنانچہ ہر جانب سے سیلاب آیا جو اپنے ساتھ بہت سا دلدل بہالایا جو اس مٹی کے ساتھ اکڑ مل گیا۔ اس سے حیوانات کو بہت مدد و تقویت حاصل ہوئی جیسے کسی کو نارغ البالی اور سرسبزی حاصل ہو جائے اور اس کو اس سے بہت نفع حاصل ہو۔ جب نوحہ کے بعد آدمؑ علیہ السلام زمین پر اترے تو حیوانوں کا زمین پر پلٹے پھرتے پایا اور وہ بتدریج بڑھ رہے تھے۔

آدم ان سے مانوس ہو گئے اور اللہ نے انہیں تباہ کیا کہ یہ قیامت تک آپ کی اور آپ کی اولاد کی معاش کا ذریعہ ہے۔

حضرت نے فرمایا جس جگہ مٹی میں حضرت آدم کا سر تھا وہاں اللہ تعالیٰ نے نخلستان، انگور، انجیر اور زیتون اگا دیئے۔ جب حضرت آدم نو ماہ بعد جنت سے اترے اور ان کا پیٹ خالی ہوا تو انہوں نے کھانے کی ضرورت محسوس کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان درختوں اور نخلستان میں ذائقہ پیدا کر دیا چنانچہ حضرت آدم کا یہ پہلا رزق تھا جو انہوں نے کھایا اور ان درختوں میں اللہ کے حکم سے اس قدر کم مدت کے اندر پھل لگ گیا۔

اس پر میں نے سوال کیا کہ یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ اَكْرَمُوا عَمَلَكُمْ الْخَلْقَةَ فَانْهَاهَا خُلِقَتْ مِنْ طِينِ آدَمَ۔ (اپنی چھوٹی کھجور کی عزت کیا کرو کیونکہ اسے آدم کی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے) کیا یہ حدیث صحیح ہے

یائیں۔

فرمایا: یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ نہیں ہے۔
موتن کتا ہے کہ حفاظ حدیث مثلاً ابن حجر از رکشی اور سیوطی وغیرہ نے یہی کہا ہے۔
میں نے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ نے ان چار درختوں کے علاوہ حضرت آدم کے لیے اور درخت بھی پیدا کئے۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس مٹی سے ہر وہ درخت پیدا کیا جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے مثلاً کھجور، انگور، انجیر، زیتون اور انار۔ واللہ اعلم۔

حضرت کو میں نے یہ بھی فرماتے ہوئے سنا کہ بنی آدم سے زیادہ خوبصورت کوئی مخلوق نہیں۔ لہذا ان کے اجسام تمام مخلوقات کے اجسام سے زیادہ خوبصورت، افضل، ارفع اور اقوم ہیں۔ اگر عقل مند انسان آدمی کی ذات کی تفصیل اس کے اجزاء کی ترکیب، اس کے جوڑوں اور رگوں کی ترتیب اور ان ظاہری اور باطنی خوبیوں میں غور کرے جن پر اس کی ساخت مشتمل ہے تو حیران ہو جائے اور اسے حق سبحانہ جو اس کا خالق و مقدر ہے، کی عظمت معلوم ہو جائے۔

میں نے دریافت کیا کہ ذات آدم کو ذات ملائکہ پر کس ذات آدم ذات ملائکہ سے افضل ہے

وجہ تفصیل ہے؟

اللہ شہید رہے تعالیٰ کہ کُلُّ مَنْ مَّا اَنْزَلَ جَسَدًا فَاَنْزَلَ مِنْهُ نَفْسًا مِّنْ اَمْرِ لَّهِ سِوَاكَ يَدْعُوْكَ بِمَا يَدْعُوْنَكَ

فرمایا: اس لیے کہ جس قدر اشیا اللہ تعالیٰ نے آدم میں پیدا کی ہیں اس قدر ملائکہ میں پیدا نہیں کی گئیں۔ اس کے برعکس جو کچھ بھی فرشتہ کی ذات میں ہے وہ سب کچھ آدمی کی ذات میں موجود ہے۔ زیادتی کے فرشتہ کی ذات نور سے ہے اور اس نور میں عقل رکھ دی گئی۔ بس اسی قدر فرشتہ کی ذات میں ہے مگر آدمی کی ذات میں یہ نور بھی ہے اور اس میں عقل بھی ہے اور روح بھی ہے اور اس میں مختلف قسم کی مٹی بھی ہے، لہٰذا بھی ہے، ہوا بھی ہے، پانی بھی ہے اور ان میں سے ہر چیز کے اندر قوت اللہ کے اسرار پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا ایک ذات میں ان سب چیزوں کا جمع ہوا جاتا ہے اسرار کو اس ذات میں قوی کر دیتا ہے۔ الحاصل ذات آدمی مختلف مخلوقات کا مجموعہ ہے اور دوسری کوئی ذات اس جیسی نہیں لہٰذا آدمی کی ذات تمامی ذات میں قوی تر ہوتی۔ اسی لیے جس قدر اسرار کی یہ متحمل ہو سکتی ہے فرشتہ کی ذات نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی صورت و شکل عطا فرمائی گئی کہ آپ کی ذات مبارکہ اسرار ربانی کی متحمل ہونے میں تمام مخلوقات سے قوی ترین تھی اگر آدمی کی ذات سے بڑھ کر کوئی اور صورت زیادہ قوی ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی شکل و صورت میں پیدا کیا جاتا ہے۔

مؤلف کہتا ہے کہ حضرت نے جو یہ فرمایا ہے کہ آدمی کی ذات تمامی ذات سے قوی تر اور خوبصورت ہے اس کی طرف امام قشیریؒ نے اسرار حسنیٰ کی شرح تفسیر میں اشارہ کیا ہے وہاں دیکھ لیں مگر حضرت نے زیادہ تفصیل سے بیان فرمایا تھا اور میں اس میں سے بہت کم تحریر کر سکا ہوں اور بہت سی باتیں تو حضرت کی زبان پر ہی رہیں۔

پھر فرمایا: باوجود اس کے کہ آدمی کی ذات تمامی ذات سے زیادہ خوبصورت ہے اللہ کے علم میں یہ بات تھی کہ ایک گروہ جنت میں جائے گا اور ایک دوزخ میں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی بصیرت اللہ تعالیٰ سے محبوب ہوگی اس لیے کہ اللہ نے پہلے تو اس ذات میں روح اور عقل ڈالی جو اس کا سر ہے اور اس معرفت الہی اور نور ایمان مع مشاہدہ کے اسی عقل کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اس ذات کے درمیان سے حجاب اٹھالیا تو اسے کمال طور پر اپنے خالق کی معرفت حاصل ہوگی

امام قشیریؒ: ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبداللہ بن طلحہ القشیری انیشاپوری الشافعی مشہور شافعی عالم اور زاہد گروہ ہیں۔ ان کی کتاب الرسالۃ القشیریۃ صوفیہ کے حالات اور مقامات و مقامات میں بڑی پایہ کی کتاب سمجھی جاتی ہے اگرچہ شرا نے ان پر اعتراضات کیے ہیں۔ یہ ۳۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۴۰ھ میں وفات پائی۔

مگر جب اللہ نے اپنے وعید کو نافذ کرنا چاہا تو اس ذات پر پردہ ڈال دیا جس سے وہ مشاہدہ جو اسے حاصل ہونا تھا ہوتا رہا اور اس کا تعلق اللہ سے منقطع ہو گیا۔ کاش کہ جب اللہ تعالیٰ سے یہ بے تعلق ہوئی تھی کسی اور سے اس کا تعلق قائم نہ ہوتا یہ اس کے لیے اس حالت سے بدرجہا بہتر ہوتا جس میں وہ پڑ گیا مگر اس نے اس نور عقل کے تار کی طرف نگاہ لگادی جو اس میں باقی تھا اور اس سے تعلق جوڑ لیا اور اسی کو ہر بات میں اپنا ٹیکہ اور سہارا بنایا جس کی وجہ سے اللہ سے اس کی بے تعلقی اور بڑھ گئی کیونکہ اس نے عقل کو اس نگاہ سے دیکھا کہ میری ہے اور مجھ ہی سے ہے اور ہر بات میں ذات ہی کی طرف رجوع کرتی ہے اس سے اپنے نفس کیساتھ استقلال اور اللہ تعالیٰ سے انقطاع اور بڑھ گیا۔ اگر ذات اس نگاہ سے دیکھتی کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور برنظر اللہ ہی اس کا محرک ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیتی اور زائل شدہ مشاہدہ دوبارہ حاصل ہو جاتا۔ الحاصل یہ کہ ذات نے ذات قدیم سے تعلق قطع کیا اور حادث سے تعلق قائم کیا۔ بہتر ہوتا اگر کبھی چیز سے بھی تعلق قائم نہ کرتی۔

حضرت نے فرمایا: جب ذات نے تدبیر امور میں اپنا تعلق عقل سے قائم کر لیا اور اپنے معاش اور لوگوں سے میل جول رکھنے میں اس پر سہارا کر لیا اور اللہ کو معلوم تھا کہ ذات راہِ راست سے یقیناً جھٹک جائے گی اس لیے اللہ نے رسول بھیجے تاکہ اسے معرفتِ الہی کی طرف لوٹا دیں چنانچہ جیسا انزل میں فیصلہ ہو چکا تھا ویسا ہی ظاہر ہوا اور کچھ لوگوں نے رسولوں کی بات مان لی اور کچھ نے نہ مانی۔ پہلا گروہ کسی حد تک عقل کے پیچھے گئے سے باز آ گیا مگر دوسرا گروہ پورے طور پر عقل سے چٹا رہا اور اس کی پوری پوری تابعداری کرتا رہا۔ میں نے سوال کیا: وہ کونسا حجاب ڈالا جاتا ہے جس سے مشاہدہ زائل ہو جاتا ہے؟ کیا یہ خون ہے جو غفلت کا سبب ہے یا کوئی اور چیز ہے۔

فرمایا: اور چیز ہے۔ یہ جہنم کی تاریکی ہے جو ذات کو ڈھانپ لیتی ہے اور اسے حق سبحانہ اور اس کی معرفت سے روک دیتی ہے۔

میں نے عرض کیا: اس تاریکی اور خون میں کیا نسبت ہے؟ فرمایا: نسبت تو کوئی نہیں مگر خون اللہ سے دوری بڑھاتا ہے اور تاریکی اللہ سے حجاب زیادہ کرتی ہے اس کے بعد آپ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ مثلاً ایک شخص کا صغیر سن بیٹا ہو جو اسے بہت عزیز ہو اور محبت و پیار میں انکھوں کا تار بنا ہوا ہو، اسے چپک چپ نکل آئے۔ یہاں تک کہ اس کے چہرے اور تمام بدن پر چھا جائے تو باپ کو اس پر ترس آئے گا۔ اس کا اہتمام کر لیا اور بیٹے کی مصیبت اس پر شاق گزرے گی۔ مگر جبکہ انہیں بلکہ بیٹے کی محبت اس پر غالب رہے گی چنانچہ وہ اس مرض سے نفرت نہ کر لیا اور اس

مرض کے باوجود اسے چومے گا اور سونگے گا۔ باپ پر سب کچھ اس لیے کرتا ہے کہ اس کے بیٹے کے درمیان
تعلق قائم ہوتا ہے۔ اگر فرض کریں کہ بچہ اور کا اور اجنبی ہو اور ان کے درمیان کوئی تعلق نہ ہو تو وہ شخص
اس سے نفرت کرے گا اور اس سے دور بھاگے گا اور اس سے پرہیز کرے گا۔ فرمایا: مومن اور کافر کے خون
کی یہی مثال ہے۔

اس کے بعد حضرت نے ان لوگوں کے متعلق فرمایا جنہوں نے رسولوں کی دعوت کو قبول کیا کہ ان
کے بھی دو گروہ ہیں ایک گروہ تو دعوت قبول کر کے ایمان بالغیب پر ٹھہر گئے اور فتح حاصل نہ کی یہ عامر بن
میں اور ایک گروہ نے دعوت قبول کی اور ترقی کر کے فتح تک جا پہنچے چنانچہ ان میں سے بعض لوگ فتح پر برتر
ہے اور بعض فتح پر انکڑ ٹھہر گئے جنہیں فتح دائمی رہی وہ ہر دم ترقی پر ہیں اور جو فتح پر ٹھہر گئے وہ ہر دم
تسزل میں ہیں پھر آپ نے اس کی مثال بیان فرمائی کہ مثلاً دو فقیر ایک مالدار کے پاس بھیک مانگنے کو آئیں جب
مانگنے کو ہاتھ بڑھائیں اور ہر ایک ایک درہم مانگے۔ ایک تو ایک درہم لیکر اسی پر قانع رہے اور دوسرا ایک
درہم لے کر اور مانگے اور مالدار اسے اور دیدے۔ جب ہم اس مالدار کو سنی فرض کر لیں اور یہ بھی مان لیں
کہ اس کے خزانے نہ کم ہونے والے ہیں نہ ختم اور پھر فرض کر لیں کہ یہ سائل ہمیشہ اور مانگتا رہے تو مالدار
کے عطیے کبھی بند نہ ہوں گے۔ یہی حال ان اولیاء کا ہے جنہیں دائمی فتح نصیب ہوتی ہے کہ یہ ہمیشہ اور ہر لحاظ
ترقی پر ہیں یہاں تک کہ موت کے نازل ہونے کے وقت بھی وہ ترقی پر ہوتے ہیں کیونکہ انہیں موت محسوس
ہی نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ ان کی عقلیں، ان کی روحیں اور ان کی ذوات غیر اللہ سے قطع تعلق کر چکی ہوتی
ہیں اور موت بھی غیر اللہ ہے اس لیے انہیں قطعاً موت کا احساس نہیں ہوتا۔
مؤلف کہتا ہے کہ یہ کلام اس کے قریب قریب ہے جو پہلے مذکور ہو چکا۔ کیونکہ ذات باقی کے لیے
جس کی روح قبض ہوگی اس کو یہ عرفی موت نہیں آتی اور یہی موت کی دوا ہے۔ واللہ اعلم۔

نواں باب

فتح ظلمانی اور فتح نورانی میں فرق۔ فتح نورانی کی قسمیں۔ مجذوب اور احمق میں فرق۔ باوجودیکہ دونوں عقل کو کھو بیٹھے ہوتے ہیں۔

وغیرہ!!

اس کتاب میں متفرق طور پر فتح کے متعلق بہت سی باتیں بیان ہو چکی ہیں۔ اس لیے یہاں انکے دوہرانے کی ضرورت نہیں۔ ان مقامات سے دیکھ لیں بالخصوص آیت **وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ لَئِنَّ اللَّهَ لَاصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ عَلَى نِسَاءٍ** اِنْعَامِیْنَ کے تحت میں امور باطلہ و فانیہ و ظلالہ کا مشاہدہ اور امور ثابتہ و باقیہ و نورانیہ کا مشاہدہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہو چکا۔ وہاں سے دیکھ لیں۔ اسی طرح جو شخص بیداری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار کا دعویٰ کرے اس مسئلہ کے ضمن میں بھی جو کچھ ہم پانچویں باب کے شروع میں سوال ثانی کے تحت لکھ آئے ہیں اسے بھی پڑھ لیا جائے۔ نیز جو کچھ **إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أَنْزَلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَبٍ** کے تحت لکھ آئے ہیں اس پر بھی غور کر لیا جائے کیونکہ اس کا تعلق اہل کمال کی فتح سے ہے۔ یہاں صرف وہ باتیں بیان کی جاتیں گی جن کا پسند و کرنا نہیں آیا اور اس کا تعلق اس باب سے ہے۔

حکماء و منجمین کو یہ علم میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ سقراط و بقراط و افلاطون و جالینوس وغیرہ حکماء اور فلاسفہ کفر نے عالم ملوی کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے نجوم اور ستاروں کہاں سے حاصل ہوا

زہرہ فلک سوم میں شمس فلک چہارم میں اور مریخ فلک پنجم میں، اور مشتری فلک ششم میں اور زحل فلک ہفتم میں وغیرہ۔ نیز ان کا یہ کہنا کہ قرآن سے یہ احکام نکلتے ہیں یا تقدیر فلک کے امور یہ علم ان کو کہاں سے حاصل ہوا حالانکہ یہ محض غیب ہے۔ اس لیے کہ ان باتوں کا ادراک نہ جو اس قسم کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے نہ عقل و فاعل سے اور وہ اس بارے میں یہ سند پیش کرتے ہیں کہ اللہ نے یہ علم بذریعہ وحی اپنے کسی نبی کو عطا کیا۔ اس سلسلہ میں جو کچھ سیدنا اورس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس تفصیل کے لیے کافی نہیں۔

علاوہ ازیں سیدنا اور شی کا زمانہ بہت بعید ہو چکا ہے اور اس علم کی سند کا تو اترا یقیناً منقطع ہے اور خبر واحد اس جگہ مفید و کافی نہیں اس لیے کہ یہ خبر دہندہ اگر فلاسفہ میں سے ہے تو وہ اہل کفر میں سے ہے حالانکہ خبر واحد صرف ثقہ راوی سے قبول کی جاتی ہے اور اگر خبر فلسفی نہیں کوئی اور ہے تو اس کے مسلمان یا غیر مسلم ہونے کا پتہ نہیں۔

فرمایا حق تعالیٰ نے حق اور نور پیدا کیا اور اہل حق اور اہل نور بھی پیدا کیے۔ اسی طرح ظلمت اور باطل کو پیدا کیا اور ان کے لیے بھی اہل ظلمت اور اہل باطل کو پیدا کیا چنانچہ اہل ظلام کو ظلمتوں، ظلمتوں کی معرفت اور ان تمام امور کی جن سے ظلمتوں کا تعلق ہے فتح عطا کی جاتی ہے اور اہل حق کو حق کی فتح اور اس کے متعلقہ امور کی معرفت عطا کی جاتی ہے۔ حق بات یہ ہے: اللہ پر ایمان لانا، اس کی ربوبیت کا اقرار کرنا، اس بات کی تصدیق کرنا کہ اللہ جو سہا ہوتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے نیز ایمان لانا انبیاء و رسل پر اور اللہ کے فرشتوں پر اور ان تمام اشیاء پر جن کو اللہ کی رضا و خوشنودی سے تعلق ہے اور ظلام تام ہے کفر کا اور ہر اس چیز کا جو اللہ سے قطع تعلق کرنے والی ہے اور منجملہ ان کے خود دنیا اور فانی امور اور دینیوی حوادث اور واقعات ہیں۔ اس کے لیے یہی کافی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت کی ہے چنانچہ آنحضرت فرماتے ہیں: **اَلْاٰثِمُ الْمَلْعُوْنَةُ الْمَلْعُوْنُ مَا فِيْهَا** **اِلَّا ذِكْرُ اللهِ وَ مَا وَاَلَا تُحَدِّثُ** (دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے ذکر اللہ کے اور ان چیزوں کے جو ذکر کے تحت میں آتی ہیں) اور حق اللہ سبحانہ کے انوار میں سے ایک نور ہے جس سے اہل حق کی ذوات کو سیراب ہوتی ہیں جس سے معارف کے انوار ان کی ذوات میں چمک اٹھتے ہیں اور باطل ظلمت ہے جس سے اہل باطل کی ذوات سیراب ہوتی ہیں جس سے ان کی عقلیں سیاہ، حق کے دیکھنے سے ان کی آنکھیں اندھی اور حق کے سننے سے ان کے کان بہرے ہو جاتے ہیں بلکہ حق کا خیال نہ ان کی عقلوں میں اور نہ ذہنوں میں آتا ہے۔ ان کے نزدیک تو حق ایک معدوم شے کا نام ہے جو کبھی سننے میں نہ آتی ہو لہذا حق سے ان کی فطرت ایسی ہوتی ہے جیسے ذوی العقول معدوم اشیاء سے غافل ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اہل باطل کو اس دنیا کے آسمان اور زمین کے مشاہدہ کی فتح نصیب ہوتی ہے مگر انہیں صرف ان امور فانیہ کا مشاہدہ ہوتا ہے جو اجرامِ حادثہ اور ان کی سمیت سے تعلق رکھتے ہیں جیسے کہ احکامِ نجوم میں ذکر کئے جاتے ہیں مثلاً فلان ستارہ کا مقام فلان فلک میں ہے اور یہ کہ جب اس کو قرآنِ فلان ستارہ سے ہوتا ہے تو ایسا ہوتا ہے یا مثلاً یہ کہ عربی زبان بروجِ عقرب کی طرف منسوب ہے اور فارسی زبان مریخ کی طرف وغیرہ وغیرہ۔

یہ انہیں قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ نور جو وہاں سے بھیل کر قبر برزخ تک جا پہنچتا ہے یا مثلاً
 ادباً۔ عارفین کی ذوات مبارکہ یا ارواحِ مومنین جو معنہائی قبور میں ہیں یا مثلاً ملائکہ، محافظینِ کرام، تائین
 اور وہ فرشتے جو اپنی باری پر آتے رہتے ہیں اور اس کے علاوہ اسرارِ حق جو وصول الی اللہ کا سبب و ذریعہ
 ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں رکھ دیا ہے۔ یہ تمام چیزیں ان پر نہیں نکلتیں اور نہ یہ چیزیں کبھی ان کی
 عقل میں آتی ہیں۔ اس کا سبب یہی ہے کہ حق تعالیٰ نے انہیں ظلمتوں سے سیراب کیا ہے اور حق کی معرفت
 سے انہیں بالکل بے تعلقی بنا رکھا ہے۔ لہذا انہیں تک کہ اگر کوئی اہلِ باطل کسی تختی کو دیکھے جس میں کلام اللہ لکھی ہوئی
 ہو ایسی کلام جو نور اور سینوں کے امراض کی شفا ہے تو یہ شخص اپنی تاریک بصیرت سے صرف تختی کا برم
 ہی دیکھ سکے گا۔ کلام پاک کے کچھ ہوتے حروف اسے دکھائی نہ دیں گے اسی طرح اہلِ ظلام کو حق سبحانہ
 کے وہ اسرار دکھائی نہ دیں گے جو اللہ تعالیٰ نے آسمان میں وضع کر رکھے ہیں اور نہ ہی کسی فرشتہ کو دیکھ سکیں گے
 اور نہ ہی ان کی تسبیح کو سن سکیں گے اور نہ ہی حجت، اہلِ لوح اور نہ ان انوار کا مشاہدہ کر سکیں گے

اب جو علم سے خارج ہوتے ہیں اور نہ ہی حق سبحانہ کو پہچان سکیں گے جو ان کے خالق
 ہیں۔ مختصر یہ کہ حق سبحانہ نے انہیں اپنی ذات اور ہر چیز سے محجوب کر رکھا ہے جو اللہ تک پہنچنے کا سبب
 ہو اور ان پر وہ تمام امور کھول دیے جالتے ہیں جو ان کے لیے مضر اور غیر مفید ہوں۔ لہذا عالمِ علوی کے
 متعلق فلاسفہ کی اطلاع اسی قسم کی ہے اور اس سلسلہ میں وہ جو کچھ بھی حکم لگاتے ہیں سب خطا ہے اس
 لیے کہ وہ ان احکام کو نجوم کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ ان کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے جو نجوم کا خالق ہے
 اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی طرف سے فرماتے ہیں بعض میرے بندے مجھ پر ایمان رکھتے ہیں اور
 بعض کافر ہیں۔ چنانچہ جو یہ کہتا ہے کہ ہم پر اللہ کے فضل و رحمت سے بارش نازل ہوئی تو یہ شخص مجھ پر ایمان
 رکھنے والا اور کوکب پر ایمان لانے سے انکار کرنے والا ہے مگر جو یہ کہے کہ ہمیں فلاں ستارہ کے گرنے کی
 وجہ سے بارش ہوئی تو یہ شخص مجھ سے کفر کرنے والا اور ستاروں پر ایمان رکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فلاسفہ
 کو اپنی معرفت سے حجاب میں ڈال رکھا ہے اور ان کی عقلوں کو کوکب کی طرف لگا رکھا ہے تاکہ اسی میں
 لگے رہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کا مدعا زل ان پر جاری ہو۔ علاوہ ازیں احکامِ نجوم کا جو ربط ایہ لوگ بیان کرتے
 ہیں اگرچہ یہ درحقیقت اللہ کے فعل سے ہی ہوتا ہے پھر بھی اس کا صرف ایک حصہ درست نکلتا ہے
 اور اکثر و بیشتر حصہ غلط نکلتا ہے۔

مگر اہلِ حق کو دونوں طرح کی فتح نصیب ہوتی ہے۔ پہلی قسم کی فتح تو ان تمام امور کی فتح ہے جو اہلِ ظلام کو
 اس دنیا کے آسمان و زمین کے متعلق حاصل ہوتی ہے چنانچہ ولی کو اس فتح سے ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں

کا اور ان تمام چیزوں کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں پائی جاتی ہیں اور وہ ان تمام افعال کا بھی مشاہدہ کرتا ہے جو لوگ اپنے گھروں اور محلوں میں کرتے ہیں۔ صاحب فتح ان کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتا بلکہ اپنی چشم بصیرت سے دیکھتا ہے جس کے سامنے نہ کوئی پردہ مائل ہو سکتا ہے اور نہ کوئی دیوار اسے روک سکتی ہے۔ اسی طرح صاحب فتح آئندہ آنے والے واقعات کو دیکھ لیتا ہے مثلاً یہ کہ فلاں ماہ یا فلاں سال میں یوں واقع ہوگا۔ اسی قسم کی فتح میں اہل غلام کسی حد تک برابر ہوتے ہیں اسی لیے کہتے ہیں کہ کشف ولایت کا کمزور ترین مرتبہ ہے، کیونکہ کشف اہل حق اور اہل غلظت دونوں کے ہاں پایا جاتا ہے اور اس قسم کی فتح والے کے لیے جب تک کہ وہ اس مرحلہ سے نکل کر اگلے مرتبہ اور مقام تک نہ پہنچ جاتے ہوتے خطرہ رہتا ہے کہ کہیں حق سبحانہ سے تعلق منقطع ہو کر وہ اہل غلظت سے نہ جا ملے۔

دوسری قسم کی فتح یہ ہے کہ اسے اسرار حق کا مشاہدہ حاصل ہو جن سے اہل غلظت کو حجاب میں رکھا گیا ہے چنانچہ صاحب فتح ادیار عارفین کا مشاہدہ کرتا ہے اُن سے باوجود توجہ مسامت کے اس طرح باتیں کرتا ہے جس طرح ایک ہمنشین دوسرے ہمنشین سے۔ اسی طرح وہ قیروں کے اوپر اروح مومنین کا مشاہدہ کرتا ہے۔ نیز کرام کاتبین، ملائکہ، برزخ اور برزخ کی میت اروح کا مشاہدہ کرتا ہے اور اسے قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور نور کے اس عمو کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے جو مزار مبارک سے نکل کر قبر برزخ تک جاتا ہے چنانچہ جب اسے بیدار الٰہی میں ذات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ حاصل ہو جاتا تو شیطان کے تعاقب سے محفوظ ہو جاتا ہے کیونکہ اسے

رحمت الٰہی میں اجتماع حاصل ہو گیا ہے یعنی سیدنا ونبینا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کا اجتماع حق سبحانہ کی معرفت اور اس کی ذات ازل کے مشاہدہ کا سبب بنتا ہے لہٰذا امام شعرانی نے کئی ایک ادیار ذکر کیا ہے جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ بیداری کے عالم میں آتا تھا اور انہوں

نے خود اس کا ذکر بھی کیا مثلاً شیخ محمد بن ابی جبر (رح: ۱ ص ۱۳۸) شیخ عبداللہ بن ابی جبر (رح: ۱ ص ۱۵۰) شیخ ابوالعباس المرکی (رح: ۲ ص ۱۲) اور شیخ ابوالوامض شاذلی (رح: ۲ ص ۴۲ تا ۴۳) بزرگوں نے اس کے متعلق کتابیں بھی لکھی ہیں چنانچہ محمد بن ابراہیم المعروف بجلی زاوہ المنفی متوفی ۷۹۰ھ نے حور الخیام عند راء قوسی الہیام فی روضۃ خیر الانام فی الیقظۃ کما فی المنام لکھی ہے (کشف الغلظت ج: ۱ ص ۲۴۹) اور شیخ یوسف بن یعقوب الخوکی شیخ الحرم النبوی نے ترکی زبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے متعلق تنبیہ الغیبی فی روضۃ السنبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھی (کشف الغلظت ج: ۱ ص ۲۵۵) اور شیخ عبدالرحمن بن محمد بسطامی نے درۃ النقاد فی روایۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی خیال الرقاد لکھی ہے (کشف الغلظت ج: ۱ ص ۳۲۴)

اس لیے کوئی دیکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریفہ حق سبحانہ میں مستغرق اور اس کے مشاہدہ کے لیے فریفتہ ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریفہ کی برکت سے ولی کا تعلق ہمیشہ حق سبحانہ سے رہتا ہے اور وہ بتدریج ترقی کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے مشاہدہ حق، اسرار معرفت اور انوار محبت حاصل ہو جاتے ہیں۔ یہی دوسری قسم کی فتح اہل حق اور اہل باطل کے درمیان امتیازی علامت ہے کیونکہ پہلی قسم کی فتح تو جس طرح اہل حق کو حاصل ہوتی ہے، اہل باطل کو بھی حاصل ہوتی ہے چنانچہ اہل باطل کو بھی مشاہدہ حاصل ہوتا ہے اور وہ ان میں تعریف کرنے پر قادر ہو جاتے ہیں لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ وہ پانی پر چل سکتا ہے اور ہوا میں اڑ سکتا ہے اور غیب سے اسے رزق بھی آتا ہے حالانکہ وہ اللہ کا منکر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نور کو پیدا کیا ہے اور نور سے فرشتوں کو پیدا کیا اور اہل نور کے لیے کچھ مددگار و معاون بھی مقرر کر دیے جو توفیق، سیدھی راہ چلنے اور کرامات کرنے میں ان کی مدد کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ نے ظلمتیں پیدا کیں اور ان سے شیاطین کو پیدا کیا اور شیاطین کو اہل باطل کا مددگار بنا دیا تاکہ وہ ان کے لیے استدراج اور مزید خسارہ کے باعث بنیں اور خالق عادت کرنے میں ان کی مدد کریں۔

ابراہیم خواص م ۲۹۱
اور یہودی کا قصہ

حضرت نے فرمایا کہ اس یہودی کی حکایت جو ابراہیم خواص کے ساتھ تھا، اسی پر متفرع ہوتی ہے۔ اس طرح کمان کا کشتی میں ساتھ ہو گیا اور ایک دوسرے سے تعارف ہونے کے بعد وہ ایک دوسرے کے رفیق بن گئے چنانچہ یہودی نے کہا اگر تیرا دین سچا ہے تو سمندر پر چل کر دکھا اور میں بھی چل کر دکھاتا ہوں چنانچہ یہودی نے پانی پر چلنا شروع کر دیا۔ ابراہیم خواص نے دل میں کہا اگر مجھ پر یہودی غالب آگیا تو آج ذلت ہو گئی۔ یہ کہہ کر سمندر میں کود پڑا اور یہودی کی طرح پانی پر چلنے لگا۔ اس کے بعد وہ سمندر سے نکل آئے تو یہودی نے ابراہیم خواص سے کہا میں اس سفر میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا تمہاری مرضی۔ یہودی نے کہا اس شرط پر کہ نہ تو ہم مسجد میں داخل ہوں کیونکہ مجھے مسجد پسند نہیں اور درگاہ میں اس لیے کہ وہ مجھے پسند نہیں اور نہ شہر میں جاتیں تاکہ لوگ یہ نہ کہیں دیکھو ایک مسلمان اور ایک یہودی کا باہم ساتھ ہے۔ لیکن ہم جنگلوں اور پہاڑوں میں سفر کریں گے اور اپنے ساتھ کوئی زاد راہ بھی نہیں لے گے۔ ابراہیم نے کہا: ایسا ہی کر لو۔

لے لیا کشتی ابراہیم بن اسماعیل الخواص، ادیار کبار میں سے تھے اور نجد اندھڑی کے پار کے آدمی تھے تو کل ان کا خاص من تھا چنانچہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علیہ السلام نے اور مجھے ساتھ رہنے لگا مگر میں نے اس کے ساتھ نہم کہیں ان سے مانوس ہو کر میں تو کل ہی نہ چھوڑ بیٹھوں۔ ان کی وفات ۲۹۱ھ میں ہوئی۔

چنانچہ دونوں جنگوں میں نکل گئے اور تین دن تک انھوں نے کچھ نہ کھایا۔ چنانچہ وہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک کتا پل کر یہودی کی طرف آیا اور اس کے منہ میں تین روٹیاں تھیں جو اس نے یہودی کے سامنے ڈال دیں اور چلا گیا۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ اس یہودی نے مجھے کھانا پیش کیا، مگر میں نے نہ کھایا اور میں بھوکا رہا۔ اس کے بعد میرے پاس ایک نہایت ہی خوبصورت اور خوشبو سے مکتا ہوا نوجوان آیا جس کے پاس اس قسم کا کھانا تھا کہ کبھی دیکھنے میں نہ آیا ہوگا۔ اس نے وہ کھانا میرے سامنے رکھ دیا اور چلا گیا۔ میں نے یہودی کو کھانے کی دعوت دی مگر اس نے انکار کر دیا۔ میں نے کھانا کھایا۔ یہودی نے کہا میرا اور تیرا دین دونوں حق ہیں۔ دونوں اللہ تک پہنچاتے ہیں اور دونوں کا ثمر بھی ہے مگر تمہارا دین زیادہ رقیق ہے، زیادہ لطیف اور خوشنما ہے لہذا مجھے اجازت ہو تو میں اس میں داخل ہو جاؤں چنانچہ وہ یہودی مسلمان ہو گیا اور محققین صوفیہ میں سے ہوا۔ ابو نعیم نے علیہ میں یہ حکایت ابراہیم خواص کے تذکرہ میں اسی طرح دی ہے۔

میں نے حضرت سے اس یہودی کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔ ان سے تو شیطانی کھیل کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی عبارت کا ثمر ہے۔ اس کے بعد حضرت نے وہی پہلی بات دہرائی کہ اہل حق کا کیا حال ہے اور اہل باطل کا کیا۔ واللہ اعلم۔

حضرت نے فرمایا کہ فلسفہ اور عالم علوی کے احکام کی اصل یہ ہے کہ حضرت فلسفہ اور نجوم کی اصل ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ایک آدمی ان پر ایمان لایا اور آپ کو جو شاہدے حکومت سلطنت وارض کے ہوا کرتے اور ان کے متعلق جو باتیں آپ ذکر فرمایا کرتے، ان کو وہ سناتا تھا۔ چنانچہ ہوتے جوتے اسے بھی فتح نصیب ہو گئی اور جو کچھ اس نے دنیا کا مشاہدہ کیا وہیں ٹھہر گیا اور حق سچا سے متعلق منقطع کر لیا اور خیر اللہ فی الآخرة کا مصداق بن گیا۔ عالم علوی کا مشاہدہ کر کے وہ ان پر بہت اترا تا۔ ستاروں کے منازل کا ذکر کر کے ان پر احکام کا ربط قائم کرتا اور وہ دین ابراہیم سے پھر گیا جن لوگوں کو اللہ نے رسوا کرنا چاہا انہوں نے یہ علم اس شخص سے سیکھ لیا اور ہوتے جوتے فلاسفہ ملعون تک پہنچا حضرت نے فرمایا کہ وہ شخص سخت عذاب میں مبتلا ہوا اس لیے کہ اس نے لوگوں کو غیر اللہ کی راہ دکھائی اور

ابو نعیم: ابو نعیم مصنفانی۔ ان کا تذکرہ اولیا جس کا نام علیہ الادبیا ہے صوفیہ میں بہت مقبول ہے ۳۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور ان کی وفات ۳۳۲ھ ۳۳۸ھ میں ہوئی۔ مصنفان کے لوگوں نے انہیں مصنفان سے نکال دیا اور جامع مسجد میں بھی بیٹھنے سے روک دیا تھا۔ انھوں نے علیہ تمام کی تمام زبانی لکھائی جبکہ ان کی عمر اسی برس سے متجاوز ہو چکی تھی۔ یہ دراصل حدیث کی کتاب ہے۔

جو غیر اللہ کی راہ دکھائے گا وہ لوگوں کا تعلق اللہ سے توڑ دے گا۔

حضرت نے فرمایا: کہ رسالت اور نبوت کا ایک ہی خاصہ فائدہ ہے اور وہ اللہ کی راہ بتانا اور لوگوں کو اللہ پر جمع کرنا ہے۔ فرض کرو کسی کو نبوت و رسالت دی جائے اور وہ بغرض محال غیر اللہ کا راستہ دکھائے یا لوگوں کو اپنا گرویدہ بنائے اور اللہ سے لوگوں کا تعلق توڑنے لگے تو اس کا حکم ہم اسی مذکورہ شخص کا سا ہوگا۔ حالانکہ نبی سے ایسا ہونا قطعاً ناممکن اور محال ہے مگر ہم نے اسی امر محال کو فرض کے درجہ میں محض غیر اللہ کی طرف راہ دکھانے سے نفرت دلانے کے لیے اس قدر مبالغہ سے بیان کیا ہے۔

اس کے بعد ہم فاس کے دروازے باب الحدید کے پل پر چل رہے تھے کہ حضرت نے فرمایا: اہل پل کا کیا فائدہ ہے؟ میں نے عرض کیا: تاکہ اس پر چل کر دریا کی گہرائیوں سے نجات پائیں اور چلنے والے دوسری طرف کی زمین تک جا پہنچیں۔

پھر فرمایا: فرض کرو اگر پل کا یہ فائدہ نہ رہے تو پھر یہ پل محض نقصان دہ ہوگا۔ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔

حضرت نے فرمایا: انبیاء و مرسلین، ملائکہ مقربین اور عباد اللہ الصالحین کا بھی یہی حال ہے کہ ان سے فائدہ اللہ کی طرف راہبری کرنا اور لوگوں کو اللہ پر لایع کرنا ہے اور اگر یہ فائدہ اٹھ جائے تو ان کا حال بھی پل کا سا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

حضرت نے فرمایا کہ کالمین اہل حق سے اگر آئندہ آنے والے حوادث کے متعلق سوال کیا جائے تو اس کے متعلق بہت کم بات کریں گے اس لیے کہ یہ ان کا پہلا مشاہدہ ہوتا ہے اور حق سبحانہ کا مشاہدہ

اس کے بعد انہیں حاصل ہوتا ہے لہذا پہلے مشاہدہ کو وہ باطل سمجھتے ہیں اس لیے وہ زنا سے پسند کرتے ہیں اور زنا کے متعلق گفتگو کرنا پسند کرتے ہیں۔ نیز اس لیے بھی کہ دنیا اور دنیوی واقعات اللہ کے ہاں ناپسند کئے جاتے ہیں۔ لہذا جسے اللہ ناپسند کرے اسے یہ لوگ بھی ناپسند کرتے ہیں اور جب ان واقعات کے متعلق زبان کھولتے ہیں تو اپنے مقام سے نیچے اتر کر کھولتے ہیں۔ ایسے سمجھ لو جیسے کوئی تریا سے اتر کر تریا میں آ پہنچا ہو کہ حوادث دنیا کا درجہ تو اہل غلام کا درجہ ہے۔

نیز اس لیے کہ کالمین کو مشاہدہ حق سبحانہ کے انوار کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے اور نور حق میں زمان و مکان اٹھ جاتا ہے اسی لیے وہاں زمانی ہوتا ہے نہ حال اور نہ مستقبل۔ لہذا دلی کو نور حق

کے زیریہ سے زیادہ سے زیادہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ فلاں حادثہ یقیناً واقع ہوگا۔ اس بات کی فتح کہ وہ حادثہ فلاں دن واقع ہوگا، انہیں اسی صورت میں حاصل ہوتی ہے جب وہ اتر کر اس مقام تک پہنچ جائیں جہاں زمانہ اور زمانہ کی ترتیب کا اعتبار کیا جائے اور یہ نور حق کے مقابلہ میں ان کے نزدیک حکمت ہے۔ ایسا کرنے والے کی مثال سورج کی سی ہے جب وہ اپنے آسمان سے اتر کر زمین پر آجائے اور اپنی آنکھوں کے سامنے آئینہ کو رکھ کر اس میں دیکھنے لگے۔

میں نے عرض کیا حق سبحانہ کو آئندہ آنے والے واقعات اور ان کی ترتیب کا علم ہے اسے مہنی حال اور آئندہ جو کچھ ہونے والا ہے سب کا علم ہے اور ولی چونکہ نور حق سے دیکھتا ہے اس لیے اسے بھی درجہ ظلمت تک اترنے کے بغیر ان امور کا علم ہونا چاہیے۔

حضرت نے فرمایا چونکہ حق سبحانہ کا علم ہر چیز پر محیط ہے اس لیے انہیں ان تمام امور کا علم ہوتا ہے اور حق تعالیٰ قوی ہیں اور بندہ ضعیف ہے۔ مختصر یہ کہ اللہ پر بندہ کا قیاس نہیں ہو سکتا اسی لیے حضرت خضرؑ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا یرب اور تمہارے علم کی وجہ سے اللہ کے علم میں اسی قدر کمی واقع ہوتی ہے جس قدر کہ سمندر میں سے چڑیا کے چوہنچ بھرنے سے واقع ہو۔

فرمایا: بعض اوقات ولی آئندہ آنے والے حوادث کا ذکر کرتا ہے تو اپنے درجہ سے اتر کر ان کا ذکر کرتا ہے لیکن یہ معصیت نہیں البتہ اس میں کم ہمتی اور بلند مقام سے تہ نہ منزل ضرور پایا جاتا ہے اور اگر آنحضرتؐ کی خدمت میں ہوتے ہوئے حوادث و ہر کی خبر دینا شروع کر دے تو بے ادبی بھی ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ واقعات و حوادث کے متعلق پیش گوئی کرتے ہیں اس کے باوجود وہ بیت سے اویار کامل جب ان امور کا ذکر کرتے ہیں تو اس لیے کرتے ہیں کہ تقدیر کے حکم کا ان پر غلبہ ہوتا ہے اور یہ کہ حق تعالیٰ جو کام کرنا چاہتے ہیں اس میں انہیں تصرف عطا کرتے ہیں کیونکہ لایا اللہ حق کے مظاہر ہیں۔

مؤلف لکھتا ہے کہ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگوں کو ادبیاء کی معرفت اور صحبت سے ضرر پہنچتا ہے معرفت سے تو اس لیے کہ اکثر لوگ فتح رحمانی اور فتح شیطانی میں فرق نہیں کرتے اور خیال کرتے ہیں کہ مردہ کشف جو ان کے علم سے باہر ہو اور وہ خارق عادت جو ان کی طاقت سے باہر ہو وہ اس شخص کے کامل اہل حق اور ولی ہونے پر دلالت کرتا ہے جس کے ہاتھوں وہ خارق عادت ظاہر ہو چنانچہ ایک فریق صاحب کشف لوگوں کی ولایت کا معتقد ہے اور اسی کو انتہا سمجھتا ہے جو بظاہر

ناز روزہ کے پابند ہوں خواہ ان کا باطن حق سے خالی اور غیر اللہ کی طرف ہی لگا ہو۔

دل کی صحبت سے فراس لیے ہوتا ہے کہ بعد ازاں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو ایک دل کا دل کی صحبت عطا کی ہے وہ اس دل سے پہلے مطلب کو برعکس کر دینا چاہتا ہے کیونکہ دل کی صحبت کا اصل مقصد تو معرفت الہی ہے اور یہ کہ دل اسے ان تمام امور سے بچائے جو اللہ سے قطع تعلق کر دیتے ہیں اور جب دنیا اور اس کی زریب وزینت کی طرف میلان اللہ سے قطع تعلق کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے لہذا جب کوئی انسان ولی سے حاجات کے پورا کرنے کا مطالبہ کرے اور دنوں تک بلکہ سالہا سال تک ایسا کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کی معرفت کے تعلق قطعاً سوال نہ کرے تو وہ دل اس سے ناراض ہو جاتا ہے لہذا اگر شخص کسی مصیبت کے نازل ہونے سے بچ جائے تو غنیمت سمجھو۔ اس کی کسی وجہ میں۔ پہلے تو یہ کہ ولی کے ساتھ اس کی صحبت اللہ کے لیے نہیں بلکہ اوپر ہی سی صحبت ہے جو خسران میں اس کا سبب ہے جس کے ساتھ ساتھ وسوسے ہوتے ہیں اور شیاطین حاضر ہوتے ہیں اور اس صحبت پر فوراً حق کبھی نازل نہیں ہوتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دنیا سے اس کے تعلق کی وجہ سے ولی دیکھتا ہے کہ اس کا تعلق اللہ سے کٹ چکا ہے لہذا وہ اسے اس بے تعلقی سے نہایت دلانا چاہتا ہے مگر انسان اس بے تعلقی کو بڑھانا چاہتا ہے تیسرے یہ کہ جب ولی اس کی حاجت براری میں اس کی موافقت کرتا ہے اور اس کے لیے کچھ کشف کی باتیں بیان کرتا ہے تو انسان کو دھوکا لگ جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ ولی سے یہی مانگنا چاہیے۔ حالانکہ یہ تمام گمراہی اور وبال کی باتیں ہیں۔

حضرت نے فرمایا: دل کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کھار ہو اور وہ برتن بنانے میں ہاتھوں اور اعضا کو حرکت دیتا رہے اور اس کے باوجود اس کے پاس وہ خزانے ہوں جن کی لوگوں کو ضرورت ہے مثلاً رزق وغیرہ اور ان خزانوں کے ہونے کے باوجود اس کا دل ان سے متفرق ہے نہ اسے کبھی ان کا خیال آتا ہے اور نہ انہیں کوڑی کے برابر بھی سمجھتا ہے۔ اس کی یہی خواہش ہو کہ وہ اپنے غرور اور ظروف سازی کے متعلق باتیں کرتا رہے اور جو شخص اس سے کسی اور بات کے متعلق گفتگو کرے وہ اس سے بدت ہی نفرت بلکہ بغض رکھے یاں تک کہ خطرہ ہو کہ کہیں اس متکلم کو اس شخص سے نقصان نہ ہو جائے پس اگر اس کے پاس دو شخص آئیں جنہیں اس کی حالت کا علم ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ وہ ظروف سازی کے سو کسی اور بات میں گفتگو کرنے کو ناپسند سمجھتا ہے اور دونوں اس سے کچھ خزانہ حاصل کرنا چاہیں تو دونوں میں سے عقلمند وہ ہوگا جو اس سے ظروف سازی

کے متعلق گفتگو کرے گا کہ برتن کیسے بنائے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ شخص اس سے محبت کرنے لگ جائے۔ اب اس کے بعد اگر یہ شخص اس سے کچھ خزانہ مانگے تو وہ آسانی سے اسے دے دے گا اور اسے کوئی ضرر نہ پہنچے گا اور غیر موقوف وہ شخص ہوگا جو آتے ہی اس سے خزانے مانگنے لگ جائے اور انہی کے متعلق باتیں کرے تو یہ شخص اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھے گا اگر وہ شخص برتن مار کر اس کا سر نہیں پھوڑ دیتا۔ اسے جان بچانے کو یہی غنیمت سمجھنا چاہیے۔

یہی حال ولی کا ہے۔ اللہ کی معرفت اور ان چیزوں کی معرفت کے سوا جو اللہ تک پہنچائیں نہ کوئی اس کا پیشہ ہے اور نہ کوئی صنعت۔ وہ کسی اور بات میں نہ کلام کرنا چاہتا ہے نہ کوئی اور صحبت اور مجلس اس کو بھاتی ہے، خدا تک پہنچنے کے سوا کوئی اور اس کا مقصد نہ، اور نہ کسی اور کا قرب حاصل کرنا اس کی خواہش ہے لہذا جس شخص نے ان باتوں کے لیے دلی سے معرفت حاصل کی، اس نے دنیا و آخرت کا فائدہ حاصل کر لیا اور جس نے کسی اور غرض سے ولی سے معرفت حاصل کی وہ اس کے برعکس ہوگا۔

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ حوادث دنیا کیوں باطل قرار دیئے گئے ہیں حالانکہ یہ امور واقعی ہیں جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں اور جو اس کے ذریعہ سے ان کا ادراک بھی ہوتا ہے اور باطل تو وہ ہے جس کی اصل و حقیقت نہ ہو۔

حضرت نے دیوار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کیا ہم اس دیوار کا مشاہدہ نہیں کر رہے حالانکہ یہ دیوار فانی ہے اور زائل ہونے والی ہے اور ہم اس کے رب کو نہیں دیکھ سکتے جو اس کا پیدا کرنے والا اور اسے اپنی قدرت سے کھڑا رکھنے والا ہے حالانکہ وہ دائمی زندہ اور اسے فنا ہے اور نہ موت اور وہ ہم سے شریک سے بھی زیادہ قریب ہے اور وہ ہمارا خالق بھی ہے اور عیا چاہے ہم میں تصرف بھی کر سکتا ہے لہذا اسی قسم کی دیوار کا مشاہدہ جو نہ سود مند ہے نہ ضرر رساں حتیٰ بعد از کے عدم مشاہدہ کے مقابلہ میں ایک باطل مشاہدہ ہے اور یہ بطلان اخافی امر ہے یعنی جس چیز کا ہم مشاہدہ کر رہے ہیں وہ اس چیز کے مقابلہ میں جس کا ہم مشاہدہ نہیں کر رہے کا عدم ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حروف دیکھنے کے بغیر لوح کا مشاہدہ باطل مشاہدہ ہے لہذا جس پر اللہ کی رحمت ہو جائے اسے اللہ تعالیٰ اپنی ذات بلند اور صفات و افعال پاک کا مشاہدہ کرا دیتے ہیں اور اس کا تعلق اللہ سے ہو جاتا ہے اور اسے ایسی زندگی عطا ہو جاتی ہے جس کے بعد نہ کوئی بد بختی ہے اور نہ کوئی موت

اس لیے کہ جب فانی کا باقی سے تعلق ہو جاتا ہے تو اس کی بقا کی وجہ سے اسے بھی بقا نصیب ہو جاتی ہے۔ حضرت نے اسی قسم کی اور باتیں بیان فرمائیں جن کی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے اللہ اعلم
فتح اول میں اہل حق اور اہل باطل میں فرق
مشترک ہوتے ہیں مگر ان کا مقصد الگ الگ ہوتا ہے کیونکہ اہل باطل کو فتح عطا کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے دروازے سے دھکیل دیا جائے اور اس کے دروازہ سے روک دیا جائے کیونکہ ان پر اللہ کا غضب ہے اور اللہ نے انہیں اپنے سے کاٹ کر غیر سے تعلق قائم کر دیا ہے اور دھیل دینے اور استدراج کی غرض سے اللہ تعالیٰ خوارقِ عادت سے ان کی مدد فرماتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں کہ وہ بھی کچھ ہیں۔

اور اہل حق کو یہ فتح عطا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تاکہ انہیں اللہ سے اور محبت ہو اور انہیں ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ تک ترقی دے۔ اس طرح کہ اللہ نے ان کے لیے دروازہ کھول دیا ہوتا ہے حجاب کو دور کر دیا ہوتا ہے اور ان کے دلوں کو اپنی ذات کی طرف لگا رکھا ہوتا ہے لہذا اللہ تم ان کی ان خوارق سے مدد فرماتے ہیں تاکہ ان کی بصیرت قوی اور معرفت مضبوط ہو جاتے جیسا کہ انہی فرماتے ہیں: فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاَزَادَتْهُمْ اِيْمًا تَاَدُّهُمْ يَنْتَبِشُرُوْنَ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ تَلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَاَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاَزَادَتْهُمْ اِيْمًا تَاَدُّهُمْ يَنْتَبِشُرُوْنَ۔ پس جو لوگ ایمان لاتے ہیں آیاتِ قرآنیہ نے ان کا ایمان بڑھا دیا اور وہ خوش ہیں مگر جن کے دلوں میں سلوک کا مرض ہے تو آیتوں نے ان کی پیدید پر پیدید بڑھا دی اور وہ اسی پر جمے رہے تاکہ کفر کی حالت میں رہے۔

بعض اوقات چھوٹے ولی کو بڑے حضرت نے فرمایا کہ بعض اوقات چھوٹے ولی کو حوادث کا مکاشفہ نسبت بڑے ولی کے زیادہ ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ بڑا ولی ان حوادث سے غافل

ہو کر اس سے زیادہ تو کی چیز یعنی مشاہدہ حق میں مشغول ہوتا ہے برخلاف چھوٹے ولی کے کہ اس کا ارادہ ہی انہی کا ہوتا ہے کیونکہ اس کے مشاہدہ کا محل وہی ہے۔ اور اگرچہ اسے بھی مشاہدہ حق میں حاصل ہوتا ہے مگر وہ بڑے ولی جیسا نہیں ہوتا۔ حاصل یہ کہ بڑے ولی کا مشاہدہ حق زیادہ قوی اور مشاہدہ خلق کمزور ہوتا ہے برعکس چھوٹے ولی کے کہ اس کا مشاہدہ خلق قوی اور مشاہدہ حق کمزور ہوتا ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے قصے کی یہی توجیہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید

میں فرمایا ہے اور وہاں کشتی اپنے اور دیوار کا ذکر کیا ہے کیونکہ ان امور کا علم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس لیے نہ تھا کہ وہ اس سے زیادہ قوی یعنی حق سبحانہ کے مشاہدہ میں مشغول تھے لہذا موسیٰ علیہ السلام کو ان امور کا علم نہ ہونا بھی انتہا درجہ کمال ہے۔ پھر فرمایا کہ خضر کے ساتھ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی بادشاہ کے دو غلام ہوں ایک کو بادشاہ نے اپنے پاس رکھا ہو اور اسے اپنا پیشین بنایا ہو اور اس کا یہی کام ہو کہ وہ بادشاہ کے سامنے کھڑا رہے اور اس کے چہرے کی طرف دیکھتا رہے جب بادشاہ نکلے یہ بھی ساتھ نکلے اور جب داخل ہو تو یہ بھی داخل ہو سکھائے تو اس کے ساتھ اور پیچے تو اس کے ساتھ اور اسی کے ساتھ باتیں کرے اور دوسرے غلام کو بادشاہ نے اپنی رعیت کے معاملات میں تصرف کرنے کا اختیار دے رکھا ہو چنانچہ وہ رعیت کے پاس جا کر بادشاہ کے احکامات جاری کر دے گا اور ان کے ساتھ ان کے معاملات اور ان کی مصلحتوں کے متعلق گفتگو کرے گا اور بعض احکام جاری کرنے کی غرض سے وہ مدت تک بادشاہ سے غائب بھی رہے گا۔ اب اس بات میں شک نہیں کہ پہلا غلام دوسرے غلام کے مقابلہ میں بادشاہ کا زیادہ مقرب اور اس کا ذات کے اسرار سے زیادہ واقف ہو گا مگر اس کے باوجود اگر اس سے رعیت کے کسی معاملہ کے متعلق دریافت کیا جائے کہ آمد و خرچ کیا ہے بالخصوص جب کہ رعایا پایہ تخت سے دور ہو تو اسے ان کے متعلق پہلے کے مقابلہ میں کچھ علم نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کا یہی حال تھا کہ موسیٰ علیہ السلام پہلے غلام کی طرح ہیں اور سیدنا خضر دوسرے غلام کی طرح اس لیے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ خضر سے بڑا ہے اس لیے کہ وہ اللہ کے رسول اکرم اور صفی ہیں۔

خضر علیہ السلام نبی نہ تھے میں نے سوال کیا: کیا خضر علیہ السلام نبی تھے؟ جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے۔ یہاں تک کہ حافظ ابن حجرؒ نے بخاری کی شرح میں فرمایا ہے: ہمیں یہی اعتقاد رکھنا چاہیے کہ خضر نبیؑ تھے تاکہ غیر نبی کا نبی سے زیادہ عالم ہونا لازم نہ آئے۔ امام شہداءؒ نے (لوائح الانوار ج ۱: ۸۴) ابوحنیفہؒ ابن ابراہیمؒ بن اسماعیلؒ خواص کی خضر علیہ السلام سے ملاقات کا واقعہ نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حجاز کے راستہ میں ایک جنگل میں مجھے پائیں لگی تو ایک خوبصورت انسان مجھ سے رنگ کے جانور پر سوار نے آکر مجھے پانی بھی پلایا اور تیچے سوار بھی کر لیا۔ پھر کہا یہ دیکھو یہ مدینہ کا تختستان ہے۔ اب اتر جاؤ اور صاحب مدینہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام دینا اور کہنا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت نے فرمایا: حضرت نبیؐ نہ تھے وہ تو ایک بندہ تھے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت سے سرفراز کیا تھا اور مخلوق میں تصرف کرنے کا اختیار دیا تھا اور اسے اللہ تعالیٰ نے تمام وہ تصرف اور کمال عطا کیا تھا جو امت محمدیہ میں غوث کو عطا ہوتا ہے۔ حضرت کو یہ بات بغیر کسی پیر اور بغیر راہِ طریقت پر چلنے کے حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں براہِ راست سب کچھ عطا کیا تھا۔ یہی ان کا مرتبہ تھا جو نبوت اور رسالت کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا اور مذکورہ بالا تفسیر میں حضرت کا واقف اور موسیٰ کا ناواقف ہونا اس شہد کا موجب نہیں ہو سکتا کہ غیر نبی کا علم نبی کے علم سے زیادہ تھا۔ اس لیے کہ ہم میان کر چکے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام مشاہدہ حق میں مشغول تھے اور مشاہدہ حق کا نہ کوئی بدل ہو سکتا ہے اور نہ کوئی مثال۔ اس لیے حضرت کو نبی ماننے کی ضرورت نہیں۔

میں نے عرض کیا جو علماء ان کی نبوت کے قائل ہیں انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے وَمَا نَعْلَمُ عَنْ أَهْلِ ذَٰلِكَ تَأْوِيلٌ مَّا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا میں نے یہ کام اپنی مرضی سے نہیں کیا (بلکہ حکم خدا کیا ہے) جن امور پر تو صبر نہیں کر سکا ان کی یہی تاویل ہے (قرآن مجید: سورہ کشف آیت ۸۲)

فرمایا: ہر غوث و قطب وغیرہ جو اصحابِ تصرف میں جو کام یا تصرف بھی کرتے ہیں وہ اللہ ہی کے حکم سے کرتے ہیں مگر پھر بھی اسے رسالت یا نبوت نہیں کہا جاتا، اگر اکثر لوگ یہ بات نہیں سمجھتے۔ اس کے بعد حضرت نے بہت ہی نفیس بحث کی اور چونکہ یہ اسرارِ کمونہ میں ہے اس لیے میں نے

(بقیہ ماشیہ صفحہ سابقہ)
اُخْوَاتُ الْخَضِرِ يَقْرَأُ عَلَيْهِ السَّلَامُ کہ آپ کا بھائی خضر سلام عرض کرتا ہے ایساں پر خود خضر نے بیان کا لفظ استعمال کیا ہے جو انبیاء و انبیاء کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (روایت ابی ہریرہ مشکوٰۃ باب بدر الخلق و ذکر انبیاء علیہم السلام) اَلْأَنْبِيَاءُ اُخْوَاتُ مِنْ عِلَالَتِ دَأْمَهَا تَقْطَعُ شَيْءٌ وَ دَيْنُهُمْ وَاحِدٌ۔

امام عبدالحکیم قسیری نے بھی حضرت خضر کو ولی قرار دیا ہے نبی نہیں کہا (رسالہ تشریہ ص ۱۶) شیخ عبدالحق محدث دہلوی لغات میں فرماتے ہیں کہ وہ معمر نبی محبوب ہیں کمال الدین محمد بن محمد المعروف بامام الکاملۃ متوفی ۷۴۰ھ نے حضرت اور ان کے زندہ ہونے کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے (کشف الظنون: ج ۱: ص ۱۴۲)

اور خاتم الخلفاء جلال الدین سیوطی نے خضر کے نبی ہونے کے متعلق رسالہ لکھا ہے جس کا نام رجحہ النظرنی ترجمہ نبوة الخضر لکھا ہے (کشف الظنون ج ۲: ص ۴۱۲) (مزید ملاحظہ ہو ص ۴۱۵)

اسے تحریر نہیں کیا۔ خدا حضرت سے راضی ہوا نہیں اللہ کی کس قدر معرفت حاصل تھی۔

مولف کہتا ہے کہ حضرت نے جو یہ جواب دیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان امور کا علم نہ تھا اور جو راز اس کا بیان کیا ہے یہ ان اسرار الہیہ میں سے ہے جن کی معرفت پر لوگ شک کرتے ہیں وہ حکایات جو بعض پیروں کو اپنے مریدوں سے پیش آتی ہیں، ان کا بھی یہی حال ہے کیونکہ بعض اوقات پیر کا اپنے مرید سے دنیا کے واقعات کا استفادہ کرتا ہے چنانچہ ایک شخص نے اپنے مرید کے متعلق کہا کہ جب سے فلاں شخص فوت ہو گیا ہے آسمان کی خبر یہ ہم سے جاتی رہی بیان تک کہ دوسرے مرید نے اس کی جگہ لے لی اور وہ بھی پہلے کی طرح خبریں دینے لگا تو پیر نے کہا جو بات تم کو کئی تھی پھر اگلی ہے۔ میں نے اس کا مل اور اس کے دونوں مریدوں کا نام اس لیے نہیں لیا کہ اصل غرض کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت نے فرمایا یہ چیز کی علامت ہوتی ہے اور اس بات کی علامت مشاہدہ نبوی کی علامت

کے کسی انسان کو بخیر ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ حاصل ہوا ہے یہ ہے کہ اس کی فکر ہر لحظہ اور ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لگی ہوتی ہو چنانچہ اس کی فکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی غائب ہوا اور نہ کوئی امر اس کی توجہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹا سکے اور نہ کسی اور بات میں وہ مشغول ہو چنانچہ کھائے تو اس کی فکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لگی ہو۔ پیئے تو یہی حال ہو۔ بھاگے تو بھی یہی حال ہو اور سوتے بھی تو یہی حال ہو۔

میں نے عرض کیا کیا انسان کو حیلہ اور کسب سے یہ بات حاصل ہو سکتی ہے؟

حضرت نے فرمایا: نہیں۔ کیونکہ اگر یہ انسان کے حیلہ اور کسب سے ہوتی تو جب کوئی امر صاف یا کوئی اور کام پیش آجاتا تو اس پر آنحضرت سے غفلت طاری ہو جاتی، لیکن یہ امر اللہ کی طرف سے ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو لگائے رکھتا ہے اور اس کام میں اسے استعمال کرتا ہے اور بندے کو اس میں کوئی اختیار حاصل نہیں حتیٰ کہ اگر بندہ اس مشاہدہ کو دور کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ اسی لیے کوئی امر یا صاف اسے آپ سے نہیں ہٹا سکتے چنانچہ انسان کا باطن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر لوگوں کے ساتھ۔ ان کے ساتھ باتیں کرتا ہے تو بغیر ارادہ کے اور

لے بنا پھر امام احمد ابو العباس الرسی فرماتے ہیں کہ مجھے چالیس سال گزر گئے ہیں کہ اس طرح میں کبھی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حجاب میں نہیں ہوا اور اگر ایک لحظہ کے لیے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حجاب میں ہر جاؤں تو میں اپنے آپ

کھاتا ہے تو بغیر قصد کے اور ظاہر میں جن امور کا مشاہدہ کرتا ہے انہیں بھی بلا قصد کرتا ہے اس لیے کہ اعتبارِ دل پر ہے جو ان چیزوں کے ساتھ نہیں ہوتا پس اگر کسی انسان کی مدت تک یہی حالت رہے تو اللہ تعالیٰ اسے بیداری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ عطا کرتے ہیں۔ مختلف لوگوں میں یہ مدت نکر مختلف ہوتی ہے بعض لوگوں کو ایک ماہ نکلتا ہے اور بعض کو یکم اور بعض کو زیادہ۔

حضرت نے فرمایا: مشاہدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بہت بڑی بات ہے اور اس کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ مدد نہ فرمائیں تو انسان اسے برداشت نہ کر سکے۔ اگر ہم فرض کریں کہ ایک شخص بہت طاقتور ہے کہ اس میں ایسے چالیس آدمیوں کی طاقت جمع ہو جو اعلیٰ بہادری اور شجاعت کی وجہ سے شیر کو کان سے پکڑ سکتے ہوں پھر ہم فرض کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کی طرف نکل آئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دبدر اور رعب کی وجہ سے اس شخص کا جگر پھٹ جائے اس کی ذات پھل جائے اور روح نکل جائے اس قدر دبدر اور رعب کے باوجود اس مشاہدہ میں وہ لذت پائی جاتی ہے کہ اس کی نہ کیفیت بیان ہو سکتی ہے اور نہ اس کا احاطہ ہو سکتا ہے حتیٰ کہ اہل مشاہدہ کے نزدیک یہ جنت میں جانے سے بھی افضل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ جنت میں جائیں گے انہیں جنت کی تمام نعمتیں عطا نہ ہوں گی بلکہ ہر شخص کے لیے مخصوص نعمتیں ہوں گی۔ برخلاف مشاہدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ جب انسان کو مشاہدہ نبی حاصل ہو جاتا ہے تو اس کی ذات کو جنت کی تمام نعمتوں سے سیراب کیا جاتا ہے چنانچہ بعینہ اسی طرح جس طرح جنت میں اہل جنت کو حاصل ہوگی اسے بھی ہر قسم اور ہر رنگ کی چیزوں کی لذت حاصل ہوگی اور جس ذات کے نور سے جنت ہی کی تخلیق ہوتی ہو اس کے حق میں تو یہ لذت بیچ ہے۔

پھر فرمایا: ہر مشاہدہ میں صاحب مشاہدہ کو سیرابی حاصل ہوتی ہے اور جسے ہر دم و لحظہ مشاہدہ حاصل رہے اس کے لیے سیرابی بھی دائمی ہوتی ہے۔

مؤلف لکھتا ہے کہ میں شمالی ترمذی اور اس کی شرح کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔ چنانچہ جب میں شارحین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ، انکوں ذات، طول شعرو، آپ کی چال اور آپ کے دیگر احوال کے متعلق اختلاف پاتا تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان سے حقیقت دریافت کرتا تو آپ اس طرح جواب دیتے جس طرح کوئی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو اور مشاہدہ کر رہا ہو اس قسم کی چند باتیں ہم باب اول کے آخر میں بیان کرائے ہیں۔

حضرت کا ایک عجیب واقعہ یہ ہے کہ میں آپ سے اس قسم کے سوالات کر رہا تھا اور آپ درختوں کی صفائی کرنے اور ان چیزوں کو دور کرنے میں لگے تھے جن کا رہنا درختوں میں مناسب نہیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے سوال کی طرف دھیان نہیں دے رہے تھے ابھی میں نے سوال ختم نہیں کیا ہوتا تھا کہ آپ فوراً اور بغیر سوچے جواب دیتے۔ اس میں حضرت کے مذکورہ بالا فرمان کی تائید ہوتی ہے کہ اعتبار باطن کا ہے اور ظاہر اُجھو کچھ بھی ہو وہ بلا قصد و ارادہ ہے لہذا درختوں کا صاف کرنا بھی آپ کے قصد و ارادہ سے نہ تھا اور آپ کا باطن اللہ سبحانہ کی طرف لگا ہوا تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کو جواب سوچنے کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ واللہ اعلم۔

مشاہدہ الہی حاصل حضرت نے فرمایا کہ اس بات کی علامت کہ بندہ کو اللہ عزوجل کا مشاہدہ حاصل ہو چکا ہے یہ ہے کہ مشاہدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کے دل میں اللہ سے تعلق کا خیال پیدا ہو اس طرح اس کے تمام خیالات اس میں اس طرح لگ جاتیں جس طرح کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں لگے تھے پھر اس کی یہ حالت جاری رہے تا آنکہ اسے مشاہدہ حق کی فتح حاصل ہو اور اسے مقصود حقیقی اور نتیجہ اہل نصیب ہو جب صاحب فتح مشاہدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اہل جنت کی تمام نعمتوں سے سیراب ہوتا ہو تو اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ کے وقت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنت اور ہر چیز کا خالق ہے اس کی کیا حالت ہوگی۔

فرمایا: مشاہدہ حق میں فتح حاصل کرنے کے بعد اہل فتح کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں ایک قسم تو ایسی ہے جو ہر چیز کو چھو کر مشاہدہ حق میں غائب ہو جاتے ہیں اور دوسری قسم اور یہ لوگ زیادہ کمال ہوتے ہیں ان لوگوں کی ہے جن کی روئیں تو مشاہدہ حق میں مستغرق ہوتی ہیں مگر ان کی ذات مشاہدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں لگی۔ یہی ہے چنانچہ نہ تو روح کا مشاہدہ ذات کے مشاہدہ پر غالب آتا ہے اور نہ ذات کا مشاہدہ روح کے مشاہدہ پر۔

پھر فرمایا: قسم زیادہ کمال اس لیے ہوتی ہے کہ حق سبحانہ کا مشاہدہ جو انہیں حاصل ہوتا ہے وہ پہلی قسم والوں کے مشاہدہ سے زیادہ کمال ہے اور ان کا مشاہدہ اکل اس لیے ہوتا ہے کہ وہ مشاہدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو مشاہدہ حق تک ترقی کرنے کا سبب ہے، منقطع نہیں ہوتے۔ لہذا جسے جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ زیادہ ہوگا، اسی قدر اسے حق سبحانہ کا مشاہدہ زیادہ ہوگا اور جس کا کم ہوگا اسے مشاہدہ حق بھی کم ہوگا۔ اگر بندے کو اختیار حاصل ہوتا اور اسے نوے سال کی عمر ملتی تو اس مدت میں سوائے مشاہدہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی چیز کو اختیار نہ کرتا اور موت

سے ایک دن پیٹے اسے مشاہدہ حق کی فتح نصیب ہوتی کیونکہ مشاہدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں راسخ قدم ہونے کی وجہ سے اسے اس دن مشاہدہ حق کی فتح اس شخص سے بھی زیادہ حاصل ہوگی جسے اس تمام مدت میں اول سے آخر تک دونوں فتح حاصل رہی ہوں۔

اس کے بعد آپ نے آنکھوں پر عینک لگائی اور حروف کو دیکھنا شروع کیا اور فرمایا کہ ان حروف کا دیکھنا عینک کے شیشوں کی صفائی و رونق کے تابع نہیں ہے؛ میں نے عرض کیا: ضرور ہے۔

حضرت نے فرمایا: مشاہدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی بزرگ عینک کے ہے اور مشاہدہ حق نیز بزرگ حروف کے ہے۔ لہذا مشاہدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفائی کے مطابق ہی حق سبحانہ کے مشاہدہ میں صفائی حاصل ہوگی اور بادل دور ہوں گے۔ بات آپ نے اس وقت فرمائی جب ایک فقیہ نے آپ سے یہ سوال کیا کہ کیا ولی کے لیے ممکن ہے کہ وہ نماز ترک کر دے تو حضرت نے فرمایا: کیا دلی کے لیے ترک ولی کے لیے نماز کا ترک کرنا ممکن نہیں اور یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے جبکہ اسے ہر وقت دو شعلوں سے داغ دیا جا رہا ہے چنانچہ اس کی ذات کو نماز ممکن ہے؟

مشاہدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے داغ دیا جاتا ہے اور اس کی روح مشاہدہ حق سے اور یہ دونوں مشاہدے اسے نماز پڑھنے اور دیگر امور شریعت کا حکم دیتے ہیں۔ ایک اور بار حضرت نے فرمایا: ولی کیسے نماز ترک کر سکتا ہے جبکہ دونوں مشاہدوں میں جو سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ایک بار کچھ بہت بڑا نور دکھائی دیا جس سے تمام فسادات ہٹ گئے پھر اس میں ایک صورت اتری جس نے مجھے پکار کر کہا اے عبدالقادر میں تمہارا رب ہوں اور تمہارے لیے میں نے تمام عمرات کو ملا کر دیا ہے اس پر میں نے کہا: اے یسین دروہ جانا تو فوراً تمام نورانیہ سے میں بھاگ گیا اور وہ صورت دھواں بن گئی۔ پھر اس نے مجھے مخاطب کر کے کہا اے عبدالقادر جو تم کو تجھے اپنے رب کے معاملات کا پتہ تھا اور تجھے اپنی منزلوں کے احوال کی خبر تھی اس لیے تو مجھ سے بچ نکلا۔ میں تو اس طریقہ سے ستر اہل طریقت کو گمراہ کر چکا ہوں۔ میں نے جواب دیا یہ اللہ کی عنایت ہے۔ حضرت نے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ شیطان ہے۔ فرمایا: اس کے ان الفاظ سے کہ میں نے تمہارے لیے عمرات ملا کر دیے (الواقعہ الانوار ج ۱ ص ۱۸) کسی نے محمد ابوالموہب شاذلی سے سوال کیا کہ یہ جو کسی صوفی کا قول ہے کہ ایک مقام پر پہنچ کر دل سے تکلیف ساقط ہو جاتی ہے اس سے کیا مراد ہے۔ شاذلی نے فرمایا کہ یہ اسی قسم کا قول ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: "أَرِحْنَا يَا بَلَاءُ" (الواقعہ الانوار ج ۲ ص ۱۸)

عبدانی بھی اسے حاصل ہوتی ہے وہ اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ اس کی ذات اسرار ذات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سیراب ہو چکی ہوتی ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ذات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے اسرار سے سیراب ہو بھی اور پھر وہ کام نہ کرے جسے آنحضرت کی ذات کرتی ہے۔ یہ بزرگ نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد حضرت نے مشاہدہ حق، اللہ کے نور سے دیکھنے اور اس کی نظر میں زمان کے اٹھ جانے کو زماضی ہو نہ حال اور نہ مستقبل، کا ذکر کیا اور فرمایا کہ حق سبحانہ کی ذات بند کا شاہدہ کیا ہے اور یہ کہ اسرار الہیہ کے انوار سے کوئی ذات کس طرح سیراب ہوتی ہے۔ اسرار کی تعداد کے مطابق مراتب کی تقسیم روح کی فتح وغیرہ اسرار کا ذکر کیا جن کا نہ عبارت اساطیر کر سکتی ہے اور نہ اشارے اس میں مفید نہایت ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر رحم فرما چاہتے ہیں اور اسے حجاب کی حالت سے منتقل کر کے فتح و مشاہدہ کی حالت میں لے جاتے ہیں تو اولیاء اللہ کو اس کے متعلق ڈر لگنے لگتا ہے اس لیے کہ معلوم نہیں کہ اس فتح کو برداشت نہ کرنے کی وجہ سے وہ مرجائے گا یا زندہ رہے گا اور اگر نہیں مرے گا تو کیا اس کی عقل سلب ہو جائے گی یا نہیں بلکہ قائم رہے گی اور یہاں پر سلب عقل سے مراد یہ ہے کہ اس کی عقل ان بڑے بڑے امور کے ساتھ رہے گی جن کا وہ مشاہدہ کرتا ہے اور ذات سے بالکل منقطع ہو جائے گی کہ اس کی طرف پھر لوٹ نہ سکے گی اور عدم سلب سے مراد یہ ہے کہ اس کی عقل کا نور تو اس کے مشاہدہ کے ساتھ ہو اور کچھ حصہ ذات کے ساتھ رہے تاکہ اس کے کھانے اور پینے کا انتظام کر سکے اور جان سکے کہ کس طرح کپڑا پہنے اور اپنی مصلحتوں میں کس طرح غور کر سکے۔

حضرت نے فرمایا: یہ شخص جس پر اللہ نے رحمت کرنا چاہی ہے۔ سو اس کے پیر کے کوئی شخص نہیں جان سکتا کہ اس کا کیا انجام ہو گا۔

مؤلف لکھتا ہے کہ جو صاحب فتح اپنے مرکز سے نکلتا ہے وہ یا تو مرجاتا ہے یا اس کی عقل جاتی رہتی ہے۔

حضرت نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو فتح نصیب کرتے ہیں تو وہ عالم ملکات، عالم جن اور عالم شیعہ طہین کی ان باتوں کا مشاہدہ کرتا ہے جس کی اس میں طاقت نہیں ہوتی اور اسے بہت سی ڈراؤنی صورتیں دکھائی دیتی ہیں اور اس قدر خوفناک آوازیں سنائی دیتی ہیں جن سے جگر پھٹ جائیں، پھر فرمایا کہ بعض اوقات ایک آدمی دوکان پر بیٹھا سو دانیچ دہا ہوتا ہے کہ اسے فتح نصیب

ہو جاتی ہے اور وہ ایسی باتوں کا مشاہدہ کرتا ہے جن کو وہ برداشت نہیں کر سکتا لہذا وہ اسی وقت مر جاتا ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کی بغیر سبب کے اچانک موت واقع ہوئی حالانکہ اس کی موت اس نفع کی وجہ سے واقع ہوئی ہوتی ہے۔

ایک بار حضرت نے ذکر فرمایا کہ ایک مرتبہ وہ فاس میں عطاردوں کے بازار میں سے گزر رہے تھے تو دیکھا کہ ایک شخص دکان پر بیٹھا مہندی بیچ رہا ہے۔ لیکر ایک اسے فتح نصیب ہوئی اور وہ غش لکھا کر گزرا اور مر گیا، لوگوں نے سمجھا کہ وہ اچانک مر گیا حالانکہ وہ ولایت پر مرا تھا۔ میں نے پوچھا: جس شخص کی عقل فتح کی وجہ سے سلب ہو جائے اور جس کی عقل کسی اور وجہ سے سلب ہو دروں میں کیسے فرق ہوگا؟

فرمایا: جس شخص کی عقل فتح کی وجہ سے سلب ہوئی ہو دراصل اس کی عقل سلب نہیں ہوتی وہ تو حق سبحانہ کے مشاہدہ میں غایب ہوا ہے لہذا وہ ہر وقت اسی مشاہدہ کے سمندر میں تیر رہا ہوتا ہے مگر اللہ کسی حکمت کی بنا پر اس کی عقل کو اس کی ذات سے علیحدہ کر دیتا ہے مگر جس کی عقل کسی اور سبب سے زائل ہوتی ہو تو اس کو سبب یہ ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو ہلاک کرنا اور اس کی عقل کو زائل کرنا چاہتے ہیں۔ خدا ہمیں اس سے بچائے، تو اس کی روح کو اپنی ذات علیہ کے مشاہدہ سے ایک یا دو گھڑی کے لیے منقطع کر دیتا ہے اور روح جس ذات کے اندر ہوتی ہے اسی کے افعال کا مشاہدہ کرنے لگ جاتی ہے اور روح کو اس گنہگار بندے کے قبیح افعال کے مشاہدہ میں ابھی پوری ایک گھڑی گزری ہوتی ہے کہ اسے قبض لاحق ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے عقل زائل ہو جاتی ہے۔ خدا اس سے بچائے۔ لہذا جب قبض متواتر رہے تو عقل بھی بدستور زائل رہتی ہے اور اگر قبض متواتر نہ رہے اور روح کو بسط و جمال حاصل ہو جائے تو اسے پہلے کی طرح پھر سے ذات علیہ کا مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے اور عقل بھی لوٹ آتی ہے۔

میں نے عرض کیا: بعض اوقات تو چھوٹے بچے کی بھی عقل زائل ہو جاتی ہے، اس کے افعال کیسے قبیح ہو سکتے ہیں یا وہ کیسے گنہگار ہو سکتا ہے؟

فرمایا: روح کے نزدیک بندے کے تمام احوال گناہ ہیں اس لیے کہ اس کا مشاہدہ اور حق بات کی معرفت اس بات کے متعقبات ہیں کہ وہ ہر وقت سچے میں رہے اور کبھی بھی سجدہ سے سر نہ اٹھائے اس میں اس کے نزدیک چھوٹے اور بڑے سب برابر ہیں۔

حضرت نے فرمایا: جب مغتوج کے پاس دوا لینے شخص آکر بیٹھ جائیں جن کی عقل زائل ہو چکی ہو

اور ان میں سے ایک دلی ہو اور دوسرا غیر دلی اور وہ دونوں گفتگو شروع کر دیں تو مفتوح دلی کو اس کے کلام سے ہی پہچان لے گا اس لیے کہ اگرچہ اسے معلوم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے پھر بھی اس سے کچھ نہ کچھ اسرار الہیہ ظاہر ہو جاتے ہیں جنہیں سنکر اصحاب اسرار سمجھ جاتے ہیں۔ برخلاف غیر دلی کے کہ اس سے اسرار الہیہ قطعاً ظاہر نہیں ہوتے۔ دلی کی ایک اور پہچان بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کی روح ہمیشہ خوش خوش دکھائی دیتی ہے اور غیر دلی کی روح ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے کوئی شخص سر جھکاتے منہ مٹھایا ہو اور اپنے غموں کے متعلق سوچ رہا ہو۔

فرمایا: جن لوگوں کی عقل فتح کے بغیر زائل ہو جاتی ہے وہ چوپایوں کی مانند ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائیں گے اور انہیں جنت میں داخل فرمائیں گے اس لیے کہ ان کی انسانی شکل ان کی شفیع ہوگی۔ یوں سمجھو کہ یہ ہیں تو چوپائے مگر انسانی شکل میں اس لیے اللہ تعالیٰ ان کی قابل احترام صورت کی وجہ سے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور رسولوں کو پیدا کیا ہے ان پر رحم فرمائیں گے تاکہ وہ چوپایوں کی طرح مٹی نہ بن جائیں۔

مجدوب صاحب | پھر فرمایا: جن لوگوں کی عقل فتح کی وجہ سے زائل ہوتی ہے وہ قابل احترام دلی ہوتے ہیں مگر انہیں اولیاء کے ساتھ تصرف کا اختیار نہیں دیا جاتا اور نہ ہی رعوث یا قطب بن سکتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ وصال کو نکالنے

کا ارادہ فرمائیں۔ اس وقت ان لوگوں کے ہاتھوں میں تصرف دیا جائے گا اور پھر ان میں سے غوث بھی ہوں گے جس سے حالات میں فساد اور نظام میں خلل پیدا ہو جائے گا۔ انہی لوگوں کے تصرف کے زمانہ میں وصال کا خردوج ہوگا جب وصال کا معاملہ ختم ہو جائے گا تو ان لوگوں کی حکومت بھی ختم ہو جائے گی اور پھر دوبارہ نہیں ملیگی۔ واللہ اعلم۔

حضرت نے فرمایا کہ مجھے حضرت عبداللہ برناوی نے پوچھا کیا تو دنیا میں کسی ایسی چیز کو جانتا ہے جو جنت میں جانے سے بھی بہتر ہو اور دوسری ایسی چیز کو جو جہنم میں جانے سے بھی بدتر ہو؟

میں نے عرض کیا ہاں جانتا ہوں۔ جو چیز جنت میں داخل ہونے سے بھی بہتر ہے وہ بیداری میں سید الوجود صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہے چنانچہ آج بھی دلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح دیکھ سکتا ہے جس طرح صحابہ رضوان اللہ علیہم آپ کو دیکھا کرتے تھے اور یہ دیدار جنت سے بھی افضل ہے۔

اور جو چیز جہنم سے بھی بدتر ہے وہ فتح حاصل ہونے کے بعد اس کا سلب ہو جانا ہے۔

حضرت فرماتے ہیں: یہ سکر شیخ عبداللہ میرے پاؤں پر گر پڑے اور انہیں بار بار بوسہ دیتے گئے میں نے عرض کیا جناب آپ کیوں بوسہ دے رہے ہیں؟ تو فرمایا: میں نے تقریباً اسی بزرگوں سے یہی سوال کیا تو ان میں سے کسی ایک نے بھی تمہاری طرح کا جواب نہیں دیا۔

(مؤلف کہتا ہے) میں نے پوچھا تو پھر سید عبداللہ کو اصل جواب معلوم تھا اور وہ آپ کی عقل کا امتحان کرنا چاہتے تھے؟

فرمایا: ہاں جانتے تھے اور وہ مجھے آزمانا چاہتے تھے جیسا کہ تو نے بیان کیا۔

مؤلف کہتا ہے کہ سید الوجود صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے جنت سے افضل ہونے کی وجہ بیان کی جا چکی ہے۔

پھر میں نے دریافت کیا کہ سلب جہنم سے بدتر کیوں ہے؟

فرمایا: اس کا مقابلہ اس شخص سے کرو جسے ہمیشہ فتح حاصل ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سلب کو جو اس کی فتح کو زائل کر رہی ہے جہنم سے بدتر سمجھتا ہے۔ یہ حکم سلب ہونے کے بعد سلب شدہ امر کے اعتبار سے نہیں ہے خدا اپنی پناہ میں رکھے اس لیے کہ سلب کے بعد تو اس کا دل پھر کی مانند ہو جاتا ہے کہ پہلی فتح میں سے اسے اب نہ کوئی چیز دکھائی دیتی ہے اور نہ کچھ سمجھتا ہے جیسے اس نے کبھی بھی کسی چیز کا مشاہدہ کیا ہی نہیں اور اس کی ذات خبیثہ فتح کے بوجھ سے اپنے آپ کو ہلکی سمجھتی ہے اور اس میں راحت پاتی ہے۔

فرمایا: دنیا کے امراء کی اگر امارت سلب ہو جائے تو ان کی حالت اس شخص سے بدتر ہو جاتی ہے۔ خدا اپنی پناہ میں رکھے۔ اس لیے کہ امیر کے خیال میں اپنی تمام نعمتیں اور لذتیں جو اس نے دنیا میں حاصل کی ہوتی ہیں، آتی ہیں اور وہ ان کے ذکر سے ہی کچھ لذت حاصل کر لیتا ہے برخلاف اس شخص کے جس سے فتح سلب کر لی گئی ہو کیونکہ اس کا دل مٹ چکا اور اس کی بصیرت کا سورج سیاہ پڑ چکا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت نے فرمایا: حضرت محمد بنابر ابی چودہ سال تک اس تلاش میں رہے کہ کوئی انہیں اللہ کی راہ

۱۔ حضرت عبید فرماتے ہیں: العقلۃ عن اللہ اشتت من دخول النار۔ اللہ سے غفلت و زخ سے بھی زیادہ سخت ہے (لوائح الانوار ج ۲ ص ۲۵)

۲۔ محمد بنابر ابی: شیخ علاء الدین احمد بن محمد بن احمد البیہا الماکنی (کشف الظنون: ۱: ۲۹۳)

پر لگاے اور اس تلاش میں وہ ہر جگہ پھر سے چنانچہ مصر، شام، عراق، مسطظنیہ اور ہندوستان تک پھر آئے جس دل کے متعلق سنتے اس کے پاس جاتے چنانچہ ان لوگوں کے پاس بھی گئے جو ولایت کی وجہ سے لوگوں میں مشہور تھے مگر انہیں کہیں کوئی چیز نظر نہ آئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے والد عارفین میں سے تھے اور انہوں نے اپنے والد سے امر حق سنا تھا مگر جب ان کے ہاتھوں اسے فتح نصیب نہ ہوئی تو پھر کسی عارف کو ڈھونڈنے لگے جو انہیں اللہ تک پہنچا دے۔ آپ کی تلاش نگاہ باطن سے تھی اس لیے آپ کسی کی شہرت وغیرہ کی پروا نہ کرتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی ملاقات عراق میں ایک شخص سے ہوئی جس کے پاس لاتعداد لوگ جمع تھے اور اس نے آنے جانے والوں کے لیے مہمان خانہ تیار کر رکھا تھا جہاں ہر روز تقریباً چار من کھانا پکاتا تھا۔ اور اس نے مہمان خانہ کے اندر عبادت کے لیے ایک خلوت گاہ بنا رکھی تھی جہاں سے وہ صرف مہینے کے آخری تین دنوں کے لیے نکلتا۔ باقی تمام ستائیس دن وہ رکوع و سجود میں لگا رہتا۔ خلوت گاہ میں ایک طاق تھی جس میں سے خادم شیخ کا کھانا دے دیا کرتا۔ قضا، حاجت اور طہارت کے لیے بھی اسی خلوت گاہ کے اندر ایک الگ جگہ بنا رکھی تھی۔ چنانچہ غلاموں نے ان کی خلوت کے لیے ہر طرح کا انتظام کر رکھا تھا تاکہ انہیں باہر نکلنے کی زحمت نہ ہو۔ لہذا وہ ستائیس دن خلوت میں رہتا اور جب یہ دن گزر جاتے تو تین دن کے لیے نکلتا اور آنے والوں کے ساتھ ساتھ باری باری ان کی حاجتوں کے متعلق بات کرتا یہاں تک کہ سب بات کر چکے۔ جب تین دن گزر جاتے اور نیا مہینہ شروع ہو جاتا وہ پھر خلوت میں چلا جاتا اور پھر وہیں ستائیس دن رہتا۔ عمر بھر سے اس کی یہی عادت تھی۔ جب میں نے اس شخص کے متعلق سنا تو وہاں پہنچا اور انتظار میں رہا۔ یہاں تک کہ وہ خلوت گاہ سے نکل کر آیا اور لوگوں سے بات شروع کی جو مجھ سے پہلے آئے ہوئے تھے۔ جب میری باری آئی تو مجھ سے پوچھا: کیا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا میں دو باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔ ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اور دوسری اللہ تعالیٰ کے متعلق کہنے لگا: پوچھو۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **إِنَّا نَتَحَنَّنُ لَكَ نَحْنًا مُبِينًا لِيُغْفِرَ اللَّهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ** سورہ فتح آیت ۱) (ہم نے آپ کو فتح میں عطا کیا تاکہ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں) لہذا آیت میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے اور پچھلے گناہ ثابت کر دیے گئے اور یہ تصریح کر دی گئی کہ مغفرت دونوں پر مشتمل ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد بھی معصوم تھے۔ آپ کا قطعاً کوئی گناہ نہ تھا۔ لہذا اس آیت شریفہ کے ہوتے ہوئے کیا مفہوم سمجھا جاتے؟

اس نے جواب دیا گناہ کی دو قسمیں ہیں۔ ثقیل اور خفیف۔ ثقیل جیسے زنا اور شراب پینا اور اس قسم کے گناہ نبی سے صادر نہیں ہوتے اور خفیف جیسے اپنی بیویوں میں سے کسی ایک کی طرف رغبت اور تقسیم ایام میں کسی کو فضیلت دینا وغیرہ خفیف گناہ اور اس قسم کے گناہ نبی سے صادر ہو سکتے ہیں۔ آیت میں اگلے اور پچھلے گناہوں سے یہی مراد ہے اور یہی معاف کیے گئے ہیں۔

یہ جواب سنکر میں سمجھ گیا کہ یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام سے بے خبر ہے اور عارف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ اور صفات اور کبار سے آپ کے معصوم ہونے سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ گناہ تو صرف ان لوگوں سے صادر ہوتے ہیں جو اللہ سے حجاب میں ہوتے ہیں جو غفلت اور ظلمت والے لوگ ہوتے ہیں اور یہ گناہ تو ان عارفین سے بھی صادر نہیں ہوتے جو اہل قرب اور اہل مشاہدہ ہوتے ہیں چہ جائیکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ سے پھر سید الوجود صلی اللہ علیہ وسلم کا تو کیا ہی کہنا۔ پھر کہا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ وَجہاں کہیں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اس معیت کا کیا مطلب ہے؟

جواب دیا اس سے مزدومنین ہیں اللہ تعالیٰ مومنوں کے دلوں میں ہوتے ہیں جو ہمیشہ ان کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی طرف گڑھ کڑھ کرتے ہیں۔

اس پر میں سمجھ گیا کہ وہ اللہ سے بھی ناواقف ہے اور اہل باطل میں سے ہے۔

حضرت نے فرمایا: مجھے بتایا گیا کہ ہندوستان میں ایک شخص ہے جو حد سے زیادہ عبادت گزار ہے۔ میں اس کے پاس گیا۔ جب اس کے پاس پہنچا تو عبادت اور زہد میں جیسا لوگ بیان کرتے تھے میں نے اسے ویسا ہی پایا۔ اس کے زہد کا یہ حال تھا کہ ان کے ہاں ہمارے ہاں کے بلوط کی طرح ایک کھا ہوتا ہے وہ دن اور رات جبر میں صرف ایک بلوط کھا لیتا تھا اور بس۔ میں نے اسے اللہ عزوجل کے متعلق پوچھا تو اسے اتنا درجہ جاہل پایا اور میں سمجھ گیا کہ اس کی عبادت کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

پھر فرمایا: ایک دن میں کسی سمندر کے ساحل پر تھا اور یہ سمندر ایک شہر کے قریب تھا کشتیاں سامان لے کر آئیں اور مزدور سامان اپنی میٹھوں پر اٹھا کر شہر میں لے جاتے اور اجرت لینے کے لیے آگئے۔ میں ان کو دیکھ رہا تھا کہ وہ ممول سے بہت زیادہ بوجھ کر رہا تھا لیتے تھے جیسے مصر میں کسانوں کی اور فاس میں زہد زایہ لوگوں کی حالت ہے اور مجھے انہیں دیکھ کر بہت تعجب ہوا۔ اچانک ایک شخص میرے پاس آیا اور وہ عارفین میں سے تھا مگر مجھے اس کا پتہ نہ تھا۔ اس نے کشف کے ذریعہ میرے

انی الغیر کو معلوم کر کے کہا۔ اس پر تعجب نہ کرو۔ اللہ کی اس قدرت پر تعجب کرو جو ابھی ظاہر ہو گیا۔

چنانچہ وہ اپنا بوجھ لے کر گیا اور تھوڑی دیر بعد واپس آگیا پھر ہاتھ اور پاؤں میلا کر میٹ گیا اور اس کی روح نکل گئی۔ اللہ اس سے راضی ہو۔ اس کا اس سے اشارہ اس طرف تھا کہ حقیقت قوی تو خدا ہے جو مالک قوی اور قدرت ہے جسے چاہے قدرت دے اور جس سے چاہے تھین لے۔ لہذا تعجب اس کی قدرت پر ہونا چاہیئے اور اسی کے رعب و دبدبے کو بڑا سمجھنا چاہیئے۔

نمایا: مجھے عارفین کی ایک جماعت ملی۔ ان میں سے ہر ایک مجھے یہی کہتا کہ میں اپنے ملک واپس چلا جاؤں کہ میرا مقصد وہیں مل ہوگا۔ چنانچہ میں اپنے ملک کو واپس چلا آیا اور وہاں مجھے ایک شخص ملا جس نے بتلایا کہ تمہاری آرزو ناس میں پوری ہوگی۔ چنانچہ میں سفر کر کے وہاں آگیا اور وہاں مجھے وہ شخص مل گیا جس کے ہاتھوں اللہ نے مجھے فتح نصیب کی اور میں ناس میں چھ ماہ تک رہا اور عارفین اور اہل دینان میں سے ہو گیا۔

میں نے حضرت سے عرض کیا: کیا آپ کی زندگی ہی میں اسے فتح نصیب ہوئی تھی حالانکہ دل کو اس کے دروہانی، باپ کی زندگی میں فتح نصیب نہیں ہوتی اس لیے کہ فتح تو ہر ذات پر ہی نازل ہوتی ہے اور جب ذات کا ہر اولہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو فتح واقع ہوتی ہے اور جب تک شیخ زندہ ہو اس کی ذات کا ہر کسی کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ لہذا فتح بھی اسے نصیب نہیں ہوتی اور اگر بالفرض فتح ہو بھی جائے تو قائم و دائم نہیں رہتی بلکہ بہت جلد زائل ہو جاتی ہے اور اس شخص کو آپ کی زندگی میں ہی فتح نصیب ہوئی اور فتح قائم بھی ہو رہی ہے حضرت نے فرمایا: وہ میرا (روحانی) بیٹا نہیں ہے وہ تو لوگوں کا مال تھا۔

میں نے دریافت کیا وہ کن لوگوں کا مال تھا؟ حضرت نے فرمایا: جس شخص کے پاس اللہ تعالیٰ نے پہلی ذات کا ہر بطور امانت رکھا تھا وہ میرے پاس پڑا رہا اور جب یہ شخص آیا تو میں نے اپنی قمیض اتار کر اسے دیدی اور یہ راز بھی اسے دے دیا۔

میں نے عرض کیا کہ ستر مذکور تو اس شخص کے لیے اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتا جب تک پہلے شخص کی ذات کا ہر اس کی طرف منتقل نہ ہو اور اس شخص نے اسے دیکھا بھی نہیں لہذا اس کی فتح کیسے قائم رہی؟

حضرت نے فرمایا: جس شخص کے پاس اللہ تعالیٰ نے پہلی ذات کا ہر بطور امانت رکھا ہوا تھا

اس نے اس بات کی قدرت دی تھی کہ وہ دوسرے کو دیدے اور پھر ستر اور فتح بھی عطا کرے مگر اس کے باوجود وہ شخص میرا دروہانی ایٹیا نہیں کلا سکتا۔ وہ تو اسی کا بیٹا کلائے گا جس کے مرنے کے بعد اس نے اس کی ذات کا ستر لیا۔

میں نے عرض کیا کہ موروٹ تو مراکش کا ہے اور وارث طرابلس کا رہنے والا۔ کیا اہل مغرب میں سے خیر منقطع ہو گئی ہے کہ یہ شخص اگر راز لے جائے۔

حضرت نے فرمایا: جب تک ایک ذات دوسری ذات کی عقل، طبع اور خون میں ایک مہیسی نہ ہو اس کی وارث نہیں بن سکتی میرے حضرت فلاں فرمایا کرتے تھے اگر وراثت قرب کے اعتبار سے مٹی تو میرے بیٹے کو ملتی اور اگر قوت سے مٹی تو سلطان کو ملتی اور اگر خدمت کی وجہ سے مٹی تو میرے فلاں خادم کو ملتی، مگر یہ تو عقل کی عقل سے، طبع کی طبع سے اور خون کی خون سے موافقت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے کسب اور عمل سے حاصل نہیں ہوتی اور یہ شخص ان تمام باتوں میں اس کا ہم شکل تھا۔ واللہ اعلم۔

ولی کے وارث کا حضرت نے فرمایا: کہ جب تم کسی مارت کو سنو کہ اکثر کہتا ہے کہ فلاں شخص میرا وارث ہے اور وہی میرے ستر کا مالک ہے۔ میرے بعد اسے پکڑے مٹا کسی کو علم نہیں ہوتا تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ یہ اسرار الہیہ تو وہاں سے آتے ہیں جہاں سے کسی کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ بزرگوں نے اسے پایا حالانکہ لوگ انہیں اس کا اہل ہی نہ سمجھتے تھے اور اسی طرح ان سے نکل کر جاتے گا۔

اس کے بعد حضرت نے ان آٹھ آدمیوں کا قلعہ بیان فرمایا جو اپنے شیخ کی خدمت کیا کرتے تھے۔ ان میں سے سات تو خدمت پر قائم رہے اور آٹھواں تھک، کمرہ گیا اور اس کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ کوئی بات نہ کر سکتا اور جہاں بھی بولے کار ثابت ہوتا پھر ان میں سے تین خدمت پر برقرار رہے اور باقی چاروں کے مقابلہ میں انھوں نے مزید بات یہ کہ ہر ایک نے اپنی بیٹی شیخ کو دیدی اور ان میں سے ایک بیٹی حسن جمال میں سب پر فائق تھی اور شیخ اسے ہر بات میں سب پر مقدم رکھتے، اسی سے باتیں کرتے جس سے لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہی شیخ کا وارث ہوگا، لیکن جب شیخ کی وفات کا وقت قریب آیا اور ان کے

لہ امام عبد الوہاب شترانی نے علی الخواص برسی کا اسی قسم کا ایک قول نقل کیا دواجماع ۱۱۴۸: ۲ فرماتے ہیں کہ جب ماں اپنے کسی مرید کی تربیت کرتا ہے تو ضروری نہیں کہ وہی اس مارت کا وارث بھی بنے اس لیے کہ حقیقی تربیت تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ جسے چاہتا ہے وارث بنا دیتا ہے۔

مرید آمو جو دہوئے تو شیخ کے تمام منوبین نے اس عاجز شخص کو بایا اور کہا تم ہی صاحبِ ستر ہو اور شیخ کی روح پرواز کر گئی اور وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر جسے لوگ بنظر حقارت دیکھتے ہیں، نسبت اس شخص کے جسے لوگ بنظر تعظیم دیکھتے ہیں، زیادہ رحم و کرم کی نظر رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ احتقار لوگ اسرارِ ربانیہ کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

نیز فرمایا کہ کسی دل کے دو مرید تھے ایک عامی تھا اور دوسرا سید، مگر دونوں کو فتح نصیب نہ ہوئی تھی دل نے عامی کو کہا: جا اس سید کو جا کر کہہ کہ تمہارے پاس ستر اور فتح کو بیچ دے چنانچہ عامی نے اس کے پاس جا کر کہا کہ ایک سو دینار کے بدلے ستر اور فتح اس کے پاس بیچ دے۔ سید نے کہا میں نہیں بیچتا۔ عامی نے کہا ایک سو دینار اور لے لو۔ مگر سید نے پھر کہا نہیں۔ عامی نے کہا: اپنی ٹوکرائی بھی تمہیں دیتا ہوں۔ سید اب بھی نہ مانا۔ عامی نے کہا میں اپنی بیٹی بھی تمہارے نکاح میں دے دوں گا مگر سید اس پر بھی راضی نہ ہوا۔ عامی نے کہا: میرا گھر بھی لے لو۔ اس پر سید راضی ہو گیا اور کہا مجھے منظور ہے اور عامی نے بھی کہا کہ مجھے منظور ہے حالانکہ وہ دونوں محبوب تھے۔ انہیں اسرارِ فتح کا علم بھی نہ تھا۔ عامی نے تو صرف شیخ کی بات پر یقین کر کے یہ کام کیا تھا۔ اس کے بعد عامی نے سید سے کہا اب ہم گواہ لے آتے ہیں۔ سید نے کہا: ٹھیک ہے۔ چنانچہ عامی گواہ لے آیا اور ان سے تمام بات کہہ دی کہ میں نے یہ چیزیں سید کو دیدی ہیں اب تم گواہ رہنا اور سید نے بھی کہا کہ تم گواہ رہنا کہ میں نے اسے ستر اور فتح دیدی ہے چنانچہ بیٹی سید کے پاس چلی گئی وہ گھر اور خادہ کا بھی مالک بن گیا اور اس نے دو سو دینار بھی لے لیے اس پر تورات ایسی پر لطف اور مزہ کی گزری کہ عمر بھر کوئی رات ایسی مزہ دار نہ گزری اور عامی بے چارے پر ایسی پریشانی کی رات گزری کہ ساری عمر ایسی تار یک و تنگ کوئی رات بھی نہ گزری تھی کہ تمام شب شیخ کی طرف سے بدگمان بنا نبوائے قسم قسم کے دوسے آتے رہے اور یہ ان کو دفع کرتا رہا۔ جب پوچھتی تو پہلے فتح اور ستر سید کے پاس آیا اور اس نے مشاہدہ کر لیا اور اس نے اس میں وہ کیفیت دیکھی جو نہ کبھی آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سنی اور نہ کسی کے خیال میں بھی گزری ہو۔ جب اس نے اسے نظر بھر کر دیکھ لیا اور خوب اچھی طرح سے غور کر لیا تو یہ سب کچھ سلب ہو گیا، خدا اپنی پناہ میں رکھے۔ اس کے بعد فتح اس عامی کے پاس گئی اور وہ اولیاء اللہ میں سے ہو گیا، جس سید نے فتح بیچی تھی اس نے ان چیزوں سے جو اس نے لی تھیں کوئی فائدہ نہ اٹھایا اس لیے کہ جو نبی اس سے فتح سلب ہوئی تو اس کی عقل بھی جاتی رہی اور اب اس کی زبان پر ہر وقت یہی الفاظ تھے تو کہاں ہے، اپنا گھر لے لے، غلام لے لے، دینار لے لے، اپنی بیٹی لے لے بلکہ میری والدہ بھی لے لے گیا کہ وہ

اس عامی کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ تو کہاں چلا گیا ہے میں نے جو کچھ تم سے لیا ہے تمہیں واپس کرتا ہوں بلکہ اپنی والدہ بھی ساتھ دیتا ہوں۔ اس واقعہ کے بعد وہ ساٹھ سال تک زندہ رہا اور اس کی عقل اسی طرح سلب رہی۔ ہم اللہ سے سلامتی چاہتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا: اس میں کسی کا کیا بس۔ اس سے توبہ اور ایک اور چیز جاتی رہی جسے میں کہتے نہیں جانتا۔

نیز فرمایا کہ میں ایک شخص کو جانتا ہوں جس کی عقل سلب ہو چکی تھی اور اب اس کا ہر وقت یہی کام تھا کہ وہ ہوا میں چھڑھینکتا اور پھر اپنا سر آگے کر دیتا اور اس کا سر کچلا جاتا۔ میں نے ایک عرصہ تک اسے اسی حالت میں دیکھا ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ وہ اس طرح کیوں کرتا ہے۔ یہاں تک کہ مجھے اس کا سبب معلوم ہو گیا کہ یہ شخص پرانے جوتے ممت کیا کرتا تھا اور اس کی دکان رصیف کی گھائی ٹی پر تھی کہ اس کی ملاقات ایک ولی سے ہوئی۔ ولی نے اسے کہا بیٹا میرے لیے ایک نئی ٹی خرید لارہ وہ میرے جا کر خرید لا۔ ان کی آپس میں کوئی جان پہچان نہ تھی۔ چنانچہ وہ درہم لے کر گیا اور ولی اس کا انتظار کرتا رہا، اس آدمی نے ٹی خرید لی اور لے کر ولی کی طرف آ رہا تھا کہ راستہ میں اس کا دل بے ایمان ہو گیا اور کہنے لگا یہ شخص جس نے تجھے ٹی خریدنے کے لیے درہم دیے ہیں احمق ہے۔ اس نے تجھے جاننے کے بغیر تجھ پر اعتماد کر لیا۔ چنانچہ یہ ٹی تو خود ہی پن لے اور اس کے پاس نہ جا چنانچہ وہ ٹی اس نے خود پہن لی اور پرانی ٹی اتار کر دو موزوں سے بیچ ڈالی اور پھر اپنی دکان پر کام کرنے کے لیے چلا گیا۔ جب ولی کو معلوم ہوا کہ اس نے خیانت اور بے ایمانی کی ہے وہ اس دن تو خاموش رہا مگر دوسرے دن اس کی دکان پر آ کر دیکھا کہ ٹی اس کے سر سے اتار لی اور کہا ذرا دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کونسی غایت تم کو بھیٹے ہو۔ یہ کہہ کر وہ ولی بھاگ گیا اس شخص نے ادھر ادھر دیکھا تو اسے فتح حاصل ہوئی اور اس نے اس باتوں کا مشاہدہ کیا جو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی کے خیال پر گزریں مگر جب اپنی نگاہ دکان کی طرف لوٹائی تو فتح سلب ہو گئی۔ خدا اپنی پناہ میں رکھے۔ اس پر وہ سبھی گیا کہ یہ آفت اسے سر کی وجہ سے آئی ہے اس لیے اس نے یہ عمل اپنے سر سے گونا شروع کیا اور اس کی عقل جاتی رہی ہے اور آج تک وہ یہ عمل کر رہا ہے یعنی وہ اب بھی زندہ ہے حضرت نے مجھے ایک بار اسے دکھایا بھی ہے کہ یہ شخص ہے جس کا قہر میں نے تمہیں سنایا تھا۔ میں نے اسے دیا ہی پایا۔

واللہ اعلم۔

میں نے حضرت سے اس ستر کے متعلق پوچھا جس کی طرف صوفیا اشارہ کیا کرتے ہیں۔

حضرت نے ایک مثال دیکر بیان فرمایا کہ فرض کرو کہ بادشاہ کے پاس سونا ہے اور وہ اسے ہر شخص کو نہیں دے گا۔ صرف اپنی رعایا کے خاص لوگوں کو دیگا۔ یہی حال ستر کا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے صرف چند منتخب لوگوں کو عطا فرماتے ہیں۔

میں نے عرض کیا کیا فتح اور ستر ایک ہی بات ہے؟

فرمایا: فتح اس سے بڑھ کر ہے مگر ستر فتح کے ہوتے ہوئے قوی ہو جاتا ہے اس لیے کہ مفتوح علیہ کی بینائی کھول دی جاتی ہے جس سے وہ آسمانوں اور زمینوں کو دیکھ سکتا ہے اور اس کے کان کھول دیتے جاتے ہیں اور آسمانی نفا میں پرندے کے پڑ جانے کی آواز سن لیتا ہے اور ایک سال کی مسافت پر چھوٹی کے چلنے کی آواز سن سکتا ہے۔ اس کی قوتِ شامہ کو کھول دیا جاتا ہے چنانچہ وہ مٹی کی بوسنگھ لیتا ہے اور مٹی کی خاص بو ہوتی ہے۔ اسی طرح ذوات کی بو، ردحوں کی بو، زندہ ذاتوں کی بو اور تمام اشیاء کی بو سونگھ لیتا ہے۔ اسی طرح اس کی قوتِ ذائقہ کو کھول دیا جاتا ہے چنانچہ وہ بغیر کھینچنے کے قدیم اشیاء کا ذائقہ کچھ لیتا ہے۔ اسی طرح اس کی قوتِ لامہ کھول دی جاتی ہے اور اس کے کان بھی کھول لیے جاتے ہیں جس سے اسے آوازوں میں اشتباہ نہیں پڑتا اور نہ ایک آواز سے دوسری آواز سے روک سکتی ہے چنانچہ ایک لحظہ کے اندر وہ ہزاروں انسانوں کی باتیں سن اور سمجھ سکتا ہے۔ لہذا اگر ستر مذکور فتح کے ساتھ ہو تو دو قوتیں اکٹھی ہو جاتی ہیں، لیکن اگر صرف ستر ہی ہو اور اس کے ساتھ حجاب ہو تو ستر تو بے مثال ستر ہے مگر اس صاحبِ ستر کو مفتوح علیہ کی سی طاقت حاصل نہیں ہوتی۔

میں نے عرض کیا جب ستر ذات میں فتح کے بغیر داخل ہو تو کوئی چیز حاصل ہوتی ہے؟

فرمایا: ذات میں حقِ بسمانہ کے اوصاف کی کسی چیز میں حاصل ہوتی ہیں جس سے حقِ ذات کی لمبیت بن جاتا ہے۔ حق کے سوا نہ کسی بات کا علم ہوتا ہے اور نہ حق کے سوا کوئی بات کرتا ہے اور اس کیساتھ بلند صفات اور مکرم اخلاق بھی اس میں پائے جاتے ہیں مثلاً عفو، حلم، تجاؤز، حیاء، کرم وغیرہ لیکن جب فتح کا اس پر اضافہ ہو جائے تو ہمیشہ کہ بیان ہو چکا و تو قوتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

فرمایا: جب نورِ قوت سے پہلے فتح کسی ذات پر نازل ہوتی ہے تو ذات میں عقل و ضعف پیدا ہو جاتا ہے جس سے یا تو موت واقع ہو جاتی ہے یا عقل زائل ہو جاتی ہے ہمیشہ کہ بیان ہو چکا، لیکن جب پہلے نورِ قوت ذات پر نازل ہو اور اس کے بعد نورِ فتح نازل ہو تو ذات کو فتح سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔

میں نے عرض کیا: یہ قوت کیا چیز ہے؟

حضرت نے ایک کمر در تنکے کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ جس قوت کا میں ذکر کر رہا ہوں اگر اس کمر در تنکے

کو عطا کر دی جائے، تو آپ نے سامنے کے ایک پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ اس پہاڑ کو اٹھانے کے قابل ہو جائے۔ لہذا توفیق ایزادی جس کے شامل حال ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ سے فتح کے نازل ہونے سے پہلے نور قوت کی درخواست کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

نیز فرمایا: شروع شروع میں میں سیدی منصور کے پاس گیا اور آپ! اندہ تھے یعنی کتان کا کپڑا بنا کرتے تھے۔ میں نے آپ کو روتے ہوئے پایا۔ میں نے عرض کیا: آپ کیوں رو رہے ہیں؟ جواب دیا کہ ہم کس قابل ہیں؟ میں اس وقت کپڑا بننے ہوئے اللہ کے فعل کا شاہدہ کر رہا ہوں اور خیال کرتا تھا کہ میں کچھ کر رہا ہوں مگر درحقیقت کوئی اور اس کام کو کر رہا ہے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ میں نہ سمجھ سکا کہ انہیں کیا کموں۔ اگر آج یہ بات ہوتی تو اس کا جواب دے سکتا۔ میں نے عرض کیا: آپ کیا جواب دیتے؟

فرمایا: میں انہیں کہتا کہ آؤ اور مجھ سے اور طلب کرو اس لیے کہ ابھی تک آپ کو محض حوادث کا مشاہدہ نصیب ہوا ہے کیونکہ افعالِ خداوندی منجملہ مخلوقاتِ حادثہ کے ہیں۔

میں نے سوال کیا: کیا حضرت منصور نے اس حالت سے ترقی بھی کی یا نہیں؟ فرمایا: نہیں، اسی حالت پر وفات پائی۔ واللہ اعلم۔

نیز فرمایا: اگر لوگوں کو سیدی عمر یعنی حضرت کے شیخ کے اوصاف کا پتہ چل جائے تو پھر وہ زندہ میں سے کسی اور کی زیارت کے لیے کبھی نہ جائیں مثلاً فلاں یا فلاں کے پاس نہ جائیں کیونکہ سیدی عمر میں چار اوصاف ایسے پائے جاتے تھے جو کسی اور میں نہ تھے۔

پہلے یہ کہ وہ کسی کے بارے میں کچھ نہ کہتے تھے لہذا کسی کا ذکر برائی سے نہ کرتے تھے نہ چھپ کر نہ ظاہر میں۔

دوسرے: گوشہ نشینی۔ کیونکہ وہ عمر بھر علی بن حرز ہم کے مزار پر گوشہ نشین رہے اور ہر وقت دلائل الخیرات اور تسلیح پڑھتے رہتے اور ایک لحظہ کے لیے بھی آرام نہ کرتے۔ صرف مغرب کے قریب گھر جاتے اور جب زائرین کا ہجوم ہو جاتا تو علی بن حرز ہم کے روضہ سے نکل کر اس سدرہٴ محرزہ کے پاس آ بیٹھتے جو مزار کے سامنے ہے، اس کے بعد مخلوق سے الگ ہو کر اپنے کام میں لگ جاتے۔

سوم: بے کار باتوں کو ترک کرنا۔ اپنی طرف کسی بات کو بھی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی منسوب نہ کرتے تھے یہاں تک کہ جو لوگ علی بن حرز ہم کے مزار کی زیارت کو آتے یا مخصوص وہ لوگ جو جمعہ کی رات وہاں گزارتے تھے۔ ان کا یہی خیال ہوتا کہ اس کے پاس ستر وغیرہ کچھ نہیں ہے لہذا جب وہ سیدی علی کی زیارت کو آتے

اور وہ خود موجود ہوتے اور وہ جب دعا کرتے تو سیدی سے کرتے اور سیدی عمر بھی انکی موافقت کرتے اس طرح لوگ ان سے کسی قسم کی دعا کی درخواست نہ کرتے۔

چارم: دنیا سے نہ کیونکہ جب سے میرا ان سے میل جول ہوا ہے، میں نے انہیں دیکھا ہے کہ صبح کے وقت سیدی علی کے پاس آتے ہیں اور ساتھ کوئی چیز لے کر نہیں آتے یہاں تک کہ روٹی کا ٹکڑا بھی پاس نہیں ہوتا۔ اگر سیدی علی کے پاس کوئی چیز آگئی تو اس میں سے جتنا مل گیا، کھا لیا۔ ورنہ دن بھر بھوکے گزار دیا اور میں نے انہیں دیکھا ہے کہ جب انہیں روٹی کا ٹکڑا مل جاتا تو سیدی علی تھوڑا سا تیل لیکر اس پر قدرے نمک ڈال لیتے اور اگر تیل نہ ملتا تو نمک پانی میں گھول کر اسی سے روٹی کھا لیتے۔ واللہ اعلم۔

نیز فرمایا: اولیاء اللہ میں ایک خصلت پائی جاتی ہے۔ اگر لوگوں کو اس کا علم ہو جائے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس میں کس قدر راحت ہے تو اپنا سب کچھ دے دیں اور وہ خصلت یہ ہے کہ جب تک وہی پر کوئی مصیبت حقیقتہً نہ اتر آئے، وہ اس کا غم ہی نہیں کرتا اور نہ ہی اس آنے والی مصیبت کی وجہ سے اپنے حال کو مکڈ بناتا ہے اور اگر وہ خیال کرے یا اسے یقین بھی ہو جائے کہ ابھی ایک گھڑی کے اندر یا اس سے بھی کم وقت میں مصیبت اترنے والی ہے۔ اس وقت بھی وہ اس کی نگاہ میں کا لعدم ہوگی اور وہ اس کا قطعاً احساس نہ کرے گا، چنانچہ تو دیکھے گا کہ آئندہ جو اس پر نازل ہونے والا ہے وہ اسے شاہدہ کر رہا ہے مگر پھر بھی وہ کھاتا ہے، پیتا ہے، ہنستا ہے اور بیوی کے پاس جاتا ہے ایسے جیسے کہ ایک جاہل ہو اور اسے کوئی سیر ہی نہ ہو اور آئندہ آنے والی مصیبت کا اسے قطعاً علم نہ ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تصرف کا کوئی شخص احاطہ نہیں کر سکتا چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے تصرف میں وہ کام کر جاتا ہے جن کے متعلق ان کا خیال ہی نہیں ہوتا کہ وہ ہو بھی سکتا ہے اور جن امور کو لوگ واقع ہونے والا سمجھتے ہیں، وہ نہیں ہوتے لہذا اولی اللہ کے مطلق تصرف کا مشاہدہ کرتے ہوتے ہیں جسے کسی وجہ سے بھی مقید نہیں کیا جاسکتا اور اس خصلت میں اس قدر راحت ہے جس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی جب یہ اس کی حال ہے جسے فتح نصیب ہے اور جو امور اور ان کے واقع ہونے کا مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے تو خیال کر لو کہ محبوب کا کیا حال ہونا چاہیے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو دلی کی راہ پر چلائے اور اپنے غلوں کو دور چھینک دے اور تدبیر کی فکر اور غلط انداز سے باوجود اس کے کہ اس کی تدبیر میں کوئی فائدہ نہیں، وہ پرجہ جاتے۔ واللہ اعلم۔

میں نے حضرت سے اس ولی کے متعلق دریافت کیا جس کی تین سو چھیاسٹھ ذاتیں ہوتی ہیں وہ کون ہے؟

فرمایا: وہ صرف وارث کامل یعنی غوث ہوتا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن سے اسے یہ ورثہ ملا ہوتا ہے ان کی تو ایک

لاکھ چوبیس ہزار ذات ہے کیا وجہ ہے کہ وہ ان تمام کا وارث نہیں بنا؟

فرمایا: جن امور کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں قدرت ہے ان پر کوئی اور قدرت نہیں

رکھ سکتا۔

پھر فرمایا کہ غوث کے وارث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے

کوئی اور شخص اس قدر فیضیاب نہیں ہوا جس قدر کہ غوث ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ عارفین کی نماز کیسی ہوتی ہے؟

صلوۃ العارفین

فرمایا: جب عارف اللہ اکبر کہتا ہے اور اپنی اس ظاہری ذات سے نماز

پڑھتا ہے تو اس کی ذات کے اندر روح بھی نماز پڑھتی ہے، ذات کے ساتھ وہ بھی رکوع اور سجد

کرتی ہے۔

حضرت نے فرمایا: لہذا میں ذاتِ روح اور ظاہری ذات کو دیکھنے لگ گیا کہ ان میں سے

کون زمین سے زیادہ قریب ہے۔ میں یہ تحقیق کرنا چاہتا تھا کہ ان دونوں میں سے کون زمین کے زیادہ

قریب ہے مگر حافظ (زشتے) نے مجھے روک دیا اور روح کی نماز تو ہر حالت میں مقبول ہوتی ہے۔

میں نے عرض کیا: شاید اس لیے کہ روح خفی ہے، حق کی طرف سے ہے اور حق کی طرف ہی اسکا

رجوع ہے اور ظاہر کی نماز کا اس لیے حکم دیا گیا کہ اکثر لوگ روح کی نماز ادا کرنے سے قاصر

ہیں اور عارفین اگرچہ اپنی روح سے نماز پڑھتے ہیں، وہ اپنے جسم سے بھی نماز پڑھتے ہیں اس

لیے کہ دستور یہی چلا آ رہا ہے اور اسی میں شریعت کے ظاہری احکام کی حفاظت ہے۔ اس کے بعد

آپ نے اس کی مثال یوں بیان فرمائی کہ ایک شخص درزی کا پیشہ اس نیت سے اختیار کرتا ہے کہ اس

کے ذریعے اسے رشیم کی صنعت آجائے مگر اللہ تعالیٰ اسے استاد کا مدد کے بغیر ہی رشیم کی صنعت

سکھا دے اور یہ دستور درزیوں میں چھپا پڑا ہے۔ پھر فرض کر دو کہ درزیوں کا خاص لباس،

عادات، رسومات میں جو ان کا امتیازی نشان ہوں جو ان کے ظاہر وجود پر پائے جاتے ہوں اور

یہ شخص پہلا لباس چھوڑ کر رشیم کا کام کرنے والوں کا لباس پہن لے اور لوگ اس سے اس کا سبب

پوچھیں اور یہ کہ میں اب ریشم کی صنعت کا کاریگر بن گیا ہوں حالانکہ علم الہی میں یہ طے پا چکا تھا کہ ورزی کے پیشہ ہی میں اس کو ریشم کی صنعت نصیب کی جائے اور اس کی شناخت کا ظہور صرف قیامت کے دن ہو۔ لہذا اس کو یہی زیبا ہے کہ یہ بدستور درزیوں کی عادت پر چلے اور ان کا ہی لباس پہنے اور اپنی پہلی عادت پر رہے۔ واللہ اعلم۔

میں نے حضرت سے دسویں صدی کے کسی مشہور شخص کے متعلق دریافت کیا۔
فرمایا: اس کو فتح نصیب ہوئی تھی مگر اس کی وہیں حالت رک گئی اور وہ جادوگر بن گیا۔
میں نے عرض کیا: یہ کیسے؟

فرمایا: سب سے پہلے بندہ کو جو فتح حاصل ہوتی ہے تو وہ لوگوں کے گناہ اور ان کے اسباب کو دیکھتا ہے اور یہ کہ وہ کس طرح ان گناہوں میں پڑتے ہیں اور اسے ظلمانی کھردکھائی دیتی ہے جس سے اہل ظلام مدد حاصل کرتے ہیں خدا پناہ میں رکھے اور اسی قسم کے اور امور ظاہر ہوتے ہیں۔ لہذا جب اللہ تعالیٰ صاحب فتح سے شرکاراہہ فرماتے ہیں تو اس کی عقل ان کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور اسی میں اپنی فکر لگاتا ہے لہذا اگر اس کی فکر ایک گھڑی کے لیے بھی ان میں ٹھہر جاتے تو وہ اللہ سے منقطع ہو جاتا ہے خدا اپنی پناہ میں رکھے۔ اس لیے اس کی نگاہ میں وہی امور رہتے ہیں جن کا ذکر فتح میں ہو چکا ہے اور یہ شیطان کی خیمہ گاہ اور بنی آدم کو فتنے میں مبتلا کرنے کا مقام ہے لہذا جو چیزیں اس کو دکھائی دیتی ہیں وہی شیاطین کو دکھائی دیتی ہیں اور وہ اس کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے چلتے ہیں۔ چنانچہ جادو اس کی تسخیر میں آ جاتا ہے اور وہ جادوگر بن جاتا ہے مگر جب اللہ تعالیٰ صاحب فتح انسان سے خصلتی کاراہہ فرماتے ہیں تو اس پر وہ امور کھول دیے جاتے ہیں جن سے گزشتہ امور سے اس کا خیال پھیر جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اسے ہر لحاظ ترقی دیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

نیز فرمایا: فتح کی عجیب شان ہے اور اس کی ہر بات نرالی ہے۔ بہت سے محبوب بندے ایسے ہیں جنہیں فتح سے روک دیا جاتا ہے اور اسی میں اللہ کی رحمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فتح میں ایسے امور ہوتے ہیں جن کا صاحب فتح ذات کے پاک ہونے میں اور واصل ہونے سے پہلے جب مشاہدہ کرتا ہے تو وہ خدا محفوظ رکھے، فوراً عیسائی ہو جاتا ہے اور فتح میں بعض ایسے امور ہیں کہ ان کے مشاہدہ سے صاحب فتح یہودی ہو جاتا ہے۔ بہت سے لوگوں کو فتح اس وقت نصیب ہوتی ہے جب ان کی روح کے نکلنے کا وقت آ جاتا ہے۔ اور بہت سے لوگ بغیر فتح حاصل کئے مر جاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن صاحب فتح لوگوں سے زیادہ اکمل اور بہتر حالت میں اٹھائیں گے۔

ایک مرتبہ اپنے ایک مرید سے کہا کہ میں وہ بہت بڑا بوجھ ہے جسے صوفیاء نے اس تابوت کے اندر جمع کر رکھا ہے۔

میں نے حضرت کو اس حبیب کو کہتے سنا کہ تم میں بہت سی نیکیاں ہیں۔ جب میں انہیں دیکھتا ہوں تو مجھے تم پر رشک آتا ہے۔ ایک اور بار اسے کہا گیا تو اپنی نیکیاں میرے ساتھ بانٹ لے گا کیونکہ مجھے ان سے اور ان کی عظمت سے تعجب آتا رہتا ہے۔

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ فتح کے وقت مفتوح علیہ سے ایک قسم کی سیاہ کھال کو جو دراصل وہ ظلمت ہے۔ جو تمام ذات کو گھیرے ہوئی ہے دور کیا جاتا ہے چنانچہ جب یہ کھال دور ہو جاتی ہے تو اس کی ذات پر نورِ فتح ڈالا جاتا ہے اور یہ بہت بڑا ہجوم ہوتا ہے جنہیں فرشتے اور دوسرے لوگ لے کر آتے ہیں اور وہ کھال کو دور کرنے لگ جاتے ہیں اور فرشتے مڑکڑاٹھاتے ہوتے ہیں اور جو نبی کہ کھال دور ہو جاتی ہے، ملائکہ نور کو اس کی ذات میں رکھ دیتے ہیں اور جس وقت یہ کھال دور ہو جاتی ہے مخلوقات کو اس مفتوح کے متعلق خطرہ ہوتا ہے اس لیے کہ انہیں اس کے انجام کا پتہ نہیں ہوتا کہ آیا وہ اس فتح سے مرعوب ہو گیا اس کی عقل زائل ہو جائے گی یا سلامت رہے گی اور وہ متواتر اللہ سے عاجزی سے دعا کرتے رہتے ہیں جو مژاس کے اوپر ڈالا گیا ہے۔ خدا اسے اس کے برداشت کرنے کی توفیق و طاقت دے۔

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ نورِ فتح ذاتِ شیخ میں رہتا ہے چنانچہ جب اس کا وارث شیخ کی زندگی کے آخری ایام میں اس پر قدرت رکھتا ہے تو شیخ کے وصال کے بعد نورِ فتح لے لیتا ہے اور اگر اسے اس کی قدرت نہ ہو تو وہ نورِ جبریل علیہ السلام کے پاس بطور امانت پڑا رہتا ہے تا آنکہ مرید کو اس کی طاقت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ کھال اس سے دور کی جاتی ہے اور وہ برے لیتا ہے۔

حضرت یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام فتح سے پہلے تین دن مفتوح علیہ سے دوستی کر لیتے ہیں اور اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے مانوس کرتے ہیں اور اسے سیدھی راہ پر لے آتے ہیں اور فتح کے بارے میں اس قسم کے دیگر اسرار کا حضرت نے ذکر فرمایا۔ خبردار! یہ نہ سمجھ لینا کہ یہاں جبریل علیہ السلام کے ذکر سے وحشت پیدا ہوتی ہے جیسا کہ فقہاء فرماتے ہیں اور جو شخص یہ کہے کہ وہ فرشتوں کو دیکھتا ہے، ہستی سے انکار کرتے ہیں اس لیے کہ فقہاء کی دوسری جماعت نے ان کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں کوئی محال بات پائی جاتی ہے نیز اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات علیہ کے مزاج اور اس کی شائیدیں فقہاء نے ایک جلیل القدر اور مشہور صحابی عمر ابن

حصینؑ الخزامی رضی اللہ عنہ کی حکایت بیان کی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ فرشتوں کو دیکھ رہے تھے اور وہ انہیں سلام کیا کرتے تھے مگر جب انہوں نے کسی بیاری کی وجہ سے بدن کو داغ دیا تو پھر ان کا دکھائی دینا بند ہو گیا اور امام شعرانی نے تو اپنی کتاب المنن میں اسے ایک بہت بڑا اسان شمار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایسے لوگوں سے ملایا جو جبرئیل کا مشاہدہ کرتے اور اس سے ہم کلام ہوتے ہیں اگر وہ لوگ جنہیں کلام کرنے کا سابقہ نہیں خاموش رہتے تو لوگوں کے لیے بہت علم ظاہر ہوتا اور انہیں بہت بڑی بھلائی حاصل ہوتی۔ جو لوگ ان باتوں سے انکار کرتے ہیں وہ ان صحیح احادیث کے متعلق کیا کہیں گے جن پر محدثین کا اتفاق ہے اور جن کی روایت بخاری وغیرہ نے کی ہے جن میں صراحت بیان کیا گیا کہ یہ بات دوسری امتوں میں واقع ہوئی تو پھر اس امت میں اس کے واقع ہونے سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے صحیح بخاری وغیرہ میں بنی اسرائیل کے متعلق ایسا ہیث کو دیکھ لیں۔ واللہ اعلم۔

اب ہم نورانی امور جو باقی رہ گئے ہیں اور جن کا مشاہدہ صاحب فتح کبیر کو ہوتا ہے مثلاً برزخ جنت، دوزخ، صراط، حوض، ارواح، ملائکہ، حفظہ ادا بیا، وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔

عمران بن حصین خزامی: ابو نعیمہ کنیت غزوہ خیبر کے سال میں ایمان لائے انہوں نے بعصرہ میں رہائش اختیار کر لی تھی اور وہیں ۳۰۰ مسلمانین دفن پائی۔ فضلاً و نقیلاً صحابہ میں سے تھے۔ یہ اور ان کے والد دونوں اکٹھے ایمان لائے تھے۔ ابن سیرین کہتے ہیں کہ بعصرہ میں عمران سے زیادہ تلمیذ اور افضل کوئی صحابی نہیں آئے۔ انہیں مگر سلام کیا کرتے تھے۔

کتاب کا پر امام طائف المنن و اخلاق فی بیان رجوب التحدیث بنعمۃ اللہ سبحانہ و تعالیٰ علی الاطلاق ہے یہ امام شعرانی متوفی ۳۰۰ھ کی تالیف ہے (کشف الظنون: ۲۰۵:۲۱)

دسواں باب

برزخ اور اسمیں ماحول کے اترنے کی کیفیت

حضرت نے فرمایا کہ برزخ کی صورت ایسی ہے جیسے کوئی مقام نیچے سے تنگ اور جس قدر اوپر کو جائیں تو وسیع ہوتا جائے حتیٰ کہ ممتلئی پر پہنچ کر اس کے سر پر ایک گنبد بنا دیا جائے جیسا کہ منارہ کا گنبد ہوتا ہے۔ پس اسے لکڑی کی ایک بہت بڑی اوکلی کی طرح سمجھ جس کا نچلا حصہ تنگ ہوتا ہے پھر اوپر تک بتدریج فراخ ہوتا جاتا ہے اور جب منارہ کا گنبد اس کے سر پر رکھ دیا جائے تو اس کی شکل برزخ کی سی ہو جائے گی، لیکن وسعت اور عظمت کے لحاظ سے برزخ کی جڑ تو دنیا کے آسمان میں ہے اور ہماری جانب میں اس سے باہر نہیں نکلا۔ پھر اوپر کو چڑھتا گیا یہاں تک کہ دوسرے آسمان کو پہنچاڑا، پھر چڑھا یہاں تک کہ تیسرے آسمان کو پہنچاڑا۔ پھر چڑھا یہاں تک کہ چوتھے آسمان کو پہنچاڑا۔ پھر چڑھا یہاں تک کہ پانچویں آسمان کو پہنچاڑا۔ پھر چڑھا یہاں تک کہ چھٹے آسمان کو پہنچاڑا، پھر چڑھا یہاں تک کہ ساتویں آسمان کو پہنچاڑا۔ پھر اتنا چڑھا کہ اس کا اندازہ نہیں کیا اور اس کے اوپر گنبد بنایا گیا۔ یہ اس کا طول ہے۔

بیت معمور | فرمایا: یہی بیت معمور ہے۔

میں نے عرض کیا کہ بیت معمور تو ساتویں آسمان میں ہے اور برزخ کی ابتدا پہلے آسمان سے لیکر ساتویں آسمان سے بھی اوپر تک ہے کہ اس کا اندازہ نہیں۔ لہذا یہ ہر آسمان میں ہے۔

حضرت نے فرمایا: ساتویں آسمان سے اوپر اس لیے اکتفا کی گئی کہ اسی میں گنبد مذکور ہے اور یہ مقام برزخ کا اشرف ترین مقام ہے کیونکہ اس میں سید الاولین والآخرین علیہ افضل الصلوة وازکی التسلیم کی روح اور ان لوگوں کی روہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کی برکت سے عزت بخشی ہے مثلاً ازواج مطہرات اور آپ کی بیٹیاں اور آپ کی ذریت جو آپ کے زمانہ میں تھی اور وہ ذریت بھی جنہوں نے آپ کے بعد قیامت تک حق پر عمل کیا ہے اور اسی میں خلفاء اربعہ کی ارواح بھی ہیں اور ان شہدا کی بھی روہیں ہیں جو آپ کے سامنے فوت ہوئے اور جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی خاطر اپنی جانیں دیں اور ان کے حسن عمل کے صلہ میں اللہ نے ان ارواح کو وہ طاقت اور قوت دی ہے جو دوسروں میں نہیں پائی جاتی۔ اسی گنبد میں ان اولیاء اللہ کی روحیں بھی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث کامل ہیں مثلاً اغواث اور اقطاب لہذا اسی گنبد برزخ کا اشرف ترین حصہ ہے اسی لیے جنہوں نے ساتویں آسمان سے اوپر بیت معمور کو قرار دیا ہے انہوں نے اسی پر اکتفا کی ہے۔

پھر میں نے دیکھا ہے کہ حافظ ابن حجر نے بخاری میں لکھا ہے کہ ہر آسمان میں بیت معمور ہے کتاب الصلوٰۃ میں معراج والی حدیث کی شرح میں دیکھ لیں وہاں انہوں نے بعض محدثین سے یہ بات نقل کی ہے مگر یہ نفع اباری کے تمام نسخوں میں موجود نہیں بعض میں ہے اور بعض میں نہیں۔ اس طرح کوئی اشکال نہیں رہتا۔

اب رہا برزخ کا عرض تو اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ سورج جو چوتھے آسمان میں ہے اسی کے گرد چکر لگاتا ہے جیسے کہ کوئی طواف کر رہا ہو اور اس کا یہ پھر ایک سال میں مکمل ہوتا ہے اور تمام برزخ میں سورج میں جیسا کہ جنت کے بیان میں آئے گا۔ انہی سوراخوں میں روحیں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اور ان لوگوں کی روحیں بھی جنہیں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کی بدولت عزت بخشی ہے گنبد میں ہیں۔

فرمایا: اس گنبد کے سات حصے ہیں جنت کی تعداد کے مطابق۔ ہر حصہ ساتویں جنتوں میں سے ایک جنت کے مشابہ ہے۔

فرمایا: اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کا مقام گنبد میں ہے مگر یہ بیان ہمیشہ نہیں رہتی اس لیے کہ یہ گنبد یا کوئی اور مخلوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کے کثرت اسرار کی وجہ سے مکمل نہیں ہو سکتی بلکہ تو صرف آپ کی ذات شریف ہی ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ برزخ میں آپ کی روح مبارک ایک معین جگہ پر مقیم نہیں رہتی اس لیے کہ کسی چیز میں اس کے برداشت کی قدرت نہیں۔

وہ روحیں جو برزخ میں چوتھے آسمان اور اس کے اوپر کے آسمانوں میں ہیں ان کے نور بہت روشن ہیں اور جو روحیں تیسرے آسمان اور اس سے نیچے ہیں ان میں سے اکثر تاریک اور بے نور ہیں اور یہ سوراخ جو برزخ میں ہیں حضرت آدم کی پیدائش سے پہلے سے ارواح سے معمور تھے اور ان ارواح میں نور تھا مگر یہ نور وجود سے جدا ہونے کے بعد کے نور سے کم تھا۔

فرمایا: جب آدم علیہ السلام کی روح ان کی ذات میں جا آئی تو اس کی جگہ خالی رہ گئی۔ اسی طرح ہر روح کے اتارنے سے اس کا سوراخ خالی رہتا گیا۔ موت کے بعد جب روح لوٹتی ہے تو اس مقام پر

نہیں لڑتی جہاں وہ پہلے تھی بلکہ وہ کسی اور مقام کی مستحق ہوتی ہے۔

مؤلف کہتا ہے کہ حضرت کی مراد یہ ہے کہ اگر وہ روح مومن ہو تو پہلے سے زیادہ بلند مقام کی مستحق ہوتی ہے اور اگر کافر ہو تو پہلے سے کم تر مقام کی مستحق ہوگی۔

پھر فرمایا کہ خالی سوراخوں کو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات سے آباد کیا جاتا ہے اور وعدہ اُکسٹ سے پہلے ارواح کو انجام کا علم نہ تھا اور نہ ہی یہ معلوم تھا کہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا کیا ارادہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنی تصانیف ازل کو ظاہر کرنا چاہا تو اسرافیل کو صور پھونکنے کا حکم دیا چنانچہ انھوں نے چھوٹا اور تمام روحیں جمع ہو گئیں اور ان پر وہ کیفیت پیدا ہو گئی جو قیامت کے دن مردوں کو اٹھانے کے لیے صور پھونکنے سے پیدا ہوگی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جب روحیں جمع ہو چکیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنا بلا کیف خطاب سنایا اور کہا اُکسٹ بِسْمِکُمْ رکھا میں تمہارا رب نہیں ہوں اہل سعادت نے تو خوشی خوشی اپنے رب کے حکم کا جواب دیا (کہ ہاں تو ہمارا رب ہے) اس وقت سے جواب دینے میں ان کا فرق ظاہر ہو گیا اور مشاہدہ میں ان کے مراتب کا فرق معلوم ہو گیا اور شیخ دمرید میں امتیاز ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فلاں کا تعلق فلاں سے ہوگا اور فلاں کا تعلق فلاں سے کٹ جاتے گا اور انبیاء اور ان کی امتوں کا فرق بھی ظاہر ہو گیا۔

بد بخت لوگوں نے جب اللہ کا خطاب سنا تو وہ کبیدہ خاطر ہوئے اور بادل نا خواستہ جواب دیا اور پھر اس طرح بھاگ گئے جس طرح شہد کی مکھی کو دھوئی دی جاتے تو بھاگتی ہے اس لیے انہیں ذلت و خواری حاصل ہوتی اور ان کے نور تاریک ہو گئے اسی وقت سے مومن اور کافر میں امتیاز ہو گیا۔ تب جاکر برزخ میں ہر جگہ روح کی جگہ مقرر کر دی گئی۔ اس سے پہلے روحیں جہاں چاہتی تھیں قیام کر لیتی تھیں پھر اگر اللہ کا ارادہ ہوتا تو وہ وہاں سے قتل ہو کر کہیں چلی جاتیں۔

حضرت نے فرمایا: اگر کوئی اہل مشاہدہ اب برزخ کی طرف دیکھتا ہے تو اسے وہ روحیں الگ دکھائی دیتی ہیں جو اپنے انوار کی قوت کے ساتھ اجسام سے جدا ہو کر آتی ہیں اور وہ بھی جو کثرت ظلمت کے ساتھ آتی ہیں اور وہ روحیں بھی نظر آئیں گی جو اپنے نور یا ظلمت کی کمی کے باعث نکل کر نہیں گئیں۔

نیز فرمایا: جو روحیں نکل کر دنیا میں نہیں گئیں جب تک وہ تمام کی تمام نکل کر نہ چلی جاتیں یہاں تک کہ ایک روح بھی باقی نہ رہے اس وقت تک قیامت واقع نہ ہوگی۔

میں نے عرض کیا: اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ ارباب کشف کو قیامت اور اس کے واقع ہونے کے

وقت کا علم ہے۔ حالانکہ اللہ فرماتے ہیں: إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ الَّيَّامُ تِيَامُتُ كَالْعِلْمِ اللَّهُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَمَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْفُ الْحِسَابِ ۚ وَاللَّهُ يَتَذَكَّرُ أَلْفَ مَرَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۚ

اصحاب فتح کبیر کو حضرت نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مصلحت وقت کی

قیامت کا علم ہوتا ہے بنا پر فرمایا تھا ورنہ آیت میں ذکر کی گئی ان پانچوں چیزوں سے کوئی چیز بھی آپ سے مخفی نہ تھی اور آپ پر کیسی مخفی رہ سکتی ہے جبکہ اس امت کے سقوت

تقلوب کو ان کا علم ہے حالانکہ وہ غوث سے کم مرتبہ ہیں تو پھر غوث کو کیونکر ان کا علم نہ ہو گا اور پھر سید الاولین والآخرین کو ان کا کیونکر علم نہ ہو گا جو کہ ہر چیز کے وجود کا سبب ہیں اور انہی سے ہر چیز کا وجود ہے۔

پھر فرمایا: پیشتر اس کے کہ جسموں سے روہیں لوٹ کر برزخ میں آئیں اس میں کم نور تھا اور یہ آدم علیہ السلام کی پیداوار سے پہلے کی بات ہے اور آدم کے زمانہ میں بھی اس کا نور کم تھا مگر جب آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد سے دیگر انبیاء اور اولیاء کی روہیں یہاں چڑھ کر گئیں تو برزخ کا نور بتدریج بڑھتا گیا اس لیے کہ ارواح کا صعود بھی بتدریج ہوا تھا۔

میں نے سوال کیا کہ کفار کی روہیں جسم سے نکلنے کے بعد برزخ میں کہاں ہوتی ہیں؟

فرمایا: برزخ کی تہ میں اگر برزخ میں ان روہوں کے مقام کو تو دیکھ تو تجھے یہ کہنے کی طرح سیاہ دکھائی دے اسے اس کے کافرانہ کیف کے حال نے سیاہ کر رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے آخرت کا معاملہ دنیا سے بالکل برعکس ہے کیونکہ دنیا میں اگر کوئی شخص سفید یا خمرہ لباس پہنے تو جب تک اسے کسی خارجی امر کے سبب میل کبیل نہ لگ جائے اس وقت تک وہ لباس اپنی حالت پر رہے گا، لیکن آخرت میں کپڑوں کی گندگی کا دار و مدار ذات پر ہے لہذا اگر ہم فرض کر لیں کہ کافرانہ سفید اور خوبصورت کپڑے پہنے ہوئے ہے تو ایک لحظہ کے اندر یہ کپڑے کوئلے سے بھی زیادہ سیاہ ہو جائیں گے۔

پھر فرمایا: یہ ہوا جو ہمیں گھیرے ہوئے ہے اس کا معاملہ بھی دونوں جہانوں میں ایک دوسرے کے برعکس ہے چنانچہ دنیا میں اگر محیط ہوا روشن ہوگی تو یہ ان اجسام کو بھی روشن کرے گی جو اس کے اندر ہیں خواہ وہ مومنین کے ہوں خواہ کفار کے لیکن آخرت میں ذات ماحول پر غالب ہے چنانچہ مومنین کی ذات

لے اس مقام پر مولوی عاشق الہی نے فی المباحیث جوڑا نوٹ لکھا ہے مگر انہوں نے کتاب پڑھ جانے کے بعد بھی انہیں کشف اور مشاہدہ کامل میں فرق سمجھ میں نہ آیا۔ شاید وہ کامل تو اتر رہے ہیں مگر کبھی بڑھ کر ہوتا ہے۔

ماحول کو روشن کر دے گی اور اس پر مومنین کا اس قدر نور چھائے گا کہ عقل و نگ رہ جائے گی اس کے برعکس کفار کی ذوات اسے کوٹنے کی طرح سیاہ کر دیں گی۔ حاصل یہ کہ آخرت میں امور باطنہ کے احکام باری ہوتے ہیں کیونکہ اصل وہی ہے اور آخرت حقیقت کا گھر ہے۔

حضرت نے مجھے آخرت کے پسینے کے متعلق بھی اسی قسم کا جواب دیا جو بعض کے منہ تک پہنچ کر بطور کام بنا ہو گا بعض کی کرتک ہو گا اور بعض کے گنگن تک حالانکہ وہ زمین جہاں یہ لوگ ہوں گے ہموار ہوگی۔ چنانچہ اگر دنیا میں تین آدمی ہموار زمین کے پانی میں کھڑے ہوں تو وہاں یہ اختلافات ممکن نہیں۔ فرمایا: چونکہ دنیا میں ان لوگوں کے باطن میں اختلاف تھا اس لیے آخرت میں اس کا معاملہ ظاہر ہو گیا کہ حقیقت کا گھر یہی ہے۔

پھر فرمایا کہ برزخ کے اس حصہ میں جہاں کافریں باہر کو نکلتے ہوئے ٹھنٹھے ہیں جس طرح ایک مستطیل عمود ہوتا ہے، پھر یہ ٹھنٹھے جہنم کی جہت میں پھیلے ہوئے ہیں اور دوزخ کا عذاب اور گوان ٹھنٹھوں والوں کا اس حد تک پہنچتی ہے کہ گویا وہ جہنم ہی میں ہیں۔ ان ٹھنٹھوں پر منافق اور وہ کافر رہتے ہیں جن پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے یہ ٹھنٹھے اس برزخ میں بھی پائے جاتے ہیں جہاں سعادتمند لوگوں کی روئیں ہیں اور وہاں سے باہر کو جھک کر جہت کی جانب پھیل ہوئی ہیں۔ چنانچہ یہاں کے رہنے والوں کو جہت کی نعمتیں بھلائی اور اس قدر خوشبو حاصل ہوتی ہے جس سے ان کی کیفیت ایسی ہو جاتی ہے کہ گویا وہ درحقیقت جہت میں ہی ہیں یہاں شہداء اور ان لوگوں کا مسکن ہے جن پر اللہ کی رحمت ہو اور یہ ٹھنٹھے جن کا ذکر مذکورہ بالا دونوں فریقوں کے برزخ میں آیا ہے۔ یہ برزخ ہی کا حصہ ہیں مگر ان کی شکل ایسی ہے جیسے کوئی زائد اور باہر کو نکلی ہوئی چیز برزخ کی جہت کے سوا کسی اور جہت میں جا رہی ہو۔

میں نے عرض کیا کہ برزخ کا پچھلا حصہ تو آسمان دنیا میں ہے اور جب کافروں کی روئیں اس میں ٹھہریں تو یہ برزخ میں اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لَا تَفْتَحْ لَهُ بَابَ السَّمَاءِ (سورہ اعراف، آیت: ۴۰) ان کے لیے آسمان کے دروازے کھولے نہ جائیں گے۔ مزید برآں علما نے بیان کیا ہے کہ مومنین کے لیے برزخ قبر سے لے کر اعلیٰ علیین تک ہے اور کفر میں کے لیے قبر سے لے کر سبقت تک اسفل سانیین میں ہے۔

حضرت نے ایک بار تو اس کا جواب یہ دیا کہ کافر کی روح جب برزخ کے باطن حصہ میں کے

آسمان میں ہے اور اسے حجاب میں ڈال دیا گیا ہے گویا کہ اس کی آنکھیں اکان اور دل اور تمام حواس سی دیئے گئے ہیں۔ بطور مثال کے ہے لہذا ایسا ہوا جیسے کہ سہی کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے گئے ہوں۔

دوسری باریوں فرمایا کہ برزخ میں کافروں کی روحوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو ظلمت اور بد حال کے غلبہ کی وجہ سے محبوب ہے یہاں تک کہ اسے نہ روح دکھائی دیتی ہے نہ کوئی اور چھوٹی یا بڑی چیز اور یہ خدا کی ناراضگی کا حجاب ہے۔ خدا اپنی پناہ میں رکھے اور دوسری قسم ان روحوں کی ہے جو محبوب نہیں ہیں بلکہ انھیں مشاہدہ ہوتا ہے اور یہ مشاہدہ صرف اسی عذاب کا ہوتا ہے جو ان کے لیے تیار کر رکھا ہے لہذا ہر دو قسمیں اللہ کی ناراضگی میں ہیں لہذا ان کی یہی حالت ہوئی جیسے کسی کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں۔

مؤلف کہتا ہے کہ حضرت کے اس بیان کی تائید اس اختلاف سے ہوتی ہے جو علماء میں لا تَفْقَہ لِمَعْنَى الْبَوَابِ السَّمَاءِ کی تفسیر میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان کے دروازے ان کی دعاؤں کے لیے نہیں کھولے جائیں گے یعنی ان کی دعائیں مقبول نہ ہوں گی۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی روحوں کے لیے نہیں کھولے جائیں گے یعنی جس طرح مومنوں کی روحوں کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جا۔ ۷۶۸۔ ان کی روحوں کے لیے نہیں کھولے جائیں گے چنانچہ ملاحظہ ہو بیضاوی۔

اسی طرح کا اختلاف علماء میں اس حدیث کے متعلق پایا جاتا ہے جس میں آسمان میں حضرت آدمؑ کے بائیں طرف کی اشباح کا ذکر آتا ہے اور حدیث میں آنحضرتؐ کا یہ فرمانا کہ یہ حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے کفار کی رو میں ہیں چنانچہ بعض علماء نے اسے ظاہر پر معمول کیا ہے اور دوسروں نے اس کی تاویل کی ہے۔

ایک اور بار حضرت نے فرمایا کہ برزخ کے متعلق میں نے ذکر کیا ہے کہ اس کی ابتداء مذکورہ بالا برآسمان دنیا سے ہے تو اس سے ہماری مراد یہ نہیں کہ یہ لازمی طور پر ہمارے سر کی جانب ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے پاؤں کے نیچے ہو اس لیے کہ آسمان زمین کو گھیرے ہوئے ہے جو اس کے اندر ہیں اور عرض ان تمام کو گھیرے ہوئے ہے اور برزخ ایک بہت بڑی مخلوق ہے اور اس کی ترکی چوڑائی جہاں سے تنگ تر ہے سارے عالم کے برابر ہے لہذا جب ہم یہ کہتے ہیں یہ ہمارے سر کے اوپر ہے تو اس کا ایک حصہ تو ہمارے پاؤں کے نیچے ہو گا۔ لہذا جن علماء نے کہا ہے کہ ان کی رو میں اسفل سافلین میں ہوں گی تو ان کی مراد ہمارے نیچے کی جانب برزخ کا پائیں حصہ ہے۔

موتف کتا ہے کہ شاید حضرت یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ (اوپر کی جانب) برزخ ساتویں آسمانوں کو چیر کر اعلیٰ علیین تک چلا گیا ہے اور (نیچے کی طرف) ساتویں زمینوں کو بچھا کر اسفل سافلین تک چلا گیا ہے۔ لہذا اس کا پائیں حصہ ساتویں زمین میں سمجھیں اور بالائی حصہ ساتویں آسمانوں سے اور علیین میں ہے۔ حضرت نے یہی بات کہی بارصراحتہ فرمائی اور اسی طرح اس قول کی موافقت ہوتی ہے کہ جنت آسمانوں کے اوپر ہے اور جہنم زمینوں کے نیچے۔ لہذا (برزخ کا) پائیں حصہ جہنم کی جہت میں ہے اور یہیں کفار استقامت اور ناجروں کی رُو میں ہیں اور بالائی حصہ جنت کی جہت میں ہے اور یہیں مومنین و مسلمات مند اور نیک لوگوں کی رُو میں ہیں۔ اس قول سے آسمان کے دروازوں کے کھلنے کے بارے میں گزشتہ اختلاف کی مخالفت نہیں ہوتی کیونکہ اگر برزخ اس طرح ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفار کی ارواح کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھلیں۔

ایک اور بار فرمایا: بعض کفار ایسے ہیں کہ جن کے مرنے کے بعد ان کی روح کو برزخ کی طرف چڑھنے سے روک دیا جاتا ہے اور اس پر شیطانوں اور ابلیسوں کو جو اس دنیا میں اس کی ذات میں داخل ہو کر اسے دوسرے ڈالتے تھے۔

مسئلہ کر دیا جاتا ہے لہذا جو نہی کہ روح ذات سے نکلتی ہے یہ شیاطین فوراً اسے لے لیتے اور اس سے اس طرح کھیلنے میں جس طرح بچے گنبد سے کھیلنے میں۔ خدا اپنی پناہ میں رکھے۔ چنانچہ ایک شیطان اسے دوسرے شیطان کی طرف پھینکتا ہے اور اسے وہ پیچھے پر مارتا ہے اور اسے ناقابل برداشت عذاب الہی میں مبتلا کرتے ہیں۔ تا آنکہ اس کی ذات قبر میں فنا ہو جاتی ہے اور مٹی بن جاتی ہے تب جا کر یہ روح پائیں برزخ میں اپنے مقام پر چلی جاتی ہے۔ لہذا جنہوں نے آسمانوں کے دروازوں کے کھلنے کو اس پر محمول کیا ہے تو ان کا کتنا صمیم ہے۔

موتف کتا ہے حضرت کی ان تمام تقاریر میں کوئی منافات نہیں پائی جاتی بلکہ ان کا مفہوم ایک ہی ہے لہذا ایک کا دوسرے سے ربط پایا جاتا ہے۔ میں نے انہیں الگ الگ اس لیے بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت سے اسی طرح سنا تھا۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ان تمام تقاریر کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ برزخ کا پائیں حصہ آسمان دنیا میں ہے اور یہاں صراحتہ بیان کیا گیا ہے کہ برزخ کا پائیں حصہ اسفل سافلین میں ہے لہذا یہ تو یقیناً پہلی تقریر کے منافی ہوا۔ اس لیے کہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ برزخ کا پائیں حصہ ساتویں زمین کے نیچے ہے اور پہلی تقریر اس بات کی متقاضی ہے کہ یہ آسمان دنیا میں ہے۔

اس کے جواب میں مؤلف کہتا ہے کہ اگر پہلی تقریر میں پائیں حصہ سے مراد وہ نچلا حصہ لیا جائے جو سعادتمندوں کے اعتبار سے ہے اور یہاں اشتیاق کے اعتبار سے نچلا حصہ مراد لیا جائے تو پھر دونوں تقریروں میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا جیسا کہ ظاہر ہے۔

اگر اس پر پھر اعتراض کیا جائے کہ یہ صحیح ہے، لیکن پہلی تقریر کا تقاضا ہے کہ کفار کی ارواح اس میں پائیں حصہ میں ہوں جو آسمان دنیا میں ہے اور اس تقریر کا تقاضا یہ ہے کہ یہ رو میں اس پائیں حصہ میں نہیں ہیں بلکہ اس سے بھی نچلے حصہ میں ہیں لہذا دونوں تقریروں میں منافات ہے۔

مؤلف کہتا ہے کہ کفار کی رو میں مختلف ہیں جیسا کہ بیان ہو چکا۔ لہذا بعض اس پائیں حصہ میں ہیں اور بعض ان ٹھنڈوں میں اور بعض دونوں حصوں کے درمیانی حصہ میں اور بعض تیسری زمین میں چنانچہ حضرت نے فرمایا کہ انہوں نے تیسری زمین میں کچھ لوگوں کو دیکھا ہے جو تنگ گھروں میں جھلسنے والے آگ میں گھرے کنودوں میں اور دائمی عذاب میں ہیں۔ ان میں جو کلام کرنا چاہتا ہے تو اسے جہنم نیچے دھکیل دیتا ہے چنانچہ وہ ہر وقت اوپر چڑھتا ہے اور نیچے اترتا رہتا ہے۔

حضرت نے فرمایا، ایک بار میں انہیں دیکھ رہا تھا کہ مجھے ایک شخص دکھائی دیا جس کے نام اور شکل سے مجھے عالم دنیا سے واقفیت تھی۔ میں نے اس کا نام لے کر اسے پکارا اور کہا وائے تو یہاں کس پاداش میں آپڑا ہے، ابھی وہ جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ وہ نیچے چلا گیا۔

جامع کتاب کہتا ہے کہ میرا غالب گمان ہے کہ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ یہ جگہ بھی بوزخ ہی کی جگہ ہوگی۔ اس لیے کہ بوزخ ساتوں زمینوں کو چیرتا ہوا اسفل ساطین تک چلا گیا ہے۔ حضرت نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو۔ واللہ اعلم۔

اس کتاب میں جو کچھ میں نے لکھا ہے اس میں سوائے ان الفاظ کے مجھے کہیں بھی شک نہیں ہوا۔ (کہ آیا حضرت نے یہی فرمایا تھا یا کچھ اور) اس لیے میں نے گمان غالب کا لفظ کہہ کر اس پر تنبیہ کر دی ہے واللہ اعلم۔

اور یہ شخص جسے حضرت نے اس مقام میں دیکھا تھا دنیا میں منجملہ مومنین میں سے تھا۔ پھر فرمایا: مشیت خداوندی کی عجیب بات یہ ہے کہ کفار کی ارواح کو مومنین کی ارواح سے نفع حاصل کرنے سے روک رکھا ہے حالانکہ وہاں کوئی حجاب و پردہ نہیں۔ یہ انوار اس قدر تیزی سے چمکتے ہیں کہ چاند اور سورج بھی ان کی روشنی تک نہیں پہنچ سکتے بلکہ چاند اور سورج کا نور بھی انہی انوار سے لیا گیا ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔ اس کے باوجود کافر کی روح اس نور سے نہ فائدہ حاصل کر سکے گی

اور نہ روشنی حاصل کرے گی نہ تھوڑی نہ زیادہ بلکہ یہ اپنی اس ظلمت میں ہی ہوگی جس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی لہذا یہ ان انوار کی نسبت حجاب میں ہیں اس کی مثال اس طرح سمجھو جیسے ان روجوں کو ڈبہ میں رکھا ہو جس کے اوپر رانگ کا قفل لگا دیا گیا ہو حالانکہ وہاں نہ ڈبہ نہ رانگ صرف مشیت ایزدی ہے جو کافر کی روح تک نفع پہنچنے سے مانع ہے۔

فرمایا: مومنین کی ارواح ایک دوسرے سے مستفید ہوں گی اور ایک دوسرے کو سیراب کریں گی اور ایک دوسرے کی سفارش کریں گی یہاں تک کہ تجھے بعض ارواح میں ان گناہوں کے آثار دکھائی دیں گے جو ذات نے کیے ہوں گے اور یہ آثار روح پر نمایاں ہوں گے مگر اس کے بعد یہ آثار کسی ایسی روح کی بدولت جو اللہ کے ہاں عزیز ہوگی اور ان گناہوں والی روح کے قریب ہوگی، زائل ہو جائیں گے۔

فرمایا: برزخ کے مکانات اور جنت کے درمیان نور کے ڈورے ہیں جو روجوں کے اجسام سے جدا ہو کر برزخ میں جانے کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور یہ نور نور ایمان ہے چنانچہ یہ نور مثلاً زید کی روح سے نکل کر برزخ کو قطع کرتا ہو جنت تک پہنچا گیا ہے اور اس نور کے ذریعہ سے اس کو جنت سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح کفار کے برزخی مکانات اور دوزخ کے درمیان ڈورے ہیں جو ان ارواح کے اجسام سے جدا ہونے کے بعد ہی پیدا ہوتے ہیں اور یہ ظلمت، ظلمت کفر ہے۔ خدا اس سے بچائے چنانچہ یہ ظلمت کا ڈور کافر کی روح سے نکل کر جہنم تک پہنچا جاتا ہے جس کی وجہ سے کافر کی روح کو جہنم کی آگ اور عذاب پہنچتا ہے۔

نیز فرمایا: اسی طرح برزخ اور دنیا میں اجسام مومنین کے درمیان بھی ان کے نور ایمان کے ڈورے ہیں چنانچہ صاحب بصیرت کو یہ ایمان کا ڈور بالکل صاف اور سفید نظر آتا ہے جیسے دھوپ کسی بند دروازہ پر پڑ رہی ہو اور سورج کی شعاعیں باریک سوراخ کے ذریعہ سے اندر آرہی ہوں کہ اس طرح سورج کی شعاعیں دروازہ سے گزر کر تاروں اور ڈوروں کی طرح دکھائی دیں گی۔ اسی طرح صاحب بصیرت کو بھی زندہ مومنین میں ہر ایک کے سر سے نکلتا ہوا ڈور دکھائی دیتا ہے۔ یہ ڈور جب تک اس کے سر سے ایک بالشت اونچا نہ ہوے دکھائی نہیں دیتا اور اس کے بعد یہ لمبا ہو کر برزخ میں اپنے مقام تک پہنچا جاتا ہے۔ یہ ڈور بھی ہر ایک کی قسمت ازل کے مطابق مختلف ہوتا ہے چنانچہ بعض میں یہ ایک ڈورے کی شکل میں دکھائی دیتا ہے جیسا کہ بیان ہو چکا اور بعض میں یہ ڈور اس سے زیادہ موٹا ہوتا ہے اتنا موٹا جتنا کہ نئے ہوتی ہے اور بعض میں اس سے بھی موٹا کھجور کی مانند دکھائی دیتا ہے اور یہ لوگ اکابر اولیا میں سے ہوتے ہیں۔

یہ دورے اسی طرح کفار کے اجسام اور ان کے برزخی مقر کے درمیان دکھائی دیتے ہیں مگر کفار کے دوروں کا رنگ نیلا سیاہی مائل ہوتا ہے جس طرح گوندہ حک کی آگ ہوتی ہے جس کسی میں اس قسم کے دورے دکھائی دیں یہ اس کی بد بختی کی علامت ہے۔ خدا بچاتے۔ یہ دورے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ کفر میں ان کے اختلاف کے مطابق بعض کے باریک اور بعض کے کھجور جتنے موٹے ہوتے ہیں۔
 سُئِلَ اللَّهُ التَّلَامَةَ۔

حضرت نے فرمایا: ایک بار میں نے یہودی ملاہوں کی طرف نگاہ کی تو ان کے سروں سے دورے نکلتے ہوئے دیکھے جو عین اتق میں جا کر آپس میں مل جاتے ہیں اور ایک سیاہ کمر کی مانند ہو جاتے اور مجھے ان میں کچھ صاف سفید اور چمکتے ہوئے دورے بھی دکھائی دیتے تو میں سمجھ جاتا کہ یہ دوروں والے عنقریب مسلمان ہو جائیں گے۔ اسی طرح میں مسلمانوں کی بستی کو دیکھتا تو ان کے سروں سے صاف چمکدار دورے برزخ کی طرف چڑھتے ہوئے دیکھتا۔ ان میں بعض نیلے دورے بھی دکھائی دیتے جو ان دوروں والوں کی بد بختی کی علامت ہے۔

مؤلف کہتا ہے: اس حدیث میں: إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلٍ أَهْلُ الْجَنَّةِ فَيُهَايِلُهُمُ لِلنَّارِ ثُمَّ يَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلٍ أَهْلِ النَّارِ (ایک آدمی بظاہر اہل جنت کے سے عمل کرتا ہے مگر پھر ازل کی کھت اس پر غالب آجاتی ہے تو وہ دوزخیوں کے سے کام کرنے لگ جاتا ہے) انہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح وہ جو یہودیوں میں دکھائی دیتے ہیں مگر ان میں سفید دورے پائے جاتے ہیں وہ مسلمانوں میں شامل ہو جاتے ہیں انہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے فرمان نبوی میں: كَرِهَ اللَّهُ الْمُجْتَاعَيْنِ يَمَسُّهُمَا الْيَمِينُ وَالْيَمِينُ إِلَّا شَبْرًا شَعْرًا يَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فَيَسُدُّ خَلْقًا. ایک آدمی دوزخیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب دوزخ اور اس کے درمیان صرف ایک باشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو ازل کی کھت غالب آجاتی ہے اور وہ اہل جنت کے سے کام کرنے لگ جاتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ نیز فرمایا: جو ازل کی کھت کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہے اور (حدیث قدسی میں) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا نظارہ کرنا چاہے کہ هُوَلَاءِ إِلَى الْجَنَّةِ وَلَا أَبَالِي وَهَؤُلَاءِ إِلَى النَّارِ وَلَا أَبَالِي (یہ لوگ جنت

۱۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر من۲

۲۔ مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر من۲ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور ابن مسعود کی روایت ہے۔

۳۔ ۔ ۔ ۔ امام احمد کی حدیث ہے انہوں نے ابوالدرداء سے: اثبت باب۔

میں جاتیں گے اور مجھے ان کی پردا نہیں اور یہ دوزخ کو جاتیں گے مجھے ان کی پردا نہیں) تو اسے چاہیے کہ وہ بچوں کو دیکھے۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ امناب کشف میں وہ ان بچوں میں چمکدار دُوروں والوں اور نیلے دُوروں والوں کو دیکھ لیتے ہیں حالانکہ یہ بچے ابھی مکلف نہیں بنے (یعنی ابھی ان پر احکام شرعی جاری نہیں ہوتے) لیکن ازل مکھت ہی ہے۔

ایک بار ہم دو چھوٹے بچوں کے پاس گئے گزرے جو کھیل رہے تھے تو حضرت نے فرمایا: جو اس زمانہ کے بچوں کو دیکھیے گا انہیں آئندہ آنے والے زمانہ کے بچوں کے مقابلہ میں زیادہ حسین پائے گا اس لیے کہ اس زمانہ کے اکثر بچوں کا نور بڑا حسین اور ملیح ہے۔

ایک بار ہم ایک جگہ سے گزرے وہاں سے ایک بچہ نکلا۔ آپ نے فرمایا: تمہارا کیا نام ہے؟ بچہ نے جواب دیا۔ بقدرار۔ حضرت نے فرمایا: اس میں سے ایک ولی کبیر نکلیے گا جو اللہ کو بہت عزیز ہوگا۔ ایک اور بار حضرت نے ایک اور بچہ کو دیکھا تو مجھے کہا: نورِ ولایت کی طرف دیکھو۔ اس کے چہرے پر ولایت کی حلاوت کو دیکھو۔ خود ولایت کی طرف دیکھو کہ وہ کسی پر غنی نہیں رہتی۔ اسی کے بعد مجھے فرمایا: تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔

مؤلف کہتا ہے کہ اب وہ بچہ بڑا ہو چکا ہے اور آج وہ ایک بہت بڑی شخصیت ہے۔ الحمد للہ اس نے حج بھی کر لیا ہے۔ اسے بڑے بڑے مناظر نظر آتے ہیں، عملی حالت بھی اچھی ہے۔ اللہ نے اسے استقلال بخشی ہے اور اس کے چہرہ پر راحت کی شعاعیں دکھ رہی ہیں۔

پھر فرمایا کہ بچہ کے ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی اور زمین پر آتے ہی صاحب کشف کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ ایک جو ہر کی طرح کہ نباتات کے اگنے سے پہلے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ اس میں کچھ اگے گا بھی یا نہیں، لیکن جب اس میں بیل جم کر اور نظروں کے سامنے آجاتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تر بوز کا پتہ ہے اور یہ دوسرا پتہ یا جیسے غنچہ کہ اگر زرد رنگ کا ہے تو سبز نہیں بن سکتا اور جو سرخ ہے وہ زرد نہیں بن سکتا۔

اس کے بعد میں نے عرض کیا: منافقوں کو بدترین کفار کیوں سمجھا گیا اور انہیں جہنم کے سب سے نیچے درجہ میں کیوں رکھا گیا؟ حالانکہ ظاہری طور پر یہ نماز بھی پڑھتے، روزے رکھتے، حج کرتے اور جہاد کرتے تھے۔ اگر یہ سب کچھ نہ بھی ہو تو کم از کم انہوں نے مسلمانوں کو اذیت تو نہیں پہنچائی۔

اس پر حضرت نے فرمایا: سبحان اللہ! اسے کفر اور اس کی خباثت و شدت کا اعداد ازل مکھت کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ اعمال کی طرف سے۔ بارہا ایسا ہوا کہ ہم نے بزرگ کی طرف دیکھا تو ایک ظلمانی ستون

نیلا، غصیٹ، دراز ہوتا ہوا وہاں سے اترتا ہوا کافروں کے کسی شتر کی طرف جاتا ہوا دیکھا۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ ضرور یہ ان کے حاکم پر نازل ہوگا یا کسی سرکش انسان پر گرے گا۔ چنانچہ میں اپنی نگاہ اس کے پیچھے لگا تو کیا دیکھتا کہ وہ ایک ضعیف پھوپھو شخص پر آکر گرتا جو اپنی دکان پر بیٹھا ہوا چند سی انگوں سے تنگ رہا ہوتا۔ یہ دیکھ کر میں کلمہ طیبہ پڑھتا اور اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر یہ ادا کرتا۔

ایک بار حضرت نے مجھے فرمایا کہ نیلا ڈورا اگرچہ بدبختی کی علامت ہے مگر اللہ کے حکم سے کبھی یہ تبدیل بھی ہو جاتا ہے۔ اگر اس دورے والے کامل جول اہل سعادت لوگوں سے ہو جائے اور ان سے اس کی دوستی ہو جائے تو یہ ڈورا بتدریج صاف ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ یہ اہل سعادت لوگوں کے ڈوروں کی طرح ہو جاتا ہے۔ والحمد للہ۔

ایک اور بار فرمایا: نیلا ڈورا اگرچہ نیلا ہوتا ہے اور اس میں چمک نہیں ہوتی مگر ہم نے اسے تبدیل ہوتے دیکھا ہے اور اگر نیلے پن کے ساتھ یہ چمک دار بھی ہو تو ہم نے اسے تبدیل ہوتے نہیں دیکھا ایک مرتبہ فرمایا: حضرات انبیاء علیہم السلام کے مبعوث ہونے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو ایک کلمہ تو حید پر جمع کرتے ہیں تاکہ وہ سب ایک ملت پر آجائیں اور ایک دوسرے کو نصیحت اور ایک دوسرے کی مدد کریں۔ اور ظاہر ہے کہ ان میں بعض اہل سعادت ہوں گے اور بعض وہ ہوں گے جن کا ڈورا نیلا ہوگا۔ لہذا اگر نیلے دورے والے کو کچھ مدت تک اہل سعادت کی صحبت نصیب رہی ہو تو اہل سعادت سے اجتماع کی بدولت وہ بھی سعادت مند ہو جائے گا پس بعثت انبیاء کی بدولت اجتماع نصیب ہوا اور اجتماع سے حالت پٹی۔ بعثت کا یہی نائدہ ہے۔

مؤلف کہتا ہے کہ یہی واز ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کا ساتھ دینے کا حکم فرمایا ہے کہ بالشت برابر بھی جماعت سے باہر نہ نکلا جائے چنانچہ اگر کسی نے جماعت کو چھوڑا تو باہلیت کی موت مرا۔

ایک بار میں حضرت کے ساتھ کسی بازار میں جا رہا تھا اور آپ کا دست مبارک میرے ہاتھ میں تھا اور ہم ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور میں حضرت سے ان علوم کشفیہ کے متعلق سوال کرنے میں محو تھا کہ ایک شخص ہمیں ملا جو لوگوں میں صالح مشہور تھا اور پیر بنا ہوا تھا۔ اس نے ہم سے ایک بات کہی جس میں بظاہر تر نصیحت تھی مگر قرائن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کا مقصد کچھ اور ہے۔ اس لیے ہم خاموش رہے مگر بعد میں حضرت نے مجھے بتایا کہ اس کا ڈورا نیلا ہے۔ اللہ پناہ میں رکھے اور بارہا اس پر قسم کھائی اور فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ اس کا ڈورا بدے گا یا نہیں۔

نیز فرمایا: جب آدمی مرجاتا ہے (اور ذات فنا ہو جاتی ہے) تو روح برزخ میں چلی جاتی ہے اور جب ذات چھوٹنے اور مٹنے لگتی ہے تو اس کا ستر ذات سے منقطع ہو جاتا ہے۔ ہاں بعض اولیاء میں روح کے ستر کا تعلق قبر سے قائم رہتا ہے جس کی وجہ سے اس کے نور ایمان کا مود قبر پر قائم رہتا ہے اور وہاں سے اور کچھ چٹا ہوا برزخ میں روح سے جاتا ہے، بعینہ اسی طرح جس طرح کہ اس دلی کی زندگی میں وہ نور ذات کے ساتھ قائم تھا۔

فرمایا: کئی بار میں فلاں کی قبروں اور گورستانوں کی طرف نگاہ کرتا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں کہ زمین سے نر نکل کر برزخ کی طرف اس طرح جاتے ہیں جس طرح سر کندے زمین سے نکل کر برزخ تک چلے گئے ہوں یا درکھو کہ ان انوار کے مالک نیک اولیاء ہیں۔ کئی بار یوں فرماتے کہ یہاں ایک دلی کبیر (مدنوں) ہے یہ دیکھو اس کا نور برزخ تک چلا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کا بھی یہی حال ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ایمان کا مود قبر شریف سے ممتد ہو کر اس قبر برزخ تک چلا گیا ہے جہاں آپ کی روح مظہر ہے فرشتے گردہ در گردہ اگر اس نور شریف کا طواف کرتے ہیں وہ تبرکاً نور شریف کو مس کرتے ہیں اور اس پر اس طرح گرتے ہیں جس طرح شہد کی مکھیاں اپنے یعسوب رکھیبوں کے بادشاہ پر گر کر کرتی ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی فرشتہ ستر الہی یا کسی امر کی برداشت سے عاجز آتا یا اس کو کسی قسم کی تھکان محسوس ہوتی یا کسی مقام پر وہ ٹھہر جاتا تو وہ فوراً نور شریف کی طرف آکر اس کا طواف کرتا ہے اور ایسا کرنے سے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے قوت کاملہ اور ہیبت بڑی ہمت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ پہلے سے زیادہ قوی ہو کر اپنی جگہ پر چلا جاتا ہے۔ اٹھ ہی ایک گردہ طواف سے فارغ نہیں ہوتا کہ دوسرا گردہ آجاتا

۱۔ اس مقام پر پھر مولیٰ عاشق اعلیٰ صاحب نے پورا ایک صفحہ سیاہ کر ڈالا ہے۔ سبحان! صاحب نظر لوگ جانیں کہ حقیقت کیا ہے۔ آپ خواہ مخواہ ناراض ہو رہے ہیں اگر آپ میں دیدہ بینا نہیں تو یہ کس کا تصور ہے۔ عاشقانِ آستانہ محمدی اور دالانِ ذاتِ معلوئی سے پوچھو کہ فرشتوں سے بھی زیادہ جوش و محبت کے ساتھ روضہ اطہر اور نور مظہر کے طواف کرنے کے لیے بیتاب ہیں۔ وہل یستوی الاعلیٰ والبصیر۔ ابن البارک اور ابن ابی نے کعب الاحبار سے روایت کی ہے کہ ہر روز ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں اور اپنے پروں سے قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مس کرتے ہیں، اس کے گرد پھرتے ہیں۔ آنحضرت کے لیے استغفار کرتے اور آپ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ رات ہونے پر یہ فرشتے چلے جاتے ہیں اور وہ سرے ستر ہزار اترتے ہیں۔ ہر روز یہی سلسلہ جاری رہتا ہے بیان تک کہ قیامت ہوگی تو قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ستر ہزار فرشتوں کے درمیان قبر سے نکلیں گے۔

ہے اور ہر ایک طواف میں مہلت کرتا ہے۔

مجھے ایک بار فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے مجھے فتح عطا کرنی چاہی اور چاہا کہ مجھے اپنی رحمت میں لے لے تو میں ناس میں تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ قبر شریف میرے سامنے ہے۔ پھر میں نے نور شریف کو دیکھا جو میرے دیکھتے میرے قریب آتا گیا۔ جب بالکل قریب آ گیا تو اس میں سے ایک آدمی نکلا۔ دیکھا تو وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ تب مجھے حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا: اے عبداللہ بنی اللہ تعالیٰ تجھے اپنی رحمت کے ساتھ جمع کر دیا ہے اور یہ رحمت سید الوجود صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اب مجھے اس بات کا ڈر نہیں رہا کہ شیطان تجھ سے کھیل سکے گا۔

نیز فرمایا کہ برزخ کی شان عجیب ہے اور وہ مومنین کا اس قدر نور اپنے اوپر لے لیتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے یہاں تک کہ نور شمس بھی ان مومنین کی ارواح کے نور سے ہے، لیکن ستاروں کا اور چاند کا نور شمس سے الگ کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ برزخ کا پچھلا حصہ جیسا کہ بیان ہو چکا سیاہ اور تاریک ہے لہذا جو نیرات اس کے بالمقابل ہیں انہیں نور نہیں پہنچ سکتا لہذا جس نور سے سورج منور ہوا ہے اس سے روشنی حاصل کرنے میں یہی چیز حائل ہے کیونکہ اگر اس سے روشنی حاصل ہوتی تو برزخ کا پچھلا حصہ بھی روشن ہوتا اور کفار کی ارواح سے فائدہ اٹھا سکتیں مگر اللہ کا یہ ارادہ نہ تھا۔ یہ نیرات (یعنی چاند اور ستارے) سورج سے روشنی حاصل کرتے ہیں اس لیے کہ سورج برزخ سے باہر ہے اور یہ نیرات اس کے بالمقابل واقع ہیں لہذا انہیں سورج کی روشنی پہنچتی ہے اور چاند اس جہت میں جو ہمارے قریب ہے دنیا کے آسمان پر ہے۔

میں نے عرض کیا: تمہیں کا خیال ہے کہ ستارے فلک الثوابت میں ہیں جو کہ آسمان ہے۔
حضرت نے فرمایا: انہیں یہ کہاں سے معلوم ہوا؟

میں نے عرض کیا: ان کا یہ خیال اس لیے ہے کہ ان کی رفتار اور سبع سیاروں کی رفتار میں بہت فرق ہے فرمایا: جیسا ان کا خیال ہے ایسا نہیں ہے۔ ستارے تمام کے تمام دنیا کے آسمان پر ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ہر آسمان کی کیفیت بیان کی اور ان چیزوں اور لوگوں کا ذکر کیا جو اس میں ہیں مگر اس کا کھانا مناسب نہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے یہ خیال نہ کریں کہ میں نے جو کچھ حضرت سے سنا وہ تمام کا تمام اس کتاب میں لکھ دیا ہے۔ میں نے تو بہت تھوڑا حصہ لکھا ہے۔ برزخ کے متعلق جو کچھ میں نے حضرت سے سنا اسی قدر ہے خدا ہمیں اس سے مستفیذ ہونے کی توفیق دے۔ آمین۔

گیارہواں باب

جنت، اس کی ترتیب، تعداد اور ان چیزوں کا ذکر جن کا تعلق جنت سے ہے۔

میں نے حضرت کو فرماتے سنا کہ دنیا میں جو نعمتیں سننے میں آتی ہیں اور جو سننے میں نہیں آتی سب کی سب جنت الفردوس میں موجود ہیں اور اسی میں جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔
مؤلف کہتا ہے کہ بخاری وغیرہ کی حدیث میں بھی اسی طرح آیا ہے۔

فرمایا: نہروں کے جاری ہونے کی کیفیت یہ ہے کہ ایک ہی نہر کے اندر چار قسم کی پینے کی چیزیں بہ رہی ہوں گی۔ یعنی پانی، شہد، دودھ اور شراب یہ سب بہ رہی ہوں گی مگر ایک ہی نہر کے اندر نہ ملیں گی یعنی جس طرح کہ گلشن کے رنگ کو اس میں مختلف رنگ سرخ، زرد، نیلا اور سبز سب الگ الگ دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ پینے کی چیزیں ایک نہر میں ساتھ ساتھ ملتی دکھائی دیں گی مگر ایک دوسرے میں نہ ملیں گی پھر یہ مومن کی خواہش کے مطابق جاری ہوں گی۔ اگر چاروں کی خواہش کرے گا تو چاروں بہتی ہوں گی اور اگر ساتھ والا انسان صرف دو کی خواہش کرے گا تو دو ہی بہتی ہوں گی اور دوا لہ کے حکم سے بند ہو جائیں گی۔ پھر ان کا تیسرا ساتھی اگر ایک ہی چاہے گا تو تین بند ہو جائیں گی اور ایک بے لگ اور اگر کوئی اور چارے بھی زیادہ کی خواہش کرے گا تو اللہ کے حکم سے اسی قدر جاری ہو جائیں گی لہذا اگر تو ابتدا سے انتہا تک ان کے جاری ہونے کو دیکھے گا تو تجھے اس میں چاروں قسمیں بہتی ہوئی دکھائی دیں گی۔ ایک جگہ پر چاروں، دوسری جگہ صرف دو۔ تیسری جگہ صرف ایک اور کسی جگہ پر پانچ نہ ان کے درمیان کوئی حاجز اور نہ کوئی فاصلہ ہوگا۔ فُسَبْحَانَ الْمَلِکِ الْخَلَّاقِ۔

پھر فرمایا: یہ نہریں کھدی ہوئی زمین میں نہ بہ رہی ہوں گی۔

مؤلف کہتا ہے کہ حدیث میں بھی اسی طرح آیا ہے کہ یہ نہریں کھدی ہوئی زمین میں نہ بہتی ہوں گی۔ ایک بار میں حضرت کے ساتھ باب الفتوح میں تھا کہ میں نے عرض کیا کہ میں نے فلاں بزرگ سے سنا ہے کہ جنت کے انگوڑی لمبائی ایک ہاتھ برابر ہے۔ حضرت نے فرمایا: میں نے اسے دیوار کے برابر دیکھا

یعنی اس دیوار کے برابر جو باب الفتح کی مسجد میں قبلہ کی جانب ہے۔

ایک اور بار فرمایا کہ اس کی لمبائی اس دیوار کے برابر یا کم یا زیادہ ہے۔

پھر فرمایا لوگوں کا خیال ہے کہ جنت الفردوس تمام جنتوں سے افضل اور اعلیٰ ہے اور کوئی جنت اس کے برابر نہیں حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ایک اور جنت ہے جو جنت الفردوس سے بھی اعلیٰ و افضل ہے اور اس میں کسی قسم کی نعمت نہیں پائی جاتی اور یہاں صرف وہ انبیاء اور اولیاء میں گئے جنہیں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ حاصل ہے۔

فرمایا: ان لوگوں کے نزدیک مشاہدہ الہی ہر اس نعمت سے زیادہ عزیز و زیادہ خوش نما و زیادہ میٹھا اور اعلیٰ و افضل ہے جو تصور میں آسکے اور اس جنت میں رہنے والے جنت لئے نکل کر کسی اور جنت میں جانا پسند نہ کریں گے جس طرح کہ اہل جنت جنت سے نکل کر دنیا میں جانا پسند نہ کریں گے۔ فرمایا: جو لوگ جنت الفردوس میں رہیں گے ان میں اکثریت امت محمدیہ کی ہوگی اور امت محمدیہ میں سے صرف میں کے قریب اہل علم و اہل کبار و اور وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں بسانا پسند نہ کریں گے اس میں سے نکال دیے جائیں گے ہم اللہ سے اس کی عفو اور فضل چاہتے ہیں فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے بہت ہے لہذا آپ چاہتے ہیں ان کا دیدار کریں اور ان سے اس طرح اچھا برتاؤ کریں جس طرح ایک رشتہ دار دوسرے رشتہ دار سے کرتا ہے۔ اس لیے حق تعالیٰ نے مشاہدہ والی جنت عالیہ اور ہر قسم کی نعمتوں والی جنت الفردوس دونوں کو آپ کے لیے جمع فرمایا اور دونوں کے وسط کا مجموعہ آپ کا مسکن تجویز کیا۔ یہ بات کسی اور کو حاصل نہیں لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام امت کو خواہ وہ اہل مشاہدہ میں سے ہوں یا نہ ہوں اپنا فیضان پہنچاتیں گے۔ خدا ہیں آپ کی امت میں رکھے اور یہیں آپ کی سنت اور طریقہ سے منحرف نہ کرے۔

ترغیف کتاب ہے کہ یہ جنت عالیہ جس کی طرف حضرت نے اشارہ کیا ہے، جنت علیین جنت عالیہ ہے۔ واللہ اعلم۔ چنانچہ ابن عباسؓ نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ علیؓ کے

۱۔ ابن عباسؓ: حافظ کبیر محدث شامی نے فرماتے تھے تھے الدین ابو القاسم علی بن الحسن دمشقی شافعی معروف بابن مبارک۔ انکی بہت سی تصانیف ہیں۔ ۲۹۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۸۵ھ میں وفات پائی۔ ذہبی نے ان کی تصانیف کی طویل فہرست دی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تحفۃ المصنفین ج ۴ ص ۱۱۳

۲۔ ابوسعید خدریؓ: سعید بن جبہؓ کے اصحاب میں سے ہیں ان کا شمار علماء صحابہ میں ہے سب سے پہلے جنگ جمل میں انہوں نے شرکت کی (بلیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لوگ جنت والوں پر اوپر سے جھانکیں گے تو ان کا چہرہ اہل جنت کے لیے اس طرح چمکتا ہوگا جس طرح
چودھویں رات کا چاند دنیا والوں پر چمکتا ہے اور ابو بکرؓ اور عمرؓ انہی میں سے ہیں نیز احمدؓ ترمذیؓ اور ابن
حبانؓ نے ابوسعیدؓ سے اور طبرانیؓ نے جابر بن سمرہؓ اور ابن مساکر نے ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ سے روایت
کی ہے کہ بندہ روحوں والوں کی طرف نچلے درجہ کے لوگ اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم آسمان کے آفتی
میں ستاروں کو دیکھتے ہو اور ابو بکرؓ و عمرؓ انہی لوگوں میں سے ہیں۔ ملاحظہ ہوا لیا مع الصغیر، البدور
الساخرہ میں احادیث الروایت کے باب کے مطالعہ سے بھی اس کی صحت کا علم ہوتا ہے اور احادیث
روایت پر ہی سیوطیؒ نے کتاب کو ختم کیا ہے اور (سیوطیؒ نے) جنت عالیہ کے نام بھی نکالے ہیں مثلاً
دارالمزیہ۔ جیسا کہ حذیفہؓ وغیرہ کی حدیث میں ہے اور ابونعیمؓ نے ابویزید البطامیؓ سے روایت کی ہے کہ

(بقیہ ماضیہ صفحہ سالیقہ)

کی غزوہ خندق ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ جنگوں میں شریک ہوئے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت
سی احادیث اور بہت سا علم حاصل کیا تھا انکی وفات ۳۵ھ یا ۳۶ھ میں ہوئی اور ستر سال سے ادب پر پائی۔

۱۰۰ احمدؓ چوتھے امام احمد بن حنبل بن ہلال الذہلی الشیبانی ۱۶۳ھ - ۲۴۱ھ میں پیدا ہوئے اور ہشیمؓ اور
سفیان بن عیینہؓ کے طبقہ میں اکابر محدثین سے حدیث سنی امام شافعیؒ جب بغداد میں آئے تو امام احمدؓ نے ان
سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور وہ ان کے بغدادی شاگردوں میں سب سے بڑے ہیں اس کے
بعد خود اجتہاد کیا۔ ان کی وفات ۲۴۱ھ - ۲۵۵ھ میں ہوئی۔

۱۰۱ ترمذیؒ : ابویسی محمد الترمذیؒ ان کی جامع ترمذیؒ کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے مشہور محدث ہیں۔ انکی
وفات ۲۷۹ھ - ۲۸۶ھ میں ہوئی۔

۱۰۲ ابن حبانؓ : ابو حاتم محمد بن حبان البستی متوفی ۳۵۴ھ - ۳۹۵ھ۔

۱۰۳ طبرانیؓ : ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الشافعی الطبرانی۔ حجت حدیث ہیں۔ ۳۲۰ھ - ۳۲۰ھ میں
پیدا ہوئے اور ۳۲۰ھ - ۳۲۰ھ میں وفات پائی۔ ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

۱۰۴ ابوعبد اللہ جابر بن سمرہ العامریؓ : صحابی ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے عبا بنے تھے انہوں نے کوفہ میں
سکونت اختیار کر لی تھی اور وہی ۳۴۰ھ - ۳۶۳ھ میں وفات پائی۔

۱۰۵ حذیفہؓ : غائبانیاں مراد مذکورین میان صحابی سے ہے انکی وفات ۳۳۰ھ - ۳۳۰ھ میں ہوئی۔ یہ باپ بیٹے دونوں مسلمان
ہوئے اور بدر کی جنگ کے لیے آ رہے تھے کہ مشرکوں نے انہیں پکڑ لیا اور اس وعدہ پر چھوڑا کہ یہ جنگ بدر میں حصہ
نہیں لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وعدہ کی وجہ سے انہیں جنگ بدر میں شریک نہیں کیا۔

اللہ کے خاص بندے میں جنہیں اگر جنت میں اللہ کے دیدار سے روک دیا جائے تو وہ اسی طرح فریاد کریں گے جس طرح دوزخی فریاد کریں گے۔ واللہ اعلم۔

میں نے حضرت سے جنت مالہ جس کا ذکر ہو چکا ہے، کے نام کے متعلق دریافت کیا کہ آیا یہی جنت علیین ہے؟ فرمایا کہ وہ دوسری جنت ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حدیث میں تو اسی طرح آیا ہے اور میں نے ابوسعید خدری کی مذکورہ بالا حدیث کا حوالہ دیا تو فرمایا: ہاں، میں سمجھ گیا کہ حضرت میری دلجوئی کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے میں نے عرض کیا کہ جو آپ کے نزدیک صحیح ہو بیان فرمائیے۔

حضرت نے فرمایا: جنت علیین جنت الفردوس سے اوپر اور اس کی بہت سے خارج ہے اور اس کی ہی سمت میں نہیں ہے اور یہ جنت مالہ ایک دوسری جنت ہے۔

میں نے عرض کیا کیا اس کو دارالمرید کہتے ہیں؟

فرمایا: ہاں یہی اس کا نام ہے مگر اس میں حق سبحانہ کے مشاہدہ کے سوا کوئی نعمت نہیں ہے اور اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ یہاں کے لوگوں کے لیے مشاہدۃ الہی ہر قسم کی نعمتوں سے زیادہ عزیز ہے اس لیے کہ مشاہدۃ الہی میں جنت کی تمام نعمتوں کی لذت پائی جاتی ہے اس میں تمام وہ نعمتیں پائی جاتی ہیں جو جنت میں ہیں اور اس کے علاوہ اور چیز بھی ہے اور یہاں کے لوگوں کی لذت روحانی لذت ہوگی۔ برغلاف اور جنت والوں کے کہ ان کی لذت ان کے باقی اجسام کی لذت ہوگی۔

فرمایا: جسے ان دونوں قسموں میں سے ایک قسم کی لذت حاصل ہوگی وہ دوسری قسم کی لذت کی طاقت رکھ سکے گا اور ان دونوں قسم کی لذتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی شخص جمع نہیں کر سکتا۔ چنانچہ آپ کو لذت مشاہدہ اور اس کے اسرار کی اس قدر قوت حاصل ہوگی کہ کسی اور کو نہ ہوگی اور آپ اپنے جسم کے ذریعہ سے جنت کی نعمتوں سے اس قدر لذت حاصل کریں گے کہ کوئی اور نہ کر سکے اور ان میں سے کوئی ایک لذت دوسری لذت سے آپ کو مانع نہ آ سکے گی۔ پاک ہے وہ خدا جس نے آپ کو اس کی قوت دی اور اس پر قادر کیا۔

نیز فرمایا کہ یہ جنت، جنت الفردوس سے اوپر ہے اور اسی کی بہت میں ہے مگر یہاں کے ساکنین کی تعداد بمقابلہ دیگر جنتوں کے ساکنین کے کم ہوگی۔ جنت علیین میں لاتعداد نعمتیں ہوں گی اور جنت الفردوس میں نعمتوں کی انواع اس سے بھی زیادہ ہوں گی مگر جنت کی نعمتیں زیادہ لطیف اور دقیق ہیں۔ آپ یہ کہنا چاہتے تھے کہ دارالمرید کے قرب کی وجہ سے جہاں کی نعمتیں حس نہیں بلکہ معنوی ہیں۔ یہاں کی نعمتیں بھی معنوی

ہوں گی۔ لہذا جنت علیین زیادہ بلند اور زیادہ علالت والی ہے اور جنت الفردوس کی نعمتیں تعداد میں زیادہ ہوں گی اور جنت علیین میں انبیاء کی جماعت سکونت پذیر ہوگی۔ انہی میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ ان احادیث کا کیا جواب ہوگا جن میں آیا ہے کہ سب میں اعلیٰ جنت جنت الفردوس ہے، چنانچہ بخاری میں ہے کہ جب تم دعا مانگو تو اللہ سے جنت الفردوس مانگا کرو کہ وہ وسط جنت ہے اور اعلیٰ جنت ہے۔ بعض علماء نے وسط سے مراد عمدہ اور جتید لیا ہے اور اعلیٰ سے مراد حقیقی مفہوم بلند تر اور افضل ترین اور بعض علماء مثلاً حافظ سیوطی نے بدورِ سفرہ میں کہا ہے وسط شئی اس چیز کا اعلیٰ و بلند ترین حصہ ہوتا ہے جیسے ٹیلے کا درمیانی حصہ کہ اس کا بلند ترین حصہ ہے اس کے علاوہ اور احادیث بھی ہیں۔

فرمایا: اگر کوئی ان تینوں جنتوں کا ایک ہی نام رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے اور سب کا نام جنت الفردوس رکھ سکتا ہے۔ اس اعتبار سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ثقبہ دار المرید، جنت علیین اور جنت الفردوس تینوں سے لیا گیا ہے لہذا جو جنت الفردوس میں ہوگا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگا اور جو جنت علیین میں ہوگا وہ بھی آپ کے ساتھ ہوگا۔ اعلیٰ ہذا القیاس جو دار المرید میں ہوگا وہ بھی آپ کے ساتھ ہوگا۔ لہذا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کی طرف نظر کر کے کہہ دے کہ تینوں جنت ایک ہی ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

پھر فرمایا: ثقبہ مطہرہ نے جنت الفردوس کے وسط کو اپنے اندر لے لیا ہے اور پھر علیین کی طرف ہوتے ہوئے دار المرید تک جا پہنچا ہے اور اس کے وسط کو اپنے اندر لے لیا ہے۔

مؤلف کہتا ہے کہ اس قول سے تمام احادیث کا اختلاف اٹھ جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

میں نے سوال کیا: کیا باقی جنتوں میں بھی نعمتیں ہیں؟

فرمایا: ہاں۔ وہاں کے لوگوں کے اعمال کے مطابق لیکن جنت الفردوس اس امت محمدیہ اور ان لوگوں کے لیے جنہوں نے بغیر بعثت نبی کے خدا کی طرف سے ہدایت پا کر خدا کو ایک جانا۔ مؤلف کہتا ہے۔ جیسے قس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل۔

قس بن ساعدہ آیا وہی: یہ زمانہ جاہلیت میں خیران کا پادری اور عربوں کا خطیب تھا۔ اس کا اثرا بیان تھا اور لوگوں کو حکمت اور مواظطہ حسنہ سے اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیا کرتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

maktabah.org

حضرت نے فرمایا: کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اس بات کی گواہی دی ہے؟
اس وقت تو مجھے اس کا جواب یاد نہ آیا مگر اس کے بعد میں نے ابن نلیل السبکی کی منظومہ القبور کی
شرح میں دیکھا کہ اس نے مراعتہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے لیے شہادت
دی ہے کہ یہ دونوں قیامت کے دن ایک الگ امت کے طور پر اٹھائے جائیں گے۔ شرح کی عبارت یہ ہے کہ
بعض علماء کا قول ہے کہ اہل فترۃ تین قسم کے ہیں۔ اول وہ لوگ جنہوں نے اپنی بصیرت سے توحید کو پالیا۔
پھر ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کسی شریعت میں داخل نہیں ہوئے جیسے تئس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن
نفیل۔ ان دونوں قسموں کے ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: پہلی قسم میں سے تئس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن
نفیل ہر ایک کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ قیامت کے دن ایک امت کے طور پر
اٹھیں گے۔

مؤلف لکھا ہے کہ ابن نلیل السبکی کی بعض علماء سے مراد اُبی ہے جس طرح مسلم کی شرح میں ہے حافظ
سیوطی نے مسالک الحنفیہ میں شارح منظومہ سے زیادہ تفصیل سے اُبی کا یہ قول نقل کیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ مفوضہ سابقہ) نے اسے بشت سے پیسے سوق عکاظ میں خطبہ دیتے ہوئے سنا۔ اس کی بڑی لمبی عمر ہوئی اور
سنہ میں وفات پائی۔ ابو محمد عبداللہ بن جعفر بن دستور بخاری سنہ ۲۸۷ھ کے حالات میں ایک
کتاب لکھی ہے جس کا نام خبر قس بن ساعدہ یا دی رکھا (کشف الظنون ج ۱: ۲۵۲)

زید بن عمرو بن نفیل: قبیلہ قریش میں سے تھے۔ انھوں نے جاہلیت میں بتوں کی پرستش کرنا، مردار کھانا، راکھوں کو
زندہ دفن کرنا۔ بتوں کے لیے قربانی کرنا وغیرہ ترک کر رکھا تھا اور کہا کرتے تھے کہ میں ابراہیمؑ کے خدا کی پرستش کرتا
ہوں اور حضرت اسمعیلؑ کی اولاد میں سے ایک نبی کی آمد کا منتظر ہوں مگر خیال نہیں کر انیس یا سکوں۔ ابن حجر مفتح ابا
ج ۲: ۱۱۲ فرماتے ہیں کہ انھوں نے مدینہ منکوب کو کہا کہ اگر تو آنیوالے نبی کا زمانہ پالے تو انیس میرا سلام عرض کرنا
چنانچہ مدینہ نے ان کا سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا اور آنحضرت نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ میں
نے اسے جنت میں دامن گسیٹ کر چلنے دیکھا ہے۔

ابن نلیل السبکی: ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

اُبی ابن کعب: سید القراء صحابی ہیں۔ ان سے حضرت عروہؓ نے روایت کی ہے۔ عقبہ ثانیہ اور بدر میں شرکت کی انھوں
نے ۱۱۲ھ میں وفات پائی۔

پورا نام مسالک الحنفیہ والدی المصطفیٰ ہے۔ اس رسالہ کو سیوطی نے اپنی کتاب الحادی مطلقاً دی میں نقل کیا ہے حاوی
سیوطی نے اپنے سیاسی رسالے میں جو انھوں نے اہم مسائل پر لکھے۔ (کشف الظنون ج ۱: ۲۲۱)

اس کے بعد حضرت سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے یہ مذکورہ کلام پیش کیا تو فرمایا: میں بھی یہی کہنا چاہتا تھا مگر مجھے اس بات کا ڈر ہوا کہ کہیں لوگ میری طرف سے یہ نقل نہ کرنے لگ جائیں کہ میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جاہلیت کے بارے میں جنت میں جانے کی گواہی دی ہے لہذا میں دیکھنا چاہتا تھا کہ کیا اس بارے میں علماء نے کچھ لکھا ہے۔ سو خدا کا شکر ہے کہ ان کا کلام اس کے مطابق ہے۔

پھر فرمایا: کہ یہ اور اس قسم کے لوگ اس لیے جنت الفردوس میں جائیں گے کہ کفار کے درمیان رہ کر ان کا اللہ پر ایمان تھا اور یہ اللہ کی طرف سے ان پر بہت بڑی عنایت تھی جس کی وجہ سے ضروری تھا کہ ان کا بہت بڑا نور ہو جو کفر کی ظلمتوں کو پھاڑ ڈالے اور اپنی جنس کے ہادی کے بغیر ہی وہ توحید کو پالیں۔

جنتوں کی تعداد میں نے سوال کیا کہ جنتیں کتنی ہیں۔

حضرت نے فرمایا: آٹھ ہیں۔

میں نے سوال کیا: پہلی جنت کونسی ہے؟

فرمایا: پہلی جنت دارالسلام ہے۔ پھر جنت النعیم، پھر جنت المادئ، پھر دارالند، پھر جنت عدن، پھر جنت الفردوس، پھر جنت علیین، پھر دارالمرید۔

موتلف کہتا ہے کہ علماء کی کسی تحریر میں جنتوں کی تحقیقی تعداد نہیں دی گئی جیسا کہ سیوطی کی ابدر اسافہ سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ سیوطی نے بعض علماء کا قول نقل کیا ہے کہ جنتوں کی تعداد چار ہے اور بعض نے سات کہا ہے اور بعض نے ایک ہی کہا ہے اور ان کا آٹھ ہونا جنت کے آٹھ دروازوں کے عین مطابق ہے جیسا کہ بہت سی حدیثوں میں آیا ہے کہ ان کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جائیں گے۔ ملاحظہ ہوا ابدر اسافہ۔

جنتوں کی ترتیب پھر فرمایا کہ جنتوں کی ترتیب ایسی نہیں جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ ایک دوسرے کے اوپر کوہی ہو سکتی ہیں بلکہ ایسا نہیں ہے ہر چھ جانب سے آٹھ ہی نظر آتی ہیں۔ لہذا جو بائیں جانب آئے گا تو اتنی ہی جنتیں پائے گا۔ دائیں طرف سے آئے گا تب بھی اتنی ہی ہوں گی یہی حال باقی جنتوں کا ہے اور آخرت کی بات دنیا کی سی نہیں۔ واللہ اعلم۔

جنتوں کی کیفیت و وضع

پھر ایک بار میں نے حضرت سے جنتوں کی ترتیب اور کیفیت وضع کے متعلق سوال کیا۔

فرمایا: نہ روی زمین پر اور نہ ہی اللہ کی مخلوقات میں کوئی ایسی چیز پائی جاتی ہے جس میں جنت سے مشابہت پائی جاتی ہو۔ ہاں البتہ برزخ اور جنت میں کچھ مشابہت ہے مگر برزخ کو تو لوگوں نے دیکھا نہیں اس لیے اس کی مثال دینا کیسے صحیح ہوگا۔

میں نے عرض کیا: اس بنا پر کہ برزخ سنگھ ہے، ہم نے حدیثوں میں سنا ہے کہ یہ ایک سینک کی شکل کی بہت بڑی مخلوق ہے جس کا ایک حلقہ آسمان اور زمین کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہے۔

حضرت نے فرمایا: ہاں اور اس میں اسفنج کی طرح سوراخ ہوتے ہیں اور انہی سوراخوں میں رو میں ہوتی ہیں۔ پھر سوراخ صرف بالائی سطح تک نہیں ہوتے بلکہ بہت گہرے چلے گئے ہیں۔ فرض کرو کہ یہ سوراخ شہد کے چھتے کی طرح ہیں۔ پھر مثال کو اور آسان کرنے کی خاطر ہم اور چھتوں کو اس سے ملاتے جائیں یہاں تک کہ ان کی تعداد میں ہو جائے اور ان کو ایک دوسرے سے اس طرح ملایا جائے کہ سب ایک بن جائیں چنانچہ مجموعہ کا بیرونی اور اندرونی حصہ تمام کا تمام سوراخ ہی سوراخ ہوں اور پھر فرض کر لیں کہ چھتہ ایک پردہ سے ڈھنکا ہوا ہے کہ سوراخوں کے اندر کا شدہ بالکل دکھائی نہیں دیتا۔ پس یہی مثال سمجھ لو۔

فرمایا: فرض کرو کہ جنت اس تمام مجموعہ کے برابر ہے۔ یہ محض سمجھانے کی غرض سے ہے ورنہ حقیقت میں اللہ کی رحمت اس قدر وسیع ہے کہ اس کی کوئی انتہا نہیں۔ پھر اس مجموعہ کے سات حصے کئے جائیں تو پہلے حصے کا ایک ٹکڑا دنیا بلکہ اس جیسی دس دنیا کے برابر ہوگا اور دوسرا حصہ اس سے کئی گنا زیادہ ہوگا۔ تیسرا حصہ اس سے بھی اس قدر زیادہ ہوگا کہ کوئی اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اور چوتھے حصہ کے متعلق کسی کو علم نہیں کہ یہاں کے لوگوں کے لیے کس قدر فرحت و خوشی مخفی کر رکھی ہے چنانچہ یہاں ایسی چیزیں ہوں گی جو نہ کسی کے دیکھنے اور نہ سننے میں کبھی آئیں اور نہ کسی کے خیال میں آئیں۔ پانچواں حصہ تیسرے حصہ جتنا ہے، چھٹا دوسرے جتنا اور ساتواں پہلے جتنا۔

پھر فرمایا: کہیں یہ خیال نہ کرنا کہ پہلے حصہ کے رہنے والے دوسرے حصہ کے رہنے والوں سے کم درجہ کے ہیں، یا دوسرے حصہ والے تیسرے حصہ والوں سے کم درجہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ پہلے حصہ کے بعض لوگ دوسرے حصہ والوں سے افضل ہیں۔

ایک بار یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومن کو جنت کا اس قدر حصہ عطا فرمائیں گے جتنا دنیا میں اوپر کے رُخ اس کے سر سے لے کر عرش تک ہے اور نیچے کے رُخ پاؤں سے لے کر عرش تک ہے اور

بسمت راست تا عرض اور بسمت چپ تا عرض اور شخص (جسے اس قدر حصہ ملے گا) جنت میں سب سے ادنیٰ مرتبہ کا ہوگا۔

پھر فرمایا کہ میں یہ نہ خیال کر لینا کہ مذکور بالا مثال میں جنت کی مہم اور پوری وضع بیان کی گئی ہے یا یہ کہ یہ مثال کسی حد تک اس کے قریب ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان قطعاً کوئی مناسبت نہیں۔ میں نے تو یہ مثال اس لیے بیان کی ہے کہ لوگ اس سے مانوس ہو جائیں اس لیے کہ خاموش رہنے سے استفادہ بیان کر دیا بہتر تھا۔

پھر فرمایا کہ جنت میں ایک ہی تخت مختلف رنگوں کا دکھائی دیکھا۔ چنانچہ کچھ رنگ چاندی کا سا ہوگا۔ کچھ سونے کا سا، کچھ سبز زرد کا، کچھ نخل کا سا، کچھ یاقوت احمر کا سا وغیرہ دیگر رنگ جن کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی، مگر سب کی اصل ایک ہوگی نہ متعدد ہوں گے اور نہ مختلف، چنانچہ تخت پر بیٹھا ہوا انسان اگر سیر کرنا یا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا چاہے گا تو اگر اس کی خواہش ہوگی تو تخت اسے لے جائیگا یا وہ خود جہات ستہ میں سے جس جہت میں چاہے گا چلا جائے گا۔ دنیا کے برخلاف کہ یہاں تو ہم صرف سامنے کی جہت میں چل سکتے ہیں مگر جنت میں اوپر نیچے، دائیں بائیں، پیچھے اور آگے جہاں چاہے گا چل سکے گا اور ہر شش جہات میں اس کے ہمسائے ہوں گے برخلاف دنیا کے کہ یہاں نہ ہمارے اوپر کی جانب کوئی گھر ہے اور نہ نیچے کی جانب۔

پھر فرمایا: جنت میں جتنی نعمتیں اور پھل اور میوے ہیں۔ دنیا میں کوئی چیز بھی ان کے مشابہ نہیں پاتی جاتی اور اگر جنت کی نعمتوں، وہاں کے میووں اور پھلوں کے نام ان کے انوار اور حقیقت کے مطابق رکھے جائیں تو لوگ ان کا مفہوم قطعاً نہ سمجھ سکیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اصل حقیقت سے نیچے آنکر ان چیزوں کے وہ نام رکھے ہیں جن سے لوگ دنیا میں مانوس اور اپنی گفتگو میں ان سے واقف تھے لہذا جنت کے میوہ جات اور پھلوں کے متعلق انہی ناموں سے انہیں مخاطب کیا گیا تاکہ وہ انہیں کسی حد تک سمجھ سکیں اگرچہ ان کی حقیقت مختلف ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم اپنے بچوں سے انکی عقل و فہم اور ان کی صغر سنی و کمسنی کا لحاظ رکھ کر ان سے باتیں کیا کرتے اور وہ انکی کوئی بات اور گوشت گوشتی نہ کہہا کرتے ہیں لہذا جب ہم سنتے ہیں کہ جنت میں انگور ہوں گے تو ہم سمجھتے ہیں کہ وہ دنیا کے انگور کی طرح ہوں گے اگر جنت الفردوس کے انگور کا ایک دانہ نخل کے ساتھ والی جنت میں آجائے تو اس کا نور اس قدر ہو کہ اس جنت والے اپنی جنت کی اشیا سے غافل ہو جائیں اور اسی طرح اگر ساتھ والی جنت کا ایک انگور کا دانہ نخل کے تیسری جنت میں آجائے تو وہاں کے لوگوں کی بھی یہی حالت ہو۔ علیٰ ہذا القیاس۔ یہاں تک کہ

اگر آخری جنت کا ایک انگور کا دانہ نکال کر اہل دنیا یعنی ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں میں لایا جائے تو اس کے نور سے سورج، چاند اور تمام ستاروں کا نور ماند پڑ جائے گا اور صرف اسی کا نور اور روشنی باقی رہے گی۔ واللہ اعلم۔

نیز فرمایا کہ جنت کے دروازے بھی جنت کی تعداد کی طرح آٹھ ہیں اور یہ دروازے لوگوں کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے موجود ہوں گے اور بعد میں معدوم ہو جائیں گے۔

میں نے عرض کیا شاید اس لیے کہ دروازے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس سے اندر آسکیں اور باہر نکل سکیں، لیکن وہاں سے نکلنا ہی نہ ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَا مَعَهُمْ عَذَابٌ يُصْخَرُونَ جِنَّتٍ (جنتی جنت سے نکالیں نہ جائیں گے) سورہ حجر آیت: ۴۸ تو پھر دروازے کا کوئی فائدہ نہ رہا۔ مگر آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس سے میں سمجھ گیا کہ اس میں کوئی اور راز ہے جسے آپ ذکر کرنا نہیں چاہتے۔

پھر فرمایا: جنت کے ہر دروازہ کے بالمقابل عالمین عرش کے آٹھ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کھڑا ہے۔

میں نے سوال کیا: اس میں کیا راز ہے؟

فرمایا: اس کا راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ان آٹھوں فرشتوں اور آٹھوں جنتوں کو پیدا کیا ہے۔ پھر آٹھ قسموں میں تقسیم ہونے اور ہر قسم کو خاص امر سے مخصوص کرنے کے بعد ہر قسم میں سے ایک فرشتہ اور ایک جنت بنائی گئی۔ اس طرح اصل اور مترکے اعتبار سے دونوں میں مناسبت پائی گئی۔ اسی طرح دوسری قسم سے بھی ایک فرشتہ اور ایک جنت بنائی گئی اور ان میں بھی اصل اور مترکے اعتبار سے دونوں میں مناسبت پائی گئی۔ اسی طرح باقی چھ قسموں کا حال ہے یہی وجہ ہے کہ جنت کے ہر دروازہ کے سامنے ایک فرشتہ ہے جسے اس کے ساتھ مناسبت ہے۔ چنانچہ اس فرشتہ کو اس جنت کے نور سے سیراب کیا جاتا ہے۔

میں نے دریافت کیا: کیا تو یہ کا وہ دروازہ جو سورج کے مغرب سے طلوع ہونے تک کھلا رہے جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جیسا کہ بعض احادیث کے ظاہر ہی الفاظ سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ ابو بعلیٰ طبرانی، ابن ابی الدنیا نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جنت

لے ابو بعلیٰ: احمد بن علی الموصی مصنف مسند انہوں نے مسندہ ۱۹۱۹ میں وفات پائی۔

لے ابن ابی الدنیا: محدث عالم صدوق ابو بکر عبد اللہ بن عبد بن سفیان (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے اٹھ دروازے ہیں، ان میں سے سات بند ہیں مگر ایک دروازہ توبہ کے لیے کھلا ہے حتیٰ کہ سورج اسی سے طلوع کرے گا۔ البتہ دریا سفرہ میں سیوٹی نے یہ حدیث دی ہے۔

حضرت نے اس کی تاویل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، نور ایمان بھی جنتوں میں سے ایک جنت ہے بلکہ یہ جنت میں ہر قسم کی نعمتوں کا سبب ہے بلکہ خود جنت کا سبب بھی ہے لہذا یہ نور ایمان ہر قسم کی خیر و سعادت کا سبب ہوا۔ اور چونکہ توبہ بھی ایمان میں داخل ہونے کا دروازہ ہے تو اس اعتبار سے توبہ بھی جنت کے دروازوں کا ایک دروازہ ہوئی۔ نیز یہ کہ جو شخص جنت میں جائے گا وہ ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف منتقل ہوگا اسی طرح توبہ میں داخل ہونے والا بھی ادنیٰ حالت یعنی مہامی کی غفلت سے منتقل ہو کر بند حالت یعنی نور توبہ اور طاعت کی بند حالت میں منتقل ہوتا ہے لہذا اس اعتبار سے توبہ کو جنت کا ایک دروازہ کہا گیا۔

توبہ کے دروازے کے فرمایا: مغرب سے سورج طلوع ہونے کے وقت اس دروازے کے بند ہونے سے مراد دنیا اور دنیا کی مخلوق سے نور حق کا اٹھ جانا ہے۔

حدیث میں جو اَمْرُ اللّٰہِ کا لفظ آیا ہے اس سے مراد بھی اسی نور حق کا اٹھ جانا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ حَتَّى يَأْتِيَ اَمْرُ اللّٰہِ (میری امت کی ایک جماعت حق پر غالب رہے گی یہاں تک کہ امر الہی آئیگا) اور یہ جماعت اہل دائرہ اور تعداد والوں کی ہے اور ہر وہ شخص جس نے اس نور سے اپنا حقد لیا وہ اس کا حامل ہے اور انہی کی بدولت یہ نور دوسری زمین پر قائم ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس کو زمین سے اٹھاتا چاہیں گے تو ان میں سے ایک شخص بھی باقی نہ رہے گا۔ اس لیے جب نور کا اٹھانے والا کوئی نہ ہوگا تو نور بھی اٹھ جائے گا۔ حضرت نے اس کے علاوہ اور بھی فرمایا مگر (چونکہ وہ اسرار الہیہ میں سے ہے اس لیے اسے نہیں لکھا جاتا)۔

مؤلف لکھتا ہے کہ حضرت نے اس حدیث کی تاویل میں جو کچھ فرمایا ہے اسی قسم کی تاویل شیخ عبدالرؤف مناوی نے (بقیہ ماضیہ صفحہ سابقہ) ابن الدین القرضاوی صاحب تصانیف ہیں۔ ۸۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔ خلفاء کی اولاد کو ادب سکھایا: انہوں نے ۸۲۸ھ ۸۹۳ھ میں وفات پائی۔

عبدالرؤف مناوی: شیخ شمس الدین محمد معروف بعبدالرؤف مناوی الشافعی المتوفی ۱۳۱۰ھ ۱۳۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔ نے سیوٹی کی الجامع الصغیر کی شرح کی ہے۔ پھر انہوں نے جامع الصغیر کی ایک اور ضخیم شرح لکھی جس کا نام فیض القدر رکھا۔ ادغام اولیاء الشیطان بذکر اولیاء الرحمن بھی انہی کی تصنیف ہے۔

جامع الصغیر کی شرح میں ناصر الدین بیضاوی سے نقل کی ہے اور اسی کو اس نے پسند کیا ہے۔ اگر اس
تبادل کا حضرت کی تاول سے موازنہ کیا جائے تو حضرت کی تاول زیادہ صحیح اور زیادہ واضح معلوم
ہوے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

درویش شریف کے پڑھنے سے میں نے حضرت سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ درود
شریف کے پڑھنے سے توحنت میں وسعت پیدا
ہوتی ہے مگر تبسج وغیرہ اور کار سے ایسا نہیں ہوتا۔

حضرت نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ جنت کی اصل نور محمدی ہے لہذا یہ اس نور کی اسی قدر شائق
ہے جس قدر کہ بچہ کو باپ کی طرف اشتیاق ہوتا ہے۔ اسی لیے جب جنت کا ذکر سنتی ہے تو خوش ہو کر
اس کی طرف ہلکتی ہے اس لیے کہ جنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سیراب ہوتی ہے۔ اس کے بعد آپ
نے مثال دی کہ ایک جانور جو جسے خوراک چارے اور جو کی خواہش ہو اور اس کے پاس اس وقت جو
لائے جائیں جب اسے سخت بھوک لگی ہو لہذا جو نہی کہ وہ جانور جو کی بوسہ لگے گا تو اس کے قریب
آئے گا اور اگر اس سے دور ہوگا تو اس کا پیچھا کرے گا تا آنکہ اسے حاصل کرے گا۔ یہی حال ان فرشتوں
کا ہے جو جنت کے اطراف اور اس کے دروازوں پر مقرر ہیں۔ وہ ہر وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے ذکر اور آپ پر درود بھیجنے میں مشغول رہتے ہیں۔ اس سے جنت ان کی شائق ہو کر ان کی طرف
جاتی ہے اور فرشتے تمام جنت کے اطراف میں ہوتے ہیں اس طرح جنت تمام جہات میں پھیل
جاتی ہے۔

فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہ ہوتا اور اس نے جنت کو روکے نہ رکھا ہوتا تو جنت آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کی دنیوی زندگی میں نکل کر آجاتی۔ آپ جہاں جاتے وہاں وہ بھی جاتی اور جہاں آپ رات
گزارتے وہاں وہ بھی رات گزارتی مگر اللہ تعالیٰ نے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نکل کر جانے
سے روک دیا تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان بالغیب حاصل ہو۔

فرمایا: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت جنت میں چلی جائے گی تو جنت کو اس
سے بہت خوشی حاصل ہوگی اور یہ ان کے لیے وسیع ہو جائے گی اور اسے انتہائی خوشی حاصل ہوگی، لیکن
جب دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی امتیں جنت میں داخل ہوں گی تو جنت سکڑ جائیگی

۱۔ ناصر الدین بیضاوی: مشہور مفسر قرآن جن کی تفسیر بیضاوی اب تک عربی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے ان کی
وفات ۷۸۵ھ - ۱۲۸۶ء میں ہوئی۔

اور اسے انقباض لاحق ہوگا چنانچہ وہ اس سے اس کا سبب پوچھیں گے تو جنت کے گی میرا تم سے کوئی سروکار نہیں۔ آخر کار فیصلہ اس پر ہوگا کہ ان کے انبیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد طلب کریں گے تب جا کر جنت ان کے لیے بھی وسیع ہوگی۔

کیا ہر درود پڑھنے والے عمار کے اس قول کے بارے میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود یقیناً مقبول ہے حضرت نے فرمایا کہ بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا سب سے افضل عمل ہے اور

یہی ان فرشتوں کا ذکر ہے جو جنت کے اطراف میں ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی برکت یہ ہے کہ جس قدر درود کا ذکر کرتے ہیں اسی قدر جنت بھی وسیع ہوتی جاتی ہے اور فرشتے اس ذکر سے کبھی دم نہیں لیتے اس لیے جنت بھی وسیع ہوتی چلی جاتی ہے۔ فرشتے چلتے ہیں تو جنت بھی ان کے پیچھے چلتی ہے اور جنت اس وقت وسیع ہونے سے رک جاتی ہے۔ جب مذکورہ فرشتے تسبیح پڑھنا شروع کرتے ہیں اور تسبیح پڑھنا بھی اسی وقت شروع کرتے ہیں جب جنت میں حق سبحانہ اہل جنت کو اپنی تہلکہ کھاتیں گے چنانچہ جب تہلکہ ہوگی اور مذکورہ فرشتے اس کا شاہدہ کریں گے تو وہ تسبیح پڑھنا شروع کرتے ہی جنت وسیع ہونے سے رک جائے گی۔ اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جائیگا اگر فرشتے پیدا ہوتے ہی تسبیح میں لگ جاتے تو جنت بھی قطعاً وسیع نہ ہوتی۔ یہ محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی برکت ہے لیکن درود کا مقبول ہونا صرف ان لوگوں کے لیے یقینی ہے جن کی ذات ظاہر اور دل پاک ہو۔ اس لیے کہ جب درود پاک ذات سے نکلتا ہے تو ہر قسم کے نقائص سے پاک نکلتا ہے مثلاً ریا، غرور اور نقائص بہت ہیں اور پاک ذات از پاک دل کے اندر یہ عیوب و نقائص نہیں پائے جاتے، دیگر احادیث میں جو آیا ہے کہ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ (جس نے لا الہ الا اللہ کہا جنت میں گیا) اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ جب پاک ذات اور پاک دل یہ کلمہ پڑھے گا تو خالص اللہ کے لیے پڑھے گا۔

پھر فرمایا کہ اس کے باوجود جب اللہ تعالیٰ کے سلطوت اور غلبہ قہر پر نظر جاتی ہے تو اس بات کی طرف نظر جاتی ہے کہ بندے کا دل اللہ کی دوائیگیوں کے درمیان ہے اسے جیسا چاہتا ہے پلیٹ دیتا ہے اور جن جہت میں اللہ اسے پلیٹتا ہے تو اس کے اعمال بد کو اس کے لیے مزین کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ پہلی حالت سے بہتر حال میں ہے۔ والعیاذ باللہ تو سمجھ جاتا ہوں کہ اللہ کے مکر سے صرف وہی لوگ بے خولہ ہوتے ہیں جن کی دنیا اور آخرت دونوں خسارہ میں

ہوتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مؤلف کہتا ہے کہ حضرت نے مقبولیت پروردگار کے متعلق جو کچھ کہا ہے یہی یقینی امر ہے۔
یہی سوال ولی صالح محمد بن یوسف السنوسی سے بھی کیا گیا تھا اور مسائل نے کہا تھا کہ اس نے
ایک فقیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہر حالت میں منبول ہے اس پر
شیخ محمد بن یوسف السنوسی نے جواب دیا تھا کہ یہی واقعہ ابوالحسن شاطبی شاطبیہ کو بھی پیش
آیا۔ شیخ سنوسی کو اس میں شک گزرا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے والے کے متعلق قطعی
طور پر کہہ دیا جائے کہ اس کا درود مقبول ہے تو پھر یہ بھی یقینی طور پر کہنا پڑے گا کہ اس کا خاتمہ اچھا
ہوگا حالانکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ کسی کے خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں۔ اس کے بعد شیخ سنوسی
نے اس شبہ کے دو جواب دیے ہیں جو دراصل دونوں عقلی احتمال ہیں ان پر کوئی شرعی دلیل نہیں

۱۔ محمد بن یوسف السنوسی: ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن عمر بن شعیب تلمسان کے رہنے والے ایک اشعری
فقید ہیں۔ ان کی وفات تریسٹھ برس کی عمر میں ۳۹۵ھ بمطابق ۱۰۰۰ء میں تلمسان میں واقع ہوئی۔ ان کی تصانیف میں العقیدہ
المکبری السنوسی جیسے عقیدہ اہل التوحید بھی کہتے ہیں اور ام ابیہ میں انہوں نے خود عقیدہ اہل التوحید
کی شرح لکھی جس کا نام عبودۃ اهل التوفیق والتسديد فی شرح عقیدۃ اهل التوحید رکھا۔
انہوں نے ابوالعباس احمد بن عبد اللہ الجزائری متوفی ۳۹۹ھ کی کفایۃ الموبد کی بھی شرح لکھی ہے جس کا نام
المنهاج السديد رکھا ہے۔ پھر لامیۃ فی الکلام کی شرح (کشف الغنون: ۲: ۲۰۳)

۲۔ ابوالحسن شاطبی: مجھے کشف الغنون میں جہاں شاطبیہ کے شارحین کے نام دیے ہیں، ابوالحسن شاطبی کا نام نہیں
ملا۔ شاطبیہ کی بہترین شرح برہان الدین ابراہیم بن عمر جعفری متوفی ۳۲۲ھ کی ہے (کشف الغنون: ۱: ۳۲۸)

۳۔ شاطبیہ کا اصلی نام حرز الامانی دوج التہانی ہے۔ یہ سات قرأتوں کے متعلق ایک نظم ہے جو شاطبیہ کے نام سے مشہور
ہے۔ اس کے ناظم ابو محمد قاسم بن خیر شاطبی ہیں۔ شاطبی نابینا تھے۔ انہوں نے قاترہ میں ۵۹۰ھ بمطابق ۱۱۹۳ء میں وفات
پائی۔ واصل یمیر القرات السبع ہا ہے جسے شاطبی نے نظم کر دیا ہے۔ تیسیر کے مصنف امام ابو عمرو عثمان بن
سعید بن عثمان الدانی متوفی ۳۳۰ھ بمطابق ۹۴۲ء ہیں اور بعد میں امام شمس الدین محمد بن محمد بن ابی ہریرہ شافعی
متوفی ۳۳۲ھ بمطابق ۹۴۲ء نے اس میں تین اور قرأتوں کا اضافہ کر کے اس کا نام تحفۃ التیسیر رکھا۔ (کشف
الغنون: ۱: ۲۷۱) شاطبی نے ذکر قرآن مجید کے رسم الخط کے بارے میں ابو عمرو الدانی کی المتقن کو بھی نظم
کیا ہے اور اس کا نام عقیدۃ ارباب القضاۃ فی اسنی المقاصد رکھا ہے۔

پیش کی جاسکتی اور کسی بات کا مقبول ہونا صرف شرع ہی سے معلوم ہو سکتا ہے، لہذا یہ دونوں جواب مقبول نہیں ہو سکتے۔

پہلا جواب: درود کا یقینی طور پر مقبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے درود بھیجنے کے متعلق فیصلہ کر دیا کہ اس کا خاتمہ اچھا ہوگا تو وہ اللہ کے فضل سے یقینی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی نیکی کو مقبول پائے گا۔ بر غلاف اور نیکیوں کے کہ ان کے مقبول ہونے پر کوئی اعتماد نہیں کیا جاسکتا خواہ ان کے کرنے والے کا خاتمہ ایمان پر ہی کیوں نہ ہو۔

اس جواب پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ امتیاز ایک امر تو قیفی ہے جس کا علم شریعت کے بغیر نہیں ہو سکتا لہذا ضروری تھا کہ اس بات کی کوشش کی جائے کہ صاحب شریعت کی طرف سے اس امتیاز کے لیے نقص شرعی متعین کر دی جائے۔ اگر نقص شرعی پائی جاتی تو بہتر درجہ شریعت کے معاملات میں عقوبات کا کوئی دخل نہیں۔

دوسرا جواب: درود کے تلقی طور پر مقبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مومن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے ہوئے درود بھیجے تو یہ درود یقیناً مقبول ہوگا اور درود بھیجنے والے کو آخرت میں اس سے فائدہ ہوگا۔ خواہ عذاب میں تخفیف کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو۔ خواہ اللہ نے اسے ہمیشہ کے لیے عذاب دینے کا فیصلہ ہی کیوں نہ کیا ہو، اس کے بعد اس نے اس کا قیاس اس بات سے کیا ہے کہ ابوالہلب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے فائدہ ہوتا ہے اس طرح کہ ان کو انگوٹھے کے گڑھے سے پانی پلایا جاتا ہے اور پیر وار کے دن ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے اس لیے کہ اس نے اس کو بڑی کو آزاد کر دیا تھا جس نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی تھی۔ نیز اس بات پر بھی قیاس کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی وجہ سے ابوطالب کو فائدہ ہوگا چنانچہ آخرت میں انہیں سب سے کم عذاب ہوگا اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نہ ہوتی تو وہ دوزخ کے پائیں حصہ میں ہوتے لہذا جب طبعی محبت کی وجہ سے جو کہ اللہ کی خاطر نہ تھی فائدہ ہوتا ہے تو پھر آنحضرت

۱۔ ابوالہلب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک چچا تھے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر اس کو بڑی کو جو آپ کی ولادت کی بشارت لے کر آئے تھے آزاد کر دیا تھا۔ یہ تخفیف عذاب اسی وجہ سے ہے یہ ایمان نہ لانے تھے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیا کرتے۔

۲۔ ابی طالب: یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مومن کی محبت اور درود کا کیا حال ہوگا۔ اس پر قیاس میں تعاضل کرتا ہے کہ فائدہ ہو۔

اس میں بھی غور کا مقام ہے اس لیے کہ کتاب اور سنت میں بہت سی نصوص پائی جاتی ہیں کہ کافر کے اعمال ضائع جائیں گے کیونکہ قبولیت کے لیے ایمان کا ہونا شرط ہے۔ لہذا اس نقص سے ابوالہب اور ابولہب دونوں خارج ہو گئے لہذا ان دونوں پر قیاس نہیں ہو سکتا اس لیے کہ مقیس علیہ کی شرط یہ ہے کہ قیاس کے طریقہ سے عدول نہ کیا جائے۔ جیسا کہ اصول کی کتابوں میں طے پا چکا ہے۔ چنانچہ حافظ سیوطی **الدر المنثور** فی الأحادیث المنثورة میں حدیث **عَرَضْتُ عَلَى أَعْمَالِ أُمِّي تَوَجَّدَتْ مِنْهَا الْمَقْبُولُ وَالْمَرْدُودُ إِلَّا الصَّلَاةَ عَلَى نَائِمًا مَقْبُولَةٌ غَيْرُ مَرْدُودَةٍ** (مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کئے گئے تو میں نے ان میں بعض اعمال کو مقبول پایا اور بعض کو ناقبول مجھ پر درود پڑھنے کے کہ وہ مقبول ہی ہے، ناقبول نہیں۔ **تَمَيَّزُ الطَّيِّبِ مِنَ الْخَبِيثِ نِيْمًا يَدْرُ عَلَى الْأَلْسِنَةِ مِنَ الْحَدِيثِ** کے مصنف کہتے ہیں کہ حدیث **كُلُّ الْأَعْمَالِ نِيْمًا الْمَقْبُولُ وَالْمَرْدُودُ إِلَّا الصَّلَاةَ عَلَى نَائِمًا مَقْبُولَةٌ غَيْرُ مَرْدُودَةٍ** کے متعلق ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف حدیث ہے۔ **سید سمودی** اپنی کتاب **الغماز علی التماز** میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حدیث **كُلُّ الْأَعْمَالِ نِيْمًا الْمَقْبُولُ وَالْمَرْدُودُ إِلَّا الصَّلَاةَ عَلَى نَائِمًا مَقْبُولَةٌ غَيْرُ مَرْدُودَةٍ** کے متعلق ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ ضعیف حدیث ہے۔ **تمییز کے مصنف** بھی یہی کہتے ہیں کہ **الصلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تُردُّ** (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو درود بھیجا جائے وہ رد نہیں ہوتا) یہ دراصل ابوسلیمان دارانی کا کلام ہے۔ غزالی نے احیاء میں اسے مرفوع حدیث کے طور پر بیان کیا ہے مگر ہمارے شیخ فرماتے ہیں کہ مجھے اس حدیث کا پتہ نہیں چلا۔ یہ صرف ابوالدرداء کا قول ہے چنانچہ

۱۔ اس کتاب کے مصنف شیخ عبدالرحمن بن علی شیبانی شافعی ہیں جو ربیع زبیدی کے نام سے مشہور ہیں انھوں نے ۳۳۳ھ میں وفات پائی۔ یہ کتاب دراصل مقدمہ حضرت مولانا سیدی کی تحریر ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے (کشف الغلوں: ۳۱۱:۲)

۲۔ **سید سمودی** نور الدین علی بن عبداللہ سمودی متوفی ۹۱۱ھ۔ ان کی کتاب **الغماز علی التماز** موضوع حدیثوں کے متعلق ہے اور دیگر تصانیف بھی ہیں۔

۳۔ **ابوسلیمان دارانی**: ابوسلیمان عبدالرحمن بن علیہ دارانی متوفی ۳۱۰ھ۔ ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

۴۔ **ابوالدرداء**: عومر بن زید اصل نام تھا۔ مشہور صحابی ہیں۔ درود ان کی ٹیٹ کا نام تھا یہ کچھ دیریں ایمان لائے اور

پھر توبہ کر کے آخری ایمان لایا۔ یہ ہیں مکیں انکا اسلام آچھا تھا۔ دشن میں ۳۲۰ھ میں وفات پائی۔

وہ کہتے ہیں جب تم اللہ سے کوئی دعا مانگو تو پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ کریم ہے کہ اس سے دو حاجتیں طلب کی جائیں تو ایک کو تو پورا کر دے اور دوسری کو رد کر دے۔ الخ۔ انھوں نے اپنے جس شیخ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ ابو الخیر شمس الدین محمد بن محمد بن عبد الرحمن بن محمد السخاویؒ ہیں جو اَلْمَقَاصِدُ الْحَسَنَةُ فِي بَيَانِ كَثِيرٍ مِنَ الْأَحَادِيثِ الدَّائِرَةِ عَلَى الْأَلْسِنَةِ کے مصنف ہیں۔

جب تو یہ بات سمجھ جائے تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے جانے کے قطعی طور پر مقبول ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہاں البتہ اس کے مقبول ہونے کی زیادہ امید کی جاسکتی ہے اور جن اعمال کی قبولیت پر ظن غالب کیا جاسکتا ہے ان میں درود شریف سب سے پہلے آتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۔ اہل جنت کا لباس اور نہ اسے اتار کر پھینکا جائے گا اور ایک ہی گھڑی کے اندر ایک شخص ستر ہزار لباس پہن لے گا۔ میں نے سوال کیا کہ جب انہیں پھینکے گا نہیں تو پھر وہ اپنے لباسوں کا بوجھ کیسے برداشت کرے گا۔ فرمایا کہ یہ لباس نور کے لباس ہوں گے لہذا نور ہی آئیں گے اور نور ہی جائیں گے فرمایا: ذات کی نظر جنت میں محدود نہ ہوگی اس لیے کہ جنت میں اللہ کی نعمتیں غیر محدود ہوں گی لہذا جب ذات ایک نعمت کی طرف دیکھے گی تو محض اس کے دیکھنے سے دوسری پھر تیسری پھر چوتھی وغیرہ نعمتیں حاصل ہو جائیں گی اور ذات ہر نگاہ سے غلط حاصل کرے گی اس لیے کہ نعمتیں مختلف ہیں۔ پھر آپ نے ایک بہت بڑے آئینہ کی مثال دی کہ فرض کرو کہ ہمارے سامنے ایک بڑا آئینہ پڑا ہو اور ہم اس میں دیکھیں تو ہمیں تعجب ہوگا اس لیے کہ وہ بہت بڑا ہے کہ انسان کھڑا ہو جائے تو اس کا تمام جسم دکھائی دے۔ اسی لیے ہمیں زیادہ تعجب ہوگا۔ پھر اگر اسی قسم کا دوسرا آئینہ دیکھیں تو تعجب نہ ہوگا مگر کوئی اور آئینہ پہلے سے مختلف دیکھیں تو اس پر بھی ہمیں تعجب ہوگا جس طرح پہلے کو دیکھ کر تعجب ہوا تھا اور جنت میں ہر چیز ایک دوسرے سے مختلف دکھائی دے گی۔ مگر ادلیا۔ اللہ کا اس میں اختلاف ہے کہ اگر ہم پہلی نعمت کی طرف دوبارہ دیکھیں گے تو کیا وہ پہلی ہی حالت پر دکھائی دے گی یا نہیں۔

لے ابو الخیر شمس الدین بن محمد بن عبد الرحمن بن محمد السخاوی: معصفت کشف الظنون نے انہیں ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمن سخاویؒ نے ۵۹۲ھ و ۵۹۳ھ میں وفات پائی۔

ایک مرتبہ حضرت نے گفتگو فرماتے ہوئے کہا کہ جنت میں بعض اہل جنت کو حزن و غم اور
افسوس بھی لاحق ہوگا۔ اس وقت ایک عالم بھی وہاں بیٹھے تھے اور انہوں نے اس کا انکار کرتے ہوئے
کہا کہ جنت میں افسوس و حسرت نہ ہوگی اس پر میں نے اس عالم سے کہا کہ آپ انکار نہ کریں کیونکہ حضرت
نے جب کبھی بھی کوئی بات کہی ہے تو میں نے اس کے متعلق نفس شرعی ضرور پال ہے خواہ خاص اس
بات کے متعلق ہو خواہ عام یا اس کی نظیر اور میں حضرت کو پانچ سال آزمایا ہوں۔ پھر میں نے اس
عالم سے کہا کہ جس بات کا آپ انکار کر رہے ہیں اس کے متعلق نفس شرعی موجود ہے اور الحمد للہ
مجھے وہ نفس بھی یاد آگئی۔ حالانکہ ہم سفر کر رہے تھے لہذا میں پہلے جو کچھ حضرت نے فرمایا وہ بیان
کر تا ہوں پھر اس کی شرعی دلیل پیش کروں گا۔ حضرت نے فرمایا: یہ نفعیہ ما خب کیوں انکار کر رہے
ہیں۔ اہل جنت جب جنت میں جائیں گے تو حمد و ثنا کا نور ان کی زبانوں پر چمکتا ہوگا اور یہ نور
اسی قدر ہوگا جس قدر دنیا میں انہیں اپنے رب کی معرفت حاصل ہوگی لہذا جب وہ جنت میں
داخل ہوں گے اور انہیں جس قدر دنیا میں اللہ کی معرفت حاصل تھی اس سے بدرجہا زیادہ اللہ کی
معرفت حاصل ہوگی تو سب کے سب اس بات پر نادم ہوں گے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خدمت
اور عبادت میں کوتاہی کی۔ حضرت نے فرمایا: یہ بات قیامت میں ہوگی اور سچ ہے اس میں کسی قسم
کا شک و شبہ نہیں۔

پھر فرمایا: بالخصوص زانیوں کے ساتھ ایک اور بات پیش آئے گی کہ جب وہ جنت میں جائیں
اور حق سبحانہ اپنی تعلی دکھائیں گے اس وقت جب ان کو علم ہوگا کہ ہم کس رذیل حالت میں اللہ
سے ملاقات تھے اور ذات حق کس درجہ جلالت و عظمت و کبریا و سلطنت والی ہے تو نادم ہوں گے
اور شرمسار ہوں گے یہاں تک کہ مدت تک وہ بیہوش رہیں گے۔ اس وقت جن کو اللہ تعالیٰ نے معصیت
زنا سے محفوظ رکھا تھا وہ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی تمام
نعمتوں سے نوازا ہے۔ پھر جب بیہوش ہوش میں آئیں گے تو حق تعالیٰ کی طرف سے ان کو ایسی قوت
اور کمال معرفت عطا کی جائے گی جس کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔ اس سے حضرت نے جنت
میں حسرت کے پائے جانے پر استدلال فرمایا:

موتلف کتاب ہے کہ اس کی نفس شرعی بھی پانی جاتی ہے چنانچہ حافظ سیوطی نے البدر
السانہ باب تَحْشُرُ أَهْلِ الْجَنَّةِ عَلَى تَرْكِ الذِّكْرِ ذَكَرَ بِرَأْسِ جَنَّتِ كَا حَرَّتِ كَرَا

مراد نہیں کہ اس کا ذہن غیر اللہ کی طرف جاسکے گا مگر وہ اسے اور سے ہٹائے گا بلکہ مراد یہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی عقلوں میں غیر اللہ کا خیال نہ پیدا کیا ہے اور نہ پیدا کرے گا اسی وجہ سے تو انہیں اللہ کا دل کا جانا ہے کہ وہ غیر اللہ سے تعلقات منقطع کر چکے ہوتے ہیں۔ حضرت کے ان الفاظ کا مقصد لوگوں کو اللہ پر جمیع کرنا اور اللہ کی طرف راہنمائی کرنا ہے اور بندے کی ہمت کو بلند کرنا ہے تاکہ وہ نعمتوں میں مشغول ہو کر انعام کرنے والے کو نہ بھول جاتے بلکہ بندے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے منعم کی طرف دھیان دے اور اس کے سامنے گریہ و زاری اور عاجزی کرے۔ مومن بندہ کا یہی حال ہونا چاہیے اور اگر اس کی نظر نعمت کی طرف جاتے تو اس غرض سے جاتے کہ یہ اس کی اللہ سے محبت پیدا کر دے گی اور وہ اقرار کرے گا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے لہذا وہ اس نعمت کو اسی نظر سے دیکھے اور اس سے قبل وہ اپنے اپنے آقا اور خالق کے ساتھ رہے گا۔ حتیٰ کہ فرض کر دے کہ یہ نعمت مفقود ہو جائے یا اس کا اصلا وجود ہی نہ ہوتا تو پھر بھی دل کی توجہ اپنے آقا ہی کی طرف لگی رہتی اور وہ اس کی توحید کے سمندر وں اور الوہیت کے اسرار میں مستغرق رہتا لہذا نعمت کا وجود اور عدم وجود خالق سے اس کی توجہ کو نہ ہٹا سکتا۔ اسی لیے حضرت فرمایا کرتے تھے جب ولی کو اپنے مولیٰ سے مراد مل جاتی ہے تو پھر اسے پروا نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ اسے کہاں رکھتا ہے اس کے بعد مثال بیان فرمائی کہ جیسے شہد کا کیڑا جو اپنے تمام اجزاء اور رگوں سے شہد کھانے کی طرف لگا ہوا ہو اگر اسے شہد کے ٹکے میں ڈال دیا جائے کہ اس کو اپنے مطلوب سے اتصال نصیب ہو جائے اور وہ دن رات اسے کھانے میں لگا رہے تو پھر اس شہد کے ٹکے کو جس میں کیڑا پڑا ہے چاہے اس سے بڑے ٹکے میں بھی ڈال دو جو رال سے بھرا ہو تو اس کیڑے کو اس کی کچھ پروا نہ ہوگی اور اس کے دل پر شہد کے سوا نہ کوئی خیال گزرے گا اور نہ رال کی بویا کسی اور چیز سے اس کا شہد مکدر ہوگا کیونکہ اس کی ذات بہتر شہد کی طرف لگی ہوئی ہوگی اور تمام دیگر اشیاء سے بے تعلق ہوگی۔ اس لیے رال کی طرف اس کا دھیان بھی نہ جائے گا چاہے جتنیکہ اس سے تمکدر پیش آئے۔ واللہ اعلم۔

بارھوال باب !

جہنم کا بیان

فرمایا: دوزخیوں کو وہ درخت اور نہریں جو ان کے قریب ہوں گی دکھائی نہ دیں گی بلکہ ان کو صرف وہی درخت اور نہریں دکھائی دیں گی جو ان سے اس قدر بعید مسافت پر ہوں گی جس قدر ساتوں زمینوں کی مسافت ہے تاکہ ان کے لیے عذاب پر عذاب ہو۔ لہذا جہنم میں اس قدر بعید مسافت کے باوجود انہیں درختوں کی سی صورت دکھائی دیگی جن کو ہرے بھرے پتے اور پھل لگے ہوں گے لہذا وہ ان کی طرف دوڑ کر جائیں گے تاکہ ان کا پھل کھا کر اور ان سے قریب ہو کر عذاب کو دور کر سکیں چنانچہ وہ اس قدر مسافت کو جلدی سے تین قدموں میں طے کر لیں گے اور اس درخت کے پھل اور پتوں کو لیکر منہ میں ڈالیں گے فرمایا: جنت یا جہنم میں جو چیز منہ میں ڈالی جائے گی بندہ اسے منہ سے نہ نکال سکے گا جیسا کہ ہم دنیا میں کر سکتے ہیں۔ لہذا جب پھل یا پتہ ان کے منہ میں جائے گا تو یہ ان کے لیے پہلے عذاب سے بھی زیادہ سخت ہو گا اور پھلے پاؤں والیں ٹوٹیں گے اور مذکورہ بالا مسافت کو ڈیڑھ قدم میں طے کر لیں گے اس جہن کی وجہ سے جو وہ محسوس کر رہے ہوں گے، واللہ اعلم۔

نیز فرمایا کہ جہنم کی آگ دنیا کی آگ کی طرح شعلوں والی نہ ہوگی اس لیے کہ کچھ مدت کے بعد جسم شعلہ زن آگ سے مانوس ہو جاتا ہے اور وہ آگ سے تکلیف محسوس نہیں کرتا اس لیے وہ اس کے لیے عذاب نہیں رہتا مگر جہنم کی حالت ہمہ تن ظلمت ہے اور اگر جہنم میں سے ایک کھجور کے تنکے کے برابر تاریکی نکال لی جائے اور اسے ہوا میں پھیلا دیا جائے یہاں تک کہ اس طرح پھیلنے سے دھوئیں کی طرح ہو جائے تو اس میں سے روشنی اور شعلے ظاہر ہو جائیں گے۔

پھر فرمایا: اگر ہم دنیا کو آگ سے بھر دیں پھر یہ فرض کر لیں کہ اسے بھیج دیا جائے اور اس قدر بھیجنا جائے کہ صندوق جتنی رہ جائے تو اس وقت یہ خالص سیاہی اور تاریکی بن جائے گی۔ پھر فرمایا کہ جہنم میں کئی وادیاں ہوں گی۔ ایک جہنمی عورت شدت پیاس کی وجہ سے اپنے بیٹے

کو پیٹھ پر اٹھائے اس وادی کی طرف جاسے گی جس کی مسافت کا ذکر ہو چکا ہے، لیکن جب وادی میں پہنچکر اس کا گھونٹ پئے گی تو وہ اسے اس کے بچے سمیت جھلس ڈالیگا۔

مرفوف کتاب ہے کہ حضرت نے اس بچے کے متعلق یہی فرمایا تھا مگر میں نے ان سے بچہ کے متعلق دریافت نہیں کیا کہ آیا اس کی ولادت جہنم میں ہوگی۔ کیا وہاں بھی تناسل کا سلسلہ جاری ہوگا یا وہ دنیا کی اولاد میں سے ہوگا۔ اگر یہ بچہ دنیا کی اولاد میں سے ہوگا تو آپ جانتے ہیں کہ کفار کی اولاد کے بارے میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہوا ہے کہ آپ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: اللہ بہتر جانتا ہے کہ (اگر یہ زندہ رہتے تو) کیا کرتے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے اس بنا پر جس بچہ کے متعلق اللہ کو علم ہوگا کہ اگر بڑا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا وہ جنت میں جاتے گا اور اسی پر حضرت جابر بن سمرہ کی وہ حدیث محمول کی جا سکتی جس میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں بعض کافروں کے بچوں کو جنت میں دیکھا۔ اور جس بچہ کے متعلق علم الہی میں یہ ہوگا کہ اگر بڑا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتا تو وہ دوزخ میں جلتے گا۔ اس حدیث کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔ خضر نے جس بچہ کو صغریٰ میں قتل کیا تھا اس قفسہ کو بھی اسی پر مرتب کیا جائے گا۔ اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ باوجود بچہ ہونے کے اس کی سرشت ہی کفر پر واقع ہوتی تھی۔ خدا اپنی پناہ میں رکھے۔

میں نے حضرت سے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ صحیح بات تو وہی ہے جس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے اور پھر کہا کہ بہت سے بچے کم سنی میں مرتب جاتے ہیں مگر قیامت کے دن ان کا شجر قرآن کے حانظوں میں ہوگا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اگر یہ بچہ زندہ رہتا تو کتاب اللہ کا قاری ہوتا اس لیے تاریوں میں اسے اٹھایا جائیگا اور بہت سے بچے کم سنی میں مرتب جاتے ہیں اور ان کو علماء اور اولیاء کے زمرہ میں اٹھایا جائے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اگر یہ بچہ بڑا ہوتا تو انہی میں ہوتا۔ مرفوف کتاب ہے کہ ہمارے ایک ساتھی سے قفسہ پیش آیا۔ وہ یمن بوغ کے قریب پہنچ چکا تھا اور تالوں یا ابن کثیر کی روایت کے مطابق قرآن مجید پڑھا کر تھکا۔ چہرہ دل صالح ابو یعزى کے پاس اس نیت سے گیا

۱۔ تالوں؟ ان سے نافع نے قرأت کی روایت کی ہے اسی کا طریق روایت ابی شیط ہے۔

۲۔ ابن کثیر؟ ان کا ذکر شروع کتاب میں آچکا ہے۔

۳۔ ابو یعزى؟ یہاں پر مصنف کے کوئی ہمعصر بزرگ مراد ہیں۔ تہذیب میں ایک بزرگ ابو یعزى مغربی مٹی صمدی جبری کے بڑے دل ہوئے ہیں۔

کہ قرآن مجید ساتواں قراتوں سے پڑھنا چاہیے اور اس میں اس کی نیت نیک اور پختہ ارادہ تھا۔ چنانچہ اس نے حضرت ابولعزی سے بڑے الحاح کے ساتھ درخواست کی اور عرض کیا حضرت میں تین دن کی مسافت طے کر کے آیا ہوں اور میری صرف یہی ایک درخواست ہے لہذا آپ مجھے یاس نہ کریں۔ ابھی وہ بات کر ہی رہا تھا کہ اس کی آنکھ لگ گئی اور کیا دیکھتا ہے کہ ابولعزی یاس کھڑے ہیں اور ان کے ہاتھ میں ایک اجازت نامہ کی تحریر ہے جیسی سات قراتوں کے پڑھنے پڑھانے والے بلاد مغرب میں لکھا کرتے ہیں اور اس پر دیگر علماء اور قراء کی شہادت بھی تھی کہ یہ زیارت کنندہ سات قراتوں سے قرآن پڑھنے والوں میں سے ہے اور سات قراتوں کا حلقہ ہے۔ پھر شیخ ابولعزی نے کہا یہ اجازت نامہ اور اب تو سات قراتوں کے حلقوں میں سے ہے ابھی زیارت کر کے واپس ہی آیا تھا کہ بیمار ہوا اور مر گیا اور اپنی قرات میں کچھ اضافہ نہ کر سکا۔ اس کے باپ نے مجھ سے خواب کی تعبیر پوچھی تو میں نے جواب دیا کہ قیامت کے دن سات قراتوں کے حلقوں کے زمرہ میں اٹھایا جائے گا۔ یہ سنکر اس کا باپ بہت خوش ہوا اور اس کا نام جاتا رہا۔ واللہ اعلم۔

ملاحظہ ہو حافظ ابن حجر کی فتح الباری کی کتاب الجنائز اور حافظ سیوطی البدو و السافروہ تاکہ تجھے کافروں کی اولاد کے متعلق محدثین اور علماء کی راستے معلوم ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمایا: ہر شخص جو دوزخ کے پاس سے گزرے گا خواہ مومن ہو خواہ کافر، دوزخ کے داروغہ مالک کو دیکھ سکے گا مگر مومن جب اسے دیکھے گا تو اسے علم ہو گا کہ وہ مومنین کے ہر ایمان سے پیدا کیا گیا ہے اس لیے اس سے نہیں ڈرے گا، لیکن کافر عرب سے ہی مرے گا، واللہ اعلم۔

نیز فرمایا: کہ اولیٰ ترین کافر کے لیے بھی جہنم اس قدر وسیع ہو گا جس قدر تمام دنیا اور اس جیسی دس اور دنیا ہیں۔

میں نے عرض کیا: پھر اس کی تنگی کیسے ہوگی؟

فرمایا: انہیں تنگی اس عذاب کی وجہ سے ہوگی جو انہیں گھیرے میں لیے ہوگا۔

میں نے عرض کیا: کسی شخص کو اپنے گھر میں دن رات پٹیا جاتے پھر بھی اس کو وسعت کا علم ہوگا ایک گوز راحت ملے گا اور اس کا تعلق واضطراب اس شخص جیسا نہ ہوگا جسے نیزے کی نوک جتنے مکان میں دن رات زد و کوب کیا جاتے۔

فرمایا یہ اس لیے ہے کہ یہ ہوا اس کے لیے عذاب ہی نہیں ہے برعکس اس کے جہنم کی آگ نالیں آگ ہے جس سے وہ ظاہر میں بھی عذاب میں مبتلا ہوگا اور باطن سے بھی۔ اس میں اس کے ترپنے کی یہ

حالت ہوگی جیسے مرغی کو ذبح کر کے چھوڑ دیا جائے اور تڑپتی پھرتے۔ غرض وہ کبھی فریاد کرے گی اور چیخیں گے اور اگر کوئی مومن اس حالت میں ان کے پاس سے گزر جائے اور جب وہ فریاد کر رہے اور چلا رہے ہوں، ان کی آواز سن لے تو اس کے تمام حواس معطل ہو جائیں مگر انہیں اس سے دوری اور عذاب میں اضافہ ہی ہوگا اس لیے کہ آگ کی قوت اور شعلوں میں اضافہ ہوگا بعینہ اس طرح جس طرح کوئی انگلیٹھی میں سے جلتی ہوئی لکڑی لیکر اس کے انگاروں اور راکھ کو جھاڑ دے تو اس سے ان لکڑیوں کی آگ اور شعلہ زن ہوگی۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمایا کہ جہنم میں بھی مکانات، محلات، دروازے، درخت، باغات اور وادیاں ہوں گی جس طرح کہ دنیا کے شہروں میں ہوتا ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ جہنم کا کوئی ٹکڑا یا اس کے گھروں اور محلوں وغیرہ کا کوئی جزو بھی لیا جائے تو یہ نالغ آگ اور عذاب ہوگا چنانچہ یہ گھر محل، درخت اور وادیاں تمام کی تمام نالغ آگ کی ہیں۔ اگر ان کا ایک جزو بھی دنیا میں آجائے تو تمام دنیا کو جلادے۔ پھر فرمایا: دنیا میں کوئی انسان اعمال (بہ) کرتا ہے جن کی وجہ سے اس کے لیے جہنم میں محل بنا دیے جاتے ہیں مگر جب ان اعمال سے دل سے توبہ کرتا ہے اور اللہ اسے قبول کر لیتا ہے تو یہ محل جو اس کے لیے جہنم میں بنائے گئے تھے مٹا دیے جاتے ہیں اور ان کے عوض جنت میں محل بنا دیے جاتے ہیں۔

حضرت نے ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک مومن عورت حاملہ تھی اور اس کے پیٹ میں جو بچہ تھا وہ عورت زمان ہونے والا تھا اور اس کے پڑوس میں شادی کی تقریب تھی اور وہ عورت تفریق کے طور پر ان کے ہاں چلی گئی۔ اتفاق سے دلہن کا کوئی قیمتی کپڑا کسی نے چرائیا اور اس مومنہ پر اس کے چرانے کی تہمت لگا دی گئی اور گھر والوں نے اسے گھر واپس جانے سے روک دیا اس عورت کا خاندان سید زادہ تھا۔ وہ اتنا بھی پسند نہ کرتا تھا کہ وہ گھر کے دروازہ سے باہر قدم رکھے۔ چہ جائیکہ پڑوسیوں کے ہاں جاتے۔ پھر وہ شخص غیرت مند بھی تھا۔ اس لیے عورت کو ڈر ہوا کہ جب خاندان کو خبر ہوگی کہ میں گھر سے باہر نکلی تھی تو میری کیا شامت آئے گی چہ جائیکہ میری طرف چوری کو مسوب کیا جائے۔ پھر اس پر یزید یہ کہ اسے گھر میں قید بھی کر دیا گیا ہو۔ اس سے اسے اس قدر خوف لاحق ہوا کہ اس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ جس کی وجہ سے محل کو بھی نقصان پہنچا۔ اس لیے اس جھوٹا الزام لگانے والی عورت کے لیے جہنم میں محل تعمیر کر دیئے گئے اور وہ ایک عرصہ تک قائم رہے حتیٰ کہ وضع محل ہوا اور بچہ بڑا ہو گیا اور بچہ کے بال باپ کا انتقال ہو گیا۔ اب (چونکہ بچہ بڑا ہو چکا تھا اس لیے)

اس نے شادی کا ارادہ کیا مگر پاس کچھ نہ تھا اچنانچہ اسی عورت نے اسے اتنی رقم دی جو اس نے اپنی بیوی کو بطور مہر کے ادا کی۔ اس وقت حق تعالیٰ نے ان مملوں کو جو جہنم میں اس کے لیے تعمیر کئے گئے تھے معدوم کر دیئے اور جو موت اس نے اس بچہ سے کی تھی اسے اللہ نے اپنے فضل اور رحمت سے قبول فرمایا۔ پاک ہے وہ خدا جس کی یہ تمام حکومت ہے۔

حضرت نے فرمایا: ہر حرکت جو نبیہ اپنے پاؤں کو دیتا ہے خواہ اسے آگے بڑھائے خواہ پیچھے ہٹائے اس کی جزا و ثواب میں یا تو جہنم میں اس کے لیے محل بن جاتا ہے یا جنت میں۔ نیز فہم کی حالت میں بھی جب کبھی اس کے باطن کی رگ پھٹکتی ہے تو اس وقت بھی اس کے لیے جہنم یا جنت میں محل بن جاتا ہے لہذا جب یہ ان افعال کا حال ہے تو جو بندہ قصد و ارادہ سے کرتا ہے اور حرمت نے یا تو اس سے منع کیا ہو یا اس کے کرنے کا حکم دیا ہو۔ ان کا کیا پرچہ؟

میں نے سوال کیا کہ جن افعال میں قصد و اختیار نہیں پایا جاتا ان کی جزا میں محل کیسے تعمیر کئے جاتے ہیں بالخصوص ایک خوابیدہ انسان کے افعال رک ان میں تو قصد کا قطعاً دخل نہیں ہوتا۔

فرمایا: ان مملوں کی تعمیر کا دار و مدار اس حالت پر ہے جس کی طرف انسان قصد کے وقت رجح کر رہا ہے۔ لہذا مملوں کی تعمیر کا سبب یہی ہے خواہ اس میں قصد پایا جائے یا نہ پایا جاتے۔ لہذا ظاہر ہے کہ کافر قصد کی حالت میں جس حالت کی طرف رجوع کرے گا وہ اس کے کفر اور سرکشی کی حالت ہی ہوگی لہذا جہنم میں اس کے لیے محل تعمیر کرنے میں اسی حالت کا اعتبار کیا جائے گا خواہ یہ افعال کسی بھی حالت میں اس سے صادر ہوتے ہوں خواہ قصد و اختیار سے ہوتے ہوں، خواہ غفلت اور نیند کی حالت میں۔ اور مومن قصد و ارادہ کے وقت جس حالت کی طرف رجوع کرے گا وہ اس کے ایمان اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی حالت ہوگی اور یہی حالت جنت میں اس کے محل بنانے کا سبب ہے خواہ اس سے اس کے افعال قصداً صادر ہوتے ہوں خواہ غفلت اور نیند کی حالت میں۔ خدا ہمیں مومن رکھے اور ہمیں ان کے زمرے سے خارج نہ کرے۔

توقف کرتا ہے کہ یہ ایک بڑا بھاری مسئلہ ہے جس میں مدت سے علماء اہل امت میں اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ فروغ شریعت میں بھی کفار مخاطب ہیں۔ پھر اختلاف اس بات میں پیدا ہوا کہ آیا کفار کے مباح افعال مثلاً کھانا پینا وغیرہ ان کے لیے بھی مباح قرار دیے جائیں گے یا نہیں چنانچہ ایک گروہ کا قول ہے کہ کفار کے لیے کوئی چیز بھی مباح نہیں اس لیے کہ کسی چیز کا مباح قرار دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک شرعی حکم ہے اس لیے کہ آپ کی شرع سے دیگر

شرعیات تو منسوخ ہو چکیں اور کفار آپ پر ایمان بھی نہیں لائے اور وہ کہتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرع میں داخل نہیں ہیں لہذا وہ شرعی ابا حرت میں بھی داخل نہیں ہو سکتے۔ مثلاً تقی الدین سبکی کا یہ خیال ہے اور ہمیں بھی یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ لہذا کفار کے تمام اعمال معاصی اور گناہ ٹھہرے۔ حضرت نے بھی یہی فرمایا ہے۔

نیز فرمایا: جب تو جنت یا جہنم کی طرف دیکھے اور وہاں کے مملوں اور باغوں کو دیکھے تو تجھے بندوں کے اعمال کا آخرت کی ان نعمتوں یا کفستوں سے ربط دکھائی دیگا۔ اس کے بعد حضرت نے ایک حکایت بیان فرمائی کہ کسی ولی نے جنت میں کسی ایسے مومن کے محل کو دیکھا جو ابھی بقید حیات تھا۔ پھر اس محل میں نعمتوں کو دیکھا کہ ان میں بڑھوتری کے لیے حرکت پیدا ہو رہی تھی اور ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونے کا ارادہ کر رہی تھی جیسے کہ انگوڑ کا دانہ

جب اس حالت میں آتا ہے کہ اس میں رس اور مٹھاس پیدا ہو۔ پھر اس ولی نے اس مومن کی طرف دیکھا جس کے لیے یہ عمل تیار ہوا تھا کہ وہ اپنی دوکان پر بیٹھا کپڑے بیچ رہا تھا۔ پھر یکایک اس کی طبیعت میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ گھبرا کر فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور دوکان بند کر کے گھر چلا گیا اور گھر والوں سے کہنے لگا کہ آج کھانے پینے کا دن ہے اور ہمارے پڑوسیوں کے پاس کھانے کو نہیں۔ فرمایا: اس کے پڑوس میں ایک محتاج عورت رہتی تھی جس کی بیٹیاں تھیں۔ ماں نے بیٹیوں کو کما خوب محنت سے سوت کا تو۔ تاکہ سویرے ہی کام ختم کر لیں اور اسے بیچ کر خوراک خرید سکیں تاکہ ان کی نظر لوگوں کے کھانے کی طرف نہ جائے چنانچہ اس شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ ہمارے اور ہمارے پڑوسیوں کے لیے کھانا تیار کرو۔ بیوی نے خاوند کی رائے کو پسند کیا۔ خاوند اسی کو یہ کہہ کر کہ جلد پکاؤ اور خوب اچھا کھانا پکاؤ اور زیادہ پکاؤ خود دو پیالے لے کر بازار گیا اور ان کو دو وہ سے بھر لایا۔ جب

لے تقی الدین سبکی: مقرر فرمایا تقی الدین علی بن عبدالحکام سبکی شافعی۔ صاحب تصانیف کثیرہ اہل ولادت ۷۸۳ھ میں ہوئی اور ۸۵۹ھ میں وفات پائی۔ یہ ذہبی کے استاد تھے اور بہت سے فضائل کے حامل تھے۔ بڑھ کر اور تیز حافظ تھے۔ تقی الدین نے نووی کی منہاج الدین کی شرح لکھی ہے۔ یہ کتاب شافعی فقہ کی کتاب ہے مگر تقی الدین اسے مکمل نہیں کر سکے ابھی باب الطلاق تک پہنچے تھے کہ ان کی وفات ہو گئی۔ اس شرح کا نام انھوں نے الاجتہاد رکھا اس کے بعد ان کے بیٹے بہاء الدین احمد نے اس شرح کو مکمل کیا۔ بہاء الدین نے ۸۵۳ھ میں وفات پائی۔

بیوی نے کھانا تیار کر دیا تو شوہر نے اس کے دو برابر حصے کئے۔ ایک حصہ اپنے لیے رکھا اور دوسرا حصہ ایک برتن میں رکھ کر خود اٹھایا اور ساتھ ہی دودھ کا ایک پیالہ لے کر پڑوسن کے گھر آیا۔ لڑکیاں بڑی محنت سے سوت کاتنے میں لگی ہوئی تھیں اور سب بھوک تھیں۔ اچانک اس پڑوسی نے جو کھانا لے کر آیا تھا ان کے دروازے پر دستک دی اور کہا مجھے معلوم ہے کہ آج کھانے پینے کا دن ہے رات تمہارا کوئی رشتہ دار نہیں جو تمہارے ہاں آتا جاتا ہو۔ یہ کھانا تمہارے لیے کافی ہوگا لہذا یہ لے لو اور یہ یہ دودھ بھی لے لو۔ لڑکیاں اس سے بہت خوش ہوئیں اور وہ شخص چلا آیا۔ لڑکیوں نے وہ کھانا کھایا اور خدا سے دعا کی کہ اس کے صدقہ کو قبول فرماتے۔ پھر اس دل نے اس نعمت کی طرف نظر کی جو بڑھوتری کے لیے حرکت میں آئی تھی تو دیکھا کہ وہ بڑھ چکی تھی اور اس کی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ اس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی اور اس تمام قصہ کا صاحب طعام کو کچھ علم نہیں اللہ سبحانہ اپنے بندوں کو اس ثواب کے لیے حرکت میں لے آتا ہے جو انہیں آخرت میں حاصل ہوگا۔ واللہ اعلم۔

میں نے ایک دن حضرت سے ایک ظالم شخص کی نسبت سوال کیا جس کی مرگشی حد سے بڑھ چکی تھی اور سب لوگ اسے برا سمجھتے تھے اور اس سے سخت بیزار تھے۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے لیے بد دعا کیجیے۔ فرمایا کہ جتنے عمل اس کے لیے جہنم میں بننے والے ہیں، وہ ابھی تک مکمل نہیں ہو چکے اور ابھی بہت سے عمل بننے باقی ہیں۔ جب تک وہ مکمل نہ ہو جائیں گے یہ شخص نہیں مرے گا۔ حضرت تو فطرت پاچے ہیں مگر یہ شخص ابھی زندہ ہے۔ خدا سے ہم سلامتی چاہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

میں نے حضرت سے ایک ظالم اور سرکش آدمی کے متعلق دریافت کیا جسے اپنے منصب سے معزول کر دیا گیا تھا اور لوگوں کو اس سے بڑی خوشی ہوئی تھی۔

فرمایا: وہ ابھی اس کا نصاب کماں پورا ہوا ہے چنانچہ اسے اپنے منصب پر بحال کر دیا گیا اور اس نے پہلے کی طرح ظلم کو ناشر شروع کر دیا اور آج رمضان ۱۳۶۷ھ کی آخری تاریخ ہے مگر وہ ابھی زندہ ہے۔

حضرت نے ان حیوانات کی ارواح کے بارے میں جنہیں نہ ثواب ہوگا نہ عذاب فرمایا کہ ان میں بعض ایسے ہونگے جو جہنم میں اہل جہنم کے لیے عذاب کا باعث بنیں گے اور بعض جنت میں جنتیوں کے لیے ست بنیں گے۔ چنانچہ کتوں، درندوں، بھیرڑوں اور جن جانوروں کو قبیح سمجھا جاتا ہے اگر یہ دنیا میں افروں کے ساتھ رہتے ہونگے تو جہنم میں جاسینگے ورنہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

ایک مرتبہ بڑی عید کا دن تھا کہ حضرت نے فرمایا کہ آج قربانی کے جانوروں کی روح قبض کرنے کے لیے فرشتے نازل ہوں گے چنانچہ ہر شہر اور گاؤں یا ہر جگہ جہاں عید کے دن قربانی دی جائے گی فرشتے گھومتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ یہ فرشتے اس دن کے سوا زمین پر نہیں اترتے لہذا جب جانور ذبح کیا جاتا ہے تو یہ اس کی روح کو نیک یا تو جنت کو لے جاتے ہیں یا دوزخ کو۔ اگر قربانی کرنے والے کی نیت اس کے ذبح کرنے میں نیک ہو اور اس نے اسے محض اللہ کی خوشنودی کے لیے ذبح کیا ہو فخر یا دکھاوے کی نیت نہ ہو تو وہ جانور کی روح کو جنت میں اس کے مملوک میں لے جاتے ہیں اور یہی جانور اس کے لیے منجملہ جنت کی نعمتوں کے ایک نعمت بن جاتا ہے لیکن اگر ذبح کرنے والے کی نیت اس کے برعکس ہو، یعنی اس کی نیت فاسد اور اس کا عمل غیر اللہ کے لیے ہو تو وہ اس کی روح کو جہنم میں لے جاتے ہیں اور وہ جانور اس کے لیے جہنم میں منجملہ دیگر کلفتوں کے ایک کلفت بن جاتا ہے لہذا اگر تو اس روح کی طرف دیکھے تو تجھے بالکل ایک مینڈھا اپنی صورت، اپنے سینک اور ایشم کے ساتھ دکھائی دیکھا مگر یہ سب کچھ جھلسی آگ ہوگی چنانچہ اس کی پٹم کے بال اور سینک سب آگ ہوں گے۔ فَسَّأَلِ اللّٰهُ السَّلَامَةَ۔

نیز فرمایا: یہ بات لوگوں سے کہہ دو کیونکہ اس بات کی اطلاع دینا اشد ضروری ہے۔ چنانچہ کچھ لوگوں سے میں نے اس کا ذکر کر دیا۔ خدا مجھے انہیں اور تمام مسلمانوں کو نیک نیت بننے کی توفیق دے۔ واللہ اعلم۔

فرمایا: جہنم میں جنات کو آگ کا عذاب نہ دیا جائے گا اس لیے کہ یہی تو اس کی طبع اور سرشت ہے لہذا اس سے اسے کوئی دکھ نہ پہنچے گا۔ انہیں زہریر اور سردی سے عذاب دیا جائے گا دنیا کے اندر بھی جنات سردی سے سخت ڈرتے ہیں۔ چنانچہ موسم گرما میں بھی وہ ٹھنڈی ہوا کے چلنے سے ڈرتے رہتے ہیں اور اگر ٹھنڈی ہوا چلے تو یہ جنگلی گدھوں کی طرح بھاگتے ہیں جن اور شیاطین پانی میں کہیں داخل نہیں ہوتے۔ اگر کسی کو پانی میں ڈال دیا جائے تو وہ پانی کی سطح پر آجائے گا اور اس طرح فنا ہو جائے گا جیسے ہم میں سے کوئی آگ میں پڑنے سے فنا ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

فرمایا: اگر تو یہ معلوم کرنا چاہے کہ جنوں کا جسم کیسا ہوتا ہے تو نہایت تاریک آگ کو دیکھ جس کے ساتھ بہت سخت دھواں بھی ہو جیسا کہ کھاروں کے آدھ کا ہوتا ہے اور اس دھوٹی میں اپنے ذہن میں ان کی صورت کو، لہذا اس قسم کے دھوٹی میں پیشی ہوئی جو صورت بنے گی وہ جن کی صورت ہوگی۔ واللہ اعلم۔

فرمایا: تاملین کا عذاب دوسرے دوزخیوں جیسا نہ ہوگا۔

میں نے عرض کیا: یہ کیسے؟

اس پر حضرت نے مثال دیکر بیان فرمایا کہ فرض کرو ایک بادشاہ جس کی حکومت میں یہودی بھی ہوں اور مسلمان بھی اور اس نے دو دیواریں بنارکھی ہوں ایک پر تو یہودیوں کو سولی دیا جاتا ہو اور دوسری پر مسلمانوں کو۔ پھر اگر کوئی مسلمان نافرمانی کرے اور وہ اسے یہودیوں کی دیوار پر لٹکا دے تو اس سے یہ معلوم ہوگا کہ بادشاہ نے اسے یہودیوں کے ساتھ ملا کر اس کی سخت تذلیل کی ہے۔

میں نے عرض کیا اسے ذرا واضح کر دیں۔

تو فرمایا: جہنم میں ایک گرم آگ ہوگی جس سے بنی آدم کو عذاب دیا جائے گا اور دوسری ٹھنڈی آگ ہوگی جس سے جیسا کہ بیان کیا جا چکا، شیاطین کو عذاب دیا جائے گا اور تاملین کو اسی آگ سے شیاطین کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔

پھر فرمایا: یہ عذاب تاملین کے ساتھ خاص نہیں بلکہ بعض نافرمانوں کو بھی یہی عذاب ہوگا۔ اس کے بعد آپ ان نافرمانوں کو متعین کرنا چاہتے تھے اور اس کی حکمت بیان کرنا چاہتے تھے کہ انہیں مرد آگ سے کیوں عذاب دیا جائیگا کہ کسی نے آکر کلام قطع کر دیا۔ واللہ اعلم۔

ایک بار مجھ سے فرمایا کہ کیا جانتے ہو قیامت کے دن سخت عذاب کسے ہوگا؟ میں نے عرض کیا: وہ کون شخص ہوگا؟ (جسے سخت ترین عذاب ہوگا)۔

فرمایا: وہ بندہ جسے اللہ تعالیٰ نے جسم کامل، عقل کامل اور صحت کاملہ عطا کی ہو اور اس کے لیے ہر طرح آرام و عیش اور اسباب رزق مہیا کیے ہوں پھر اس شخص پر ایک یا دو یا اس سے بھی زیادہ دن گزر جائیں اور اس کے دل میں اپنے پیدا کر نیوالے کا خیال بھی نہ گزرے (اور اس کے بغلاف جب معصیت پر اسے قدرت ہو تو اس کی طرف تمام جسم اور تمام عقل کے ساتھ متوجہ ہو، اسے سمجھے اور لذت اٹھائے مگر اللہ کی طرف ذرہ برابر بھی خیال نہ آئے جو اسے تشویش میں ڈال دے۔ چنانچہ تو دیکھیے گا کہ معصیت سے تو اس کا پورا اتصال ہو چکا ہے اور اللہ سے پورا تعلق کٹ چکا ہے۔ وہ ہر حق معصیت میں مبتلا ہے اور اس میں خوب مزہ لیتا ہے۔ لہذا قیامت کے دن اس کی سزا بھی یہی ہوگی کہ اس کے تمام اجزاء کو جہنم میں جھونک دیا جائے اور اسے ایک ہی بار اس میں ڈال دیا جائے۔

فرمایا: حق سبحانہ کی طرف سے غفلت بالخصوص معصیت کی حالت میں بہت بُری چیز ہے اور اس کا معاملہ سخت ہوگا لہذا مومن کو چاہیے کہ کوئی گناہ کرے تو خیال رکھے کہ اس کا ایک رب ہے

جو اس پر قادر ہے۔ اس سے اسے خوف اور ڈر پیدا ہوگا اور اگر یہ فرض کر لو بالکل ہی منافی نہ بھی ہوگا تو اس کی شدت میں کمی ضرور پیدا ہوگی۔

یہ آخری الفاظ ہیں جو نقیہ اور علامہ شیخ احمد بن مبارک سلجماسی نے اپنے شیخ اور غوث زمان حضرت عبدالعزیز بن مولانا مسعود دتارغ الادریسی المسینی سے شکر لکھے۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّم۔

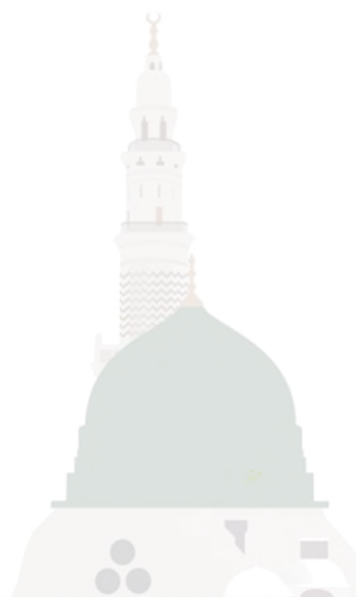
وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔

—————

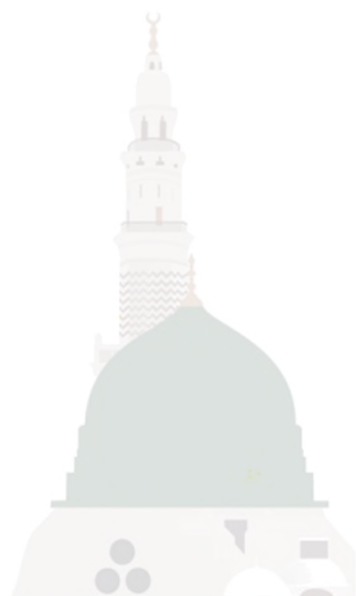




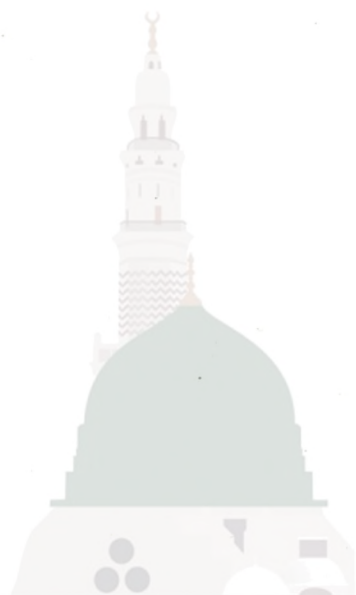




www.maktabah.org

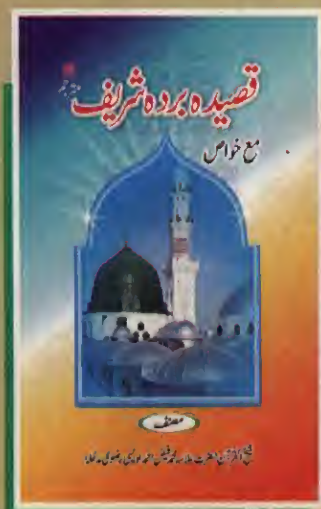


www.maktabah.org



www.maktabah.org

ادارے کی دیگر مستند کتب



ناشر:

ہاشمی پبلی کیشنز، راولپنڈی

Maktabah Mujaddidiyah

www.maktabah.org

This book has been digitized by Maktabah Mujaddidiyah (www.maktabah.org).

Maktabah Mujaddidiyah does not hold the copyrights of this book. All the copyrights are held by the copyright holders, as mentioned in the book.

Digitized by Maktabah Mujaddidiyah, 2012

Files hosted at Internet Archive [www.archive.org]

We accept donations solely for the purpose of digitizing valuable and rare Islamic books and making them easily accessible through the Internet. If you like this cause and can afford to donate a little money, you can do so through Paypal. Send the money to ghaffari@maktabah.org, or go to the website and click the Donate link at the top.